زیرِ نظر

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

انتخاب

تفسیر نمونہ

جلد دوم

ترجمہ

حجۃ الاسلام والمسلمین

علامہ سید صفدر حسین نجفی رح

انتخاب و تلخیص

حجۃ الاسلام والمسلمین

مولانا سید فیاض حسین نقوی دام ظلہٗ

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: انتخاب تفسیر نمونہ

تالیف اصل تفسیر نمونہ: زیر نظر حضرت آیۃ حضرت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی

ترجمہ اصل تفسیر نمونہ: حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید صفدر حسین نجفی قدس سرہ

انتخاب و تلخیص: مولانا سید فیاض حسین نقوی (جامعہ علمیہ ڈیفنس کراچی)

جلد: دوم

طبع اول: 2007ء

طبع ثانی: 2012ء

کمپوزنگ: مجاہد حسین حر۔0345-2401125

ناشر: مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور۔ پاکستان

قیمت مکمل سیٹ 3000روپے

اس کتاب کی اشاعت کیلئے مدینۃ العلم مشن کراچی نے بطور قرضِ حسنہ تعاون فرمایا ہے ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم ان کی توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے اور ان کے مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ ادارہ۔

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

عرض ناشر

قارئین محترم!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ! مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عرصہ دراز سے دورِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔

اس ٹرسٹ نے اپنے آغاز کار میں موجودہ دور کی شہرہ آفاق تفسیر۔۔۔تفسیر نمونہ۔۔۔کو فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کروا کے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر محسن ملت حضرت علامہ سید صفدر حسین نجفی قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ کی غیر معمولی مساعی، مالی معاونین کی فراخدلانہ اعانت اور کارکنان کی شبانہ روز محنت کی بدولت پانچ ہی سال کے قلیل عرصے میں کم وبیش دس ہزار صفحات پر محیط یہ تفسیر صوری ومعنوی خوبیوں سے آراستہ ستائیں جلدوں (مختصراً پندرہ جلدیں موجودہ) میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔شکراً اللہ

اس ادارے نے نہ صرف تفسیر نمونہ کے عظیم منصوبے کو حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پایا تکمیل تک پہنچایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بیسیوں علمی کتب کے علاوہ سید العلماء السید علامہ علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ کی سات جلدوں (مختصراً تین جلدیں موجودہ) پر مشتمل تفسیر فصل الخطاب شائع کی۔اردو زبان کو پہلی مرتبہ تفسیر قرآن کے جدید اسلوب سے روشناس کراتے ہوئے تفسیر موضوعی کے دو طویل سلسلوں یعنی ''پیام قرآن'' از آیت اللہ العظمٰی ناصر مکارم شیرازی اور ''قرآن کا دائمی منشور'' از آیت اللہ جعفر سبحانی کی اشاعت کو بھی تیزی سے مکمل کیا۔

تفسیر نمونہ چونکہ بلا امتیاز پوری امت مسلمہ کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے بیدار و تیار کرنے کیلئے لکھی گئی ہے' لہٰذا سبھی مسلمانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔یہی وجہ ہے کہ ہر جلد کے کئی ایڈیشن شائع ہونے کے باوجود اس کی طلب میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا یہ ادارہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہا ہے۔بعض باذوق اہل علم کی تجویز پر ہم نے تفسیر نمونہ کی طباعت کے ضمن میں ایک مفید تبدیلی کرتے ہوئے، اسے ستائیں جلدوں کی بجائے پندرہ جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا ہے تاکہ قارئین محترم کیلئے مزید آسانیاں پیدا کی جاسکیں۔

پندرہ جلدوں میں تفسیر پیش کرنے کے بعد حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید فیاض حسین نقوی پرنسپل جامعہ علمیہ کراچی کو زحمت دی گئی کہ پانچ جلدوں میں اس کی تلخیص فرمائیں۔ یاد رہے کہ ایران میں فارسی زبان میں تلخیص کی گئی ہے لیکن اس سے پہلے مولانا موصوف خلاصہ مکمل کر چکے تھے۔مزید برآں مصباح القرآن ٹرسٹ کی ویب سائٹ ''اَپ لوڈنگ'' کے مراحل میں ہے۔بہت جلد آپ ہماری تمام کتب ہماری ویب سائٹ www.misbahulqurantrust.com کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکیں گے۔ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہر نایاب سے بھرپور علمی وعملی استفادہ فرمائیں گے۔اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست

موضوع	صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
شرک کی مختلف اقسام اور بت پرستی کے خلاف جہاد	۲	فطری توحید............................	۲۷
''اجل مسمّٰی'' اور ''اجلاً'' سے کیا مراد ہے؟......	۴	نصیحت قبول نہ کرنے والوں کا انجام......	۲۹
سرکشی کرنے والوں کی سرگذشت..........	۶	نعمتیں بخشنے والے کو پہچانیے....................	۳۱
ہٹ دھرمی کا آخری درجہ........................	۷	غیب سے آگاہی..............................	۳۲
بہانہ تراشیاں	۸	طبقاتی تقسیم کے خلاف جنگ..................	۳۵
اللہ کے سوا اور کوئی پناہ گاہ نہیں ہے......	۱۱	اسلام کا ایک عظیم امتیاز..........................	۳۶
پروردگار کی قدرت قاہرہ	۱۲	بے جا اصرار اور ہٹ دھرمی........................	۳۸
سب سے بڑا گواہ	۱۳	اسرارِ غیب......................................	۴۰
سب سے بڑا ظلم..............................	۱۵	وہ نور جو تاریکی میں چمکتا ہے....................	۴۳
حق قبول نہ کرنے والوں کا طرز عمل..........	۱۶	رنگ رنگ کے عذاب............................	۴۴
وقتی اور بے اثر بیداری	۱۸	اہل باطل کی مجالس سے دوری.....................	۴۷
مصلحین کے راستے میں ہمیشہ مشکلات......	۲۱	ایک سوال اور اس کا جواب	۴۷
زندہ نما مردے..................................	۲۳	دین حق کو کھیل بنانے والے	۴۸
کیا جانوروں کے لئے بھی حشر ونشر ہے؟......	۲۵	کیا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا......	۵۲
بہرے اور گونگے	۲۶	آسمانوں میں توحید کی دلیلیں.......................	۵۳

موضوع	صفحہ نمبر
تین اہم امتیاز	۵۹
خداناشناس	۶۱
گمشدہ لوگ	۶۵
طلوع صبح کرنے والا	۶۶
تمام چیزوں کا خالق وہی ہے	۷۳
آنکھیں خدا کونہیں دیکھ سکتیں	۷۴
پیغمبر مجبورنہیں کرتے	۷۵
ہٹ دھرم لوگ راہ راست پر کیوں نہیں آتے ؟	۸۰
شیطانی وسوسے	۸۱
شرک کے تمام آثار مٹ جانے چاہئیں	۸۴
ایمان اور نور نظر	۸۷
پیغمبر کا انتخاب خدا کے ہاتھ میں ہے	۸۹
خدائی امداد	۹۱
شرح صدر کیا ہے؟	۹۱
اتمام حجت	۹۵
توحید کا ایک عظیم درس	۱۰۳
بعض حرام جانوروں کا ذکر	۱۰۶
وہ چیزیں جو یہودیوں پر حرام ہوئیں	۱۰۷
جبر کا بہانہ کرکے ذمہ داری سے فرار	۱۰۹
خدا کے دس فرمان	۱۱۲
ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی اہمیت	۱۱۴
گرسنگی کی وجہ سے اولاد کا قتل	۱۱۴
بہانہ سازوں کو ایک قطعی جواب	۱۱۶
بے جا اور محال توقعات	۱۱۷
نفاق پھیلانے والوں سے علیحدگی کا حکم	۱۱۸
جزا زیادہ سزا کم	۱۱۹
یہ میری صراط مستقیم ہے	۱۲۰
انسانوں میں فرق......اورعدالت کے تقاضے	۱۲۳
زمین پر انسانی خلافت	۱۲۳
سورہ اعراف پر ایک طائرانہ نظر	۱۲۶
سورہ اعراف کی فضیلت	۱۲۶
وہ قومیں جو نابود ہوگئیں	۱۲۸
ایک عام باز پرس	۱۲۹
جہان ہستی میں انسان کا عظیم الشان مقام	۱۳۱

موضوع	صفحہ نمبر
ابلیس کی سرکشی اور عصیان کا ماجرا	۱۳۳
ایک سوال کا جواب (شیطان کی گفتگو سے متعلق)	۱۳۳
مسلک جبر کا بانی بھی ابلیس تھا	۱۳۵
دلفریب انداز میں شیطانی وسوسے	۱۳۷
شجرہ ممنوعہ کونسا درخت تھا؟	۱۳۸
آیا آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تھا؟	۱۳۹
آدم علیہ السلام کی بازگشت خدا کی طرف	۱۴۰
بنی آدم کیلئے خطرے کی گھنٹی	۱۴۱
گذشتہ اور موجودہ زمانے میں لباس	۱۴۲
فحشاء سے کیا مراد ہے؟	۱۴۳
اسلام کی نظر میں زیب وزینت کی حیثیت	۱۴۶
محرمات الٰہی	۱۴۷
ہر گروہ کا ایک انجام ہے	۱۴۷
دوزخ میں پیشواؤں اور پیروؤں کا جھگڑا	۱۵۰
سکون کامل و سعادت جاودانی	۱۵۳
یہ ندا کرنے والا کون ہے؟	۱۵۵
اعراف جنت کی طرف ایک اہم گزرگاہ	۱۵۶

موضوع	صفحہ نمبر
اصحاب اعراف کون لوگ ہیں؟	۱۵۷
جنت کی نعمتیں دوزخیوں پر حرام ہیں	۱۵۸
کیا جہان چھ روز میں پیدا ہوا ہے؟	۱۶۱
عرش کیا ہے؟	۱۶۲
خلق وامر سے کیا مراد ہے؟	۱۶۲
قبولیت دعا کی شرائط	۱۶۳
حضرت نوح علیہ السلام پہلے اولوالعزم پیغمبر	۱۶۶
قوم ہود کی سرگزشت کا ایک گوشہ	۱۷۰
قوم ثمود کی عبرت انگیز سرگزشت	۱۷۳
قوم ثمود کو کس طرح موت آئی؟	۱۷۵
قوم لوط کا درد ناک انجام	۱۷۶
مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی رسالت	۱۷۸
اگر بار بار کی تنبیہ کارگر نہ ہو	۱۸۴
زندگی۔ایمان وتقویٰ کے زیر سایہ	۱۸۵
موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی لڑائی کا ایک منظر	۱۸۹
موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ	۱۹۱
آخرکار حق نے کیسے فتح پائی	۱۹۳

موضوع	صفحہ نمبر
فرعون کی جادوگروں کو شدید ترین تہدید	۱۹۵
بیدار کرنے والی سزائیں	۱۹۸
فال نیک و بد	۱۹۹
مختلف اور پیہم بلاؤں کا نزول	۱۹۹
فرعون کی بار بار عہد شکنیاں	۲۰۱
قوم فرعون کا دردناک انجام	۲۰۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت سازی کی فرمائش	۲۰۳
عظیم وعدہ گاہ	۲۰۴
حدیث منزلت	۲۰۵
دیدار پروردگار کی خواہش	۲۰۶
کیا خدا کو دیکھا جانا ممکن ہے؟	۲۰۷
الواح تورات	۲۰۷
متکبروں کا انجام	۲۰۸
یہودیوں میں گوسالہ پرستی کا آغاز	۲۰۹
طلائی گوسالہ سے کس طرح آواز پیدا ہوئی؟	۲۱۰
گوسالہ پرستوں کے خلاف شدید ردعمل	۲۱۱
معیادگاہ الٰہی میں بنی اسرائیل کے نمائندوں کا حضور	۲۱۳

موضوع	صفحہ نمبر
پیغمبر کی پیروی کرو	۲۱۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر پانچ دلیلیں	۲۱۶
کتب عہدین میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی بشارتیں	۲۱۷
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمگیر دعوت	۲۱۸
"حطة" کیا ہے؟ اور اس کے کیا معنی ہیں؟	۲۲۱
ایک عبرت انگیز سرگزشت	۲۲۳
بنی اسرائیل نے کس طرح گناہ کیا تھا؟	۲۲۳
کن لوگوں کو عذاب سے نجات ملی؟	۲۲۴
یہودیوں کا پراگندہ ہونا	۲۲۵
قوم یہود کے بارے میں آخری بات	۲۲۹
پہلا عہد و پیمان اور عالم ذر	۲۳۰
ایک عالم جو فرعونوں کا خدمت گار ہے	۲۳۲
دنیا پرست اور منحرف عالم بلعم باعورا	۲۳۲
دوزخیوں کی نشانیاں	۲۳۴
تدریجی سزا	۲۳۶
تہمت تراشیاں اور بہانہ سازیاں	۲۳۸

موضوع	صفحہ نمبر
قیامت کب برپا ہوگی؟	۲۳۹
پوشیدہ اسراف خدا جانتا ہے	۲۴۰
ایک عظیم نعمت کا کفران	۲۴۲
بے وقعت معبود	۲۴۵
شیطانی وسوسے	۲۴۷
تلاوت قرآن ہو رہی ہو تو خاموش رہو	۲۴۹
سورہ انفال کے موضوعات	۲۵۲
سورہ انفال کی فضیلت	۲۵۲
انفال کیا ہے؟	۲۵۴
مومنین کی پانچ خصوصیات	۲۵۵
اسلام اور کفر کا پہلا تصادم ۔۔۔۔۔ جنگ بدر	۲۵۷
بدر کے تربیتی دروس	۲۶۲
جہاد سے فرار ممنوع ہے	۲۶۲
سننے والے بہرے	۲۶۷
دعوت زندگی کی طرف	۲۶۸
خیانت اور اس کا سرچشمہ	۲۷۱
ایمان اور روشن ضمیری	۲۷۲
ہجرت کی ابتدا	۲۷۴
بے ہودہ باتیں کرنے والے	۲۷۶
ایک اہم اسلامی حکم خمس	۲۸۱
وہ کام جو ہونا چاہئے	۲۸۳
جہاد کے بارے میں چھ احکام	۲۸۵
مشرک، منافق اور شیطانی وسوسے	۲۸۷
شیطان وسوسے ڈالتا ہے یا بہروپ اختیار کرتا ہے؟	۲۸۸
متغیر نہ ہونے والی ایک سنت	۲۹۰
شدت عمل پیمان شکنوں کے مقابلے میں	۲۹۱
جنگی طاقت میں اضافہ اور اس کا مقصد	۲۹۳
برابر کی قوت کے انتظار میں نہ رہو	۲۹۶
جنگی قیدی	۲۹۸
چار مختلف گروہ	۳۰۱
سورہ توبہ کے بارے میں چند اہم نکات	۳۰۶
سورہ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ کیوں نہیں ہے	۳۰۷
مشرکین کے معاہدے لغو ہوجاتے ہیں	۳۰۷

موضوع	صفحہ نمبر
جن کا معاہدہ قابل احترام ہے...............	۳۰۹
شدت عمل اور سختی ساتھ ساتھ...............	۳۱۰
حد سے بڑھ جانے والے پیمان شکن.........	۳۱۲
دشمن سے جنگ کرنے سے کیوں ڈرتے ہو......	۳۱۴
مسجدیں آباد رکھنا ہر کسی کے بس میں نہیں......	۳۱۷
تعمیر مساجد کی اہمیت...............	۳۱۸
معیار فضیلت	۳۲۰
ہدف اور خدا پر ہر چیز قربان ہے............	۳۲۱
صرف کثرت کسی کام کی نہیں	۳۲۳
جنگ حنین...............	۳۲۴
مشرکین کو مسجد الحرام میں داخلے کا حق نہیں......	۳۲۵
اہل کتاب کے بارے میں ہماری ذمہ داری......	۳۲۶
جزیہ کیا چیز ہے ؟...............	۳۲۷
اہل کتاب کی بت پرستی...............	۳۲۸
کیا یہود ونصاریٰ اپنے پیشواؤں کی عبادت کرتے تھے؟...............	۳۲۹
ایک اصلاحی درس...............	۳۳۰
اسلام کی عالمگیر حکومت	۳۳۰۲۳
قرآن اور قیام مہدی علیہ السلام...............	۳۳۰
کنز اور ذخیرہ اندوزی منع ہے...............	۳۳۲
ارتکاز دولت کی سزا...............	۳۳۴
لازمی جنگ بندی	۳۳۵
دوبارہ میدان جنگ کی طرف روانگی......	۳۳۸
حساس ترین لمحات میں خدانے اپنے پیغمبر کو تنہا نہیں چھوڑا...............	۳۳۹
تن پرور لالچی	۳۴۱
کوشش کرو کہ منافقین کو پہچان لو	۳۴۳
منافقین کا نہ ہونا ہونے سے بہتر تھا............	۳۴۵
بہانہ تراش منافقین	۳۴۷
منافقین کی نشانیاں...............	۳۵۰
منافقین بے حد ڈرپوک ہیں...............	۳۵۱
بے منطق وخود غرض افراد...............	۳۵۲
مصارف زکوٰۃ اور اسکی تفصیلات...............	۳۵۳
فقیر اور مسکین میں فرق...............	۳۵۵

موضوع	صفحہ نمبر
کیا زکوٰۃ آٹھ حصوں میں برابر تقسیم کی جائیگی؟	۳۵۵
زکوٰۃ کس وقت واجب ہوئی تھی؟	۳۵۵
اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اثر	۳۵۵
منافقین کی ایک کھلی نشانی	۳۵۸
منافقین کا خطرناک پروگرام	۳۶۰
منافقوں کی پانچ نشانیاں	۳۶۲
تاریخ کا ذکر اور درس عبرت	۳۶۳
سچے مومنون کی نشانیاں	۳۶۵
کافروں اور منافقوں سے جنگ	۳۶۶
خطرناک سازش	۳۶۸
منافق کم ظرف ہوتے ہیں	۳۷۰
منافقین کی ایک صفت عیب جوئی کرنا	۳۷۲
کام کی اہمیت کیفیت سے ہے کمیت سے نہیں	۳۷۲
منافقین کی ایک صفت شیطانی وسوسے پیدا کرنا	۳۷۳
منافقین کے بارے میں زیادہ سخت اقدام	۳۷۵
وہ معذور جو عشق جہاد میں آنسو بہاتے تھے	۳۸۰
جھوٹی معذرتوں اور قسموں پر اعتبار نہ کرو	۳۸۲

موضوع	صفحہ نمبر
سنگدل اور صاحب ایمان بادیہ نشین	۳۸۳
سابقین اسلام	۳۸۵
توبہ کرنے والے	۳۸۸
زکوٰۃ فرد اور معاشرے کو پاک کرتی ہے	۳۸۸
مسجد کے روپ میں بت خانہ	۳۹۳
ایک بے مثال تجارت	۳۹۵
دشمنوں سے لاتعلقی ضروری ہے	۳۹۷
واضح حکم کے بعد سزا	۳۹۸
سچوں کا ساتھ دو	۴۰۱
کیا صادقین سے مراد صرف معصومین علیہم السلام ہیں؟	۴۰۱
مجاہدین کو مشکلات پر جزا ضرور ملے گی	۴۰۲
جہالت اور دشمن کے خلاف جہاد	۴۰۴
قریب کے دشمن کی خبر	۴۰۴
آیات قرآنی کی تاثیر پاک اور ناپاک دلوں پر	۴۰۵
سورہ یونس کے مضامین اور فضیلت	۴۱۰
''قدم صدق'' سے کیا مراد ہے؟	۴۱۱
خداشناسی اور قیامت	۴۱۲

موضوع	صفحہ نمبر
عظمت الٰہی کی نشانیاں	۴۱۳
رات دن کا آنا جانا	۴۱۴
جنتی اور دوزخی	۴۱۵
خودغرض انسان	۴۱۷
ظالموں کی راہ پر چلنے سے گریز کرو	۴۱۸
بے اثر معبود	۴۲۱
من پسند معجزات	۴۳۲
دنیاوی زندگی کی ناپائیداری	۴۲۶
سفید اور سیاہ چہروں والے	۴۲۷
قیامت میں بت پرستوں کا منظر	۴۲۰
حق وباطل کی ایک پہچان	۴۳۳
دعوت قرآن کی عظمت اور حقانیت	۴۳۴
اندھے اور بہرے	۴۳۶
خدائی سزا میرے ہاتھ میں نہیں ہے	۴۳۹
خدائی سزا میں شک نہ کرو	۴۴۱
قرآن خدا کی عظیم رحمت ہے	۴۴۳
خدا ہر جگہ ناظر ہے	۴۴۴

موضوع	صفحہ نمبر
روحانی سکون ایمان کے زیر سایہ ہے	۴۴۶
عظمت الٰہی کی کچھ نشانیاں	۴۴۷
حضرت نوح علیہ السلام کے جہاد کا ایک پہلو	۴۵۰
حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیاء	۴۵۱
موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے جہاد کا ایک پہلو	۴۵۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف جنگ کا دوسرا مرحلہ	۴۵۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جہاد کا تیسرا مرحلہ	۴۵۵
چوتھا مرحلہ .... انقلاب کی تیاری	۴۵۷
ظالموں سے مقابلے کا آخری مرحلہ	۴۵۸
شک کو اپنے قریب نہ آنے دو	۴۶۰
صرف ایک گروہ برمحل ایمان لایا	۴۶۱
قوم یونس علیہ السلام کے ایمان لانے کا واقعہ	۴۶۲
جبری ایمان بے کار ہے	۴۶۳
تربیت اور وعظ ونصیحت	۴۶۴
مشرکین کے بارے میں حتمی فیصلہ	۴۶۶
آخری بات	۴۶۷
سورہ ہود کے مضامین اور فضیلت	۴۷۰

موضوع	صفحہ نمبر
سورہ ہود کی معنوی تاثیر	۴۷۱
دعوت انبیاء کے چار اہم اصول	۴۷۲
تقسیم رزق اور زندگی کیلئے سعی وکوشش	۴۷۴
مقصد خلقت	۴۷۶
مومن عالی ظرف اور بے ایمان کم ظرف ہوتے ہیں	۴۷۷
امت معدودہ اور یارانِ مہدی علیہ السلام	۴۷۸
قرآن ایک معجزہ جاوداں	۴۸۰
سب سے زیادہ زیاں کار	۴۸۴
حضرت نوح علیہ السلام کی ہلا دینے والی سرگزشت	۴۸۷
حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات	۴۸۸
صاحب ایمان افراد کو دھتکارا نہیں جا سکتا	۴۸۹
معاشرے کو پاک کرنے کا مرحلہ	۴۹۳
حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی	۴۹۵
آغاز طوفان	۴۹۶
طوفان نوح علیہ السلام میں عبرت کے درس	۴۹۸
پسر نوح علیہ السلام کا دردناک انجام	۵۰۱

موضوع	صفحہ نمبر
حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کیوں ''عمل غیر صالح'' تھا؟	۵۰۲
طوفان میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے حامیوں کی سلامتی	۵۰۲
بہادر بت شکن	۵۰۴
تمام انبیاء کی دعوت کا خمیر توحید ہے	۵۰۵
حضرت ہود علیہ السلام کی قوی منطق	۵۰۶
اس ظالم قوم پر ابدی لعنت	۵۰۸
قوم ثمود کی داستان	۵۱۰
مکتب کا رشتہ	۵۱۳
قوم ثمود کا انجام	۵۱۴
حضرت ابراہیم علیہ السلام بت شکن کی زندگی کے کچھ حالات	۵۱۶
قوم لوط کی شرمناک زندگی	۵۱۹
ظالموں کی زندگی کا اختتام	۵۲۱
ہم جنس کی طرف میلان کی حرمت	۵۲۲
حضرت شعیب علیہ السلام کی سرزمین مدین	۵۲۳
ہٹ دھرموں کی بے بنیاد منطق	۵۲۶

موضوع	صفحہ نمبر
ایک دوسرے کو دھمکیاں	۵۲۹
مدین کے تباہ کاروں کا انجام	۵۳۰
فرعون کے ساتھ زبردست مقابلہ	۵۳۱
سعادت وشقاوت یا مشکلات؟	۵۳۵
سعادت وشقاوت کے اسباب	۵۳۶
استقامت کا دامن تھامے رہو	۵۳۸
ظالموں پر بھروسہ نہ کرو	۵۴۰
کن امور میں ظالموں سے وابستگی منع ہے	۵۴۰
نماز اور صبر	۵۴۱
نماز کی اہمیت	۵۴۲
معاشروں کی تباہی	۵۴۳
گزشتگان کے واقعات کے مطالعہ کے چار اثرات	۵۴۶
سورہ یوسف کہاں نازل ہوئی؟	۵۵۰
سورہ یوسف قرآن کا ایک اور اعجاز	۵۵۰
حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد	۵۵۱
داستان یوسف ایک ہی جگہ کیوں بیان ہوئی	۵۵۱
سورہ یوسف کی فضیلت	۵۵۱
داستان یوسف علیہ السلام......احسن القصص ہے	۵۵۲
انسانی زندگی پر داستان یوسفؑ کا اثر	۵۵۳
امید کی کرن اور مشکلات کی ابتداء	۵۵۴
خواب دیکھنا	۵۵۶
یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی سازش	۵۵۷
انسانی زندگی میں حسد کے تباہ کن اثرات	۵۵۸
منحوس سازش	۵۶۰
رسوا کن جھوٹ	۵۶۲
ایک ترک اولیٰ کے بدلے	۵۶۴
حضرت یوسفؑ کی دلکش دعا	۵۶۶
عزیز مصر کے محل میں	۵۶۸
عزیز مصر کی بیوی کا عشق سوزاں	۵۷۰
زوجۂ عزیز مصر کی رسوائی	۵۷۳
بحرانی لمحات میں نصرت الٰہی	۵۷۴
زوجہ عزیز مصر کی ایک اور سازش	۵۷۶

صفحہ نمبر	موضوع
۵۸۰	بے گناہی کی پاداش میں قید
۵۸۲	قید خانہ یا مرکز تربیت
۵۸۵	بادشاہ مصر کا خواب
۵۸۷	نچی تلی تعبیر
۵۸۸	یوسف علیہ السلام ہر الزام سے بری ہوگئے
۵۹۰	یوسف علیہ السلام مصر کے خزانہ دار کی حیثیت سے
۵۹۳	یوسف علیہ السلام کی بھائیوں کو نئی تجویز
۵۹۵	حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اپنا تعارف کیوں نہ کروایا
۵۹۷	حضرت یعقوب علیہ السلام کی بنیامین کو بھیجنے پر رضامندی
۶۰۰	یوسف علیہ السلام کی بھائی کو روکنے کی کوشش
۶۰۳	برادران یوسف علیہ السلام کی فداکاری کیوں قبول نہ ہوئی؟
۶۰۵	برادرانِ یوسف علیہ السلام سر جھکائے باپ کے پاس پہنچے
۶۰۹	مایوس ہونے کی بجائے کوشش کرنا چاہئے
۶۱۳	آخر لطف الٰہی اپنا کام کرے گا
۶۱۵	سیاہ رات چھٹ گئی
۶۱۶	یوسف علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام اور بھائیوں کی سرگزشت کا اختتام
۶۱۹	یہ دعویدار عام طور پر مشرک ہیں
۶۲۱	عبرت کے زندہ درس
۶۲۶	سورہ رعد کے مضامین و مشتملات
۶۲۷	آسمان و زمین اور سبزہ زار خدا کی نشانیاں ہیں
۶۳۲	قیامت کے بارے میں کافروں کا تعجب
۶۳۳	مشرکین کی بہانہ سازی
۶۳۵	خدا کا بے پایاں علم
۶۳۶	غیبی محافظ
۶۳۷	تبدیلی ہمیشہ خود ہمارے ہاتھوں سے آتی ہے
۶۳۸	عظمت الٰہی کی نشانیاں
۶۴۰	موجودات کے سجدہ کرنے سے کیا مراد ہے؟
۶۴۱	طوعاً و کرھاً سے کیا مراد ہوسکتا ہے؟
۶۴۱	بت پرستی آخر کیوں؟

موضوع	صفحہ نمبر
حق و باطل کی منظر کشی	۶۴۲
مثالیں مسائل کو سب کیلئے یکساں بنا دیتی ہے	۶۴۴
جنہوں نے دعوت حق کو قبول کیا..........	۶۴۴
اہل شعور کا طرز عمل.......... جنت کے آٹھ دروازے................	۶۴۶
صرف صبر کا ذکر کیوں ہوا ہے؟	۶۴۹
دنیا پرست تباہ کار	۶۵۰
یاد الٰہی................	۶۵۱
ذکر خدا کیا ہے اور کس طرح ہے؟..........	۶۵۲
ہٹ دھرم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے......	۶۵۴
کس طرح خدا کو بتوں کا شریک بناتے ہو؟......	۶۵۶
خدا پرست اور دیگر گروہ	۶۵۹
قطعی اور قابل تغیر حوادث................	۶۶۰
’’لوح محو و اثبات‘‘ اور ’’اُم الکتاب‘‘......	۶۶۲
انسان اور معاشرے ختم ہو جاتے ہیں خدا باقی رہتا ہے	۶۶۲

موضوع	صفحہ نمبر
سورہ ابراہیم کے مضامین................	۶۶۶
سورہ ابراہیم کی فضیلت................	۶۶۶
ظلمتوں سے نور کی طرف................	۶۶۷
زندگی کے حساس دن	۶۷۰
شکر نعمت اور کفرانِ نعمت کا نتیجہ......	۶۷۲
کیا خدا کے بارے میں شک ہے؟..........	۶۷۳
صرف اللہ پر توکل کرو	۶۷۵
منحرف جابروں کا طرز عمل اور ان کا انجام......	۶۷۷
تیز آندھی اور خاکستر................	۶۷۹
شیطان اور اس کے پیروکاروں کی صریح گفتگو	۶۸۱
شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ	۶۸۳
کفران نعمت کا انجام................	۶۸۶
قرآن کی نگاہ میں انسان کی عظمت......	۶۸۸
ابراہیم علیہ السلام بت شکن کی اصلاحی دعائیں......	۶۹۰
جس روز آنکھیں پتھرا جائیں گی	۶۹۳
ظالموں کی کمزور سازشیں	۶۹۵

سورہ انعام

☆ مکی سورہ ہے

☆اس کی ۱۶۵ آیات ہیں

سورہ انعام

شرک کی مختلف اقسام اور بت پرستی کے خلاف جہاد

کہا جاتا ہے کہ یہ انہتر واں (۶۹) سورہ ہے جو مکہ میں پیغمبرﷺ پر نازل ہوا۔ ان روایات سے جو اہل بیتؑ کے طریق سے ہم تک پہنچی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی تمام آیات ایک جگہ نازل ہوئی ہیں اس بناء پر وہ سب کی سب مکی ہوں گی۔

اس سورہ کا بنیادی ہدف اور مقصد دوسری مکی سورتوں کی طرح ہی تین اصولوں توحید نبوت اور قیامت کی طرف دعوت دینا ہے لیکن سب سے بڑھ کر اس میں مسئلہ توحید اور شرک و بت پرستی کے خلاف مبارزہ کیا گیا ہے۔

اس سورہ کی آیات میں تدبر و تفکر جو انتہائی جاندار اور واضح و روشن دلائل پر مشتمل ہے انسان کے اندر روح توحید و خدا پرستی کو زندہ کرتا ہے اور شرک کی بنیادوں کو اکھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

اور وہ روایات جو اس سورہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں وہ بھی اس امر کے سبب سے ہی ہیں ہم بار ہا پڑھتے ہیں کہ سورہ انعام کے نزول کے وقت ستر ہزار فرشتے اسے لے کر نازل ہوئے تھے اور جو شخص اس سورہ کو پڑھے اور اس کے سائے میں اس کی روح و جان سر چشمہ توحید سے سیراب ہو تو وہ تمام فرشتے اس کے لئے طلب مغفرت کرتے ہیں ہوسکتا ہے کہ اس سورہ کی آیات میں غور و فکر کرنا مسلمانوں میں سے روح نفاق و پراگندگی کو نکال باہر کرے اور کانوں کو سننے والا آنکھوں کو دیکھنے والا اور دلوں کو دانا بنا دے۔

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ اس سورہ سے صرف اس کے الفاظ کے پڑھنے پر قناعت کرتے ہیں اور اپنی ذاتی اور خاص مشکلات کے حل کے لئے طویل و عریض تقریبات اور نشستیں منعقد کرتے ہیں جنہیں ختم انعام کے نام سے یاد کرتے ہیں مسلمہ طور پر اگر ان تقریبات میں سورہ کے مضامین میں غور و فکر کیا جائے تو نہ صرف مسلمانوں کی شخصی و ذاتی مشکلات حل ہوں گی بلکہ ان کی عمومی مشکلات بھی حل ہو جائیں گی لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ قرآن کو ایک ایسے سلسلہ اوراد کے طور سے دیکھتے ہیں کہ جس میں ایسی خاصیتیں پائی جاتی ہیں جو راز ہی راز ہیں اور کسی کو معلوم نہیں ہیں اور اس کے الفاظ کو پڑھنے کے علاوہ کچھ بھی تو غور نہیں کرتے حالانکہ قرآن سارے کا سارا سبق ہے اور مدرسہ ایک پروگرام ہے اور بیداری ایک رسالت ہے اور علم آگہی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱)اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوۡرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ	حمد وستائش اس اللہ کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو ایجاد کیا لیکن کافر اللہ کے لئے شریک وشبیہ قرار دیتے ہیں حالانکہ اس کی توحید اور یکتائی کی دلیلیں تخلیق کائنات میں ظاہر وعیاں ہیں۔
(۲)ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنۡدَہٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ	وہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں گیلی مٹی سے پیدا کیا پھر اس نے ایک مدت مقرر کی (تاکہ انسان درجہ کمال کو پہنچ جائے) اور حتمی اجل اسی کے پاس ہے (اور وہ اس سے آگاہ ہے) اس کے باوجود (تم مشرک لوگ اس کی توحید ویکتائی، اس کی قدرت) میں شک وشبہ رکھتے ہو اور اس کا انکار کرتے ہو۔

تفسیر

اس سورہ کا خداوند تعالیٰ کی حمد وستائش کے ساتھ آغاز ہوا ہے۔

پہلے عالم کبیر آسمان وزمین اور ان کے نظاموں کی پیدائش کے طریق سے اور اس کے بعد عالم صغیر یعنی انسان کی آفرینش کے راستے سے لوگوں کو اصل توحید کی طرف متوجہ کیا گیا ہے پہلے کہتا ہے حمد وسپاس اس اللہ کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

وہ اللہ جو نور وظلمت دونوں کا مبدا ہے دو خداؤں کی پرستش کا عقیدہ رکھنے والوں کے نظریئے کے برخلاف وہی تنہا تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن مشرکین وکفار بجائے اس کے کہ اس نظام واحد سے توحید کا سبق حاصل کریں اپنے پروردگار کے لئے شریک وشبیہ قرار دیتے ہیں۔

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ مشرکین کے عقیدہ کو لفظ ثم کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جو کہ لغت عرب میں ترتیب با فاصلہ کے لئے بولا جاتا ہے اور اس سے اس بات کی نشان وہی ہوتی ہے کہ ابتدا میں تمام نوع بشر میں توحید ایک اصل فطری اور عقیدہ عمومی کی حیثیت سے موجود تھی اور شرک بعد میں اس اصل فطری سے ایک انحراف کی صورت میں پیدا ہوا۔

(۲) اس آیت میں عالم صغیر یعنی انسان کی طرف توجہ دلاتی ہے اس سلسلے میں انتہائی حیرت انگیز مسئلہ یعنی اس کی خاک اور گیلی مٹی سے پیدائش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے کہ وہ وہی خدا ہے جس نے تمہیں گیلی مٹی سے پیدا کیا۔

یہ صحیح ہے کہ ہماری خلقت ہمارے ماں باپ سے ہوئی ہے نہ کہ خاک سے لیکن چونکہ سب سے پہلے انسان کی پیدائش خاک اور گیلی مٹی سے ہوئی تھی لہٰذا ہمیں اسی طرح خطاب کرنا درست ہے۔

اس کے بعد انسان کی عمر کے کمال کو پہنچنے کے مراحل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے اس کے بعد ایک مدت مقرر کی کہ جس میں انسان روئے زمین میں پرورش پا کر کمال کو پہنچے۔

اس کے بعد اس بحث کی تکمیل کے لئے ارشاد ہوتا ہے: اجل مسمیٰ خدا کے پاس ہے۔

اس کے بعد کہتا ہے تم مشرک لوگ اس پیدا کرنے والے کے بارے میں کہ جس نے انسان کو بے قدر و قیمت اور حقیر چیز یعنی گیلی مٹی سے پیدا کیا ہے اور تمہیں ایسے ایسے حیرت انگیز مرحلوں سے گزارا ہے شک کرتے ہو اور انکار کا راستہ اختیار کرتے ہو تم نے بتوں جیسی حقیر مخلوق کو خدا کا ہم پلہ قرار دے لیا ہے یا تم مردوں کے زندہ کرنے اور قیامت کے برپا کرنے کے بارے میں خداوند تعالیٰ کی قدرت میں شک و شبہ رکھتے ہو۔

''اجل مسمّیً'' اور ''اجلاً'' سے کیا مراد ہے؟

جو کچھ قرآن کریم کی دوسری تمام آیات کے قرینے سے اور اسی طرح ان روایات سے جو اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے ہم تک پہنچی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا فرق اس بات میں ہے کہ جب ''اجل'' اکیلا ہو تو یہ غیر حتمی عمر، مدت اور وقت کے معنی میں ہوتا ہے اور اجل مسمی حتمی عمر اور معین مدت کے معنی میں ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں ''اجل مسمّی'' طبعی موت کو کہتے ہیں اور ''اجل'' وقت سے پہلے آنے والی موت ہے۔

(۳) وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ	اور آسمانوں اور زمین میں اللہ تو وہی ہے جو تمہاری پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے اور آشکار کو بھی اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو اور کسب کرتے ہو اس سے بھی باخبر ہے۔

تفسیر

اس آیت میں ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو موجودات کی ہر نوع کے لئے علیحدہ علیحدہ خداؤں کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ بارش کا خدا، جنگ کا خدا، صلح کا خدا، آسمان کا خدا وغیرہ وغیرہ۔ ارشاد ہوتا ہے وہی ہے وہ خدا کہ جس کی الوہیت تمام آسمانوں اور زمین پر حکومت کرتی ہے۔

یہ بات ضروری ہے کہ جو ہر جگہ حکومت کرتا ہو اور ہر چیز کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ ہر جگہ حاضر ہو وہ تمام اسرار اور پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے لہٰذا بعد والے جملے میں کہتا ہے کہ ایسا خدا وہی ہے جو تمہارے پوشیدہ اور آشکار امور کو جانتا ہے اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو اس سے بھی باخبر ہے۔

(۴) وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ	کوئی نشانی اور آیات خدا میں سے کوئی آیت ان تک نہیں پہنچی مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔
(۵) فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ	انہوں نے حق کا انکار کر دیا جب کہ وہ ان کی طرف آیا لیکن جس بات کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے بہت جلد انہیں اس کی اطلاع مل جائے گی اور وہ اپنے اعمال کے نتائج سے آگاہ ہو جائیں گے۔

تفسیر

ہم بیان کر چکے ہیں کہ سورہ انعام میں زیادہ تر روئے سخن مشرکین کی طرف ہے اور قرآن مجید ان کی بیداری اور آگاہی کے لئے طرح طرح کے وسائل و ذرائع سے کام لیتا ہے۔

اس آیت میں حق اور خدائی نشانیوں کے مقابلے میں مشرکین کے تکبر لاپرواہی اور ہٹ دھرمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے وہ ایسے ہٹ دھرم اور لاپرواہ ہیں کہ پروردگار کی نشانیوں میں سے جس نشانی کو بھی دیکھتے ہیں فوراً اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

یہ صورت زمانہ جاہلیت اور مشرکین عرب میں ہی منحصر نہیں اب بھی ہم بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ جو ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گئے ہیں لیکن وہ خدا اور مذہب کے بارے میں تحقیق و جستجو کرنے کی ایک لحہ کے لئے بھی زحمت اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں یہ تو معمولی بات ہے اگر اتفاق سے کوئی کتاب یا تحریر اس سلسلے کی ان کے ہاتھ میں آ جائے تو اس کی طرف نگاہ تک نہیں کرتے اور اگر کوئی شخص اس بارے میں ان سے گفتگو کرے تو وہ سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے یہ ہٹ دھرم جاہل اور بے خبر لوگ ہیں جو ممکن ہے بعض اوقات عالم کے لباس میں ملبوس ہوں۔

(۵) اس کے بعد ان کے اس عمل کے نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی حالانکہ اگر وہ پروردگار کی آیات اور نشانیوں میں غور و فکر کرتے تو وہ حق کو اچھی طرح سے دیکھ لیتے اور پہچان لیتے اور اسے باور کر لیتے۔ اور اس تکذیب اور جھٹلانے کا نتیجہ وہ بہت جلدی پالیں گے اور اس کی خبر کہ جس کا انہوں نے مذاق اڑایا تھا ان تک پہنچ جائے گی۔

اوپر والی آیات میں درحقیقت کفر کے تین مراحل کی طرف اشارہ ہوا ہے جس میں مرحلہ بہ مرحلہ شدت پیدا ہوتی جاتی ہے پہلا مرحلہ اعراض و روگردانی کا ہے اس کے بعد تکذیب اور جھٹلانے کا مرحلہ ہے اور بعد میں حقائق اور آیات خدا کے استہزاء، تمسخر اور مذاق اڑانے کا مرحلہ ہے۔

(٦) اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَهۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَکِّنۡ لَّکُمۡ وَ اَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡهِمۡ مِّدۡرَارًا ۪ وَّ جَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَکۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِیۡنَ	کیا انہوں نے دیکھا نہیں ہے کہ ہم نے کتنی گذشتہ اقوام کو ہلاک کیا ہے وہ قومیں کہ (جو تم سے کہیں زیادہ طاقتور تھیں) جنہیں ہم نے ایسی توانائیاں عطا کی تھیں جو تمہیں نہیں دی ہیں ہم ان کی طرف پے درپے بارشیں بھیجیں اور ان (کی آبادیوں) کے نیچے نہریں جاری کیں (لیکن جب انہوں نے سرکشی اور طغیانی کی تو) ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ہم دوسری قوم کو وجود میں لائے۔

تفسیر

سرکشی کرنے والوں کی سرگزشت

اس آیت کے بعد قرآن بت پرستوں اور مشرکین کو بیدار کرنے کے لئے شرک و بت پرستی کے مختلف محرکات کی مناسبت سے ایک مرحلہ وار ترتیبی پروگرام پیش کرتا ہے پہلے تو عاملِ غرور کو ختم کرنے کے لئے کہ جو طغیان و سرکشی کے اہم عوامل میں سے ایک عامل ہے کام کا آغاز کرتا ہے اور اقوام گذشتہ کی کیفیت اور ان کے دردناک انجام کی یاددہانی کرانے کے ساتھ ان افراد کو کہ جن کی آنکھوں کے اوپر غرور کا پردہ پڑا ہوا ہے تنبیہ کرتے ہوئے کہتا ہے کیا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا کہ ہم نے کیسی کیسی قومیں ان سے پہلے ہلاک کر دیں وہ ایسی قومیں تھیں جنہیں ہم نے روئے زمین کی وہ توانائیاں دے رکھی تھیں جو تمہارے اختیار میں نہیں دیں۔

ان توانائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہم نے ان کے لئے یکے بعد دیگرے برکت والی بارشیں بھیجیں۔

دوسرا یہ ہے کہ جاری پانی کی نہریں ان کی آبادیوں کے نیچے جاری کی ہیں اور ان کے اختیار میں دی ہیں۔

لیکن جب انہوں نے سرکشی کا راستہ اختیار کر لیا تو ان امکانات میں سے کوئی چیز بھی انہیں خدائی سزا سے نہ بچا سکی اور ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے نیست و نابود کر دیا۔

ان کے بعد ہم دوسری قوموں کو ان کی جگہ لے آئے۔

کیا گذشتہ لوگوں کے حالات کا مطالعہ ان کیلئے باعث عبرت نہیں ہونا چاہیے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار اور غرور کی مستی سے ہوشیار نہیں ہو جانا چاہیے کیا وہ خدا جس نے گذشتہ لوگوں کیلئے یہ عمل کیا ہے یہ قدرت نہیں رکھتا کہ وہی ان کے ساتھ بھی کرے؟

(۷) وَ لَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ كِتٰبًا فِىۡ قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوۡهُ بِاَيۡدِيۡهِمۡ لَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ	اگر ہم کاغذ پر (لکھی ہوئی) کوئی کتاب تجھ پر نازل کرتے (اور وہ دیکھنے کے علاوہ) اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے بھی تو پھر بھی کفار یہی کہتے کہ یہ تو کھلے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

تفسیر

ہٹ دھرمی کا آخری درجہ

قرآن اس مقام پر بعض بت پرستوں کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اگر اسی طرح جیسا کہ ان کا مطالبہ ہے کسی کاغذ کے صفحہ پر ہی کوئی تحریر یا اس کی مانند ہی کوئی اور چیز تم پر نازل کر دیں اور مشاہدہ کرنے کے علاوہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے چھوئیں بھی پھر بھی وہ یہی کہیں گے کہ یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے۔

یعنی ان کی ہٹ دھرمی کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ وہ روشن ترین محسوسات کا بھی انکار کر دیتے ہیں اور جادو کا بہانہ کر کے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے روگرداں ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں حقائق کے ثبوت کے لئے ان نشانیوں کے دسویں حصہ پر قناعت کر لیتے ہیں اور اسے ہی قطعی اور مسلم جان لیتے ہیں یہ بات صرف اس وجہ سے ہے کہ خودخواہی، تکبر اور شدید ہٹ دھرمی نے ان کی روح پر سایہ ڈال رکھا ہے۔

(۸) وَ قَالُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوۡ اَنۡزَلۡنَا مَلَكًا لَّقُضِىَ الۡاَمۡرُ ثُمَّ لَا يُنۡظَرُوۡنَ	انہوں نے کہا کہ اس کے اوپر کوئی فرشتہ کیوں نہ نازل ہوا (تاکہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے میں اس کی مدد کرتا) لیکن اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو پھر معاملہ ہی صاف ہو جاتا تو (اور ایسی صورت میں اگر وہ مخالفت کریں گے) تو پھر انہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔
(۹) وَ لَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلۡنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّا يَلۡبِسُوۡنَ	اور اگر اسے فرشتہ قرار دیتے تو یقیناً اسے بھی ایک مرد کی صورت میں ہی لاتے۔ پھر بھی (ان کے خیال کے مطابق) ہم معاملہ کو ان پر مشتبہ ہی چھوڑ دیتے جیسے وہ دوسروں پر معاملہ مشتبہ بناتے ہیں۔

(۱۰) وَ لَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيۡنَ سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ	(اے رسول اس حالت سے پریشان نہ ہو) تجھ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا تھا لیکن آخر کار جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے اسی نے ان کے دامن کو پکڑ لیا (اور ان پر عذاب الٰہی نازل ہو گیا)۔

تفسیر

بہانہ تراشیاں

کفر اور انکار کے اسباب میں سے ایک اور سبب بہانہ جوئی ہے۔

ان بہانہ تراشیوں میں سے کہ جو مشرکین پیغمبر اکرم ﷺ کے مقابلہ میں کیا کرتے تھے اور قرآن مجید کی کئی آیات میں ان کی طرف اشارہ بھی ہوا ہے اور زیر بحث آیت میں بھی اس کا بیان ہوا ہے۔ ایک یہ ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اتنے عظیم کام کو اکیلے ہی اپنے ہاتھ میں کیوں لے لیا ہے اس ماموریت میں کوئی اور موجود جو نوع بشر میں سے نہ ہو بلکہ فرشتوں کی جنس سے ہو اس کی ہمراہی کیوں نہیں کرتا کیا ایسا انسان کہ جو ہماری ہی جنس سے ہو تنہا بار رسالت کو اپنے کندھے پر اٹھا سکتا ہے؟

پہلا یہ کہ اگر فرشتہ نازل ہو جائے اور پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں تو ان سب کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

(۹) لہٰذا قرآن دوسرے جواب میں کہتا ہے اگر ہم اسے فرشتہ قرار دیتے اور ان کے مطالبے پر عمل کرتے تو پھر بھی ہمارے لئے یہ لازم تھا کہ ہم انسان کی تمام صفات کو اس میں پیدا کرتے اور اسے صورت و سیرت میں مرد بناتے۔

اس کے بعد اس کا نتیجہ پیش کرتا ہے کہ اس حالت میں وہ ہم پر بھی پھر انہی سابقہ اعتراضات کو دہراتے کہ کسی انسان کو رہبر کے طور پر کیوں مامور کیا گیا ہے اور حقیقت کو ہم پر پوشیدہ رکھا ہے۔

(۱۰) آخر میں خداوند تعالیٰ پیغمبر ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے ان کی مخالفت ہٹ دھرمی اور سخت گیری سے پریشان نہ ہوں کیونکہ آپ سے پہلے کے پیغمبروں میں سے بھی بہت سے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا لیکن آخر کار جس چیز کا وہ تمسخر کیا کرتے تھے اسی نے ان کے دامن کو پکڑ لیا اور ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔

درحقیقت یہ آیت پیغمبر ﷺ کے دل کی تسلی کا سبب بھی ہے کہ اس کی راہ میں ذرا سی لرزش بھی ان کے ارادہ میں نہ آئے اور ہٹ دھرم مخالفین کے لئے دھمکی بھی ہے کہ وہ اپنے کام کے برے اور دردناک انجام کو سوچ لیں۔

(۱۱) قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ انۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ	(اے رسول) کہہ دو کہ تم زمین میں چلو پھرو۔اس کے بعد (دیکھو اور) غور کرو کہ جو لوگ آیات خداوندی کو جھٹلاتے تھے ان کا انجام کیا ہوا؟

تفسیر

قرآن مجید نے اس مقام پر ان ہٹ دھرم اور خود خواہ لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا ہے اس نے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ انہیں کہیں کہ وہ زمین میں چلیں پھریں اور جو لوگ حقائق کو جھٹلاتے تھے ان کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں شاید وہ بیدار ہو جائیں۔

اس میں شک نہیں ہے کہ گذشتہ لوگوں اور ان قوموں کے آثار کو دیکھنا کہ جنہوں نے حقائق کو ٹھکرانے کی وجہ سے فنا اور نابودی کا راستہ اختیار کرلیا تھا تاریخ کی کتابوں میں ان کے حالات کے پڑھنے سے کہیں بڑھ کر پر اثر ہے کیونکہ یہ آثار حقیقت کو محسوس اور قابل لمس بناتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ لفظ ''انظروا'' دیکھو استعمال کیا گیا ہے نہ کہ ''تفکروا'' غور و فکر کرو۔

(۱۲) قُلۡ لِّمَنۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قُلۡ لِّلّٰهِ ؕ کَتَبَ عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَۃَ ؕ لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَارَیۡبَ فِیۡهِ ؕ اَلَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ	کہہ دو کہ وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں کس کی ہیں۔ (جواب میں) کہہ دو کہ وہ سب اللہ کی ہیں جس نے رحمت اور بخشش کو اپنے اوپر ضروری قرار دے لیا ہے (اور اسی دلیل سے) تم سب کو قطعی طور پر قیامت کے دن کہ جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے جمع کرے گا صرف وہی لوگ ایمان نہیں لائیں گے جنہوں نے اپنا سرمایہ حیات ضائع کر دیا ہے اور خسارے کا شکار ہیں۔
(۱۳) وَ لَهٗ مَا سَکَنَ فِی الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ ؕ وَ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ	اور جو کچھ رات اور دن میں ہے وہ بھی سب اسی کے لئے ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تفسیر

اس آیت میں پہلے کی طرح مشرکین سے بحث ہو رہی ہے گذشتہ آیات میں مسئلہ توحید کا موضوع بحث بنایا گیا تھا اس آیت میں مسئلہ معاد پر بحث ہو رہی ہے توحید کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ ہی اس کے بعد مسئلہ قیامت اور معاد کو بڑے عمدہ طریقے سے بیان کیا جا رہا ہے آیت سوال و جواب کی صورت میں ہے سوال کرنے وال اور جواب دینے والا دونوں ایک ہی ہیں جو ادبیات

میں ایک خوبصورت طریقہ ہے۔

1۔ پہلے کہتا ہے کہہ دو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے کس کے لئے ہے۔

پھر اس کے بعد فوراً بلا فاصلہ کہتا ہے کہ تم خود زبان فطرت اور ان کی روح کا جواب دے دو کہ اللہ کے لئے۔

2۔ پروردگار عالم تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے وہی ہے وہ ذات کہ جس نے رحمت کو اپنے ذمہ لے لیا ہے اور بے شمار نعمتیں سب کے لئے عام کردی ہیں۔

اسی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کو کہ جو بقا اور حیات جاودانی کی استعداد رکھتا ہے موت کے بعد نئی زندگی کے لباس میں اور زیادہ وسیع عالم میں لے آئے اور تکامل کی سیر ابدی میں اس کی رحمت کا ہاتھ اس کے سر پر ہو۔

لہٰذا ان دنوں مقدمات کے بعد کہتا ہے کہ مسلمہ طور پر تم سب کو قیامت کے دن کہ جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے جمع کرے گا۔

آیت کے آخر میں ہٹ دھرم مشرکین کے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے وہ لوگ جو زندگی کے بازار تجارت میں اپنے وجود کا سرمایہ ضائع کر چکے ہیں وہ ان حقائق پر ایمان نہیں لائیں گے۔

(۱۳) اس آیت اصل میں گذشتہ آیت کی تکمیل کرتی ہے کیونکہ پہلی آیت میں خداوند تعالیٰ کی تمام موجودات کے بارے میں مالکیت کی طرف اشارہ تھا اس طریق سے کہ وہ سب ایک افق مکان میں واقع ہیں لہٰذا فرمایا کہ اللہ ان تمام چیزوں کا مالک ہے کہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

اب یہ آیت اس کے افق و وسعت زمان میں واقع ہونے کے طریق سے اس کی مالکیت کی طرف اشارہ ہے لہٰذا کہتا ہے اور اس کے لئے ہے جو کچھ رات اور دن میں ہے۔

آیت کے آخر میں توحید کا ذکر کرنے کے بعد خداوند متعال کی دو نمایاں صفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہان ہستی کی وسعت اور وہ موجودات کہ جو زمان ومکان کے افق میں قرار رکھتے ہیں کبھی بھی اس بات میں مانع نہیں ہیں کہ اللہ ان کے اسرار سے آگاہ ہو۔

(۱۴) قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	کہہ دو کیا میں غیر خدا کو اپنا ولی بنالوں جب کہ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ وہ ہے کہ جو روزی دیتا ہے اور کسی سے روزی نہیں لیتا تم کہہ دو کہ میں اس بات پر مامور ہوں کہ میں سب سے پہلے اس کے حکم کو تسلیم کرنے والا (مسلمان) ہوں اور (اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ) مشرکین میں سے نہ ہونا۔

(۱۵) قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ	کہہ دو کہ میں بھی اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو بڑے دن (قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔
(۱۶) مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ	اس دن جس شخص کے اوپر سے عذاب الٰہی ٹل جائے (تو یوں سمجھو کہ) اللہ نے اپنی رحمت اس کے شامل حال کر دی ہے اور یہ واضح کامیابی ہے۔

تفسیر

اللہ کے سوا اور کوئی پناہ گاہ نہیں ہے

ان آیات میں بھی ہدف ومقصد اثبات توحید اور شرک وبت پرستی کے خلاف مبارزہ ہی ہے مشرکین باوجود اس کے کہ وہ خلقت عالم کو خداوند تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہی مخصوص سمجھتے تھے لیکن انہوں نے بتوں کو اپنی پناہ گاہ سمجھ رکھا تھا۔

قرآن اس قسم کے غلط نظریے کو ختم کرنے کے لئے پیغمبرﷺ کو اس طرح حکم دیتا ہے انہیں کہہ دو کہ کیا میں غیر خدا کو اپنا ولی وسرپرست اور پناہ گاہ قرار دے لوں حالانکہ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اور تمام موجودات کو رزق دینے والا ہے بغیر اس کے کہ خود اسے روزی کی ضرورت ہو۔

ایک نکتہ خاص طور پر قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ صفات خدا میں سے یہاں صرف بندوں کو روزی دینے کا ذکر کیا گیا ہے یہ تعبیر شاید اس بنا پر ہے کہ انسان کی مادی زندگی میں زیادہ تر وابستگیاں انہیں مادی ضروریات کے زیر اثر ہیں یہی بات جسے اصطلاح میں روٹی کا ایک لقمہ کھانا کہتے ہیں انسان کو طاقتوروں اور ارباب دولت کے سامنے جھکنے پر آمادہ کر دیتی ہے بعض اوقات تو لوگ پرستش کی حد تک ان کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں قرآن اس عبارت میں کہتا ہے تمہاری روزی اس کے ہاتھ میں ہے نہ کہ وہ ایسے افراد کے ہاتھ میں ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں کی پیش کش کا جواب دینے کے لئے کہ جو پیغمبر اکرمﷺ کو یہ دعوت دیتے تھے کہ وہ مشرک کے ساتھ رشتہ جوڑ لیں کہتا ہے علاوہ اس کے کہ عقل مجھے یہ حکم دیتی ہے کہ صرف اس ذات پر بھروسہ کروں جو آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا ہے وحی الٰہی بھی مجھے حکم دیتی ہے کہ پہلا مسلمان میں بنوں اور کسی طرح بھی مشرکین کی صف میں نہ جاؤں۔

(۱۵) اس آیت میں اس خدائی حکم پر جو وحی کے ذریعہ پیغمبرﷺ پر نازل ہوا ہے تاکید مزید کے لئے کہتا ہے میں بھی خود اپنے لئے جوابدہی کا احساس کرتا ہوں اور قوانین الٰہی سے کسی طرح مستثنیٰ نہیں ہوں میں بھی اگر خداوند تعالیٰ کے حکم سے منحرف ہو جاؤں اور مشرکین کی ہاں میں ہاں ملانے لگ جاؤ اور اس کی نافرمانی اور عصیان کروں تو اس عظیم دن روز قیامت کی سزا سے خائف و

ترساں ہوں۔

(۱۶) زیرنظر آخری آیت میں اس لئے کہ ثابت ہوجائے کہ پیغمبر بھی لطف ورحمت خداوندی پر بھروسہ کئے بغیر کوئی کام نہیں کرسکتے اور تمام اختیارات اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں یہاں تک کہ خود پیغمبرؐ بھی پروردگار کی رحمت بے پایاں پر ہی چشم امید لگائے ہوئے ہیں اور اپنی نجات وکامیابی اسی سے طلب کرتے ہیں فرمایا گیا ہے کہ رسول کہتے ہیں جو شخص اس عظیم دن پروردگار کی سزا سے نجات پاجائے تو رحمت خدا اس کے شامل حال ہوگئی ہے اور یہ ایک توفیق الٰہی اور کھلی کامیابی ہے۔

(۱۷) وَ اِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ اِنۡ یَّمۡسَسۡکَ بِخَیۡرٍ فَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ	اگر اللہ تجھے کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے علاوہ کوئی بھی اسے برطرف نہیں کرسکتا اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے۔
(۱۸) وَ ہُوَ الۡقَاہِرُ فَوۡقَ عِبَادِہٖ ؕ وَ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ	وہی ہے کہ جو اپنے تمام بندوں پر قاہر ومسلط ہے اور وہ حکیم و خبیر ہے۔

تفسیر

پروردگار کی قدرت قاہرہ

ہم بیان کرچکے ہیں کہ اس سورہ کا سب سے پہلا ہدف شرک وبت پرستی کی بیخ کنی ہے مندرجہ بالا دونوں آیات میں بھی اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے تم لوگ غیر خدا کی طرف کیوں توجہ کرتے ہو؟ مصائب سے نجات رفع ضرر اور حصول منفعت کے لئے خودساختہ خداؤں سے کیوں پناہ لیتے ہو؟ حالانکہ اگر تجھے معمولی سے معمولی اور حقیر سے حقیر نقصان بھی پہنچے تو سوائے اللہ کے اس کو برطرف کرنے والا اور کوئی نہ ہوگا اور اگر کوئی خیر وبرکت اور کامیابی وسعادت تجھے نصیب ہو تو وہ بھی اسی کی قدرت کا پرتو ہے کیونکہ وہی ہے کہ جو تمام چیزوں پر قدرت رکھتا ہے۔

حقیقت میں غیر خدا کی طرف توجہ لوگ اس لئے کرتے ہیں کہ یا تو وہ انہیں سرچشمہ خیرات جانتے ہیں یا وہ انہیں مصائب و مشکلات کا برطرف کرنے والا سمجھتے ہیں۔

اس آیت میں اس بحث کی تکمیل کے لئے فرمایا گیا ہے وہی ہے جو اپنے تمام بندوں پر قاہر ومسلط ہے۔

اس بناء پر کہ کہیں یہ وہم نہ ہوجائے کہ ممکن ہے اللہ بھی بعض صاحبان قدرت کی طرح اپنی نامحدود قدرت سے تھوڑا بہت غلط فائدہ اٹھالیتا ہو۔

آیت کے آخر میں فرماتا ہے کہ اس کے باوجود وہ حکیم ہے اور اس کے تمام کام حساب کے مطابق ہیں اور وہ خبیر و آگاہ ہے اور معمولی سے معمولی اشتباہ اور خطا بھی اپنی قدرت کو عمل میں لانے میں نہیں کرتا۔

(۱۹) قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۘ	کہہ دو کہ سب سے بڑی گواہی کس کی ہے کہہ دو کہ خداوند تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے (اس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ) اس نے یہ قرآن میرے اوپر وحی کیا ہے تاکہ تمھیں اور ان تمام افراد کو ڈراؤں کہ جن تک یہ قرآن پہنچے اور حکم خدا کی مخالفت کا خوف دلاؤں کیا سچ مچ تم یہ گواہی دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہیں کہہ دو کہ میں ہرگز اس قسم کی گواہی نہیں دیتا کہہ دو کہ خدا یگانہ و یکتا ہے اور میں اس سے جو اس کا شریک قرار دے بری و بیزار ہوں۔
(۲۰) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۟	وہ لوگ کہ جنہیں ہم نے آسمانی کتاب دی ہے (اس پیغمبر) کو اچھی طرح سے پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں صرف وہ اشخاص کہ جو اپنا سرمایہ وجود کھو بیٹھتے ہیں ایمان نہیں لاتے۔

تفسیر

سب سے بڑا گواہ

مشرکین مکہ کا ایک گروہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تو کیسا پیغمبر ہے کہ کوئی بھی تیرا موافق اور حامی نہیں یہاں تک کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے بھی تیرے بارے میں تحقیق کی ہے وہ بھی تورات و انجیل کی بنیاد پر تیری حقانیت کی گواہی نہیں دیتے کم از کم کوئی تو ہمیں دکھاؤ کہ جو تمہاری رسالت کی گواہی دے۔

پیغمبر کو حکم دیا گیا ہے کہ ان سب ہٹ دھرم مخالفین کے مقابلے میں کہ جنہوں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور آپ کی حقانیت کی ان سب نشانیوں کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں اور پھر بھی گواہ اور شاہد کا مطالبہ کرتے ہیں کہہ دیجئے! تمہارے عقیدے اور نظریے کے مطابق سب سے بڑا گواہ کون ہے؟

کیا اس کے سوا بھی کچھ ہے کہ سب سے بڑی شہادت پروردگار کی شہادت ہے؟ تو کہہ دو کہ خدائے بزرگ و برتر میرے اور تمہارے درمیان گواہ۔

اوراس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ اس نے اس قرآن کو مجھ پر وحی کیا ہے۔

وہ قرآن جو ممکن نہیں ہے کہ فکر انسانی کا گھڑا ہوا ہو وہ بھی اس زمانے میں اور اس ماحول اور مقام میں وہ قرآن جو کئی قسم کے شواہد اعجاز پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد نزول قرآن کا ہدف ومقصد بیان کرتے ہوئے کہتا ہے یہ قرآن اس مقصد کے لئے مجھ پر نازل ہوا ہے کہ میں تمہیں اور ان تمام لوگوں کو جن کے کانوں تک پوری تاریخ بشر میں اور وسعت زمانی میں اور تمام نقاط جہاں میں میری باتیں پہنچیں انہیں خدا کے حکم کی مخالفت سے ڈراؤں اور اس مخالفت کے دردناک عواقب وانجام کی طرف متوجہ کروں۔

پھر اس کے بعد پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ ان سے پوچھو کیا واقعاً تم گواہی دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور خدا بھی ہیں؟ اس کے بعد کہتا ہے کہ انہیں صراحت کے ساتھ کہہ دو کہ میں کبھی ایسی گواہی نہیں دیتا کہہ دو کہ وہ خدا یکتا ویگانہ ہے اور جنہیں تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے بری وبیزار ہوں۔

(۲۰) اس آیت میں ان لوگوں کو کہ جو اس بات کے مدعی تھے کہ اہل کتاب کسی قسم کی گواہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نہیں دیتے صراحت کے ساتھ جواب دیتے ہوئے کہتا ہے وہ لوگ کہ جن پر ہم نے آسمانی کتاب نازل کی ہے وہ پیغمبر کو خوب اچھی طرح پہچانتے ہیں بالکل اسی طرح سے جس طرح سے کہ وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔

آیت کے آخر میں ایک آخری نتیجہ کے طور پر بتاتا ہے صرف وہی لوگ اس پیغمبر پر ان واضح نشانیوں کے باوجود ایمان نہیں لاتے کہ جو زندگی کے بازار تجارت میں اپنا سب کچھ گنوا بیٹھے ہیں اور اپنے وجود کی تمام پونجی ہرا بیٹھے ہیں۔

(۲۱) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ	اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا کہ جس نے خدا پر جھوٹ باندھا (اور اس کیلئے شریک کا قائل ہوا) یا اس کی آیات کو جھٹلایا۔ یقیناً ظالم نجات کا منہ نہ دیکھ پائیں گے۔
(۲۲) وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ	وہ دن کہ جس میں ہم ان سب کو محشور کریں گے تو مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ معبود کہاں ہیں کہ جنہیں تم خدا کا شریک خیال کیا کرتے تھے؟ (وہ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے؟)
(۲۳) ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ	پھر ان کا جواب اور عذر اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ کہیں گے کہ اس خدا کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے ہم مشرک نہیں تھے۔

(۲۴) اُنۡظُرۡ كَيۡفَ كَذَبُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ	دیکھو وہ کس طرح خود اپنے آپ سے بھی جھوٹ بولتے ہیں اور جسے جھوٹ موٹ خدا کا شریک سمجھتے تھے اسے چھوڑ بیٹھیں گے۔

تفسیر

سب سے بڑا ظلم

شرک وبت پرستی کی ہر طرح سے بیخ کنی کا پروگرام دینے کے بعد مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں صراحت کے ساتھ استفہام انکاری کی صورت میں کہتا ہے ان مشرکین سے بڑھ کر اور کون ظالم ہے کہ جنہوں نے خدا پر جھوٹ باندھا اور اس کا شریک قرار دیا یا اس کی آیات کی تکذیب کی ہے۔

درحقیقت پہلا جملہ انکار توحید کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا جملہ انکار نبوت کی طرف اشارہ ہے اور واقعاً اس سے بڑھ کر اور کوئی ظلم نہیں ہوسکتا کہ انسان بے قدر جمادات کو یا ناتواں انسان کو ایک لامحدود وجود کے مساوی قرار دے جو سارے عالم پر حکومت کرتا ہے۔

مسلمہ طور پر کوئی بھی ظالم خاص طور پر ایسے ظالم کہ جن کا ظلم ہر پہلو سے نمایاں ہے سعادت ورستگاری اور نجات وفلاح کا منہ نہیں دیکھیں گے۔

(۲۲) اس آیت میں قیامت میں مشرکین کے انجام کے سلسلے میں بحث ہوگی تا کہ واضح ہوجائے کہ انہوں نے بتوں جیسی کمزور مخلوق پر بھروسہ کرکے نہ اس دنیا میں اطمینان وراحت حاصل کیا ہے اور نہ ہی دوسرے جہان میں ارشاد الٰہی ہے اس روز جب کہ ہم ان سب کو ایک ہی جگہ مبعوث کریں گے اور مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ بناوٹی معبود جنہیں تم خدا کا شریک خیال کرتے تھے کہاں ہیں؟ اور وہ تمہاری مدد کے لئے کیوں نہیں آتے؟ اور کسی قسم کا اثر ان کی قدرت نمائی کا اس وحشتناک عرصہ قیامت میں کیوں نظر نہیں آتا؟

کیا اصل بنیاد یہی نہ تھی کہ وہ مشکلات میں تمہاری مدد کریں گے؟ اور کیا تم نے بھی اسی امید پر ان کی پناہ حاصل نہیں کی تھی؟ تو پھر ان کا یہاں پر کوئی معمولی سے معمولی اثر بھی کیوں دکھائی نہیں دیتا؟

(۲۳) وہ ہکا بکا رہ جائیں گے اور عجیب وغریب وحشت وحیرت میں ڈوب جائیں گے اور اس سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا سوائے اس کے کہ قسم کھا کر کہنے لگیں کہ خدا کی قسم ہم کبھی بھی مشرک نہیں تھے ان کا گمان یہ ہوگا جیسے وہاں بھی حقائق کا انکار کیا جاسکتا ہے۔

(۲۴) اس آیت میں اس مقصد سے کہ لوگ ان کے رسوا کن انجام سے عبرت حاصل کریں کہا گیا ہے کہ اچھی طرح غور کرو اور دیکھو کہ ان کا معاملہ کہاں تک پہنچ گیا ہے کہ انہوں نے اپنی روش اور مسلک سے کاملاً بیزاری اختیار کرلی ہے اور اس کا انکار کرتے

ہیں یہاں تک کہ خود اپنی ذات سے جھوٹ بولتے ہیں۔

اور تمام سہارے جو انہوں نے اپنے لئے اختیار کئے ہوئے تھے اور انہیں خدا کا شریک سمجھتے تھے ہاتھ سے دے بیٹھیں گے اور ان کی کہیں بھی رسائی نہیں ہوگی۔

(۲۵) وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّسۡتَمِعُ اِلَیۡکَ‌ۚ وَجَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اَکِنَّةً اَنۡ یَّفۡقَهُوۡهُ وَ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا‌ؕ وَ اِنۡ یَّرَوۡا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡا بِهَا‌ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡکَ یُجَادِلُوۡنَکَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ	ان میں سے کچھ لوگ تیری بات تو سنتے ہیں لیکن ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ انہیں نہ سمجھیں اور ہم نے ان کے کانوں کو بوجھل کر دیا ہے اور وہ اس قدر ہٹ دھرم ہیں کہ اگر حق کی تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ وہ جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھ سے جھگڑنے لگتے ہیں اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو پرانے لوگوں کے افسانے ہیں۔
(۲۶) وَ هُمۡ یَنۡهَوۡنَ عَنۡهُ وَ یَنۡـَٔوۡنَ عَنۡهُ‌ۚ وَ اِنۡ یُّهۡلِکُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ	وہ دوسروں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دوری اختیار کرتے ہیں اپنے سوا وہ کسی کو ہلاک نہیں کرتے۔ لیکن سمجھتے نہیں۔

تفسیر

حق قبول نہ کرنے والوں کا طرز عمل

اس آیت میں بعض مشرکین کی نفسیاتی کیفیت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ حقائق سننے کے لئے خود سے ذرہ بھر توجہ بھی نہیں دیتے یہ تو ایک معمولی سی بات ہے وہ تو اس سے دشمنی پر بھی اتر آتے ہیں اور تہمتوں کے ذریعہ خود کو اور دوسروں کو بھی اس سے دور رکھتے ہیں ان کے بارے میں یوں کہا گیا ہے ان میں سے بعض تیری بات تو سنتے ہیں لیکن ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ہم نے بوجھل پن پیدا کر دیا ہے تا کہ وہ اسے نہ سنیں۔

اگر اس قسم کے مسائل کی نسبت خدا کی طرف دی جاتی ہے تو یہ حقیقت میں قانون علیت اور خاصیت عمل کی طرف اشارہ ہوتا

ہے یعنی کج روی میں تسلسل اور ہٹ دھرمی اور بے دینی پر اصرار کا اثر یہ ہے کہ انسان کی روح بھی اسی سانچے میں ڈھل جاتی ہے تجربے نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے کہ بدکار اور گنہگار افراد ابتدا میں اپنے برے کام سے پریشان اور بے آرام ہوتے ہیں لیکن پھر تدریجاً اس کے عادی ہو جاتے ہیں اور شاید ایک ایسا دن بھی آ جائے کہ وہ اپنے برے اعمال کو واجب اور ضروری سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ (آج دنیا میں ایسے معاشرے موجود ہیں جو برائی کو اچھائی بنا کر پیش کرتے ہیں)۔

اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا معاملہ اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ اگر وہ تمام آیات خدا اور اس کی نشانیوں کو بھی دیکھ لیں تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ جب وہ تیرے پاس آتے ہیں تو منفی روح اور منفی فکر کے ساتھ تیرے سامنے آتے ہیں اور لڑنے جھگڑنے اور اعتراض کرنے کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

وہ تیری ان باتوں کو سن کر جو چشمہ وحی سے نکلی ہیں اور تیری حق گو زبان پر جاری ہوئی ہیں تجھ پر تہمت لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ باتیں گذشتہ انسانوں کے گھڑے ہوئے قصوں اور افسانوں کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

(۲۶) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ وہ صرف اتنی بات پر ہی قناعت نہیں کرتے اور باوجود اس کے کہ وہ خود گمراہ ہیں ہمیشہ اسی تلاش میں رہتے ہیں کہ حق کے متلاشی لوگوں کو اپنی طرح طرح کی زہر افشانیوں کے ذریعے اس راستے پر چلنے سے روکیں لہٰذا وہ انہیں پیغمبر کے قریب جانے سے منع کرتے ہیں۔ اور خود بھی اس سے دور دور ہی رہتے ہیں۔

وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ جو شخص حق کے ساتھ الجھے اور اس سے بیر رکھے اس نے خود اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے اور انجام کار قانون آفرینش کے مسلمہ اصول کے مطابق حق کا چہرہ باطل کے بادلوں کی اوٹ سے نمایاں ہو جاتا ہے اور حق میں جو قوت جاذبہ پائی جاتی ہے اس سے وہ کامیاب ہو کر رہے گا اور باطل اس بے قدر و قیمت جھاگ کی طرح جو پانی کے اوپر آ جاتا ہے نابود ہو کر رہے گا اس بنا پر ان کی کوشش اور فعالیت ان کی اپنی ہی شکست پر انجام پذیر ہوگی اور وہ خود اپنے سوا اور کسی کو بھی ہلاک نہیں کریں گے لیکن ان میں اس حقیقت کو سمجھنے کی طاقت نہیں ہے۔

(۲۷) وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اگر تم (ان کی حالت) دیکھو جس وقت وہ آگ کے سامنے کھڑے ہوئے کہتے ہیں کہ کاش ہم (دوبارہ دنیا کی طرف) پلٹ جاتے اور اپنے پروردگار کی باتوں کی تکذیب نہ کرتے اور مومنین میں سے ہو جاتے۔

(۲۸) بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ	(وہ واقع میں پشیمان نہیں ہیں) بلکہ ان کے وہ اعمال و نیات جنہیں وہ پہلے چھپائے ہوئے تھے ان کے سامنے آشکار ہو گئے (اور وہ وحشت میں پڑ گئے ہیں) اور اگر وہ پلٹ جائیں تو وہ پھر انہی اعمال کی طرف لوٹ جائیں گے جن سے انہیں روکا گیا ہے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

تفسیر

وقتی اور بے اثر بیداری

گذشتہ دو آیات میں مشرکین کی ہٹ دھرمی کے کچھ اعمال کی طرف اشارہ ہوا تھا اور ان دو آیات میں ان کے اعمال کے نتائج کا منظر مجسم ہوا ہے تاکہ وہ دیکھ لیں کہ انہیں کیسا برا انجام درپیش ہے اور وہ بیدار ہو جائیں یا کم از کم ان کی کیفیت دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔

پہلے فرمایا گیا ہے اگر تم ان کی حالت جب وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ کے سامنے کھڑے ہوں گے دیکھو تو تم تصدیق کرو گے کہ وہ کس دردناک انجام و عاقبت میں گرفتار ہوئے ہیں۔

وہ اس حالت سے اس طرح منقلب ہوں گے کہ داد و فریاد کریں گے کاش اس سرنوشت شوم سے نجات اور برے کاموں کی تلافی کے لئے دوبارہ دنیا میں پلٹ جاتے اور وہاں آیات خدا کی تکذیب نہ کرتے اور مومنین کی صفت میں قرار پاتے۔

(۲۸)۔اس آیت میں کہا گیا ہے کہ یہ جھوٹی آرزو ہے بلکہ یہ اس بنا پر ہے کہ اس دنیا میں جو عقائد نیتیں اور اعمال انہوں نے چھپا رکھے تھے وہ سب ان کے سامنے آشکار ہو گئے ہیں اور وہ وقتی طور پر بیدار ہوئے ہیں۔

لیکن یہ پائیدار اور محکم بیداری نہیں ہے اور مخصوص حالات میں پیدا ہوئی ہے لہٰذا اگر بفرض محال وہ دوبارہ اس جہاں میں پلٹ بھی جائیں تو انہی کاموں کے پیچھے نکلیں گے جن سے انہیں روکا گیا تھا۔

اس بنا پر وہ اپنی آرزو اور مدعا میں سچے نہیں ہیں اور وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

(۲۹) وَ قَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ	انہوں نے کہا اس دنیاوی زندگی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور ہم ہرگز دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے نہیں جائیں گے۔

(۳۰) وَ لَوۡ تَرٰۤی اِذۡ وُقِفُوۡا عَلٰی رَبِّہِمۡ ؕ قَالَ اَلَیۡسَ ہٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ٪	اگر تم انہیں اس وقت دیکھو جب وہ اپنے پروردگار کی عدالت کے سامنے کھڑے ہوں گے تو انہیں کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے تو وہ اس کے جواب میں کہیں گے جی ہاں! ہمارے پروردگار کی قسم یہ حق ہے تو وہ کہے گا جس بات کا تم انکار کیا کرتے تھے اس کی سزا میں اب عذاب کا مزہ چکھو۔
(۳۱) قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰہِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتۡہُمُ السَّاعَۃُ بَغۡتَۃً قَالُوۡا یٰحَسۡرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطۡنَا فِیۡہَا ۙ وَ ہُمۡ یَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَہُمۡ عَلٰی ظُہُوۡرِہِمۡ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوۡنَ	جنہوں نے لقائے پروردگار کا انکار کیا مسلمہ طور پر انہوں نے نقصان اٹھایا (اور یہ انکار ہمیشہ رہے گا) یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی تو وہ کہیں گے ہائے افسوس کہ ہم نے اس کے بارے میں کوتاہی کی وہ اپنے گناہوں کا (بھاری بوجھ) اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوں گے اور کیسا برا بوجھ ہے جو انہوں نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہوگا۔
(۳۲) وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ	اور دنیاوی زندگی سوائے کھیل کود کے اور کچھ نہیں ہے اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیزگار ہیں۔ کیا تم سوچتے نہیں ہو؟

تفسیر

پہلی آیت میں ہٹ دھرم اور سخت قسم کے مشرکین کی گفتگو کے بعد ہونے والی حالت کی نشاندہی ہے کہ جو قیامت کا منظر دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ دوبارہ دنیا کی طرف پلٹ جائیں اور تلافی کریں لیکن قرآن کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ پلٹ بھی جائیں تو نہ صرف یہ کہ تلافی کی فکر نہیں کریں گے اور اپنے کاموں کو جاری رکھیں گے بلکہ اصلاً دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے اور قیامت کا ہی انکار کر دیں گے اور بڑے تعجب کے ساتھ کہیں گے کہ زندگی تو صرف یہ دنیاوی زندگی ہی ہے اور اب ہم کبھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے نہیں جائیں گے۔

(۳۰) زیر نظر دوسری آیت میں قیامت کے دن ان کے انجام کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے قرآن یوں کہتا ہے اگر تم اس وقت انہیں دیکھو کہ جب وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو وہ جواب

میں کہیں گے جی ہاں! ہمارے پروردگار کی قسم یہ حق ہے۔

دوبارہ ان سے کہا جائے گا پس تم عذاب اور سزا کا مزہ چکھو کیونکہ تم اس کا انکار کیا کرتے تھے اور کفر کرتے تھے۔

مسلمہ طور پر پروردگار کے سامنے کھڑے ہونا یہ نہیں ہے کہ خدا کوئی مکان رکھتا ہو بلکہ یہ اس کی سزا کے سامنے کھڑا ہونے کے معنی میں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے یا یہ عدالت الٰہی میں حاضر ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ نماز کے وقت انسان یہ کہتا ہے کہ میں خدا کے سامنے کھڑا ہوں۔

(۳۱) اس آیت میں معاد و قیامت کا انکار کرنے والوں کے نقصان اور گھاٹے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ لوگ جنہوں نے پروردگار کی ملاقات کا انکار کیا ہے مسلمہ طور پر نقصان میں گرفتار ہیں۔

جیسا کہ پہلے اشارتاً بیان کیا جا چکا ہے پروردگار کی ملاقات سے مراد یا تو ملاقات معنوی اور ایمان شہودی ہے شہود باطنی یا میدان قیامت اور اس کی جزا و سزا کے مناظر سے ملاقات ہے۔

ساعت سے مراد ہے قیامت کا دن اور "بغتة" کا معنی ہے بطور ناگہانی اور اچانک کہ جس کے وقت کو خدا کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا واقع ہو جائے گی۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے وہ گناہوں کا بوجھ اپنے دوش پر لئے ہوئے ہیں۔

اور آیت کے آخر میں فرماتا ہے کیسا برا بوجھ وہ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوں گے۔

(۳۲) اس آیت میں آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دنیاوی زندگی کی حیثیت بیان کرنے کے لئے یوں ارشاد ہوتا ہے دنیاوی زندگی سوائے کھیل کود کے اور کچھ نہیں۔

دنیاوی زندگی کو لہو و لعب سے تشبیہ اس وجہ سے دی گئی ہے کیونکہ عام طور پر کھیل کود کے کام اندر سے کالے اور بے بنیاد ہوتے ہیں جو حقیقی زندگی کے متن سے دور ہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بچے ایک دوسرے کے گرد بیٹھ جاتے ہیں اور کھیل شروع کر دیتے ہیں ایک کو امیر اور دوسرے کو وزیر ایک کو چور اور ایک کو قافلہ بناتے ہیں لیکن تھوڑی سی دیر نہیں گزرتی کہ نہ کوئی امیر رہتا ہے نہ وزیر نہ چور رہتا ہے اور نہ قافلہ۔

یا نمائشیں جو کھیل کود کے طور پر انجام پاتی ہیں ان میں جنگ عشق یا دشمنی کے منظر مجسم ہوتے ہیں لیکن گھڑی بھر کے بعد کسی چیز کا کوئی پتہ نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آخرت کی زندگی کا اس سے موازنہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے آخرت کا گھر متقی لوگوں کے لئے بہتر ہے کیا تم فکر نہیں کرتے اور عقل سے کام نہیں لیتے ہو۔

کیونکہ وہ فنا نہ ہونے والی اور ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے جس کا جہاں بہت وسیع ہے اور جس کی سطح بہت ہی اونچی ہے وہ ایک ایسے عالم میں ہے جس کا تعلق حقیقت کے ساتھ ہے نہ کہ مجاز کے ساتھ وہ ایک واقعیت ہے خیال نہیں ہے

(۳۳) قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّهٗ لَيَحۡزُنُكَ الَّذِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ	ہم جانتے ہیں کہ تجھے ان لوگوں کی گفتگو غمگین کر دیتی ہے (مگر تم غم نہ کھاؤ اور جان لو کہ) وہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ وہ ظالم تو آیات خدا کا انکار کرتے ہیں۔
(۳۴) وَلَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَصَبَرُوۡا عَلٰى مَا كُذِّبُوۡا وَ اُوۡذُوۡا حَتّٰۤى اَتٰٮهُمۡ نَصۡرُنَا‌ ۚ وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ‌ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَكَ مِنۡ نَّبَاِى الۡمُرۡسَلِيۡنَ	تجھ سے پہلے پیغمبروں کی بھی تکذیب کی گئی ہے مگر انہوں نے ان تکذیبوں کے مقابلہ میں صبر کیا اور استقامت سے کام لیا اور (اس راہ میں) انہوں نے رنج و تکلیف اٹھائی یہاں تک کہ ہماری مدد ان تک آن پہنچی تم بھی اسی طرح رہو (یہ سنت الٰہی ہے) اور کوئی چیز اللہ کی سنتوں کو بدل نہیں سکتی اور تمہیں گذشتہ پیغمبروں کی خبریں تو پہنچ ہی گئی ہیں۔

تفسیر

مصلحین کے راستے میں ہمیشہ مشکلات

اس میں شک نہیں ہے کہ پیغمبرﷺ اپنی منطقی گفتگو اور فکری مبارزات میں جو وہ ہٹ دھرم اور سخت مشرکین کے ساتھ رکھتے تھے بعض اوقات ان کی ہٹ دھرمی سے اور اپنی باتوں سے ان کی روح میں اثر نہ ہونے سے اور بعض اوقات ان کی ان غیر مناسب نسبتوں سے جو وہ حضرتﷺ کی طرف دیتے تھے غمگین اور اندوناک ہو جاتے تھے خداوند تعالیٰ بارہا قرآن مجید میں اپنے پیغمبرﷺ کو ایسے مواقع پر تسلی اور دلاسا دیا کرتا تھا کہ آنحضرتﷺ زیادہ گرمجوشی اور صبر و استقامت کے ساتھ اپنے پروگرام میں مشغول رہیں انہی میں سے مندرجہ بالا آیات بھی ہیں پہلی آیت میں فرماتا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتیں تجھے محزون و مغموم کر دیتی ہیں۔

لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے وہ تو درحقیقت ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں لہٰذا ان کے اصل مخالف تو حقیقت میں ہم ہیں نہ کہ تم۔

اور اس بات کی نظیر ہمارے دریان گفتگو میں بھی نظر آتی ہے جبکہ بعض اوقات بزرگ تر شخصیت اپنے نمائندہ کے ناراحت ہونے کے وقت اس سے کہتی ہے کہ تم کوئی غم نہ کرو یہ اصل میں تو انہوں نے میری مخالفت کی ہے لہٰذا اگر کوئی مشکل پیدا ہوگی تو وہ میرے لئے ہوگی نہ کہ تمہارے لئے اور اس طرح سے وہ شخصیت اس کی تسلی و تشفی کے اسباب مہیا کرتی ہے۔

(۳۴)اس آیت میں اس تسلی کی تکمیل کے لئے گذشتہ انبیاء کے حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے یہ امر صرف تیری ذات کے ساتھ ہی مختص نہیں ہے بلکہ تجھ سے پہلے جتنے رسول گزرے ہیں ان کی بھی اسی طرح سے تکذیب کی جاتی تھی۔

لیکن ان انبیاء نے ان تکذیبوں اور تکلیفوں کے مقابلہ میں پامردی اور استقامت دکھائی یہاں تک کہ ہماری مدد ونصرت ان کو پہنچی اور آخرکار وہ کامیاب ہوئے۔

اور یہ ایک سنت الٰہی ہے کہ جسے کوئی چیز دگرگوں نہیں کرسکتی۔

اس بنا پر تم بھی ان تکذیبوں اور آزاروں اور سخت اور ہٹ دھرم دشمنوں کے حملوں کے مقابلے میں صبر واستقامت سے کام لو اور یہ جان لو کہ اسی سنت کے مطابق خداوند تعالیٰ کی امداد اور پروردگار عالم کے لئے انتہا الطاف تمہیں حاصل ہوں گے اور آخر کار تم بھی ان سب پر کامیابی حاصل کرو گے اور وہ خبریں جو گذشتہ پیغمبروں کے حالات کی تجھ تک پہنچی ہیں کہ انہوں نے مخالفتوں اور شدائد کے مقابلے میں کس طرح صبر وتحمل کیا اور کامیاب ہوئے وہ تمہارے لئے ایک واضح وروشن گواہ ہیں۔

درحقیقت اوپر والی آیت ایک بنیاد کلیہ کی طرف اشارہ کررہی ہے اور وہ کلیہ یہ ہے کہ ہمیشہ معاشرے کے صالح رہنما جو پست افکار اور معاشرے میں پھیلی ہوئی غلط رسموں اور خرافات کے مقابلے میں اصلاحی پروگرام پیش کرنے اور صحیح راہ دکھانے کے لئے قیام کرتے ہیں انہیں ایسے منافع خور اور دروغ گو لوگوں کی سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا تھا کہ جن کے منافع اس جدید دین ومذہب کی ترقی سے خطرے میں پڑ جاتے تھے۔

لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ اس کامیابی کی بنیادی شرط بردباری، مقاومت، پامردی اور استقامت ہے۔

(۳۵) وَ اِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكَ اِعۡرَاضُهُمۡ فَاِنِ اسۡتَطَعۡتَ اَنۡ تَبۡتَغِىَ نَفَقًا فِى الۡاَرۡضِ اَوۡ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاۡتِيَهُمۡ بِاٰيَةٍ‌ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمۡ عَلَى الۡهُدٰى فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ	اور اگر تم پر ان کا اعراض (روگردانی) کرنا گراں ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں نقب لگا لو یا آسمان میں سیڑھی لگا لو (اور زمین و آسمان کی گہرائیوں میں جستجو کرو) تاکہ کوئی آیت یا (دوسری کوئی اور نشانی) ان کے لئے لا سکو (لیکن یہ جان لو کہ یہ ہٹ دھرم پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے) لیکن اگر خدا چاہے تو انہیں جبراً ہدایت پر جمع کرسکتا ہے (لیکن جبری ہدایت کا کیا فائدہ ہے؟) پس تم ہرگز جاہلوں میں سے نہ ہونا۔

(۳۶) وَ اِنْ كَانَ كَبُ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ	صرف وہ لوگ تیری دعوت قبول کرتے ہیں جو سننے والے کان رکھتے ہیں لیکن مردے اور (وہ لوگ جو روح انسانی ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں ایمان نہیں لائیں گے اور) خدا (انہیں قیامت کے دن) مبعوث کرے گا پھر وہ اس کی طرف پلٹ جائیں گے۔

تفسیر

زندہ نما مردے

یہ دونوں آیات ان آیات کا بقیہ ہیں جو پیغمبر کو تسلی کے سلسلے میں گذشتہ آیات میں گزر چکی ہیں چونکہ فکر و روح پیغمبرﷺ مشرکین کی گمراہی اور ہٹ دھرمی سے زیادہ دکھی اور پریشان تھی اور آپﷺ چاہتے تھے کہ جیسے بھی ہو سکے انہیں مومنین کی صفت میں کھینچ لائیں خدا فرماتا ہے اگر ان کا اعراض و روگردانی تیرے لئے زیادہ سخت اور گراں ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین کو پھاڑ ڈالو اور اس میں نقب لگا لو اور جستجو کرو یا آسمان پر کوئی سیڑھی لگا لو اور اطراف آسمان کی بھی جستجو کرو اور ان کے لئے کوئی اور آیت یا کوئی دوسری نشانی تلاش کر کے لا سکو تو لے آؤ لیکن یہ جان لو کہ وہ اس قدر ہٹ دھرم ہیں کہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

خداوند تعالیٰ اس جملہ کے ذریعہ اپنے پیغمبرﷺ کو یہ سمجھا رہا ہے کہ تمہاری تعلیمات دعوت اور سعی و کوشش میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے بلکہ نقص و عیب ان کی طرف سے ہے انہوں نے یہ پختہ ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ حق کو قبول نہیں کریں گے لہٰذا کسی قسم کی کوئی کوشش ان پر اثر نہیں کرتی تو تم پریشان نہ ہو جاؤ۔

لیکن اس بنا پر کہ کسی کو یہ توہّم نہ ہو جائے کہ خدا میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ ان سے اپنی بات کو تسلیم کرا سکے بلا فاصلہ فرماتا ہے اگر خدا چاہے تو وہ ان سب کو ہدایت پر جمع کر سکتا ہے یعنی وہ تیری دعوت کے سامنے ان کا سر تسلیم خم کرا کے انہیں حق اور ایمان کا اعتراف کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے۔

لیکن یہ بات واضح ہے کہ اس قسم کا جبری ایمان بے فائدہ ہے انسان کی فطرت میں حصول کمال کے لئے اختیار اور آزادی ارادہ ہی بنیاد ہوتے ہیں یہ آزادی ارادہ ہی ہے کہ جس کی وجہ سے مومن کی کافر سے، نیک کی بد سے، امانت دار کی خائن سے، سچے کی جھوٹے سے قیمت پہچانی جاتی ہے۔

اس کے بعد کہتا ہے یہ باتیں ہم نے تجھ سے اس لئے کہی ہیں کہ کہیں تو جاہلوں میں سے نہ ہو جائے یعنی بیتاب نہ ہو صبر و استقامت کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور ان کے کفر و شرک پر اتنا دکھی نہ ہو اور یہ جان لو کہ راستہ تو وہی ہے کہ جس پر تم چل رہے ہو۔

اس میں شک نہیں ہے کہ پیغمبران حقائق کو خوب اچھی طرح سے جانتے تھے لیکن خداوند تعالیٰ یاد دہانی اور تسلی کے طور پر اپنے

پیغمبر کے لئے ان الفاظ کو دہرا رہا ہے

(۳۶)اس آیت میں اس موضوع کی تکمیل اور پیغمبر کی مزید دلجوئی اور تسلی کے لئے کہتا ہے کہ جو لوگ سننے والے کان رکھتے ہیں وہ تیری دعوت کو قبول کرتے ہیں اور اس پر لبیک کہتے ہیں۔

(۳۷) وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	اور انہوں نے کہا کہ کوئی نشانی اور معجزہ اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر کیوں نازل نہیں ہوتا تم کہہ دو کہ خداوند تعالٰی اس بات پر قادر ہے کہ کوئی نشانی نازل کرے لیکن ان میں سے اکثر کو اس کا علم نہیں ہے۔

تفسیر

اس آیت میں مشرکین کی بہانہ جوئیوں میں سے ایک بہانہ جوئی کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جب سرداران قریش میں سے کچھ قرآن کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے کہ ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے اگر تم سچ کہتے ہو تو عصائے موسیٰ علیہ السلام اور ناقہ صالح علیہ السلام جیسے معجزات ہمارے لئے لے آؤ قرآن اس بارے میں کہتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ کوئی نشانی اور معجزہ اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر کیوں نازل نہیں ہوا۔

یہ بات واضح ہے کہ وہ یہ تجویز حقیقت کی تلاش کے لئے پیش نہیں کرتے تھے کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کافی مقدار میں معجزات لا چکے تھے۔

لہٰذا قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے خداوند تعالٰی اس بات پر قادر ہے کہ کوئی ایسی نشانی اور معجزہ کہ جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو اپنے پیغمبر پر نازل کرے۔ لیکن اس میں ایک ایسا اشکال ہے کہ جس سے تم بے خبر ہو اور وہ یہ ہے کہ اگر اس قسم کے تقاضوں پر جو تم ہٹ دھرمی کی بنا پر کرتے ہو تمہاری بات مان لی جائے اور تم پھر بھی ایمان نہ لاؤ تو تم سب کے سب خداوند تعالٰی کے عذاب میں گرفتار ہو کر نابود ہو جاؤ گے کیونکہ یہ پروردگار عالم کی بارگاہ اقدس میں اور اس کے بھیجے ہوئے رسول اور اس کی آیت و معجزات کی انتہائی بے حرمتی ہے لہٰذا آیت کے آخر میں فرماتا ہے لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں۔

(۳۸) وَ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُکُمۡ ؕ مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ یُحۡشَرُوۡنَ	کوئی زمین میں چلنے والا جانور اور کوئی دو پروں سے اڑنے والا پرندہ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ تمہاری طرح کی امت ہیں ہم نے کسی چیز کو اس کتاب میں فروگذاشت نہیں کیا ہے پھر وہ سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف محشور ہوں گے۔

تفسیر

گذشتہ آیات مشرکین کے بارے میں بحث کر رہی تھی اور انہیں اس انجام کی طرف جو انہیں قیامت میں پیش آئے گا متوجہ کر رہی تھی اب یہ آیت تمام زندہ موجودات اور تمام قسم کے حیوانات کے عام حشر ونشر اور قیامت میں اٹھنے کو بیان کر رہی ہے پہلے فرمایا گیا ہے: کوئی زمین پر چلنے والا جانور نہیں اور کوئی دو پروں سے اڑنے والا پرندہ نہیں مگر یہ کہ وہ بھی تمہاری طرح کی امت ہیں۔

اس طرح سے تمام قسم کے جانور اور ہر قسم کے پرندے انسانوں کی طرح اپنے لئے ایک امت ہیں یعنی وہ بھی اپنے عالم میں علم شعور اور ادارک رکھتے ہیں وہ خدا کی معرفت رکھتے ہیں اور اپنی توانائی کے مطابق اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اگرچہ ان کی فکر انسانی فکر وفہم سے بہت نچلی سطح پر ہے اور جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا آیت کا ذیل آخری نظریئے کو تقویت دیتا ہے۔

پھر بعد کے جملے میں ہے ہم نے کتاب میں کسی چیز کو فروگذاشت نہیں کیا ہے۔

اور آیت کے آخر میں ہے: وہ تمام خدا کی طرف قیامت میں جمع ہوں گے۔

اس بنا پر آیت مشرکین کو آگاہ کر رہی ہے کہ وہ خدا جس نے تمام قسم کے جانوروں کو پیدا کیا ان کی ضروریات کو مہیا کیا اور ان کے تمام افعال کا نگران ہے اور ان سب کے لئے اس نے حشر ونشر قرار دیا ہے۔

کیسے ممکن ہے کہ وہ تمہارے لئے حشر ونشر قرار نہ دے اور بعض مشرکین کے قول کے مطابق دنیاوی زندگی اور اس کی حیات و موت کے سوا اور کچھ بھی نہ ہو۔

کیا جانوروں کے لئے بھی حشر ونشر ہے؟

اس میں شک نہیں کہ حساب و کتاب اور جزا وسزا کی پہلی شرط مسئلہ عقل وشعور ہے اور اس کے بعد فرائض کا وجوب اور جوابدہی کی ذمہ داری ہے اس عقیدے کے طرفدار کہتے ہیں کہ ایسے ثبوت موجود ہیں کہ جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جانور بھی اپنی مقدار و اندازہ کے مطابق فہم وادارک رکھتے ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ بہت سے جانوروں کی زندگی ایسے تعجب انگیز اور پرکشش نظام کے ساتھ ملی ہوئی ہے جو ان کے فہم وشعور کی سطح عالم کو واضح کرتی ہے کون ایسا شخص ہے کہ جس نے چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں اور ان کے عجیب وغریب تمدن اور ان کے چھتے اور بلوں کے تعجب انگیز نظام کی باتیں نہ سنی ہوں اور ان کے تحسین آمیز ادارک وشعور پر آفرین نہ کہی ہو۔

مثلاً وہ بھیڑ جس نے عمر میں کبھی بھیڑیئے کو نہیں دیکھا جب پہلی بار اس کو دیکھتی ہے تو اچھی طرح اس دشمن کے خطرناک ہونے کی تشخیص کر لیتی ہے اور جس ذریعہ سے ہو سکے اپنے دفاع اور خطرے سے نجات کے لئے کوشش کرتی ہے۔

مسلّم ہے کہ ان تمام باتوں کو آسانی کے ساتھ فطرت کی پیداوار نہیں کہا جا سکتا کیونکہ فطرت عام طور پر ایک ہی قسم کے دائمی کاموں کا سرچشمہ ہوتی ہے لیکن وہ اعمال جو ایسی خاص شرائط میں پیش بینی کے قابل نہ تھے عکس العمل کے عنوان سے انجام پاتے ہیں فطرت کی نسبت فہم و شعور سے زیادہ شباہت رکھتے ہیں۔ بہت سے جانور جو اپنے مالکوں کے ساتھ تدریجی طور پر لگاؤ اور محبت پیدا کر لیتے ہیں اس موضوع کا دوسرا گواہ ہیں بہت سے درندے اور خطرناک کتے اپنے مالکوں کے ساتھ حتیٰ کہ ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی ایک مہربان خدمت گار کی طرح برتاؤ کرتے ہیں۔

ان تمام چیزوں سے قطع نظر قرآن کی متعدد آیات میں ایسے مطالب دکھائی دیتے ہیں جو بعض جانوروں کے فہم و شعور کے بارے میں قابل ملاحظ دلیل شمار ہوتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر چیونٹیوں کے فرار کرنے کا واقعہ اور ہدہد کا سبا اور یمن کے علاقے میں آنا اور وہاں سے ہیجان انگیز خبروں کو سلیمان علیہ السلام کے پاس لانا اس مدعا پر شاہد ہیں۔

روایات اسلامی میں بھی متعدد احادیث جانوروں کے قیامت میں اٹھنے کے سلسلے میں نظر آتی ہے منجملہ ان کے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے نقل ہوا ہے وہ فرماتے ہیں۔

ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارے سامنے دو بکریوں نے ایک دوسرے کو سینگ مارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جانتے ہو کہ انہوں نے ایک دوسرے کو سینگ کیوں مارے ہیں حاضرین نے عرض کیا کہ نہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیکن خدا جانتا ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا اور عنقریب ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

(۳۹) وَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكۡمٌ فِى الظُّلُمٰتِ‌ؕ مَنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضۡلِلۡهُ‌ؕ وَمَنۡ يَّشَاۡ يَجۡعَلۡهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ	اور وہ لوگ جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں تاریکیوں میں بہرے اور گونگے قرار پاتے ہیں جسے خدا چاہتا ہے (اور وہ اسی کا مستحق ہوتا ہے) اسے وہ گمراہ کرتا ہے اور جسے وہ چاہتا ہے (اور اس کو اس بات کے لائق پاتا ہے) اسے سیدھے راستے پر قرار دیتا ہے۔

تفسیر

بہرے اور گونگے

قرآن ہٹ دھرم منکرین کی بحث کو دوبارہ شروع کر رہا ہے اور کہتا ہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا بہرے اور گونگے ہیں اور ظلمت و تاریکی میں قرار پائے ہیں۔ نہ تو وہ ایسے سننے والے کان رکھتے ہیں کہ جو حقائق کو سنیں اور نہ ہی ایسی حق گو زبان رکھتے ہیں کہ اگر انہوں نے کسی حقیقت کو سمجھ لیا ہو تو دوسروں سے بیان کر دیں

اوراس کے بعد فرماتا ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے اوراسے اس گمراہی کے راستے پر چلتے ہوئے شدت پسند پاتا ہے اوراس کے دل کی نہ مٹنے والی سیاہی کو دیکھتے ہوئے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اوراسے حق کے راستے کا حقیقی متلاشی پاتا ہے تو جادہ مستقیم پر برقرار رکھتا ہے۔

بعض اوقات انسان سے ایسے برے اعمال سرزد ہوجاتے ہیں کہ جن کے زیراثر ایک ایسی وحشتناک تاریکی اس کی روح کو گھیر لیتی ہے کہ جس سے حقیقت بین آنکھیں چھین لی جاتی ہیں اوراس کے کان حق کی آواز کو نہیں سنتے اوراس کی زبان حق بات کہنے سے رک جاتی ہے۔

اس کے برعکس کبھی انسان سے ایسے بہت سے نیک کام صادر ہوتے ہیں کہ ایک عالم نور وروشنی اس کی روح پر نچھاور ہوتا ہے اس کی نظر وادارک زیادہ وسیع اوراس کی فکر فزوں تر اوراس کی زبان حق بات کہنے میں گویا تر ہوجاتی ہے یہ ہے معنی ہدایت وضلالت کا جس کی خدا کے ارادے کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔

(۴۰) قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰىكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ اَوۡ اَتَتۡكُمُ السَّاعَةُ اَغَيۡرَ اللّٰهِ تَدۡعُوۡنَ‌ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ	کہہ دو کیا تم نے کبھی سوچا بھی ہے کہ اگر خدا کا عذاب تم پر نازل ہوجائے یا قیامت آجائے تو کیا تم (اپنی مشکلات کے حل کیلئے) خدا کے سوا کسی اور کو بلاؤ گے اگر تم سچے ہو۔
(۴۱) بَلۡ اِيَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فَيَكۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَيۡهِ اِنۡ شَآءَ وَ تَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِكُوۡنَ	نہیں بلکہ تم صرف اسی کو بلاؤ گے اوراگر وہ چاہے گا تو اس مشکل کو جس کے لئے تم نے اسے بلایا ہے برطرف کردے گا اور جسے آج تم (خدا کا) شریک قرار دیتے ہو اسے (اس دن) بھول جاؤ گے۔

تفسیر

فطری توحید

دوبارہ روئے سخن مشرکین کی طرف کرتے ہوئے ایک دوسرے طریقے سے توحید ویگانہ پرستی کے لئے ان کے سامنے استدلال کرتا ہے وہ اس طریقہ سے کہ انہیں ان کی زندگی کے بہت ہی سخت اور دردناک لمحات یاددلاتا ہے اوران کے وجدان سے مدد چاہتا ہے کہ اس قسم کے لمحات میں جب کہ ہر چیز کو بھول جاتے ہیں تو اس وقت خدا کے علاوہ اور کوئی پناہ گاہ انہیں اپنے لئے سمجھا دیتا ہے اے پیغمبران سے کہہ دو کہ اگر خدا کا دردناک عذاب تمہارے پیچھے آپہنچے یا قیامت اپنی اس ہولناکی ہیجان اور وحشتناک حادثات کے ساتھ برپا ہوجائے تو سچ بتاؤ کہ کیا تم خدا کے سوا کسی اور کو اپنے شدائد کو برطرف کرنے کے لئے پکارو گے۔

یہ آیت نہ صرف مشرکین کے لئے ہے بلکہ معنی کے اعتبار سے باطنی طور پر تمام افراد کے لئے شدائد اور سخت حوادث کے ظہور کے وقت قابل فہم ہے ممکن ہے کہ عام حالات میں اور چھوٹے چھوٹے حادثات میں انسان غیر خدا کے ساتھ متوسل ہو جائے لیکن جب حادثہ بہت زیادہ سخت ہو تو انسان تمام چیزوں کو بھول جاتا ہے البتہ یہی حالت ہوتی ہے وہ جبکہ وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں نجات کے لئے ایک قسم کی امید محسوس کرتا ہے کہ جو ایک پوشیدہ اور نامعلوم قدرت سے سرچشمہ حاصل کرتی ہے یہی وہ توجہ ہوتی ہے جو خدا کی طرف ہوتی ہے اور یہی حقیقت توحید ہے

(۴۱) اس آیت میں فرمایا گیا ہے " بلکہ تم صرف اسی کو پکارتے ہو اگر وہ چاہے تو تمہاری مشکل کو حل کر دے اور وہ شریک جو تم نے خدا کے لئے تیار کر رکھے تھے ان سب کو بھلا دیتے ہو"۔ یعنی اگر تمہارا نظریہ اور تمہارے خدا سچے ہیں تو پھر ایسا کیوں کرتے ہو؟

(۴۲) وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ یَتَضَرَّعُوۡنَ	ہم نے ان امتوں پر جو تم سے پہلے تھیں (پیغمبر بھیجے اور جب وہ ان کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو) ہم نے انہیں شدت و تکلیف اور رنج و بے آرامی میں مبتلا کر دیا کہ (شاید وہ بیدار ہو جائیں اور حق کے سامنے) سر تسلیم خم کر دیں۔
(۴۳) فَلَوۡ لَاۤ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَا تَضَرَّعُوۡا وَ لٰكِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	جب ہمارا عذاب ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے (خضوع کیوں نہیں کیا؟ اور) سر تسلیم کیوں خم نہ کیا؟ لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ہر اس کام کو جو وہ کرتے تھے ان کی نظروں میں پسندیدہ کر کے دکھایا۔
(۴۴) فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَیۡءٍ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ	جب (نصیحتوں نے کوئی فائدہ نہ دیا اور) جو کچھ انہیں یاد دہانی کرائی گئی تھی وہ اسے بھول گئے تو ہم نے (نعمتوں میں سے) تمام چیزوں کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے یہاں تک کہ وہ (مکمل طور پر) خوشحال ہو گئے (اور انہوں نے ان کے ساتھ دل لگا لیا) تو ہم نے یکا یک انہیں دھر پکڑا (اور سخت سزا دی) تو اس وقت وہ سب کے سب مایوس ہو گئے (اور ان پر امید کے سب دروازے بند ہو گئے)۔

(۴۵)فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	(اور اس طرح سے) جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا (اور ان کی نسل منقطع ہو گئی) اور حمد مخصوص ہے اس خدا کے لئے کہ جو عالمین کا پروردگار ہے۔

تفسیر

نصیحت قبول نہ کرنے والوں کا انجام

قرآن کی ان آیات میں بھی گمراہوں اور مشرکین کے بارے میں گفتگو جاری ہے اور قرآن ایک دوسرے راستے سے ان کو بیدار کرنے کے لئے اس موضوع کا پیچھا کرتا ہے یعنی ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں گذشتہ زمانوں اور صدیوں کی طرف لے جاتا ہے۔

پہلے کہتا ہے کہ ہم نے گذشتہ امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے اور چونکہ انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی لہٰذا ہم نے انہیں بیداری اور تربیت کی خاطر مشکلات اور سخت حوادث مثلاً فقر و فاقہ خشک سالی و بیماری درد و رنج اور "باساء" و "ضراء" ("باساء" اصل میں شدت و رنج کے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح قحط و خشک سالی اور فقر وغیرہ کے لئے بھی لیکن "ضراء" روحانی تکالیف مثلاً غم واندوہ، جہالت و نادانی یا وہ پریشانیاں جو بیماری یا مقام و منصب اور مال و ثروت کے ہاتھ سے نکل جانے سے پیدا ہوتی ہیں کے معنی میں ہے) سے دوچار کر دیا کہ شاید وہ متوجہ ہو جائیں اور خدا کی طرف پلٹ آئیں۔

(۴۳) اس آیت میں کہتا ہے کہ انہوں نے ان دردناک اور بیدار کرنے والے عوامل سے نصیحت کیوں نہ لی اور بیدار کیوں نہ ہوئے اور خدا کی طرف کیوں نہ لوٹے۔

اصل میں ان کے بیدار نہ ہونے کی دو وجوہات تھیں ان میں سے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ گناہ کی زیادتی اور شرک میں ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے دل تاریک اور سخت ہو گئے اور ان کی روح کوئی اثر قبول نہیں کرتی تھی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ شیطان نے ان کی نفس پرستی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے اعمال کو ان کی نگاہ میں زینت دے رکھی تھا اور جس طرح عمل کو وہ انجام دیتے تھے اسے خوبصورت زیبا اور ہر غلط کام کو درست صحیح خیال کرتے تھے۔

(۴۴) اس آیت میں مزید کہتا ہے کہ جب سخت گیریاں اور گوشمالیاں ان کے لئے موثر ثابت نہ ہوئیں تو ہم نے ان کے ساتھ محبت اور مہربانی کا راستہ اختیار کیا اور جب انہوں نے پہلے سبق کو بھلا دیا تو ہم نے ان کے لئے دوسرا سبق شروع کر دیا اور طرح طرح کی نعمتوں کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے کہ وہ بیدار ہو جائیں اور اپنے پیدا کرنے والے اور ان نعمتوں کو بخشنے والے کی طرف توجہ کر لیں اور راہ راست کو پالیں۔

لیکن یہ سب نعمتیں دوہری خصوصیت رکھتی تھیں یہ ان کی بیداری کے لئے اظہار محبت بھی تھیں اور اگر بیدار نہ ہوں تو دردناک عذاب کا مقدمہ بھی تھیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جب انسان ناز و نعمت میں ڈوبا ہوا ہو اور اچانک وہ سب نعمتیں اس سے چھین لی

جائیں تو اس کے لئے انتہائی دردناک ہوتا ہے اس کے برخلاف اگر اس سے تدریجاً واپس لی جائیں تو اس صورت میں اس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

اسی لئے کہتا ہے کہ ہم نے انہیں اتنی نعمتیں دیں کہ جس سے وہ مکمل طور پر خوشحال ہو گئے لیکن وہ بیدار نہ ہوئے لہٰذا ہم نے ان سے وہ اچانک چھین لیں اور ہم نے انہیں عذاب دیا اور امید کے سب دروازے ان پر بند ہو گئے۔

اور اس طرح ستمگروں کی نسل منقطع ہوگئی اور ان کی دوسری نسل آگے نہ چل سکی۔

''دابر''اصل میں کسی چیز کے پچھلے اور آخری حصہ کو کہتے ہیں اور چونکہ خداوندتعالیٰ نے ان کی تربیت کے لئے تمام ذرائع کو بروئے کار لانے میں کسی قسم کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لہٰذا آیت کے آخر میں کہتا ہے حمد مخصوص اس خدا کے لئے ہے کہ جو تمام عالمین کا پروردگار ہے۔

یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ آیت کے آخر میں خداوندتعالیٰ ''الحمد للّٰہ رب العالمین'' کہتا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ ظلم وفساد کی جڑ کو کاٹنا اور ایسی نسل کا نابود ہو جانا جو اس کام کو جاری رکھ سکے اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ شکر وسپاس کی جگہ ہے۔

ایک حدیث میں جو فضیل بن عیاض نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے میں آپ علیہ السلام نے فرمایا

''من احب بقاء الظالمین فقد احب ان یعصی اللّٰہ ان اللّٰہ تبارک و تعالیٰ حمد بنفسہ بھلاک الظلمۃ فقال فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للّٰہ رب العالمین''

(جو شخص ستمگروں اور ظالموں کی بقا چاہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ خدا کی نافرمانی ہوتی رہے موضوع ظلم اس قدر اہم ہے کہ خدا نے ظالموں کو نابود کرنے کے مقابلہ میں اپنی حمد وستائش کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ستم گر قوم کی نسل منقطع کر دی گئی اور حمد وسپاس مخصوص ہے اس خدا کے لئے جو عالمین کا پروردگار ہے)۔

(۴۶) قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰہُ سَمْعَکُمْ وَ اَبْصَارَکُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَّنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِہٖ ط اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ ھُمْ یَصْدِفُوْنَ	کہہ دو کہ کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ اگر خدا تمہارے کان اور آنکھیں تم سے لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے (کہ تم کوئی بات نہ سمجھ سکو) تو خدا کے سوا اور کون ہے کہ جو یہ چیزیں تمہیں دیدے دیکھو ہم آیات کی کس طرح مختلف طریقوں سے تشریح کرتے ہیں اس کے بعد وہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں۔

(۴۷)قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ بَغۡتَةً اَوۡ جَهۡرَةً هَلۡ يُهۡلَكُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الظّٰلِمُوۡنَ	کہہ دو کہ کیا تم نے یہ بھی غور کیا کہ اگر خدا کا عذاب اچانک (اور پوشیدہ) یا آشکار تمہارے پاس آ جائے تو کیا ظالموں کے گروہ کے سوا اور کوئی ہلاک ہوگا؟
(۴۸)وَ مَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ ۚ فَمَنۡ اٰمَنَ وَ اَصۡلَحَ فَلَاخَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَاهُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ	اور ہم پیغمبروں کو نہیں بھیجتے سوائے اس کے کہ وہ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہوتے ہیں پس جو لوگ ایمان لے آئیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان کے لئے نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔
(۴۹) وَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الۡعَذَابُ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ	وہ لوگ جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ان کی نافرمانیوں کے سبب خداوند تعالٰی کا عذاب انہیں پہنچے گا۔

تفسیر

نعمتیں بخشنے والے کو پہچانئے

روئے سخن بدستور مشرکین ہی کی طرف ہے۔

ان آیات میں ایک دوسرے بیان کے ذریعے ان کو بیدار کرنے کے لئے استدلال ہوا ہے اور دفع ضرر کے حوالے سے کہا گیا ہے اگر خدا کان اور آنکھ جیسی اپنی گراں بہا نعمتیں تم سے لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے اس طرح سے کہ تم اچھے، برے اور حق و باطل کے درمیان تمیز نہ کر سکو تو خدا کے سوا کون ہے جو یہ نعمتیں تمہیں پلٹا سکے۔

حقیقت میں مشرکین بھی قبول کرتے تھے کہ خالق و رازق خدا ہی ہے اور بتوں کی بارگاہ خدا میں شفاعت کے عنوان سے پرستش کرتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے دیکھو ہم کس طرح مختلف طریقوں سے آیات و دلائل کی تشریح کرتے ہیں لیکن وہ پھر بھی حق سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

(۴۷) اس آیت میں ان تینوں عظیم الٰہی نعمتوں آنکھ کان اور فہم کے ذکر کے بعد کہ جو دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں کا سر چشمہ ہیں تمام نعمتوں کے کلی طور پر سلب ہونے کے امکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے انہیں کہہ دو کہ اگر خدا کا عزاب اچانک بلا کسی اطلاع کے یا آشکارا ان کے پکارے بغیر تمہارے پاس آ جائے تو کیا ظالموں کے سوا کوئی اور نابود ہوگا۔

منظور یہ ہے کہ جو ذات طرح طرح کی سزائیں دینے اور نعمتوں کے چھین لینے پر قدرت رکھتی ہے وہ صرف اور صرف ذات خدا ہے اور بتوں کا اس معاملے میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

اس بنا پر کوئی دلیل اور وجہ نہیں ہے کہ ان کی پناہ لو۔

(۴۸) اس آیت میں خدائی پیغمبرون کے فرائض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے نہ صرف یہ کہ بیجان بتوں سے کچھ نہیں ہوسکتا بلکہ بزرگ انبیاء اور خدائی رہبر و رہنما بھی سوائے ابلاغ رسالت بشارت و نذرات اور تشویق و تہدید کے اور کوئی کام نہیں کرتے اور جو بھی نعمت ہے وہ خدا کے حکم سے ہے اور اسی کی طرف سے ہے اور وہ انبیا بھی اپنی حاجات کو اسی سے طلب کرتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ راہ نجات دو چیزوں میں منحصر ہے وہ لوگ جو ایمان لے آئیں۔ اور اپنی اصلاح کرلیں اور عمل صالح انجام دیں انہیں نہ خدائی سزا کا خوف ہے اور نہ ہی انہیں اپنے گذشتہ اعمال کا غم واندوہ ہے۔

(۴۹) اور ان کے مقابلے میں جو لوگ آیات الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں وہ اس فسق اور نافرمانی کے بدلے میں خدائی سزا اور عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

(۵۰) قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۧ	کہہ دو کہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ خدا کے خزانے میرے پاس ہیں اور نہ میں غیب سے آگاہ ہوں سوائے اس کے جو خدا مجھے تعلیم دیتا ہے اور میں تمہیں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو خدا کی طرف سے مجھ پر وحی ہوتی ہے کہہ دو کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہیں تم اس پر غور کیوں نہیں کرتے؟

تفسیر

غیب سے آگاہی

زیر نظر پہلی آیت میں کفار و مشرکین کے مختلف اعتراضات پر دیئے گئے جوابات کا آخری حصہ بیان ہوا ہے اور ان کے اعتراضات کے تین حصوں کا مختصر جملوں میں جواب دیا گیا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ وہ کفار و مشرکین) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عجیب و غریب معجزات کے مطالبے کیا کرتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کا مطالبہ اس کی اپنی خواہش کے مطابق ہوا کرتا تھا یہاں تک کہ وہ دوسروں کی درخواست پر دکھائے جانے والے معجزات کے مشاہدہ پر بھی قناعت نہیں کرتے تھے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی سونے کے مکانات کا کبھی ملائکہ کے نزول کا کبھی مکہ کی خشک اور بی آب و

گیاہ زمین کے سرسبز وشاداب باغوں میں بدل جانے کا اور کبھی دوسری قسم کے مطالبات کا تقاضا کیا کرتے تھے۔

گویا وہ ایسے عجیب وغریب تقاضے کر کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک قسم کے مقام الوہیت اور زمین وآسمان کی مالکیت کی توقع رکھتے تھے لہٰذا ان افراد کے جواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ میرا یہ ہرگز دعویٰ نہیں ہے کہ خدائی خزانے میرے ہاتھ میں ہیں۔

خزائن جمع ہے خزینہ کی اور خزینہ ہر چیز کے منبع ومرکز کو کہتے ہیں کہ جس کی حفاظت کے لئے اور دوسروں کے اس تک دسترس حاصل کرنے کے لئے اسے وہاں جمع کیا گیا ہو۔

اس کے بعد ان افراد کے مقابلے میں کہ جو یہ توقع رکھتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں تمام گذشتہ اور آئندہ کے اسرار سے آگاہ کریں یہاں تک کہ انہیں یہ بھی بتلائیں کہ ان کی زندگی سے متعلق کون سے حادثات رونما ہوں گے تا کہ وہ رفع ضرر اور جلب منفعت کے لئے آمادہ ہو جائیں کہتا ہے کہیے میں ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں تمام پوشیدہ امور اور اسرار غیب سے آگاہ ہوں۔

تیسرے جملے میں ان لوگوں کے سوال کے جواب میں کہ جو یہ توقع کرتے تھے کہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرشتہ ہونا چاہئے یا کسی فرشتہ کو ان کے ہمراہ ہونا چاہئے اور کسی قسم کے عوارض بشری (مثلاً کھانا کو چہ وبازار میں چلنا پھرنا اس میں نظر نہ آئیں ارشاد ہوتا ہے میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔

بلکہ میں تو صرف ان احکام وتعلیمات کی پیروی کرتا ہوں کہ جو پروردگار کی طرف سے بذریعہ وحی مجھ تک پہنچتے ہیں۔

اور آیت کے آخر میں پیغمبر کو حکم دیا جارہا ہے کہ کہہ دو کہ کیا نابینا اور بینا افراد برابر ہیں اور کیا وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنی آنکھوں اور فکر وعقل کو بند کر رکھا ہے ان اشخاص کے برابر ہیں جو حقائق کو اچھی طرح سے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے۔

(۵۱) وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰی رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ	اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو ڈراؤ جو حشر ونشر اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں وہ دن کہ جس میں یار ویاور سر پرست اور شفاعت کرنے والا سوائے اس خدا کے نہ رکھتے ہوں گے شاید وہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کریں۔

تفسیر

گذشتہ آیت کی آخر میں فرمایا گیا تھا کہ نابینا او بینا یکساں نہیں ہیں اور اس کے بعد اس آیت میں پیغمبر کو حکم دیا جارہا ہے قرآن کے ذریعے ایسے لوگوں کو ڈراؤ اور بیدار کرو جو قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔ان کے دل کی آنکھیں اتنی ضرور کھلی ہوئی ہیں کہ وہ یہ احتمال رکھتے ہیں کہ حساب وکتاب ہوگا اور اس احتمال کے زیر سایہ اور جوابدہی کے خوف سے قبول کرنے کے لئے آمادگی رکھتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اس قسم کے بیدار دل افراد اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جب سوائے خدا کے اور کوئی پناہ گاہ اور شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔

ہاں ایسے افراد کو ڈراؤ اور انہیں خدا کی طرف دعوت دو کیونکہ ان کے بارے میں تقویٰ اور پرہیز گاری کی امید ہے۔

(۵۲) وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ	ان لوگوں کو جو صبح شام خدا کو پکارتے ہیں اور اس کی ذات پاک کے علاوہ کسی پر نگاہ نہیں رکھتے اپنے سے دور نہ کر۔ نہ ان کا حساب تجھ پر ہے اور نہ تیرا حساب ان پر ہے اگر تو ان کو دھتکارے گا تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔
(۵۳) وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ	اور اس طرح ہم نے ان میں سے بعض کو دوسرے بعض کے ساتھ آزمایا ہے (تونگروں کو فقیروں کے ذریعے) تاکہ وہ یہ کہیں کہ کیا یہ ہیں وہ کہ جنہیں خدا نے ہمارے درمیان سے (چنا ہے) اور ان پر احسان کیا ہے اور انہیں نعمت ایمان سے نواز ہے تو کیا خدا شکر کرنے والوں کو بہتر طور پر پہچانتا نہیں ہے؟

شان نزول

اوپر والی آیات کی شان نزول میں نقل ہوا ہے کہ قریش کی ایک جماعت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزری جب کہ صہیب، عمار، بلال اور خباب اور ان ہی جیسے دوسرے فقیر اور مزدور قسم کے مسلمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے یہ منظر دیکھ کر تعجب کیا۔ اور کہنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ نے ساری جمعیت میں سے بس انہی افراد پر قناعت کر لی ہے؟ کیا یہی ہیں وہ کہ جنہیں خدا نے ہمارے درمیان میں سے منتخب کیا ہے؟ کیا ہم ان کے پیرو ہو جائیں؟ جتنا جلدی ہو سکے آپ انہیں اپنے سے دور کر دیجئے تو شاید ہم آپ کے قریب آ جائیں اور آپ کی پیروی کر لیں اس پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اور ان کے اس تقاضے اور مطالبے کو شدت کے ساتھ رد کر دیا گیا۔

بعض مفسرین اہل سنت نے اسی جیسی ایک حدیث نقل کی ہے مثلاً المنار کے مولف نے اسی کے مانند روایت کرتے ہوئے مزید اضافہ کیا ہے کہ عمر بن خطاب وہاں حاضر تھے اور انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ تقاضا کیا کہ اس میں کیا

حرج ہے کہ ہم ان کے مطالبہ کو مان لیں اور یہ دیکھیں کہ وہ کیا کرتے ہیں تو اس پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اور ان کے اس تقاضے کو بھی رد کر دیا۔

نوٹ:

اس بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ اس سورہ کی بعض آیات کی شانِ نزول کا ذکر کرنا اس بات کے منافی نہیں کہ یہ پوری سورہ ایک ہی جگہ پر نازل ہوئی ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس سورہ کے نزول سے پہلے طرح طرح کے حوادث مختلف فاصلوں میں رونما ہو چکے ہوں اور یہ سورہ ان سب حوادث کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہو۔

تفسیر

طبقاتی تقسیم کے خلاف جنگ

اس آیت میں مشرکین کی ایک اور بہانہ جوئی کی طرف اشارہ ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں توقع تھی کہ پیغمبر فقیر طبقے کے مقابلے میں ثروت مندوں کے لئے امتیاز کے قائل ہو جائیں گے اور ان کا خیال تھا کہ ان کا ان اصحاب پیغمبرﷺ کے پاس بیٹھنا ان کے لئے عیب اور بہت بڑا نقص ہے حالانکہ وہ اس بات سے غافل تھے کہ اسلام آیا ہی اس لئے ہے کہ وہ اس قسم کے لغو اور بے بنیاد امتیازات کو ختم کر دے اسی لئے وہ اس تجویز پر بہت مصر تھے کہ پیغمبرﷺ اس گروہ کو اپنے قرب سے دور کریں لیکن قرآن صراحت کے ساتھ اور وزنی دلائل پیش کر کے ان کی تجویز کی نفی کرتا ہے پہلے کہتا ہے ان اشخاص کو کہ جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور سوائے اس کی ذات پاک کے ان کی نظر کسی پر نہیں ہے انہیں ہرگز اپنے سے دور نہ کرنا۔

حقیقت میں یہ لوگ ایک پرانی غلط روایت کی بنا پر سمجھتے تھے کہ افراد میں امتیاز دولت و ثروت کے سبب سے ہوتا ہے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ معاشرے کے طبقات جو ثروت کی بنیاد پر وجود میں آئے ہیں وہ محفوظ رہنے چاہئے اور ہر وہ دین اور ہر وہ دعوت جو طبقاتی زندگی کو ختم کرنا چاہے اور ان امتیازات کو نظر انداز کرے وہ ان کی نظر میں مطرد اور نا قابل قبول ہے۔

بعد والے جملے میں فرمایا گیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ اس قسم کے صاحبان ایمان کو تو اپنے سے دور کرے نہ ان کا حساب تیرے اوپر ہے اور نہ تیرا حساب ان کے اوپر ہے۔ اس کے باوجود اگر تم ان کو اپنے سے دور کرو گے تو ستمگروں اور ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

قرآن جواب دیتا ہے کہ فرض کرو کہ وہ ایسے ہی ہوں لیکن ان کا حساب تو خدا کے ساتھ ہے صرف اس بات پر کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اور مسلمانوں کی صفت میں شامل ہو گئے ہیں کسی قیمت پر انہیں دھتکارا نہیں جانا چاہئے اور اس طرح سے امراء قریش کی بہانہ جوئیوں پر گرفتاری کی گئی ہے۔

اسلام کا ایک عظیم امتیاز

ہم جانتے ہیں کہ آجکل کی مسیحیت میں مذہبی راہنماؤں کا دائرہ اختیار مضحکہ انگیز حد تک وسعت پا چکا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے لئے گناہ بخش دینے کے حق کے قائل ہیں اور اسی بنا پر اگر وہ چاہیں تو کسی شخص کو معمولی سی بات پر دھتکار دیں اور کافر قرار دے دیں اور چاہیں تو کسی کو قبول کر لیں۔

قرآن مجید زیر نظر آیت میں اور دیگر آیات میں صراحت کے ساتھ یاد دہانی کراتا ہے کہ نہ صرف مذہبی علماء بلکہ پیغمبر کی ذات تک بھی اظہار ایمان کرنے والے کو دھتکارنے اور دور کرنے کا حق نہیں رکھتے تھے جب کہ انہوں نے کوئی ایسا کام بھی انجام نہیں دیا کہ جو ان کے اسلام سے خارج ہونے کا سبب بنے گناہوں کی بخشش اور بندوں کا حساب و کتاب صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس کے سوا کوئی بھی اس کام میں دخل دینے کا حق نہیں رکھتا۔

(۵۳) اس آیت میں بے ایمان دولت مند افراد کو تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ واقعات ان کے لئے آزمائش ہیں اور اگر وہ ان آزمائشوں کی بھٹی سے صحیح طریقے سے باہر نہ نکل سکے تو وہ دردناک عواقب وانجام کے متحمل ہوں گے فرمایا گیا ہے کہ ہم نے اس طرح سے ان میں سے بعض کو دوسرے بعض کے ذریعے آزمایا۔ یہاں "فتنة" آزمائش کے معنی میں ہے۔

پھر مزید ارشاد ہوتا ہے کہ ان تونگروں کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ سچے مومنین کی طرف حقارت کی نگاہ ڈال کر کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں کہ جنہیں خدا نے ہمارے درمیان میں سے چن لیا ہے اور انہیں نعمت ایمان و اسلام کے ساتھ نوازا ہے کیا یہ اس قسم کی باتوں کی قابلیت رکھتے ہیں۔

بعد میں ان کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ صاحبان ایمان ایسے افراد ہیں کہ انہوں نے عمل و تشخیص کی نعمت کا شکر ادا کیا ہے اور اس کو روبہ عمل لائے ہیں اسی طرح انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی نعمت کا ذکر ادا کیا ہے اور ان کی دعوت کو قبول کیا ہے اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوگی اور اس سے بڑھ کر شکر اور کیا ہوگا اسی بنا پر خدا نے ایمان کو ان کے دلوں میں راسخ کر دیا ہے کیا خدا شکر گزاروں کو بہتر نہیں پہچانتا۔

(۵۴) وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	جب وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان لائے ہیں تمہارے پاس آئیں تو ان سے کہو تم پر سلام ہو تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے تم میں سے جو آدمی نادانی سے کوئی برا کام کر لے اس کے بعد توبہ اور اصلاح (وتلافی) کرے تو وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۵۵)وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ	اور ہم اس طرح سے آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں (اور واضح کرتے ہیں) تاکہ گنہگاروں کا راستہ آشکار ہو جائے۔

تفسیر

پہلے ایک قانون کلی کے طور پر پیغمبرﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ تمام اہل ایمان کو خواہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہوں نہ صرف یہ کہ اپنے پاس سے دھتکاریں نہیں بلکہ انہیں گلے لگائیں اور قبول کریں اور فرمایا گیا کہ جب وہ لوگ کہ جو ہماری آیات پر ایمان لا چکے ہیں تیرے پاس آئیں تو ان سے کہو تم پر سلام ہو۔

یہ سلام ممکن ہے کہ خدا کی طرف سے اور پیغمبرﷺ کے وسیلہ سے ہو اور یا براہ راست خود پیغمبرﷺ کی طرف سے ہو اور یہ ہر حال میں ان کی پذیرائی اور استقبال کرنے اور ان سے افہام وتفہیم اور دوستی کرنے کی دلیل ہے۔

دوسرے جملہ میں مزید فرمایا گیا ہے: تمہارے پروردگار نے رحمت کو اپنے اوپر فرض کرلیا ہے۔

تیسرے جملہ میں کہ جو درحقیقت رحمت الٰہی کی توضیح وتفسیر ہے ایک محبت آمیز تعبیر کے ساتھ یوں فرمایا گیا ہے تم میں سے جو شخص کوئی کام از روئے جہالت انجام دے اس کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح اور تلافی کرے تو خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

ایسے مواقع پر جہالت سے مراد وہی شہوت اور خواہش نفسانی کا غلبہ اور طغیان وسرکشی ہے مسلمہ طور پر ایسا شخص اپنے گناہ کے لئے جوابدہ ہے۔

یہاں مجرم سے مراد وہی ہٹ دھرم اور سخت قسم کے گنہگار ہیں جو کسی ذریعہ سے بھی حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے ہوں یعنی حق کی طرف اس عمومی اور ہمہ گیر دعوت کے بعد یہاں تک کہ ان گنہگاروں کو دعوت دینے کے بعد کہ جو اپنے کام سے پشیمان ہیں اب ہٹ دھرم اور ناقابل توجہ مجرموں کے طرز عمل کو مکمل طور پر واضح کیا جا رہا ہے۔

(۵۶) قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ	(اے رسول) تم (مشرکین سے) کہہ دو کہ مجھے ان کی پرستش سے منع کیا گیا ہے جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ کہہ دو کہ میں تمہاری ہوا وہوس کی پیروی نہیں کرتا اگر میں ایسا کروں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا۔

(۵۷) قُلۡ اِنِّیۡ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ کَذَّبۡتُمۡ بِهٖ ؕ مَا عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الۡحَقَّ وَ هُوَ خَیۡرُ الۡفٰصِلِیۡنَ	تم کہہ دو کہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک واضح اور روشن دلیل رکھتا ہوں اور تم نے اس کی تکذیب کی ہے اور اسے قبول نہیں کیا وہ چیز (یعنی عذاب الٰہی) کہ جس کے بارے میں تمہیں زیادہ جلدی ہے وہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے حکم اور فرمان جاری کرنا صرف خدا ہی کے اختیار میں ہے جو حق کو باطل سے جدا کرتا ہے اور وہ (حق کو باطل سے) بہترین (طریقے پر) جدا کرنے والا ہے۔
(۵۸) قُلۡ لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ لَقُضِیَ الۡاَمۡرُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِیۡنَ	تم کہہ دو کہ اگر وہ چیز جس کے بارے میں تمہیں جلدی ہے میرے پاس ہوتی (اور میں تمہاری درخواست پر عمل کرتا تو عذاب الٰہی تم پر نازل ہو جاتا) اور میرا اور تمہارا کام انجام کو پہنچ جاتا اور خدا ظالموں کو اچھی طرح سے پہچانتا ہے۔

تفسیر

بے جا اصرار اور ہٹ دھرمی

ان آیات میں روئے سخن اسی طرح ہٹ دھرم مشرکین اور بت پرستوں کی طرف ہے جیسا کہ اس سورہ کی زیادہ تر آیات اسی بحث کے گرد گھومتی ہیں ان آیات کو لب ولہجہ کچھ اس طرح کا ہے جیسا کہ انہوں نے پیغمبر کو دعوت دی تھی کہ پیغمبر ان کے دین کی طرف جھک جائے لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ وہ انہیں صراحت کے ساتھ کہہ دے کہ مجھے ان کی پرستش سے منع کیا گیا ہے جن کی تم خدا کے علاوہ پرستش کرتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا۔ کہہ دو اے پیغمبر کہ میں تمہاری ہوا و ہوس کی پیروی نہیں کرتا "قُلۡ لَّآ اَتَّبِعُ اَهۡوَآءَکُمۡ" اس جملے کے ذریعے ان کے مطالبہ کا واضح جواب دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ بت پرستی کوئی منطقی دلیل نہیں رکھتی اور ہرگز عقل و خرد سے مطابقت نہیں رکھتی۔

آخر میں مزید تاکید کے لئے ارشاد ہوتا ہے اگر میں ایسا کام کروں تو یقیناً گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ رہوں گا۔

(۵۷) اس آیت میں انہیں ایک اور جواب دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک واضح اور روشن

دلیل رکھتا ہوں اگرچہ تم نے اسے قبول نہیں کیا اور اس کی تکذیب کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس بات کا سہارا لیں کہ خدا پرستی کی راہ میں اور بتوں سے جنگ میں میرا مدرک کامل طور سے روشن اور آشکار ہے اور تمہارا انکار اور تکذیب اسی کی اہمیت میں کوئی کمی پیدا نہیں کر سکتی۔

اس کے بعد ان کی بہانہ سازیوں میں سے ایک اور بہانہ جوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو وہ عذاب کہ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اسے جلد لے آؤ پیغمبران کے جواب میں کہتے ہیں وہ چیز کہ جس کے بارے میں تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ تمام کام اور تمام احکام سب کے سب خدا کے ہاتھ میں ہیں۔

اور بعد میں تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے وہی ہے کہ جو حق کو باطل سے جدا کرتا ہے اور وہ حق کو باطل سے سب سے بہتر طور پر جدا کرنے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ حق کو باطل سے وہی اچھی طرح جدا کر سکتا ہے کہ جس کا علم سب سے زیادہ ہو اور اس کے لئے حق و باطل کی شناخت کامل طور سے روشن ہو علاوہ ازیں وہ اپنے علم و دانش کو روبہ عمل لانے کے لئے کافی قدرت بھی رکھتا ہو اور یہ دونوں صفات (علم وقدرت) نامحدود اور بے پایاں طور پر صرف خدوند تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہیں لہٰذا وہی حق کو باطل سے سب سے بہتر طور پر جدا کرنے والا ہے۔

(۵۸) اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ اس ہٹ دھرم اور نادان گروہ کی جانب سے عذاب وسزا کے مطالبہ پر انہیں کہہ دو کہ وہ چیز جس کے جلدی ہو جانے کا مطالبہ تم مجھ سے کرتے ہو اگر وہ میرے قبضہ واختیار میں ہوتی اور میں تمہارے درخواست پر عمل کر دیتا تو میرا اور تمہارا کام ختم ہو گیا ہوتا۔

لیکن اس غرض سے کہ کہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ ان کی سزا کو بھلا دیا گیا ہے آخر میں قرآن کہتا ہے خداوند تعالیٰ ستمگاروں اور ظالموں کو سب سے بہتر طور پر پہچانتا ہے اور موقع پر انہیں سزا دے گا۔

(۵۹) وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ‌ ؕ وَ يَعۡلَمُ مَا فِى الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ‌ ؕ وَ مَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَ لَا رَطۡبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ	غیب کی چابیاں صرف اسی کے پاس ہیں اور اس کے علاوہ کوئی اسے نہیں جانتا اور خشکی اور دریا میں جو کچھ ہے وہ اسے جانتا ہے کوئی پتا (کسی درخت سے) نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اس سے آگاہ ہے اور نہ زمین کی پوشیدہ وتاریک جگہوں میں کوئی دانہ ہے اور نہ ہی کوئی خشک و تر چیز وجود رکھتی ہے مگر یہ کہ وہ واضح کتاب (کتاب علم خدا) میں ثبت ہے۔

(۶۰)وَ هُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ یَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُکُمۡ فِیۡهِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیۡهِ مَرۡجِعُکُمۡ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۠	وہی وہ ذات ہے کہ جو تمہاری روح کو رات کے وقت (نیند میں) لے لیتا ہے اور جو کچھ تم نے دن میں کسب کیا (انجام دیا) ہے اس سے باخبر ہے پھر وہ دن میں (نیند سے) تمہیں اٹھاتا ہے (یہ کیفیت ہمیشہ جاری رہتی ہے) یہاں تک کہ معین گھڑی آ پہنچے اس کے بعد تمہاری بازگشت اسی کی طرف ہوگی اور جو کچھ عمل تم کرتے ہو وہ اس کی تمہیں خبر دے گا۔
(۶۱)وَ هُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ وَ یُرۡسِلُ عَلَیۡکُمۡ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَ هُمۡ لَا یُفَرِّطُوۡنَ	وہ اپنے بندوں پر مکمل تسلط رکھتا ہے اور تمہارے اوپر نگہبان بھیجتا ہے یہاں تک کہ تم میں سے کسی کو موت کا وقت آ پہنچے تو ہمارے بھیجے ہوئے اس کی جان لے لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔
(۶۲) ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰهِ مَوۡلٰهُمُ الۡحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الۡحُکۡمُ ۟ وَ هُوَ اَسۡرَعُ الۡحَاسِبِیۡنَ	اس کے بعد (تمام بندے) خدا کی طرف جو ان کا مولائے حقیقی ہے پلٹ جائیں گے جان لو کہ حکم کرنا اسی کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا ہے۔

تفسیر

اسرار غیب

گذشتہ آیات میں گفتگو خدا کے علم وقدرت اور اس کے حکم وفرمان کے دائرے کی وسعت کے بارے میں تھی اب ان آیات میں اس بیان کی جو گذشتہ آیات میں اجمالاً ذکر ہوا تھا وضاحت کی جارہی ہے۔

زیرِنظر پہلی آیت میں علم خدا کے موضوع کو لیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

غیب کے خزانے یا غیب کی چابیاں سب کی سب خدا کے پاس ہیں اور اس کے علاوہ کوئی انہیں نہیں جانتا۔

پہلی صورت میں آیت کا معنی اس طرح ہوگا کہ تمام غیب کی چابیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ غیب کے تمام خزانے اسی کے قبضے میں ہیں۔

اس کے بعد مزید توضیح وتاکید کے لئے کہتا ہے جو کچھ بر وبحر میں ہے خدا اسے جانتا ہے۔

"بر" وسیع مکان کے معنی میں ہے اور عام طور پر خشک علاقوں کو "بر" کہا جاتا ہے اور "بحر" بھی اصل میں وسیع جگہ کے معنی

میں ہے کہ جس میں زیادہ پانی جمع ہو اور عام طور پر یہ لفظ سمندروں پر اور کبھی بڑے بڑے دریاؤں پر بھی بولا جاتا ہے۔

بہرحال خدا کی ان چیزوں سے آگاہی کہ جو خشکی اور سمندروں میں ہے اس کے علم کے تمام چیزوں پر احاطے کے معنی میں ہے اور اس جملہ کے معنی کی وسعت کی طرف توجہ سے جو کچھ خشکی میں اور سمندروں میں ہے خدا اسے جانتا ہے حقیقت میں اس کے وسیع علم کا ایک گوشہ واضح ہوتا ہے۔

یعنی وہ سمندروں کی گہرائیوں میں چھوٹے اور بڑے اربوں زندہ موجودات کی جنبش سے۔

اور تمام جنگلوں اور پہاڑوں میں درختوں کے پتوں کے ہلنے سے

اور ہر غنچہ کے چٹخنے اور ہر پھول کے کھلنے کی قطعی تاریخ سے

اور بیابانوں میں نسیم کی موجوں کے چلنے اور دروں کی خمیدگی سے

اور ہر انسان کے بدن کی رگوں کی صحیح گنتی اور خون کے گلوبیولز سے۔

اور ایٹم کے اندر تمام الیکٹرانوں کی مخفی حرکتوں سے

اور آخر یہ کہ تمام افکار و تخیلات جو ہمارے دماغوں کے پردوں کے اندر سے گزرتے ہیں

اور ہماری روح کی گہرائیوں تک نفوذ کرتے ہیں .... ہاں ہاں وہ ان سب سے یکساں طور پر باخبر ہے پھر بعد والے جملے میں خدا کے علمی احاطہ کی تاکید کے لئے اس بارے میں خصوصیت کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کوئی پتہ درخت سے جدا نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ اسے جانتا ہے۔

یعنی ان پتوں کی تعداد اور شاخوں سے ان کے جدا ہونے کا وقت ہوا کے درمیان ان کی گردش اور ان کے زمین پر آگرنے کا لمحہ یہ سب امور اس کے علم کے سامنے واضح اور روشن ہیں اسی طرح کوئی دانہ زمین کی کسی پوشیدہ جگہ میں نہیں ٹھہرتا مگر یہ کہ وہ اس کی تمام خصوصیات کو جانتا ہے۔

درحقیقت اس آیت میں دو حساس نقطوں پر انگشت رکھی گئی ہے کہ جن کا احاطہ کرنا کسی بھی انسان کے لئے ممکن نہیں ہے خواہ ہزاروں سال اس کی عمر کے گزر جائیں اور خواہ وہ کتنی بھی صنعتی مہارت اور حیرت انگیز ارتقائی منزلیں کیوں نہ طے کر لے۔

ایسا کونسا انسان ہے جو یہ جانتا ہو کہ ہر لمحے کیڑے مکوڑوں کے ذریعے یا انسانوں کے وسیلہ سے کتنے دانے اور کس کس قسم کے بیج اور زمین کے کن کن نقاط میں بکھیرے جا رہے ہیں۔

کونسا برقی دماغ ہے وہ جو جنگلوں کے درختوں کی شاخوں سے ہر روز جھڑنے والے پتوں کی تعداد کا شمار کر سکے کسی ایک جنگل کے منظر کی طرف نگاہ کرتے ہوئے خاص طور پر موسم خزاں میں اور خصوصاً مسلسل بارش یا تیز ہوا کے بعد اور اس عجیب و غریب منظر کو دیکھتے ہوئے کہ جو پتوں کے پے در پے گرنے سے پیدا ہوتا ہے یہ حقیقت اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ بات ہرگز ہرگز ممکن نہیں ہے کہ اس قسم کے علوم تک انسان کی دسترس ہو سکے۔

حقیقتاً پتوں کا گرنا ان کی موت کا وقت ہے اور تاریک زمینوں میں دانوں کا گرنا ان کی حیات وزندگی کی طرف پہلا قدم ہے اور صرف اسی کی ذات ہے وہ کہ جو اس موت زندگی کے نظام سے باخبر ہے یہاں تک کہ ایک دانہ اپنی کامل زندگی اور پھوٹنے کی طرف جو مختلف قدم اٹھاتا ہے وہ ہر لمحہ اور ہر گھڑی اس کے علم کی بارگاہ میں واضح وآشکار ہے۔

اس امر کے بیان کا ایک اثر فلسفی ہے اور ایک اثر تربیتی اس کا فلسفی اثر تو یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے خیال کی کہ جو خدا کے علم کو کلیات میں منحصر سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا اس جہان کے جزائیات سے آگاہ نہیں ہے نفی کرتا ہے اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ خدا تمام کلیات وجزائیات سے مکمل آگاہی رکھتا ہے۔

باقی رہا اس کا تربیتی اثر تو وہ واضح ہے کیونکہ اس وسیع وبے پایاں علم پر ایمان رکھنا انسان سے یہ کہتا ہے کہ تیرے وجود کے تمام اسرار، اعمال، گفتار، نیتوں اور افکار سب کے سب اس کی ذات پاک کے لئے واضح وآشکار ہیں اس قسم کے ایمان کے ساتھ کس طرح ممکن ہے کہ انسان اپنے حالات پر نگاہ نہ رکھے اور اپنے اعمال گفتار اور نیتوں پر کنٹرول نہ کرے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے کوئی خشک وتر نہیں ہے مگر یہ کہ وہ کتاب مبین میں ثبت ہے۔

(۶۰) اس آیت میں اعمال انسانی پر عمل خدا کے احاطہ کی بحث کی گئی ہے کہ جو اس کا ہدف اصلی ہے اور خدا کی قدرت قاہرہ کو بھی مشخص کیا گیا ہے تاکہ لوگ اس مجموعی بحث سے ضروری تربیتی نتائج حاصل کرسکیں۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے وہ ایسی ذات ہے کہ جو تمہاری روح کو رات کے وقت قبض کرلیتی ہے اور جو کچھ تم دن میں انجام دیتے ہو اور کمائی کرتے ہو اس سے آگاہ ہے۔

اس کے بعد کہتا ہے کہ یہ نینداور بیداری کا نظام بار بار دہرایا جارہا ہے رات کو تم سو جاتے ہو اور دن تمہیں بیدار کردیتا ہے اور یہ حالت اسی طرح سے جاری رہتی ہے یہاں تک کہ زندگی کے آخری لحات آجاتے ہیں۔

بالآخر بحث کے آخر نتیجہ کو یوں بیان کیا گیا ہے پھر سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے اور وہ تمہیں اس سے جو تم انجام دے چکے ہو آگاہ کرے گا۔

(۶۱) اس آیت میں دوبارہ بندوں کے اعمال کی نسبت خدا کے علمی احاطے کی مزید وضاحت اور قیامت کے دن ان کے حساب کی انتہائی دقیق نگہداشت کے بارے میں قرآن کہتا ہے وہ اپنے بندوں پر مکمل تسلط رکھتا ہے اور وہی ہے جو تمہارے لئے محافظ و نگہبان بھیجتا ہے تاکہ وہ تمہارے اعمال کا حساب انتہائی احتیاط کے ساتھ محفوظ کریں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اس حساب کی نگہداری زندگی کے ختم ہونے کے آخری لمحے اور موت کے آجانے تک جاری ہے۔

اس وقت ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جو قبض ارواح پر مامور ہیں اس کی روح کو قبض کرلیتے ہیں تو وہ ایک لحہ کو مقدم کرتے ہیں اور نہ موخر۔

(۶۲)اس آیت میں انسان کے آخری مرحلہ کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے افراد بشر اپنے دوران زندگی کو ختم کرنے کے بعد اپنے ان اعمال ناموں کے ساتھ کہ جن میں پوری تنظیم کے ساتھ سب کچھ ثبت وضبط ہوگا قیامت کے دن اپنے اس پروردگار کی طرف جوان کا حقیقی مولا ہے پلٹ جائیں گے۔

اوراس عدالت میں انصاف کرنا حکم دینا اور فیصلہ کرنا خدا کی پاک ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

اورافراد بشر اپنی پرشور طولانی تاریخ میں جو جو عمل کرتے رہے اوران کے جو اعمال نامے تھے ان کا بڑی تیزی کے ساتھ حساب کرلے گا۔

یہاں تک کہ بعض روایات میں ہے کہ

انه سبحانه یحاسب جمیع عباده علی مقدار حلب شاة

خداوندتعالیٰ اپنے تمام بندوں کا حساب اتنے تھوڑے سے وقت میں لے لے گا جتنے وقت میں ایک بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے۔

(۶۳) قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ	کہہ دو کہ کون ہے وہ کہ جوتمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے رہائی دیتا ہے جب کہ تم اسے آشکار اور پوشیدہ طور پر (دل ہی دل میں) پکارتے ہو (اور کہتے ہو کہ) اگر تو نے ہمیں ان خطرات اور تاریکیوں سے رہائی بخش دی تو ہم شکرگزاروں میں سے ہوجائیں گے۔
۶۴ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ	کہہ دو کہ خدا تمہیں ان چیزوں سے اور ہر مشکل و پریشانی سے نجات بخشتا ہے۔

تفسیر

وہ نور جو تاریکی میں چمکتا ہے

دوبارہ قرآن مشرکین کا ہاتھ پکڑ کر ان کی فطرت کے اندر لے جاتا ہے اوراس اسرار آمیز نہاں خانہ میں انہیں توحید کے نور اور یکتا پرستی کی نشاندہی کراتا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ وہ انہیں اس طرح کہیں کون ہے وہ کہ جو تمہیں بر و بحر کی تاریکیوں سے نجات دیتا ہے۔

ظلمت وتاریکی کبھی تو حسی ہوتی ہے اور کبھی معنوی۔ ظلمت حسی یہ ہے کہ نور کلی طور پر منقطع ہوجائے یا اس قدر کمزور ہوجائے

کہ انسان کسی جگہ کو نہ دیکھ سکے یا مشکل سے دیکھ سکے اور ظلمت معنوی مشکلات مصیبتیں اور پریشانیاں ہیں کہ جن کا انجام تاریک و نامعلوم ہے جہالت تاریکی ہے اجتماعی واقتصادی حرج مرج اور فکری بے سروسامانیاں انحرافات اور اخلاقی آلودگیاں کہ جن کے برے انجام پیش بینی کے قابل نہیں ہیں یا وہ چیز کہ جو بدبختی اور پریشانی کے سوا کچھ نہ ہو یہ سب کی سب ظلمت ہیں۔

اگر یہ تاریکی واقعی وحشت ناک حوادث سے مل جائے مثلاً انسان ایک ایسے سمندری سفر میں پھنس جائے جس میں اندھیری رات ہو موجوں کا خوف ہو اور طوفان آیا ہوا ہو تو اس کی وحشت و پریشانی ان مشکلات سے کئی درجے زیادہ ہوگی جو دن کے وقت ظاہر ہوں کیونکہ عام طور سے ایسے حالات میں انسان کے لئے چھٹکارے کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

اس قسم کے حالات جہان توحید وخداشناسی کا دریچہ ہیں اس لئے بعد کے جملے میں ارشاد ہوتا ہے اس قسم کی حالت میں تم اس کے لامتناہی لطف وکرم سے مدد طلب کرتے ہو بعض اوقات آشکار اور خضوع وخشوع کے ساتھ اور کبھی پوشیدہ طریقے سے دل ہی دل کے اندر اسے پکارتے ہو۔

اور ایسی حالت میں تم فوراً اس عظیم مبداء کے ساتھ عہد و پیمان باندھتے ہو کہ اگر ہمیں اس خطرے سے نجات دے دے۔ تو ہم یقیناً اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں گے اور اس کے سوا کسی اور سے دل نہیں لگائیں گے۔

لیکن اے پیغمبر! تم ان سے کہہ دو کہ خدا تمہیں ان تاریکیوں سے اور ہر قسم کے دوسرے غم واندوہ سے نجات دیتا ہے اور بارہا تمہیں نجات دی ہے لیکن تم رہائی پانے کے بعد اسی شرک وکفر کے راستے پر چل پڑتے ہو۔

(۶۵) قُلۡ هُوَ الۡقَادِرُ عَلٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَ عَلَيۡكُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا وَّ يُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ ؕ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَفۡقَهُوۡنَ	تم کہہ دو کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ کوئی عذاب یا تو اوپر کی طرف سے تم پر نازل کردے یا تمہارے پاؤں کے نیچے کی طرف سے بھیج دے یا تمہیں مختلف گروہوں کی صورت میں ایک دوسرے کے ساتھ بھڑا دے اور جنگ (وناراحتی) کا ذائقہ تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ذریعے چکھادے۔ دیکھو! ہم طرح طرح کی آیات کو کس طرح ان کے لئے واضح کرتے ہیں۔ شاید کہ وہ سمجھ لیں۔

تفسیر

رنگ رنگ کے عذاب

اس آیت میں تربیت کے مختلف طریقوں کی تکمیل کے لئے خدائی عذاب اور سزا سے ڈرانے کے مسئلہ کا سہارا لیا گیا ہے یعنی جس طرح کہ خدا ارحم الراحمین اور بے سہارا لوگوں کو پناہ دینے والا ہے اسی طرح طغیانگروں اور سرکشوں کے مقابلے میں قہار ومنتقم

بھی ہے اس آیت میں پیغمبر کو حکم دیا جارہا ہے کہ مجرموں کو تین قسم کی سزاؤں کی دھمکی دو اوپر کی طرف کے عذابوں کی، نیچے کے طرف کے عذابوں کی اور باہمی اختلاف کے ذریعے جنگ کی آگ کے بھڑک اٹھنے اور خونریزی کی سزائیں لہٰذا فرمایا گیا ہے کہ تم کہہ دو کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ کوئی عذاب یا تو اوپر کی طرف سے تم پر نازل کرے یا تمہارے پاؤں کی طرف سے بھیج دے۔

یہ تمہیں مختلف گروہوں کی صورت میں ایک کو دوسرے کے ساتھ بھڑا دے اور جنگ وخونریزی کا ذائقہ تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ذریعے چکھا دے۔

اختلاف کلمہ تفرقہ بازی یا پھوٹ اور جمعیت کی پراگندگی کا مسئلہ اس قدر خطرناک ہے کہ وہ آسمانی عذاب اور بجلیوں اور زلزلوں کا ہم پلہ اور ہم پایہ قرار پایا ہے حقیقتاً ہے بھی ایسا ہی بلکہ بعض اوقات اختلاف و پراگندگی سے پیدا ہونے والی ویرانیاں ان ویرانیوں سے کئی درجے زیادہ ہوتی ہیں جو بجلیوں اور زلزلوں سے آتی ہیں بارہا دیکھا گیا ہے کہ آباد ملک نفاق اور تفرقہ بازی کے منحوس سائے میں مطلق تباہی کی نذر ہو جاتے ہیں اور یہ جملہ تمام مسلمانان عالم کے لئے ایک تنبیہ اور صدائے ہوشیار باش ہے۔

اور آیت کے آخر میں قرآن مزید کہتا ہے دیکھو! ہم طرح طرح کی نشانیوں اور دلائل کو کس طرح ان کے لئے بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں اور حق کی طرف لوٹ آئیں۔

(٦٦) وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ	تیری قوم نے اس کی تکذیب اور انکار کیا حالانکہ وہ حق ہے (ان سے) کہہ دو کہ میں تمہارے بارے میں قبول کرنے اور ایمان لانے کا جوابدہ نہیں ہوں۔
(٦٧) لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ	ہر خبر (جو خدا نے تمہیں دی ہے آخر کار اس) کی ایک قرارگاہ ہے اور تم جلدی ہی جان لو گے۔

تفسیر

یہ دونوں آیات حقیقت میں اس بحث کی تکمیل ہیں جو خدا معاد اور حقائق اسلام کی طرف دعوت دینے اور خدائی سزاؤں سے ڈرانے کے سلسلے میں گذشتہ آیات میں گزر چکی ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے کہ تیری قوم و جمعیت یعنی قریش اور مکہ کے لوگوں نے تیری تعلیمات کی تکذیب کی حالانکہ وہ سب حق ہیں اور مختلف عقلی فطری اور حسی دلائل ان کی تائید کرتے ہیں۔

اس بنا پر ان کی تکذیب اور انکار سے ان حقائق کی اہمیت میں کوئی کمی نہیں آتی خواہ مخالفت کرنے والے اور منکرین کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

اس کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ میری ذمہ داری تو صرف ابلاغ رسالت ہے اور میں تمہارے قبول کرنے کا

ضامن نہیں ہوں۔

"وکیل" سے مراد ایسا شخص ہے کہ جو ہدایت عملی کے لئے جوابدہ اور دوسروں کا ضامن ہو۔اس طرح پیغمبر اکرم ﷺ انہیں بتاتے ہیں کہ یہ صرف تم ہو کہ جو حقیقت قبول کرنے یا رد کرنے کے سلسلے میں پورا پورا اختیار رکھتے ہو اور ہدایت کو قبول کرتے ہو۔ میں تو صرف ابلاغ رسالت اور دعوت الٰہی پر مامور ہوں۔

(٦٧)اس آیت میں ایک مختصر اور پر معنی جملہ کے ساتھ انہیں تنبیہ کر رہا ہے اور صحیح راستہ انتخاب کرنے کے بارے میں دقت نظر اور باریک بینی کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے ہر خبر جو خدا یا پیغمبر تمہیں دیتے ہیں بالآخر اس جہان میں یا دوسرے جہاں میں اس کی کوئی نہ کوئی قرارگاہ ہے اور آخر کار وہ اپنی مقررہ میعاد پر انجام پائے گی اور تمہیں بہت جلد اس کی خبر ہو جائے گی۔

(٦٨) وَ اِذَا رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ یَخُوۡضُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِهٖ ؕ وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ	جس وقت تم ان لوگوں کو دیکھو کہ جو ہماری آیات کا مذاق اڑاتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لو یہاں تک کہ وہ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو جونہی (اس) ستمگر گروہ کی طرف تمہاری توجہ ہو جائے تو ان کے پاس بیٹھنے سے کنارہ کشی کر لو۔
(٦٩)وَ مَا عَلَی الَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ وَّ لٰکِنۡ ذِکۡرٰی لَعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ	اور اگر صاحب تقویٰ افراد (انہیں ہدایت اور پند و نصیحت کرنے کے لئے ان کے پاس بیٹھ جائیں) تو ان کے حساب (وگناہ) میں سے کوئی چیز ان کے اوپر عائد نہیں ہوگی (لیکن یہ کام صرف انہیں) یاد دہانی کرانے کے لئے ہونا چاہئے شاید (وہ سنیں اور) پرہیزگاری اختیار کر لیں۔

شان نزول

امام باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو کفار اور آیات الٰہی کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کر دیا گیا تو مسلمانوں کی ایک جماعت کہنے لگی کہ اگر ہم چاہیں کہ اس حکم پر ہر جگہ عمل کریں تو نہ ہمیں مسجد الحرام میں جانا چاہئے اور نہ ہی خانہ کعبہ کا طواف کرنا چاہئے کیونکہ وہ مسجد کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور آیات الٰہی کے بارے میں باطل باتوں میں مشغول ہیں اور ہم مسجد الحرام کے کسی بھی گوشہ میں خواہ کتنا بھی مختصر توقف کریں اس میں ان کی باتیں ہمارے کانوں تک پہنچ سکتی ہیں اس موقع پر دوسری آیت نازل ہوئی اور

مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ ایسے مواقع پر انہیں نصیحت کریں اور جتنا ہو سکے ان کی ہدایت اور رہنمائی کریں۔

تفسیر

اہل باطل کی مجالس سے دوری

چونکہ اس سورہ کی زیادہ تر مباحث مشرکین اور بت پرستوں کی کیفیت کے بارے میں ہیں لہٰذا ان دو آیات میں ان سے مربوط ایک دوسرے مسئلہ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے پہلے پیغمبرؐ سے ارشاد ہوتا ہے کہ جس وقت تم ہٹ دھرم اور بے منطق مخالفین کو دیکھو کہ وہ آیات خدا کا استہزا کر رہے ہیں تو ان سے منہ پھیر لو جب تک وہ اس کام سے صرف نظر کر کے دوسری گفتگو کو شروع نہ کر لیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ یہ موضوع اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ اگر شیطان تمہیں یہ بات بھلا دے اور اس قسم کے افراد کے ساتھ بھول کر ہم نشین ہو جاؤ تو جب بھی اس موضوع کی طرف توجہ ہو جائے فوراً اس مجلس سے کھڑے ہو جاؤ اور ان ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ شیطان پیغمبر پر تسلط پیدا کرے اور ان کے نسیان کا باعث بنے دوسرے لفظوں میں کیا مقام عصمت اور خطا سے معصومیت کے باوجود۔ حتیٰ کیا موضوعات میں یہ بات ممکن ہے کہ پیغمبر اشتباہ اور نسیان میں گرفتار ہو جائے؟

اس سوال کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ روئے سخن آیت میں پیغمبر کی طرف ہے لیکن حقیقت میں ان کے پیروکار مراد ہیں کہ اگر وہ اپنی ذمہ داریوں اور واجبات کو فراموش کر بیٹھیں اور کفار کے گناہ آمیز اجتماعات میں شریک ہو جائیں تو جس وقت بھی انہیں یاد آ جائے فوراً وہاں سے اٹھ کھڑے ہوں اور باہر نکل جائیں اور اس قسم کی بحث ہماری روزمرہ کی گفتگو میں اور مختلف زبانوں کے ادبیات میں عام نظر آتی ہے کہ انسان روئے سخن تو کسی اور کی طرف کرتا ہے مگر اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرے سن لیں۔

(۶۹) اس آیت میں ایک موقع کو مستثنیٰ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے اگر صاحب تقویٰ لوگ نہی از منکر کی غرض سے ان کے جلسوں میں شرکت کریں اور پرہیزگاری کی امید اور ان کے گناہ سے پلٹ آنے کی امید پر انہیں نصیحت کریں تو کوئی مانع نہیں ہے اور ہم ان کے گناہ کو ایسے افراد کے حساب میں نہیں لکھیں گے کیونکہ ہر حالت میں ان کا ارادہ تو خدمت اور اپنے فرض کی بجا آوری تھا۔

(۷۰) وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ ۚ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۧ	تم ایسے لوگوں کو کہ جنہوں نے اپنے فطری دین کو کھیل تماشا (اور استہزاء) بنا لیا ہے اور دنیاوی زندگی نے انہیں مغرور کر دیا ہے چھوڑ دو اور انہیں نصیحت کرو تا کہ وہ اپنے اعمال کے (برے نتائج) میں گرفتار نہ ہوں۔ (اس دن) خدا کے سوا نہ ان کا کوئی یار و یاور ہوگا اور نہ ہی کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا اور (ایسے شخص سے) خواہ وہ کسی بھی قسم کا عوض کیوں نہ دے اس سے قبول نہیں کیا جائے گا وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو ان اعمال میں گرفتار ہوئے ہیں کہ جو انہوں نے انجام دیئے ہیں ان کے پینے کے لئے گرم پانی ہے اور دردناک عذاب ہے یہ اس سبب سے ہوگا کیونکہ انہوں نے کفر اختیار کیا ہے۔

تفسیر

دین حق کو کھیل بنانے والے

یہ آیت اصل میں گذشتہ آیت کی بحث کی تکمیل کر رہی ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہی ہے کہ وہ ایسے اشخاص سے کہ جنہوں نے اپنے دین و آئین کو مذاق بنا لیا ہے اور لہو لعب کو دین قرار دے لیا ہے اور دنیاوی زندگی اور اس کے وسائل نے انہیں مغرور کر دیا ہے منہ پھیر لیں اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

حقیقت میں مندرجہ بالا آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا دین اپنے مفاہیم کے لحاظ سے بیہودہ اور فضول ہے اور انہوں نے چند ایسے اعمال کا نام دین رکھ لیا ہے جو بچوں کے کاموں اور بوڑھوں کی لغویات سے زیادہ مشابہ ہیں ایسے لوگ بحث و گفتگو کے قابل نہیں ہیں لہٰذا حکم دیا گیا ہے کہ تم ان سے رخ موڑ لو اور ان کی اور ان کے کھوکھلے مذہب کی پرواہ نہ کرو۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ انہیں ان اعمال پر تنبیہ کریں کیونکہ ایسا دن آنے والا ہے جس میں ہر شخص اپنے اعمال کے آگے سپر انداختہ ہوگا اور اس کے لئے اس کے چنگل سے فرار کی راہ نہیں ہوگی۔

اور اس دن خدا کے سوا نہ تو کوئی اس کا حامی و مددگار ہوگا اور نہ ہی کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا۔

ان کا معاملہ اس دن اس قدر سخت اور دردناک ہوگا اور وہ اپنے اعمال کی زنجیر میں اس طرح گرفتار ہوں گے کہ خواہ کتنا بھی تاوان اور جرمانہ بالفرض ان کے پاس ہو اور وہ دیں کہ اپنے آپ کو سزاؤں سے نجات دلا لیں تو وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

کیونکہ وہ اپنے اعمال میں گرفتار ہو چکے ہیں اس دن نہ تو تلافی کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی توبہ کا وقت باقی ہے لہٰذا ان کے لئے نجات کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد ان کی دردناک سزاؤں کے ایک پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کیونکہ انہوں نے حق اور حقیقت کو ٹھکرا دیا ہے لہٰذا ان کے لئے دردناک عذاب کے ساتھ پینے کے لئے کھولتا ہوا گرم پانی ہوگا۔ وہ گرم گرم کھولتے ہوئے پانی کی وجہ سے اندر سے جل رہے ہوں گے اور باہر کی طرف سے آگ میں جل رہے ہوں گے۔

(۷۱) قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ	تم کہہ دو کہ کیا ہم خدا کے سوا کسی اور چیز کو پکاریں کہ جو نہ ہمارے لئے کوئی فائدہ دینے والی ہے اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچانے والی اور (اس طرح) سے ہم پیچھے کی طرف پلٹ جائیں جب کہ خدا نے ہمیں ہدایت کر دی ہے اس شخص کی مانند کہ جسے شیاطین کے وسوسوں نے گمراہ کر دیا ہو اور وہ زمین میں حیران و پریشان ہو حالانکہ اس کے ایسے یار و مددگار بھی ہیں کہ جو اسے ہدایت کی طرف بلاتے ہیں (اور یہ کہتے ہیں) کہ ہماری طرف آؤ۔ تم کہہ دو کہ صرف خدا کی ہدایت ہی (اصل) ہدایت ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم عالمین کے پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کریں
(۷۲)وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ	اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اس سے ڈرو اور وہی ہے وہ ذات کہ جس کی طرف تم محشور ہو گے۔

تفسیر

یہ آیت اس اصرار کے مقابلہ میں کہ جو مشرکین مسلمانوں کو کفر و بت پرستی کی دعوت کے لئے کرتے تھے پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دے رہی ہے کہ ایک دندان شکن دلیل کے ساتھ انہیں جواب دیں اور ایک استفہام انکاری کی صورت میں ان سے پوچھیں کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ ہم کسی ایسی چیز کو وہ خدا کا شریک قرار دیں کہ جو نہ ہمارے لئے کوئی فائدہ رکھتی ہے کہ اس فائدہ کی خاطر ہم اس کی طرف جائیں اور نہ ہی کوئی ضرر رکھتی ہے کہ ہم اس کے نقصان سے ڈریں۔ یہ جملہ حقیقت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عام طور سے

انسان کے تمام کام ان ہی دونوں سرچشموں میں سے کسی ایک سرچشمہ سے پیدا ہوتے ہیں یا تو وہ نفع کے حصول کی خاطر ہوتے ہیں خواہ وہ مادی نفع ہو یا معنوی اور یا وہ دفع ضرر کی خاطر ہوتے ہیں (ضرر بھی خواہ معنوی ہو یا مادی)۔

کوئی عاقل کیسے کوئی ایسا کام کرے گا کہ جس میں ان دونوں میں سے کوئی سا عامل بھی موجود نہ ہو؟

اس کے بعد مشرکین کے مقابلے میں ایک اور استدلال پیش کیا گیا ہے اور یوں ارشاد ہوتا ہے اگر ہم بت پرستی کی طرف پلٹ جائیں اور ہدایت الٰہی کے بعد شرک کی راہ میں گامزن ہو جائیں تو اس طرح تو ہم پیچھے کی طرف لوٹ جائیں گے اور یہ بات قانون ارتقاء کے خلاف ہے کہ جو عالم حیات کا ایک عمومی قانون ہے۔

اس کے بعد ایک مثال کے ذریعہ اس مطلب کو اور زیادہ واضح اور روشن کیا گیا ہے اور قرآن یوں کہتا ہے توحید سے شرک کی طرف بازگشت مثل اس کے ہے کہ کوئی شخص شیطانی وسوسوں سے یا غولہائے بیابانی سے کہ جو جاہلیت کے عربوں کے خیال کے مطابق راستوں میں گھات لگا کر بیٹھے ہوا کرتے تھے اور مسافروں کو ان کی راہ سے بے راہ کر دیا کرتے تھے راہ مقصد گم کر دے اور بیابان میں حیران و سرگرداں رہ گیا ہو۔

حالانکہ اس کے ایسے دوست بھی ہیں کہ جو اسے ہدایت اور شاہراہ حق کی طرف بلاتے ہیں اور اسے آوازیں دے رہے ہیں کہ ہماری طرف آؤ لیکن وہ اس طرح سے حیران و سرگرداں ہے کہ جیسے وہ ان کی باتوں کو سن ہی نہیں رہا ہے یا وہ قوت ارادہ نہیں رکھتا۔

اور آیت کے آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ تم صراحت کے ساتھ یہ کہہ دو کہ ہدایت صرف اور صرف خدا کی ہدایت ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم صرف عالمین کے پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

یہ جملہ حقیقت میں مشرکین کے مذہب کی نفی پر ایک اور دلیل ہے کیونکہ صرف ایسی ذات کے سامنے ہی سر تسلیم خم کرنا چاہئے کہ جو مالک و خالق اور مربی عالم ہستی ہو نہ کہ بتوں کے سامنے کہ جو اس جہان کی ایجاد و تخلیق میں کوئی نقش و اثر نہیں رکھتے

(۷۲)۔اس آیت میں دعوت الٰہی کے بعد عائد ہونے والے فرائض کی یوں تشریح کی گئی ہے کہ ہم نے توحید کے علاوہ یہ حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔

اور آخر میں مسئلہ معاد و قیامت کی طرف توجہ کرواتے ہوئے اور یہ کہ تمہارا حشر و نشر اور بازگشت خدا کی طرف ہے اس بحث کو ختم کر دیا گیا ہے۔

(۷۳) وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ وَ یَوۡمَ یَقُوۡلُ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۬ؕ قَوۡلُهُ الۡحَقُّ ؕ وَ لَهُ الۡمُلۡکُ یَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ ؕ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ ؕ وَ هُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ	اور وہی ہے وہ ذات کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور اس دن وہ کہے گا ''ہوجا'' تو (جس بات کا ارادہ کیا ہے) وہ ہوجائے گا اس کا قول حق ہے اور جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن تو حکومت اسی کے ساتھ مخصوص ہوگی وہ (تمام) پوشیدہ اور ظاہر وآشکار (چیزوں) سے باخبر ہے اور وہ حکیم وخبیر ہے۔

تفسیر

یہ آیت حقیقت میں گذشتہ آیت کے مطالب پر ایک دلیل ہے اور پروردگار عالم کے سامنے سرتسلیم خم کرنے اور اس کی ہدایت کی پیروی کرنے کے لازم ہونے کی بھی ایک دلیل ہے لہٰذا پہلے ارشاد ہوتا ہے وہ خدا ہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔

اوپر والے جملے میں حق سے مراد وہی نتیجہ، مقصد، ہدف، مصالح اور حکمتیں ہیں یعنی اس نے ہر چیز کو کسی مصلحت اور ہدف و نتیجہ کیلئے پیدا کیا ہے حقیقت میں یہ جملہ اس مطلب سے مشابہ ہے جو سورہ ص آیت......۲۷ میں بیان ہوا ہے کہ جہاں پر ہے:

''ہم نے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے فضول اور بے مقصد پیدا نہیں کیا''

صرف وہی ذات ہے جو مبداء عالم ہستی ہے رہبری کے لئے شائستہ ولائق ہے اور صرف اسی کے فرمان کے سامنے سرتسلیم خم کرنے چاہئے کیونکہ اس نے تمام چیزوں کو ایک صحیح مقصد کے لئے پیدا کیا ہے

اس کے بعد فرمایا گیا ہے نہ صرف مبداء عالم ہستی وہی ہے بلکہ معاد و قیامت بھی اسی کے حکم سے صورت پذیر ہوگی اور جس دن وہ حکم دے گا کہ قیامت بپا ہوجائے تو وہ فوراً بپا ہوجائے گی۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے خدا کی بات حق ہے۔ یعنی جس طرح آفرینش کی ابتداء ہدف و نتیجہ اور مصلحت کی بنیاد پر تھی، قیامت ومعاد بھی اسی طرح ہوگی۔

اور اس دن جب صور میں پھونکا جائے گا اور قیامت برپا ہوجائے گی تو حکومت و مالکیت اسی کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہوگی۔

یہ صحیح ہے کہ خدا کی مالکیت اور حکومت تمام عالم ہستی پر ابتدا جہاں سے رہی ہے اور دنیا کے خاتمہ تک اور عالم قیامت میں بھی جاری رہے گی اور قیامت کے ساتھ کوئی اختصاص نہیں رکھتی لیکن چونکہ اس جہان میں اہداف و مقاصد کی تکمیل اور کاموں کے انجام دینے کے لئے عوامل واسباب کا ایک سلسلہ اثر انداز ہوتا ہے لہٰذا بعض اوقات یہ عوامل واسباب خدا سے جو مسبب الاسباب ہے غافل کردیتے ہیں مگر وہ دن کہ جس میں تمام اسباب بے کار ہوجائیں گے تو اس کی مالکیت وحکومت ہر زمانے سے زیادہ آشکار وواضح ہو

جائے گی۔

اور آیت کے آخر میں خدا کی صفات میں سے تین صفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خدا پنہاں و آشکار سے باخبر ہے۔

اور اس کے تمام کام حکمت کی رو سے ہوتے ہیں اور وہ تمام چیزوں سے باخبر ہے۔ قیامت سے مربوط آیات میں اکثر خدا کی ان صفات کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ وہ آگاہ بھی ہے اور قادر و حکیم بھی یعنی اپنے علم و آگاہی کے اقتضا کے مطابق وہ ہر شخص کو مناسب جزا دیتا ہے۔

(۷۴) وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیۡۤ اَرٰىکَ وَ قَوۡمَکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ	(اور یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے مربی (چچا) آزر سے یہ کہا کہ کیا تم بتوں کو اپنا خدا بناتے ہو میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو واضح گمراہی میں پاتا ہوں۔

تفسیر

چونکہ یہ سورہ شرک و بت پرستی سے مقابلے کا پہلو رکھتی ہے یہاں بہادر بت شکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرنوشت کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ابراہیم نے اپنے باپ چچا کو تنبیہ کی اور اس سے کہا کہ کیا تم نے ان بے قیمت اور بے جان بتوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ میں تجھے اور تیرے پیروکار اور ہم مسلک گروہ کو واضح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اس سے زیادہ گمراہی اور کیا ہوگی کہ انسان اپنی مخلوق کو اپنا معبود قرار دے اور بے جان و بے شعور موجود کو اپنی پناہ گاہ سمجھ لے اور اپنی مشکلات کا حل ان سے طلب کرے۔

کیا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا

اہل سنت مفسرین کی ایک جماعت نے آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ سمجھا ہے جب کہ تمام مفسرین و علماء شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا بعض اسے آپ کا نانا اور بہت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا سمجھتے ہیں۔

(۷۵) وَکَذٰلِکَ نُرِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ مَلَکُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَلِیَکُوۡنَ مِنَ الۡمُوۡقِنِیۡنَ	اس طرح ہم نے آسمانوں اور زمین کے ملکوت ابراہیم کو دکھائے تا کہ وہ اہل یقین میں سے ہو جائے۔

(۷۶)فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا‌ ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ	جب رات کی (تاریکی) نے اسے ڈھانپ لیا تو اس نے ایک ستارے کو دیکھا تو کہا کیا یہ میرا خدا ہے؟ لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو کہا کہ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
(۷۷)فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَـئِنۡ لَّمۡ يَهۡدِنِىۡ رَبِّىۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّيۡنَ	اور جب اس نے چاند کو دیکھا کہ وہ (سینہ افق کو چیر کر) نکلا ہے تو اس نے کہا کیا یہ میرا خدا ہے؟ لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا کہ اگر میرا پروردگار میری رہنمائی نہ کرے تو میں یقینی طور پر گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔
(۷۸)فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ	اور جب اس نے سورج کو دیکھا کہ وہ (سینہ افق کو چیر کر) نکل رہا ہے تو کہا کہ کیا یہ میرا خدا ہے؟ یہ تو (سب سے) بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا اے قوم میں ان شریکوں سے جنہیں تم (خدا کے لئے) قرار دیتے ہو بیزار ہوں۔
(۷۹)اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا‌ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ‌ ۚ	میں نے تو اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے میں اپنے ایمان میں مخلص ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

تفسیر

آسمانوں میں توحید کی دلیلیں

اس سرزنش اور ملامت کے بعد جو ابراہیم علیہ السلام بتوں کی کرتے تھے ان آیات میں خدا ابراہیم علیہ السلام کے بت پرستوں کے مختلف گروہوں کے ساتھ منطقی مقابلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے واضح عقلی استدلالات کے طریق سے اصل توحید کو ثابت کرنے کی کیفیت بیان کرتا ہے۔

پہلے کہتا ہے جس طرح ہم نے ابراہیم کو بت پرستی کے نقصانات سے آگاہ کیا اسی طرح ہم نے اس کے لئے تمام آسمانوں اور زمین پر پروردگار کی مالکیت مطلقہ اور تسلط کی نشاندہی کی۔

اور آیت کے آخر میں قرآن فرماتا ہے ہمارا ہدف ومقصد یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام اہل یقین میں سے ہو جائے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خدا کی یگانگت کا استدلالی وفطری یقین رکھتے تھے لیکن اسرار آفرینش کے مطالعہ سے یہ یقین درجہ کمال کو پہنچ گیا جیسا کہ وہ قیامت اور معاد کا یقین رکھتے تھے لیکن سر بریدہ پرندوں کے زندہ ہونے کے مشاہدہ سے ان کا ایمان عین الیقین کے مرحلہ کو پہنچ گیا۔

(۷۶) آیات میں اس موضوع کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے جو ستاروں اور آفتاب کے طلوع وغروب سے ابراہیم کے استدلال کو ان کے خدا نہ ہونے پر واضح کرتا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے جب رات کے تاریک پردے نے سارے عالم کو چھپا لیا تو ان کی آنکھوں کے سامنے ایک ستارہ ظاہر ہوا ابراہیم علیہ السلام نے پکار کر کہا کہ کیا یہ میرا خدا ہے؟ لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے پورے یقین کے ساتھ کہا کہ میں ہرگز ہرگز غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور انہیں عبودیت وربوبیت کے لائق نہیں سمجھتا۔

(۷۷) انہوں نے دوبارہ اپنی آنکھیں صفحہ آسمان پر گاڑ دیں اس دفعہ چاند کی چاندی جیسی ٹکیہ وسیع اور دل پذیر روشنائی کے ساتھ صفحہ آسمان پر ظاہر ہوئی جب چاند کو دیکھا تو ابراہیم علیہ السلام نے پکار کر کہا کہ کیا یہ ہے میرا پروردگار؟ لیکن آخر کار چاند کا انجام بھی اس ستارے جیسا ہی ہوا اور اس نے بھی اپنا چہرہ پردہ افق میں چھپا لیا تو حقیقت کے متلاشی ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اگر میرا پروردگار مجھے اپنی طرف رہنمائی نہ کرے تو میں گمراہوں کی صفت میں جا کھڑا ہوں گا۔

(۷۸) اس وقت رات آخر کو پہنچ چکی تھی اور اپنے تاریک پردوں کو سمیٹ کر آسمان کے منظر سے بھاگ رہی تھی آفتاب نے افق مشرق سے سر نکالا اور اپنے زیبا اور لطیف نور کو زرلفت کے ایک ٹکڑے کی طرح دشت وکوہ وبیابان پر پھیلا دیا جس وقت ابراہیم علیہ السلام کی حقیقت بین نظر اس کے خیرہ کرنے والے نور پر پڑی تو پکار کر کہا کیا میرا خدا یہ ہے؟ جو سب سے بڑا ہے اور سب سے زیادہ روشن ہے لیکن سورج کے غروب ہو جانے اور آفتاب کی ٹکیہ کے ہیولائے شب کے منہ میں چلے جانے سے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آخری بات ادا کی اور کہا اے گروہ قوم میں ان تمام بناوٹی معبودوں سے جنہیں تم نے خدا کا شریک قرار دے لیا ہے بری و بیزار ہوں۔

(۷۹) اب جب کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس متغیر ومحدود اور قوانین طبعیت کے چنگل میں اسیر مخلوقات کے ماوراء ایک ایسا خدا ہے کہ جو اس سارے نظام کائنات پر قادر وحاکم ہے تو میں تو اپنا رخ ایسی ذات کی طرف کرتا ہوں کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور اس عقیدے میں میں کم سے کم شرک کو بھی راہ نہیں دیتا میں تو موحد خالص ہوں اور مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام جیسے موحد ویکتا پرست نے کس طرح آسمان کے ستارے کی طرف اشارہ کیا اور یہ کہا کہ یہ میرا خدا ہے۔ یہ ایک قطعی خبر کے عنوان سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک فرض اور احتمال کے طور پر ہے اور یا ''ھذا ربی'' کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے عقیدے کے مطابق یہ میرا خدا ہے۔

(۸۰) وَحَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّیۡ فِی اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰىنِ ؕ وَ لَاۤ اَخَافُ مَا تُشۡرِكُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ رَبِّیۡ شَيۡـئًا ؕ وَسِعَ رَبِّیۡ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ؕ	اس (ابراہیم) کی قوم نے اس سے حجت بازی شروع کی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کے بارے میں حجت بازی کیوں کرتے ہو حالانکہ خدا نے مجھے (واضح دلائل کے ساتھ) ہدایت کی ہے اور جسے تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو میں اس سے نہیں ڈرتا (اور مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا) مگر یہ کہ میرا پروردگار کچھ چاہے میرے پروردگار کی آ گاہی اور علم اس قدر وسیع ہے کہ وہ تمام چیزوں پر حاوی ہے کیا تم متذکر اور بیدار نہیں ہوتے۔
(۸۱) وَكَيۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَكۡتُمۡ وَ لَا تَخَافُوۡنَ اَنَّكُمۡ اَشۡرَكۡتُمۡ بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا ؕ فَاَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۘ	میں تمہارے بتوں سے کس طرح ڈروں جب کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے خدا کا ایسا شریک قرار دے لیا ہے کہ جس کے بارے میں اس نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی (سچ بتاؤ) ان دونوں گروہوں (بت پرستوں اور خدا پرستوں) میں سے کونسا گروہ سزا سے امن میں رہنے کے زیادہ لائق ہے اگر تم جانتے ہو۔
(۸۲) اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰۤـئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَ هُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ۚ	ہاں ہاں وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کیا ان کا انجام امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔
(۸۳) وَ تِلۡكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيۡنٰهَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ عَلٰى قَوۡمِهٖ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ	یہ ہمارے دلائل تھے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں دیئے تھے ہم جس شخص کے درجات کو چاہتے ہیں تیرا پروردگار حکیم اور دانا ہے۔

تفسیر

اس بحث کے بعد جو گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت پرست قوم و جمعیت سے ہوئی تھی پہلے فرمایا گیا ہے قوم ابراہیم علیہ السلام ان کے ساتھ گفتگو اور کج بحثی کرنے لگی۔

ابراہیم علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا تم مجھ سے خدائے یگانہ کے سلسلے میں بحث اور مخالفت کیوں کرتے ہو حالانکہ خدا نے مجھے منطقی اور واضح دلائل کے ساتھ راہ توحید کی ہدایت کی ہے۔

اس آیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے بت پرستوں کی جمعیت اس کوشش میں لگی ہوئی تھی کہ جس قیمت پر بھی ممکن ہو سکے ابراہیم علیہ السلام کو ان کے عقیدے سے پلٹا لیں اور بت پرستی کے آئین کی طرف کھینچ لیں۔

انہوں نے آپ کو اپنے خداؤں اور بتوں کی غیض وغضب اور سزا کی دھمکی دی اور ان کی مخالفت سے ڈرایا تھا کیونکہ آیت کے آخر میں ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی اس طرح پڑھتے ہیں میں ہرگز تمہارے بتوں سے نہیں ڈرتا کیونکہ ان میں یہ قدرت ہی نہیں ہے کہ کسی کو نقصان وضرر پہنچا سکیں۔ کوئی شخص اور کوئی چیز مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر یہ کہ خدا چاہے۔

گویا ابراہیم علیہ السلام اس جملے کے ذریعے یہ چاہتے ہیں کہ ایک احتمالی پیش بندی کر لیں اور کہیں کہ اگر اس کشمکش کے دوران بالفرض مجھے کوئی حادثہ پیش آ جائے تو اس کا بتوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی ربط نہیں ہوگا بلکہ اس کا تعلق مشیت الٰہی کے ساتھ ہوگا کیونکہ بے شعور و بے جان بت تو اپنے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں وہ کسی دوسرے کے نفع ونقصان کے کیا مالک ہوں گے؟

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے میرے پروردگار کا علم و دانش اس طرح ہمہ گیر و وسیع ہے کہ ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

آخر میں ان کے فکر وفہم کو بیدار کرنے کے لئے انہیں مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کیا ان تمام باتوں کے باوجود بھی تم متذکر اور بیدار نہیں ہوتے۔

(۸۱) اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور منطق واستدلال کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ بت پرست گروہ سے کہتے ہیں یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں بتوں سے ڈروں اور تمہاری دھمکیوں کے مقابلہ میں اپنے اندر وحشت اور خوف پیدا کر لوں حالانکہ مجھے تو ان بتوں میں عقل وشعور اور قدرت کی کسی قسم کی کوئی نشانی دکھائی نہیں دیتی لیکن تم باوجود اس کے کہ خدا کے وجود پر ایمان رکھتے ہو اور اس کی قدرت اور علم کو بھی جانتے ہو اور اس نے کسی قسم کا کوئی حکم بتوں کی پرستش کے بارے میں تمہاری طرف نازل نہیں کیا ہے ان تمام باتوں کے باوجود تم تو اس سے نہیں ڈرتے تو میں بتوں کے غضب سے کس طرح ڈروں۔

کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بت پرست ایسے خدا کے منکر نہ تھے جو آسمان اور زمین کا خالق ہے وہ تو صرف بتوں کو عبادت میں شریک کرتے تھے اور انہیں درگاہ خداوندی میں شفیع خیال کرتے تھے۔

اب انصاف کریں کہ ان دو گروہوں میں سے امن وامان کا زیادہ حقدار کون تھا؟

حقیقت میں اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام کی منطق ایک عقلی منطق ہے جو اس واقفیت کی بنیاد پر قائم ہے کہ تم مجھے بتوں کے غضب ناک ہونے کی دھمکی دے رہے ہو حالانکہ ان کے وجود کی تاثیر موہوم ہے لیکن تم اس عظیم خدا سے بالکل نہیں ڈرتے جسے تم اور میں دونوں قبول کرتے ہیں اور ہمیں اس کے حکم کا پیرو ہونا چاہئے اور اس کی طرف سے بتوں کی پرستش کا کوئی حکم نہیں پہنچا تم نے ایک

قطعی ویقینی امر کوتو چھوڑ رکھا ہے اور ایک موہوم چیز کے ساتھ چمٹے ہوئے ہو۔

(۸۲)اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی اس سوال کا جواب نقل ہوا ہے جو خود انہوں نے قبل کی آیت میں پیش کیا تھا اور علمی استدلالات میں یہ ایک عمدہ طریقہ ہے کہ بعض اوقات استدلال کنندہ شخص مد مقابل کی طرف سے سوال کر کے پھر خود ہی اس کا جواب دیتا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مطلب اتنا واضح ہے کہ جس کا جواب ہر شخص کو معلوم ہونا چاہئے)

ارشاد ہوتا ہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم وستم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا امن وامان بھی انہی کے لئے ہے اور ہدایت بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۸۳)اس آیت ان تمام بحثوں کی طرف۔ایک اجمالی اشارہ کرتے ہوئے کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے توحید کے بیان اور شرک کے خلاف مبارزہ ومقابلہ کے سلسلہ میں نقل ہوئی ہیں ایک اجمالی اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے یہ ہمارے وہ دلائل تھے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم وجمعیت کے مقابلہ میں دیئے تھے۔

پھر اس بحث کی تکمیل کے لئے فرمایا گیا ہے ہم جس کے درجات کو چاہتے ہیں بلند کردیتے ہیں۔

لیکن اس غرض سے کہ کوئی اشتباہ واقع نہ ہو کہ لوگ یہ گمان کرنے لگ جائیں کہ خدا اس درجے کے بلند کرنے میں کسی تبعیض سے کام لیتا ہے قرآن فرماتا ہے تیرا پروردگار حکیم اور عالم ہے اور وہ جو درجات عطا فرماتا ہے وہ ان کی لیاقت وقابلیت سے آگاہی اور میزان حکمت کے مطابق عطا فرماتا ہے اور جب تک کوئی شخص لائق اور قابل نہ ہو اس سے بہرہ مند نہیں ہوگا۔

(۸۴) وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ ؕ كُلًّا هَدَيۡنَا ۚ وَنُوۡحًا هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ وَ اَيُّوۡبَ وَ يُوۡسُفَ وَمُوۡسٰى وَ هٰرُوۡنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ	اور ہم نے اسے (ابراہیم کو) اسحاق ویعقوب عطا کئے اور ہم نے ہر ایک کو ہدایت کی اور نوح کو (بھی) ہم نے ان سے پہلے ہدایت کی تھی اور اس کی ذریت واولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، اور ہارون کو بھی (ہم نے ہدایت کی)۔ اور ہم نیکو کاروں کو اسی طرح سے جزا دیتے ہیں۔
(۸۵)وَ زَكَرِيَّا وَ يَحۡيٰى وَعِيۡسٰى وَ اِلۡيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۙ	اور (اسی طرح) زکریا، یحیٰ، عیسیٰ اور الیاس سب کے سب صالحین میں سے تھے۔
(۸٦)وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ الۡيَسَعَ وَ يُوۡنُسَ وَ لُوۡطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ	اور اسماعیل، الیسع، یونس اور ہر ایک کو ہم نے عالمین پر فضیلت دی۔

اوران کے آباؤاجداداوران کی اولاداوران کے بھائیوں میں سے کچھ افراد کو ہم نے برگزیدہ کیا اور انہیں راہ راست کی ہدایت کی۔	(۸۷)وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

تفسیر

ان آیات میں ان نعمات میں سے بعض کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ جو خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو عطا کی تھیں اور وہ نعمت ہے صالح اولاد اور آبرومند اور لائق نسل جو نعمات الٰہی میں سے ایک عظیم ترین نعمت ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام فرزند صالح عطا کئے۔

پھر اس چیز کو بیان کرنے کے لئے کہ ان دونوں کا افتخار صرف پیغمبرزادہ ہونے کے پہلو سے نہیں تھا بلکہ وہ ذاتی طور پر بھی فکر صحیح اور عمل صالح کے سائے میں نور ہدایت کو اپنے دل میں جاگزیں کئے ہوئے تھے قرآن کہتا ہے ان میں سے ہرایک کو ہم نے ہدایت کی۔

اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ کہیں یہ تصور نہ ہو کہ ابراہیم علیہ السلام سے قبل کے دور میں کوئی علم بردار توحید نہیں تھا اور یہ کام بس انہی کے زمانے سے شروع ہوا ہے مزید کہتا ہے اس سے پہلے ہم نے نوح کی بھی ہدایت ورہبری کی تھی۔

حقیقت میں حضرت نوح علیہ السلام کی حیثیت اوران کے مقام کی طرف اشارہ کر کے کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں اور اسی طرح پیغمبروں کے اس گروہ کے مقام کا تذکرہ کر کے کہ جو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ذریت میں سے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ممتاز حیثیت کو وراثت اصل اور ثمرہ کے حوالے سے مشخص کیا گیا ہے۔

اوراس کے بعد بہت سے انبیاء کے نام گنوائے ہیں جو ذریت ابراہیم علیہ السلام میں سے تھے پہلے ارشاد ہوتا ہے ابراہیم کی ذریت میں سے داؤد سلیمان ایوب یوسف موسیٰ اور ہارون تھے۔اوراس جملے کے ساتھ کہ اس قسم کے نیکوکار لوگوں کو ہم جزا دیں گے واضح کرتا ہے کہ ان کا مقام وحیثیت ان کے اعمال وکردار کی بنا پر تھا۔

(۸۵)اس آیت میں زکریا، یحیٰی علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے اور مزید کہا گیا ہے کہ یہ سب صالحین میں سے تھے یعنی ان کا مقام ومنزلت تشرفاتی اور اجباری پہلو نہیں رکھتا تھا بلکہ انہوں نے عمل صالح کے ذریعہ بارگاہ خداوندی میں عظمت وبزرگی حاصل کی تھی۔

(۸۶)اس آیت میں بھی چار اور پیغمبروں اور خدائی رہنماؤں کے نام آئے ہیں اور فرمایا گیا ہے اور اسماعیل علیہ السلام، الیسع علیہ السلام، یونس علیہ السلام اور لوط علیہ السلام بھی اور سب کو ہم نے عالمین پر فضیلت عطا کی۔

(۸۷)۔اس آیت میں مذکورہ انبیاء کے صالح آباؤاجداد اولاد اور بھائیوں کی طرف کہ جن کے نام یہاں پر تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کئے گئے ایک کلی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان کے آباؤاجداد ان کی اولاد اوران کے بھائیوں میں سے کچھ افراد کو ہم نے فضیلت دی انہیں برگزیدہ کیا اور راہ راست کی ہدایت کی۔

(۸۸) ذٰلِکَ هُدَی اللّٰهِ یَهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوۡ اَشۡرَکُوۡا لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	یہ خدا کی ہدایت ہے کہ جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کی ہدایت کرتا ہے اور اگر وہ مشرک ہو جائیں تو انہوں نے جو کچھ عمل کیا تھا وہ سب کا سب (ضائع اور) نابود ہو جائے گا۔
۸۹اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحُکۡمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنۡ یَّکۡفُرۡ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدۡ وَکَّلۡنَا بِهَا قَوۡمًا لَّیۡسُوۡا بِهَا بِکٰفِرِیۡنَ	وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکم و نبوت عطا کی ہے اور اگر وہ اس کا انکار کریں اور کافر ہو جائیں (تو کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ) ہم نے ایسے لوگوں کو اس کا نگہبان بنایا ہے کہ جو اس کا کفر و انکار کرنے والے نہیں ہیں۔
۹۰اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقۡتَدِهۡ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِکۡرٰی لِلۡعٰلَمِیۡنَ ۚ	وہ ایسے لوگ ہیں کہ جنہیں خدا نے ہدایت کی ہے پس تم ان کی ہدایت کی اقتدا (پیروی) کرو (اور) یہ کہو کہ میں اس (رسالت و تبلیغ) کے بدلے میں تم سے کوئی اجر و بدلہ نہیں مانگتا یہ رسالت تو عالمین کے لئے ایک یاد دہانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

تفسیر

تین اہم امتیاز

گذشتہ آیات میں خداوند تعالی پیغمبروں کے مختلف گروہوں کے ناموں کے ذکر کے بعد یہاں ان کی زندگی کے کلی اور اصلی خطوط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پہلے فرماتا ہے یہ خدائی ہدایت ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت و رہبری کرتا ہے۔

پھر اس بنا پر کہ کہیں یہ تصور نہ کر لیا جائے کہ انہوں نے اس راہ میں مجبوراً قدم اٹھایا ہے اور اسی طرح کوئی یہ تصور بھی نہ کرے کہ خداوند تعالیٰ ان کے بارے میں ایک استثنائی اور بغیر کسی دلیل اور وجہ کے کوئی خاص نظر رکھتا تھا فرماتا ہے اگر فرض کریں کہ یہ پیغمبر اس مقام و حیثیت کے باوجود جو وہ رکھتے تھے مشرک ہو جاتے تو ان کے تمام اعمال حبط ہو جاتے۔

یعنی ان کے لئے بھی وہی قوانین الٰہی جاری ہیں جو دوسروں کے بارے میں جاری ہوتے ہیں اور کوئی استثناء کسی کے لئے

نہیں ہے۔

(۸۹) آیت میں تین اہم امتیازات وخصوصیات کی طرف جو انبیاء کے تمام امتیازات کی بنیاد ہیں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے یہ ایسے لوگ تھے کہ جنہیں ہم نے آسمانی کتاب عطا کی اور مقام حکم بھی اور نبوت بھی۔

حکم اصل میں منع کرنے اور روکنے کے معنی میں ہے اور چونکہ عقل اشتباہات اور غلط کاریوں سے روکتی ہے اسی طرح صحیح قضاوت وفیصلہ کرنا ظلم وستم کرنے سے منع کرتا ہے اور عادل حکومت دوسروں کی ناروا و ناجائز حکومتوں کو روک دیتی ہے لہٰذا لفظ حکم ان تینوں معانی میں سے ہر ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے اگر یہ گروہ یعنی مشرکین اہل مکہ اور ان جیسے لوگ ان حقائق کو قبول نہ کریں تو تیری دعوت جواب کے بغیر نہیں رہے گی کیونکہ ہم نے ایک گروہ کو اس امر پر مامور کردیا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اسے قبول کریں بلکہ اس کی حفاظت ونگہبانی بھی کریں وہ ایسا گروہ ہے کہ جو ایمان لانے کے بعد کفر کے راستے پر گامزن نہ ہوں گے اور حق کے سامنے سر تسلیم خم رکھیں گے۔

(۹۰) آخری آیت میں ان بزرگ پیغمبروں کے پروگرام اور کارناموں کو ہدایت کے ایک اعلیٰ نمونے کے طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعارف کراتے ہوئے قرآن کہتا ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ ہدایت الٰہی جن کے شامل حال تھی لہٰذا تم بھی ان کی ہدایت کی اقتداء کرو۔

یہ آیت دوبارہ تاکید کرتی ہے کہ تمام پیغمبروں کا اصول دعوت ایک ہی ہے بعد کے دین وآئین قبل کے ادیان سے کامل تر تھے۔

ہدایت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے کہ جو توحید کو بھی اور دوسرے اصول اعتقادی کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور صبر و استقامت اور باقی اخلاق تعلیم اور تربیت کے اصول بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہہ دیں کہ میں تم سے اپنی رسالت کے بدلے میں کسی قسم کا کوئی اجر اور بدلے کا مطالبہ نہیں کرتا۔ جیسا کہ گذشتہ انبیاء نے بھی کوئی ایسی درخواست نہیں کی تھی۔ میں بھی انبیاء کی ہمیشہ کی اس سنت کی پیروی کرتے ہوئے ان کی اقتدا کرتا ہوں۔

علاوہ ازیں یہ قرآن رسالت اور ہدایت تمام عالمین کے لئے ایک صدائے بیدار باش اور یاد آوری ہے۔

اور اس قسم کی عمومی نعمت جو سب کے لئے ہے نور آفتاب امواج ہوا اور بارش برسنے کے مانند ہے کہ جو عمومی اور جہانی پہلو رکھتی ہے اور کبھی بھی اس کی خرید وفروخت نہیں ہوتی اور کوئی اس کے بدلے میں اجر و جزا نہیں لیتا۔

(۹۱) وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ	انہوں نے خدا کو جیسا کہ پہچاننا چاہئے تھا نہیں پہچانا جب کہ انہوں نے یہ کہا کہ اس نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی تم یہ کہہ دو کہ وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے کس نے نازل کی تھی وہ کتاب جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی۔(لیکن تم لوگوں نے) اسے پراگندہ کر دیا ہے تم اس کے کچھ حصے کو تو آشکار کرتے ہو اور بہت سا حصہ (لوگوں سے) پوشیدہ رکھتے ہو اور تمہیں ایسے مطالب کی تعلیم دی گئی ہے کہ جن سے تم اور تمہارے آباؤ اجداد باخبر نہیں تھے۔ کہہ دو کہ خدا نے۔ اور پھر انہیں ان کی ہٹ دھرمی میں چھوڑ دو تا کہ وہ کھیل کود میں پڑے رہیں۔

شان نزول

منقول ہے:

یہودیوں کی ایک جماعت نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا واقعاً خدا نے تم پر کتاب نازل کی ہے؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں

وہ کہنے لگے خدا کی قسم خدا نے تو کوئی کتاب بھی آسمان سے نازل نہیں کی۔

تفسیر

خدا ناشناس

مندرجہ بالا آیت کی شانِ نزول اور لحن آیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ مشرکین کے بارے میں۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ آیت استثنائی طور پر مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے کسی خاص مناسبت کی وجہ سے اس مکی سورہ کے وسط میں رکھی گئی ہے اور قرآن میں اس امر کے کئی نمونے موجود ہیں۔

آیت پہلے یہ کہتی ہے کہ انہوں نے خدا کو جس طرح چاہئے اس طرح نہیں پہچانا کیونکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ خدا نے کوئی کتاب کسی انسان پر نازل نہیں کی۔

خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ تم ان کے جواب میں یہ کہو کہ وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے اور جو لوگوں کے لئے نور و ہدایت تھی وہ کس نے نازل کی تھی؟

وہی کتاب کہ جسے تم نے پراگندہ (یعنی صفحات میں تبدیل) کر دیا ہے اس کا کچھ حصہ جو تمہارے مفاد میں ہے لوگوں پر ظاہر

کرتے ہواور اس کا بہت سا حصہ جسے تم اپنے لئے مضر سمجھتے ہو لوگوں سے چھپاتے ہو۔

اور اس آسمانی کتاب میں تمہیں ایسے مطالب کی تعلیم دی گئی ہے کہ جنہیں تم اور تمہارے آباؤ اجداد جانتے نہیں تھے اور خدائی تعلیم کے بغیر اسے جان بھی نہیں سکتے تھے۔

آیت کے آخر میں پیغمبر کو حکم دیا گیا ہے کہ تم صرف خدا کو یاد کرو اور انہیں ان کی باطل باتوں، ہٹ دھرمی اور کھیل کود میں چھوڑ دو کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے کتاب الٰہی اور اس کی آیات کو کھیل بنا رکھا ہے۔

(۹۲) وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ	اور یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے یہ ایک ایسی بابرکت کتاب ہے کہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہیں ان سب کی تصدیق کرتی ہے (اور اسے ہم نے اس لئے بھیجا ہے) تا کہ تم ام القریٰ (مکہ) اور اس کے گرداگرد کے لوگوں کو (عذاب خدا سے) ڈراؤ (اور ذمہ داریوں سے آگاہ کرو) جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان لے آتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔

تفسیر

اس بحث کے بعد جو گذشتہ آیت میں یہودیوں کی آسمانی کتاب کے بارے میں تھی یہاں قرآن کی طرف جو ایک دوسری آسمانی کتاب ہے اشارہ ہوتا ہے اور حقیقت میں تورات کا ذکر قرآن کے ذکر کے لئے ایک مقدمہ کے طور پر ہے تا کہ ایک بشر پر کتاب آسمانی کے نزول پر تعجب نہ کریں۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔

یہ ایک بہت ہی بابرکت کتاب ہے کیونکہ یہ طرح طرح کی خوبیوں نیکیوں اور کامیابیوں کا سرچشمہ ہے۔

اس کے علاوہ ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تصدیق کرتی ہے۔

قرآن گذشتہ مقدس کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام علامات اور نشانیاں جو ان میں آئی ہیں وہ اس سے مطابقت رکھتی ہیں۔

اس کے بعد نزول قرآن کے ہدف و مقصد کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے ہم نے اسے اس لئے بھیجا ہے تا کہ تم ام القریٰ (مکہ) اور ان تمام لوگوں کو جو اس کے اطراف و جوانب میں رہتے ہیں ڈراؤ اور ان کی ذمہ داریوں اور فرائض سے انہیں آگاہ کرو۔

اور آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو قیامت کے دن پر، حساب و کتاب پر اور اعمال کی جزا پر ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی ایمان لے آئیں گے اور اپنی نمازوں کی حفاظت بھی کریں گے۔

نماز کی اہمیت

مندرجہ بالا آیت میں تمام دینی احکام میں سے صرف نماز کی طرف اشارہ ہوا ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ نماز خدا سے رشتہ جوڑنے اور اس کے ساتھ ربط کا مظہر ہے اور اسی سبب سے تمام عبادات سے برتر و بالاتر ہے بعض کے عقیدہ کے مطابق ان آیات کے نزول کے وقت اسلامی فریضہ فقط نماز ہی تھا

مکہ کو ام القری کہتے ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ یہ روئے زمین کی تمام خشکی کے پیدا ہونے کی اصل و اساس اور ابتدا و آغاز ہے تو اس بنا پر۔ اس کے گردا گرد ہیں تمام روئے زمین کے لوگوں کے لئے ہوگا۔

(۹۳) وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ	اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا کہ جو خدا پر جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے حالانکہ اس پر وحی نازل نہ ہوئی ہو اور وہ شخص کو جو یہ کہے کہ میں بھی ایسا ہی کلام جیسا کہ اللہ نے نازل کیا ہے نازل کروں گا اور اگر تم ان ظالموں کو اس وقت دیکھو جب کہ یہ موت کے شدائد میں گھرے ہوں گے اور فرشتے ہاتھ پھیلائے انہیں کہہ رہے ہوں گے کہ اپنی جان (اور روح) کو باہر نکالو۔ آج تم ان دروغ گوئیوں کے بدلے جو تم نے خدا پر باندھی تھیں اور اس کی آیات کے سامنے جو تکبر تم کیا کرتے تھے اس کے بدلے ذلیل کرنے والے عذاب دیکھو گے اور (اس دن) ان کی حالت پر تمہیں افسوس ہوگا۔

شان نزول

یہ آیت عبداللہ بن سعد نامی ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جو کاتب وحی تھا پھر اس نے خیانت کی تو پیغمبر ﷺ نے اسے دھتکار دیا اور اپنے پاس سے نکال دیا اس کے بعد اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں بھی قرآنی آیات جیسی آیات لاسکتا ہوں

مفسرین کی ایک جماعت نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت یا اس کا کچھ حصہ مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوا ہے کہ جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں میں سے تھا۔

اور ہر صورت میں قرآن کی دوسری تمام آیات کی مانند کہ جو خاص حالات میں نازل ہوئی ہیں اور ان کا مضمون و

مطلب کلی اور عمومی ہے اس آیت کا مضمون و مطلب بھی کلی وعمومی ہے اور ایسے تمام مدعیان نبوت اور ان جیسے تمام لوگوں پر محیط ہے۔

تفسیر

گذشتہ آیات کے بعد کہ جن میں کسی بھی شخص پر کتب آسمانی کے نزول کی نفی کے بارے میں یہود کی گفتگو کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس آیت میں دوسرے ایسے گنہگاروں کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے جو ان کے نقطۂ مقابل میں ہیں اور اپنے اوپر وحی آسمانی کے نزول کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ بالکل جھوٹ بولتے ہیں۔

حقیقت میں زیر بحث آیت میں اس قسم کے افراد کے تین گروہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قرآن پہلے کہتا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا کہ جو خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں کسی آیت کی تحریف کرتے ہیں اور خدا کے کلاموں میں سے کسی کو بدل دیتے ہیں۔

دوسرا گروہ ان کا ہے جو نبوت اور وحی کا دعویٰ کرتے ہیں جب کہ نہ وہ پیغمبر ہیں اور نہ ہی ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔

تیسرا گروہ ان کا ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے انکار کے طور پر یا تمسخر اور استہزا سے کہتے ہیں کہ ہم بھی اس قسم کی آیات نازل کر سکتے ہیں حالانکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور وہ اس کام کی کوئی قدرت و طاقت نہیں رکھتے۔

ہاں یہ سب کے سب ستم گر ہیں اور ان سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہے کیونکہ وہ خدا کے بندوں پر راہ حق کو بند کر دیتے ہیں اور انہیں راستے سے ہٹا کر سرگرداں کر دیتے ہیں اور سچے رہبروں کی ہدایت کی مخالفت کرتے ہیں وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہی کی طرف کھینچ رہے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ ایسے افراد جو رہبری کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتے وہ رہبری کا دعویٰ کریں۔ وہ بھی خدائی اور آسمانی رہبری کا۔

اس کے بعد اس قسم کے افراد کی دردناک سزایوں بیان کی گئی ہے اے پیغمبر! اگر تم ان ظالموں کو اس وقت میں دیکھو جب کہ یہ موت اور جان کنی کے شدائد میں غرق ہوں گے اور روح قبض کرنے والے فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ان سے کہہ رہے ہوں گے کہ اپنی جان کو باہر نکالو تو تم دیکھو گے کہ ان کی حالت بہت ہی دردناک اور افسوس ناک ہے۔

اس حالت میں عذاب کے فرشتے ان سے کہتے ہیں آج تم دو کاموں کی وجہ سے ذلیل وخوار کرنے والے عذاب میں گرفتار ہوگے پہلا یہ کہ تم خدا پر جھوٹ باندھتے تھے اور دوسرا یہ کہ اس کی آیات کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے تھے۔

(۹۴) وَ لَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقۡنٰکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ تَرَکۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰکُمۡ وَرَآءَ ظُهُوۡرِکُمۡ ۚ وَ مَا نَرٰی مَعَکُمۡ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّهُمۡ فِیۡکُمۡ شُرَکٰٓؤُا ؕ لَقَدۡ تَّقَطَّعَ بَیۡنَکُمۡ وَ ضَلَّ عَنۡکُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ۠	(روزِ قیامت خدا فرمائے گا آج) تم سب ہماری بارگاہ میں اکیلے لوٹ کرآئے ہو اسی طرح جیسا کہ پہلے دن ہم نے تمہیں خلق کیا تھا اور جو کچھ ہم نے (دنیا میں) تمہیں عطا کیا تھا اسے (وہیں دنیا میں ہی) اپنے پس پشت ڈال آئے ہو اور وہ شفاعت کرنے والے کہ جنہیں تم اپنی شفاعت میں شریک سمجھتے تھے انہیں ہم تمہارے ساتھ نہیں دیکھتے تمہارے پیونداور رشتے ختم ہو گئے ہیں اور وہ تمام چیزیں کہ جنہیں تم اپنا سہارا خیال کرتے تھے وہ تم سے دور اور گم ہو گئی ہیں۔

شان نزول

مشرکین میں سے نضر بن حارث نامی ایک شخص نے کہا کہ لات اور عزی عربوں کے دو مشہور بت قیامت کے دن میری شفاعت کریں گے تو اوپر والی آیت نازل ہوئی اور اسے اور اس جیسے لوگوں کو جواب دیا گیا۔

تفسیر

گمشدہ لوگ

گذشتہ آیت میں موت کے آستانے پر ظالموں کے کچھ حالات کی طرف اشارہ ہوا تھا اس آیت میں وہ گفتگو جو خدا موت کے وقت یا میدان قیامت میں ورود کے وقت ان سے کرے گا منعکس کی گئی ہے۔

ابتداء میں ارشاد ہوتا ہے آج سب اکیلے ہی اسی طرح جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلے دن پیدا کیا تھا ہماری طرف لوٹ رہے ہو۔

اور جو مال ہم نے تمہیں دنیا میں بخشا تھا اور وہ زندگی میں تمہارا سہارا تھا سب کا سب پس پشت ڈال کر خالی ہاتھ آئے ہو۔

اسی طرح وہ بت کہ جنہیں تم اپنے شفیع خیال کرتے تھے اور انہیں اپنی سرنوشت میں شریک سمجھتے تھے ان میں سے کسی کو ہم تمہارے ساتھ نہیں دیکھ رہے۔

حقیقت میں تمہارا اجتماع پراگندگی سے دوچار ہو گیا اور تمام رشتے تم سے ٹوٹ گئے۔ اور وہ تمام سہارے جن پر تم بھروسہ کئے ہوئے تھے نابود ہو گئے اور کھو گئے۔

عرب کے مشرک اور بت پرست تین چیزوں پر تکیہ کرتے تھے۔

1۔ وہ قبیلہ وعشیرہ کہ جس کے ساتھ وہ وابستہ ہوتے تھے۔

2۔وہ مال ودولت کہ جوانہوں نے اپنے لئے اکٹھا کر رکھا تھا اور

3۔وہ بت کہ جنہیں وہ انسان کی سرنوشت کے تعین میں خدا کا شریک اور خدا کی بارگاہ میں شفیع سمجھتے تھے۔

آیت کے تینوں جملوں میں سے ہر ایک میں ان تینوں میں سے ایک ایک بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ سب موت کے وقت کس طرح انسان سے الوداع ہوتے ہیں اور اسے تن تنہا چھوڑ جاتے ہیں۔

ایک اہم نکتہ

اس دن تمام رشتے مادی تعلقات تمام خیالی اور بناوٹی معبود تمام سہارے جو انسان اس جہان میں اپنے لئے بنائے ہوئے تھا اور انہیں اپنی بدبختی کے دن کے لئے دوست اور مددگار خیال کرتا تھا کلی طور پر اس سے جدا ہو جائیں گے وہ خود رہ جائیں گے اور اس کے اعمال۔وہ ہوگا اور اس کا خدا،اور باقی سب درمیان سے چلے جائیں گے اور قرآن کی تعبیر کے مطابق وہ سب کے سب گم ہو جائیں گے یعنی وہ اس طرح سے حقیر و پست اور ناشناس ہو جائیں گے کہ نگاہ میں ہی نہیں آئیں گے۔

(۹۵) اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ	خدا دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے اور زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے یہ ہے تمہارا خدا، پس تم حق سے کیسے منحرف ہوتے ہو۔
(۹۶) فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ	وہ صبح کو شگافتہ کرنے والا ہے اور اس نے رات کو سکون کا باعث اور آفتاب و ماہتاب کو حساب کا ذریعہ قرار دیا ہے یہ دانا و توانا خدا کی تقدیر ہے۔

تفسیر

طلوع صبح کرنے والا

دوبارہ روئے سخن مشرکین کی طرف کرتے ہوئے قرآن توحید کے دلائل کو اسرار کائنات نظام آفرینش اور خلقت کی تعجب خیزیوں کے زندہ نمونوں اور پرکشش عبارتوں کے ساتھ تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

پہلی آیت میں زمین کے تین قسم کے عجیب وغریب شاہکاروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور دوسری آیت میں آسمان میں ظاہر ہونے والی تین قسموں کی نشاندہی کی گئی ہے پہلے کہتا ہے خدا دانے اور گٹھلی کا چیرنے والا ہے۔

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ ہری گھاس اور نباتات کے دانے اور گٹھلیاں اکثر بہت ہی زیادہ محکم اور مضبوط ہوتی ہیں۔

اگر کھجور کی گٹھلی اور دوسرے پھلوں مثلاً آڑو اور بعض پھلوں کی گٹھلیوں پر سرسری نگاہ ڈالی جائے تو یہ نشاندہی ہوتی ہے کہ وہ نطفہ حیاتی کہ جو حقیقت میں ایک پودا اور ایک چھوٹا سا درخت ہے بہت ہی محکم قلعہ میں محصور ہے لیکن کارخانہ آفرینش اس ناقابل نفوذ قلعہ کو تسلیم و رضا کی ایسی خاصیت عطا کرتا ہے اور اس نرم و نازک کونپل کو جو گٹھلی اور دانے کے اندر پرورش پاتی ہے ایسی قدرت و طاقت بخشتا ہے کہ وہ اس کی دیواروں کو چیر کر اس کے اندر سے سر باہر نکال کر سیدھی کھڑی ہو جاتی ہے واقعاً یہ عالم نباتات میں ایک عجیب و غریب قسم کا حادثہ ہے کہ قرآن جس کی طرف توحید کی ایک نشانی کے طور پر اشارہ کر رہا ہے۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے کہ زندہ موجودات کو وہ مردہ سے باہر لاتا ہے اور مردہ موجودات کو زندہ سے۔

زندہ موجودات کی زندگی کا مسئلہ خواہ وہ موجودات نباتات سے ہوں یا حیوانات میں سے پیچیدہ ترین مسائل میں سے ہے ابھی تک انسانی علم و دانش اس کے اسرار سے پردہ نہیں اٹھا سکی اور نہ ہی اس کے پوشیدہ رازوں کو معلوم کر سکے کہ کس طرح سے طبیعی عناصر اور خشک مواد ایک عظیم حرکت کے ساتھ زندہ موجود میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن وجود خدا کے اثبات کے لئے بارہا اسی مسئلہ کو دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم و بزرگ پیغمبر بھی نمرود اور فرعون جیسے سرکشوں کے مقابلے میں زندگی کے ظہور اور اس کی حکایت کے ذریعہ قادر و حکیم مبداء عالم کے وجود پر استدلال کرتے تھے۔

(۹۶) اس آیت میں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں تین آسمانی نعمتوں کی طرف اشارہ ہوا ہے پہلے کہا گیا ہے خدا صبح کا شگافتہ کرنے والا اور طلوع صبح کرنے والا ہے۔

قرآن نے یہاں طلوع صبح کے مسئلہ کا حوالہ دیا ہے کہ جو خداوند تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ آسمان میں ظاہر ہونے والی روشنی زمین کی فضا کے وجود کا نتیجہ ہے یعنی ہوا کی وہ ضخیم و دبیز تہ کہ جس نے اس کرہ ارض کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے کیونکہ اگر یہ کرہ زمین کے اطراف میں کرہ ماہ کی طرح یہ فضا موجود نہ ہوتی تو نہ بین الطلوعین وفلق کا وجود ہوتا اور نہ ہی آغاز شب کی سفیدی اور شفق ہوتی۔ لیکن فضائے زمین کا وجود اور وہ فاصلہ جو رات کی تاریکی اور دن کی روشنی کے درمیان طلوع و غروب آفتاب کے وقت ہوتا ہے انسان کو تدریجاً ان دو متضاد ظاہر ہونے والی چیزوں میں سے ہر ایک کو قبول کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے اور نور سے ظلمت میں تبدیلی اور ظلمت سے نور میں تبدیلی تدریجاً اور آہستہ آہستہ بالکل پسندیدہ اور قابل برداشت صورت میں انجام پاتی ہے۔

لیکن اس بنا پر کہ کہیں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ طلوع صبح اس بات کی دلیل ہے کہ تاریکی و ظلمت ایک نامطلوب چیز ہے اور یا یہ سزا اور سلب نعمت ہے لہٰذا بلا فاصلہ قرآن فرماتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے رات کو سکون و آرام کا باعث قرار دیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان نور اور روشنی میں جستجو اور کوشش کی طرف مائل ہوتا ہے خون سطح بدن کی طرف رواں دواں ہوتا ہے اور تمام خلئے آمادہ عمل ہو جاتے ہیں یہی سبب ہے کہ روشنی میں نیند اتنی آرام دہ نہیں ہوتی لیکن ماحول جتنا تاریک ہوگا نیند اتنی

ہی گہری اور آرام دہ ہوگی کیونکہ تاریکی میں خون بدن کے اندر کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور اور خلئے ایک طرح کے آرام و استراحت میں ڈوب جاتے ہیں اسی سبب سے دنیائے طبیعت میں نہ صرف حیوانات بلکہ نباتات بھی رات کی تاریکی میں سوجاتے ہیں اور صبح کی پہلی شعاع کے ظاہر ہوتے ہی جنبش اور فعالیت شروع کردیتے ہیں اس کے برعکس مشینی دنیا کے لوگ آدھی رات کے بعد تک بیدار رہتے ہیں اور دن کو طلوع آفتاب کے بہت دیر بعد تک سوئے رہتے ہیں اور بدن کی صحت وسلامتی کو ضائع کردیتے ہیں۔

اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے اپنی تیسری نعمت اور اپنی عظمت کی نشانی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آفتاب و ماہتاب کو تمہاری زندگی میں حساب و کتاب کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

یہ بات بہت ہی جاذب توجہ ہے کہ لاکھوں سال سے کرہ زمین آفتاب کے گرد اور ماہتاب زمین کے گرد گردش کررہا ہے یہ گردش اس قدر حساب شدہ ہے کہ ایک لحہ بھر کی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ اور ایسا ایک لا متناہی علم وقدرت کے بغیر ممکن نہیں کہ جو اس کی نقشہ کشی بھی کرے اور اسے باریک بینی کے ساتھ جاری بھی کرے اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے یہ خدا کی اندازہ گیری ہے جو توانا بھی ہے اور انا بھی ہے۔

(۹۷) وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ	اور وہی ہے وہ ذات کہ جس نے تمہارے لئے ستارے قرار دیئے تاکہ تم خشکی اور دریا کی تاریکی میں ان کے ذریعہ ہدایت حاصل کرو۔ ہم نے ان لوگوں کے لئے کہ جو جانتے ہیں (اور جو اہل فکر ونظر ہیں) اپنی نشانیاں کھول کر بیان کردی ہیں۔

تفسیر

گذشتہ آیت کے بعد کہ جس میں آفتاب و ماہتاب کی گردش کی طرف اشارہ ہوا تھا یہاں پروردگار عالم کی ایک اور نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہی ہے وہ ذات کہ جس نے تمہارے لئے ستارے قرار دیئے ہیں تاکہ تم ان کے ذریعے صحرا اور دریا کی تاریکی میں اپنے راستوں کو اندھیری راتوں میں پالو۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے ہم نے اپنی نشانیاں اور دلائل اہل فکر ونظر اور اہل فہم وفراست کے لئے کھول کر بیان کردی ہیں۔

انسان ہزارہا سال سے آسمان کے ستاروں اور ان کے نظام سے آشنا ہے لہذا دریائی اور خشکی کی سفروں میں سمت کے تعین کا بہترن ذریعہ یہی ستارے تھے۔

خصوصاً وسیع وعریض سمندروں میں جہاں راستے اور منزل کے تعین کی کوئی نشانی اس کے پاس نہ ہوتی تھی قطب نما بھی اس زمانے میں ایجاد نہیں ہوا تھا آسمانی ستاروں کے سوا اور کوئی قابل اعتماد ذریعہ بھی موجود نہیں تھا۔ یہی ستارے تھے جو لاکھوں کروڑوں انسانوں کو گمراہی اور غرقاب سے نجات دیتے تھے اور انہیں منزل مقصود تک پہنچاتے تھے۔

(۹۸) وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ	اور وہی ہے وہ ذات کہ جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا حالانکہ بعض انسان پائیدار ہیں (ایمان یا خلقت کامل کے لحاظ سے) اور بعض ناپائیدار۔ ہم نے اپنی آیات ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں بیان کر دی ہیں۔
(۹۹) وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ	اور وہی وہ ذات ہے کہ جس نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس کے ذریعے طرح طرح کے نباتات (اگائے)۔ ان سے سبز تنے اور شاخیں نکالیں اور ان سے ترتیب کے ساتھ چنے ہوئے دانے اور کھجور کے گچھوں سے باریک دھاگوں کے ساتھ جڑے ہوئے خوشے باہر نکالے اور طرح طرح کے انگور، زیتون اور انار کے باغ (پیدا کئے) جو ایک دوسرے سے مشابہ بھی ہیں اور (بعض) غیر مشابہ (ہیں) جب ان میں پھل آتا ہے تو تم اس میں پھل لگنے اور اس کے پکنے کی طرف نگاہ کرو کہ اس میں صاحبان ایمان کے لئے نشانیاں ہیں۔

تفسیر

ان آیات میں بھی توحید اور خدا شناسی کے دلائل ہی بیان ہوئے ہیں کیونکہ قرآن انسان کو اس ہدف کے لئے کبھی آفاق اور دور دراز کے جہانوں کی سیر کراتا ہے اور کبھی اسے اپنے وجود کے اندر سیر کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اسی کے جسم و جان میں موجود خدا کی نشانیوں کی وضاحت کرتا ہے تاکہ وہ خدا کو ہر جگہ اور ہر چیز میں دیکھ لے پہلے کہتا ہے وہی وہ ذات ہے کہ جس نے تمہیں ایک انسان سے پیدا کیا ہے۔

یعنی تم ان گوناگوں چہروں، مختلف ذوق وافکار اور تمام جنبہ ہائے وجودی میں وسیع تنوع کے باوجود ایک ہی فرد سے پیدا ہوتے ہو اور اس سے خالق وآفریدگار کی انتہائی عظمت کا اظہار ہوتا ہے کہ اس نے ایک ہی مبداء سے یہ مختلف چہرے کس طرح پیدا کئے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے افراد بشر کی ایک جماعت مستقر ہے اور ایک جماعت مستودع۔

مستقر: ثابت اور پائیدار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

مستودع: لفظ ناپائیدار کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

احتمال ہے کہ مذکورہ بالا دونوں تعبیریں نطفہ انسان کو تشکیل دینے والے اجزائے اولیہ کی طرف اشارہ ہو کیونکہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ نطفہ انسان دو اجزاء ایک نطفہ مادہ اور دوسرا نطفہ نر سے تشکیل پاتا ہے مادہ کا نطفہ تو رحم میں تقریباً ثابت اور مستقر ہے لیکن نر کے نطفے متحرک جانداروں کی شکل میں اس کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اور سپرم کا پہلا فرد جو اوم تک پہنچتا ہے وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے اور باقی کو پیچھے کی طرف دھکیل دیتا ہے اور یوں انسان کے تخمۂ اولیٰ کی تشکیل ہوتی ہے۔

آیت کے آخر میں دوبارہ کہا گیا ہے ہم نے اپنی نشانیوں کو ایک ایک کر کے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ تاکہ جو لوگ سمجھ دار اور صاحب ادارک ہیں وہ سمجھ لیں۔

(۹۹) زیر نظر دوسری آیت وہ آخری آیت ہے جو ان بحثوں کے سلسلے میں ہمیں جہان خلقت کے عجائبات کے ذریعے خدا شناسی کی دعوت دیتی ہے۔

شروع میں پروردگار عالم کی اہم ترین اور بنیادی ترین نعمتوں میں سے ایک نعمت کی طرف کہ جسے تمام نعمتوں کی اصل جڑ بنیاد اور ماں سمجھا جا سکتا ہے ارشاد کیا گیا ہے اور وہ نباتات سرسبز پودے اور درختوں کا بننا اور رشد و نمو کرنا ہے چنانچہ یہ آیت کہتی ہے وہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی نازل کیا۔

یہ جو کہتا ہے ''آسمان کی طرف سے'' اس کی وجہ یہ ہے کہ روئے زمین میں پانی کے جتنے بھی منابع ہیں چاہے وہ چشمے ہوں یا دریا نہریں ہوں یا گہرے کنویں سب کے سب آخر کار بارش کے پانی کے محتاج ہیں اسی لئے بارش کی کمی ان سب پر اثر انداز ہوتی ہے اور اگر خشک سالی طول پکڑے تو وہ سب کے سب خشک ہو جاتے ہیں اس کے بعد بارش کے ایک واضح اثر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اسی کے ذریعہ سے تمام اگنے والی چیزوں کو ہم نے زمین سے نکالا ہے۔

یہ بات جاذب نظر ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ایک ہی زمین سے اور ایک ہی پانی سے ہر ایک کی ضرورت کے مطابق غذا مہیا کی ہے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر لائق توجہ بات یہ ہے کہ نہ صرف صحراؤں کی اور خشکی کی گھاس اور سبزے بارش کے پانی کی برکت سے پرورش پاتے ہیں بلکہ بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی نباتات جو سمندر کے پانی کی موجوں کے درمیان اگتی ہیں اور سمندر میں رہنے والی مچھلیوں کی عمدہ خوارک بنتی ہیں وہ بھی نور آفتاب اور بارش کے قطروں کے اثر سے رشد و نمو حاصل کرتی ہیں۔

اس کے بعد اس جملے کی شرح کرتے ہوئے قرآن گیہوں اور درختوں کے ایسے اہم مواقع کی نشاندہی کرتا ہے کہ جو بارش کے پانی کے ذریعہ پرورش پاتے ہیں پہلے کہتا ہے ہم نے اس بارش کے پانی کے ذریعہ گیہوں اور نباتات کے سبز تنوں کو زمین سے نکالا ہے اور چھوٹے سے خشک دانے سے ایسا تر و تازہ اور سرسبز تنا پیدا کیا ہے کہ جس کی لطافت و نزاکت اور زیبائی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی

ہے۔

اوران سبز ڈنٹھلوں اورتنوں سے ایسے دانے کہ جوایک دوسرے کے اوپر موتیوں کی طرح جنے ہوئے ہوتے ہیں جیسے مکئی اور گندم کے خوشوں میں باہر نکالتے ہیں۔

اسی طرح اس کے ذریعے کھجور کے درختوں سے سربستہ خوشے باہر نکالتے ہیں جس کے شگافتہ ہونے کے بعد باریک اور خوبصورت دھاگے جوخرما کھجور کے دانوں کواپنے کندھوں پراٹھائے ہوئے ہوتے ہیں اور بوجھ کی وجہ سے نیچے کی طرف کو جھکے ہوئے ہوتے ہیں باہر نکلتے ہیں۔

اسی طرح ہم نے انگور زیتون اورانار کے باغوں کی پرورش کی ہے۔

اس کے بعد عالم آفرینش کے ایک اور شاہکار کی طرف جس کاتعلق انہی درختوں کے ساتھ ہے اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ شباحت رکھتے بھی ہیں اورنہیں بھی رکھتے۔

یہ دونوں درخت (زیتون اورانار) ظاہری شکل نیز شاخوں اور پتوں کی ساخت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت زیادہ شباہت رکھتے ہیں جب کہ پھل ذائقہ اور خاصیت کے لحاظ سے ان میں بہت فرق ہے ان میں سے ایک مؤثر اورقوی روشنی مادہ رکھتا ہے اور دوسرے میں ترش یا میٹھا مادہ ہوتا ہے جو بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں علاوہ ازیں بعض اوقات یہ دونوں درخت ایک ہی زمین میں پرورش پاتے ہیں اورایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں یعنی ایک دوسرے سے بہت زیادہ فرق بھی رکھتے ہیں اورایک دوسرے سے مشابہ بھی ہیں۔

اس کے بعد بحث کو پیکر درخت کی اعضاء سے موڑتے ہوئے ان کے پھلوں سے متعلق بحث کرتے ہوئے کہتا ہے ایک نظر درخت کے پھل کی طرف کرو جب کہ وہ ثمرآور ہوئے اوراسی طرح اس کے پکنے کی کیفیت کی طرف نگاہ کروکہ ان میں ان لوگوں کے لئے جویقین رکھتے ہیں خدا کی قدرت وحکمت کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ جوآج کے زمانے میں نباتات کی تحقیق کے بارے میں پھلوں کی پیدائش کی کیفیت اوران کے پکنے کے سلسلہ میں کہا گیا ہے وہ خاص نکتہ جس کا قرآن پھل کے بارے میں ذکر کرتا ہے واضح ہوجاتا ہے کیونکہ پھلوں کا پیدا ہونابعینہ جانداروں میں بچہ پیدا ہونے کی طرح ہے نر نطفے مخصوص ذرائع سے ہوا کے چلنے یا حشرات وغیرہ کے سبب سے مخصوص تھیلیوں سے جدا ہوتے ہیں اورنبات کے مادہ حصہ پر جاپڑتے ہیں عمل تلقیح انجام پانے اوران کے ایک دوسرے کے ساتھ ترکیب پانے کے بعد پہلا بیج تشکیل پاتا ہے اورکئی قسم کے موادغذائی اسے اطراف میں گوشت کی طرح آغوش میں لے لیتے ہیں یہ موادغذائی ساخت کے لحاظ سے بہت ہی متنوع اورمختلف ہیں اسی طرح ذائقہ اورغذائی وطبی خواص کے لحاظ سے بھی بہت مختلف ہیں کبھی ایک پھل مثلاً انار اور

انگور میں سینکڑوں دانے ہوتے ہیں کہ جن میں سے ہر دانہ خود جنین اور ایک درخت کا بیج شمار ہوتا ہے اور اس کی ساخت بہت ہی پیچیدہ اور اندر ہی اندر ہوتی ہے۔

ایک طرف سے تو یہ حقائق اور دوسری طرف سے وہ مختلف مراحل جو ایک پھل کچی حالت سے لے کر پکنے کے موقع تک طے کرتا ہے بہت ہی قابل ملاحظہ ہے کیونکہ پھلوں کے اندر کی لیبارٹریاں ہمیشہ کام میں مشغول رہتی ہیں اور ترتیب وار اس کی کیمیائی ترکیب میں تبدیلی کرتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے آخری مرحلہ تک جا پہنچے اور اس کی کیمیائی ترکیب صحیح صورت اختیار کرلے ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر خالق کائنات کی عظمت وقدرت کی ایک نشانی ہے۔

لیکن اس بات کی طرف توجہ رکھنا چاہئے کہ قرآن کی تعبیر کے مطابق صرف صاحب ایمان افراد یعنی حق ہیں اور حقیقت جو ہی ان مسائل کو دیکھتے ہیں ورنہ چشم عناد اور ہٹ دھرمی یا بے اعتنائی اور سہل انگاری کے ساتھ یہ ممکن نہیں ہے کہ ان حقائق میں سے کسی ایک کو بھی دیکھ سکیں

(۱۰۰) وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۧ	انہوں نے جنوں میں سے خدا کے شریک قرار دیئے ہیں حالانکہ خدا نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں جھوٹ اور جہالت سے بنا رکھے ہیں خدا اس بات سے منزہ وبرتر ہے جو یہ اس کی توصیف میں (بیان) کرتے ہیں۔
(۱۰۱) بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ	آسمانوں اور زمین کی ابداع کرنے والا (اور انہیں تازہ اور نیا وجود عطا کرنے والا) وہی ہے کیسے ممکن ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو حالانکہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے اور سب چیزوں کو اسی نے پیدا کیا ہے اور وہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔
(۱۰۲) ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ	ہاں! ایسا ہی ہے تمہارا خدا، تمہارا پروردگار اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے وہ تمام چیزوں کا خالق ہے تم صرف اسی کی عبادت کرو اور وہ تمام موجودات کا حافظ اور مدبر ہے۔

(۱۰۳) لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ	آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں لیکن وہ سب آنکھوں کا ادراک رکھتا ہے اور وہ (طرح طرح کی نعمتوں کا) عطا کرنے والا ہے (اور چھوٹے چھوٹے کاموں سے باخبر ہے) اور تمام (چیزوں) سے آگاہ ہے۔

تفسیر

تمام چیزوں کا خالق وہی ہے

ان آیات میں مشرکین اور باطل مذاہب رکھنے والوں کے کچھ غلط اور بیہودہ عقائد بیان کئے گئے ہیں اور ان کے منطقی جواب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے وہ جنوں میں سے خدا کے لئے شرکاء کے قائل ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد اس فضول اور بیہودہ خیال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے حالانکہ خدا نے تو انہیں یعنی جنات کو پیدا کیا ہے۔ یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی کی مخلوق اسی کی شریک ہو جائے کیونکہ شرکت ہم جنس اور ہم رتبہ ہونے کی علامت ہے حالانکہ مخلوق ہرگز خالق کی ہم پلہ نہیں ہوسکتی۔

دوسری بیہودہ بات یہ تھی کہ وہ خدا کے لئے نادانی سے بیٹوں اور بیٹیوں کے قائل ہو گئے تھے۔

حقیقت میں ان بیہودہ عقائد کے باطل ہونے کی بہترین دلیل وہی ہے جو بغیر علم کے الفاظ سے معلوم ہوتی ہے یعنی کسی قسم کی کوئی دلیل اور نشانی ان خرافات وموہومات کے لئے ان کے پاس موجود نہیں تھی۔

اب رہی یہ بات کہ وہ کونسے گروہ تھے جو خدا کے لئے بیٹوں کے قائل تھے قرآن نے دوسری آیات میں دو گروہوں کے نام لئے ہیں ایک عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اور دوسرے یہودی جو عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھتے تھے اور جیسا کہ سورہ توبہ کی آیہ ۳۰ سے اجمالی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ عیسائیوں اور یہودیوں میں ہی منحصر نہیں تھا بلکہ ان سے پہلے کے فضول و بیہودہ قسم کے مذاہب میں بھی موجود تھا۔

باقی رہا خدا کی بیٹیوں کے وجود کا عقیدہ تو خود قرآن نے دوسری آیات میں اس مطلب کو واضح کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

"وہ فرشتوں کو جو خدا کے بندے ہیں اس کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں" (زخرف............۱۹)

لیکن اس آیت کے آخر میں قرآن نے ان تمام بیہودہ مطالب اور موہوم و بے بنیاد خیالات پر قلم سرخ کھینچ دیا ہے اور ایک عمدہ اور بیدار کرنے والے جملے کے ساتھ ان تمام باطل باتوں کی نفی کر دی ہے اور فرمایا ہے کہ خدا ان خرافات سے منزہ ہے اور ان

اوصاف سے برتر وبالاتر ہے جو وہ اس کے لئے بیان کرتے۔

(۱۰۱)اس آیت میں ان بیہودہ عقائد کا جواب دیتے ہوئے پہلے کہا گیا ہے خدا وہ ہستی ہے کہ جس نے آسمان اور زمین کو ایجاد کیا۔

لفظ بدیع کا معنی کسی چیز کو بغیر سابقہ کے وجود میں لانے والے کے ہیں یعنی خداوندتعالیٰ نے آسمان وزمین کو کسی پہلے سے موجود مادہ یا بنیادیا نقشہ ومنصوبہ کے بغیر ایجاد کیا ہے۔

علاوہ ازیں یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے۔

اصولی طور پر اسے بیوی کی ضرورت ہی کیا ہے اور پھر یہ بات کس کے لئے ممکن ہے کہ وہ اس کی بیوی یا ہمسر ہو سکے جب کہ سب اس کی مخلوق ہیں۔

دوسری مرتبہ پھر تمام چیزوں اور تمام افراد کے بارے میں اسی کے خالق ہونے اور ان تمام کے متعلق اس کے احاطہ علمی کو بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے اسی نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا عالم ہے۔

(۱۰۲)اس آیت میں تمام چیزوں کا خالق ہونے آسمان اور زمین کو ایجاد کرنے اور اس کے عوارض جسم وجسمانی اور بیوی اور اولاد سے منزہ ہونے اور ہر کام اور ہر چیز پر اس کے احاطہ علمی کا ذکر کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ تمہارا خدا اور پروردگار ایسی ذات ہے اور چونکہ اور کوئی ان صفات کا حامل نہیں ہے لہٰذا اس کے سوا اور کوئی بھی عبودیت کے لائق نہیں ہوسکتا پروردگار بھی وہی ہے اور خالق وآفریدگار بھی وہی ہے اس بنا پر معبود بھی صرف وہی ہوسکتا ہے لہٰذا اسی کی پرستش اور عبادت کرو۔

آیت کے آخر میں اس مقصد کے پیش نظر اور اس غرض سے کہ غیر خدا سے ہر قسم کی امید کو قطع کر دے اور ہر قسم کے شرک کی جڑ کو اور خدا کے سوا جو بھی ہیں وہ سب اس کے محتاج اور نیاز مند ہیں اور اس کے احسان کی آس لگائے بیٹھے ہیں تو ان حالات میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنی مشکلات کسی اور کے پاس لے جائے اور ان کا حل اس سے چاہے۔

آخری زیر بحث آیت میں تمام چیزوں پر اس کی حاکمیت اور نگہبانی کو ثابت کرنے کے لئے اور اسی طرح تمام موجودات سے اس کے فرق کو ثابت کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ تمام آنکھوں کا ادارک کرتا ہے وہ طرح طرح کی نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے اور ہر چھوٹے سے چھوٹے کام سے باخبر اور تمام چیزوں سے آگاہ ہے وہ بندوں کے مصالح کو جانتا ہے اور ان کی حاجات وضروریات سے باخبر ہے اور اپنے لطف اور کرم کے مطابق ان کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔

حقیقت میں جو یہ چاہتا ہو کہ وہ تمام چیزوں کا محافظ ومربی اور سہارا ہو اسے ان صفات کا حامل ہونا چاہئے۔

آنکھیں خدا کو نہیں دیکھ سکتیں

عقلی دلائل گواہی دیتے ہیں کہ خدا کو آنکھوں کے ساتھ ہرگز نہیں دیکھا جاسکا کیونکہ آنکھیں صرف اجسام کو یا زیادہ صحیح طور پر یہ کہ وہ ان کی بعض کیفیات کو ہی دیکھ سکتی ہیں اور وہ چیز کہ جو نہ جسم ہے اور نہ ہی جسم کی کوئی کیفیت ہرگز آنکھ سے نظر نہیں آسکتی

دوسرے الفاظ میں اگر کوئی چیز آنکھ سے دیکھی جاسکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مکان میں ہو اور کسی جہت میں ہو اور مادہ رکھتی ہو جب کہ وہ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے وہ ایک ایسا وجود ہے جو نامحدود ہے اور وہ اسی دلیل سے جہاں مادہ سے بالاتر ہے کیونکہ جہان مادہ میں تمام چیزیں محدود ہیں۔

(۱۰۴) قَدۡ جَآءَکُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۚ فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ عَمِیَ فَعَلَیۡھَا ؕ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ	تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے واضح دلیلیں آئی ہیں جو شخص (اس کے ذریعہ سے حق کو) دیکھے تو یہ اسی کے فائدہ میں ہے اور جو شخص ان کو دیکھنے سے آنکھیں بند کر لے تو خود اسی کا نقصان ہے اور میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔
(۱۰۵) وَ کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ وَ لِیَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَ لِنُبَیِّنَہٗ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ	اور ہم آیات کو اس طرح مختلف شکلوں میں بیان کرتے ہیں اور انہیں کہنے دو کہ تو نے سبق پڑھا ہے۔ ہمارا ہدف یہ ہے کہ ہم علم و آگاہی رکھنے والوں کے لئے اسے واضح کر دیں۔
(۱۰۶) اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ	جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ پر وحی ہوئی ہے اس کی پیروی کرو اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور مشرکین سے منہ پھیر لے۔
(۱۰۷) وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَاۤ اَشۡرَکُوۡا ؕ وَ مَا جَعَلۡنٰکَ عَلَیۡھِمۡ حَفِیۡظًا ۚ وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡھِمۡ بِوَکِیۡلٍ	اگر خدا چاہتا تو (سب جبری طور پر ایمان لے آتے اور) کوئی بھی مشرک نہ ہوتا اور ہم نے تجھے ان کے اعمال کا جوابدہ قرار نہیں دیا اور تیری یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ انہیں (ایمان لانے) پر مجبور کرے۔

تفسیر

پیغمبر مجبور نہیں کرتے

درحقیقت ان آیات میں گذشتہ آیات کا ایک طرح سے خلاصہ اور نتیجہ پیش کیا گیا ہے پہلے کہا گیا ہے تمہارے پاس توحید خدا شناسی اور ہر قسم کے شرک کی نفی کے بارے میں ایسی واضح و روشن دلائل اور نشانیاں آچکی ہیں جو بصیرت و بینائی کا سبب ہیں۔

اس کے بعد یہ حقیقت واضح کرنے کے لئے کہ یہ دلائل حقیقت کو آشکار کرنے کے لئے کافی ہیں اور منطقی پہلو رکھتے ہیں کہا گیا ہے وہ لوگ جو ان دلائل کے ذریعہ حقیقت کے چہرے کو دیکھ لیں تو انہوں نے خود اپنے ہی نفع کی طرف قدم بڑھایا ہے اور وہ لوگ جو اندھوں کی طرح ان کے مشاہدہ سے اپنے آپ کو محروم رکھیں انہوں نے اپنے ہی نقصان میں کام کیا ہے۔

اور آیت کے آخر میں پیغمبر کی زبانی کہا گیا ہے میں تمہارا نگہبان اور محافظ نہیں ہوں۔

(۱۰۵)اس آیت میں اس امر کی تاکید کے لئے کہ حق و باطل کے انتخاب کی راہ میں آخری ارادہ خود لوگوں کے اپنے اختیار میں ہے فرمایا گیا ہے ہم آیات و دلائل کو اس طرح سے مختلف شکلوں، مختلف قیافوں اور مختلف صورتوں میں بیان کرتے ہیں۔

لیکن ایک جماعت مخالفت پر کھڑی ہوگئی اور بغیر مطالعہ اور بغیر کسی قسم کی دلیل کے کہنے لگی تو نے یہ درس دوسروں (یعنی یہود ونصاریٰ اور ان کی کتب) سے لئے ہیں۔

لیکن ایک اور دوسرا گروہ کہ جو حق کو قبول کرنے کی آمادگی رکھتا ہے اور جس کے افراد صاحب بصیرت عالم وآگاہ ہیں وہ اس کے ذریعہ حقیقت کے چہرے کو دیکھ لیتے ہیں اور اسے قبول کر لیتے ہیں۔

(۱۰۶)اس آیت میں مخالفین کی ہٹ دھرمیوں کینہ پروریوں اور تہمتوں کے مقابلے میں پیغمبرﷺ کا فریضہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے تیرا فریضہ یہ ہے کہ تیرے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تجھ پر وحی ہوتی ہے اس کی پیروی کر وہ خدا کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

نیز تیرا فرض یہ ہے کہ مشرکین اور ان کی ناروا تہمتوں اور بے بنیاد باتوں کی پرواہ نہ کر۔ حقیقت میں یہ آیت پیغمبر اکرمﷺ کے لئے ایک قسم کی تسلی اور روحانی تقویت ہے تاکہ اس قسم کے مخالفین کے مقابلہ میں آپﷺ کے عزم راسخ اور آہنی ارادہ میں ذرا سی بھی کمزوری واقع نہ ہو۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے اچھی طرح واضح اور روشن ہو جاتا ہے کہ "و اعرض عن المشرکین" (مشرکین سے منہ پھیر لو اور ان کی پرواہ نہ کرو) کا جملہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دینے کے حکم اور ان کے مقابلے میں جہاد کرنے سے کسی قسم کا اختلاف نہیں رکھتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی بے بنیاد باتوں اور تہمتوں کی پرواہ نہ کرو اور اپنی راہ حق پر ثابت قدم رہو۔

(۱۰۷)اس آیت میں اس حقیقت کی دوبارہ تائید کی گئی ہے کہ خداوند تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ انہیں جبراً ایمان پر آمادہ کرے اور اگر وہ یہ چاہتا تو سب کے سب ایمان لے آتے اور کوئی مشرک نہ ہوتا۔

اور یہ بھی تاکید کرتا ہے کہ تم ان کے اعمال کے لئے جوابدہ نہیں ہو اور تم انہیں ایمان پر مجبور کرنے کے لئے بھی مبعوث نہیں ہوئے ہو۔

جیسا کہ تمہارا یہ فرض بھی نہیں کہ تم انہیں کار خیر پر مجبور کرو۔

ان آیات کا لب ولہجہ اس نظر سے بہت ہی قابل ملاحظہ ہے کہ خدا پر اور مبانی اسلام پر ایمان لانا کسی قسم کا بھی جبری پہلو نہیں

رکھ سکتا بلکہ ان امور کو منطق و استدلال اور افراد بشر کی فکر و روح میں نفوذ کے طریق سے پیشرفت کرنا چاہئے کیونکہ جبری ایمان کی تو کوئی بھی قدر و قیمت نہیں ہے اہم بات یہ ہے کہ لوگ حقائق کو سمجھیں اور اپنے ارادہ اختیار کے ساتھ انہیں قبول کریں۔

(۱۰۸) وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًاۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ	ایسے لوگوں (کے معبود) کو جو خدا کے علاوہ کسی کو پکارتے ہیں گالیاں نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی ظلم و جہالت کی وجہ سے خدا کو گالیاں دینے لگ جائیں ہم نے ہر امت کے لئے ان کے عمل کو اسی طرح زینت دی ہے اس کے بعد ان کی بازگشت تو ان کے پروردگار کی طرف ہی ہے اور وہ انہیں ان کے اس عمل سے جو وہ کیا کرتے تھے آگاہ کرے گا (اور اس کی جزا یا سزا دے گا)۔

تفسیر

اس بحث کے بعد جو تعلیمات اسلام کے منطقی ہونے اور دعوت کے استدلال کے ذریعہ لازم ہونے اور جبری طریقہ سے نہ ہونے کے بارے میں گذشتہ آیات میں گزری ہے ان آیات میں تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے تم مشرکین کے بتوں اور معبودوں کو کبھی گالیاں نہ دو کیونکہ یہ عمل سبب بن جائے گا کہ وہ بھی یہی کام خداوند تعالیٰ کی شان اقدس میں ظلم و ستم اور جہل و نادانی کی وجہ سے انجام دینے لگیں۔

جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کا ایک گروہ مسئلہ بت پرستی پر سخت برہمی کی بناء پر بعض اوقات مشرکین کے بتوں کو برا بھلا کہتے ہوئے انہیں گالیاں دیتا تھا قرآن نے صراحت سے انہیں اس بات سے منع کیا اور اصول ادب و عفت اور شریں بیانی کو بیہودہ ترین اور بدترین مذاہب وادیان کے مقابلہ میں بھی لازم و ضروری قرار دیا۔

کیونکہ ہر گروہ اور ہر مذہب کے لوگ اپنے عقائد و اعمال میں متعصب ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن بعد والے جملے میں کہتا ہے۔ہم نے اس طرح ہر گروہ کے لئے ان کے عمل کو زینت دے دی ہے۔

اور آیت کے آخر میں کہتا ہے کہ ان سب کی بازگشت خدا ہی کی طرف ہے اور وہ انہیں خبر دے گا کہ انہوں نے کون سے عمل انجام دیئے ہیں۔

(۱۰۹) وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ جَآءَتۡہُمۡ اٰیَۃٌ لَّیُؤۡمِنُنَّ بِہَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰیٰتُ عِنۡدَ اللّٰہِ وَ مَا یُشۡعِرُکُمۡ ۙ اَنَّہَاۤ اِذَا جَآءَتۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ	انہوں نے بہت ہی اصرار سے اللہ کی قسم کھائی کہ اگر کوئی نشانی (معجزہ) ان کے لئے آ جائے تو وہ یقینی طور پر اس پر ایمان لے آئیں گے (اے رسول تم یہ) کہہ دو کہ معجزات خدا کی طرف سے ہوتے ہیں (اور یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں تمہاری خواہش پر معجزہ لے آؤں) اور تم نہیں جانتے کہ وہ معجزات کے آ جانے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔
(۱۱۰) وَ نُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَہُمۡ وَ اَبۡصَارَہُمۡ کَمَا لَمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٖۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ نَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ۠	اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو اوندھا کر دیں گے کیونکہ وہ ابتدا میں ایمان نہیں لائے تھے اور انہیں طغیان و سرکشی کے عالم میں خود ان کی حالت میں چھوڑ دیں گے تاکہ وہ سرگرداں ہو جائیں۔

شان نزول

زیر نظر پہلی آیت کی شان نزول کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ

قریش کا ایک گروہ پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ تم موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے بڑے بڑے معجزات بیان کرتے ہو اور اسی طرح دوسرے انبیاء کے بھی تم بھی ہمیں کوئی ایسا ہی کام کر کے دکھاؤ تاکہ ہم ایمان لائیں۔

پیغمبرؐ نے فرمایا کہ تم کونسا کام چاہتے ہو کہ میں اسے تمہارے لئے انجام دوں۔

انہوں نے کہا کہ تم خدا سے درخواست کرو کہ وہ حقانیت کے بارے میں سوال کریں اور ہمیں فرشتے بھی دکھا جو تیرے بارے میں گواہی دیں یا خدا اور فرشتوں کو اکٹھا اپنے ساتھ لے آ۔

پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اگر میں ان میں سے بعض کام انجام دے دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟

انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم ایسا کریں گے یعنی ایمان لے آئیں گے۔

جونہی پیغمبرؐ دعا کرنے کے لئے آمادہ ہوئے کہ ان میں سے بعض مطالبات کے لئے خدا سے دعا کریں کیونکہ ان میں سے بعض تو نامعقول اور محال تھے کہ امین وحی خدا نازل ہوئے اور یہ پیغام لائے کہ اگر آپؐ چاہیں تو آپ کی دعا قبول ہو جائے گی لیکن اس صورت میں چونکہ ہر لحاظ سے اتمام حجت ہو جائے گا اور یہ حسی طور پر ظاہر بظاہر کھل کر سامنے آ جائے گا اگر پھر بھی یہ ایمان نہ لائے تو سب کو سخت عذاب ہوگا (اور نیست و نابود ہو جائیں گے) لیکن

اگران کے تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے اور تم انہیں ان کی اپنی اسی حالت پر چھوڑ دو تو ممکن ہے کہ ان میں سے بعض آئندہ توبہ کرلیں اور راہ حق اختیار کرلیں۔

پیغمبرﷺ نے اسے قبول کرلیا۔

اس پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔

تفسیر

گذشتہ آیات میں توحید کے بارے میں متعدد منطقی دلیلیں بیان ہوئی ہیں کہ جو خدا کی وحدانیت کے اثبات اور شرک و بت پرستی کی نفی کے لئے کافی تھیں لیکن اس کے باوجود ہٹ دھرم اور متعصب مشرکین کی ایک جماعت نے سر تسلیم خم نہ کیا اور وہ بہانے تراشنے لگے۔

قرآن اس پہلی آیت میں ان کی کیفیت اور وضع کو اس طرح بیان کرتا ہے: انہوں نے انتہائی اصرار کے ساتھ قسم کھائی کہ اگران کے لئے معجزہ آجائے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔

قرآن ان کے جواب میں دو حقیقتوں کو بیان کرتا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ پیغمبرﷺ کو حکم دیتا ہے کہ تو ان سے یہ کہہ دے کہ یہ کام میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں تمہارے ہر مطالبے اور ہر تقاضے کو پورا کردوں بلکہ معجزات تو صرف خدا ہی کی طرف سے ہوتے ہیں اور اسی کے فرمان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد روئے سخن ان سادہ لوح مسلمانوں کی طرف کرتے ہوئے کہ جو ان کی سخت اور شدید قسموں سے متاثر ہو گئے تھے کہتا ہے تم نہیں جانتے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں اور اگر یہ معجزات اور ان کی درخواستوں کے مطابق مطلوبہ نشانیاں دکھا بھی دی جائیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

پیغمبرﷺ کے ان کے ساتھ ٹکراؤ کے مختلف مناظر اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ یہ گروہ حق کی جستجو میں نہیں تھا بلکہ ان کا ہدف اور مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو بہانہ تراشیوں میں لگائے رکھیں اور شک وشبہ کے بیج ان کے دلوں میں بکھیرتے رہیں۔

(۱۱۰) اس آیت میں ان کی ہٹ دھرمی کی علت کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے کہ وہ کجروی جاہلانہ تعصّبات اور حق کے مقابلہ میں سر تسلیم خم نہ کرنے پر اصرار کی وجہ سے قوت ادارک اور صحیح نظر کھو بیٹھے ہیں اور حیران و پریشان اور گمراہ ہو کر سرگردانی کے عالم میں پھر رہے ہیں چنانچہ قرآن اس طرح کہتا ہے، ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو دگرگوں کردیں گے جیسا کہ وہ آغاز میں اور دعوت کی ابتداء میں ایمان نہیں لاتے تھے۔

آیت کے آخر میں کہتا ہے ہم انہیں طغیان وسرکشی کی حالت میں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں تا کہ وہ سرگرداں پھرتے رہیں۔

(۱۱۱) وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ	اور اگر ہم ان پر فرشتوں کو نازل کر دیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور تمام چیزوں کو ان کے سامنے جمع کر دیتے تو بھی وہ ہرگز ایمان نہ لاتے، مگر یہ کہ خدا چاہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

تفسیر

ہٹ دھرم لوگ راہ راست پر کیوں نہیں آتے؟

یہ آیت گذشتہ آیات کے ساتھ مربوط ہے یہ سب آیات ایک ہی حقیقت کو بیان کرتی ہیں ان چند آیات کا مفہوم یہ ہے کہ ان عجیب وغریب معجزات کا تقاضا کرنے والوں میں سے بہت سے اپنے تقاضوں میں سچے نہیں ہیں اوران کا ہدف حق کو قبول کرنا نہیں ہے لہٰذاان کے مطالبات میں سے بعض مثلاً خدا کاان کے سامنے آنا اصولاً محال ہیں۔

قرآن زیرنظر آیت میں صراحت کے ساتھ کہتا ہے اگر ہم جس طرح انہوں نے درخواست کی تھی فرشتوں کوان پر نازل کر دیتے اور مردے بھی آجاتے اوران سے باتیں کرتے اور خلاصہ یہ کہ جو جو مطالبات اور تقاضے وہ کر رہے تھے ان سب کو جمع کر دیتے تو پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے۔

اس کے بعد تائید مطلب کے لئے فرماتا ہے صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ وہ ایمان لے آئیں اور وہ یہ ہے کہ خداوندتعالیٰ اپنی جبری مشیت کے ذریعہ انہیں ایمان کے قبول کرنے پر آمادہ کر دے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس قسم کا ایمان کوئی تربیتی فائدہ اور تکاملی اور ارتقائی اثر نہیں رکھتا۔

آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے کہ ان میں سے اکثر جاہل اور بے خبر ہیں۔

(۱۱۲) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ	اس طرح ہم نے ہر نبی کے مقابلے میں شیاطین جن وانس سے کچھ دشمن قرار دیئے ہیں کہ جو پرفریب اور بے بنیاد باتیں (لوگوں کو غافل رکھنے کے لئے) مخفی طور پر (اور کانوں میں) ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔ اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ اس بناء پر ان کی تہمتوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔

(۱۱۳)وَلِتَصۡغٰۤی اِلَیۡهِ اَفۡـِٕدَةُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَ لِیَرۡضَوۡهُ وَ لِیَقۡتَرِفُوۡا مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ	(اور شیطانی وسوسوں اور شیطان صفت افراد کی تبلیغات کا) نتیجہ یہ ہوگا کہ ان لوگوں کے دل جو روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی طرف مائل ہو جائیں گے اور وہ اس پر راضی ہو جائیں گے اور جو گناہ بھی وہ انجام دینا چاہیں گے دیں گے۔

تفسیر

شیطانی وسوسے

اس آیت میں اس بات کی وضاحت کی جارہی ہے کہ اس قسم کے سخت اور ہٹ دھرم دشمنوں کا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں وجود کہ جس کی طرف گذشتہ آیات میں اشارہ ہوا ہے صرف آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے لئے ہی منحصر نہیں تھا بلکہ تمام انبیاء ہی کے مقابلہ میں شیاطین جن وانس میں سے دشمن موجود تھے۔اوران کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ پرفریب باتیں ایک دوسرے کو غافل کرنے کے لئے پراسرار طریقے پر بھی اور ظاہر بظاہر بھی ایک دوسرے کے کان میں کہتے تھے۔

لیکن اشتباہ نہیں ہونا چاہئے کہ اگر خدا چاہتا تو وہ جبراً سب کو روک سکتا تھا۔

لیکن خداوند تعالیٰ نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ آزاد رہیں تا کہ ان کی آزمائش اور ارتقاء و پرورش کے لئے میدان موجود رہے

لہٰذا آیت کے آخر میں خدا تعالیٰ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ تم اس قسم کی شیطنتوں کی کسی طرح بھی پرواہ نہ کرو اور انہیں اور ان کی تہمتوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔

(۱۱۳)اس آیت میں شیاطین کی پرفریب تلقینات وتبلیغات کے نتیجے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے ان کے کام کا سرانجام یہ ہوگا کہ بے ایمان افراد یعنی وہ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی باتوں کو کان لگا کر سنیں گے اور ان کے دل اس کی طرف مائل ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اس میلان کا انجام شیطانی پروگراموں پر کامل طور پر راضی ہونے کی صورت میں نکلے گا۔

اوران سب کا نتیجہ مختلف قسم کے گناہوں کے ارتکاب اور برے اور ناپسندیدہ اعمال کی صورت میں رونما ہوگا۔

(۱۱۴) اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ	کیا میں (اس حال میں) غیر خدا کو منصف کے طور پر اپناؤں حالانکہ وہی (وہ ہستی) ہے کہ جس نے اس آسمانی کتاب کو جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے نازل کیا ہے اور وہ لوگ کہ جنہیں ہم نے آسمانی کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تیرے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے اس بناء پر تم ہرگز شک وتردد کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔
(۱۱۵) وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ	اور تیرے پروردگار کا کلام صدق وعدل کے ساتھ انجام کو پہنچا۔ کوئی شخص اس کے کلمات کو دگرگوں نہیں کرسکتا اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تفسیر

یہ آیت حقیقت میں گذشتہ آیات کا نتیجہ ہے اور یہ آیت کہتی ہے کہ ان واضح آیات کے باوجود جو توحید کے سلسلے میں گزر چکی ہیں کیا کسی شخص کو منصف اور حکم کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے کیا میں غیر خدا کو منصف اور حکم کے طور پر قبول کرلوں؟

جب کہ وہی ذات ہے کہ جس نے یہ عظیم آسمانی کتاب نازل کی ہے جس میں انسان کی تمام تربیتی ضروریات آچکی ہیں اور جس نے حق وباطل، نور وظلمت اور کفر وایمان کے درمیان فرق ظاہر کردیا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے نہ صرف تم اور تمام مسلمان اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے ہے بلکہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ کہ جنہوں نے اس آسمانی کتاب کی نشانیاں اپنی کتابوں میں دیکھی ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ اس بناپر اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اے پیغمبر تم ہرگز اس بارے میں تردد کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔

(۱۱۵) اس آیت میں فرمایا گیا ہے تیرے پروردگار کا کلام صدق وعدل کے ساتھ مکمل ہوگیا اور کوئی بھی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ اس کے کلمات کو دگرگوں کردے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

زیر بحث آیت میں لفظ ''کلمہ'' سے مراد قرآن ہے کیونکہ گذشتہ آیات میں گفتگو قرآن کے بارے میں تھی اس لحاظ سے یہ معنی مناسب ہے۔

حقیقت میں آیت یہ بیان کررہی ہے کہ کسی طرح سے بھی قرآن میں کوئی شک اور تردد کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ ہرلحاظ

سے کامل اور بے عیب ہے اس کی تواریخ اور اخبار سب کے سب صدق ہیں اور اس کے احکام وقوانین سب کے سب عدل ہیں۔

بعض مفسرین نے اس آیت سے قرآن میں تحریف کے بارے میں عدم امکان پر استدلال کیا ہے کیونکہ "**لا مبدل لکلماته**" کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی شخص لفظ کے لحاظ سے، اخبار کے لحاظ سے اور احکام کے لحاظ سے قرآن میں تغیر وتبدیل نہیں کر سکتا اور یہ آسمانی کتاب جسے آخر دنیا تک عالمین کا رہنما ہونا چاہئے خیانت کرنے والوں اور تحریف کرنے والوں کی دستبرد سے محفوظ رہے گی۔

(۱۱۶) وَ اِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ	اور اگر تم زمین پر رہنے والے لوگوں میں سے اکثر لوگوں کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں راہ خدا سے گمراہ کر دیں گے وہ تو صرف ظن اور گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے جھوٹ، فریب اور تخمینے پر عمل کرتے ہیں۔
(۱۱۷) اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ یَّضِلُّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۚ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ	تیرا پروردگار ان لوگوں سے بھی خوب اچھی طرح آگاہ ہے جو اس کی راہ سے گمراہ ہو گئے ہیں اور ان لوگوں سے بھی کہ جو ہدایت یافتہ ہیں۔

تفسیر

ہم جانتے ہیں کہ اس سورہ کی آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور اس زمانے میں مسلمان انتہائی اقلیت میں تھے یہ ممکن تھا کہ ان کی اقلیت اور بت پرستوں اور مخالفین اسلام کی قطعی اکثریت بعض لوگوں کے لئے یہ توہم پیدا کر دے کہ اگر ان کا دین وآئین باطل اور بے اساس ہے تو ان کی پیروی کرنے والے اتنی اکثریت میں کیوں ہیں اور اگر ہم حق پر ہیں تو اس قدر کم تعداد میں کیوں ہیں؟

اس آیت میں اس توہم کو دفع کرنے کے لئے کہ جو ممکن تھا کہ قبل کی آیات میں قرآن کی حقانیت کے ذکر کے بعد پیدا ہو جائے اپنے پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے اگر تم زمین میں رہنے والے اکثر لوگوں کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں راہ حق سے گمراہ اور منحرف کر دیں گے۔

بعد والے جملے میں اس امر کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس کی علت اور سبب یہ ہے کہ وہ منطق اور فکر صحیح کی بنیاد پر کام نہیں کرتے ان کے راہنما ہوا وہوس سے آلودہ گمان ہیں اور کچھ جھوٹ فریب اور تخمینے ہیں۔

(۱۱۷) چونکہ قبل والی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ محض اکثریت تنہا راہ حق کی نشاندہی نہیں کر سکتی تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ راہ حق صرف خدا سے حاصل کرنا چاہئے چاہے حق کے طرفدار اقلیت میں ہی کیوں نہ ہوں لہٰذا اس آیت میں اس امر کی دلیل واضح کرتا ہے کہ تیرا پروردگار کہ جو تمام چیزوں سے باخبر اور آگاہ ہے اور اس کے علم غیر متناہی میں ذرہ بھر اشتباہ بھی نہیں ہے وہ بہتر طور پر جانتا ہے کہ راہ ضلالت کونسی ہے اور راہ ہدایت کونسی اور وہ گمراہوں اور ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی بہتر طور پر پہچانتا ہے۔

(۱۱۸) فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ	اور جس (ذبیحہ) پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اس سے کھاؤ (لیکن ان جانوروں کے گوشت سے کہ جن کو ذبح کرتے وقت ان پر خدا کا نام نہیں لیا گیا نہ کھاؤ) اگر تم اس کی آیات پر ایمان رکھتے ہو۔
(۱۱۹) وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ	تم ان چیزوں میں سے کیوں نہیں کھاتے کہ جن پر خدا کا نام لیا گیا ہے حالانکہ خداوند تعالیٰ نے جو کچھ تم پر حرام تھا اسے بیان کر دیا ہے مگر یہ کہ تم مجبور ہو جاؤ اور بہت سے لوگ (دوسروں کو) ہوا و ہوس اور بے علمی کی وجہ سے گمراہ کر دیتے ہیں اور تیرا پروردگار تجاوز کرنے والوں کو بہتر طور پر پہچانتا ہے۔
(۱۲۰) وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ	آشکار اور مخفی گناہوں کو چھوڑ دو کیونکہ جو لوگ گناہ کماتے ہیں انہیں ان کے بدلے میں سزا دی جائے گی۔

تفسیر

شرک کے تمام آثار مٹ جانے چاہیں

گذشتہ آیات میں مختلف بیانات کے ساتھ حقیقت توحید کا اثبات اور شرک و بت پرستی کا بطلان واضح ہوا ہے اس مسئلہ کے نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ان جانوروں کے گوشت کھانے سے جو بتوں کے نام پر ذبح ہوتے ہیں احتراز کریں اور صرف ان جانوروں کے گوشت سے استفادہ کریں کہ جو خدا کے نام پر ذبح ہوتے ہیں۔

لہٰذا پہلے کہا گیا ہے ان چیزوں میں سے کھاؤ کہ جن پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو۔

یعنی ایمان محض دعوے، گفتار اور عقیدے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا اظہار عمل سے بھی ہونا چاہئے جو شخص خدائے یکتا پر ایمان رکھتا ہے وہ صرف اسی قسم کے گوشت میں سے کھاتا ہے۔

(۱۱۹) اس آیت میں یہی بات دوسری عبارت سے بیان کی گئی ہے جو اور زیادہ استدلال کے ساتھ ہے فرمایا ہے تم ان جانوروں سے کیوں نہیں کھاتے کہ جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے؟ حالانکہ جو کچھ تم پر حرام ہے خدا نے اس کی تشریح کر دی ہے۔

پھر ایک صورت کو مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے مگر اس صورت میں کہ تم مجبور ہو جاؤ۔

چاہے یہ اضطرار بیابان میں گرفتار ہو جانے اور شدید بھوک کی وجہ سے ہو یا مشرکین کے چنگل میں گرفتار ہونے اور ان کے

اس امر پر مجبور کرنے کی وجہ سے ہو۔

اس کے بعد مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے بہت سے لوگ دوسروں کو جہل و نادانی اور ہوا و ہوس کی بناء پر گمراہ کرتے ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے تیرا پروردگار ان لوگوں کے بارے میں کہ جو تجاوز کار اور زیادتی کرنے والے ہیں زیادہ آگاہ ہے۔

ایسے ہی لوگ فضول اور بودی دلیلوں کے ذریعے نہ صرف یہ کہ راہ حق سے منحرف ہو جاتے ہیں بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ دوسروں کو بھی منحرف کر دیں۔

(۱۲۰) چونکہ ممکن ہے کہ بعض لوگ اس فعل حرام کو چھپ کر اور پوشیدہ طور پر انجام دیں لہٰذا اس کے ساتھ ہی اس آیت میں ایک قانون کلی کے طور پر کہا گیا ہے آشکارا اور پنہاں گناہ چھوڑ دو۔

کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ منافی عفت عمل زنا اگر چھپ کر کیا جائے تو کوئی عیب نہیں ہے وہ صرف اس صورت میں گناہ ہے کہ اگر اسے آشکارا اور ظاہر بظاہر کیا جائے آج بھی کچھ لوگوں نے عملی طور پر اسی جاہلانہ منطق کو اپنایا ہوا ہے اور صرف آشکارا اور ظاہر بظاہر گناہوں سے پریشان اور وحشت زدہ ہوتے ہیں لیکن چھپ کر گناہ کا ارتکاب کسی پریشانی کے بغیر کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت نہ صرف مذکورہ بالا منطق کی مذمت کرتی ہے۔ بلکہ اس کے بعد یاد دہانی اور گنہگاروں کو تہدید کے طور پر اس بدبختی کے بارے میں جس کا وہ انتظار کر رہے ہیں قرآن یوں کہتا ہے وہ لوگ کہ جو گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہیں بہت جلد اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔

(۱۲۱) وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۠	اور اس (ذبیحہ) سے کہ جس پر خدا کا نام نہیں لیا گیا نہ کھاؤ اور یہ فعل گناہ ہے اور شیاطین اپنے دوستوں کو مخفی طور پر کچھ مطالب القا کرتے رہتے ہیں تا کہ وہ تم سے مجادلے اور جھگڑے کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

تفسیر

گذشتہ آیات میں مسئلہ کے مثبت پہلو یعنی حلال گوشت کھانے کا ذکر کیا گیا تھا لیکن اس آیت میں زیادہ سے زیادہ تاکید کے لئے منفی پہلو اور اس کے مفہوم کا سہارا لیتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان گوشتوں میں سے کہ جن پر خدا کا نام ان کے ذبح کے وقت نہیں لیا گیا نہ کھاؤ۔

اس کے بعد نئے سرے سے ایک مختصر سے جملے کے ساتھ اس عمل کو جرم قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ کام فسق و گناہ ہے

اورراہ رسم بندگی اورفرمان خدا کی اطاعت سے خروج ہے۔

نیز اس غرض سے کہ بعض سادہ لوح مسلمان ان کے شیطانی وسوسوں کا اثر قبول نہ کرلیں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ شیاطین وسوسہ انگیز مطالب مخفی طور پر اپنے دوستوں کوالقا کرتے ہیں تا کہ وہ تمہارے ساتھ مجادلہ کرنے کے لئے کھڑے ہوجائیں۔

لیکن تم ہوش وہواس کے ساتھ رہو کیونکہ اگر تم نے ان کے وسوسوں کے سامنے سرتسلیم خم کردیا تو تم بھی مشرکین کی صف میں شامل ہوجاؤ گے۔

یہ مجادلہ اور وسوسہ شاید اسی منطق کی طرف اشارہ ہو جو مشرکین ایک دوسرے کی طرف القا کیا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکین عرب نے اسے مجوسیوں سے سیکھا تھا کہ اگر ہم مردہ جانور کا گوشت کھاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے خدا نے مارا ہے لہٰذا وہ اس جانور سے بہتر ہے جس ہم مارتے ہیں یعنی مردار نہ کھانا خدا کے کام سے ایک قسم کی بے اعتنائی ہے۔

وہ اس حقیقت سے غافل ہیں کہ جو اپنی طبعی موت مرتا ہے وہ اس بات کے علاوہ کہ اکثر بیمار ہوتا ہے اس کا سر نہیں کاٹا جاتا اور گندہ اور گاڑھا خون اس کے گوشت کے اندر ہی رہ جاتا ہے اور وہ مرجاتا ہے اور فاسد اور خراب ہوجاتا ہے اور وہ گوشت کو بھی آلودہ اور فاسد کردیتا ہے۔

(۱۲۲) اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ	وہ جو کہ مردہ تھا' پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور قرار دیا کہ جس کے ذریعے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے کیا اس شخص کی مانند ہے کہ جو تاریکیوں میں ہو اور اس سے باہر نہ نکلے اسطرح کفار کے لئے وہ (برے اعمال) جو وہ انجام دیتے تھے زینت دیئے گئے ہیں۔
(۱۲۳) وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ اَكٰبِرَ مُجۡرِمِيۡهَا لِيَمۡكُرُوۡا فِيۡهَا ؕ وَ مَا يَمۡكُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِهِمۡ وَ مَا يَشۡعُرُوۡنَ	اور ہم نے اسی طرح سے ہر ہر شہر اور ہر ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم قرار دیئے ہیں اور آخرکار ان کا معاملہ اس حد کو پہنچ گیا کہ وہ مکر (کرنے اور لوگوں کو دھوکا دینے) میں مشغول ہوگئے لیکن (فی الحقیقت) وہ صرف اپنے آپ کو (ہی دھوکا) فریب دیتے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں۔

شان نزول

پہلی آیت کی شان نزول کے بارے میں یوں نقل ہوا ہے۔

ابوجہل جو اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت ہی سخت دشمنوں میں سے تھا ایک دن اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت تکلیف پہنچائی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہادر چچا حضرت حمزہ جو اس دن تک ایمان نہ لائے تھے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے بارے میں مطالعہ اور سوچ بچار کر رہے تھے اور اس دن اپنے معمول کے مطابق شکار کے لئے بیابان میں گئے ہوئے تھے جب بیابان سے واپس آئے تو ابوجہل اور اپنے بھتیجے کے مابین ہونے والے ماجرے سے باخبر ہوئے انہیں بہت غصہ آیا وہ فوراً ابوجہل کی تلاش میں نکل پڑے وہ ملا تو اس کے سر پا ناک پر اس طرح مارا کہ خون جاری ہو گیا ابوجہل نے اس تمام نفوذ واقتدار کے باوجود جو وہ اپنی قوم وقبیلہ بلکہ مکہ کے لوگوں کے درمیان رکھتا تھا حضرت حمزہ کی بہت زیادہ شجاعت کو دیکھتے ہوئے کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا۔

اس کے بعد حمزہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلے اور اسلام قبول کر لیا اس دن سے باقاعدا اسلام کے ایک افسر رشید کے طور پر آخر عمر تک اس آسمانی دین کا دفاع اور اس کی حفاظت کرتے رہے۔

اوپر والی آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس میں حمزہ کے ایمان اور ابوجہل کے کفر وفساد میں پائیدار کو مشخص کیا گیا ہے۔

تفسیر

ایمان اور نور نظر

ان آیات کا قبل کی آیات کے ساتھ ربط اس لحاظ سے ہے کہ گذشتہ آیات میں دو گروہوں کی طرف اشارہ ہے مومن خالص اور ہٹ دھرم کافر۔ یہاں بھی دو جالب اور عمدہ مثالیں ذکر کر کے ان دونوں گروہوں کی کیفیت کو مجسم کیا گیا ہے۔

پہلے ان افراد کو جو گمراہی میں تھے پھر انہوں نے حق اور ایمان کو قبول کر کے اپنے راستے کو بدل لیا انہیں اس مردہ سے تشبیہ دی ہے کہ جو خدا کے ارادہ اور فرمان سے زندہ ہو گیا ہو۔

ایمان افراد کو دگرگوں کر دیتا ہے اور ان کی ساری زندگی میں اثر انداز ہوتا ہے اور زندگی کے آثار کو ان کے تمام حالات زندگی میں آشکار و واضح کرتا ہے۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے ہم نے ایسے افراد کے لئے نور قرار دیا ہے کہ جس کی روشنی میں وہ لوگوں کے درمیان چلیں پھریں۔

''نور'' سے صرف قرآن اور تعلیمات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مراد نہیں ہیں بلکہ اس کے علاوہ خدا پر ایمان انسان کو نور بصیرت اور ایک نیا ادراک بخشتا ہے اور ایک خاص قسم کا نور بصیرت اس کو عطا کرتا ہے اس کی نگاہ کے افق کو مادی محدود زندگی اور عالم مادہ کی چہار

دیواری سے نکال کرایک بہت ہی وسیع عالم میں لے جاتا ہے۔

اس نور کے پرتو میں وہ لوگوں کے درمیان اپنی زندگی کی راہ تلاش کرسکتا ہے اور وہ بہت سے ایسے اشتباہات سے کہ جن میں دوسرے لوگ طمع اور لالچ کی خاطر اور مادی محدود فکر کی وجہ سے یا خودخواہی اور ہواوہوس کے غلبہ کے باعث گرفتار ہوجاتے ہیں مامون و محفوظ رہ جاتا ہے نیز یہ جو اسلامی روایات میں ہے کہ

"المومن ينظر بنور الله"

(مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)

یہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد ایسے زندہ فعال نورانی اور موثر افراد کا ہٹ دھرم بے ایمان افراد کے ساتھ مقابلہ وموازنہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کیا ایسا شخص اس شخص کی مانند ہے کہ جو ظلمتوں اور تاریکیوں کی امواج میں ڈوبا ہوا ہے اور ہرگز اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔

ایسے افراد کی ہستی اور وجود سے حقیقت میں ایک قالب اور ایک مجسمہ کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی ہے وہ ایک ایسا ہیکل رکھتے ہیں کہ جو روح کے بغیر ہے اور ایسا دماغ اور فکر رکھتے ہیں جو بے کار ہو چکی ہے۔

آیت کے آخر میں اس بدبختی کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کفار کے اعمال کو ان کی نظروں میں اسی طرح سے زینت دے دی گئی ہے۔

(۱۲۳) اور چونکہ منفی جہت سے اس ماجرے کا ہیرو ابوجہل تھا اور وہ مشرکین مکہ اور قریش کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا لہٰذا زیرنظر دوسری آیت میں ان گمراہ رہبروں اور کفر وفساد کے زعماء کی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ہم نے ہر شہر اور آبادی میں اسی طرح سے ایسے بڑے بڑے لوگ قرار دیئے ہیں کہ جنہوں نے گناہ کا راستہ اختیار کرلیا اور مکر وفریب اور دھوکا بازی کے ذریعے لوگوں کو راستے سے منحرف کردیا۔

یعنی نافرمانی اور بکثرت گناہوں کا انجام یہ ہوا کہ وہ راہ حق کے رہزن بن گئے اور بندگان خدا کو راہ سے منحرف کردیا۔

آیت کے آخر میں کہا گیا ہے وہ اپنے سوا کسی کو بھی فریب اور دھوکا نہیں دیتے لیکن وہ سمجھتے نہیں ہیں اور متوجہ نہیں ہیں۔

ضمنی طور پر اس آیت سے یہ بھی اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ مفاسد اور بدبختیاں جو معاشروں کو دامن گیر ہوتی ہیں ان کا سرچشمہ قوموں کے بڑے اور سردار ہی ہوتے ہیں اور وہی لوگ ہوتے ہیں جو قسم قسم کے حیلوں اور فریب کاریوں کے ذریعہ راہ حق کو دگرگوں کرکے حق کے چہرے کو لوگوں پر پوشیدہ کردیتے ہیں۔

(۱۲۴) وَ اِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ‌ؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسٰلَتَهٗ‌ ؕ سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيۡدٌ ۢ بِمَا كَانُوۡا يَمۡكُرُوۡنَ	اور جس وقت کوئی آیت ان کے لئے آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ہر گز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی ویسی ہی چیز نہ دی جائے جیسی کہ خدا کے پیغمبروں کو دی گئی ہے۔ خدا ہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔ وہ لوگ کہ جو گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں (اور انہوں نے اپنی حیثیت و مقام کو بچانے کے لئے لوگوں کو راہ حق سے منحرف کیا ہے) وہ بہت جلدی اپنے مکر (فریب اور چالبازی) کے بدلے میں جو وہ کیا کرتے تھے بارگاہ خداوندی میں ذلیل ہوں گے اور عذاب شدید میں گرفتار ہوں گے۔

شان نزول

منقول یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں کہ جو بت پرستوں کے مشہور سرداروں میں سے تھا اور اصطلاح کے مطابق ان کا دماغ سمجھا جاتا تھا نازل ہوئی ہے وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتا تھا کہ اگر نبوت سچی بات ہے تو میں یہ مقام حاصل کرنے کا آپ سے زیادہ حقدار ہوں کیونکہ ایک تو میرا سن آپ سے زیادہ ہے اور دوسرے میرے پاس مال و دولت بھی آپ سے زیادہ ہے۔

تفسیر

پیغمبر کا انتخاب خدا کے ہاتھ میں ہے

اس آیت میں ان باطل گدی نشینوں اور سرداروں اور "اکابر مجرمیھا" کے طرز فکر اور مضحکہ خیز دعوے کی طرف ایک مختصر اور پر معنی اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے جب خدا کی طرف سے کوئی آیت ان کی ہدایت کے لئے بھیجی گئی تو انہوں نے کہا ہم ہر گز ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ ہمیں بھی وہی مقامات اور آیات جو خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کو عطا ہوئی ہیں دی جائیں۔

قرآن انہیں واضح جواب دیتا ہے اور کہتا ہے اس کی ضرورت نہیں کہ تم خدا کو سبق دو کہ وہ اپنے پیغمبروں اور رسولوں کو کس طرح بنائے اور کن لوگوں میں سے ان کا انتخاب کرے کیونکہ خدا سب سے بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔

یہ بات صاف ظاہر اور بالکل واضح ہے کہ رسالت نہ تو سن وسال اور مال و دولت سے کوئی ربط رکھتی ہے اور نہ ہی قبائل کی حیثیت سے بلکہ ہر چیز سے پہلے اس کی شرط روح کی آمادگی ضمیر کی پاکیزگی اصل انسانی خصائل وصفات فکر بلند قوت نظر اور آخری طور پر غیر معمولی تقویٰ و پرہیزگاری کا مرحلہ عصمت میں ہونا ہے اور ان صفات کا موجودہ ہونا خصوصاً مقام عصمت کے لئے آمادگی ایسی چیز

ہے جسے خدا کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا ان شرائط اور ان کی سوچ کے درمیان کس قدر فرق ہے۔

جانشین پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سوائے وحی وتشریع کے نبی کی تمام صفات اور پروگراموں کا حامل ہوتا ہے یعنی وہ محافظ شرع و شریعت بھی ہے اس کے مکتب وقوانین کا پاسدار بھی ہے اور لوگوں کا روحانی اور دنیا کا رہبر بھی ہے لہٰذا اسے بھی مقام عصمت پر فائز اور خطاو گناہ سے مامون ومحفوظ ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنی پیغام رسانی کو بار آور کر سکے اور رہبر مطاع اور قابل اعتماد نمونہ ہو۔ اسی دلیل سے اس کا انتخاب بھی خدا ہی کے اختیار میں ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ اس مقام کو وہ کہاں قرار دے نہ کہ خلق خدا۔ نہ ہی لوگوں کے انتخاب اور شوریٰ سے یہ ہوتا ہے۔

آیت کے آخر میں اس قسم کے مجرموں اور باطل دعوے کرنے والے رہبروں کے اس انجام کا ذکر کیا گیا ہے جو ان کے انتظار میں ہے ارشاد ہوتا ہے عنقریب یہ گنہگار لوگ اس مکر وفریب کی وجہ سے جو وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے کرتے تھے ذلت و حقارت اور عذاب شدید میں گرفتار ہوں گے۔

یہ خودخواہ لوگ چاہتے تھے کہ اپنے غلط کاموں کے ذریعہ اپنی حیثیت مقام اور مرتبے کی حفاظت کریں لیکن خدا انہیں اس طرح حقیر کرے گا کہ وہ دردناک روحانی گرفت کا احساس کریں گے علاوہ ازیں چونکہ راہ باطل میں ان کی ہاؤ ہوزیادہ اور ان کی سعی و کوشش سخت تھی لہٰذا ان کی سزا اور عذاب بھی شدید ہوگا۔

(۱۲۵) فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	جس شخص کے لئے خدا چاہتا ہے کہ ہدایت کرے اس کے سینہ کو (قبول کرنے کے لئے) کشادہ کر دیتا ہے اور جس شخص کو (اس کے برے اعمال کی وجہ سے) گمراہ کرنا چاہئے اس کے سینہ کو اس طرح تنگ کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اس طرح خدا پلیدی ایسے افراد کے لئے قرار دے دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔
(۱۲۶) وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ	اور یہ صراط مستقیم (اور ہمیشہ کی سنت) تیرے پروردگار کی ہے ہم ایسے افراد کے لئے کہ جو پند ونصیحت حاصل کرتے ہیں اپنی آیات کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔

(۱۲۷) لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس امن وامان کا گھر ہوگا اور وہ ان کا ولی، دوست اور مددگار ہے ان (نیک) اعمال کی وجہ سے جو وہ انجام دیتے ہیں۔

تفسیر

خدائی امداد

گذشتہ آیات کہ جو سچے مومنین اور ہٹ دھرم کفار کے بارے میں بحث کررہی تھیں کے بعد ان آیات میں ان عظیم نعمتوں کو جو پہلے گروہ کے لئے ہیں اور وہ بے توفیقیاں جو دوسرے گروہ کے دامن گیر ہوں گی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے جس شخص کو خدا ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ قبول کرنے کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اس طرح تنگ اور محدود کر دیتا ہے کہ گویا وہ چاہتا ہے کہ آسمان کی طرف چڑھ جائے۔

اس امر کی تاکید کے لئے مزید کہا گیا ہے خدا اس طرح سے پلیدی اور جس کو بے ایمان افراد کے لئے قرار دے دیتا ہے اور ان کے سراپا کو نحوست اور سلب توفیق گھیر لے گی۔

> ہم بار ہا بیان کر چکے ہیں کہ خدائی ہدایت اور ضلالت سے مراد ایسے اشخاص کے لئے کہ جنہوں نے حق قبول کرنے کے لئے اپنے اعمال وکردار سے آمادگی یا عدم آمادگی کو ثابت کر دیا ہے ہدایت کی بنیادیں فراہم کرنا یا فراہم شدہ ہدایت کی بنیادوں کو برطرف کرنا ہے۔

شرح صدر کیا ہے؟

آیت میں شرح صدر سینہ کی کشادگی ایک عظیم نعمت اور ضیق صدر (سینہ کی تنگی) ایک خدائی سزا شمار کی گئی ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبر سے ایک عظیم نعمت کا بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

"الم نشرح لک صدرک"

(کیا ہم نے تیرے سینہ کو وسیع اور کشادہ نہیں کیا)

یہ ایک ایسا امر ہے کہ جو افراد کے حالات کا مشاہدہ کرنے سے اچھی طرح معلوم ہوسکتا ہے بعض کی روح تو اس قدر بلند اور کشادہ ہوتی ہے جو ہر حقیقت کو قبول کرنے کیلئے چاہے وہ کتنی بڑی کیوں نہ ہو آمادہ اور تیار ہوتی ہے لیکن اس کے برعکس بعض کی روح اتنی تنگ اور محدود ہوتی ہے جیسے کسی بھی حقیقت کے نفوذ کیلئے اس میں کوئی راہ اور جگہ نہیں ہے ان کی فکری نگاہ کی حد روزمرہ کی زندگی اور کھانے پینے تک ہی محدود ہوتی ہے اگر وہ انہیں مل جائے تو ہر چیز اچھی ہے اور اگر اس میں تھوڑا سا بھی تغیر پیدا ہو جائے تو گویا سب کچھ

ختم ہو گیا ہے اور دنیا خراب ہو گئی ہے۔

جس وقت درج بالا آیت نازل ہوئی پیغمبرؐ سے لوگوں نے پوچھا کہ شرح صدر کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا:

"نور یقذفه الله فی قلب من یشاء فینشرح له صدره و ینفسح"

ایک نور ہے کہ جسے خدا جس شخص کے دل میں چاہے ڈال دے تو اس کے سائے میں اس کی روح وسیع و کشادہ ہو جاتی ہے۔

لوگوں نے پوچھا کہ کیا اس کی کوئی نشانی بھی ہے کہ جس سے اسے پہچانا جائے تو آپؐ نے فرمایا

"نعم الا نابة الی دارالخلود و التجا فی عن دار الغرور و الا ستعداد للموت قبل نزول الموت"

(ہاں! اس کی نشانی ہمیشہ کے گھر کی طرف توجہ کرنا اور دنیا کے رزق و برق سے دامن سمیٹنا اور موت کیلئے آمادہ ہونا ہے ایمان و عمل صالح اور راہ حق میں کوشش کرنے کے ساتھ قبل اس کے کہ موت آ جائے)

(۱۲۶) اس آیت میں گذشتہ بحث کی تاکید کے عنوان سے ہے یہ مطلب کہ خدائی مدد حق طلب لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے اور سلب توفیق دشمنان حق کی تلاش میں جاتی ہے ایک مستقیم و ثابت اور نا قابل تغیر سنت الٰہی ہے۔

آیت کے آخر میں دوبارہ تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہم نے اپنی نشانیوں اور آیات کو ان لوگوں کے لئے جو قبول کرنے والا دل اور سننے والا کان رکھتے ہیں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

(۱۲۷) اس آیت میں خدا اپنی نعمتوں کے ان دو عظیم حصوں کو جو وہ بیدار افراد اور حق طلب لوگوں کو عطا کرتا ہے بیان کرتا ہے پہلی یہ کہ ان کے پروردگار کے پاس ان کے لئے امن و امان کا گھر ہے۔ اور دوسری یہ کہ ان کا ولی و سرپرست اور حافظ و ناصر خدا ہے۔

اور یہ سب کچھ ان نیک اعمال کی وجہ سے ہے جو وہ انجام دیتے تھے۔

اس سے بڑھ کر اور کونسی چیز باعث افتخار ہو گی کہ انسان کی سرپرستی اور کفالت امور خداوند تعالیٰ اپنے ذمہ لے اور وہ اس کا حافظ دوست اور یاور ہو جائے۔

اور کونسی نعمت اس سے عظیم تر ہے کہ "دار السلام"، یعنی امن و امان کا گھر وہ جگہ کہ جس میں نہ جنگ ہے نہ خونریزی نہ نزاع ہے نہ جھگڑا نہ خشونت و سختی ہے نہ مارنے والی اور طاقت صرف کرنے والی رقابتیں نہ مفادات کا تصادم ہے نہ جھوٹ اور افترا نہ تہمت حسد اور کینہ ہے اور نہ غم و اندوہ ایسا گھر جو ہر لحاظ سے راحت و آرام کی جگہ سے انسان کے انتظار میں ہے۔

(۱۲۸) وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ	اور اس دن کہ جس میں ان سب کو جمع اور محشور کرے گا تو ان سے کہے گا کہ اے گروہ شیاطین وجن تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا ہے تو انسانوں میں سے ان کے دوست اور پیروکار کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (گمراہ پیشواؤں اور گمراہ پیروکاروں) میں سے ہر ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا ہے (ہم ہوس آلود اور زود گذر لذات تک پہنچے اور انہوں نے ہم پر حکومت کی) اور جو اجل تو نے ہمارے لئے مقرر کر دی تھی ہم اس تک پہنچ گئے (خدا) کہے گا تمہارے رہنے کی جگہ آگ ہے تم ہمیشہ کے لئے اسی میں رہو گے مگر جو کچھ خدا چاہے تیرا پروردگار حکیم اور دانا ہے۔
(۱۲۸) وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۚ	اور اس طرح سے ہم بعض ظالموں کو بعض (دوسرے ظالموں) کے سپرد کر دیتے ہیں یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو وہ انجام دیتے ہیں۔

تفسیر

ان آیات میں قرآن نئے سرے سے گمراہ اور گمراہ کرنے والے مجرمین کی سرنوشت کی طرف لوٹتا ہے اور گذشتہ آیات کے مباحث کی اس سے تکمیل کرتا ہے۔

انہیں اس دن کی یاد دلاتا ہے کہ جس دن وہ ان شیاطین کے آمنے سامنے کھڑے ہوں گے کہ جن سے انہوں نے الہام لیا ہے اور پیروکاروں اور ان پیشواؤں سے سوال ہوگا۔

قرآن پہلے کہتا ہے: اس دن کہ جس میں ان سب کو جمع ومحشور کرے گا تو ابتدا میں کہے گا کہ اے گمراہ کرنے والے جن و شیاطین تم نے بہت سے افراد انسانی کو گمراہ کیا ہے۔

لفظ "جن" سے مراد یہاں وہی شیاطین ہیں کیونکہ "جن" اصل لغت میں جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں ہر مخفی مخلوق کے معنی میں ہے سورہ کہف کی آیت......۵۰ میں ہم شیاطین کے سردار ابلیس کے بارے میں پڑھیں گے۔

"کان من الجن"

یعنی وہ جنوں میں سے تھا۔

لیکن گمراہ کرنے والے شیاطین کے پاس اس گفتگو کا کوئی جواب نہیں ہے اور وہ خاموش ہو جاتے ہیں لیکن انسانوں میں

سے ان کی پیروی کرنے والے اس طرح کہیں گے کہ پروردگارا! انہوں نے ہم سے فائدہ اٹھایا اور ہم نے ان سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ ہماری اجل آ گئی۔

اس آیت میں ''اجل'' سے زندگی کا اختتام مراد ہے، کیونکہ لفظ ''اجل'' اس معنی میں قرآن کی بہت سی آیات میں استعمال ہوا ہے۔

لیکن خدا ان سب فاسق و مفسد پیشواؤں اور پیروکاروں کو مخاطب کر کے کہتا ہے: تم سب کے رہنے کی جگہ آگ ہے اور تم ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو گے، مگر جو خدا چاہے۔

اور آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: تیرا پروردگار حکیم و دانا ہے۔

اس کی سزا بھی حساب و کتاب کے ماتحت ہے اور اس کی بخشش بھی حساب و کتاب کی رو سے اور وہ ان کے مواقع کو اچھی طرح جانتا ہے۔

(۱۲۹) اس آیت میں اس قسم کے افراد کے بارے میں ایک دائمی قانون الٰہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:
جس طرح تم ستمگر اور طاغی لوگ اس دنیا میں ایک دوسرے کے حامی اور معاون تھے، وہ آپس میں رہبر و رہنما بھی تھے، اور غلط راستوں پر چلنے میں ایک دوسرے کے ہمکار بھی تھے۔''دوسرے جہان میں بھی ہم انہیں ایک دوسرے کے ساتھ چھوڑ دیں گے اور یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے کہ جنہیں وہ اس جہان میں انجام دیتے تھے۔

تعبیر ''بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ'' سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ یہ سیاہ روزی اور بدبختی خود ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے اور یہ ایک سنت الٰہی اور قانون فطرت ہے کہ تاریک راستوں کے راہی بدبختی کے کنویں اور درّے میں گرنے کے سوا اور کوئی انجام و عاقبت نہیں پائیں گے۔

(۱۳۰) يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِىْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ	(اس دن ان سے کہے گا) اے گروہِ جن و انس! کیا تم ہی میں سے (ہمارے بھیجے ہوئے) رسول تمہارے پاس نہیں آئے تھے، جو ہماری آیات تمہارے سامنے بیان کیا کرتے تھے اور اس قسم کے دن کی ملاقات سے تمہیں ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں (ہاں ہم نے برا کیا) اور انہیں دنیا کی (زرق و برق) زندگی نے فریب دیا اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں کہ وہ کافر تھے۔

۱۳۱ ذٰلِکَ اَنۡ لَّمۡ یَکُنۡ رَّبُّکَ مُہۡلِکَ الۡقُرٰی بِظُلۡمٍ وَّ اَہۡلُہَا غٰفِلُوۡنَ	یہ اس بناء پر ہے کہ تیرا پروردگار کبھی بھی شہراور آبادیوں (کے لوگوں) کو ان کے ظلم وستم کی وجہ سے غفلت اور بے خبری کی حالت میں ہلاک نہیں کرتا (بلکہ پہلے کچھ رسولوں کو ان کے پاس بھیجتا ہے)۔
۱۳۲۔وَ لِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا ؕ وَ مَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعۡمَلُوۡنَ	اور (ان دو گروہوں میں سے) ہر ایک کے لئے درجات (اور مراتب) ہیں ہر اس عمل کے بدلے میں جو انہوں نے انجام دیا ہے اور تیرا پروردگار ان اعمال سے جو انہوں نے انجام دیئے ہیں غافل نہیں ہے۔

تفسیر

اتمام حجت

گذشتہ آیات میں شیطان صفت ستم گروں کی قیامت کے دن کی سرنوشت بیان ہوئی ہے اس غرض سے کہیں یہ تصور نہ کر لیا جائے کہ انہوں نے غفلت کی حالت میں یہ کام انجام دیئے ہوں گے اب ان آیات میں واضح کرتا ہے کہ انہیں کافی تنبیہ کی گئی ہے اور اس پر اتمام حجت کی گئی ہے، لہٰذا قیامت کے دن وہ ان سے کہے گا: اے گروہِ جن وانس! کیا تم ہی میں سے رسول تمہارے پاس نہیں آئے تھے، اور ہماری آیات بیان نہیں کی تھیں اور اس قسم کے دن کی ملاقات سے تمہیں ڈرایا نہیں تھا۔

اس کے بعد کہتا ہے کہ قیامت کے دن کچھ بھی چھپایا نہیں جا سکے گا اور اس روز سب چیزوں کی نشانیاں آشکار ہوں گی اور کوئی شخص کسی چیز کو چھپا نہیں سکے گا سب کے سب خدا کی اس پرسش کے سامنے اظہار کرتے ہوئے ''کہیں گے: ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں'' اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایسے رسول آئے تھے اور انہوں نے تیرے پیغامات ہمیں پہنچائے تھے مگر ہم نے ان کی مخالفت کی تھی۔

ہاں! ان کے پاس پروردگار کی طرف سے کافی دلائل موجود تھے اور وہ راہ اور چاہ میں تمیز کرتے تھے ''لیکن دنیا کی پرفریب زندگی اور اس کے وسوسہ انگیز زرق وبرق نے انہیں دھوکا دیا''۔

قرآن دوبارہ تاکید کرتا ہے: وہ صراحت کے ساتھ اپنے ضرر میں اور خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کفر کی راہ پر چلے تھے اور

منکرین حق کی صف میں شامل ہوئے تھے۔

(۱۳۱)اس آیت میں گذشتہ آیت کے اسی مضمون کو دہرایا گیا ہے لیکن ایک قانون کلی اور دوامی سنت الٰہیہ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے کہ ''یہ اس بناء پر کہ تیرا پروردگار کبھی بھی شہراور بستیوں کے لوگوں کو ان کے ظلم وستم کی وجہ سے غفلت کی حالت میں ہلاک نہیں کرتا''، مگر یہ کہ ان کی طرف انبیاء اور رسولوں کو بھیجے اور انہیں ان کے برے اعمال کی طرف متوجہ کرے اور جو کہنے کی باتیں ہیں وہ ان سے کہے۔

لفظ ''بظلم'' اس معنی میں ہوسکتا ہے کہ خدا غافل افراد کو ظلم وستم سے عذاب وسزا نہیں دیتا، کیونکہ انہیں اس حالت میں سزا دینا ظلم وستم ہے اور خداوند تعالیٰ اس سے بالاتر ہے کہ وہ کسی پر ظلم وستم کرے۔

(۱۳۲)ان کے سرانجام کا زیرنظر آخری آیت میں خلاصہ کرتے ہوئے یوں بیان فرمایا گیا ہے: ان گروہوں میں سے ہر ایک، نیکوکار و بدکار، فرمانبردار و قانون شکن، حق طلب وستمگر وہاں پر اپنے اعمال کے مطابق درجات ومراتب کے حامل ہوں گے اور تیرا پروردگار کبھی ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔ بلکہ وہ سب کو جانتا ہے اور وہ ہر شخص کو اس کی لیاقت کے مطابق دے۔

یہ آیت دوبارہ اس حقیقت کو تاکید کے ساتھ بیان کررہی ہے کہ تمام مراتب، درجات اور درکات خود انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں نہ کہ کسی اور چیز کا۔

(۱۳۳) وَ رَبُّکَ الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا یَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّیَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ	اور تیرا پروردگار بے نیاز اور مہربان ہے (لہٰذا وہ کسی کے بارے میں ظلم وستم نہیں کرتا بلکہ یہ اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتتے ہیں) اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور تمہارے بعد تمہاری بجائے جو کچھ چاہے (اور جسے چاہے) تمہارا جانشین بنا دے جیسا کہ تمہیں دوسری اقوام کی نسل سے وجود میں لایا ہے۔
(۱۳۴)اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ	جو کچھ تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ آکر رہے گا اور تم (خدا کو) عاجز وناتواں نہیں کرسکتے۔ (کہ اس کی عدالت کی سزا سے بچ کر بھاگ جاؤ)

(۱۳۵)قُلۡ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ‌ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ‌ۙ مَنۡ تَكُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ‌ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ	کہہ دو اے قوم! جو کام (تم سے ہوسکتا ہے اور) تمہاری قدرت میں ہے کر گزرو۔ میں (بھی اپنے فریضہ پر) عمل کروں گا، لیکن بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے کہ کونسا شخص نیک انجام رکھتا ہے (اور کامیابی کس کے لئے ہے لیکن) یہ بات مسلّم ہے کہ ظالم فلاح ونجات حاصل نہیں کریں گے۔

تفسیر

پہلی آیت درحقیقت اس پر استدلال ہے جو گذشتہ آیات میں پروردگار کے ظلم نہ کرنے کے بارے میں بیان ہوا ہے آیت کہتی ہے: تیرا پروردگار بے نیاز بھی ہے اور رحیم ومہربان بھی ہے۔ اس بناء پر کوئی وجہ نہیں کہ کسی پر چھوٹے سے چھوٹا ظلم بھی روا رکھے کیونکہ ظلم تو وہ کرتا ہے کہ جو یا سخت مزاج اور سنگدل ہو۔

علاوہ ازیں اسے نہ تو تمہاری اطاعت کی ضرورت ہے اور نہ ہی اسے تمہارے گناہوں کا خوف ہے کیونکہ ''اگر وہ چاہے تو سب کو لے جائے اور تمہاری جگہ پر دوسرے لوگوں کو جنہیں وہ چاہے تمہارا جانشین بنادے جیسا کہ اس نے تمہیں ایسے انسانوں کی نسل سے پیدا کیا جو تم سے بہت سی صفات میں مختلف تھے۔

اس بناء پر وہ بے نیاز بھی ہے اور مہربان بھی اور ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے، اس حالت میں اس کے بارے میں ظلم کا تصور ممکن نہیں ہے۔

(۱۳۴) اور اس کی لامتناہی قدرت پر توجہ رکھتے ہوئے یہ بات واضح اور روشن ہے کہ ''اس نے تم سے قیامت کی جزا وسزا کے بارے میں جو وعدہ کیا ہے وہ ہو کے رہے گا اور اس کی تھوڑی سی بھی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

''اور تم ہرگز اس کی حکومت سے باہر نہیں نکل سکتے اور اس کے دست عدالت سے فرار نہیں کرسکتے''۔

(۱۳۵) اس کے بعد پیغمبر کو حکم دیا گیا ہے: انہیں تہدید کرتے اور دھمکی دیتے ہوئے کہو کہ اے قوم! تم سے جو کچھ ہوسکتا ہے وہ کر گزرو، میں بھی وہ کام جس کا خدا نے مجھے حکم دیا ہے انجام دوں گا۔ مگر تمہیں بہت ہی جلد معلوم ہو جائے گا کہ نیک انجام اور آخری کامیابی کسے نصیب ہوتی ہے لیکن یہ مسلّم ہے کہ ظالم وستمگر کامیاب نہیں ہوں گے اور سعادت ونیک بختی کا منہ نہیں دیکھیں گے۔

(۱۳۶)وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ	اور (مشرکین نے) ان چیزوں میں سے جو خدا نے پیدا کی ہیں (یعنی) زراعت اور چوپایوں میں سے کچھ حصہ خدا کے لئے (بھی) قرار دیا ہے اور انہوں نے یہ کہا کہ (ان کے گمان کے مطابق) یہ خدا کا مال ہے اور یہ ہمارے شرکاء (یعنی بتوں) کا مال ہے۔ جو ان کے شرکاء کا مال تھا وہ تو خدا تک نہیں پہنچتا تھا لیکن جو خدا کا مال تھا وہ ان کے شرکاء تک پہنچ جاتا تھا۔ وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

تفسیر

ان کے دماغوں سے بت پرستی کے افکار کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے مشرکین کے بیہودہ عقائد و رسوم اور آداب وعبادات کا ذکر دوبارہ شروع کیا گیا ہے اور بیان رسا کے ذریعے ان کے بیہودہ ہونے کو واضح کیا گیا ہے۔

قرآن پہلے کہتا ہے: کفار مکہ اور تمام مشرکین اپنی زراعت اور چوپایوں میں سے ایک حصہ تو خدا کے لئے اور ایک حصہ اپنے بتوں کے لئے قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ حصہ تو خدا کا ہے اور یہ ہمارے شرکاء یعنی بتوں کا ہے۔

اس کے بعد اس بارے میں ان کے ایک عجیب وغریب فیصلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: وہ حصہ جو انہوں نے اپنے بتوں کے لئے مقرر کیا تھا وہ تو ہرگز خدا کو نہیں مل سکتا (اور خدا کے نام پر کسی کو نہیں دیا جا سکتا تھا) لیکن وہ حصہ جو انہوں نے خدا کے لئے قرار دیا تھا وہ بتوں کو پہنچ جاتا تھا۔

جب کسی حادثہ کی وجہ سے زراعت کا چوپایوں میں سے مقرر کئے ہوئے خدا کے سہم کا کچھ حصہ خراب ہو جاتا تھا اور نابود ہو جاتا تھا تو وہ کہتے تھے یہ کوئی اہم بات نہیں ہے خدا بے نیاز ہے لیکن اگر بتوں کے حصہ میں سے کچھ ضائع ہو جاتا تو سہمِ خدا کو اس کی جگہ قرار دے لیتے تھے اور کہتے تھے کہ بتوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہے۔

اسی طرح اگر اس کھیت کا پانی جو خدا کے حصہ میں تھا بتوں والے حصہ میں چلا جاتا تھا تو کہتے تھے کہ کوئی حرج نہیں ہے، خدا بے نیاز ہے لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو جاتا تو اس کو روک دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بتوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہے۔

آیت کے آخر میں خدا تعالیٰ ایک مختصر سے جملے کے ذریعے اس بیہودہ عقیدے کو جرم قرار دے کر اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے اور کہتا ہے یہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر قبیح اور زیادہ سنگین اور کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ انسان پتھر یا لکڑی کے ایک بے قدر و قیمت ٹکڑے کو عالم ہستی کے خالق و مالک سے بلند تر خیال کرے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی انحطاطِ فکری کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

(۱۳۷)وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ	اور اسی طرح ان کے شرکاء (یعنی بتوں) نے ان کی اولاد کے قتل کو ان کی نظروں میں پسندیدہ کر رکھا تھا (وہ اپنے بچوں کو بتوں پر قربان کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے) اور اس کام کا انجام یہ ہوا کہ بتوں نے انہیں ہلاکت میں ڈال دیا اور ان کے دین کو دگرگوں کر دیا اور اگر خدا (جبراً) چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے (کیونکہ خدا جبراً ایسا کرنے سے روک سکتا تھا لیکن جبر کا کوئی فائدہ نہیں ہے) اس بناء پر انہیں اور ان کی تہمتوں کو بھی چھوڑ دو (اور ان کے اعمال کی پرواہ نہ کرو)۔

تفسیر

قرآن اس آیت میں بت پرستوں کی ایک اور بدکاری اور ان کے شرمناک جرم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: جس طرح خدا اور بتوں کے بارے میں ان کی تقسیم ان کی نظروں میں جچتی تھی اور اس برے، بیہودہ اور مضحکہ خیز عمل کو پسندیدہ خیال کرتے تھے، اسی طرح ان کے شرکاء نے اولاد کے قتل کو بہت سے بت پرستوں کی نگاہ میں پسندیدہ بنا رکھا تھا یہاں تک کہ وہ اپنے بچوں کو قتل کرنا ایک قسم کا افتخار یا عبادت شمار کرتے تھے۔

یہاں "شرکائھم" سے مراد بت ہیں کہ جن کی خاطر وہ بعض اوقات اپنے بیٹوں کو بھی قربان کر دیتے تھے یا نذر کرتے تھے کہ اگر انہیں بیٹا نصیب ہوگا تو اسے بت کے لئے قربان کریں گے۔ جیسا کہ قدیم بت پرستوں کی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے اور اس بناء پر بتوں کی طرف "زینت دینے" کی نسبت اس سبب سے ہے کیونکہ بتوں کے ساتھ تعلق اور عشق انہیں اس مجرمانہ عمل پر آمادہ کرتا تھا۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے: اس قسم کے قبیح اور بد اعمال کا نتیجہ یہ تھا کہ بت اور بتوں کے خدام، مشرکین کو ہلاکت میں ڈال دیں، اور دین و آئین حق کو ان پر مشتبہ کر دیں اور انہیں ایک پاک و پاکیزہ دین تک پہنچنے سے محروم کر دیں۔

قرآن کہتا ہے: ان تمام باتوں کے باوجود اگر خدا چاہتا تو جبراً انہیں اس کام سے روک دیتا، مگر جبر کرنا سنتِ الٰہی کے برخلاف ہے، خدا چاہتا ہے کہ بندے آزاد رہیں، تاکہ تربیت اور تکامل و ارتقاء کی راہ ہموار ہو۔ کیونکہ جبر میں نہ تربیت ہے اور نہ تکامل و ارتقاء۔

(۱۳۸) وَ قَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا یَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا یَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا افْتِرَآءً عَلَیْهِ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ بِمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ	اور انہوں نے کہا کہ چوپاؤں اور زراعت کا یہ حصہ (جو بتوں کے ساتھ مخصوص ہے یہ سب کے لئے) ممنوع ہے اور سوائے ان لوگوں کے جنہیں ہم چاہیں۔ان کے گمان کے مطابق، اس سے کسی کو نہیں کھانا چاہئے اور (وہ یہ کہتے تھے کہ یہ) ایسے چوپائے ہیں کہ جن پر سوار ہونا حرام قرار دے دیا گیا ہے اور وہ چوپائے جن پر خدا کا نام نہیں لیتے تھے اور خدا پر جھوٹ بولتے تھے (اور یہ کہتے تھے کہ یہ احکام خدا کی طرف سے ہیں) عنقریب ان کے افتراء کی سزا انہیں دے گا۔
(۱۳۹) وَ قَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ	اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ ان حیوانات کے شکم میں (جنین اور بچے میں سے) موجود ہے وہ تو ہمارے مردوں کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ ہماری بیویوں پر حرام ہے لیکن اگر وہ مردہ ہو (یعنی مردہ پیدا ہو) تو پھر سب اس میں شریک ہیں اور عنقریب خدا) اس توصیف (اور جھوٹے احکام) کی سزا انہیں دے گا، وہ حکیم ودانا ہے۔

تفسیر

اس آیت اور اسکے بعد والی چند آیات میں بت پرستوں کے بے ہودہ احکام کے کچھ حصوں کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ جو ان کی کوتاہ فکری کی حکایت وترجمانی کرتے ہیں اور گذشتہ آیات کی بحث کی تکمیل کرتے ہیں۔

قرآن پہلے کہتا ہے کہ بت پرست کہتے تھے کہ چوپاؤں اور زراعت کا یہ حصہ جو بتوں کے ساتھ مخصوص ہے اور خاص انہیں کا حصہ ہے کلی طور پر سب کے لئے ممنوع ہے، سوائے ان لوگوں کے جن کو ہم چاہیں۔ان کے خیال کے مطابق صرف اسی گروہ کے لئے حلال تھا دوسروں کے لئے نہیں۔

ان کی اس سے مراد وہی بت اور بت خانہ کے متولی اور خدام تھے، صرف وہ یہی گروہ تھا کہ جو ان کے خیال کے مطابق بتوں کے حصے میں سے کھانے کا حق رکھتے تھے۔

اس کے بعد دوسری چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جسے انہوں نے حرام کر رکھا تھا اور فرمایا گیا ہے: وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے

کہ کچھ جانور ایسے ہیں کہ جن پر سوار ہونا حرام ہے۔

اسکے بعد ان کے ناروا احکام کے تیسرے حصہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: کچھ جانوروں پر خدا کا نام نہیں لیتے تھے۔

یہ جملہ ہوسکتا ہے ایسے جانوروں کی طرف اشارہ ہو جن کو ذبح کرتے وقت صرف بت کا نام لیتے تھے یا اس سے مراد وہ جانور ہوں کہ جن پر حج کے لئے سوار ہونا انہوں نے حرام کر دیا تھا۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ ان بیہودہ احکام پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ خدا پر افتراء باندھتے تھے اور ان کی خدا کی طرف نسبت دیتے تھے۔

آیت کے آخر میں ان بناوٹی احکام کے ذکر میں قرآن کہتا ہے: خدا عنقریب ان افترأت کے بدلے میں انہیں سزا اور عذاب دے گا۔

(۱۳۹) اس آیت میں ان کے ایک اور بیہودہ حکم کی طرف جو جانوروں کے گوشت کے بارے میں ہے ارشاد کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: انہوں نے کہا کہ وہ جنین (اور بچے) جو ان جانوروں کے شکم میں ہیں وہ ہمارے مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور ہماری بیویوں پر حرام ہیں البتہ اگر وہ مردہ پیدا ہوں تو پھر سب اس میں شریک ہیں۔

قرآن اس جاہلانہ حکم کا ذکر کرنے کے بعد مطلب کو اس جملہ کے ساتھ ختم کرتا ہے: عنقریب خدا انہیں ان کی اس قسم کی توصیفات کی سزا دے گا۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: وہ حکیم اور دانا ہے۔

ان کے اعمال و گفتار اور ناروا تہمتوں سے بھی باخبر ہے، اور حساب ہی کے ساتھ انہیں سزا بھی دے گا۔

(۱۴۰) قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًاۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّ حَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ‌ؕ قَدۡ ضَلُّوۡا وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ	یقیناً جنہوں نے اپنی اولاد کو حماقت و نادانی کی بناء پر قتل کر دیا انہوں نے نقصان اٹھایا ہے، اور جو خدا نے انہیں رزق دے رکھا تھا اسے اپنے اوپر حرام دے لیا اور خدا پر انہوں نے افتراء باندھا ہے وہ گمراہ ہو گئے ہیں اور (وہ ہرگز) ہدایت نہیں پائیں گے۔

تفسیر

گذشتہ چند آیات میں زمانہ جاہلیت کے عربوں کے فضول احکام اور قبیح اور شرم ناک رسوم سے متعلق گفتگو تھی۔

اس آیت میں بڑی سختی کے ساتھ ان تمام اعمال و احکام کو جرم قرار دیتے ہوئے سات مختلف تعبیروں کے ساتھ جو مختصر جملوں میں ہیں لیکن وہ بہت ہی رسا اور جاذب توجہ ہیں، ان کی وضع و کیفیت کو واضح و روشن کیا گیا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے؛ وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنی اولاد کو حماقت، بے وقوفی اور جہالت کی بناء پر قتل کیا ہے، انہوں نے نقصان اور خسارہ اٹھایا ہے وہ انسانی اور اخلاقی نظر سے بھی اور احساس کی نظر سے بھی اور اجتماعی و معاشرتی لحاظ سے بھی خسارے اور نقصان میں گرفتار ہوئے ہیں اور سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر انہوں نے دوسرے جہاں میں روحانی نقصان اٹھایا ہے۔

ان تینوں تعبیرات میں سے ہر ایک تنہا ان کے عمل کی برائی کے تعارف کے لئے کافی ہے۔کونسی عقل اجازت دیتی ہے کہ انسان اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے قتل کردے۔

کونسا علم ودانش اس بات کی اجازات دیتا ہے کہ انسان ایسا عمل ایک سنت کے طور پر یا اپنے معاشرے میں ایک قانون کے طور پر قبول کرے۔

یہ وہ مقام ہے کہ جہاں ہمیں ابنِ عباس کی گفتگو یاد آرہی ہے کہ جو کہا کرتے تھے:

''جو شخص زمانہ جاہلیت کی قوموں کی پسماندگی کی میزان کو جاننا چاہے تو وہ سورۂ انعام کی آیات یعنی (فوق النکر) کو پڑھے''

اس کے بعد قرآن کہتا ہے: انہوں نے اس چیز کو جو خدا نے انہیں روزی کے طور پر دی ہوئی تھی اور ان کے لئے اسے مباح قرار دیا تھا، اپنے اوپر حرام قرار دے لیا اور خدا پر انہوں نے یہ افتراء باندھا کہ خدا نے انہیں حرام کیا ہے (وحرموا مارزقھم اللہ افتراء علی اللہ)

اس جملہ میں دو اور تعبیروں کے ذریعے ان کے اعمال کو جرم قرار دیا گیا ہے کیونکہ اول تو انہوں نے اس نعمت کو جو خدا نے انہیں بطور روزی دے رکھی تھی یہاں تک کہ وہ ان کی حیات کی بقا اور زندگی کے لئے برقرار رہنے کے لئے بھی ضروری تھی، اسے اپنے اوپر حرام کر لیا اور خدا کے قانون کو پاؤں تلے روند ڈالا اور دوسرے خدا پر افتراء باندھا کہ اس نے یہ حکم دیا ہے، حالانکہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں تھا۔

آیت کے آخر میں دو اور تعبیرات کے ذریعے انہیں مجرم قرار دیا گیا ہے پہلے کہا گیا ہے: وہ یقیناً گمراہ ہوگئے۔

اس کے بعد مزید کہا گیا ہے: وہ کبھی بھی راہِ ہدایت پر نہیں تھے۔

(۱۴۱)وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ٘ وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۙ	(وہ خدا) وہ ہے کہ جس نے معروش باغات اور غیر معروش باغ پیدا کئے،اسی طرح سے کھجور کے نخلستان اور طرح طرح کی کھیتیاں پیدا کیں جو میوہ اور مزے کے لحاظ سے آپس میں مختلف ہیں (نیز) زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے جو ایک جہت سے باہم مشابہ ہیں اور دوسری جہت سے مختلف ہیں ان کے میووں کو جب ان میں پھل آئیں کھاؤ اور ان کا حق محصول لینے کے وقت ادا کر دو، اسراف نہ کرو کیونکہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

تفسیر

توحید کا ایک عظیم درس

اس آیت شریفہ میں چند امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک دراصل دوسرے کا نتیجہ ہے۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے:۔اللہ وہی ذات ہے جس نے انواع واقسام کے باغات، کھیتیاں اور طرح طرح کے درخت پیدا کئے جن میں سے بعض لکڑی کے مچانوں پر پھیلتے ہیں اور اپنے دلاویز منظر سے نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور اپنے لذیذ وبابرکت میووں سے انسان کو شیریں کام کرتے ہیں۔ بعض درخت ایسے ہیں جنہیں مچان باندھنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر انسانوں کے سر پر اپنا سایہ بھی ڈالتے ہیں اور اپنے طرح طرح کے میووں سے انسانوں کی خدمت کرتے ہیں۔

بعدازاں دو طرح کے باغات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: کہ اس طرح کھجور کے درخت اور کھیتیاں پیدا کیں۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوا: یہ درخت میوہ اور ذائقہ کے لحاظ سے آپس میں مختلف ہیں۔یعنی باوجود اس کے کہ یہ ایک ہی زمین سے اگتے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک الگ الگ مزہ، خوشبو اور خاصیت کا حامل ہے جو دوسرے درختوں میں نہیں پائے جاتے۔ ”اکل“ (باضم الف، وسکون یاضم کاف) اس چیز کو کہتے ہیں جو کھائی جائے (اس کی اصل ”اکل“ ہے جس کے معنی کھانے کے ہیں)

اس کے بعد دوسرے دو قسم کے میووں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو غیر معمولی مفید اور حیات بخش ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: اسی طرح سے زیتون اور انار ہیں۔

ان دو کا انتخاب بظاہر اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ دو درخت اگرچہ ظاہری نظر میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں لیکن میوہ

اور غذائی خاصیت کی رو سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔لہٰذا بغیر کسی وقفے کے ارشاد ہوتا ہے:۔یہ دونوں ایک دوسرے سے مشابہ بھی ہیں اور غیر مشابہ بھی۔(اس بارے میں اس سورۃ کی آیت ۹۹ کے ذیل میں جلد۳ میں ایک توضیح گزر چکی ہے، ملاحظہ کیجئے)

ان تمام طرح طرح کی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد پروردگارِ عالم فرماتا ہے:۔جب ان کے میوے تیار ہو جائیں تو ان میں سے تناول کرو لیکن بھولنا نہیں کہ میوہ چنتے وقت ان کے حق کو ادا کر دینا۔

آخر میں خدا تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے: اور اسراف نہ کرنا کیونکہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

(۱۴۲)وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ	(یہ خدا وہ ہے کہ جس نے) چوپایوں میں سے تمہارے لئے بوجھ اٹھانے والے حیوانات اور چھوٹے حیوانات پیدا کئے۔اس نے تمہیں جو روزی عطا کی ہے اس سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔
(۱۴۳)ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ	آٹھ جوڑے چوپایوں میں سے (تمہارے لئے پیدا کیے) بھیڑ کے دو جوڑے اور بکری کے دو جوڑے، کہو کہ اللہ نے ان کے نر کو حرام کیا یا مادہ کو؟ یا اسے جو مادہ کے رحم میں ہے ،اگر تم سچ کہتے ہو (اور ان کی حرمت پر کوئی دلیل تمہارے پاس ہے) تو مجھے بتاؤ۔
(۱۴۴)وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ	اور اونٹ کے دو جاڑے اور گائے کے بھی دو جوڑے (تمہارے لئے پیدا کیے) کہو کہ اللہ نے ان میں کیا حرام کیا ہے؟ نر کو یا مادہ کو؟ یا اسے جو ان کے رحم میں ہے اور کیا تم (اس تحریم کے) گواہ تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا۔بنابریں کون شخص اس سے زیادہ ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے ،تاکہ لوگوں کو از روئے جہل گمراہ کرے؟

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ	اللہ کبھی بھی ستم کرنے والوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر

اس آیت اور بعد والی دو آیات میں حلال گوشت حیوانات اور ان کی خدمات کا تذکرہ ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: اللہ وہ ہستی ہے جس نے چوپایوں میں سے تمہارے لئے بڑے حیوانات اور بوجھ اٹھانے والے اور چھوٹے حیوانات پیدا کئے۔

''فرش'' کے وہی معنی ہیں جو معروف ومشہور ہے لیکن اس مقام پر بھیڑ اور اسی طرح کے چھوٹے جانوروں سے اس کی تفسیر کی گئی ہے۔

بعدازاں یہ نتیجہ نکالا گیا۔اب جبکہ یہ سب چیزیں خدا کی مخلوق ہیں اور ان کا حکم اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو وہ تم کو یہ فرمان دیتا ہے کہ جو روزی اس نے تمہیں دی ہے اس میں سے کھاؤ۔

اس امر کی مزید تائید کے لئے اور مشرکوں کے خرافاتی احکام کی رد کے لئے ارشاد ہوتا ہے: شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ایسا دشمن جس نے آدمی کی خلقت اول ہی کے وقت سے اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔

(۱۴۳) اس آیت میں توضیح کے طور پر بعض حلال گوشت حیوانات ،اور بعض وہ حیوانات کہ جو بار بردار بھی ہیں اور انسان کے لئے غذا کے طور پر بھی قابل استفادہ ہیں کی شرح کرتے ہوئے فرمایا: خداوندِ کریم نے چوپایوں کے آٹھ جوڑے تمہارے لئے پیدا کئے۔بھیڑ اور مینڈھے کا ایک جوڑا (نر اور مادہ اور بکری کا ایک جوڑا (نر اور مادہ)۔

ان چار جوڑوں کے تذکرے کے بعد بلا فاصلہ پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے ان (کافروں) سے صاف صاف پوچھو کہ: آیا خدا نے ان کے نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو۔

یا وہ حیوان جو بھیڑوں یا بکریوں کے پیٹ میں ہیں۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: اگر تم سچ کہتے ہو،اور ان حیوانات کی تحریم پر ازروئے علم ودانش کوئی دلیل رکھتے ہو تو مجھے بتلا دو۔

(۱۴۴) اس آیت میں ایک اور جوڑے کا ذکر فرمایا ہے: اونٹ کا جوڑا (نر اور مادہ) اور گائے کا بھی جوڑا (نر اور مادہ) ہم نے پیدا کئے ہیں، بتاؤ اس میں سے کسے حرام قرار دیا ہے،نروں کو یا موداؤں کو، یا ان حیوانوں کو جو اونٹوں اور گایوں کے شکم میں ہیں؟

چونکہ ان حیوانات کے حلال یا حرام ہونے کا حکم صرف اس خدا کے ہاتھ میں ہے جو ان کا اور انسانوں کا بلکہ تمام نظامِ ہستی کا پیدا کرنے والا ہے۔

اس سے قبل کی آیت میں اس بات کی تصریح کی گئی تھی کہ مشرکین کے پاس ان حیوانات کے حرام ہونے کی کوئی علمی یا عقلی دلیل نہیں ہے اور چونکہ وہ دعوائے نبوت ووحی بھی نہیں کرتے تھے بنابریں صرف یہ احتمال باقی رہ جاتا ہے کہ جب پیغمبر ﷺ نے یہ

فرمان دیا تھا کہ اس وقت حاضر وگواہ ہوں اس لئے ارشاد ہوتا ہے: آیا جب اللہ نے اس بات کا حکم دیا تھا اس وقت کہ تم گواہ ہو۔

چونکہ اس سوال کا جواب بھی نفی میں ہے اس لئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے پاس سوائے تہمت اور افتراء کے کوئی سرمایا نہ تھا۔

اس لئے آیت کے آخر میں اضافہ فرماتا ہے: اس شخص سے بڑھ کر کون ستم گار ہے جو خدا کی طرف جھوٹی بات کی نسبت دے تا کہ لوگوں کو از روئے جہل گمراہ کرے اور یہ بات مسلّم ہے کہ خدا ستم گاروں کو ہدایت نہیں کرے گا۔

مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھنا بزرگ ترین گناہوں میں سے ایک ہے، مقام مقدس الٰہی پر ظلم، بندگانِ خدا پر ظلم، اپنی ذات پر ظلم۔

(۱۴۵) قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُہٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ مَیۡتَۃً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِیۡرٍ فَاِنَّہٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ	کہیے۔ مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں کسی غذا کھانے والے کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ چیز مردار ہو یا خون ہو جو (حیوان یا انسان کے بدن سے) باہر نکلے، یا سور کا گوشت ہو کہ یہ سب چیزیں گندی ہیں، یا وہ حیوان جن پر بطورِ گناہ سر جدا کرتے وقت غیر خدا (بتوں) کا نام لیا گیا ہو، لیکن وہ لوگ جن کا مقصد لذت نہ ہو اور نہ وہ حد سے تجاوز چاہتے ہوں مجبور ہو کر کچھ کھا لیں تو (ان پر کوئی گناہ نہیں ہے) تیرا پروردگار بخشنے والا اور مہربان ہے۔

تفسیر

بعض حرام جانوروں کا ذکر

بعد ازیں خداوند کریم محرماتِ الٰہی کو ان بدعتوں سے الگ کرنے کے لئے جنہیں مشرکوں نے حقیقی قانون میں داخل کر دیا تھا اس آیت میں اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ ان لوگوں سے صاف طور سے کہہ دیجئے، مجھ پر جو وحی ہوئی ہے اس میں کسی شخص (وہ عورت ہو یا مرد، چھوٹا ہو یا بڑا) کے لئے مجھے تو کوئی غذا حرام قرار دی ہوئی نہیں ملتی۔

سوائے چند چیزوں کے، پہلی یہ کہ وہ مردار ہو۔

یا وہ خون ہو جو کسی جاندار کے بدن سے نکلے۔ اس سے وہ خون خارج ہے جو حیوان کی رگوں کو کاٹنے کے بعد، اور خون کی بڑی تعداد بہہ جانے کے بعد گوشت کی اندر کی باریک رگوں میں رہ جاتا ہے۔

یا سور کا گوشت۔

کیونکہ یہ سب نجاست اور گندگی ہے" اور انسان کی صحیح سالم طبیعت کو ناپسند ہے۔ طرح طرح کی آلائشوں کا سرچشمہ ہے اور

مختلف طرح کے نقصانات کا سبب ہے۔

اس کے بعد نجاست کی چوتھی قسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: یا وہ حیوان جن پر ذبح وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح اسلامی کے شرائط دو طرح کے ہیں۔ بعض میں مثلاً کہا گیا ہے کہ چاروں رگیں کاٹی جائیں اور حیوان کا خون بہایا جائے۔ ایسے احکام میں حفظانِ صحت کا پہلو مضمر ہے اور بعض احکام میں مثلاً قبلہ رو ہونا، بسم اللہ کہنا اور ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا یہ سب معنوی حیثیت کے حامل ہیں۔

آیت کے آخر میں ان لوگوں کے لئے حرمت سے استثناء ہوا ہے جو ناچار و مجبور ہو جائیں اور کوئی ایسی غذا ان کو نہ مل سکے جس سے ان کی جان بچے تو ایسی صورت میں وہ ان گوشتوں کو (بقدرِ ضرورت) اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں ارشاد ہوتا ہے: وہ لوگ جو بالکل مجبور ہو جائیں ان پر کوئی گناہ نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ صرف حفظ جان کے لئے کے لئے ہو لذت کے لئے نہ ہو، اسے حلال سمجھتے ہوئے نہ ہو اور نہ ضرورت سے زیادہ کھائیں۔ ان حالات میں خدائے غفور و رحیم ایسے افراد کو معاف کر دے گا۔

درحقیقت یہ دو شرطیں (حالتِ اضطرار کا ہونا اور حد سے تجاوز نہ کرنا) اس لئے ہیں کہ بعض افراد اضطرار کو قوانین الٰہی کے توڑنے کی سند نہ سمجھ بیٹھیں اور ضرورت کو بہانہ بنا کر حکمِ خدا کے دائرے سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں۔

(۱۴۶) وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ	اور ہم نے یہودیوں پر ہر ناخن دار (حیوان جس کے کھر بغیر شگاف کے ہوتے ہیں) کو حرام کیا، اور گائے، بھیڑ میں سے ان کی چکتی اور چربی کو حرام کیا، سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھ پر، یا آنتوں کی تہوں میں اور دونوں پہلوؤں میں ہو یا وہ چربی جو ہڈیوں میں ملی ہوئی ہو، یہ حکم بطورِ سزا کے اس ظلم و ستم کی وجہ سے تھا جو وہ کیا کرتے تھے اور ہم سچ کہتے ہیں۔
(۱۴۷) فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ لَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ	اگر یہ تیری تکذیب کریں (اور ان حقائق کو نہ مانیں) تو ان سے کہہ دو کہ تمہارا پروردگار بڑی رحمت والا ہے لیکن اس کے باوجود مجرموں سے اس کی سزا دور ہونے والی نہیں۔

تفسیر

وہ چیزیں جو یہودیوں پر حرام ہوئیں

اس آیت میں یہودیوں پر جو چیزیں حرام تھیں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ بت

پرستوں کے مہمل وخرافاتی احکام نہ تو آئین اسلام سے ہم آہنگ ہیں، نہ آئین یہود سے (اور نہ ہی آئین مسیح علیہ السلام سے جس میں عموماً آئین یہود کی پیروی کی گئی ہے)۔

لہٰذا پہلے ارشاد ہوتا ہے: یہودیوں پر ہم نے ناخن دار ہر جانور حرام کیا۔

اس بناء پر مندرجہ بالا آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام حیوانات جن کے سم بیچ سے شگافتہ نہیں ہیں یا وہ ناخن والے ہیں چاہے وہ چوپائے ہوں یا پرندے، یہودیوں پر حرام کردیئے گئے تھے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: گائے بھیڑ کے جسم پر موجود چربی کو ہم نے ان پر حرام کر دیا تھا۔

اسی کے ذیل میں تین چیزوں کا استثناء فرماتا ہے: پہلے وہ چربی جو ان کی پشت پر ہوتی ہے۔

دوسرے وہ چربی جو پہلوؤں میں اور آنتوں کی تہوں میں پائی جاتی ہے۔

تیسرے وہ چربی جو ہڈیوں میں لتھڑی ہوتی ہے۔

لیکن آیت کے آخر میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ چیزیں یہودیوں پر حقیقت میں حرام نہ تھیں لیکن چونکہ وہ ظلم وستم کرتے تھے اس لئے بحکمِ خدا وہ اس طرح کے گوشت اور چربی سے محروم کر دیے گئے جسے وہ پسند کرتے تھے۔

تاکید کے لئے اضافہ فرماتا ہے: یہ ایک حقیقت ہے اور ہم سچ کہتے ہیں۔

(۱۴۷) چونکہ یہودیوں اور مشرکین کی ہٹ دھرمی نمایاں تھی اور اس بات کا امکان تھا کہ وہ اپنی بات پر اڑے رہیں گے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کریں گے لہٰذا زیرِ نظر دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے: اگر یہ تم کو جھٹلائیں تو ان سے کہہ دو کہ تمہارا پروردگار وسیع رحمت رکھتا ہے اور تم کو جلدی سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے کہ شاید تم اپنی غلطیوں سے پلٹ جاؤ اور اپنے کئے پر پشیمان ہو جاؤ اور خدا کی طرف پلٹ آؤ۔

لیکن اگر خدا کی دی گئی مہلت سے پھر بھی ناجائز فائدہ اٹھاؤ اور اپنی ناروا تہمتوں پر باقی رہو تو جان لو کہ خدا تمہیں کیفرِ قردار تک ضرور پہنچائے گا کیونکہ اس کی سزائیں اور مجازات مجرموں کے گروہوں سے دور ہونے والی نہیں۔

یہ آیت بخوبی تعلیمات قرآنی کی عظمت کو واضح کرتی ہے کہ یہودیوں اور مشرکوں کی اتنی نافرمانیوں کی وضاحت کرنے کے بعد بھی خدا تعالیٰ انہیں فوراً اپنے عذاب کی تحدید نہیں کرتا بلکہ پہلے اپنی پرمحبت تعبیروں سے، جیسے ''ربکم'' (تمہارا پروردگار)''ذو رحمة واسعة'' (وسیع رحمت والا) ان کے لئے لوٹ آنے کے راستے کھولتا ہے تاکہ اگر ذرا بھی ان میں پشیمان ہونے کی گنجائش ہے تو ان کی تشویق ہو جائے اور وہ حق کی طرف پلٹ آئیں، ساتھ ہی انہیں اپنے قطعی عذاب سے ڈراتا بھی ہے تاکہ اللہ کی ناپید کنار رحمت ان کی جسارت وسرکشی کا باعث نہ بن جائے۔

(۱۴۸)سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ	عنقریب مشرک لوگ (اپنی برأت کے لئے) یہ کہیں گے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم مشرک ہوتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام کرتے۔ان سے قبل جو لوگ تھے وہ بھی اسی طرح کے جھوٹ بولتے تھے اور بالآخر انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ان سے کہئے اس بارے میں تم کوئی یقینی دلیل رکھتے ہو؟ اگر ہو تو ہمیں بھی دکھلاؤ۔تم فقط بے بنیاد خیالات کی پیروی کرتے ہو اور بے جا اندازے قائم کرتے ہو۔
(۱۴۹)قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ	کہئے، کہ خدا کے لئے (دعوے کو) ثابت کرنے والی (یقینی) دلیل ہے اگر وہ چاہے تم سب کو (اجباری طور پر) ہدایت کردے۔
(۱۵۰)قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ هُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۧ	کہہ دو کہ تم اپنے گواہوں کو جو اس بات کی گواہی دے سکیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے، لے آؤ، اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو تم ان کے ساتھ (ہم آواز نہ ہونا)۔ گواہی نہ دینا، اور ان لوگوں کی ہوا و ہوس کی پیروی نہ کرنا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

تفسیر

جبر کا بہانہ کر کے ذمہ داری سے فرار

گذشتہ آیات میں مشرکوں کی جو باتیں ذکر ہوئیں ان کے ذیل میں ان کے کمزور استدلالوں اور ان کے جوابات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ابتدا میں فرماتا ہے: شرک اور رزق حلال کی حرمت کے بارے میں تم نے جو مشرکوں پر اعتراضات کئے ان کے جواب میں عنقریب وہ ہم سے کہیں گے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم بت پرست ہوتے نہ ہمارے آباء اجداد اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔پس جو

جو کچھ ہم کہتے ہیں یا کرتے ہیں وہ سب خدا کی مرضی سے ہے اور وہ یہی چاہتا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرک افراد بہت سے دیگر گناہگاروں کی طرح مسئلہ جبر کے سہارے اپنی ذمہ داریوں سے فرار چاہتے ہیں اور اپنی نافرمانیوں کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

یہ دراصل جبر کے معتقد تھے اور کہتے تھے: ہم جو بھی کام کرتے ہیں وہ اللہ کی مرضی سے اور اسی کے ارادہ کے مطابق ہے۔ وہ اگر نہ چاہتا تو یہ اعمال ہم سے سرزد نہ ہوتے۔ دراصل یہ کہہ کر چاہتے تھے کہ اپنے آپ کو ان تمام گناہوں سے بری کر دیں۔

لیکن قرآن کریم نے ان کے جواب میں قاطعانہ بحث کی ہے پہلے وہ کہتا ہے اکیلے یہ نہیں ہیں جو اس طرح کی جھوٹی باتیں خدا پر باندھتے ہیں بلکہ گذشتہ قوموں میں سے اور لوگ بھی ایسی ہی جھوٹی باتوں کے قائل تھے لیکن ان کا نتیجہ کیا ہوا؟ وہ بھی آخر کار اپنی بدکرداریوں کے نتائج میں گرفتار ہوئے اور انہوں نے ہماری سزا کا مزہ چکھا۔

وہ درحقیقت اپنے ان اقوال سے جھوٹ بھی بولتے تھے اور انبیاء کی تکذیب بھی کرتے تھے۔ اگر خدا ان پر راضی ہوتا تو کس لئے اپنے پیغمبروں کو توحید کی دعوت کے لئے بھیجتا۔ دراصل دعوتِ انبیاء خود اس بات کی ایک اہم ترین دلیل ہے کہ انسان اپنے ارادہ میں آزاد اور خود مختار ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے: ان سے کہو آیا واقعی کوئی قطعی اور مسلّم دلیل تمہارے پاس اس دعویٰ کی ہے؟ اگر ہے تو اسے پیش کیوں نہیں کرتے۔

آخر میں مزید فرماتا ہے: تم یقینی طور پر کوئی دلیل اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے نہیں رکھتے صرف اپنے خام خیالات کی پیروی کرتے ہو۔

(۱۴۹) اس آیت میں مشرکوں کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے ایک اور دلیل کا ذکر فرماتا ہے: کہو: خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے بھی اور عقل بشری کے ذریعے بھی توحید اور اپنی یکتائی پر اسی طرح حلال و حرام کے احکام کے بارے میں صحیح اور روشن دلیلیں بیان کی ہیں اور یہ دلیلیں اس طرح کی ہیں کہ ان کے بعد کسی کو عذر کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

بناء بریں وہ یہ دعویٰ ہرگز نہیں کر سکتے کہ خدا نے اپنے سکوت سے ان کے ناروا عقائد و اعمال پر مہر ثبت کر دی ہے نہ ہی وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے اعمال میں مجبور ہیں کیونکہ اگر مجبور ہوتے تو دلیل قائم کرنا، پیغمبروں کا بھیجنا اور ان کی دعوتیں اور تبلیغات یہ سب بیکار ہو جاتی ہیں۔ دلیل کا قائم کرنا خود آزادیٔ ارادہ کی دلیل ہے۔

آخر آیت میں فرماتا ہے: اگر خدا چاہے تو تم سب کو زبردستی ہدایت کر سکتا ہے۔

لیکن ظاہر ہے اس صورت میں ایسے ایمان کی کوئی قیمت باقی نہیں رہ جاتی نہ ان اعمال کی جو جبر یہ ایمان کے زیر سایہ پروان چڑھیں بلکہ فضیلت اور انسانی ترقی کا راز یہ ہے کہ انسان ہدایت اور پرہیزگاری کے جادہ پر اپنے قدموں سے چلے اور یہ سفر اپنے ارادہ اور اختیار سے طے کرے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

خداوند کریم نے لوگوں کے لئے اپنی دو حجتیں قرار دی ہیں، ایک حجت ظاہری دوسری باطنی۔ ظاہری حجت انبیاء و رسل و ائمہ علیہم السلام ہیں اور باطنی حجت انسان کی عقل ہے۔

(۵۰) اس آیت میں ان مشرکوں کی باتوں کے بطلان کو واضح تر کرنے اور فیصلہ کرنے کے لئے صحیح اصول کا لحاظ رکھنے کے لئے انہیں دعوت دیتا ہے کہ اگر ان کے پاس اس بات کے معتبر گواہ ہیں کہ خدا نے ان حیوانات اور زراعتوں کو جن کی تحریم کے وہ مدعی ہیں واقعاً حرام کیا ہے تو ان کو پیش کریں، لہٰذا فرماتا ہے: اے پیغمبر! ان سے کہہ دو اپنے گواہوں کو جو ان چیزوں کی گواہی دیں لے آؤ۔

پھر اس پر اضافہ ہوتا ہے: اگر انہیں ایسے گواہ نہ مل سکیں اور وہ انہیں پا نہ سکیں (جیسا کہ ہرگز نہ پا سکیں گے) اور صرف اپنی ہی گواہی اور دعوے پر اکتفا کریں تو ہرگز ان کے ہم صدا نہ ہونا اور ان کی گواہی اور دعوے کے مطابق گواہی نہ دینا۔

ان تمام امور اور قرائن کے علاوہ دیگر قرائن اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ یہ تمام خودساختہ احکام ان لوگوں نے محض اپنی ہوا و ہوس کے ماتحت اور کورانہ تقلید کی بناء پر گھڑ لئے تھے لہٰذا ان کا کوئی اعتبار نہ تھا۔

اس بناء پر اس کے بعد کے جملے میں ارشاد فرمایا: جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے اور جن کا آخرت پر ایمان نہیں ہے اور جنہوں نے خدا کا شریک قرار دیا ہے ان کی ہوا و ہوس کی پیروی نہ کرنا۔

یعنی ان لوگوں کی بت پرستی، قیامت کا انکار، خرافاتی رسوم و رواج اور ان کی ہوس پرستیاں اس بات کی زندہ گواہ ہیں کہ ان کے احکام بھی خود ساختہ ہیں اور ان چیزوں کی تحریم جس کی نسبت یہ خدا کی طرف دیتے ہیں بالکل بے بنیاد اور بے اہمیت ہے۔

(۱۵۱) قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ۚ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ	کہو کہ آؤ جس چیز کو تمہارے پروردگار نے تمہارے اوپر حرام قرار دیا ہے میں تمہیں پڑھ کر سناؤں اور وہ یہ کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ ٹھہرانا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، اور اپنی اولاد کو تنگدستی (کے خوف) سے ہلاک نہ کرنا، تمہیں اور انہیں دونوں کو روزی دیتے ہیں اور برے کاموں کے پاس بھی نہ جانا، چاہے وہ نمایاں ہوں یا چھپے ہوئے، جس جان کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے اسے نہ مارنا، مگر یہ کہ حق (استحقاق کی بناء پر) ہو یہ وہ (حکم) ہے جس کی اللہ نے تمہیں تاکید کی ہے، تاکہ تم اسے سمجھو۔

(۱۵۲) وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۙ	اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا، مگر یہ کہ بطریق احسن (اصلاح کے لئے) ہو، یہاں تک کہ وہ سن تمیز کو پہنچ جائے اور انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرنا۔ہم کسی (بندے) پر اس کی استطاعت سے زیادہ ذمہ داری عائد نہیں کرتے، اور جس وقت کوئی بات کرنا تو عدالت کا خیال رکھنا چاہے وہ عزیز و اقارب کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو، یہ وہ چیز ہے جس کی خدا تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم اسے یاد رکھو۔
(۱۵۳) وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ	اور یہ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اور دوسرے مختلف (ٹیڑھے) راستوں کی پیروی مت کرو کیونکہ وہ تمہیں راہِ حق سے ہٹا دیں گے یہ وہ بات ہے جس کی خدا تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

تفسیر

خدا کے دس فرمان

مشرکوں کے خود ساختہ احکام جو گذشتہ آیات میں بیان ہوئے ان کی نفی کرنے کے بعد ان آیتوں میں اسلام کے اصول محرمات اور صف اول کے گناہان کبیرہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ان امور کو مختصر، پر مغز اور جالب عبارت کے ساتھ دس حصوں میں بیان فرمایا گیا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ان سے کہو کہ آؤ تاکہ وہ چیزیں جو اللہ نے تمہارے اوپر حرام کی ہیں میں تمہارے سامنے پڑھ کر سناؤں اور ان کی تعداد بیان کروں۔

اور وہ یہ کہ:

(1) کسی چیز کو خدا کا شریک قرار نہ دینا۔

(2) ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔

(3) اپنی اولاد کو تنگدستی کی وجہ سے ہلاک نہ کرنا۔

کیونکہ تمہاری ان کی روزی ہمارے ہاتھ میں ہے اور تمام افراد کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔

(4) بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کے پاس نہ جانا، چاہے وہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ یعنی نہ صرف یہ کہ برے کاموں کو نہ کرنا بلکہ ان کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔

(5) بے گناہوں کے خون اپنے ہاتھ رنگین نہ کرنا اور وہ اشخاص جن کی جانوں کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے اور ان کے قتل سے منع فرمایا ہے، انہیں نہ مارنا، مگر یہ کہ قانون الٰہی کے مطابق ان کے قتل کی اجازت دی گئی ہو (مثلاً کوئی شخص قاتل ہو)۔

ان پانچ قسم کی حرمتوں کو بیان کرنے کے بعد مزید تاکید کے لئے ارشاد ہوتا ہے: یہ وہ امور ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے، تاکہ تم خوب اچھی طرح سے سمجھ لو اور ان کے ارتکاب سے اجتناب کرو۔

(۱۵۲) زیر نظر دوسری آیت میں بھی اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

(6) کبھی بھی بغیر ارادۂ اصلاح کے یتیم کے مال کے پاس نہ جانا حتیٰ وہ سن تمیز کو پہنچ جائیں۔

(7) کم فروشی نہ کرنا اور پیمانہ و ترازو کے حق کو عدالت کے ساتھ ادا کرنا۔

چونکہ ترازو اور پیمانہ کے بارے میں یہ اندیشہ تھا کہ باوجود احتیاط کرنے کے پھر بھی کچھ فرق باقی رہ جائے جیسا کہ ایسا ہوتا ہے کہ توجہ کے باوجود تھوڑا فرق پھر بھی باقی رہ جاتا ہے جس کی شناخت عام ترازوؤں اور پیمانوں سے ممکن نہیں اس لئے مذکورہ بالا جملہ کے ساتھ ہی فرمادیا: ہم کسی شخص پر اس کی قدرت واستطاعت سے زیادہ ذمہ داری عائد نہیں کرتے۔

(8) فیصلہ کرتے وقت یا گواہی دینے کے موقع پر یا جب بھی کوئی بات کہو تو حق وعدالت کو پیش نگاہ رکھو اور حق کی راہ سے باہر نہ جاؤ چاہے وہ تمہارے عزیزوں کے بارے میں ہو اور حق کہنے سے انہیں نقصان پہنچ جائے۔

(9) اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو اور اسے مت توڑو۔

عہد الٰہی سے کیا مراد ہے؟

آیت کا مفہوم عام ہے جو تمام الٰہی عہدوں پر محیط ہے چاہے وہ تکوینی ہوں یا تشریعی نیز تکالیف الٰہی اور ہر قسم کا عہد، نذر اور قسم بھی اس میں شامل ہے۔

مزید تاکید کے لئے ان چار قسموں کے آخر میں فرماتا ہے: یہ وہ امور ہیں جن کی خدا تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تمہیں یاد رہے۔

(۱۵۳)(10) زیر نظر آخری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: یہ میرا راستہ، توحید کا راستہ ہے، حق وعدالت کا راستہ ہے،

پاکیزگی وتقویٰ کا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اور ٹیڑھے راستے اور افتراق کے راستوں پر ہر گز نہ جاؤ کیونکہ یہ تمہیں خدا کے راستے سے ہٹا دیں گے اور تمہارے درمیان نفاق اور اختلافات کے بیج بو دیں گے۔

اس آیت کے آخر میں تیسری بار تاکید فرماتا ہے کہ یہ وہ امور ہیں جن کی خدا تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

دو اہم نکات

(۱) ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی اہمیت

شرک کی قباحتوں کے بیان کرنے کے بعد فوراً ہی اور دیگر احکام جیسے تحریم قتل نفس اور بیان اصولِ عقائد سے پہلے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی دستور میں ماں باپ کے حق کو نہایت درجہ اہمیت دی گئی ہے۔

یہ امر اس وقت اور واضح ہوگا جب اس بات پر توجہ کریں کہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ماں باپ کو آزار پہنچانا حرام ہے حالانکہ یہ اس آیت میں ذکر ہونے والے دیگر محرمات سے ہم آہنگ بھی تھا بلکہ احسان ونیکی کے عنوان سے ذکر فرمایا ہے یعنی نہ صرف یہ کہ انہیں تکلیف پہنچانا حرام ہے بلکہ اس کے علاوہ ان پر نیکی کرنا بھی لازم وضروری ہے۔

یہاں پر یہ نکتہ بھی جاذب نظر ہے کہ کلمۂ "احسان" کو "ب" کے ذریعہ متعدی کیا ہے اور فرمایا ہے "و بالوالدین احسانا" اور یہاں "ب" کے ذریعہ متعدی کرکے آیت اس بات کی تاکید کر رہی ہے کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کے مسئلے کو اس قدر اہمیت دینا چاہئے کہ شخصاً اور بغیر کسی واسطے کے اسے انجام دینا چاہئے۔

(۲) گرسنگی کی وجہ سے اولاد کا قتل

اس آیت سے مفہوم یہ نکلتا ہے کہ عرب زمانۂ جاہلیت میں بے جا تعصب وغیرت کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے، بلکہ لڑکوں کو (جو اس دور میں بزرگی وشرف کا سرمایہ سمجھے جاتے تھے) بھی فقر وتنگدستی کے خوف سے قتل کر دیتے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وسیع خوانِ نعمت، کہ جس سے ضعیف ترین موجودات بھی بہرہ ور ہوتے ہیں، کی طرف توجہ دلا کر اس برے کام سے روکا ہے۔

بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ "زمانۂ جاہلیت کا عمل" ہمارے زمانہ میں بھی پایا جاتا ہے اور ایک دوسرے انداز سے اس کی تکرار کی جاتی ہے کیونکہ بعض افراد غذا کی کمی کے خوف سے بے گناہ بچوں کو حالتِ جنین میں ضائع کرکے رحمِ مادر ہی میں قتل کر دیتے ہیں۔

اگرچہ آج کل کے اسقاط حمل کے جواز پر کچھ دیگر بے اساس دلیلیں بھی بیان کی جاتی ہیں لیکن فقر اور خوراک کی کمی ان دلیلوں میں نمایاں تر ہے۔

یہ بات اور دیگر امور جو اس سے مشابہت رکھتے ہیں اس بات کے مظہر ہیں کہ عصرِ جاہلیت کی ہمارے زمانہ میں بھی تکرار ہوتی رہتی ہے بلکہ ''بیسویں صدی کی جاہلیت'' قبل از اسلام کی جاہلیت سے بھی زیادہ وحشتناک اور وسیع تر ہے۔

(۱۵۴) ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ	اس کے بعد ہم نے موسیٰ کو (آسمانی) کتاب دی، جو نیک تھے ان پر (اپنی نعمت کو) تمام کیا اور تمام چیزیں (جن کی ان کو ضرورت تھی) ان پر واضح کر دیں۔ یہ کتاب ہدایت و رحمت کا سرمایہ تھی، تا کہ وہ (قیامت کے دن) اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لے آئیں۔
(۱۵۵) وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	یہ ایک پر برکت کتاب ہے جو ہم نے (تجھ پر) نازل کی ہے اس کی پیروی کرنا، اور پرہیز گاری کو اپنانا تا کہ اللہ کی رحمت کے مستحق ہو۔
(۱۵۶) اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ	(ہم نے ان خصوصیات کی کتاب نازل کی) تا کہ یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے جو دو قومیں (یہود و نصاریٰ) تھیں ان پر کتابِ آسمانی نازل ہوئی تھی اور ہم اس کے مطالعہ سے بے بہرہ تھے۔
(۱۵۷) اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	یا یہ نہ کہو کہ اگر ہم پر بھی آسمانی کتاب نازل ہوئی ہوتی تو ہم ان لوگوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ (لو) اب یہ آیتیں اور روشن دلیلیں تمہارے پروردگار کی جانب سے آ گئی ہیں۔ اسی طرح اس کی ہدایت و رحمت بھی (آ گئی ہے)۔ اس صورت میں ان لوگوں سے بڑھ کر کون ستمگار ہو گا جو آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرنے لگیں

وَ صَدَفَ عَنۡهَا ؕ سَنَجۡزِی الَّذِیۡنَ یَصۡدِفُوۡنَ عَنۡ اٰیٰتِنَا سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ بِمَا کَانُوۡا یَصۡدِفُوۡنَ	اوران سے روگردانی کریں۔لیکن عنقریب ہم ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے روگردانی کرتے ہیں، ان کی اس بلا وجہ روگردانی کے سبب سخت سزا دیں گے۔

تفسیر

بہانہ سازوں کو ایک قطعی جواب

اس سے قبل کی آیات میں اسلام کے دس بنیادی احکام سے بحث کی گئی تھی،اوروہ مذکورہ احکام کسی خاص مذہب سے مخصوص نہ تھے۔

انہی آیات کے ذیل میں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اس کے بعد ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب دی اور جولوگ نیکوکار تھے ہمارے فرمان کو ماننے والے تھے اورحق کے پیروکار تھے ان کے لئے ہم نے اپنی نعمت کو کامل کر دیا۔

اوراس (تورات) میں ہراس چیز کو بیان کر دیا گیا تھا جس کی انہیں ضرورت تھی اور جوانسانی ترقی کی راہ میں کارآمد ہوسکتی تھی۔

نیز یہ کتاب جوموسیٰ پر نازل ہوئی تھی سرمایہ ہدایت ورحمت تھی۔

یہ تمام اموراس لئے تھے کہ یہ لوگ روزِ قیامت اور ملاقات پروردگار کے دن پر ایمان لے آئیں اور روزِ معاد پر ایمان لانے کی وجہ سے ان کی گفتاروکردار پاک ہوجائے۔

(۱۵۵) زیرنظر دوسری آیت میں نزولِ قرآن اوراس کی تعلیمات کی طرف اشارہ کیا گیاہےاورگذشتہ آیت کی بحث کو مکمل کیا گیاہےاورفرمایاہے: یہ وہ کتاب ہے جوہم نے نازل کی ہے،ایسی کتاب جو بڑی باعظمت وپربرکت ہےاورطرح طرح کی خوبیوں اورنیکیوں کا سرچشمہ ہے۔

اور جب یہ کتاب اس طرح کی ہے تو پھراس کی پیروی کرو، پرہیزگاری کو اپنا شعار بناؤاوراس کی مخالفت سے پرہیز کرو، شاید خدا کی رحمت تمہارے شامل حال ہوجائے۔

(۱۵۶) زیرنظر تیسری آیت میں مشرکوں پرتمام بہانہ سازیوں اورفرار کے راستوں کو بند کردیا گیا ہے۔ پہلے ان سے یہ فرمایا ''ہم نے یہ آسمانی کتاب ان خصوصیات کے ساتھ اس لئے نازل کی ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ کتابِ آسمانی صرف دوقوموں (یہودونصاریٰ) پرنازل ہوئی تھی اورہم اس پرغوروفکر سے غافل تھے لہٰذا اگرہم نے تیرے حکم کی مخالفت کی تو وہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس کا مطالعہ نہ کر سکے کیونکہ تیرا فرمان دوسروں کے ہاتھ میں تھااوروہ ہم تک نہ پہنچا۔

(۱۵۷) زیرنظرآخری آیت میں ان کافروں کی طرف سے وہی بہانہ نقل ہواہے مگراس دفعہ اسے ذرا تفصیل کے ساتھ دہرایا گیاہے جس میں خودنمائی اورزیادہ غرورکی آمیزش بھی ہےاوروہ یہ ہے: اگران پرقرآن نازل نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اس بات کا دعویٰ کرتے کہ ہم فرمانِ الٰہی کو بجالانے کے لئے اس قدر تیار تھے جتنا دوسری قومیں تیارنہیں ہوسکتی تھیں،ہم پرآسمانی کتاب نازل ہوتی تو ہم سب سے زیادہ قبول کرنے والے اورہدایت پانے والے ہوتے۔

قرآن کریم ان تمام دعووں کے جواب میں کہتا ہے: خدا نے تمام بہانہ تراشیوں کی راہوں کوتمہارے لئے بند کر دیا ہے، کیونکہ: متعدد دلیلیں اور روشن آیتیں تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس آچکی ہیں، جو الٰہی ہدایت اور رحمتِ پروردگار کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہیں۔

ان حالات میں بھی اگر یہ خدا کی آیتوں کی تکذیب کریں تو کیا ان سے زیادہ ظالم کوئی دوسرا ہوسکتا ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کافروں نے نہ صرف آیاتِ الٰہی سے روگردانی کی بلکہ بغیر غور وفکر کئے بڑی شدت سے ان سے دوری اختیار کی۔

آخر میں خدا نے ایسے ضدی اور اپنی سمجھ سے کام نہ لینے والے افراد (جو بغیر سوچے سمجھے سختی سختی کے ساتھ حقائق کا انکار کر دیتے ہیں اور اس سے بھاگتے ہیں یہاں تک کہ دوسروں کے لئے بھی سدّ راہ ہوتے ہیں) کی سزا کو ایک مختصر لیکن نہایت بلیغ جملے میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے: عنقریب ہم ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے روگردانی کرتے ہیں، شدید سزاؤں میں مبتلا کریں گے اور یہ ان کی بلا وجہ اور بغیر سوچے سمجھے روگردانی کی وجہ سے ہے۔

(۱۵۸) هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰۤئِكَةُ اَوۡ يَاۡتِىَ رَبُّكَ اَوۡ يَاۡتِىَ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوۡمَ يَاۡتِىۡ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنۡفَعُ نَفۡسًا اِيۡمَانُهَا لَمۡ تَكُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ اَوۡ كَسَبَتۡ فِىۡۤ اِيۡمَانِهَا خَيۡرًا ؕ قُلِ انۡتَظِرُوۡۤا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ	کیا انہیں صرف اس بات کا انتظار ہے کہ (موت کے) فرشتے ان کے پاس آئیں یا خدا (خود) ان کے پاس آئے (یہ توقع کیسی محال ہے!) یا خدا کی آیتوں میں سے کچھ آیتیں (جو روزِ قیامت کی نشانی ہوں) ان کے پاس آئیں، لیکن جس روز یہ آیتیں آجائیں گی اس روز ان لوگوں کا ایمان لانا، جو اس سے پہلے ایمان نہ لائے ہوں گے، یا انہوں نے کوئی نیک عمل نہ کیا ہوگا، انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گا۔ (اے رسول) ان سے کہہ دو کہ (اب جبکہ تم ایسا بے جا انتظار و توقع کئے بیٹھے ہو تو پھر) انتظار کرو، ہم بھی (تمہاری سزا کے وقت کا) انتظار کرتے ہیں۔

تفسیر

بے جا اور محال توقعات

پچھلی آیتوں میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے مشرکین پر حجت تمام کردی ہے اور آسمانی کتاب یعنی قرآن کو سب کی ہدایت کے لئے بھیج دیا ہے تاکہ لوگوں کو اپنی مخالفت کی توجیہ کے لئے کسی بہانہ کا موقع نہ ملے۔

زیرِ نظر پہلی آیت کہتی ہے: لیکن یہ ضدی لوگ اپنے طریقہ کار میں اس قدر سخت ہیں کہ یہ واضح دستور العمل (قرآن) بھی

ان پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ گویا انہیں اپنی نابودی یا آخری موقع کے کھودینے یا محال باتوں کا انتظار ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: انہیں سوائے اس کے اور کسی چیز کا انتظار نہیں کہ موت کے فرشتے انہیں لینے آجائیں۔

اس کے بعد فرماتا ہے: یا یہ کہ تمہارا پروردگار ان کے پاس آجائے تاکہ یہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ایمان لے آئیں۔

درحقیقت یہ لوگ امر محال کی توقع کر رہے ہیں۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: یا تمہیں اس بات کا انتظار ہے کہ بعض وہ نشانیاں آجائیں جو روزِ قیامت سے کچھ پہلے ظاہر ہوں گی اور ان کے ظاہر ہونے کے بعد توبہ کے دروازے بند ہوجائیں گے اور اس دنیا کا خاتمہ ہوجائے گا۔

اسی کے ذیل میں یہ اضافہ فرمایا ہے کہ: جس روز بھی یہ نشانیاں ظاہر ہوں گی اس روز بے ایمانوں کا ایمان لانا اور ان لوگوں کا ایمان لانا جنہوں نے کوئی نیک کام نہ کیا ہوگا قابل قبول نہ ہوگا اور توبہ کے دروازے بھی ان کے لئے بند کردیئے جائیں گے۔ کیونکہ توبہ اور ایمان لانا ان حالات میں اجباری اور اضطراری کیفیت کا حامل ہوگا جو اختیاری توبہ اور اور ایمان کے ہم پایا نہیں ہے۔

آیت کے آخر میں تہدید آمیز لہجہ میں ان ضدی افراد سے فرماتا ہے: اچھا اب جبکہ تمہیں اس قسم کا انتظار ہے تو یہی انتظار کئے جاؤ، ہم بھی (تمہارے دردناک انجام) کے انتظار میں رہیں گے۔

آیت مذکورہ بالا میں ایک نکتہ یہ ہے کہ یہ آیت ایسی راہ کا پتہ دے رہی ہے جو ایمان کے زیرسایہ ہے، پھر ایمان بھی وہ ایمان جس کی روشنی میں بندہ نیک اعمال بجالائے۔

(۱۵۹) اِنَّ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِيَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ‌ ؕ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهُمۡ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ	وہ لوگ جنہوں نے اپنے آئین کو پراگندہ کردیا اور وہ مختلف جتھوں (اور مختلف مذہبوں) میں بٹ گئے، تمہیں (اے رسول!) ان سے کوئی واسطہ نہیں، ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے، لہٰذا خدا ہی انہیں ان کے کرتوتوں سے آگاہ کرے گا۔
(۱۶۰) مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا‌ ۚ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزٰٓى اِلَّا مِثۡلَهَا وَ هُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ	جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے گا اسے دس گنا صلہ ملے گا، اور جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اتنی ہی سزا ملے گی (جتنا برا کام کیا تھا) اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تفسیر

نفاق پھیلانے والوں سے علیحدگی کا حکم

جو دس فرمان پچھلی آیتوں میں گذرے ہیں جن کے آخر میں یہ حکم تھا کہ خدا کی صراط مستقیم کی پیروی کرو اور ہر طرح کے نفاق

اور اختلاف کا مقابلہ کرو، یہ آیت دراصل اسی مفہوم کی تفسیر توضیح کے ضمن میں ہے۔

پہلے یہ ارشاد ہوتا ہے: وہ لوگ جنہوں نے اپنے آئین اور مذہب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے (اے رسول) تمہارا ان سے کسی معاملے میں ربط نہیں، نہ ان کا تم سے کسی چیز میں ربط ہے۔ کیونکہ تمہارا آئین توحید اور تمہارا دین صراط مستقیم ہے۔ اور راہ راست ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے۔

اس کے بعد اس طرح کے تفرقہ انداز لوگوں کی تحدید و مذمت کے لئے فرماتا ہے: ان کا کام خدا کے سپرد ہے، وہ انہیں کیفرِ کردار سے آگاہ کرے گا۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں عمومی طور سے ان تمام تفرقہ پسند افراد کا حکم بیان کیا گیا ہے جنہوں نے طرح طرح کی بدعتیں ایجاد کر کے بندگان خدا کے درمیان نفاق و اختلاف پھیلایا ہے، چاہے وہ پچھلی امتوں میں گزرے ہوں یا ان کا تعلق اس امت سے ہو۔

یہ آیت اس امر کو بڑی تاکید کے ساتھ دہرا رہی ہے کہ اسلام آئین وحدت و یگانگی ہے اور ہر طرح کے نفاق، تفرقہ اور انتشار سے بیزار ہے۔

(۱۶۱) جزا زیادہ سزا کم

زیر نظر دوسری آیت میں اللہ کی رحمت اور اس کی وسیع جزا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اس کے نیکوکار بندوں کو دی جائے گی اور پچھلی آیت میں جو تہدید کی گئی ہے اس کی تکمیل اس تشویق سے کی گئی ہے، فرماتا ہے: جس نے بھی کوئی نیک کام کیا اسے دس گنا بدلہ ملے گا۔

اور جس نے بھی برا کام کیا اسے اس سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔

مزید تاکید کے لئے اس جملے کا بھی اضافہ کیا ہے: ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا، وہ صرف اپنی بدی کے برابر سزا پائیں گے۔

"حسنہ" اور "سیئۃ" سے ہر قسم کے نیک عمل، نیک فکر، نیک عقیدہ یا بدعمل، بدفکر، بدعقیدہ مراد ہے۔

(۱۶۱) قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ	(اے ہمارے نبی) کہہ دیجئے میرے رب مجھے راہ راست کی ہدایت کی ہے (وہ راہ راست جو) ایک مضبوط اور ثابت رہنے والا آئین ہے

دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ۚ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ	یہ اس ابراہیم کا آئین ہے جس نے اپنے ماحول کے تمام خرافاتی آئینوں سے روگردانی کی تھی اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔
(۱۶۲) قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ	کہہ دیجئے میری نماز، میری تمام عبادتیں، میری زندگی، میری موت، یہ سب تمام جہانوں کے پالنے والے کے لئے ہیں۔
(۱۶۳) لَا شَرِیۡکَ لَہٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ	اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی طرف سے ہمیں حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

تفسیر

یہ میری صراط مستقیم ہے

یہ چند آیات، نیز دوسری آیتیں جن پر سورہ انعام کا اختتام ہوتا ہے ان میں فی الحقیقت ان تمام بحثوں کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے جو شرک اور بت پرستی کے بارے میں اس سورہ میں کی گئی ہیں۔

خدا پہلے مشرکوں اور بت پرستوں کے عقائد فاسدہ اور عقل و منطق سے دور دعووں کے مقابلے میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیتا ہے کہ: (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے مجھے راہِ راست، جو نزدیک ترین راہ ہے، کی ہدایت کی ہے۔ یہ راہ راست وہی راستہ ہے جس میں توحید و یگانہ پرستی کی دعوت اور آئین شرک و بت پرستی کے مٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس کے بعد اس ''صراط مستقیم'' کی اس آیت میں اور اور بعد کی دو آیتوں میں توضیح کی گئی ہے۔ پہلے فرماتا ہے؟ یہ ایک سیدھا قانون ہے جو بہت سچا اور درست ہے، ابدی (ہمیشہ رہنے والا) ہے، دین و دنیا، جسم و جان کے جملہ امور کا ذمہ دار ہے۔

چونکہ عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خاص ربط ظاہر کرتے تھے، بلکہ یہاں تک کہ اپنے قانون کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قانون کہتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اضافہ کیا کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی قانون یہی (اسلام) ہے جس کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں، نہ کہ وہ قانون جس سے تم وابستہ ہو۔

وہی ابراہیم علیہ السلام جس نے اپنے زمانے اور ماحول کے خرافاتی آئین سے روگردانی کی اور جس نے حق یعنی آئین توحید پرستی کو قبول کیا۔

یہ تعبیر گویا ان مشرکوں کا جواب ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس وجہ سے مخالف تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عربوں کے آباؤ

اجداد کے مذہب بت پرستی کی مخالفت کی تھی۔ پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا: میں نے جو تمہارے پرانے طریقے کو توڑا ہے اور تمہارے خرافاتی عقیدوں کو ٹھکرایا ہے یہ میرا ہی اقدام نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو سب کے لئے قابل احترام ہستی ہیں، انہوں نے بھی ایسا کیا تھا۔

اس کے بعد مزید تاکید کے لئے فرماتا ہے: وہ کسی وقت بھی مشرکوں اور بت پرستوں کے گروہ میں سے نہ تھے۔

بلکہ وہ تو ایک بت شکن انسان تھے اور آئین شرک کو توڑنے والے تھے۔

(۱۶۲) اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: نہ صرف عقیدہ کی رو سے میں مؤحد اور یکتا پرست ہوں، بلکہ میرا ہر عمل بھی اسی کے لئے ہے۔ میری نماز، میری تمام عبادتیں، یہاں تک کہ میری موت وحیات سب پروردگار عالم کے لئے ہے۔ اسی کے لئے زندہ ہوں اور اسی کے لئے جان دوں گا۔ اسی کے راستے میں جو کچھ بھی میرے پاس ہے قربان کردوں گا۔ میری امیدوں کی آماجگاہ، میرے عشق کی منزل، میری ہستی کا مقصد سب کچھ وہی ہے۔

(۱۶۳) اس آیت میں مزید تاکید کے لئے اور ہر طرح کے شرک اور بت پرستی کے ابطال کے لئے اضافہ فرماتا ہے "وہ ایسا پروردگار ہے کہ اس کا نہ کوئی شبیہ (مثل) ہے اور نہ شریک ہے۔

پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اول مسلم ہونے کے معنی یا تو ان کے اسلام کی اہمیت وکیفیت کے لحاظ سے ہے، کیونکہ آحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلام وتسلیم کا درجہ سب سے بلند تھا۔ یا یہ معنی ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امت کے پہلے فرد تھے جس نے آئین قرآن واسلام کو قبول کیا۔

(۱۶۴) قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ	(اے ہمارے نبی) کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور پروردگار مان لوں جبکہ وہ تمام چیزوں کا پروردگار ہے اور کوئی شخص عمل بجانہیں لاتا سوائے اس کے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے اور کوئی گنہگار دوسرے کے گناہ اپنے ذمہ نہیں لے گا۔ اس کے بعد تمہاری واپسی تمہارے پروردگار کی جانب ہے۔ پس وہ تمہیں اس چیز کی خبر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر

اس آیت میں ایک اور طریقے سے مشرکوں کے استدلال پر ضرب لگائی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے؟ ان سے کہو اور ان سے دریافت کرو کہ آیا یہ مناسب ہے کہ خدائے یگانہ کے علاوہ کسی اور کو اپنا پروردگار مانوں جب کہ وہ تمام چیزوں کا مالک اور پروردگار ہے اور اس کا حکم وفرمان اس جہان کے ذرہ ذرہ پر کارفرما ہے۔

اس کے بعد مشرکوں کو جواب دیتا ہے جن میں سے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تھے اور انہوں نے کہا؟
''اتبعنا و علینا وزرک ان کان خطا''
(اے محمد ﷺ)! آپ پیروی کریں اگر یہ غلط بھی ہو تب بھی آپ کا گناہ ہم اپنی گردن پر لیتے ہیں)۔
اللہ فرماتا ہے کہ اے نبی ان سے کہہ دو!
کوئی شخص سوائے اپنے کسی کے لئے کوئی عمل نہیں بجالاتا اور نہ کوئی گنہگار دوسرے کا بار اپنے دوش پر اٹھاتا ہے۔
اور آخر کار تم سب خدا کی طرف لوٹو گے، وہ تمہیں اس چیز کے بارے میں مطلع کرے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

(۱۶۵) وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۠	وہ (خدا) وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر جانشین (اور اپنا نمائندہ) بنایا اور بعض افراد کو دوسرے بعض افراد پر مرتبوں کی رو سے برتری عطا فرمائی تاکہ تمہیں ان چیزوں سے تمہارے اختیار میں دی ہیں۔ آزمائے۔ یقیناً تمہارا پروردگار بہت تیز حساب کرنے والا اور بخشنے والا، مہربان ہے۔

تفسیر

اس آیت کریمہ میں جو سورہ انعام کی آخری آیت ہے مقام انسانی کی اہمیت اور جہانِ ہستی میں اس کی حیثیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تاکہ ان گزشتہ بحثوں کی تکمیل کی جائے۔

لہٰذا اس آیت کے پہلے جملے میں فرماتا ہے؟ وہ خدا وہ ہے جس نے تمہیں زمین پر جانشین اور اپنا نمائندہ بنایا ہے۔

وہ انسان جو زمین پر خدا کا نمائندہ ہے، جس کے ہاتھ میں اس کرۂ زمین کی تمام قوتیں اور خزانے سونپ دیئے گئے ہیں اور خدا کی طرف سے تمام موجودات پر اس کی حکومت کا فرمان صادر ہوا ہے، اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو اتنا گرا دے کہ جمادات سے بھی پست ہو جائے اور انہیں سجدہ کرنے لگے۔

اس کے بعد اس امر کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ روحانی اور جسمانی لحاظ سے انسانوں کی صلاحیتیں مختلف ہیں اور یہ کہ کیا مصلحت ہے، ارشاد ہوتا ہے: تم میں سے بعض کو بعض پر برتری دی تاکہ ان قدرتی عنایتوں اور سہولتوں کی وجہ سے جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں وہ تمہیں آزمائے۔

اس آیت کے آخر میں یہ کہہ کر کہ ہر انسان کو خوش قسمتی اور بدبختی کے راستے کے انتخاب میں اختیار دیا گیا ہے، ان

آزمائشوں کا نتیجہ اس طرح بیان فرمایا ہے تمہارا پروردگار ان لوگوں کے لئے جو ان آزمائشوں سے سیاہ رو اور ناکام نکلیں گے ''سریع العقاب'' (جلدی سزا دینے والا ہے) اور ان لوگوں کے لئے جو اپنی غلطیوں کی اصلاح میں لگے رہے ہیں، بخشنے والا اور مہربان ہے۔

انسانوں میں فرق............اور عدالت کے تقاضے

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ انسانوں کے درمیان کچھ ایسے درجاتی اختلاف بھی موجود ہیں جو انسان کے بنائے ہوئے ہیں کیونکہ انسانوں نے دوسرے انسانوں پر ستم روا رکھا ہے، مثلاً کچھ لوگ بے حساب ثروت کے مالک ہیں جب کہ کچھ لوگ خاک نشین ہیں، کچھ لوگ ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے جاہل اور بے علم رہ گئے جبکہ دوسرے لوگ ذرائع ہونے کی وجہ سے علوم کے آخری درجوں پر فائز ہیں۔اسی طرح ایک طبقہ وہ ہے جو خوراک کی کمی کے باعث اور حفظان صحت کے لوازم نہ ہونے کی وجہ سے علیل و بیمار نظر آتا ہے، جبکہ اس کے برخلاف ایک طبقہ وہ ہے جس کے پاس ہر طرح کے وسائل موجود ہیں اس لئے وہ تندرستی اور سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے۔

اس طرح کے فرق، دولت وفقر، علم وجہل، تندرستی اور بیماری زیادہ تر استعمار واستحصال، دوسروں کو غلام بنانے اور آشکار و پنہاں ظلم کی پیداوار ہیں۔

یہ بات مسلّم ہے کہ اس طرح کے اختلافات کو خدا کے ذمہ نہیں ٹھہرایا جا سکتا، نہ اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ اس طرح کے اختلافات کو جائز ٹھہرا کر ان کی مخالفت نہ کی جائے۔

افراد انسانی باہم مل کر ایک عظیم الشان اور بارآور درخت کی مانند ہیں جس میں ہر طبقے بلکہ ہر فرد کا اس درخت کو تشکیل دینے میں ایک خاص مقام ہے جو اس کی ساخت کے مطابق ہے۔اسی وجہ سے قرآن نے کہا ہے کہ یہ اختلافات تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہیں، جیسا کہ سابقاً بھی ہم نے کہا کہ خدائی منصوبوں میں جہاں بھی لفظ ''آزمائش'' استعمال ہوا ہے اس کے معنی تربیت وپرورش کے ہیں۔

زمین پر انسانی خلافت

قرآن کریم نے کئی بار انسان کو زمین پر بطور اپنے ''خلیفہ'' اور ''نمائندہ'' کے تعارف کروایا۔اس تعبیر کے ذریعے جہاں ضمنی طور پر مقام کو واضح کرنا مقصود ہے وہاں اس حقیقت کا بھی اظہار مقصود ہے کہ اموال وثروتیں، استعدادیں اور وہ تمام انعامات اور عطیے جو خدا نے انسان کو دیئے ہیں ان سب کا مالک حقیقی خدا ہے اور انسان ان سب پر اللہ کی طرف سے صرف نمائندہ، مجاز اور اجازت یافتہ ہے اور یہ بات بدیہی اور بالکل واضح ہے کہ کوئی نمائندہ اپنے تصرفات میں مستقل نہیں کرتا، بلکہ اس کے تمام تصرفات مالک اصلی اجازت کے دائرے اور حدود میں ہونا چاہئے۔

یہیں سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مسئلہ مالکیت اشیاء میں اسلام نے ''کیپٹل ازم'' (سرمایہ داری) نظام اور

''کمیونزم'' دونوں راستوں سے دوری اختیار کی ہے کیونکہ اول الذکر نے مالکیت کو فرد کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے جب کہ دوسرے نے تمام مالکیت کو اجتماع کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے لیکن اسلام یہ کہتا ہے کہ مالکیت نہ تو کسی فرد کی ہے اور نہ اجتماع کی، بلکہ فی الحقیقت ہر چیز کا مالک اصلی خدا ہے۔

تمام انسان اس کے نمائندے اور وکیل ہیں اور اسی دلیل کی بنا پر اسلام انسان کی آمدنی اور خرچ دونوں کے طریقوں اور کیفیات میں نظارت ونگہبانی کا فرض ادا کرتا ہے اور دونوں کے لئے اس نے حدود وشرائط مقرر کر دی ہیں جن کی بنا پر اقتصاد اسلامی کو اس نے بطور ایک خاص نظام کے تمام دیگر مکاتب فکر سے الگ کر کے نمایاں کر دیا ہے۔

سورہ اعراف

یہ سورہ مکی ہے

اس کی ۲۰۶ آیات ہے۔

سورہ اعراف پر ایک طائرانہ نظر

شروع میں ایک مختصر لیکن مضبوط اشارہ مسئلہ مبداء ومعاد کی طرف کیا گیا ہے بعد ازاں شخصیت انسانی کو حیات ثانیہ دینے کیلئے حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے واقعہ کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس کے بعد اللہ نے ان عہدوں کو ایک ایک کر کے گنوایا ہے جو اس نے اولاد آدم سے راہ راست پر چلنے کے سلسلے میں لئے ہیں اس کے بعد ان قوموں کی ناکامی وشکست دکھلانے کیلئے جو توحید وعدالت و پرہیز گاری کے راستہ سے ہٹ گئیں نیز ان قوموں کی کامیابی دکھلانے کیلئے جنہوں نے ایمان کا جادہ کسی حال میں نہیں چھوڑا بہت سی گزشتہ قوموں اور انبیاء سابقین مثلاً حضرت نوح علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی سرگذشتیں بیان کی ہیں پھر بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و فرعون کے مقابلے کو تفصیلاً بیان کر کے اس بحث کا خاتمہ کیا ہے۔

اس سورہ کے آخر میں دوبارہ مسئلہ مبداء ومعاد کا ذکر کیا گیا ہے اور اس طرح اس سورہ کے انجام کو اس کے آغاز سے ملا دیا گیا ہے۔

سورہ اعراف کی فضیلت

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص سورہ اعراف کو مہینہ میں کم از کم ایک مرتبہ پڑھے گا وہ بروز قیامت ان لوگوں میں سے ہوگا جنہیں کوئی خوف ہوگا نہ غم۔ اور اگر اسے اللہ یہ توفیق دے کہ وہ سورہ اعراف کو ہر جمعہ کو پڑھے تو وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں محشور ہوگا جو بغیر کسی حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے''۔

نیز حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سورہ میں کچھ آیات محکمہ ہیں جن کا پڑھنا تلاوت کرنا اور ان پر عمل کرنا کبھی نہ بھولنا کیونکہ یہ آیات بروز محشر خدائے ذوالجلال کی پیشی میں اپنے پڑھنے والے کی گواہی دینگے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) الٓمّٓصٓ ۚ	المص

(۲) كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ	یہ وہ کتاب ہے جو تم پر نازل ہوئی اس کی وجہ سے تمہارے سینے میں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے غرض یہ ہے کہ تم اس کے ذریعے (تمام لوگوں کو عقائد بد اور اعمال ناشائستہ کے برے انجام سے) ڈراؤ اور یہ ایک یاد دہانی ہے مومنوں کیلئے۔
(۳) اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ	(اس بناء پر) وہ چیز جو تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہاری طرف نازل ہوئی اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا دوسرے سرپرستوں اور خداؤں کی پیروی مت کرو لیکن کم ایسا ہوتا ہے کہ تم پر یاددہانی اثر کرے (اور تم ہوش میں آ ؤ)۔

تفسیر

اس سورہ کے آغاز میں ایک مرتبہ پھر ہمیں قرآن کے حروف مقطعات سے سابقہ پڑتا ہے یہاں چار حرف ہیں الف، لام، میم اور صاد۔

ممکن ہے ان حروف کے اغراض ومقاصد میں سے ایک بات یہ ہو کہ تلاوت قرآنی سے سننے والوں کی توجہ حاصل کی جائے اور انہیں خاموش رہنے کی دعوت دی جائے کیونکہ آغاز کلام میں ان حروف کا ذکر کان عربوں کی نظر میں ایک عجیب اور نئی چیز تھی جوان میں جستجو کا جذبہ ابھارتی تھی اور غالبا ایسا ہوتا تھا کہ ان حروف کو سننے کے بعد وہ بعد والے مطالب کو بھی دھیان کے ساتھ سنتے تھے

(۲) اس آیت میں فرماتا ہے یہ وہ کتاب ہے جو تم پر نازل ہوئی ہے اس کی وجہ سے کسی قسم کی فکر یا اذیت کو اختیار نہ کرو۔

مذکورہ بالا جملہ پیغمبر ﷺ کی تسلی کیلئے فرمایا ہے چونکہ یہ آیتیں خدا کی جانب سے ہیں لہذا کسی قسم کی فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے ردعمل اور جوابی کارروائیوں کی فکر جو نہایت جاہل اور ضدی دشمنوں کی طرف سے پیش آ سکتی ہیں نہ اس نتیجہ کی فکر جو اس تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں برآمد ہوگا

اس کے بعد کے جملے میں مزید فرماتا ہے اس کتاب کو نازل کرنے کا مقصد لوگوں کو ان کے افکار واعمال کے انجام سے ڈرانا ہے اسی طرح یہ تنبیہ اور یاددہانی ہے سچے مومنین کیلئے۔

اس کے بعد عام انسانوں کی طرف روئے سخن کر کے ارشاد ہوتا ہے جو چیز تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے اوپر نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کر۔ اور اس طرح پیغمبر ﷺ اور ان کے ماموریت ورسالت سے بات شروع ہو کر تمام لوگوں کے فرض منصبی پر ختم

ہو جاتی ہے۔

مزید تاکید کیلئے ارشاد فرماتا ہے غیر خدا کے فرمان کی پیروی نہ کرو اور اس کے علاوہ کسی دوسری کو اپنا والی و سرپرست نہ بناؤ۔

لیکن چونکہ ایسے بندے جو پورے طور سے حق کے سامنے اپنا سر خم کرتے ہیں اور یاد دہانیوں کا اثر لیتے ہیں کم ہیں اس بناء پر آیت کے آخر میں فرماتا ہے تم یاد دہانیوں کا اثر بہت کم لیتے ہو۔

ضمنی طور پر یہ آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان ایک دوراہے پر کھڑا ہے ایک تو خدا کی سرپرستی و رہبری کا راستہ ہے اور دوسرا غیروں کی سرپرستی میں داخل ہونے کا راستہ اگر پہلی راہ اختیار کرے تو اس کا سرپرست و والی صرف خدا ہے اور دوسروں کی سرپرستی قبول کرے تو اسے ہر روز کسی نہ کسی کا بار اپنے کاندھے پر اٹھانا پڑے گا اور ہر روز ایک نئے مالک و سرپرست کا انتخاب کرنا پڑے گا۔

(۴) وَ كَمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا فَجَآءَهَا بَاۡسُنَا بَيَاتًا اَوۡ هُمۡ قَآئِلُوۡنَ	اور کتنے ہی شہر اور آبادیاں ایسی ہیں جنہیں ہم نے (ان کے گناہوں کی وجہ سے) تباہ کر دیا اور ہمارے عذاب نے جبکہ وہ رات کو سوئے ہوئے تھے یا دوپہر کو استراحت کی حالت میں تھے انہیں جالیا۔
(۵) فَمَا كَانَ دَعۡوٰهُمۡ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَآ اِلَّآ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ	پس جس موقع پر ہمارا عذاب ان پر آیا تو وہ اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکے کہ ہم ظالم تھے۔

تفسیر

وہ قومیں جو نابود ہوگئیں

ان دونوں آیتوں میں ان عبرت ناک سزاؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو سابقہ آیات میں مذکورہ فرمانوں کی مخالفت کی وجہ سے دی گئیں۔

نیز یہ فی الواقع متعدد قوموں کی سرگزشت کی ایک اجمالی فہرست ہے جیسے قوم نوح قوم فرعون قوم عاد قوم ثمود اور قوم لوط جن کا ذکر بعد میں آنے والا ہے۔

اس مقام پر قرآن ان لوگوں کو جو انبیائے الٰہی کی تعلیمات سے روگردانی کرتے ہیں اور بجائے اپنی اور دوسرے افراد کی اصلاح کے فساد کے بیج بوتے ہیں انہیں شدت سے تنبیہ کرتا ہے کہ وہ ذرا پچھلی قوموں کی زندگی پر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں ہم نے کس قدر شہر اور آبادیاں تباہ و برباد کر دیں اور ان میں رہنے والے لوگوں کو نابود کر دیا۔

اس کے بعد ان کی ہلاکت کی کیفیت کو اس طرح بیان کرتا ہے ہمارا دردناک عذاب رات کی تاریکی میں جبکہ وہ خواب

راحت میں ڈوبے ہوئے تھے یا دن کے درمیانی حصہ میں اس وقت جبکہ وہ دن کے کاموں کے بعد استراحت کر رہے تھے انہیں آ پہنچا۔

(۵) اس آیت میں بات کو آگے یوں بڑھاتا ہے وہ لوگ جب گرداب بلا میں گرفتار ہوئے تھے اور پاداش عمل کا طوفان ان کی زندگی کے آشیانہ کو اجاڑ رہا ہوتا تھا تو وہ نخوت وغرور کی بلندی سے نیچے آتے تھے اور یوں کہتے تھے ہم ستمگر تھے اور اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ ظلم وستم نے ان کا دامن تھام رکھا تھا۔

آج کا انسان جسے ایک صنعتی ومیکانیکی انسان کہا جاتا ہے اپنی تمام قدرتوں اور قوتوں کے باوجود جو اس نے بڑی کدو کاوش کے بعد حاصل کر رکھی ہیں زلزلے کے ایک جھٹکے طوفان کے ایک جھونکے بارش کے ایک تھپیڑے اور اسی طرح کی دیگر آسمانی بلاؤں کے آگے اسی طرح کمزور وناتواں ہے جس طرح ماقبل تاریخ کے دور میں تھا بنابریں وہ دردناک عذاب اور انجام بد جس کا سامنا گذشتہ امتوں کے ستمگاروں اور غرور وہوس رانی میں مست انسانوں کو کرنا پڑتا تھا آج کے انسان سے بھی بعید نہیں ہے بلکہ اس وقت انسان کو جو قدرت وطاقت حاصل ہوگئی ہے اس کی بناء پر وہ خود اپنی تباہی وعذاب کا سبب بن سکتا ہے۔

(٦) فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ	ہم یقیناً ان لوگوں سے سوال کریں گے جن کی طرف ہم نے رسول بھیجے تھے نیز ان پیغمبروں سے بھی سوال کریں گے
(٧) فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ	اور یقیناً (سب کے اعمال کو حرف بہ حرف) ان کے سامنے اپنے (وسیع علم) کی رو سے بیان کریں گے اور ہم اصولی طور پر غائب نہ تھے (بلکہ ہم ہر جگہ حاضر وناظر تھے)۔
(٨) وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ٍالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	اور اس روز (اعمال کا) وزن کرنا (اور ان کی قیمت معین کرنا) برحق ہے وہ لوگ جن کا میزان (عمل) بھاری ہے وہ فلاح یافتہ ہیں۔
(٩) وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ	اور وہ لوگ جن کا میزان (عمل) سبک ہے وہ ہیں جنہوں نے اپنے اس ظلم وستم کی وجہ سے جو وہ ہماری آیتوں پر روا رکھتے تھے اپنے سرمایہ وجود سے ہاتھ دھولیا ہے۔

تفسیر

ایک عام بازپرس

گذشتہ آیات میں خداشناسی اور نزول قرآن کی طرف اشارہ کیا گیا تھا لیکن زیر نظر آیات جن میں معاد کی بابت گفتگو کی گئی

ہے فی الواقع یہ ان آیات کی تکمیل کنندہ ہیں علاوہ ازیں گذشتہ آیات میں دنیا میں ظالموں کے ظلم کے نتائج کے بارے میں گفتگو تھی اور ان آیات میں ان لوگوں کی اخروی سزاؤں کو بیان کیا گیا ہے اس طرح سے ان تمام آیات کے درمیان واضح ربط موجود ہے۔

ابتداء میں ایک عام قانون کے طور سے فرماتا ہے ان تمام لوگوں سے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا ہے ہم یقینی طور سے بروز قیامت سوال کریں گے بلکہ ان کے رسولوں سے بھی سوال کریں گے کہ تم نے ہمارا پیغام ان تک کسی طرح پہنچایا۔

بنابریں رہبر بھی مسئول ہیں اور پیرو بھی پیشوا بھی جوابدہ ہیں مرید بھی اگرچہ ان دونوں گروہوں کی مسئولیت جداگانہ ہے

(۷) پیغمبروں کو بروز قیامت روکا جائے گا اور ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے اللہ کا پیغام اپنی امتوں کو پہنچایا تھا یا نہیں وہ جواب دیں گے کہ ہاں ہم نے پیغام پہنچا دیا تھا۔

شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ خدا کے علم سے کچھ چیزیں مخفی ہیں اس لئے وہ بروز قیامت اس طرح کے سوالات کرے گا اس توہم کو دور کرنے کیلئے اس آیت میں خدا یقینی طور پر قسمیہ تاکید کے ساتھ فرماتا ہے ہم اپنے علم و آگاہی کی بناء پر ان کے تمام اعمال کی شرح ان سے بیان کریں گے کیونکہ ہرگز ان سے غائب نہ تھے ہر جگہ ان کے ساتھ تھے اور ہر حال میں ان کے ہمراہ تھے۔

سوال کس لئے؟

پہلی بحث جو ہمیں درپیش ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ خدا ہر چیز کو جانتا ہے اور اصولی طور پر ہر جگہ حاضر و ناظر بھی ہے اس صورت میں اس بات کی کیا ضرور ہے کہ وہ تمام انبیاء اور امتوں سے بغیر کسی استثناء کے باز پرس کرے؟

اس سوال کا جواب واضح ہے کیونکہ اگر سوال کرنا اطلاع حاصل کرنے کیلئے اور واقعہ معلوم کرنے کیلئے ہو تو جسے معلوم ہے اس کیلئے ایسا سوال کرنا بے فائدہ ہوگا لیکن اگر سوال کا مقصد یہ ہو کہ مخاطب کو متوجہ کیا جائے یا اس سے اتمام حجت کی جائے یا اس کے علاوہ کوئی اور غرض ہو تو اس موقع پر سوال بے جا نہیں ہے۔

اس کی ٹھیک مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص کثیر النسیان ہو اور ہم نے بہت زیادہ اس کی خدمت کی ہو پھر اس نے بجائے خدمت کے طرح طرح کی خیانتوں سے بدلہ دیا ہو یہ تمام باتیں ہم پر روشن ہیں لیکن اس کے باوجود ہم اس شخص سے باز پرس کرتے ہوئے اس سے پوچھتے ہیں کہ آیا ہم نے تمہاری طرح طرح کی خدمتیں نہیں کیں؟ کیا تم نے ان خدمتوں کا حق ادا کیا۔

اس طرح کے سوالات تحصیل علم کیلئے نہیں ہوا کرتے بلکہ دوسرے کی تفہیم کیلئے ہوتے ہیں

(۸) اس کے بعد والی آیت میں بحث حشر و نشر کی تکمیل کیلئے مسئلہ اچھے برے اعمال کی پرکھ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کی مثال قرآن کی دوسری سورتوں میں بھی موجود ہے جیسے سورہ مومنون آیات ۱۰۲-۱۰۳۔ اور سورہ قارعہ آیات۔ ۶،۷۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے کہ اعمال کے تولے جانے کا مسئلہ اس روز برحق ہے۔

قیامت کے روز اچھے برے اعمال کی پرکھ کیلئے ترازو سے کیا مراد ہے

بروز محشر اعمال کے تولے جانے کی کیفیت کے بارے میں مفسرین و متکلمین کے درمیان بڑی بحث ہے چونکہ بعض افراد

نے یہ خیال کیا ہے کہ وزن وترازو اس جہان میں بالکل اس جہان کے وزن وترازو کی طرح ہے

یہاں تک کہ اس جہان میں بھی دوستان خدا دوسروں کے اعمال کے ترازو ہیں لیکن چونکہ اس دنیا میں بہت سے حقائق پردہ خفاء میں رہ جاتے ہیں اور روز قیامت بمقتضائے آیہ شریفہ "و بروز اللہ الواحد القھار" (ابراہیم......۴۸) روز انکشاف وظہور ہے اس لئے اس دن یہ واقعیت ظاہر وآشکارا ہوجائے گی

اس کے بعد کے جملے میں ارشاد ہوتا ہے وہ لوگ جن کا پلہ میزان عمل سے بھاری ہے نجات یافتہ ہیں اور وہ لوگ جن کا پلہ ہلکا ہے وہ' وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس ظلم وستم کی وجہ سے جوانہوں نے ہماری آیات کے بارے میں کیا ہے اپنے سرمایہ وجود کو کھودیا ہے۔

(۹) یہ بات بھی بدیہی ہے کہ میزان کے بھاری اور ہلکے پلے سے خود ترازو کے پلہ کا بھاری اور ہلکا ہونا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو ان ترازوؤں میں تولے جائیں گے۔

اسی ضمن میں "خسروا انفسھم" (انہوں نے اپنے سرمایہ وجود کو کھودیا) سے اس حقیقت کی طرف ایک لطیف اشارہ ہوتا ہے کہ اس طرح کے افراد بہت بڑے خسارے اور گھاٹے میں مبتلا ہوں گے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان یوں گھاٹا اٹھاتا ہے کہ اس کا مال یا مقام ہاتھ سے چلا جاتا ہے لیکن کبھی ایسا گھاٹا اٹھاتا ہے کہ وہ اپنے سرمایہ ہستی کو کھو بیٹھتا ہے اس طرح کہ اس کے بدلے میں اسے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا یقیناً یہ سب سے بڑا اور برا خسارہ ہے۔

(۱۰) وَ لَقَدۡ مَکَّنّٰکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلۡنَا لَکُمۡ فِیۡهَا مَعَایِشَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ۠	ہم نے زمین پر تسلط مالکیت اور حکومت تمہارے لئے قرار دی ہے اور زندگی کیلئے طرح طرح کے وسائل تمہارے لئے فراہم کئے ہیں لیکن تم بہت کم شکر کرتے ہو (اور خدا کی ان تمام نعمتوں کو برمحل صرف نہیں کرتے)۔

تفسیر

جہان ہستی میں انسان کا عظیم الشان مقام

جن آیات میں مبداء ومعاد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کے بعد اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیات میں موضوع گفتگو یہ امور ہیں انسان اور اس کے مقام کی عظمت واہمیت اس طرح کے افتخارات کی کیفیت جو اللہ نے اسے عطا کئے ہیں

شروع میں فرماتا ہے: ہم نے زمین پر تمہیں مالکیت حکومت اور تسلط عطا کیا ہے۔

اور اس میں تمہارے لئے زندگی کے طرح طرح کے وسائل پیدا کئے ہیں۔

لیکن تمہارا حال یہ ہے کہ تم نعمتوں اور عطیوں کا بہت کم شکر کرتے ہو۔

(۱۱)وَ لَقَدۡ خَلَقۡنٰکُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰکُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ٭ۖ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ لَمۡ یَکُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ	ہم نے تمھیں پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری شکل وصورت بنائی اس کے بعد ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کیلئے سجدہ کروانھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔
(۱۲) قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُکَ ؕ قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ۚ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ	(خدا نے اس سے) کہا: تجھے کس چیز نے سجدے سے روکا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا؟ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے خاک سے۔
(۱۳) قَالَ فَاہۡبِطۡ مِنۡہَا فَمَا یَکُوۡنُ لَکَ اَنۡ تَتَکَبَّرَ فِیۡہَا فَاخۡرُجۡ اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیۡنَ	(اللہ نے) کہا: اس مقام (ومرتبہ سے اتر جا تجھے اس مقام و مرتبہ) میں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تو تکبر کرے تو یہاں سے نکل جا تو پست وحقیر افراد میں سے ہے۔
(۱۴) قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ	اس (شیطان) نے کہا مجھے روز محشر تک کیلئے مہلت دے (اور زندہ رہنے دے)۔
(۱۵) قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ	(اللہ نے) فرمایا: تو مہلت یافتہ افراد میں سے ہے۔
(۱۶) قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَہُمۡ صِرَاطَکَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ	اس نے کہا: اب جبکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں تیرے سیدھے راستے پر ان لوگوں کی تاک میں رہوں گا۔
(۱۷) ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَ عَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَ عَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَکۡثَرَہُمۡ شٰکِرِیۡنَ	اس کے بعد ان کے آگے سے پیچھے سے داہنی طرف سے بائیں طرف سے ان کی طرف آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔

(۱۸) قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ	(اللہ نے) فرمایا: اس (مقام سے) ذلت وخواری کے ساتھ باہر نکل جا جو شخص بھی ان میں سے تیری پیروی کرے گا میں ان سے اور تجھ سے جہنم کو بھر دوں گا۔

تفسیر

ابلیس کی سرکشی اور عصیان کا ماجرا

قرآن کریم کی سات سورتوں میں انسان کی پیدائش اور اس کی خلقت کی کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں ارشاد ہوتا ہے: اس کے بعد ہم نے فرشتوں کو اور ان کے درمیان ابلیس کو بھی جو اگرچہ فرشتوں میں سے نہ تھا لیکن ان کے درمیان تھا حکم دیا کہ آدم (جو تمہارا اجداد اول تھا) کیلئے سجدہ کریں۔

سب نے جان و دل سے اس فرمان کو قبول کیا اور انہوں نے آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا سجدہ عبادت نہ تھا کیونکہ پرستش صرف خدا کیلئے مخصوص ہے بلکہ یہاں پر سجدہ برائے خضوع واحترام تھا یعنی انہوں نے آدم علیہ السلام کے آگے اظہار فروتنی کیا تھا

(۱۲) اس آیت میں فرمایا گیا ہے خدا نے ابلیس کی سرکشی اور طغیان کی وجہ اس کا مواخذہ کیا اور کہا اس بات کا کیا سبب ہے کہ تو نے آدم کو سجدہ نہیں کیا اور میرے فرمان کو نظر انداز کر دیا ہے؟

اس نے جواب میں ایک فضول بہانے کا سہارا لیا اور کہا میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو آب وگل سے۔

گویا اسے خیال تھا کہ آگ خاک سے بہتر و افضل ہے یہ ابلیس کی ایک بڑی غلط فہمی تھی شاید اسے غلط فہمی بھی نہ تھی بلکہ جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا تھا۔ ان تمام باتوں سے ہٹ کر سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ امتیاز وخصوصیت صرف یہ نہ تھی کہ ان کی خلقت خاک سے ہوئی ہے بلکہ آدم علیہ السلام کا امتیاز اس بات میں تھا کہ ان میں روح انسانیت پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ مقام خلافت الٰہی اور خدا کی نمائندگی کے مرتبے پر فائز تھے۔

ایک سوال کا جواب

یہاں پر ایک سوال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ شیطان نے خدا سے کس طرح گفتگو کی کیا اس پر بھی وحی نازل ہوتی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کا بات کرنا ہمیشہ وحی کا پہلو نہیں رکھتا کیونکہ وحی کا مفہوم ہے پیام ورسالت ونبوت اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے

کہ خدا کسی شخص سے نہ بہ عنوان وحی ورسالت بلکہ بطریق الہام درونی کسی فرشتے کے ذریعے بات کرے چاہے یہ شخص صالح افراد میں سے ہو جیسے مریم علیہاالسلام و مادر حضرت موسیٰ علیہاالسلام یا غیر صالح ہو جیسے شیطان۔

(۱۳) چونکہ شیطان کا آدم کو سجدہ کرنے سے انکار ایک عام اور معمولی انکار نہ تھا اور نہ ہی ایک عام گناہ شمار ہوسکتا تھا بلکہ یہ ایک سرکشی اور اعتراض تھا جس میں مقام پروردگار کا انکار چھپا ہوا تھا کیونکہ وہ جو یہ کہتا ہے کہ میں آدم سے بہتر ہوں درحقیقت اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کو سجدہ کرنے کے بارے میں تیرا حکم حکمت وعدالت کے خلاف ہے اور ''مرجوح'' (پست) کو ''راجح'' (بلند) پر مقدم کرنے کا باعث ہے اس وجہ سے اس کے انکار کا رشتہ کفر سے اور پروردگار کی حکمت اور علم کے انکار سے ملا ہوا ہے اور اسی وجہ سے وہ اس مقام اور مرتبے سے گر گیا جو اسے بارگاہ خدا میں حاصل تھی یہی وجہ تھی کہ خدا نے اسے اس بلند مرتبہ سے نکال دیا جو اس نے فرشتوں کی صفوں کے درمیان حاصل کیا تھا اور اس سے فرمایا اس مقام ومرتبہ سے گر جا۔

بعد ازاں اس جملے کے ذریعے اس کے سقوط وتنزل کی اصل وجہ بیان فرمائی ہے تجھے اس بات کا حق نہیں کہ تو اس مقام و مرتبے میں تکبر کا راستہ اختیار کرے۔

ایک مرتبہ مزید تاکید کیلئے فرمایا باہر نکل جا کہ تو پست وذلیل افراد میں سے ہے یعنی تو اپنے اس عمل کی وجہ سے نہ صرف کسی بزرگی کو حاصل نہ کرسکا بلکہ پستی وخواری کے گڑھے میں جا گرا۔

اس جملے سے بخوبی واضح ہوگیا کہ شیطان کی تمام بدبختی اس کے تکبر کی وجہ سے تھی اس کی یہ خود پسندی اور غرور کہ اس نے خود کو اس مرتبے پر قرار دیا جس کا وہ حقیقت میں مستحق نہ تھا اس امر کا سبب بنا کہ اس نے نہ صرف آدم کیلئے سجدہ نہ کیا بلکہ اس نے خدا کے علم وحکمت کا بھی انکار کر دیا اور اس کے فرمان پر نکتہ چینی کی جس کے نتیجے میں اس نے اپنا مقام ومرتبہ کھو دیا اور بجائے بزرگی کے ابدی پستی وذلت کو خرید لیا۔

(۱۴) لیکن شیطان کی داستان اسی جگہ پر ختم نہیں ہوتی کیونکہ اس نے جب یہ دیکھا کہ وہ درگاہ خداوندی سے نکال دیا گیا ہے تو اس کی سرکشی اور ہٹ دھرمی میں اور اضافہ ہوگیا چنانچہ اس نے بجائے شرمندگی اور توبہ کے اور بجائے اس کے کہ وہ خدا کی طرف پلٹے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرے اس نے خدا سے صرف اس بات کی درخواست کی کہ خدایا! مجھے دنیا کے اختتام تک کیلئے مہلت عطا فرمادے اور زندگی عطا کر۔

(۱۵) اس کی یہ درخواست قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے مہلت دی جاتی ہے۔

(۱۶) لیکن اس نے جو یہ مہلت حاصل کی وہ اس لئے نہیں تھی کہ وہ اپنی غلطی کا تدارک کرے بلکہ اس نے اس طولانی عمر کے حاصل کرنے کا مقصد اس طرح بیان کیا اب جبکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے تو میں بھی تیرے سیدھے راستے پر تاک لگا کر بیٹھوں گا (مورچہ بناؤں گا) اور ان اولاد آدم کو راستے سے ہٹا دوں گا۔

تاکہ جس طرح میں گمراہ ہوا ہوں اسی طرح وہ بھی گمراہ ہو جائیں۔

(۱۷)مسلک جبر کا بانی بھی ابلیس تھا

اس کے بعد شیطان نے اپنی بات کی مزید تائید و تاکید کیلئے یوں کہا میں نے صرف یہ کہ ان کے راستہ پر اپنا مورچہ قائم کروں گا بلکہ ان کے سامنے سے پیچھے داہنی جانب سے بائیں جانب سے گویا چاروں طرف سے ان کے پاس آؤں گا جس کے نتیجے میں تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہ پائے گا۔

لیکن ایک روایت جو امام محمد باقر علیہ السلام سے وارد ہوئی ہے اس میں ان چار جہت کی ایک گہری تفسیر ملتی ہے اس میں ایک جگہ پر حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''شیطان جو آگے سے آتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آخرت کو جو انسان کے آگے ہے اس کی نظر میں سبک کر دیتا ہے اور پیچھے سے آنے کے معنی یہ ہیں کہ شیطان انسان کو مال جمع کرنے اور اولاد کی خاطر بخل کرنے کیلئے ورغلاتا ہے اور داہنی طرف سے آنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ انسان کے دل میں شک و شبہ ڈال کر اس کے امور معنوی کو ضائع کر دیتا ہے اور بائیں طرف سے آنے سے مراد یہ ہے کہ شیطان انسان کی نگاہ میں لذات مادی و شہوات دنیوی کو حسین بنا کر پیش کرتا ہے''

(۱۸) زیر بحث آخری آیت کے آخر میں ایک مرتبہ اور شیطان کو یہ فرمان دیا جاتا ہے کہ وہ مقام قرب الٰہی اور اپنی سابقہ منزلت اور درجے سے نکل جائے بس اتنا فرق ہے کہ یہاں پر اس کے باہر نکل جانے کا فرمان شدید تر اور زیادہ تحقیر آمیز لہجے میں صادر ہوا ہے یہ شاید شیطان کی جرات و جسارت اور اس ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے جس کا اظہار اس نے افراد انسانی کو گمراہ کرنے کے سلسلے میں کیا تھا یعنی شروع میں اس کا گناہ صرف یہ تھا کہ اس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا اسی لئے اس کے خروج کا حکم صادر ہوا اس کے بعد اس نے ایک اور بڑا گناہ یہ کیا کہ خدا کے سامنے بنی آدم کو بہکانے کا عہد کیا اور ایسی بات کہی گویا وہ خدا کو دھمکی دے رہا تھا ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کونسا گناہ ہو سکتا ہے لہٰذا خدا نے اس سے فرمایا اس مقام سے بدترین ننگ و عار کے ساتھ نکل جا اور ذلت و خواری کے ساتھ نیچے اتر جا۔

اور فرمایا میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ جو بھی تیری پیروی کرے گا میں جہنم کو تجھ سے اور اس سے بھر دوں گا۔

جبکہ شیطان اتنے بڑے گناہ کا مرتکب ہوا تو اس کے بعد اللہ نے اس کی درخواست کو کیوں منظور کیا کہ اسے ایک طولانی عمر دی جائے؟

دوسرے سوال کا جواب بھی اس بات سے ظاہر ہو جائے گا جو ہم نے پہلے سوال کے جواب میں کہی ہے کیونکہ ایک منفی نقطے کے طور پر اس کی زندگی کا اس لئے باقی رہنا تاکہ مثبت نقاط کو تقویت پہنچے نہ صرف اس میں کوئی ضرر نہیں بلکہ یہ موثر بھی ہے حتیٰ کہ شیطان سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تب بھی خود ہمارے اندر بھی ایسے مختلف غرائز طبایع پائے جاتے ہیں جو عقلائی و روحانی قوتوں کا مقابلہ

کرتے رہتے ہیں اوران کی وجہ سے ایک تضاد و اختلاف کا میدان کارزار بن جاتا ہے اوراس میدان میں انان کی ترقی اور آگے بڑھنے کا راز مضمر ہوتا ہے شیطان کی زندگی کا باقی رہنا بھی دراصل اسی تضاد کی بنیادوں کوتقویت پہنچانے کیلئے ہے

نیز اس نکتے کی طرف بھی توجہ کرنا چاہئے کہ اگرچہ شیطان کو خدا نے گمراہ کرنے اور وسوسہ انگیزی کی پوری آزادی دے دی لیکن اس کے مقابلے میں انسان کو بھی بالکل نہتا اور بے دفاع نہیں رکھا کیونکہ اولاً اسے عقل وخرد کی عظیم طاقت عطا کی جس کی وجہ سے اسکے امکان میں ہے کہ اسکی وجہ سے وسوسہ ہائے شیطان کے سیلاب کو روکنے کیلئے ایک مضبوط بند قائم کرسکے۔

دوم یہ کہ انسان کو پاک فطرت اوراس کی نہاد میں چھپا ہوا ترقی کرنے کا عشق یہ بھی خدا کا عطیہ ہے جو انسان کو سعادت ابدی کی طرف بڑھنے میں مدد دیتا ہے۔

سوم یہ کہ جب شیطان بہکاتا ہے اور انسان اس سے بچنا چاہتا ہے لیکن کمزور پڑتا ہے تو ایسے موقع پر خداوند کریم اس کی مدد کرنے کیلئے ایسے فرشتوں کو بھیجتا ہے جو اسے نیکی کا الہام کرتے ہیں

(۱۹) وَ يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَامِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَاتَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ	اور اے آدم تم اور تمہاری زوجہ بہشت میں مقیم رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا' ورنہ ستم کرنے والوں میں سے ہوجاؤ گے۔
(۲۰) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ	اس کے بعد شیطان نے انہیں پھسلایا تاکہ وہ چیز جو ان کے اندام میں پوشیدہ ہے ظاہر ہو جائے اور اس نے کہا کہ تمہارے پروردگار نے تم کو اس درخت سے نہیں روکا ہے لیکن اس لیے کہ (اگر اس سے کھالو گے تو) فرشتہ بن جاؤ گے یا ہمیشہ کیلئے (بہشت میں) باقی رہو گے۔
(۲۱) وَ قَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۙ	اوراس نے ان کے سامنے یہ قسم کھائی کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔

(۲۲) فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ	اور اس طرح سے ان کو دھوکا دے کر (ان کے مقام و مرتبہ) سے نیچے گرا دیا اور جس وقت انہوں نے اس درخت سے چکھا ان کا اندام (شرم گاہ) ان کیلئے نمایاں ہوگیا اور انہوں نے درخت کے پتوں کو ایک دوسرے پر رکھنا شروع کیا تا کہ اس کو چھپائیں ان کے پروردگار نے ان کو ندا کی کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟

تفسیر

دلفریب انداز میں شیطانی وسوسے

ان آیات میں سرگزشت آدم کا ایک اور حصہ بیان کیا گیا ہے پہلے فرماتا ہے خدا نے آدم اور ان کی زوجہ حوا کو یہ حکم دیا کہ بہشت میں سکونت اختیار کریں۔

اس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدم وحوا اپنی پیدائش کے وقت بہشت میں نہ تھے خلقت کے بعد انہیں بہشت کی طرف بھیجا گیا

اس موقع پر پہلی ذمہ داری اور امر ونہی الٰہی اس شکل میں ظاہر ہوئی۔

تم بہشت کے ہر درخت سے کھا سکتے ہو لیکن خبردار اس مخصوص درخت کے پاس بھی نہ جانا ورنہ ستم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

(۲۰) اس کے بعد شیطان جو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود بارگاہ الٰہی ہوگیا تھا اور اس نے یہ پکا ارادہ کر لیا تھا کہ جس طرح بھی ہوگا آدم اور ان کی اولاد سے اس شکست کا انتقام لے گا اور انہیں راہ راست سے بہکانے کی کوشش کرے گا نیز اس نے سب سے پہلے جیسا کہ قرآن کہتا ہے انہیں پھسلانا شروع کیا تا کہ اطاعت و بندگی کی خلعت ان کے بدن سے اتار دے اور ان کی شرمگاہ کو جو پوشیدہ تھی ظاہر کر دے۔

مقصد تک پہنچنے کیلئے اس نے بہتر طریقہ یہ پایا کہ انسان میں تکامل و ترقی کا جو جذبہ پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے وہ زندگی جاودانی حاصل کرنا چاہتا ہے اس سے استفادہ کرے اور اسے مخالفت خدا کا ایک عذر و بہانہ بتلائے لہٰذا اس نے سب سے پہلے آدم علیہ السلام و حوا علیہا السلام سے یہ کہا خدا نے تمہیں اس درخت سے صرف اس لئے روکا ہے کہ اگر تم اس سے کھا لو گے تو یا فرشتے بن جاؤ گے اور یا عمر

جاودانی حاصل کرلوگے۔

اس طرح اس نے فرمان خدا کو ان کی نظر میں ایک دوسرے رنگ میں پیش کیا۔

(۲۱) آدمؑ نے جب یہ سنا تو فکر میں ڈوب گئے لیکن شیطان نے اپنا حربہ مزید کارگر کرنے کیلئے سخت قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا بھی خواہ ہوں۔

(۲۲) آدمؑ جنہیں زندگی کا ابھی کافی تجربہ نہیں تھا نہ ہی وہ ابھی تک شیطان کے دھوکے جھوٹ اور نیرنگ میں گرفتار ہوئے تھے انہیں یہ یقین نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئی اتنی بڑی چھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے اس تمام مطلب کو قرآن کریم نے اپنے ایک جملے میں خلاصہ کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے اس طرح سے شیطان نے انہیں دھوکا دیا اور اس نے اپنی رسی سے انہیں کنویں میں اتار دیا۔

بس جیسے ہی آدمؑ وحواؑ نے اس ممنوعہ درخت سے چکھا فوراً ہی ان کے کپڑے ان کے بدنوں سے نیچے گر گئے اور ان کے اندام ظاہر ہو گئے۔

جس وقت آدمؑ وحواؑ نے یہ دیکھا تو فوراً بہشت کے درختوں کے پتوں سے اپنی شرم گاہ چھپانے لگے۔

اس موقع پر خدا کی طرف سے یہ ندا آئی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے تم نے کس لئے میرے حکم کو بھلا دیا اور اس پست گرداب میں گھر گئے؟

یہ آیت اور وہ پہلی آیت جس میں آدمؑ وحواؑ کو بہشت میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت دی گئی تھی دونوں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دونوں اس نافرمانی کے بعد مقام قرب الٰہی سے کس قدر دور ہو گئے۔

شجرہ ممنوعہ کونسا درخت تھا؟

قرآن کریم میں بلاتفصیل اور بغیر نام کے چھ مقام پر شجرہ ممنوعہ کا ذکر ہوا ہے لیکن کتب اسلامی میں اس کی تفسیر دو قسم کی ملتی ہے ایک تو اس کی تفسیر مادی ہے جو حسب روایات گندم ہے۔

دوسری تفسیر معنوی ہے جس کی تعبیر روایات اہل بیتؑ میں شجرہ حسد سے کی گئی ہے ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ آدمؑ نے جب اپنا مقام بلند و درجہ رفیع دیکھا تو یہ تصور کیا کہ ان کا مقام بہت بلند ہے اس سے بلند کوئی مخلوق اللہ نے نہیں پیدا کی اس پر اللہ نے انہیں بتلایا کہ ان کی اولاد میں کچھ ایسے اولیاء الٰہی پیغمبر اسلامؐ اور ان کے اہل بیت کرامؑ بھی ہیں جن کا درجہ ان سے بھی بلند و بالا ہے اس وقت آدمؑ میں ایک حالت حسد سے مشابہ پیدا ہوئی اور یہی وہ شجرہ ممنوعہ تھا جس کے نزدیک جانے سے آدم کو روکا گیا تھا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ آدم نے ان روایات کی بنا پر دو درختوں سے تناول کیا ایک درخت تو وہ تھا جو ان کے مقام سے نیچے تھا اور انہیں مادی دنیا میں لے جاتا تھا اور وہ گندم کا پودا تھا آدم نے دونوں پہلوؤں سے اپنی حد سے تجاوز کیا اس لئے ایسے انجام میں گرفتار ہوئے۔

لیکن اس بات کی طرف توجہ رہے کہ یہ حسد حسد حرام کی قسم سے نہ تھا یہ صرف ایک نفسانی احساس تھا جبکہ انہوں نے اس طرف قطعاً کوئی اقدام نہیں کیا تھا۔

آیا آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تھا؟

یہود و نصاریٰ کی کتب مقدسہ سے ہم نے جو مذکورہ بالا عبارت پیش کی اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اس بات کے معتقد ہیں کہ آدم گناہ و معصیت کے مرتکب ہوئے تھے بلکہ ان کا گناہ کوئی معمولی گناہ نہیں تھا ان سے ایک سنگین گناہ سرزد ہوا تھا۔ حتی کہ انہوں نے مقام ربوبیت سے جنگ کی ٹھان لی لیکن مدارک اسلامی چاہے وہ عقل کی رو سے ہوں یا آیات و روایات ہوں ہمیں معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام انبیائے الٰہی میں سے تھے اس بنا پر یہ آیت یا دیگر آیات جن میں عصیان کی نسبت دیگر انبیاء کی طرف دی گئی ہے سب سے مراد عصیان نسبی اور ترک اولیٰ ہے نہ کہ مطلق گناہ۔

جاننا چاہئے کہ گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک گناہ مطلق دوسرے گناہ نسبی گناہ مطلق کے مفہوم میں نہی تحریمی کی مخالفت اور خدا کے فرمان قطعی اور ہر طرح کے واجب کو ترک کرنا یا کوئی حرام کام انجام دینا شامل ہے۔

لیکن گناہ نسبی یہ ہے کہ کسی بلند پایہ شخص سے کوئی ایسا غیر حرام عمل انجام پائے جو اس کی شان اور مقام کے مناسب نہ ہو۔

عبادت کے علاوہ ان کے دیگر اعمال کا حال بھی یہی ہے انہیں بھی ان کے مقام کے لحاظ سے جانچا جاتا ہے اسی وجہ سے اگر ایک ترک اولیٰ ان سے سرزد ہو جائے تو وہ پروردگار عالم کے عتاب و سرزنش کا باعث بنے گا ترک اولیٰ سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی بہتر کام کو ترک کر کے کار خوب یا عمل مباح بجا لائے۔

آدم کو شجرہ ممنوعہ سے جو نہی کی گئی تھی وہ بھی نہی تحریمی نہ تھی بلکہ ترک اولی تھا لیکن آدم کے مقام و درجہ کے لحاظ سے اسے اہمیت دی گئی اور اس کی مخالفت کو اگرچہ وہ نہی کراہتی تھی خدا کی جانب سے مجازات و مواخذہ کا سبب قرار دیا گیا۔

(۲۳) قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۖ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	ان دونوں (آدم وحوا) نے کہا: پروردگارا! ہم نے اپنی جانوں پر ستم کیا اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔
(۲۴) قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ	(خدا نے) فرمایا: (اپنے مقام سے) نیچے اتر جاؤ اس حال میں کہ تم (شیطان اور انسان) ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مدت تک کیلئے وسائل زندگی مہیا ہیں۔

(۲۵) قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۙ	(خدانے) فرمایا: اسی (زمین) میں جیو گے اسی میں مرو گے اور اسی سے (بروزِ محشر) باہر نکلو گے۔

تفسیر

آدم علیہ السلام کی بازگشت خدا کی طرف

آخرکار جب آدم علیہ السلام وحوا علیہا السلام نے شیطان کی چال کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا اور مخالفت کرنے کا نتیجہ ان کے سامنے آ گیا تو انہیں اپنے گذشتہ نقصان کی تلافی کی فکر لاحق ہوئی چنانچہ انہوں نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اپنے اوپر جو ظلم وستم کیا تھا اس کا خدا کی بارگاہ میں اعتراف کیا اور کہا اے پروردگارا! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم وستم کیا۔

اور اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور اپنی رحمت ہمارے شامل حال نہ کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اگرچہ آدم علیہ السلام وحوا علیہا السلام کی خالص توبہ خدا کی بارگاہ میں درجہ قبولیت پر فائز ہوگئی جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۳۷ میں ہم نے پڑھا کہ "فتاب علیه" خدانے ان کی توبہ قبول کر لی لیکن اس ترک اولیٰ کا جو لازمی نتیجہ تھا وہ ظاہر ہو کر رہا۔ کیونکہ انہیں یہ حکم ملا کہ بہشت سے باہر نکل جائیں فرمایا: نیچے اتر جاؤ اس طرح سے تم یعنی انسان اور شیطان ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے۔ یہاں انسان سے دشمنی سے مراد یہ نہیں ہے کہ دشمنی کی ابتدا انسان کی طرف سے ہو بلکہ مقصود یہ ہے کہ انسان شیطان کی دشمنی کے نتیجے میں دفاع کر کے شیطان کا مخالف ودشمن ہوگا۔

اور زمین ایک مدت تک تمہاری قرارگاہ اور زندگی کے دن پورے کرنے کیلئے ایک وسیلہ بنے گی۔

نیز یہ بات بھی ان کے کان میں ڈال دی کہ تم زمین میں زندگی کے دن پورے کرو گے اسی میں مرد گے اور بروزِ محشر حساب کتاب کیلئے اسی سے برآمد بھی ہوگے۔

(۲۶) يَبَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا ؕ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ	اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا تا کہ تمہارے اندام کو ڈھانپ لے اور تمہارے لئے زینت بنے اور تقویٰ کا لباس اس سے بہتر ہے یہ سب خدا کی آیتوں (نشانیوں) میں سے ہے شاید تم اس کی نعمتوں کو یاد کرنے والے بنو۔

(۲۷) یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ یَنۡزِعُ عَنۡھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوۡاٰتِھِمَا ؕ اِنَّہٗ یَرٰکُمۡ ھُوَ وَ قَبِیۡلُہٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَھُمۡ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ لِلَّذِیۡنَ لَایُؤۡمِنُوۡنَ	اے اولاد آدم! شیطان تمہیں دھوکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو دھوکا دے کر بہشت سے باہر نکال دیا اور ان کے لباس کو ان کے جسموں سے اتار دیا تا کہ ان کی شرمگاہیں انہیں دکھا دے کیونکہ وہ (شیطان) اور اس کے کارندے تمہیں دیکھتے ہیں اور تم انہیں نہیں دیکھتے (لیکن یہ جان لو) ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا ولی قرار دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔
(۲۸) وَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلَیۡھَاۤ اٰبَآءَ نَا وَ اللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ	اور جس وقت وہ کوئی کار بد کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپوں کو یہی کرتے دیکھا ہے اور خدا نے ہمیں یہی حکم دیا ہے (اے رسول!) ان سے کہہ دو کہ خدا (ہرگز) کبھی کسی کو برے کام کا حکم نہیں دیتا آیا خدا کی طرف اس بات کی نسبت دیتے ہو جو نہیں جانتے؟

تفسیر

بنی آدم کیلئے خطرے کی گھنٹی

یہی وجہ ہے کہ خدا نے ان آیات کے بعد تمام بنی آدم کیلئے کچھ ایسے تعمیر فرامین بیان کئے گئے درحقیقت بہشت میں آدم کو دیئے جانے والے احکام کا تمتہ ہیں۔

سب سے پہلے اسی مسئلہ لباس اور جسم ڈھانپنے کی بات کا ذکر کیا ہے جو واقعہ آدم میں بھی اہمیت کا حامل ہے فرماتا ہے اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا تا کہ تمہارے اندام کو ڈھانپ لے اور تمہارے بدن کے بدنما حصوں کو چھپا لے۔

لیکن اس لباس کا یہی فائدہ نہیں ہے کہ تمہارے بدن کو چھپا لے اور اس کی برائی کو پوشیدہ کر دے بلکہ ہم نے اسے تمہارے بدن کی زینت کیلئے بھی بھیجا ہے تا کہ یہ جیسا ہے اسے اس سے خوش نما تر دکھائے۔

اس جملے میں لباس ظاہری کے بیان کرنے کے فوراً بعد قرآن نے لباس معنوی کی بحث کو بھی چھیڑا ہے جیسا کہ دیگر مواقع پر قرآن کا طریقہ ہے اگر کسی چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں تو دونوں کو بیان فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے پرہیز گاری کیلئے لباس کی تشبیہ نہایت بلیغ اور معنی خیز ہے کیونکہ جس طرح لباس انسان کے بدن کو سردی اور گرمی سے بچاتا ہے بہت سے خطروں میں ڈھال کا کام بھی

کرتا ہے جسمانی عیوب کو پوشیدہ رکھتا ہے اور انسان کیلئے ایک قسم کی زینت بھی ہے اسی طرح تقویٰ و پرہیز گاری کا جذبہ علاوہ اس کے کہ وہ انسان کو گناہوں کے برے اثرات سے بچاتا ہے اور بہت سی انفرادی و اجتماعی خطروں سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ انسان کیلئے ایک بڑی زینت بھی بن جاتا ہے تقویٰ ایک ایسی جاذب نظر زینت ہے جو انسان کی شخصیت میں اہمیت پیدا کر دیتی ہے۔

لباس تقویٰ سے کیا مراد ہے؟ اس امر میں بھی مفسرین کے درمیان بڑی گفتگو ہوئی ہے بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی عمل صالح ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد حیا ہے بعض نے اس سے لباس عبادت مراد لیا ہے کچھ کا خیال ہے کہ اس سے مراد لباس جنگ ہے جیسے زرہ خود اور سپر وغیرہ کیونکہ تقویٰ کی اصل ''وقایۃ'' ہے جس کا معنی ہے حفاظت قرآن کریم میں بھی تقویٰ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اور چونکہ لباس تقویٰ کا لباس جسمانی کے مقابلے میں ذکر کیا گیا ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہی روح تقویٰ و پرہیز گاری ہے جس کی وجہ سے انسان کی جان محفوظ رہتی ہے اور حیا و عمل صالح بھی اس میں داخل ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے یہ لباس جو خدا نے تمہیں عطا کئے ہیں چاہے وہ مادی ہوں یا معنوی لباس جسمانی ہوں یا لباس تقویٰ یہ سب خدا کی آیات و نشانیاں ہیں تا کہ بندگان خدا خدا کی نعمتوں کو یاد کریں۔

گذشتہ اور موجودہ زمانے میں لباس

جہاں تک تاریخ کی دسترس ہے ہمیں انسان ہمیشہ لباس میں ملتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ تاریخ جتنی دور ہوتی جاتی ہے اور مقام بدلتے جاتے ہیں تو لباسوں میں بھی بڑا فرق ہوتا جاتا ہے گزشتہ زمانے میں لباس صرف جاڑے اور گرمی سے بچنے کیلئے یا بدن کی زینت کیلئے پہنا جاتا تھا

عصر حاضر میں صنعت لباس بانی کے مواد خام میں اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ جس کا گزشتہ دور میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن ہمارے دور میں کپڑے کے استعمال کا ایک ناپسندیدہ اور افسوسناک پہلو اس طرح سامنے آیا ہے کہ اس کا اصلی فائدہ گم ہوکر رہ گیا ہے۔

علاوہ بریں کتنا کثیر مال اور سرمایہ ان گوناں گوں لباسوں فیشن پرستیوں اور لباس پہننے کے مقابلوں میں خرچ ہو جاتا ہے اگر اس مبلغ کثیر کو ان فضول خرچیوں سے بچا لیا جائے تو اسے نہ معلوم کتنی اجتماعی اور معاشرتی مشکلیں حل ہوسکتی ہیں اور اس کے ذریعے اس دکھی معاشرے کے کتنے زخموں پر موثر طور پر مرہم رکھا جا سکتا ہے۔

لباس کے بارے میں فیشن پرستی سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ زر کثیر بیکار خرچ ہو جاتا ہے بلکہ اس سے وقت اور انسانی توانائی بھی بہت تلف ہوتی ہے۔

(۲۷) اس آیت میں خداوند تمام افراد بشر اور اولاد آدم کو خبردار کرتا ہے کہ شیطان کے ہتھکنڈوں سے ہوشیار رہیں کیونکہ شیطان نے اپنی پرانی دشمنی کا اظہار انسانوں کے پدر و مادر اول سے کر دیا ہے کہ انہیں فریب دے کر ان کا لباس جنت ان کے بدنوں

سے اتروا دیا اسی طرح ممکن ہے کہ وہ انسانوں کے لباس تقویٰ کو بھی اتروائے اس لئے فرمایا گیا ہے اے آدم کی اولاد شیطان تمہیں دھوکا نہ دے جیسا کہ اس نے تمہارے باپ آدم اور ماں حوا کو دھوکا دے کر بہشت سے نکال دیا اور ان کا لباس ان کے تن سے الگ کر دیا تا کہ ان کی شرمگاہ ان کو دکھلا دے۔

اس کے بعد تاکید فرماتا ہے کہ شیطان اور اس کے کارندوں کا حساب کتاب دیگر دشمنوں سے بالکل الگ ہے کیونکہ وہ اور اس کے کارندے تمہیں دیکھتے ہیں اس عالم میں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے لہٰذا ایسے دشمن سے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

آیت کے آخر میں ایک جملہ ہے جو درحقیقت ایک اہم اعتراض کا جواب ہے اگر کوئی یہ کہے کہ خدائے مہربان وعادل نے کس لئے ایسے موذی اور قوی دشمن کو انسان پر مسلط کر دیا دشمن ایسا جو اپنی طاقتوں میں انسان سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا جہاں چاہے چلا جائے بغیر اس کے کہ کوئی اس کے پاؤں کی آہٹ سن سکے بلکہ بعض روایات میں ہے کہ وہ انسان کے اندر اس طرح دوڑ جاتا ہے جس طرح خون بدن کی رگوں کے اندر دوڑتا ہے آیا یہ عمل عدالت الٰہی سے مطابقت رکھتا ہے؟

مذکورہ آیت اس احتمالی سوال کے جواب میں کہتی ہے ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا ولی وسرپرست قرار دیا ہے جو بے ایمان ہیں۔

یعنی شیطان کو اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ ان بندوں کی جان وروح میں داخل ہوسکیں۔

(۲۸) اس کے بعد کی آیت میں شیطان کے ایک اہم وسوسہ کا ذکر کیا گیا ہے جو بعض شیطان صفت انسانوں کی زبان پر بھی جاری ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب بھی وہ کوئی عمل قبیح بجالاتے ہیں اور ان سے اس کے متعلق جواب طلب کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں یہ وہ طریقہ ہے جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو گامزن پایا ہے۔

یہاں پر ایک جاذب نظر بات یہ ہے کہ خدا نے ان کی پہلی دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا گویا یہ ایسی فضول اور کمزور ہے جس کے جواب کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس دلیل کے بطلان کو ہر عقل سلیم سمجھ سکتی ہے علاوہ بریں قرآن کریم میں متعدد بار اس کا جواب دہرایا گیا ہے لہٰذا صرف دوسرے جواب پر اکتفاء کی ہے فرمایا گیا ہے خدا کبھی برے کاموں کا حکم نہیں دیتا کیونکہ اس کا حکم عقل کے حکم سے جدا نہیں ہے۔

بعد ازاں اس جملہ پر آیت کا خاتمہ ہوتا ہے کیا تم خدا کی جانب ایسی باتوں کی نسبت دیتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔

فحشاء سے کیا مراد ہے؟

”فاحشة“ سے مراد یہاں پر ظالم پیشواؤں کا لوگوں سے یہ کہنا ہے کہ وہ ان کی پیروی کریں کیونکہ بقول ان کے خدا نے ان کی اطاعت کو لوگوں پر فرض کیا ہے۔

(۲۹) قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۟ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ	(اے میرے رسول!) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے عدالت کا حکم دیا ہے اور ہر مسجد میں (اور وقت عبادت) اپنی توجہ اس کی طرف رکھو اسے پکارو اور اپنے دین کو اس کیلئے خالص کرو (اور یہ جان لو کہ) جس طرح اس نے تم کو آغاز میں پیدا کیا ہے اسی طرح تم حشر کے روز اس کی طرف پلٹو گے۔
(۳۰) فَرِیْقًا هَدٰى وَ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ	(خدا نے) کچھ لوگوں کی ہدایت کی اور کچھ لوگ (جن میں لیاقت نہیں ہے) ان کی گمراہی مسلّم الثبوت ہے (یہ وہ لوگ ہیں کہ) انہوں نے بجائے خدا کے شیطانوں کو اپنا ولی و سرپرست بنایا ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

تفسیر

اس آیت میں ایک مختصر جملے کے ذریعے پروردگار عالم کے ان فرامین بنیادی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کا تعلق عملی ذمہ داری سے ہے اس کے بعد اصول عقائد کی دو بنیادوں یعنی مبداء و معاد کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

ابتدا میں فرمایا گیا ہے اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ میرے پروردگار نے مجھے عدالت کا حکم دیا ہے۔

اس کے بعد توحید پرستی اختیار کرنے اور ہر طرح کے شرک کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے اے لوگو! ہر عبادت میں اس کی طرف متوجہ رہنا اور اس کی ذات پاک سے منہ موڑ کر اور کسی طرف نہ مڑنا۔

اسے پکارو اور اپنے دین و آئین کو اس کیلئے خالص اور مخصوص کردو۔

قرآن نے اپنی متعدد آیات میں اس غلط استبعاد اور بے جا استعجاب کا جواب دیا ہے آیت مذکورہ بالا انہی جوابات میں سے ایک مختصرترین لیکن جاذب ترین جواب ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

ذرا اپنی ابتدائے آفرینش پر ایک نظر تو ڈالو اور دیکھو کہ یہی تمہارا جسم جس کا زیادہ حصہ پانی اور باقی مختلف معدنیات پر مشتمل ہے پہلے کہاں تھا؟ تمہارے جسم میں جو پانی دوڑ رہا ہے اس کا ہر قطرہ شاید روئے زمین کے کسی اور قیاس میں سرگرداں تھا جو عمل تبخیر کے ذریعہ ابر بنا پھر قطرات باراں کی شکل میں زمین پر برسا پھر تمہارا جزو بدن بنا، اسی طرح وہ ذرات جن سے تمہارے جسم کی عمارت بنی ہے کسی روز یہ دانہ گندم یا کسی میوہ یا سبزی کی شکل میں تھے جو زمین کے مختلف حصوں سے سمٹ کر آئے اور تمہارا جزو بدن بنے۔

بنابریں اس بات میں کونسا تعجب ہے کہ جب یہ ذرات دوبارہ پریشان ہو جائیں گے اس کے بعد دوبارہ وہ خالق کے حکم

سے اکٹھا ہوجائیں گے اوراسی جسم کی تشکیل کر دیں گے اگر یہ امر محال تھا تو پہلی دفعہ کیسے ہوگیا؟ لہٰذا جس طرح آغاز میں خدا نے تمہیں مختلف اجزاء سے بنایا روز محشر بھی وہ تمہیں پلٹائے گا یہی مفہوم اس مختصر آیت میں پنہاں ہے۔

(۳۰) اس کے بعد کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس دعوت یعنی نیکیوں توحید اور معاد کی طرف دعوت کا لوگوں پر کیا اثر ہوا اور انہوں نے اس کا کیا ردعمل پیش کیا ارشاد ہوتا ہے خدا کی توفیق ایک گروہ کے شامل حال ہوگئی اور اسے حق کے راستہ کی طرف ہدایت کی جبکہ دوسرا گروہ وہ تھا کہ اس کی گمراہی مسلّم ہوگئی۔

اور چونکہ کسی کے ذہن میں یہ خیال ہوسکتا تھا کہ خدا بلا جہت کسی کو ہدایت کرتا ہے اور کسی کو گمراہ کرتا ہے لہٰذا اس خیال کی تردید کیلئے بعد والے جملے میں فرمایا گمراہ گروہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے شیطان کو اپنا ولی منتخب کرلیا ہے اور بجائے خدا کی ولایت کے شیطان کی ولایت اختیار کرلی ہے۔

جائے تعجب یہ ہے کہ ان تمام گمراہیوں کے بعد بھی وہ یہ تصور کرتے تھے کہ حقیقی ہدایت یافتگان وہی ہیں۔

یہ حالت خاص کر ان لوگوں کی ہے جو طغیان اور گناہ میں ڈوب جائیں اور اس طرح فساد تباہی بت پرستی اور کج روی کے دلدل میں غرق ہوجائیں کہ ان کی حس تشخص بالکل دگرگوں ہوجائے برائی کو اچھائی اور گمراہی کو ہدایت سمجھنے لگیں یہی وہ حالت ہوتی ہے کہ دریائے ہدایت ان کیلئے بالکل بند ہوجاتے ہیں اور یہ حالت ان کی خود فراہم کردہ ہوتی ہے۔

(۳۱) یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ۠	اے اولاد آدم! مسجد میں جاتے وقت اپنی زینت اپنے ساتھ لے لو کھاؤ، پیو اور اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
(۳۲) قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ ؕ قُلۡ ہِیَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا خَالِصَۃً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ	کہو کس نے حرام کیا ہے ان زینتوں کو جو خدا نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں اور پاک روزیوں کو؟ (اے رسول) کہو کہ یہ زندگانی دنیا میں ان لوگوں کیلئے ہے جو ایمان لائے (اگرچہ دوسرے لوگ بھی ان کے شریک ہیں لیکن) قیامت کے روز خالص ہوگی (صاحبان ایمان کیلئے) ایسی آیتوں کی تفصیل ہم ان لوگوں کیلئے پیش کرتے ہیں جو آگاہ ہیں۔

تفسیر

سب سے پہلے تمام فرزندانِ آدم کو ایک ایسا حکم دیا گیا ہے جو ایک لازوال قانون کے طور پر تمام زمانوں پر محیط ہے اپنی

زینت کو مسجد میں جاتے وقت ہمراہ رکھنا۔

اس جملہ سے جسمانی زینتوں کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جیسے صاف ستھرا لباس پہننا، کنگھی کرنا، عطر لگانا اور اسی طرح کی دوسری زینتیں کرنا اور اس سے روحانی زینتوں کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جس سے مراد صفات انسانی ملکات نفسانی نیت کی پاکیزگی اور اخلاص ہے۔

(۳۲) اس کے بعد کی آیت میں خدا کی دیگر نعمتوں جن کا تعلق کھانے پینے سے ہے کی طرف اشارہ ہوا ہے فرمایا گیا ہے کھاؤ اور پیو۔

لیکن چونکہ انسان کی طبعیت میں ہوس ہے اس لئے ہوسکتا تھا کہ وہ ان دو احکام سے ناجائز فائدہ حاصل کر لیتا اور صحیح پوشاک اور مناسب خوراک کی بجائے تجمل پرستی فضول خرچی اور کھانے میں افراط کا راستہ اختیار کر لیتا لہٰذا اس کی طرف فوراً تنبیہ کردی ہے کہ اسراف نہ کرنا کیونکہ خدا اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسراف کا کلمہ ایک بہت جامع ہے جو ہر قسم کی زیادہ روی کا مفہوم دیتا ہے چاہے وہ کمیت کے لحاظ سے ہو یا کیفیت کے اعتبار سے اتلاف ہو یا فضول خرچی یہ سب کو اپنے دائرہ میں لے ہوئے ہے

اس کے بعد کی آیت میں ذرا تند لہجہ میں ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ زہد کے معنی یہ ہیں کہ زینتوں کو انبیا پر حرام کر دیا جائے اور پاک وحلال رزق وروزی کو ترک کر دیا جائے تو یہ زہد و پارسائی کی نشانی اور مقرب بارگاہ الٰہی ہونے کی علامت ہے لہٰذا فرمایا گیا ہے اے پیغمبر! کہو کس نے خدا کی ان زینتوں کو حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں اور کس نے اس کی نعمتوں اور پاک روزیوں کو حرام کیا ہے۔

اس کے بعد مزید تاکید کیلئے فرماتا ہے ان سے یہ کہہ دو کہ یہ نعمتیں باایمان لوگوں کیلئے اس دنیا میں خلق ہوئی ہیں اگرچہ دوسرے افراد بھی لیاقت نہ ہونے کے باوجود ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن بروز آخرت اور اعلیٰ زندگی کے موقع پر جبکہ انسانوں کی صفوں کو چھانٹ کر کھوٹا کھرا الگ کیا جائے گا تب یہ سب نعمتیں اور لذتیں صرف باایمان اور نجات یافتہ افراد کو دی جائیں گی دوسرے لوگ ان سے بالکل محروم ہوجائیں گے۔

بنابریں وہ نعمتیں اور لذتیں جو دنیا میں بھی ان کیلئے پیدا کی گئی ہیں اور آخرت میں تو صرف انہی کیلئے کیونکہ ممکن ہے کہ خدا انہیں حرام قرار دے حرام وہ چیز ہوتی ہے جس میں کوئی ضرر ہو نہ کہ نعمت ومرحمت۔

آیت کے آخر میں تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے ہم اپنی ان آیتوں اور احکام کی ان لوگوں کیلئے جو آگاہ ہیں اور سمجھتے ہیں تشریح کرتے ہیں۔

اسلام کی نظر میں زیب وزینت کی حیثیت

ہر طرح کی زینتوں سے استفادہ کے بارے میں اسلام نے جیسا کہ اس کا رویہ دوسری چیزوں میں ہے۔ راہ اعتدال کو اختیار کیا ہے

(۳۳) قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	کہہ دو کہ میرے پروردگار نے صرف برے کاموں کو چاہے وہ آشکارا ہوں یا پنہاں حرام کیا ہے اور (اسی طرح) گناہ و ناحق ستم کو (حرام کیا ہے) اور یہ کہ اس چیز کو خدا کا شریک ٹھہراؤ جس کی کوئی دلیل خدا نے نازل نہیں کی اور اللہ کے متعلق وہ بات کہو جو نہیں جانتے (ان تمام باتوں کو اس نے حرام کیا ہے)۔

تفسیر

محرمات الٰہی

قرآنی اسلوب میں ہم نے متعدد بار یہ دیکھا کہ جب بھی قرآن نے کسی امر مباح یا امر لازم کے متعلق گفتگو کی ہے تو فوراً اس کے بعد اس کے نقطہ مقابل یعنی بداعمالیوں اور محرمات کا بھی ذکر چھیڑ دیا ہے تاکہ دونوں بحثیں آمنے سامنے ہو کر ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ بنیں چنانچہ اس مقام پر بھی عنایات الٰہی اور زینتوں کے استعمال کی اجازت اور ان کی نفی تحریم کے بعد محرمات کا ذکر شروع کر دیا ہے پہلے حرمت کی عمومی بات ہے اور اس کے بعد خاص طور سے چند اہم نکتوں کی نشاندہی کی ہے ابتداء میں فواحش کی تحریم کو بیان کیا گیا ہے فرماتا ہے اے پیغمبر کہہ دو میرے پروردگار نے صرف برے کاموں کو حرام کیا ہے چاہے وہ آشکارا ہوں یا پنہاں۔

بعد ازاں ایک مرتبہ پھر چند بڑے گناہوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے اور ہر طرح کا ستم اور دوسروں کے حقوق پر ناحق تجاوز کرنا۔

اس کے بعد مسئلہ شرک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے اے رسول کہہ دو میرے پروردگار نے یہ بھی حرام کیا ہے کہ کسی چیز کو بغیر دلیل کے اس کا شریک بناؤ۔

محرمات میں سے آخری چیز جس کا آیت نے ذکر کیا ہے وہ ہے بغیر جانے بوجھے خدا کی طرف کسی بات کی نسبت دینا۔

(۳۴) وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ	ہر قوم و ملت کیلئے ایک (معین) مدت اور زمانہ ہے جب بھی ان کی مدت ختم ہو جائے گی تو وہ لوگ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

تفسیر

ہر گروہ کا ایک انجام ہے

اس آیت میں خداوند کریم قوانین آفرینش میں سے ایک اہم قانون فنا و نیستی کا ذکر فرماتا ہے فرزندان آدم کی روئے زمین

پر زندگی سے متعلق جو بحثیں ہوئی ہیں پھر آخر امر میں گناہگاروں کا جو انجام بد گذشتہ آیات میں دکھلایا گیا ہے یہ سب اس بحث سے واضح ہو جائے گا۔

پہلے فرمایا گیا ہے ہر امت کیلئے ایک زمانہ و مدت معین مقرر کی گئی ہے۔

اور جس وقت یہ مدت پوری ہو جائے گی تو پھر ایک لحظہ کیلئے وہ اس سے بڑھ سکیں گے نہ پیچھے ہٹ سکیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تمام قومیں بھی افراد کی طرح قانون موت وحیات سے مستثنیٰ نہیں ہیں کچھ قومیں تو صفحۂ ہستی سے نابود ہو جاتی ہیں پھر ان کے بجائے دوسری قومیں آ جاتی ہیں لہٰذا قانون فنا سے نہ افراد الگ ہیں نہ قومیں بس فرق اتنا ہے کہ قوموں کی موت زیادہ تر اس وجہ سے واقع ہوتی ہے کہ وہ لوگ راہ حق وعدالت سے منحرف ہو جاتے ہیں ظلم وستم کا راستہ اختیار کرتے ہیں شہوت رانی و خواہشات کے دریا میں غرق ہو جاتے ہیں، تجمل پرستی، تن پروری کی موجوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

جب دنیا کی کوئی قوم ان راستوں پر آنکھیں بند کر کے چل پڑے اور مسلّم الثبوت قوانین فطرت کو پس پشت ڈال دے تو اس کا قہری نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ وہ اپنے سرمایۂ ہستی کو کھو بیٹھے گی اور تباہی کے گڑھے میں ہمیشہ کیلئے جا گرے گی۔

(۳۵) يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ	اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں اور وہ میری آیتیں تمہارے لئے پڑھیں (تو ان کی پیروی کرنا) کیونکہ جو لوگ تقویٰ اختیار کریں اور عمل صالح بجالائیں تو ان کے لئے نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
(۳۶) وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ	اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلے میں تکبر کریں گے وہ دوزخی ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر

پھر خداوند عالم فرزندان آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: اے اولاد آدم علیہ السلام اگر تم میں سے کچھ رسول (ہماری طرف سے) تمہارے پاس آئیں، جو ہماری آیتوں کو تمہارے سامنے پیش کریں تو ان کی پیروی کرنا، کیونکہ جو لوگ تقویٰ وپرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں خدا کے عتاب وسزا کا نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی غم واندوہ ہوگا۔

اس کے بعد کی آیت میں فرمایا گیا ہے: جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے وہ اصحاب دوزخ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۳۷) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ	ان لوگوں سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا پر بہتان باندھیں یا اس کی آیتوں کی تکذیب کریں! یہ لوگ جو کچھ ان کے مقدر میں ہے (اس جہاں کی نعمتوں میں سے) اس سے اپنا نصیب پائیں گے یہاں تک کہ ہمارے فرستادہ (قبض ارواح کے فرشتے) انہیں لینے آجائیں گے اور جانوں کو قبض کریں گے اور ان سے پوچھیں گے کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے تھے؟ (وہ آج تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے؟) وہ کہیں گے کہ وہ (سب آج) گم ہوگئے (اور ہم سے دور ہوگئے) اور وہ اپنے برخلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔

تفسیر

اس آیت اور اس کے بعد والی آیات میں ان لوگوں کے انجام بد کے کچھ حالات بیان کئے گئے ہیں جو خدا پر افترا و بہتان باندھتے ہیں اور خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں پہلے بیان کیا گیا ہے کہ مرنے کے بعد ان کی کیا حالت ہوگی کون شخص ان لوگوں سے زیادہ ظالم ہے جو خدا پر بہتان لگاتے ہیں یا اس کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔

بعد ازاں وقت مرگ ان کی حالت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا یہ لوگ چند روز کیلئے جتنا ان کے مقدر میں ہے اس سے اپنا حصہ حاصل کرتے ہیں اور اللہ کی مختلف نعمتوں سے اپنے نصیب بھر بہرہ ور ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان کی عمر کا جام لبریز ہو جاتا ہے اور اجل آجاتی ہے ایسے موقع پر موت کے فرشتے جو ان کی روحیں لے جانے کیلئے مقرر ہیں وہ ان کے سر پر نازل ہو جاتے ہیں۔

بہر حال مرنے کے ساتھ ہی ان کی پاداش عمل شروع ہو جاتی ہے سب سے پہلے موت کے فرشتے ان کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے وہ معبود کہاں ہیں خدا کو چھوڑ کر تم جن کی پرستش کرتے تھے اور تمام عمر ان کی پرستش کا دم بھرتے تھے اور اپنی تمام چیزوں کو ان پر قربان کرتے تھے۔

وہ سب گم ہوگئے اور ہم سے دور ہوگئے اب ہمیں ان کا کوئی نشان نہیں ملتا نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ وہ یہ عذاب ہم سے دور کر سکیں اور ہماری تمام عبادتیں جو ان کیلئے تھیں وہ سب بے سود ثابت ہوئیں۔ پلٹنے کا راستہ بھی ان کیلئے بند ہوگیا اور یہ ان کے کیفر اعمال کا پہلا تازیانہ ہے جو اللہ کی طرف سے ان کی روح پر لگایا جائے گا۔

(۳۸) قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِؕ کُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَاؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَکُوْا فِیْهَا جَمِیْعًاۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۬ؕ قَالَ لِکُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰکِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ	(خداوند کریم ان سے) کہے گا جنوں اور انسانوں میں سے جو تم سے پہلے تھے اور وہ (بداعمالی میں تم جیسے تھے) ان کے ہمراہ تم بھی آگ میں داخل ہو جاؤ جب بھی ایک گروہ (آگ میں) داخل ہو گا تو وہ دوسرے گروہ پر لعنت بھیجے گا تا کہ سب ذلت کے ساتھ اس میں باقی رہیں (اس ہنگام) پیروی کرنے والا گروہ اپنے پیشواؤں کے متعلق کہے گا خدایا! یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا لہٰذا آگ کے عذاب کو ان کیلئے دوگنا قرار دے۔ خدا کہے گا کہ تم میں سے ہر ایک کیلئے دوگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔
(۳۹) وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا کَانَ لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْسِبُوْنَ۠	پیشوا اپنے پیروؤں سے کہیں گے تمہیں ہم پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے پس عذاب (الٰہی) کا مزہ اس (عمل) کے بدلے میں چکھو جو تم نے انجام دیا ہے۔

تفسیر

دوزخ میں پیشواؤں اور پیروؤں کا جھگڑا

ان آیتوں میں بھی تکذیب کرنے والوں کا جو انجام بد ہونے والا ہے اسے بیان کیا گیا ہے پچھلی آیتوں میں وقتِ مرگ ان لوگوں کو جو کچھ پیش آنے والا ہے اسے بیان کیا گیا ہے اس آیت میں گمراہ کرنے والوں اور گمراہ ہونے والوں میں جو جھگڑا ہوگا اسے بیان کیا گیا ہے قیامت کے روز خدا ان سے کہے گا کہ جنوں اور انسانوں کا جو گروہ تم جیسا تم سے پہلے گزرا ہے ان کے ساتھ آتش جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

ہوسکتا ہے کہ یہ فرمان ایک فرمان تکوینی ہو یعنی خدا ان دونوں گروہوں کو آتش جہنم میں ایک جگہ ٹھہرائے گا یا یہ کہ یہ فرمان تشریعی کے مشابہ ہو جسے وہ اپنے کانوں سے سنیں گے اور مجبوراً اس کی اطاعت کریں گے۔

جس وقت وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو جو لوگ ان کے ہم کیش اور ہم مسلک ہیں ان سے ان کا جھگڑا شروع ہوگا ایک عجیب وعبرت انگیز جھگڑا ہر گروہ جب جہنم میں داخل ہوگا تو دوسرے گروہ پر لعنت کرے گا اور اسے اس بدبختی کا ذمہ دار ٹھہرائے گا۔

مطلب یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ جب سب کے سب بڑی ذلت وخواری کے ساتھ دوزخ کے شرر بار شعلوں میں پہنچ جائیں

گے تو ایک دوسرے کی شکایت خدا کی بارگاہ میں کرنے لگ جائیں گے سب سے پہلے فریب خوردہ افراد جب اپنے لئے راہ نجات ہر طرف سے بند پائیں گے تو یہ شکایت کریں گے پروردگارا! ان گمراہ کرنے والوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا خدایا! ان کے عذاب کو دوگنا کر دے ایک عذاب خود گمراہ ہونے کی وجہ سے دوسرا عذاب ہمیں گمراہ کرنے کی وجہ سے۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان کے جواب میں یہ کہا جائے گا تم دونوں گروہوں کا عذاب دوگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے کہ ایسا کیوں ہے؟

اس آیت میں ان گمراہ پیشواؤں کا جواب اس طرح نقل کیا گیا ہے وہ اپنے پیروکاروں سے کہیں گے ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی اگر ہم نے کوئی غلط بات کہی تو تم نے تائید کی اور اگر ہم نے کوئی غلط قدم اٹھایا تو تم نے ہمارا ساتھ دیا اور اگر ہم نے ستم کیا تو تم ہمارے یارومددگار تھے لہٰذا تم بھی اپنے کرتوتوں کے بدلے خدا کا دردناک عذاب چکھو۔

(۴۰) اِنَّ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ اسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ ؕ وَ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُجۡرِمِیۡنَ	وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان کے مقابلے میں تکبر کیا آسمان کے دروازے ان کیلئے نہیں کھولے جائیں گے اور (وہ کبھی) بہشت میں داخل نہ ہوں گے حالانکہ کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے گزر جائے (یعنی ایسا کبھی نہیں ہوسکتا) مجرموں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔
(۴۱) لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ ؕ وَ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الظّٰلِمِیۡنَ	ان کیلئے دوزخ (کی آگ) کے بستر ہوں گی اور ان کے اوپر اوڑھنا بھی (اسی کا) ہے اور ظالموں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

تفسیر

ایک مرتبہ پھر قرآن نے ان متکبر اور ضدی افراد کا انجام بیان کیا ہے جو پروردگار کی آیتوں کو تسلیم نہیں کرتے اور حق کو نہیں مانتے۔ کہا گیا ہے: وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے مقابلے میں تکبر اختیار کیا آسمان کے دروازے ان کیلئے نہیں کھولے جائیں گے۔

ایک حدیث امام محمد باقر علیہ السلام سے اس طرح وارد ہوئی ہے۔

"اما المومنون فترفع اعمالهم وارواحهم الى السماء فتفتح لهم ابوابها و اما الكافر فيصعد بعمله و روحه حتى اذا بلغ الى السماء نادى مناد اهبطوا به الى سجين."

''مومنین کے اعمال ارواح آسمان کی طرف لے جائیں گے اور آسمان کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے جائیں گے اور کافر کا عمل اور روح بھی آسمان کی طرف لے جائی جائے گی جب یہ آسمان کے پاس پہنچے گی تو آواز آئے گی اسے سجین (دوزخ) کی طرف نیچے لے جاؤ''

اس کے بعد مزید اشارہ ہوتا ہے وہ بہشت میں داخل نہیں ہوں گے مگر اس وقت جبکہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے گزر جائے۔

آیت کے آخر میں مزید تاکید وتوضیح کیلئے فرماتا ہے ہم اس طرح کے گنہگاروں کو سزا دیتے ہیں۔

اس کے بعد کی آیت میں ان لوگوں کے دردناک عذاب کے ایک اور حصے کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔

ایسے لوگوں کیلئے جہنم اور بھڑکتی ہوئی آگ کا بچھونا ہے اور اسی کا اوڑھنا ہے۔

پھر دوبارہ تاکید کیلئے فرماتا ہے ہم اس طرح سے ظالموں اور ستمگاروں کو سزا دیں گے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ کبھی انہیں مجرم کبھی ظالم کبھی آیات الٰہی کا جھٹلانے والا اور کبھی متکبر کے لقب سے تعبیر کیا گیا ہے درحقیقت ان سب کی بازگشت ایک ہی حقیقت کی طرف ہے۔

(۴۲) وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ٘ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ	وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح انجام دیا ہے کسی پر ہم اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری عائد نہیں کرتے۔ وہ اہل بہشت ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔
(۴۳) وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۛ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا	اور ان کے دلوں میں جو کینہ اور حسد ہے اسے ہم باہر نکال دیں گے (تاکہ صلح وصفائی کے ساتھ باہم زندگی بسر کریں) اور ان کے (محلوں اور درختوں کے) نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی (اس وقت) وہ کہیں گے ساری تعریفیں اس خدا کیلئے مخصوص ہیں جس نے ان (نعمتوں) کی طرف ہماری ہدایت کی اور اگر اللہ ہماری ہدایت نہ کرتا تو ہمیں (ان کی) راہ نہ ملتی۔ بے شک ہمارے رب کے سارے رسول حق کے ساتھ آئے اور (اس وقت) انہیں یہ ندا سنائی دے گی کہ یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو

بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ	ان اعمال کے بدلے جوتم نے انجام دیئے ہیں۔

تفسیر

سکون کامل وسعادت جاودانی

جیسا کہ ہم نے سابقہ بھی اشارہ کیا ہے کہ روش قرآنی یہ ہے کہ کسی مطلب کی تاکید کیلئے وہ مختلف گروہوں اور ان کے انجاموں کا برابر سے ذکر کرتا ہے اور ان کا آپس میں موازنہ کر کے ان کی وضعیت وحیثیت کی تشریح کرتا ہے گذشتہ آیات میں منکرینِ آیاتِ خدا متکبر وظالم افراد کے انجام کو دکھایا گیا تھا اب ان آیات میں باایمان لوگوں کے تابناک انجام کی اس طرح شرح کرتا ہے اور جولوگ ایمان لائے اور عمل صالح انجام دیا وہ اہل بہشت ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

لیکن اس جملہ کے درمیان میں یعنی مبتدا وخبر کے درمیان میں ایک جملہ معترضہ آیا ہے جو فی الحقیقت بہت سے سوالات کا جواب ہے اور وہ یہ ہے ہم کسی شخص پر اس کی قوت سے زیادہ ذمہ داری عائد نہیں کرتے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ باایمان اور صالح افراد کی صف میں داخل ہونا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے سوائے گنے چنے افراد کے اور کوئی ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ پروردگار عالم کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریاں اور احکام افراد کی قوت وصلاحیت کے لحاظ سے ہوتی ہیں اور اس طرح وہ عالم، جاہل، چھوٹے، بڑے اور ہر عمر کے انسانوں کیلئے راستہ کھول دیتا ہے اور ہر ایک کو صالحین کی صف میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ خدا کو ہر شخص سے اتنی ہی توقع ہے جتنی اس کی ذہنی و جسمانی صلاحیت ہے۔

یہ آیت مثل کثیر دیگر آیات کے بیان کرتی ہے کہ نجات وسعادت ابدی کا ذریعہ صرف ایمان وعمل صالح ہے اس طرح عیسائیوں کے اس خرافاتی عقیدہ کی رد ہو جاتی ہے جس کے مطابق آج کل کے مسیحی لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قربانی بشر کے تمام گناہوں کے مقابلے میں وسیلہ نجات ہے آیہ اس عقیدہ پر خط تنسیخ کھینچتی ہے قرآن کریم نے جو بار بار ایمان وعمل صالح پر زور دیا ہے وہ اسی قسم کے عقیدوں کو باطل کرنے کیلئے ہے۔

(۴۳) اس آیت میں ایک انتہائی اہم نعمت جو اللہ جنت والوں کو عطا کرے گا اور وہ نعمت ان کی روح کے آرام کا باعث ہو گی اسے اس طرح بیان فرمایا ہے ان کے دلوں سے ہم ہر طرح کے کینے حسد اور دشمنی کو دور کر دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں انسان کی ناراضی و پریشانی کا ایک بڑا سبب جس کی وجہ سے عالمی جنگیں بھی پھیل چکی ہیں جانی ومالی نقصانات مرتب ہوتے ہیں اور انسانی سکون رخصت ہو گیا ہے وہ یہی کینہ وحسد ہے۔

اہل بہشت اس طرح کی بدبختیوں سے بالکل آسودہ ہوں گے ان کے دلوں میں نہ کینہ ہوگا نہ حسد ہوگا اور نہ ان کے برے نتائج ہوں گے وہ لوگ آپس میں نہایت دوستی اور مہر ومحبت کے ساتھ زندگی بسر کریں گے اور سب کے سب اپنی حالت پر

راضی ہوں گے۔

قرآنِ کریم اس روحانی نعمت کا ذکر کرنے کے بعد ان کی مادی اور جسمانی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے ان کے محلوں کے نیچے پانی کی نہریں جاری ہوں گی۔

اس کے بعد اہل بہشت کی پوری رضامندی اور کامل خوشنودی کو یوں بیان فرمایا گیا ہے جبکہ وہ یہ کہیں گے ساری تعریفیں اور شکرانے اس خدا کیلئے مخصوص ہیں جس نے ان تمام نعمتوں کی طرف ہماری ہدایت کی اگر وہ ہماری ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے یہ اس کی توفیق تھی جس نے ہمارا ہاتھ تھام کر زندگی کی سخت گذرگاہوں میں سے ہمیں گزار دیا اور سعادت کی منزل تک پہنچا دیا۔

بے شک ہمارے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول سچ کہتے تھے اور ہم اب اپنی آنکھوں سے ان کی سچائی کا نتیجہ دیکھ رہے ہیں۔

اسی اثناء میں خدا کی طرف سے ایک ندا بلند ہوگی جو ان کے دل و جان میں سما جائے گی اور وہ اسے سن کر خوش ہو جائیں گے اور وہ ندا یہ ہوگی یہ جنت تم نے اپنے پاک اور نیک اعمال کے بدلے میراث میں پائی ہے۔

(۴۴) وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۙ	اور بہشت والے دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے کہ ہم نے اس وعدہ کو حق پایا جو ہمارے اللہ نے ہم سے کیا تھا کیا تم نے بھی حق پایا اس وعدہ کو جو اللہ نے تم سے کیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں! ہم نے تمام باتیں حقیقت کی صورت میں دیکھ لیں اسی اثناء میں ایک ندا کرنے والا ان کے درمیان یہ ندا کرے گا کہ خدا کی لعنت ہو ظالموں پر۔
(۴۵) الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ يَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ۚ وَ هُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ كٰفِرُوۡنَ وقف لازم باختلاف	(ایسے ظالم) جو لوگوں کو خدا کے راستے سے روکتے ہیں (اور ان کے دلوں میں شبہات ڈال کر) اس (راستے) کو ٹیڑھا دکھلاتے ہیں اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔

تفسیر

گذشتہ بہشت کے بعد جس میں جنتیوں اور دوزخیوں کا انجام بیان کیا گیا ہے ان آیات میں دونوں گروہوں کی آخرت میں جو گفتگو ہوگی اسے بیان کیا گیا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے جنتی لوگ دوزخ والوں کو مخاطب کر کے آواز دیں گے کہ ہم نے اپنے پروردگار کا وعدہ برحق پایا کیا تم نے

بھی اپنے اس انجام کو پایا ہے جس کا وعدہ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ کیا تھا۔

وہ لوگ جواب میں کہیں گے ہاں ہم نے تمام باتیں حقیقت کی صورت میں دیکھ لیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے اسی اثناء میں ایک بولنے والا یہ ندا کرے گا ایسی ندا جو ہر ایک کے کان میں پہنچے گی کہ لعنت ہو خدا کی ستم کرنے والوں پر۔

(۴۵) بعد ازاں ان ستمگاروں کی پہچان یوں کرواتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو راہ راست سے روکتے تھے اور اپنی زہریلی تبلیغات سے لوگوں کے عقائد کی جڑوں کو کمزور کر کے ان کے دلوں میں شک وشبہ ڈالتے تھے اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔

یہ ندا کرنے والا کون ہے؟

لیکن اسلامی روایات میں مذکورہ آیت کی تفسیر میں زیادہ یہ وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔

ابولاقاسم حسکانی جو اہل سنت کے علماء میں سے ہیں اپنی سند کے ساتھ محمد حنفیہ سے اور وہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا

"انک ذالک المو ذن"

(وہ ندا کرنے والا میں ہی ہوں)

نیز اسی طرح اپنی سند سے ابن عباس سے نقل کرتے ہیں۔

قرآن میں حضرت علی علیہ السلام کے کچھ نام ہیں جن کو لوگ نہیں جانتے ان میں سے ایک نام آپ کا موذن بھی ہے جو اس آیت "فاذن موذن بینھم"، میں آیا ہے علی علیہ السلام ہیں جو یہ ندا کریں گے اور کہیں گے۔ اللہ کی لعنت ہو ان لوگوں پر جنہوں نے میری ولایت کو جھٹلایا اور میرے حق کو سبک سمجھا

(۴۶) وَ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ يَطْمَعُوْنَ	اور ان دونوں (جنت اور دوزخ والوں) کے درمیان ایک پردہ ہوگا اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو ان دونوں کو ان کی علامتوں سے پہچانیں گے وہ بہشت والوں کو آواز دیں گے کہ تم پر سلام ہو لیکن وہ بہشت کے اندر داخل نہ ہو سکے ہوں گے جبکہ اس کے امیدوار ہوں گے۔

(۴۷)وَ اِذَا صُرِفَتۡ اَبۡصَارُهُمۡ تِلۡقَآءَ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوۡا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۠	اور جس وقت ان کی نظر دوزخیوں پر پڑے گی تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہمیں ستمگاروں کے ساتھ نہ رکھنا۔
(۴۸) وَ نَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا يَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَ مَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ	اور اعراف والے (مرد) کچھ مردوں کو (دوزخیوں میں سے) جنہیں وہ ان کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے پکاریں گے اور کہیں گے کہ دیکھا تم نے جن چیزوں کو اکٹھا کیا تھا (یعنی مال و دولت اور زوج و اولاد) اور جو تم تکبر کیا کرتے تھے آج یہ سب کچھ تمہارے کچھ کام نہ آیا۔
(۴۹) اَهٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ	کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسم کھایا کرتے تھے کہ خدا کی رحمت ہرگز ان کے شامل حال نہ ہوگی (لیکن ان کے ایمان واعمال خیر کی وجہ سے ان سے کہا جائے گا) بہشت کے اندر داخل ہو جاؤ نہ تو تم کو کوئی خوف ہوگا اور نہ تم غمگین ہوگے۔

تفسیر

اعراف جنت کی طرف ایک اہم گزرگاہ

پچھلی آیات میں دوزخیوں اور جنتیوں کی مختصر سرگزشت بیان کرنے کے بعد ان آیات میں اعراف کا ذکر فرمایا گیا ہے اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان کا وہ علاقہ ہے جو دونوں مقاموں کے درمیان حد فاصل کا کام کرتا ہے اس مقام کی خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں۔

سب سے پہلے جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان جو پردہ ہوگا اس کا ذکر کیا گیا ہے فرماتا ہے ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک پردہ ہوگا۔

بعد والی آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حجاب اعراف ہی ہے جو ایک بلند جگہ ہوگی ان دونوں گروہوں کے درمیان جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں گے لیکن یہ جگہ ایک دوسرے کی آواز سننے سے مانع نہ ہوگی جیسا کہ گذشتہ آیات میں گزرا ہے کیونکہ ہم نے بہت دیکھا ہے کہ ہمسایہ کے لوگ ایک دوسرے سے پس دیوار بات کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کا حال دریافت کرتے ہیں جبکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے البتہ وہ افراد جو اعراف کے اوپر ہیں یعنی اس بلند مانع کے اوپر والے حصہ پر واقع ہیں وہ دونوں

گروہوں کو دیکھ سکتے ہیں اچھی طرح سے غور کریں۔

بعد ازاں قرآن بیان کرتا ہے کہ اعراف پر کچھ مرد کھڑے ہوں گے جو دوزخ والوں اور جنت والوں میں سے ہر ایک کو ان کے ٹھکانوں میں دیکھ رہے ہوں گے اور ان کی علامتوں سے انہیں پہچانیں گے۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ جو مرد اعراف پر کھڑے ہوں گے وہ اہل بہشت کو ندا کریں گے اور کہیں گے کہ تم پر سلام ہو لیکن وہ خود جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اگرچہ ان کا دل بہت چاہتا ہوگا۔

(۴۷) لیکن جس وقت وہ دوسری طرف نظر ڈالیں گے اور دوزخیوں کو دوزخ کے اندر دیکھیں گے تو خدا کی بارگاہ میں التماس کریں گے کہ پروردگارا! ہم کو ستمگاروں کی جماعت میں قرار نہ دینا۔

(۴۸) اس کے بعد کی آیت میں مزید فرمایا گیا ہے اصحاب اعراف بعض دوزخیوں کو ان کے چہرے مہرے سے پہچان کر انہیں پکاریں گے اور انہیں اپنی ملامت اور سرزنش کا نشانہ بنائیں گے کہ آخر تم نے دیکھا کہ دنیا میں تمہارے مال جمع کرنے افرادی قوت جمع کرنے اور تکبر کے باعث قبول حق سے گریز کرنے کا کیا نتیجہ نکلا۔

وہ سب مال کہاں گیا اور وہ لوگ کیا ہوئے جو تمہارے چاروں طرف اکٹھے تھے اور جو تکبر اور خود پرستی تم نے اختیار کی تھی اس سے تمہیں سوائے جہنم کے کیا حاصل ہوا۔

(۴۹) دوبارہ اسی ملامت و سرزنش کے لہجے میں جبکہ وہ ان ضعیف الحال مومنین کی طرف اشارہ کر رہے ہوں گے جو اعراف پر ہوں گے یہ کہیں گے آیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسم کھاتے تھے کہ خدا ان پر کبھی رحمت نہ کرے گا۔

آخرکار اللہ کی رحمت ان لوگوں کے بھی شامل حال ہوگی اور ان سے خطاب ہوگا کہ جنت میں چلے جاؤ نہ تمہارے لئے کوئی خوف ہے اور نہ وہاں تمہیں کوئی غم واندوہ ہوگا۔

اصحاب اعراف کون لوگ ہیں؟

تمام آیات و روایات کو دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعراف ایک سخت وصعب العبور راستہ ہے جو محل سعادت جاودانی یعنی بہشت سے پہلے پڑتا ہے یہ بات فطری ہے کہ قوی لوگ یعنی صالح و پاک افراد تو بہت جلدی سے اس گذرگاہ سے گزر جائیں گے لیکن کچھ کمزور بندے یعنی جنہوں نے نیک و بد دونوں طرح کے اعمال کو آپس میں ملا دیا ہے وہ اس راستہ پر تھک کر بیٹھ جائیں گے۔ نیز یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ گروہوں کے سرپرست اور پیشوایان قوم ان قائدین لشکر کی طرح جو سخت وخطرناک راستوں پر لشکر کے آخر میں چلتے ہیں تاکہ کوئی سپاہی اگر آگے بڑھنے سے رہ جائے تو اس کی مدد کر کے اسے خطرے سے باہر نکال دیں بالکل اسی طرح یہ پیشوا اور امام اعراف میں ٹھہر جائیں گے تاکہ مومنین میں جو ضعیف افراد ہیں ان کی مدد کر سکیں اور وہ بندے جن میں نجات حاصل کرنے کی صلاحیت ہے وہ ان کی مدد کے زیر سایہ نجات پاسکیں۔

بنابریں اعراف میں دو طرح کے لوگ پائے جائیں گے ایک تو وہ ضعیف گناہگار افراد جو رحمت الٰہی میں جگہ پائیں گے

دوسرے وہ رہبران قوم اور عظیم پیشوا جو ہر جگہ اپنے ضعیف الحال تابعین کی مدد کریں گے اس بنا پر ان آیات کے اگلے حصہ میں انہی ضعیف الحال بندوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جبکہ بعد والے حصہ میں بزرگان قوم انبیاء وآئمہ وصالحین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۵۰) وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ اَفِیۡضُوۡا عَلَیۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَہُمَا عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ۙ	دوزخ والے جنت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ تھوڑا پانی، یا خدا نے تمہیں جو روزی بخشی ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی دے دو۔ تو وہ (جنت والے اس کے جواب میں) کہیں گے کہ خدا نے اس کو کافروں پر حرام قرار دیا ہے۔
(۵۱) الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَہُمۡ لَہۡوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتۡہُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا ۚ فَالۡیَوۡمَ نَنۡسٰہُمۡ کَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ یَوۡمِہِمۡ ہٰذَا ۙ وَ مَا کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَجۡحَدُوۡنَ	(ایسے کافر) جو خدا کے دین اور قانون کو کھیل تماشا سمجھتے تھے اور دنیاوی زندگی نے انہیں دھوکا دیا تھا پس آج کے روز ہم انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور ہماری نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔

تفسیر

جنت کی نعمتیں دوزخیوں پر حرام ہیں

جب جنتی اور دوزخی لوگ سب کے سب اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے تو ان کے درمیان گفتگو شروع ہو گی جس کا مقصد یہ ہوگا کہ اہل دوزخ کو ان کے اعمال کی وجہ سے روحانی اور معنوی سزا دی جائے۔

پہلے دوزخی لوگ جو بہت بری حالت میں ہوں گے جنت والوں سے پکار کر جنت کے پانی اور کھانے کی تمنا کریں گے تا کہ ان کی جلا دینے والی تشنگی اور دیگر آلام میں کچھ کمی واقع ہو۔

لیکن فوراً اہل بہشت ان کے اس سوال کو یہ کہہ کر رد کر دیں گے کہ یہ چیزیں اللہ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں۔

مما رزقکم اللہ (جو کچھ اللہ نے تم کو روزی دی ہے اس میں سے) یہ جملہ ایک سربستہ جملہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کو یہ تک پتہ نہ چلے گا کہ اہل جنت کو کیا کیا نعمتیں ملی ہیں

(۵۰) ''ان اللہ حرمھما علی الکافرین'' (خدا نے انہیں کافروں کیلئے حرام قرار دیا ہے) یہ جملہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اہل بہشت کو یہ چیزیں دینے میں تو کوئی عذر نہ ہوگا کیونکہ ان کے دینے سے نہ تو کوئی کمی واقع ہوگی اور نہ ہی ان کے دلوں میں کسی کی طرف سے کینہ ہوگا یہاں تک کہ اپنے دشمنوں سے بھی وہ کوئی بغض وحسد نہ رکھتے ہوں گے لیکن دوزخیوں کی وضعیت کچھ ایسی ہے کہ وہ ان نعمات الٰہی سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے یہ تحریم فی الحقیقت ایک طرح کی تحریر تکوینی ہے جیسے بہت سے بیمار لذیذ اور رنگا رنگ

کھانوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

(۵۱) یہ آیت ان کی محرومی کا سبب بیان کر رہی ہے اور اہل دوزخ کے صفات کو بیان کرنے کے ساتھ ہی اس امر کی وضاحت کر رہی ہے کہ ان لوگوں نے یہ اپنا انجام بدخود اپنے ہاتھوں فراہم کیا ہے پہلے فرمایا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے دین ومذہب کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا۔

اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکا دیا تھا۔

یہ امور اس بات کا سبب بنے کہ وہ اپنی خواہشات کی دلدل میں اتر جائیں اور تمام چیزوں کو یہاں تک کہ روزِ معاد کو بھی بھلا بیٹھیں اور انبیاء کے فرامین اور اللہ کی آیتوں کا انکار کر دیں لہٰذا اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے آج ہم بھی انہیں بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے آج کے دن کو بھلا دیا تھا اور جس طرح انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کر دیا تھا۔

ضمنی طور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گمراہی اور بھٹکنے کا پہلا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی قسمت بنانے والے مسائل کو کوئی اہمیت نہ دے اور انہیں کھیل تماشا سمجھ کر ٹال دے یہ حرکت اس بات کا سبب بنتی ہے کہ آخر کار اس سے کفر مطلق سرزد ہوتا ہے اور وہ تمام حقائق کا انکار کر بیٹھتا ہے۔

(۵۲) وَ لَقَدۡ جِئۡنٰهُمۡ بِكِتٰبٍ فَصَّلۡنٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ هُدًى وَّ رَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ	ہم ان کے لئے ایک ایسی کتاب لائے جس کی ہم نے علم کے ساتھ شرح کی (ایک ایسی کتاب) جو ان لوگوں کیلئے سرمایہ ہدایت ورحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔
(۵۳) هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا تَاۡوِيۡلَهٗ يَوۡمَ يَاۡتِىۡ تَاۡوِيۡلُهٗ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ نَسُوۡهُ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ‌ۚ فَهَلۡ لَّنَا مِنۡ شُفَعَآءَ فَيَشۡفَعُوۡا لَنَاۤ اَوۡ نُرَدُّ فَنَعۡمَلَ غَيۡرَ الَّذِىۡ كُنَّا نَعۡمَلُ‌ؕ قَدۡ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ	کیا انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ وہ آخر میں اللہ کی تہدیدوں کو دیکھیں گے جب یہ امر ظاہر ہوگا تو (اس وقت عبرت حاصل کرنے کا وقت گزر چکا ہوگا) وہ لوگ جو اس سے قبل اسے بھول چکے ہوں گے کہیں گے کہ ہمارے رب کے فرستادہ رسول برحق آئے تھے آیا آج کے روز ہمارے لئے کچھ ایسے شفاعت کرنے والے ہیں جو ہماری شفاعت کریں؟ یا (اس بات کا امکان ہے کہ) ہم دوبارہ پلٹا دیئے جائیں؟ اور وہ اعمال بجا لائیں جو ہم بجا نہ لائے تھے (لیکن) انہوں نے اپنے وجود کا سرمایہ اپنے ہاتھ سے کھو دیا ہے

وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ	اور جو جھوٹے معبود انہوں نے بنائے تھے وہ سب گم ہو گئے ہیں

تفسیر

پہلی آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفار کی محرومیت اور ان کا انجام بد، خود انہی کی کوتاہیوں اور ان کی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ ورنہ خداوند کریم کی جانب سے ان کی ہدایت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی تھی اس بناء پر خدا فرماتا ہے ہم نے ان کی ہدایت کیلئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ان کے لئے ایک ایسی کتاب بھیجی جس کے تمام اسرار و رموز کی پوری آ گاہی کے ساتھ تشریح کر دی۔

ایسی کتاب جو سرمایہ ہدایت اور موجب رحمت ہے ایمان لانے والوں کیلئے اگر چہ ہٹ دھرم اور ضدی انسان اس سے بے بہرہ رہ گئے۔

(۵۳) اس کے بعد کی آیت میں تباہ کاروں اور بے راہ رویوں کی ہدایت الٰہی کے بارے میں غلط طرز تفکر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے گویا ان لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ خدا کے دعوؤں اور تہدیدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں اپنی آنکھ سے دیکھ لیں تاکہ اس وقت ایمان قبول کریں۔

لیکن یہ کیسا غلط انتظار اور کیسی بے جا توقع ہے کیونکہ جب وہ وقت آ پہنچے گا کہ وہ اپنی آنکھوں سے ان الٰہی وعدوں کے نتیجوں کو دیکھیں گے تو فرصت کا موقع ہاتھ سے نکل چکا ہوگا اور پلٹنے کا راستہ بند ہو چکا ہوگا یہ وہ وقت ہوگا کہ وہ لوگ جنہوں نے کتاب خدا اور آسمانی قوانین کو دنیا میں پس پشت ڈال دیا تھا اعتراف کریں گے کہ خدا کے تمام فرستادہ بندے (رسول) حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے اور ان کی تمام باتیں بھی برحق تھیں۔

لیکن اس وقت وہ خوف اور اضطراب کے دریا میں ڈوب جائیں گے اور اپنی نجات کی فکر میں پڑ جائیں گے اور کہیں گے آیا کچھ شفاعت کرنے والے ہیں جو ہماری شفاعت کریں۔

یا اگر ہماری قسمت میں شفیع (بخشوانے والے) نہیں اور اصولی طور سے ہم قابل شفاعت نہیں ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ ہم دنیا میں دوبارہ پلٹا دیئے جائیں اور جو اعمال ہم بجا لائے ہیں ان سے مختلف دوسرے اعمال بجا لائیں اور حق وحقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کر لیں۔

لیکن افسوس کہ یہ بیداری بہت دیر میں اور بعد از وقت ہوگی نہ تو اس وقت کوئی لوٹ آنے کی راہ ہوگی اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا کیونکہ انہوں نے اپنی ہستی کا سرمایہ اپنے ہاتھ سے کھو دیا ہوگا اور وہ گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوں گے ایسا گھاٹا جو ان کے وجود کو ہر طرف سے گھیر لے گا۔

اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ بت اور ان کے خود ساختہ معبود اس عالم میں ان کے کچھ کام نہ آئیں گے اور درحقیقت سب کے سب ان کی نظروں سے گم ہو جائیں گے۔

اس آیت سے پہلے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال میں آزاد و خود مختار ہے ورنہ دوبارہ دنیا میں جانے کی تمنا میں تلف

کردیا۔

دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ جہاں آخرت جائے عمل اور فضیلت حاصل کرنے کا مقام نہیں ہے۔

(۵۴) اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ	تمہارا پروردگار وہ خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز (چھ ادوار) میں پیدا کیا اس کے بعد وہ جہان کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا وہ رات (کے تاریک پردہ) سے دن کو ڈھانپ لیتا ہے اور رات دن کے پیچھے پیچھے رواں دواں ہے اور اس نے سورج چاند اور ستاروں کو پیدا کیا اس حال میں کہ یہ سب اس کے تابع فرمان ہیں آگاہ ہو جاؤ کہ (جہان کا) پیدا کرنا اور اس کا انتظام کرنا اللہ کیلئے اور اسی کے حکم سے ہے برکت والا (اور لازوال) ہے وہ اللہ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

تفسیر

اب اس آیت میں حقیقی معبود اور اس کی خاص صفات سے متعلق بحث ہے تاکہ وہ لوگ جو حق کے متلاشی ہیں قبل اس کے کہ قیامت کا دن آپہنچے اسی دنیا میں اچھی طرح سے پہچان لیں ابتدا میں فرمایا گیا ہے تمہارا پروردگار وہ معبود ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ روز میں پیدا کیا مطلب یہ ہے کہ معبود سوائے پیدا کرنے والے کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

کیا جہان چھ روز میں پیدا ہوا ہے؟

لفظ ''یوم'' اور اس کے ہم معنی الفاظ جو دوسری زبانوں میں رائج ہیں پر توجہ کی جائے کیونکہ بسا اوقات یوم ایک دور اور زمانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس تمام بحث کا یہ نتیجہ نکلا کہ خداوند عالم نے زمین و آسمان کو چھ ادوار میں پیدا کیا۔ ہوسکتا ہے کہ ان ادوار میں سے ہر دور کئی ملین سال کا ہو اور اس طرح سے ہونا آج کے علم سے کسی طرح نہیں ٹکراتا۔

اس سوال کا جواب صرف ایک نکتہ کے سمجھنے سے مل جاتا ہے اور وہ یہ کہ خلقت جہاں اگر ایک لحظہ میں ہو جاتی تو پروردگار کی عظمت قدرت اور علم کی کمتر حکایت کرتی لیکن اگر یہ خلقت مختلف مرحلوں میں مختلف شکلوں میں بجے تلے حساب شدہ پروگرام کے ماتحت عمل میں آئی ہے تو اس طرح خالق اکبر کے وجود کی واضح تر دلیل بنتی ہے۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے بعد ان کی رہبری اپنے دست قدرت میں سنبھالی یعنی یہ کہ نہ صرف سارے جہانوں کی خلقت اس نے کی بلکہ ان کا نظام اور ان کی رہبری بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

یہ فی الحقیقت ان لوگوں کا جواب ہے جو اللہ کو صرف خلقت کائنات کی علت جانتے ہیں اور اس کی بقاء کی علت نہیں جانتے۔

عرش کیا ہے؟

لغت میں عرش ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس میں چھت لگی ہوئی ہو اور بعض اوقات خود چھت کو بھی عرش کہتے ہیں۔

لیکن جس وقت یہ لفظ خداوند کریم کی نسبت بولا جائے اور یہ کہا جائے کہ عرش خدا تو اس سے اس جہان ہستی کا سارا مجموعہ مراد ہے جو فی الحقیقت تخت حکومت الٰہی ہے۔

بنا برین زیر بحث آیت میں استوی علی العرش کا جملہ اس بات کا کنایہ ہے کہ پروردگار عالم آسمانوں اور زمین کی خلقت کے بعد ان پر ہر حیثیت سے مسلط و غالب ہوا اور اس نے ان کا نظم و نسق اپنے دست قدرت میں سنبھالا۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ وہ خدا وہ ہے جو رات کو مثل ایک پردہ اور پرشش کے دن کے اوپر ڈال دیتا ہے اور دن کی روشنی کو رات کے تاریک پردوں سے ڈھانپ دیتا ہے۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے رات تیزی کے ساتھ دن کے پیچھے پیچھے رواں دواں ہے جیسے ایک قرض خواہ اپنے قرضدار کے پیچھے بھاگتا ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا ہے وہ ہے اس نے سورج چاند اور ستاروں کو پیدا کیا اس حال میں کہ سب اس کے فرمانبردار ہیں۔

جہاں ہستی اور نظام شب و روز کی پیدائش اور چاند سورج اور ستاروں کی خلقت کے ذکر کے بعد مزید تاکید کیلئے فرمایا گیا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ پیدا کرنا اور جہان ہستی کا انتظام کرنا صرف اس کے ہاتھ میں ہے۔

خلق و امر سے کیا مراد ہے؟

خلق سے مراد آفرینش اول ہے اور امر سے مراد وہ قوانین و نظام ہے جو عالم ہستی پر حکومت کرتا ہے اور جس کی وجہ سے سارا نظام جہان چل رہا ہے۔

یہ آیت کہتی ہے جس طرح کائنات اپنی آفرینش میں اس کی محتاج ہے اسی طرح تدبیر دوام حیات اور اس کے چلانے میں بھی اسی کی ذات سے وابستہ ہے اگر ایک لحظہ کیلئے لطف خدا اس کا ساتھ چھوڑ دے تو پورا نظام عالم تباہ و برباد ہو جائے۔

آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے برکت والا ہے وہ خدا جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ ایک پر برکت سرمایہ وہ ہے جو جلدی زوال پذیر نہ ہو اسی طرح ایک مبارک موجود وہ ہے جس کے فیض کے آثار ایک طولانی مدت تک برقرار رہیں لہٰذا یہ بات بدیہی ہے کہ اس مفہوم کا بہترین مصداق خداوند عالم کی ذات بابرکت ہے وہ ایک وجود مبارک ازلی و ابدی ہے جو تمام برکتوں اور نیکیوں کا سرچشمہ ہے جس کی خیر و برکت ہمیشہ جاری و ساری رہنے والی ہے۔

(۵۵)اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ	اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور تنہائی میں پکارو (اور زیادتی سے ہاتھ اٹھالو کیونکہ) وہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔
(۵۶) وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۚ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ	اور زمین میں فساد نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا کو خوف و امید کی حالت میں پکارو (خوف ذمہ داریوں کا امید اس کی رحمت کی) کیونکہ اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے نزدیک ہے۔

تفسیر

قبولیت دعا کی شرائط

گذشتہ آیات سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ عبودیت اور بندگی کا تنہا سزاوار خدا ہے اسی کے ذیل میں یہاں حکم دیتا ہے کہ دعا و مناجات جو روح عبادت ہے صرف خدا کے سامنے ہونا چاہئے اپنے پروردگار کو گڑگڑا کے اور تنہائی میں پکارو۔

اس آیت میں یہ جو حکم دیا گیا ہے کہ خدا کو خفیہ طور سے یعنی تنہائی میں پکارو اور اکیلے میں اس سے دعا کرو یہ اس لئے ہے کہ دعا کے وقت ریا نہ آنے پائے اور اخلاص پیدا ہو جائے دل و دماغ خدا کے حضور میں پوری طرح سے متوجہ ہو جائیں۔

آخری آیت میں فرماتا ہے خدا تجاوز کرنے والوں، حد سے گزرنے وسالوں کو دوست نہیں رکھتا۔

یہ جملہ اپنے دامن میں ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو ہر قسم کے تجاوز پر محیط ہے چاہے وہ دعا کے وقت چیخنے پکارنے کی بات ہو یا تظاہر اور ریا کاری کا معاملہ ہو یا ہنگام دعا غیر خدا کی طرف توجہ کرنا ہو لفظ معتدی ان سب کے بارے میں ہے۔

(۵۶) اس کے بعد کی آیت میں ایک حکم کی طرف اشارہ ہوا ہے جو فی الحقیقت شرائط دعا میں سے ایک شرط ہے فرمایا گیا ہے روئے زمین پر فساد نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دعا اس وقت خدا کے حضور میں درجہ اجابت تک پہنچتی ہے جبکہ اس میں صروری شرائط کا لحاظ کیا جائے

بعدازاں دوبارہ مسئلہ دعا کی طرف رجوع کیا گیا ہے اور اس کی شرائط میں سے ایک اور شرط کا ذکر کیا گیا ہے فرماتا ہے خدا کو خوف و رجا کے ساتھ پکارو۔

نہ تو اپنے اعمال پر ایسا گھمنڈ ہو کہ یہ گمان ہو کہ تمہاری زندگی میں کوئی تاریک گوشہ موجود نہیں ہے ایسا خیال کرنا خود سقوط و انحطاط کا ایک بڑا سبب ہے اور نہ اس طرح سے مایوس ہو جاؤ کہ اپنے آپ کو خدا کی رحمت اور دعا کی قبولیت کا مستحق نہ جانو یہ احساس بھی انسان کو ہر قسم کی کوشش کرنے سے روک دیتا ہے بلکہ خوف و رجاء کے پروں کے ذریعہ مقام قرب الٰہی کی طرف محو پرواز رہو امید ہو

تو اس کی رحمت کی امید ہو اور خوف ہو تو اپنی ذمہ داریوں اور لغزشوں کا خوف ہو۔

اس کے بعد آخر آیت میں رحمت خدا کے اسباب کی طرف روشنی ڈالی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے اللہ کی رحمت نیکو کاروں سے نزدیک ہے۔

اس طرح سے اس آیہ شریفہ میں قبولیت دعا کی پانچ شرطیں بیان کی گئی ہیں۔

اول: یہ کہ تضرع کے ساتھ تنہائی میں دعا مانگو۔

دوم: یہ کہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔

سوم: یہ کہ تمہاری دعا فساد اور تباہ کاری کے ساتھ نہ ہو۔

چہارم: یہ کہ دعا میں خوف و امید کے پہلو برابر کے ہوں۔

پنجم: یہ کہ دعا نیک اعمال کے ہمدوش ہو۔

(۵۷) وَ هُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ	وہ خدا وہ ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت (کی بارش) کے آگے آگے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادلوں کو اپنے دوش پر اٹھا لیتی ہیں ہم انہیں مردہ زمین کی طرف ہنکا دیتے ہیں پھر ان سے پانی برساتے ہیں پھر اس کے ذریعے ہر طرح کے پھل اگاتے ہیں (تم جان لو کہ) اسی طرح ہم مردوں کو بھی قیامت کے روز زندہ کر کے زمین سے نکالیں گے (یہ مثال ہم نے اس لئے دی ہے) تا کہ تم (آخرت کو) یاد کرو۔
(۵۸) وَ الْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَ الَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ۠	پاکیزہ سرزمین کی زراعت اللہ کے حکم سے (خوب) اگتی ہے اور خبیث (اور شور زدہ) زمین میں سوائے معمولی گھاس پھونس کے اور کچھ نہیں اگتا ہم اسی طرح سے آیتوں کو ادل بدل کے ان لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں جو شکر ادا کرتے ہیں۔

تفسیر

گذشتہ آیات میں مسئلہ مبداء یعنی توحید کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس ضمن میں اسرار جہاں کے ذریعہ استدلال کیا گیا ہے اب اس آیت میں بعض نعمات الٰہی بیان کر کے مسئلہ معاد کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے تا کہ یہ دونوں بحثیں متقابل طور پر ایک

دوسرے کی تکمیل کرتی ہوئی نظر آئیں یہ قرآن کریم کا ایک طریقہ ہے کہ بہت سے مقامات پر وہ مبدا اور معاد کو ایک دوسرے کے ساتھ بیان کرتا ہے قابل توجہ یہ امر ہے کہ خدا کے پہچاننے کے سلسلہ میں بھی اور مسئلہ معاد کو جاننے کیلئے بھی دونوں مقامات پر خلقت کائنات کے اسرار کے ذریعہ استدلال کیا گیا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے وہ خدا وہ ہے جو ہواؤں کو اپنے باران رحمت کی آگے آگے اس طرح بھیجتا ہے جیسے کوئی خوشخبری سنانے والا آگے آگے دوڑ کر کسی مبارک مسافر کے آنے کی خبر دے۔

وہ ہوائیں جو بحر او قیانوس سے اٹھتی ہیں اور وہ بھاری بادلوں کو جو پانی کے ذخیرے سے لدے ہوئے ہوتے ہیں اپنے دوش پر اٹھائے ہوتی ہیں۔

اور اس موقع پر ہم انہیں مردہ اور خشک زمینوں کی طرف ہنکاتے ہیں اور انہیں سیراب کرنے کی ذمہ داری انہیں سونپ دیتے ہیں۔

اور ان کے ذریعے حیات بخش پانی کی چھاگلیں ہر جگہ لٹاتے ہیں۔

اور اس پانی کے ذریعے طرح طرح کے خوش رنگ خوشبو اور خوش ذائقہ میووں کو اس گل تاریک سے اگاتے ہیں۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے ہم اسی طرح مردوں کو زمین سے باہر نکالیں گے۔

ہم نے اس مثال کو اس لئے بیان کیا کہ روز معاد کا نمونہ تمہیں دکھلا دیں جو تمام سال بار بار تمہاری آنکھوں کے سامنے گزرتے رہتے ہیں تاکہ تم آخرت کو یاد کرو۔

بتلایا گیا ہے کہ زمینوں کی صلاحیت کا مختلف ہونا اس بات کا سبب بنتا ہے کہ وہ زمینیں اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیضان الٰہی سے استفادہ کریں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے شیریں اور پاکیزہ زمین پر برکت اور فائدہ بخش نباتات کو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر نکالتی ہے۔

لیکن جو زمینیں شور زدہ خبیث وخراب ہیں ان میں سوائے ناچیز اور کم قیمت گھاس پھونس کے کچھ نہ اُگے گا۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے ان آیتوں کو ہم ان لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں جو شکر بجالانے والے ہیں اور ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور راہ ہدایت پر قدم بڑھاتے ہیں۔

مذکورہ آیت سے درحقیقت ایک اہم مسئلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا ظہور اس دنیا میں نیز دنیائے آخرت میں دونوں جگہ ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف کسی فاعل کی فاعلیت کسی چیز کے باثمر ہونے کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ استعداد اور قابلیت قابل بھی ضروری ہے

(۵۹) لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ	ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے اس (قوم) سے کہا کہ اے میری قوم! صرف خدائے یگانہ کی پرستش کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے (اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو گے تو) میں تمہیں اوپر والے کے بڑے دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔
(۶۰) قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ	لیکن ان کی قوم کے کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔
(۶۱) قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ	(نوح نے)، کہا اے میری قوم مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے لیکن میں سارے جہانوں کے رب کا فرستادہ ہوں۔
(۶۲) اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	میں اپنے پروردگار کا پیغام تم تک پہنچاتا ہوں اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور اللہ کی جانب سے میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔
(۶۳) اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	کیا تم کو یہ تعجب ہے کہ تمہارے رب کی جانب سے یاد دہانی کیلئے تمہارے پاس آنے والا فرمان ایک ایسے شخص پر نازل ہوا ہے جو تم میں سے ہے تا کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم ڈرو اور اس لئے کہ تم پر رحم کیا جائے۔
(۶۴) فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ع	پس ان لوگوں نے اس (نوح) کی تکذیب کی پس ہم نے اس کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا بیشک وہ لوگ ایک اندھی قوم تھے۔

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام پہلے اولوالعزم پیغمبر

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے جیسے سورہ ہود سورہ انبیاء سورہ مومنون سورہ شعراء نیز قرآن میں ایک چھوٹا سورہ بنام نوح بھی ہے جو قرآن کا ۷۱ واں سورہ ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔

سب سے پہلی چیز جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یاد دلائی وہی توحید اور ہر قسم کی بت پرستی سے نہی تھی انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! خدا کی پرستش کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی فطرت خوابیدہ کو بیدار کرنے کے بعد انہیں بت پرستی کے انجام بد سے خبردار کیا اور فرمایا میں تمہارے اوپر روز عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

عظیم دن کے عذاب سے ممکن ہے کہ وہی طوفان نوح مراد ہو جس سے کمتر عذاب وسزا نہیں دیکھی گئی نیز ممکن ہے کہ اس سے مراد عذاب روز قیامت ہو لیکن قوم نوح بجائے اس کے کہ اس عظیم پیغمبر کی اصلاحی دعوت کو قبول کرتی جو ہر طرح سے ان کی خیر خواہی پر مشتمل تھی اور آئین توحید کو جان ودل سے مان لیتی ظلم وستم سے اپنا ہاتھ اٹھا لیتی اس کے برعکس ان کی قوم کے سرداروں اور ثروت مندوں نے جب لوگوں کی بیداری کی وجہ سے اپنے مفادات کو خطرے میں دیکھا اور نوح علیہ السلام کے مذہب کو اپنی عیاشیوں اور ہوس رانیوں کے سدراہ پایا تو ان کے جواب میں صاف صاف یہ کہہ دیا کہ ہم تو تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے سخت اور توہین آمیز رویہ کے جواب میں نہایت متانت اور محبت کے ساتھ کہا میں نہ صرف یہ کہ گمراہ نہیں ہوں بلکہ گمراہی کی کوئی نشانی بھی مجھ میں نہیں پائی جاتی بلکہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مختلف خدا جو تم مانتے ہو اور ان کی الگ الگ حکومتیں تم نے بنا رکھی ہیں جیسے سمندروں کا خدا آسمانوں کا خدا صلح اور جنگ کا خدا وغیرہ وغیرہ یہ سب بے بنیاد باتیں اور خرافات ہیں حقیقی پروردگار اور سارے جہانوں کا رب صرف وہ خدائے یگانہ وتوانا ہے جو ان سب کا خالق وصانع ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا میری غرض تو صرف یہ ہے کہ میں اپنے پروردگار کے پیغام اور اس کے فرامین تم تک پہنچا دوں۔ اور اس راہ میں میں کسی قسم کی خیر خواہی کو تم سے نہ روکوں۔

آخر میں ارشاد ہوتا ہے میں خدا کی جانب سے ان چیزوں کو جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

ممکن ہے یہ جملہ ان لوگوں کی مخالفتوں اور روگردانیوں کے مقابلے میں تہدید کا پہلو لئے ہوئے ہو۔

یعنی مجھے اللہ کی طرف سے ایسی دردناک سزاؤں اور خوفناک عذابوں کا علم ہے جن کا علم تم کو نہیں ہے یا ہوسکتا ہے اس سے خداوند کریم کے لطف وکرم کی طرف اشارہ مقصود ہو یعنی اگر تم توبہ کرلو اور اللہ کی طرف پلٹ آؤ تو مجھے اس کے ایسے انعاموں اور ثوابوں کا علم ہے جس کی تم کو خبر نہیں ہے یا پھر ممکن ہے مراد یہ ہو کہ میں اللہ کی طرف سے تمہاری ہدایت کا منصب لے کر آیا ہوں تو میں خدا کے بارے میں اور اس کے فرامین وقوانین کے بارے ایسی چیزیں جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔

(۶۳) اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی ایک اور گفتگو ملتی ہے جو ان کی قوم کے اس تعجب کے جواب میں ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان حامل رسالت الٰہی بن جائے اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے کہا آیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کوئی انسان

رسالت پروردگار کے پہنچانے پر مامور ہوا اور اللہ کی طرف سے بیدار کرنے والے فرامین اس پر نازل ہوں تا کہ وہ تمہیں تمہارے برے انجام سے ڈرائے اور پرہیز گاری کے طور طریقے کی طرف تمہیں دعوت دے تا کہ تم رحمت الٰہی کے مستحق بن جاؤ۔

اس بات میں کونسا تعجب ہے؟ کیونکہ ایک لائق وشائستہ انسان میں ہر موجود سے زیادہ اس بات کی صلاحیت موجود ہے کہ وہ اللہ کی رسالت کا حامل بن جائے علاوہ بریں یہ کہ انسان ہی انسانوں کا رہبر بن سکتا ہے نہ کہ جن اور فرشتے۔

(۶۴) لیکن بجائے اس کے کہ وہ لوگ ایسے ہمدرد اور خیر خواہ رہبر کی بات دل سے پسند کرتے الٹا انہوں نے اس کی بات کی تکذیب کی اور اس کی دعوت کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کیا بلکہ ہوا یہ کہ جتنا بھی حضرت نوح علیہ السلام زیادہ تبلیغ کرتے جاتے تھے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی بڑھتی جاتی تھی یہی وجہ ہوئی کہ خدا نے صرف حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو جو کشتی میں سوار تھے نجات دے دی اور جو بھی اس کی آیتوں کو جھٹلانے والے تھے انہیں ڈبو کر غرق کر دیا۔

اس آیت کے آخر میں اس سخت سزا کی دلیل اس طرح بیان فرمائی گئی ہے وہ لوگ ایک اندھا گروہ تھا یعنی ایسے لوگ تھے جو کوڑ دل اور کوڑ باطن تھے اور حقیقت کا چہرہ دیکھنے سے محروم ہو گئے تھے۔

ان کی یہ کوڑ دلی اور ان کے اعمال شوم اور پیہم ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھی کیونکہ تجربہ یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی انسان ایک طویل مدت تک تاریکی میں رہے یا کسی اور وجہ سے اپنی آنکھیں بند رکھے اور روشنی کی جانب نگاہ کرنے سے اجتناب کرے تو وہ تدریجاً اپنی بینائی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

(۶۵) وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ	اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی خدا نہیں ہے تم کیوں نہیں ڈرتے ہو۔
(۶۶) قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ	ان کی قوم کے ایک گروہ نے جو کافر تھے یہ کہا کہ (اے ہود!) ہم تم کو نادانی میں دیکھتے ہیں اور ہم تم کو یقیناً جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔
(۶۷) قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ	انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! مجھ میں کسی قسم کی نادانی نہیں ہے بلکہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔
(۶۸) اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ	میں اپنے رب کے پیغاموں کو تم تک پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لئے ایک امانت دار نصیحت کرنے والا ہوں۔

(۶۹) اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے یاددہانی آئے ایک ایسے مرد کے ذریعہ جو تم میں سے ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تم یاد کرو اس وقت کو جبکہ تم کو قوم نوح کا جانشین بنایا اور تم کو ازروئے خلقت کشادگی دی (بدنی حیثیت سے قوی بنایا) پس اللہ کی نعمتوں کو دھیان میں لاؤ تاکہ تم فلاح پاجاؤ (کامیاب ہوجاؤ)۔

(۷۰) قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ

انہوں نے کہا کہ کیا تم اس واسطے آئے ہو کہ ہم صرف ایک خدا کی پرستش کریں اور ان (کئی خداؤں) کو چھوڑ دیں ان کی ہمارے آباؤاجداد عبادت کرتے چلے آرہے ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا لہٰذا تم جس (عذاب) سے ہم کو ڈرارہے ہو اس کو لے آؤ اگر تم واقعاً سچوں میں سے ہو۔

(۷۱) قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ

(ہود نے) کہا کہ پلیدگی اور غضب تمہارے رب کی طرف سے تم کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے کیا تم مجھ سے کچھ ناموں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے آباؤاجداد نے (بطور معبود کے) گھڑ رکھے ہیں اللہ نے ان کی حقانیت کی کوئی دلیل بھی نہیں اتاری ہے اچھا تو انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوتا ہوں۔

(۷۲) فَاَنجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ۠	پس ہم نے ان (ہود) کواور جوان کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات دی اور ان لوگوں کی بیخ کنی کر دی جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اور حق کو ماننے پر تیار نہ تھے۔

تفسیر

قوم ہود کی سرگزشت کا ایک گوشہ

حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کی سرگزشت اور جو عبرت وحکمت کے درس اس میں موجود تھے انہیں بیان کرنے کے بعد ایک اور نبی یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی سرگزشت بیان کی جاتی ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو بھیجا۔

قوم عاد کے لوگ سرزمین یمن میں زندگی بسر کرتے تھے جسمانی حیثیت سے اور ثروت کے اعتبار سے جو انہیں زراعت اور گلہ بانی کے ذریعہ حاصل ہوتی تھی وہ ایک قوی اور خوشحال قوم تھے لیکن عقیدے کی رو سے بہت پسماندہ تھے۔

(۶۵) اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی دعوت کو مسئلہ توحید رسم ورواج شرک و بت پرستی کے ساتھ شروع کیا اور ان سے یہ کہا کہ اے میری قوم! خدائے یگانہ کی پرستش کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے آیا تم پرہیزگاری اختیار نہیں کرو گے۔

(۶۶) لیکن اس خودخواہ اور متکبر گروہ نے خاص کر ان میں سے مالدار لوگوں نے جنہیں خدا نے ملاء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ہود علیہ السلام سے وہی کچھ کہا جو قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا تھا بلکہ نادانی اور حماقت کی نسبت ان کی طرف دی انہوں نے کہا کہ ہم تمہیں نادانی میں دیکھتے ہیں اور ہمیں گمان یہ ہے کہ تم جھوٹوں میں سے ایک شخص ہو (یعنی جہاں اور لوگ جھوٹ بولتے ہیں تم بھی بولتے ہو۔

(۶۷) لیکن حضرت ہود علیہ السلام نے اپنے اس مخصوص سکون ووقار کے ساتھ جو ہر پاک و برحق نبی کا شیوہ ہے بغیر کسی غصہ دل تنگی اور مایوسی کے ان سے کہا اے قوم! میرے اندر کسی قسم کی نادانی نہیں پائی جاتی میری گفتار و رفتار میری سلامتی ہوش وحواس کی واضح دلیل ہے میں تمام جہانوں کے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔

(۶۸) حضرت ہود علیہ السلام نے اپنے کلام میں اس بات کا بھی اضافہ کیا: اور فرمایا کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ اپنے رب کا پیغام تم لوگوں تک پہنچادوں اور ان احکام کو بھی تم تک پہنچادوں جو تمہاری سعادت کے ضامن اور تمہیں شرک وفساد سے نجات دینے والے ہیں اور وہ بھی انتہائی خلوص ہمدردی اور امانت کے ساتھ۔

(۶۹) اس کے بعد حضرت ہود علیہ السلام ان لوگوں کے سامنے جو اس بات پر متعجب تھے کہ خدا نے خودان لوگوں میں سے ایک

اپنا رسول کیسے بھیج دیا یہ کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہی تھی کہ آیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ پروردگار کی جانب سے ایک ایسے شخص پر وحی ہوئی ہے جو تم میں سے ہے تا کہ وہ اس عذاب سے تم کو ڈرائے جو تمہارے اعمال بد کی وجہ سے تم کو درپیش ہے؟

اس کے بعد ان کے سوئے ہوئے جذبات کو بیدار کرنے کیلئے اور ان کی روح کے اندر احساس شکر گزاری کو برانگیختہ کرنے کیلئے خدا کی بعض نعمتوں کی یاد دہانی کرواتے ہیں اس بات کو دھیان میں لاؤ کہ خداوند کریم نے تمہیں قوم نوح علیہ السلام کا جانشین بنایا اور جب وہ لوگ اپنی سرکشی کے باعث تباہ و برباد ہو گئے ان کی تمام وسیع زمینوں کا مالک و وارث تمہیں بنا دیا ایسی زمینیں جو طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال تھیں۔

اس کے علاوہ تم کو غیر معمولی قوت جسمانی عطا کی۔ یہ جملہ ''زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً'' (تم کو خلقت کے لحاظ سے وسعت عطا کی) جیسا کہ ہم نے سابقاً کہا ممکن ہے اس سے قوم عاد کی جسمانی قوت کی طرف اشارہ مقصود ہو کیونکہ قرآن کی مختلف آیات اور تاریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مضبوط ہڈیوں والے قوی ہیکل لوگ تھے سورہ حم السجدہ کی آیت ۱۵ میں اس کا ذکر موجود ہے۔

(۷۰) لیکن حضرت ہود علیہ السلام کی ان تمام نصیحتوں ہدایتوں اور یاد دہانیوں سے انہوں نے کوئی اثر نہ لیا بلکہ اپنے مادی مفادات کو خطرہ میں پڑتا دیکھ کر الٹا مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور انہوں نے کھلم کھلا یہ اعلان کر دیا کہ کیا تم اس لئے آئے ہو کہ ہمیں خدائے یگانہ کی طرف دعوت دو اور ان تمام معبودوں کو ہم چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد سالہا سال سے پرستش کرتے چلے آئے ہیں اور ان کی عظمت کا سکہ ہمارے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے؟ ایسا ہر گز نہ ہوگا۔

حضرت ہود علیہ السلام کی امید کو کلی طور سے اپنے سے قطع کرنے کیلئے حرف آخر کے طور پر انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اگر تم واقعاً سچ کہتے ہو اور اس عذاب کی کچھ حقیقت ہے جس سے تم ڈراتے رہے ہو تو جتنا بھی جلدی تم سے ہو سکے یہ عذاب ہماری طرف لے آؤ اور ہم کو بالکل نیست و نابود کر دو (یعنی ہم کو تمہاری ان دھمکیوں کا ذرہ برابر خیال نہیں ہے کیونکہ خدا پر ایمان رکھنے والے دنیا والوں سے ڈرا نہیں کرتے۔

(۷۱) جب بات یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے اپنی آخری بات بھی کہہ دی جو اس بات کی علامت تھی کہ انہوں نے ہدایت قبول کرنے سے قطعاً اعراض کر لیا ہے اور حضرت ہود علیہ السلام بھی ان کی ہدایت سے مایوس ہو گئے ہیں تو حضرت ہود علیہ السلام نے کہا کہ اچھا جب ایسا ہے تو جان لو عذاب الٰہی اور غضب خدا یقینی طور پر تمہارے اوپر نازل ہوگا۔

اس کے بعد ایک جملے کا اور اضافہ کیا گیا ہے تا کہ بتوں کے بارے میں ان کی منطق بغیر جواب کے نہ رہ جائے وہ جملہ یہ ہے کیا تم ان چیزوں کے بارے میں جن کا صرف نام ہی خدا ہے اور یہ نام تمہارے بزرگوں نے ان کے لئے گھڑا ہے اور وہ جھوٹ موٹ کچھ خاصیتیں اور کرامتیں ان سے منسوب کرتے چلے آئے ہیں مجھ سے جھگڑا کرتے ہو جبکہ خدا کی جانب سے ان کی حمایت میں

کوئی دلیل نازل نہیں ہوئی ہے۔

اس کے بعد کہا اب جبکہ ایسا ہے تو پھر تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کروں گا تم یہ انتظار کرو کہ آنے والی مصیبت میں یہ بت تمہاری مدد کریں گے اور میں اس انتظار میں رہوں گا کہ خدا کا دردناک عذاب تمہارے اوپر نازل ہو آئندہ پتہ چلے گا کہ ان دونوں انتظاروں میں کونسا انتظار حقیقت سے نزدیک تھا۔

زیر بحث آیت کے آخر میں اس ضدی اور ہٹ دھرم قوم کا انجام مختصر لفظوں میں اس طرح بیان ہوا ہے ارشاد ہوتا ہے ہم نے ہودؑ کو اور جو لوگ ان کے ہمراہ تھے ان کو اپنے لطف ورحمت کے ذریعے نجات دے دی اور ان لوگوں کی بیخ کنی کر دی جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اور آمادہ نہ ہوئے کہ حق کے سامنے سرتسلیم خم کردیں ہم نے ان کو تہس نہس کر دیا۔

(۷۳) وَ اِلٰی ثَمُودَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! خدا کی پرستش کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے ایک روشن دلیل تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے آئی ہے یہ اللہ کا ناقہ (اونٹنی) تمہارے لئے معجزہ ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ خدا کی زمین میں (جنگلی گھاس پھوس میں سے) چرے اور اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب آلے گا۔
(۷۴) وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ	اور اس چیز کو اپنے دھیان میں لاؤ کہ خدا نے تمہیں قوم عاد کا جانشین بنایا اور (ان کی) زمین میں تمہیں بسایا تا کہ اس کے ہموار خطہ میں تم اپنے لئے قصر بناؤ اور پہاڑوں میں بھی اپنے واسطے گھر تراشو لہٰذا اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرو۔

(۷۵) قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لِلَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ	لیکن ان (صالح) کی قوم کے متکبر سرداروں نے ان مستضعف (غریب لوگوں) سے پوچھا کیا (واقعی) تم کو یہ یقین ہے کہ صالح اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس چیز پر (اچھی طرح سے) ایمان لائے ہیں جس کا ان کو اللہ کی جانب سے حکم دیا گیا ہے۔
(۷۶)قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا بِالَّذِیۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ	متکبر افراد نے کہا کہ (مگر) ہم تو اس چیز کے کافر ہیں جس پر تم لوگ ایمان لائے ہو۔
(۷۷) فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ وَ قَالُوۡا یٰصٰلِحُ ائۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ	اس کے بعد انہوں نے ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں اور اپنے پروردگار کے حکم سے روگردانی کی اور کہا کہ اے صالح! اگر تم (واقعاً) خدا کے فرستادہ ہو تو جس عذاب سے ڈراتے ہو اس کو لے آؤ۔
(۷۸) فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ	آخر کار انہیں زلزلے نے آ لیا اور وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں جسمِ بے جان ہو کر رہ گئے۔
(۷۹) فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَ قَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسَالَةَ رَبِّیۡ وَ نَصَحۡتُ لَكُمۡ وَلٰكِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ	پس صالح نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا اے میری قوم! میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور میں نے تمہیں نصیحت کی، لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر

قوم ثمود کی عبرت انگیز سرگزشت

ان آیات میں خدا کے بزرگ پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے اس جہاد کا ذکر کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنی قوم ثمود کے خلاف کیا قوم ثمود شام اور حجاز کے درمیان ایک کوہستانی علاقے میں رہتی تھی۔

پہلے فرمایا گیا ہے ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔

اس قوم کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نے بھی دیگر پیغمبروں کی طرح اپنی قوم کی اصلاح کیلئے پہلا قدم مسئلہ توحید اور یکتا پرستی سے اٹھایا اور ان سے کہا اے میری قوم! خدائے یگانہ کی پرستش کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

اس کے بعد اس جملے کا اضافہ فرمایا کہ میں بغیر کسی دلیل کے کوئی بات نہیں کہتا بینا اور روشن دلیل تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے لئے آ چکی ہے اور یہ وہی اونٹنی ہے جس کو خدا نے تمہارے لئے معجزہ قرار دیا ہے۔

بعد ازاں ان سے فرمایا اس ناقہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا اس کو خدا کی زمین میں چرنے دینا اور اسے اذیت نہ دینا ورنہ دردناک عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

(۷۴) اس کے بعد والی آیت میں فرمایا گیا ہے یہ دھیان میں رہے کہ خدا نے قوم عاد کے بعد تمہیں ان کا جانشین اور خلیفہ قرار دیا ہے اور زمین میں تمہیں جگہ دی ہے یعنی ایک طرف تو تم کو اللہ کی نعمتوں کا خیال رہنا چاہئے دوسرے یہ بھی یاد رہے کہ تم سے پہلے جو قوم تھی وہ اپنی سرکشی اور طغیانی کے باعث عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہو چکی ہے۔

پھر اس کے بعد انہیں عطا کی گئی کچھ نعمتوں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے تم ایک ایسی سرزمین میں زندگی بسر کرتے ہو جس میں ہموار میدان بھی ہیں جن کے اوپر تم عالیشان قصر اور آرام دہ مکانات بنا سکتے ہو نیز اس میں پہاڑی علاقے بھی ہیں جن کے دامن میں تم مضبوط مکانات تراش سکتے ہو جو سخت موسم میں سردیوں کے زمانے میں تمہارے کام آ سکتے ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے خداوند کریم کی ان سب نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرو اور کفران نعمت نہ کرو۔

(۷۵) یہاں پر ہمیں پھر یہ ملتا ہے کہ سردار اور ثروتمند خوش ظاہر اور بد باطن لوگ جنہیں لفظ "ملاء" آنکھوں میں سما جانے والے سے تعبیر کیا گیا ہے انہوں نے اس عظیم پیغمبر کی مخالفت شروع کر دی ان کے خلاف ایک اچھا خاصا گروہ ان لوگوں کا تھا جو خوش فکر و پاک دل تھے اور ہمیشہ مذکورہ سرداروں کی اسیری میں تھے یعنی ان کے مزدور تھے اور انہوں نے حضرت صالح کی دعوت کو قبول کر لیا تھا اور وہ ان کے گرد جمع ہو گئے تھے انہوں نے سرداروں کی مخالفت شروع کر دی لہٰذا جیسا کہ قرآن کہتا ہے ان سرداروں اور متکبر افراد نے ان غریب لوگوں مستضعفین سے جو ایمان لا چکے تھے یہ کہا آیا واقعاً تمہیں یہ علم ہے کہ صالح خدا کی جانب سے ہماری ہدایت کیلئے بھیجے گئے ہیں۔

لیکن جلد ہی انہیں ایسا قطعی جواب ملا جو تابعین حضرت صالح علیہ السلام کے قوی ارادہ کی حکایت کرتا ہے۔ انہوں نے کہا صرف یہی نہیں کہ ہم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح خدا کے فرستادہ ہیں بلکہ ہم تو ان کی پیغمبری پر ایمان بھی لا چکے ہیں۔

(۷۶) یہ جواب سن کر بھی متکبر اور مغرور افراد خاموش نہ ہوئے بلکہ مومنین کے ارادے کو متزلزل کرنے کیلئے انہوں نے دوبارہ کہا ہم تو اس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو۔

(۷۷) خود خواہ وہ متکبر ثروت مند لوگ مومن افراد کے پائے استقلال کو نہ ڈگمگا سکے اور ان کو اس معاملہ میں مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا دوسری طرف انہوں نے یہ دیکھا کہ اس اونٹنی کی وجہ سے جو حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ شمار ہوتی تھی ان کی ستم پاشیاں بے

اثر ہو کر رہ گئی ہیں تو انہوں نے اس ناقہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرلیا اور اسے قتل کرنے سے پہلے انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اس کے بعد اسے جان سے مار ڈالا اس طرح انہوں نے خدا کے فرمان سے سرکشی کی۔

انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کے بعد وہ حضرت صالح علیہ السلام کے پاس آئے اور اعلانیہ ان سے کہنے لگے اگر تم واقعاً خدا کے فرستادہ ہو تو جتنی جلد ہو سکے عذاب الٰہی لے آؤ۔

ان باتوں سے ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت صالح علیہ السلام اور دیگر مومنین کی قوت ارادی کمزور پڑ جائے۔

(۷۸) جب انہوں نے اپنی سرکشی اور نافرمانی آخری حد تک پہنچا دی اور ایمان قبول کرنے کی آخری کرن بھی ان کے وجود میں خاموش ہوگئی تو اللہ نے اس قانون کے مطابق کہ وہ ہمیشہ انتخاب کرتا رہتا ہے اور فاسد و مفسد کو فنا کر کے ان کی جگہ بہتر افراد کو دیتا ہے اللہ کی سزا نے ان کو آلیا اور ایک ایسا زلزلہ رونما ہوا جس نے ان کے تمام قصروں اور پتھر کے بنے ہوئے مکانوں کو ہلا کر مسمار کر دیا چشم زون میں ان کی زرق برق زندگی کے چراغ بجھ گئے صبح کے وقت صرف ان کے بے جان جسم ان کے مکانوں میں باقی رہ گئے تھے۔

"جاثم" دراصل مادہ "جثم" بروزن "خصم" سے ہے جس کے معنی دو زانو بیٹھنے اور ایک ہی جگہ کھڑے رہنے کے ہیں بعید نہیں کہ اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہو کہ وہ لوگ زلزلہ کے وقت خواب شیریں کے مزے لے رہے تھے زلزلے کا پہلا جھٹکا محسوس کرتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے پھر اس کے بعد حادثے نے انہیں اٹھنے کی بھی مہلت نہ دی اور خوف کی وجہ سے یا دیواروں کے گرنے کی وجہ سے یا بجلی گرنے سے جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔

قوم ثمود کو کس طرح موت آئی؟

یہاں پر ایک سوال یہ پیش ہوتا ہے کہ زیر نظر آیت میں ہے کہ ان کی فنا کا سبب زلزلہ تھا لیکن سورہ حم السجدہ کی آیت ......۱۳ میں ہے کہ بجلی کی وجہ سے وہ نابود ہوئے جبکہ سورہ حاقہ کی آیت ......۵ میں ہم پڑھتے ہیں کہ

'قوم ثمود ایک تباہ کن آفت کی وجہ سے ہلاک ہوئی''

کیا ان تعبیروں میں کوئی تنافی یا تضاد پایا جاتا ہے؟

اس سوال کا جواب ایک جملہ میں دیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ تینوں اسباب کی بازگشت ایک چیز کی طرف ہے یا یہ کہا جائے کہ تینوں آپس میں لازم ملزوم ہیں کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک خطہ میں زلزلہ بجلی گرنے کی وجہ سے آتا ہے یعنی بجلی گرتی ہے اس کے بعد زلزلہ آجاتا ہے لیکن ''طاغیۃ'' اس موجود کے معنی میں ہے جو اپنی حد سے تجاوز کرے یہ زلزلہ کیلئے بھی صحیح ہے اور بجلی کیلئے بھی بنا بریں ان آیات کے درمیان کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔

(۷۹) زیر بحث آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اس کے بعد صالح علیہ السلام نے ان سے منہ پھیر لیا اور ان سے کہا میں نے اپنے پروردگار کی رسالت پیغام رسانی کا حق ادا کر دیا اور جو کہنا چاہئے تھا وہ تم سے کہہ دیا میں نے تمہاری نصیحت اور خیر خواہی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی لیکن بات یہ ہے کہ تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

(۸۰)وَ لُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مَا سَبَقَکُمۡ بِہَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ	اور یاد کرو کہ جب لوط نے اپنی قوم سے کہا تم ایسا برا (اور شرمناک) فعل انجام دیتے ہو جس کو تمام جہانوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔
(۸۱) اِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَہۡوَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ	تم لوگ تسکین شہوت کیلئے مردوں کی طرف جاتے ہو نہ کہ عورتوں کی طرف؟ تم تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔
(۸۲) وَ مَا کَانَ جَوَابَ قَوۡمِہٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡہُمۡ مِّنۡ قَرۡیَتِکُمۡ ۚ اِنَّہُمۡ اُنَاسٌ یَّتَطَہَّرُوۡنَ	لیکن ان کی قوم کا جواب سوئے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ ان (لوط اور ان کے ماننے والوں) کو اپنی آبادی سے باہر نکال دو یہ لوگ اپنے کو پاک ظاہر کرنے والے ہیں۔
(۸۳) فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَ اَہۡلَہٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَہٗ ۫ۖ کَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ	جب بات یہاں تک پہنچی تو ہم نے ان (لوط) اور ان کے خاندان کو نجات دی سوائے ان کی زوجہ کے کہ وہ باقی ماندہ افراد میں سے تھی۔
(۸۴) وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ مَّطَرًا ؕ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ۠	(پھر اس کے بعد) ہم نے ان پر خوب بارش برسائی (پتھروں کی بارش تاکہ وہ ان کو نیست و نابود کر دے) اب دیکھو مجرموں کا انجام کیا ہوا۔

تفسیر

قوم لوط کا دردناک انجام

ان آیات قرآنی میں ایک منظر ایک اور پیغمبر کی سرگزشت کا پیش کیا گیا ہے جو گزشتہ آیات کا مقصد ہے اس کی مزید تکمیل کی گئی ہے یہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی سرگزشت ہے۔ یہ ماجرا قرآن کی چند سورتوں میں بیان کیا گیا ہے جیسے سورہ ہود۔ حجر۔ شعراء انبیاء۔ نمل اور عنکبوت

(۸۰) پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے یاد کرو پیغمبر لوط علیہ السلام کو جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسا سنگین اور شرمناک فعل انجام دیتے ہو کہ جہانوں میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔

(۸۱) اس آیت میں اس گناہ کی تشریح کی گئی ہے جس کو اب تک سر بستہ طور سے بیان کیا گیا تھا ارشاد ہوتا ہے تم لوگ شہوت کے ساتھ مردوں کی طرف جاتے ہو اور عورتوں کو تم نے چھوڑ رکھا ہے۔

بھلا اس سے بدتر اور کونسا کام ہوسکتا ہے کہ توالد و تناسل کا واحد ذریعہ یعنی مرد عورت کا ملاپ اس کو انسان ترک کردے اور جنس موافق کے پیچھے پڑ جائے یہ ایسا کام ہے جو اصولی طور پر نادرست خلاف عقل اور بدن انسانی کی ساخت کے منافی اور روح کے خلاف ہے نیز انسان کی اس فطرت اولی کے خلاف ہے جس میں ابھی کوئی تغیر واقع نہیں ہوا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جنسی ملاپ کی جو غرض و غایت ہے وہ فوت ہو کر رہ جائے گی دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ اس فعل کا ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنی جنسی خواہش کو چھوٹے طریقے سے پورا کرے اور نسل انسانی کو قطع کرنے کا سبب بن جائے۔ اس کے بعد آیت میں مزید تاکید کیلئے فرمایا گیا ہے تم لوگ اسراف کرنے والی قوم ہو (یعنی تم نے حدود الٰہی سے اپنے قدم آگے بڑھا لئے ہیں اور گمراہی وسرکشی کے میدان میں فطرت کے حدود کو چھوڑ کر بھٹک گئے ہو۔

(۸۲) اس کے بعد کی آیت میں قوم لوط کی غیر منطقی اور ضد آمیز گفتگو کا جواب دیا گیا ہے ان لوگوں کے پاس اس ہمدرد خیر خواہ اور مصلح پیغمبر کی بات کا کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ انہوں نے بڑی بدتمیزی اور غصے سے کہا کہ لوط علیہ السلام اور ان کے پیروؤں کو اپنے شہر سے باہر نکال دو ان کا گناہ کیا ہے؟ ان کا گناہ صرف یہ ہے کہ پاک لوگ ہیں اور گناہ نہیں کرتے۔

"انهم اناس يتطهرون" اس جملے میں ایک یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ قوم لوط کا منشا یہ تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو ریاکاری کے ساتھ متہم کریں جیسا کہ ہم نے اکثر اشعار وغیرہ میں سنا ہے کہ بعض گنہگار اور شراب خور افراد مقدس اور پاک بندوں کو دکھاوے اور ریاکاری کے ساتھ مہتم کرتے ہیں اور بزعم خود اپنے شراب آلودہ چیتھڑوں کو زاہد کے مصلیٰ سے بہتر خیال کرتے ہیں اور یہ ایک جھوٹا برائت نامہ ہے جو وہ خود اپنے ہاتھ سے اپنے لئے لکھ لیتے ہیں۔

(۸۳) اگر مذکورہ بالا تین آیات پر نظر ڈالی جائے تو ہر انصاف پرور شخص یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ قوم لوط کے افراد بہت گرے ہوئے لوگ تھے انہوں نے ایک مصلح بزرگ کی تمام نصیحتوں اور منطقی دلیلوں اور جملہ خیر خواہیوں کو نہ صرف ٹھکرا دیا بلکہ ان کا جواب اپنی دھمکیوں اور زور نمائی اور تہمتوں سے دیا۔ لہٰذا خدا نے بعد والی آیت میں فرمایا جب بات یہاں تک پہنچی تو ہم نے لوط علیہ السلام ان کے پیروؤں اور ان کے کارندوں میں جو واقعی پاکدامن تھے کو نجات دے دی سوائے ان کی بیوی کے کہ اس کو تباہ ہونے والی قوم میں عذاب کا مزا چکھنے کیلئے چھوڑ دیا کیونکہ وہ عورت بھی عقیدہ اور مذہب کے لحاظ سے ان لوگوں کی ہم خیال تھی۔

(۸۴) اس آیت کے آخر میں بہت مختصر لیکن ایک معنی خیز اشارہ اس قوم کیلئے وحشت ناک عذاب کی طرف کیا گیا ہے فرمایا گیا ہے ہم نے ان کے اوپر بارش برسائی لیکن کیسی بارش؟! پتھروں کی بارش جس نے ان کو کچل کر تہس نہس کر دیا۔

اگرچہ آیت مذکورہ میں اس بارش کی نوعیت بیان نہیں کی گئی لیکن چونکہ اس کو لفظ مطرا ایک بارش سے تعبیر کیا گیا ہے جو ایک سر بستہ لفظ ہے لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی اور عام بارش نہ تھی بلکہ پتھروں کی بارش تھی جیسا کہ سورہ ہود کی آیت ۸۳ میں بیان ہوا ہے۔ اب دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا۔

اگرچہ اس آیت میں روئے سخن پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کی طرف ہے لیکن ظاہر ہے کہ مقصد یہ ہے کہ تمام انسان اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں۔

(۸۵) وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ	اور (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی شعیب کو مدین کی طرف انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! خدا کی پرستش کرو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تمہارے پروردگار کی جانب سے روشن دلیل آ چکی ہے بنا بریں جو پیمانہ اور ترازو کا حق ہے اسے ادا کرو اور لوگوں کے مالوں میں سے کچھ کم نہ کرو اور جبکہ (ایمان اور دعوت انبیاء کی وجہ سے) روئے زمین پر اصلاح ہو چکی ہے اس میں فساد نہ کرو یہ تمہارے واسطے بہتر ہے اگر تم باایمان ہو۔
(۸۶) وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ	اور ہر راستے پر نہ بیٹھو تا کہ (باایمان لوگوں کو) دھمکیاں دو اور مومنوں کو راہ راست سے روکو اور (طرح طرح کے شبہات ڈال کر) اس راہ کو ٹیڑھا دکھاؤ اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ تم بہت تھوڑے تھے اس نے تم کو کثرت عطا کی اور دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔
(۸۷) وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ	اور جو کچھ ہم نے بھیجا ہے اس پر اگر ایک گروہ ایمان لایا ہے اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا تو اس پر صبر کرو، تا کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

تفسیر

مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی رسالت

ان آیات میں اقوام گزشتہ کی سرگزشت اور انبیائے الٰہی کی ان سے کشمکش کا پانچواں حصہ یعنی شعیب علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام جن کا سلسلہ نسب تاریخ کی بناء پر چند واسطوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے شہر مدین والوں کی

طرف معبوث ہوئے مدین شام کا ایک شہر تھا جس میں تجارت پیشہ اور مالدار لوگ رہتے تھے لیکن ان کے درمیان بت پرستی کم ناپنا تولنا رائج تھا۔

اس عظیم پیغمبر نے اپنی قوم کے خلاف جو جہاد کیا ہے اس کی روئیداد قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں آئی ہے خاص کر سورہ ہود اور سورہ شعراء میں اس کا تذکرہ مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔

پہلی آیت میں خدا فرماتا ہے ہم نے اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی دعوت کو دیگر پیغمبروں کی طرح مسئلہ توحید سے شروع کیا اور وہ پکارے اے میری قوم! خدائے یکتا کی پرستش کرو کہ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

انہوں نے کہا کہ یہ حکم علاوہ بریں کہ عقل کا فیصلہ ہے اس کی حقانیت پر خدا کی طرف سے روشن دلیل بھی آ چکی ہیں۔

اگرچہ آیات مذکورہ میں اس بات پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے کہ یہ بینہ (روشن دلیل) کیا تھی مگر ظاہر ہے کہ اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کے معجزات ہیں۔

توحید کی طرف دعوت دینے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی اجتماعی اخلاقی اور اقتصادی برائیوں سے ٹکر لی سب سے پہلے انہوں نے چاہا کہ انہیں کم ناپ تول دھوکا دہی اور دیگر خیانتوں سے روکیں جن میں وہ مبتلا تھے چنانچہ انہوں نے کہا اب جبکہ خدا کا راستہ تمہارے سامنے آشکار ہو چکا ہے تو پیمانہ اور وزن کا حق ادا کرو اور لوگوں کے حقوق میں سے کم نہ کرو۔

اس کے بعد ان کے ایک اور عیب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے روئے زمین پر جبکہ ایمان اور انبیائے الٰہی کی کوششوں سے اصلاح ہو چکی ہے فساد برپا نہ کرو۔

یہ بات مسلّم ہے کہ فساد پھیلانے سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا چاہے وہ فساد اخلاقی ہو یا بے ایمان ہو یا بے امنی ہو بلکہ اس سے الٹا تباہی پھیلتی ہے لہٰذا آیت کے آخر میں اس جملے کا اضافہ فرمایا گیا ہے۔

یہ تمہارے نفع کی بات ہے اگر تم صاحبان ایمان ہو۔

(۸۶) اس آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کی چوتھی نصیحت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے تم لوگوں کے راستے پر مت بیٹھو اور نہ ڈراؤ دھمکاؤ اور خدا کے راستے میں سدراہ نہ بنو اور ان کے دلوں میں شبے ڈال کر حق کی صراط مستقیم کو ان کی نگاہ میں ٹیڑھی اور کج ظاہر نہ کرو۔

جو لوگ ایمان قبول کرنا چاہتے تھے انہیں قوم شعیب کے گمراہ لوگ کس طرح ڈراتے دھمکاتے تھے؟ مفسرین نے اس بارے میں متعدد احتمال پیش کئے ہیں بعض نے کہا ہے کہ یہ ان کو قتل کی دھمکی دیتے تھے بعض نے کہا ہے کہ وہ با ایمان افراد کا مال لوٹ

لیتے تھے لیکن آیت کے بقیہ جملے سے پہلے معنی مطابقت رکھتے ہیں۔

پانچویں آیت کے آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کی اس نصیحت کا ذکر ہے جس میں انہوں نے چاہا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو یاد کریں کہ تا کہ ان میں شکر گزاری کا جذبہ بیدار ہو ارشاد ہوتا ہے اس وقت کو یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے تھے خدا نے تمہارے جمعیت کو زائد کیا اور تم میں پاور (افرادی قوت) عطا کی۔

اس کے بعد خوب اچھی طرح سے دیکھو کہ مفسدوں کا انجام کیا ہوا لہٰذا ان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ کیونکہ ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کا انجام بھی انہی جیسا ہوگا۔

(۸۷) زیر نظر آخری آیت دراصل قوم شعیب کے بعض مومنین اور بعض کافروں کی ایک بات کا جواب ہے کیونکہ بعض مومن افراد جبکہ ان پر کافروں کا دباؤ پڑتا تھا تو وہ فطری طور پر اپنے وقت کے پیغمبروں سے یہ کہہ اٹھتے تھے کہ ہم کب تک ان کافروں کا ظلم سہتے رہیں گے؟ اس کے ساتھ ہی جو لوگ مخالف تھے ان کے جرائت و حوصلے بھی بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی یہ کہہ دیتے تھے کہ ''اگر تم واقعی خدا کے فرستادہ نبی ہو تو ہماری اتنی مخالفت کے باوجود ہم کو اللہ کی طرف سے کسی قسم کا گزند کیوں نہیں پہنچتا''۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا اگر تم میں سے کچھ لوگ اس چیز پر ایمان لے آئے ہیں جو میں اللہ کی طرف سے لایا ہوں اور کچھ ایمان نہیں لائے تو اس سے نہ تو کافروں کو غرور لاحق ہو اور نہ مومنوں کو مایوسی، تم صبر سے کام لو تا کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے یعنی وہ آئندہ اپنا آخری فیصلہ سنا دے گا کہ کون لوگ حق پر ہیں اور کون باطل پر۔

(۸۸) قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ کُنَّا کٰرِهِیْنَ ۚ	اس (شعیب) کی قوم کے طاقتور اور متکبر لوگوں نے کہا اے شعیب! ہم قسم کھاتے ہیں کہ تم کو اور جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں ان کو ہم اپنی آبادی سے باہر نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب کی طرف پلٹ آؤ۔ (شعیب نے) جواب دیا (تم چاہتے ہو کہ ہم کو پلٹاؤ) چاہے ہم اسے ناپسند بھی کرتے ہوں؟

(۸۹) قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَ مَا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ	اگر ہم تمہارے مذہب کی طرف پلٹ آئیں جبکہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دے دی ہے تو گویا ہم نے (اللہ) پر بہتان باندھا ہے اور ہمارے لئے یہ سزاوار نہیں ہے کہ ہم اس مذہب کی طرف دوبارہ پلٹ آئیں مگر یہ کہ خود ہمارا رب چاہے ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر محیط ہے ہم نے صرف اللہ پر توکل کیا ہے اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر کہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

تفسیر

اس آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کے منطقی استدلال کے مقابلے میں ان کی قوم کے ردعمل کو بیان کیا گیا ہے اور چونکہ ان کی قوم کے طاقتور اور متکبر افراد ظاہری حیثیت سے بہتر با اثر تھے اس بنا پر ان کا ردعمل بھی بہ نسبت دوسروں کے زیادہ شدید تھا لہٰذا انہوں نے دنیا کے دوسرے زوردار متکبر افراد کی طرح اپنی قوت و جماعت کے بل بوتے پر حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے پیروؤں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا جیسا کہ قرآن کہتا ہے ان شعیب علیہ السلام کی قوم کے طاقتور اور مغرور افراد نے ان سے کہا کہ ہم قسم کھا کر یہ بات کہتے ہیں کہ ہم تم کو اور تمہارے ماننے والوں کو اپنی سوسائٹی سے باہر نکال دیں گے الا یہ کہ جتنا بھی جلد ممکن ہو ہمارے مذہب کی جانب پلٹ آؤ۔

(۸۸) حضرت شعیب علیہ السلام نے ان تمام باتوں اور تمام دھمکیوں کا جواب ایک بہت ہی مختصر سہل اور سادہ لیکن منطقی جملے سے دیا انہوں نے کہا کیا تم ہم کو اپنے مذہب کی طرف اس حال میں لوٹانا چاہتے ہو کہ ہم اس کی طرف مائل نہ بھی ہوں۔

(۸۹) اس کے بعد کی آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام اپنی بات کو اس طرح آگے بڑھاتے ہیں اگر ہم دوبارہ آئین بت پرستی کی طرف پلٹ آئیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دے دی ہے اور ہم اپنے کو دوبارہ اس تباہی کے گڑھے میں گرا دیں تو ہم نے گویا خدا پر افترا باندھا ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم تمہارے آئین کی طرف پلٹ آئیں الا یہ کہ خدا خود یہ چاہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ ہم ہر حال میں خدا کے فرمان کے تابع ہیں اور اس کے حکم سے ہم ذرہ برابر بھی مخالفت نہیں کر سکتے۔ اب ہمارا تمہاری طرف پلٹنا کسی حالت میں ممکن نہیں ہے الا یہ کہ خدا ہم کو پلٹنے کا حکم دے اور وہ ایسا حکم کبھی نہیں دے سکتا کیونکہ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے اور اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے لہٰذا ہرگز یہ ممکن نہیں کہ وہ اس چیز سے پلٹ جائے جس کا وہ

ہم کوسختی سے حکم دے چکا ہے کیونکہ حکم دے کر پشیمان وہ ہوتا ہے جس کا دائرہ معلومات محدود ہواور وہ دھوکا کھا جائے لیکن وہ کہ جس کا علم لامحدود ہے کبھی غلطی نہیں کرتا وہ اپنے فیصلہ پر تجدید نظر بھی نہیں کرتا۔

اس کے بعد ان لوگوں پر یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ وہ ان کی دھمکیوں سے بالکل ہراساں نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم ہیں حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا ہمارا بھروسہ صرف خدا پر ہے (علی اللہ توکلنا)۔

آخر کار اپنا حسن نیت ظاہر کرنے کیلئے اور اس لئے کہ ان کی حقیقت پسندی اور صلح جوئی کا رخ بھی اچھی طرح سے نمایاں ہو جائے تا کہ دشمن ان کے خلاف یہ الزام نہ لگائیں کہ وہ ہنگامہ پسند اور خواہ مخواہ انقلاب پرور ان ہیں انہوں نے کہا اے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان تو ہی حق کے ساتھ فیصلہ کر اور ہماری مشکلات کو دور کر اور در رحمت ہم پر کھول دے کہ تو بہترین کھولنے والا ہے۔

(۹۰) وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ	ان (شعیب) کی قوم کے اس گروہ نے کہا جو کافر ہو گئے تھے اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم گھاٹے میں رہو گے۔
(۹۱) فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۚۖ	پس زلزلے نے ان کو آ لیا اور انہوں نے اس حالت میں صبح کی کہ ان کے بے جان بدن ان کے گھروں میں پڑے ہوئے تھے۔
(۹۲) اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۛۚ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ	جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی (وہ اس طرح نابود ہو گئے) گویا ہرگز ان گھروں میں آباد نہ تھے جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی وہی گھاٹا اٹھانے والے تھے۔
(۹۳) فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ	پس اس (شعیب) نے ان لوگوں سے رخ پھیر لیا اور کہا کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے رب کی رسالت پہنچا دی تھی اور تم کو نصیحت (بھی) کی تھی پس (اس حال میں) میں خطا کار قوم پر کیسے افسوس کروں۔

تفسیر

حضرت شعیب علیہ السلام کے مخالفین نے ان کے تابعین کو بہکانے کیلئے جو کوششیں کیں پہلی آیت میں ان کو بیان کیا گیا ہے

فرماتا ہے قوم شعیب علیہ السلام کے متکبر اور خودخواہ افراد جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا، نے ان لوگوں سے کہا جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ شعیب کی تبلیغ سے متاثر ہو گئے ہیں کہ تم نے اگر شعیب کی پیروی کی تو تم یقیناً گھاٹے میں رہو گے۔

گھاٹے سے ان کی مراد وہی دنیاوی اور مادی گھاٹا تھا جو مومنوں کو حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے کی وجہ سے ملنے والا تھا کیونکہ وہ ہرگز بت پرستی کی طرف پلٹنے والے نہ تھے لہٰذا ان کو زبردستی اس شہر اور آبادی سے نکال دیا جانا تھا اس طرح ان کی املاک گھر بار سب چھٹ جاتے۔

(۹۱) جب ان کا معاملہ یہاں تک پہنچا تو اپنی گمراہی کے علاوہ دوسروں کو گمراہ کرنے کی بھی کوشش کرنے لگے اسطرح ان کے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہ رہ گئی لہٰذا برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا قانون الٰہی حرکت میں آیا اور عذاب الٰہی ان تک آ پہنچا ایک زبردست اور وحشتناک زلزلہ نے ان کو آ لیا جس کے نتیجے میں صبح کے وقت ان کے بے جان جسم ان کے گھر میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔

(۹۲) اس کے بعد اس وحشتناک زلزلہ کی تباہ کاریوں کو بعد والی آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے جن لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اس طرح نیست و نابود ہو گئے گویا کبھی ان گھروں میں زندگی بسر نہیں کرتے تھے۔

آخر آیت میں فرمایا گیا ہے جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ گھاٹا اٹھانے والے تھے مومن نہ تھے۔

(۹۳) اس کے بعد زیر نظر آخری آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کی آخری بات ہمارے سامنے آئی ہے کہ انہوں نے گنہگار قوم سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ میں نے اپنے پروردگار کی رسالت پہنچا دی اور کافی نصیحت بھی کی اور کسی قسم کی خیر خواہی سے دریغ نہیں کیا۔

جب حالات یہ ہوں تو اس کافر قوم کے انجام بد پر مجھے کوئی افسوس نہیں کیونکہ ان کی ہدایت کیلئے میں نے اپنی آخری کوشش بھی کر لی لیکن انہوں نے کسی طرح حق کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا لہٰذا ان کا یہ انجام تو ہونا ہی تھا۔

(۹۴) وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ	ہم نے کسی شہر اور آبادی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے رہنے والوں کو سختیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا تا کہ وہ ہوش میں آئیں اور خدا کی طرف پلٹیں۔
(۹۵) ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الۡحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوۡا	اس کے بعد (جس وقت کسی تنبیہ نے ان پر کوئی اثر نہ کیا تو) ہم نے نیکی (اور نعمت کی فراوانی) کو بجائے بدی (تکلیف و اذیت) کے قرار دیا اس طرح کہ ان میں ہر طرح کی (نعمت میں) زیادتی ہو گئی

وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ	(اور وہ) کہنے لگے ہمارے آباؤ اجداد کو تکلیفیں اور راحتیں پہنچی تھیں پس ہم نے ان کو یکا یک پکڑ لیا ایسی حالت میں کہ ان کو اس کا (پہلے سے) احساس نہ ہو۔

تفسیر

اگر بار بار کی تنبیہ کارگر نہ ہو

یہ آیات بعض پیغمبروں کی سرگزشت جیسے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود، علیہ السلام حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران کی سرگذشت بیان کرنے سے پہلے آئی ہیں ان میں چند ایسے اصولوں کو بیان کیا گیا ہے جو تمام انبیاء کے قصوں میں پائے جاتے ہیں ان میں چند ایسے اصولوں کو بیان کیا گیا ہے جو تمام انبیاء کے قصوں میں پائے جاتے ہیں یہ ایسے اصول ہیں کہ اگر ہم ان کا بغور مطالعہ کریں تو ایسے حقائق آشکار ہوں گے جن کا براہ راست تعلق ہم سب سے ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے ہم نے کسی شہر اور آبادی میں پیغمبر نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے لوگوں کو تکلیفوں اور بلاؤں میں گرفتار کیا تا کہ تھوڑا بیدار ہوں اور اپنے طغیان و سرکشی سے ہاتھ اٹھالیں اور اس کی طرف رجوع کریں جو ہر طرح کی نعمتوں کا سرچشمہ ہے۔

اور یہ اس لئے تھا کہ انسان کی طبیعت ہے کہ جب تک وہ ناز و نعمت میں رہتا ہے تو اس میں گوش شنوا اور حق قبول کرنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے مگر جس وقت وہ گرداب بلا میں گرفتار ہو جاتا ہے اور بے اختیار یاد خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس وقت اس کا دل بھی نصیحت قبول کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے لیکن یہ بیداری جو عام طور پر سب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے بہت سے افراد میں زودگزر اور ناپائیدار ہوتی ہے کیونکہ جونہی مشکلات برطرف ہو جاتے ہیں وہ دوبار خواب غفلت میں غرق ہو جاتے ہیں جبکہ بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی زندگی میں یہ مشکلات ایک موڑ کی حیثیت رکھتی ہیں ان مصائب کے بعد ان کی رفتار و کردار کا رخ بدل جاتا ہے اور وہ ہمیشہ کیلئے حق کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں گذشتہ آیات میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا شمار پہلے طبقہ میں تھا۔

(۹۵) اس بنا پر اس آیت میں فرمایا گیا ہے جب ان لوگوں نے حوادث روزگر کے تھپیڑوں میں اور مشکلات کے گردابوں میں بھی اپنا راستہ نہ بدلا اور اسی طرح گمراہی میں پڑے رہے تو ہم نے ان پر سے مشکلات کو ہٹالیا اور اس کی جگہ فراخی اور نعمتیں عطا کیں یہاں تک کہ دوبارہ ان کی زندگی پر رونق ہوگئی اور ان کی زندگی میں جو کمیاں تھیں دور ہوگئیں مال و دولت اور افرادی قوت میں اضافہ ہوتا گیا۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ جب ان لوگوں سے مشکلات برطرف ہوگئیں تو بجائے اس کے کہ اس حقیقت کی جانب توجہ کریں کہ نعمت و قسمت سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کی طرف رجوع کریں خود اپنے کو دھوکا دینے کیلئے اس طرح باتیں کرنے لگے کہ اگر ہمیں مصائب و آلام اور مشکلات پیش آئی ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہمارے آباؤ اجداد بھی ایسی مشکلات سے دوچار ہو چکے ہیں دنیا میں اس طرح کے نشیب و فراز ہر ایک کو پیش آتے رہتے ہیں سختیاں اور تکلیفیں ہر ایک کو پیش آتی ہی رہتی ہیں جو زود گزر ہوتی ہیں۔

آخر میں قرآن کہتا ہے جس وقت بات یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے تربیت کے مختلف طریقوں میں سے کسی سے کوئی اثر نہ لیا بلکہ روز بروز ان کے غرور واستکبار میں اضافہ ہوتا گیا تو ناگاہ ہم نے ان کو اپنی سزا کے پنجے میں جکڑ لیا اس حالت میں کہ ان کو پہلے سے اس کا کوئی سان وگمان نہ تھا اسی لئے یہ سزا ان کیلئے بہت زیادہ دردناک ثابت ہوئی۔

(۹۶)وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	اگر وہ لوگ جو شہروں اور آبادیوں میں رہتے ہیں خدا پر ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کریں تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیں گے لیکن انہوں نے (حقائق کی) تکذیب کی تو ہم نے بھی انہیں ان کے اعمال کی سزا دی۔
(۹۷) اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمْ نَآئِمُوْنَ ؕ	کیا ان آبادیوں کے رہنے والے اس بات سے مطمئن ومحفوظ ہیں کہ ہمارا عذاب رات کے وقت ان پر نازل ہو جائے جبکہ وہ (میٹھی) نیند کے مزے لے رہے ہوں؟
(۹۸)اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ هُمْ يَلْعَبُوْنَ	کیا ان آبادیوں کے رہنے والے اس بات سے مطمئن ومحفوظ ہیں کہ ہمارا عذاب دن کے وقت ان پر نازل ہوجائے جبکہ وہ کھیل میں مشغول ہوں۔
(۹۹) اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۠	کیا وہ اللہ کی تدبیر سے غافل ہیں حالانکہ اللہ کی تدبیر سے سوائے خسارہ اٹھانے والوں کے اور کوئی مطمئن نہیں ہوتا۔
(۱۰۰) اَوَ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ	کیا وہ لوگ جو پہلے لوگوں کے بعد روئے زمین کے وارث ہوئے ہیں اس بات سے عبرت نہیں لیتے کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی (اگلوں کی طرح) ان کے گناہوں کی پاداش میں سزا دے دیں بات یہ ہے کہ ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں تا کہ وہ (حق کی آواز کو) نہ سن سکیں۔

تفسیر

زندگی۔ایمان وتقویٰ کے زیر سایہ

ارشاد ہوتا ہے یہ لوگ جو ان آبادیوں اور دیگر شہروں میں زندگی بسر کرتے ہیں اگر طغیان وسرکشی تکذیب آیات الٰہی اور ظلم و

فساد کی بجائے ایمان لے آئیں اور اس کے سائے میں تقویٰ پرہیزگاری اختیار کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ نہ صرف عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے بلکہ ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے بھی کھول دیں گے۔

لیکن افسوس! انہوں نے صراط مستقیم جو سعادت و خوش بختی اور رفاہیت و سلامتی کی راہ تھی کو چھوڑ دیا اور خدا کے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کے اصلاحی منصوبوں کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا تو ہم نے بھی انہیں ان کے اعمال بد کے جرام میں سزا دی۔

(۹۷) اس آیت میں اور بعد کی آیات میں اس حکم کی عمومیت پر مزید تاکید کیلئے اور یہ بیان کرنے کیلئے کہ مذکورہ بالا قانون گذشتہ اقوام کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ یہ آج اور کل کے انسانوں کیلئے بھی ہے قرآن فرماتا ہے: وہ مجرم افراد جو روئے زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہیں اپنے آپ کو خدا کی سزا سے محفوظ سمجھتے ہیں ان کو اس کا ڈر نہیں کہ عذاب الٰہی بجلی زلزلہ یا ایسی کوئی آفت رات کے وقت انہیں اس وقت آلے جبکہ وہ خواب نوشین کے مزے لے رہے ہوں۔

(۹۸) یا یہ کہ دن کے وقت اس وقت ان کا دامن پکڑ لے جبکہ وہ کھیل تماشے میں مصروف ہوں۔

مقصد یہ ہے کہ وہ روز و شب خواب و بیداری اور خوشی و ناخوشی ہر حالت میں اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں جب بھی وہ چاہے اپنے ایک معمولی فرمان سے ان کے کاشانہ ہستی کو درہم برہم کر سکتا ہے بغیر اس کے کہ وہ اس عذاب کیلئے کوئی مقدمہ فراہم کرے یا کسی مدت کے گزرنے کا انتظار کرے۔

ہاں بس ایک لحظہ کے اندر وہ جو بلا چاہے اس انسان کے سر پر نازل کر سکتا ہے۔

(۹۹) اس آیت میں دوبارہ ایک دوسرے انداز میں اسی حقیقت کا اظہار مزید تاکید کیلئے فرمایا گیا ہے کیا یہ مجرم افراد خدا کی انتقامی تدابیر سے مطمئن ہیں؟ حالانکہ سوائے زیاں کاروں کے کوئی بھی اس کی انتقامی تدبیر سے اپنے کو محفوظ نہیں سمجھتا۔

بنابریں مکر الٰہی سے مراد یہ ہے کہ خدا گنہگار بندوں کو یقینی اور ناقابل شکست تدبیروں کے ذریعے خوش حالی اور عیش و آرام کی زندگی سے روک دے اس سے انہی سزاؤں اور ناگہانی بلاؤں کی طرف اشارہ مقصود ہے جو انسان کو ہر طرح سے بے چارہ کر دیتی ہیں۔

(۱۰۰) اس آیت میں ایک مرتبہ پھر اقوام موجودہ کو بیدار کرنے اور پچھلی قوموں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کیلئے قرآن فرماتا ہے: آیا وہ لوگ جو گذشتہ قوموں کی زمینوں کے وارث بنے ہیں اور ان کے ٹھکانوں پر آباد ہوئے ہیں۔

پچھلی قوموں کے واقعات سے بیدار نہ ہوں گے؟ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور جو حال ہم نے پچھلی قوموں کا کیا ان کا بھی وہی حال کر دیں۔

اور یہ بھی ہم کر سکتے ہیں کہ ان کو زندہ باقی رکھیں اور گناہوں کے نرغے میں ہونے کی وجہ سے ان سے ہم ادراک و شعور اور حق و باطن کی تمیز سلب کر لیں جس کے نتیجہ میں ان میں حقائق کو سننے کی صلاحیت باقی نہیں رہے گی وہ کسی نصیحت کو نہ سن سکیں گے اپنی زندگی میں حیران و پریشان رہیں گے۔

(۱۰۱) تِلۡکَ الۡقُرٰی نَقُصُّ عَلَیۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِہَا ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا کَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡا بِمَا کَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ کَذٰلِکَ یَطۡبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِ الۡکٰفِرِیۡنَ	یہ وہ آبادیاں ہیں جن کے واقعات ہم تم سے بیان کرتے ہیں وہ (اس قدر ہٹ دھرم تھے کہ جب) ان کے پاس رسول بینات لے کر آئے تو وہ چونکہ سابقاً (حق کی) تکذیب کر چکے تھے اس لئے (ان پر) ایمان نہ لائے اللہ اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔
(۱۰۲) وَ مَا وَجَدۡنَا لِاَکۡثَرِہِمۡ مِّنۡ عَہۡدٍ ۚ وَ اِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَکۡثَرَہُمۡ لَفٰسِقِیۡنَ	ہم نے ان میں سے اکثر کو اپنے عہد پر باقی نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثر کو فاسق پایا۔

تفسیر

ان دونوں آیتوں میں بھی انہی عبرتوں کو پیش کیا گیا ہے جو گذشتہ اقوام کے واقعات میں پوشیدہ ہیں لیکن یہاں روئے سخن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے اگرچہ سب کو سنانا مقصود ہے پہلے ارشاد ہوتا ہے یہ آبادیاں شہر اور قومیں ہیں جن کے واقعات اور سرگذشتیں ہم تم سے بیان کرتے ہیں۔

اس کے بعد قرآن فرماتا ہے: ایسا نہ تھا کہ وہ بغیر کسی حجت کے ہلاک کر دیئے گئے بلکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ان کے پیغمبر ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے انہوں نے ان کی ہدایت کیلئے اپنی پوری کوششیں صرف کیں۔

لیکن انہوں نے ان پیغمبروں کی مسلسل تبلیغات اور ہمہ گیر دعوتوں کا اپنے عقائد سے مقابلہ کیا اور وہ اس بات پر آمادہ نہ ہوئے کہ انہوں نے جس بات کی سب میں تکذیب کر دی تھی اسے قبول کر لیں اور اس پر ایمان لے آئیں۔

بعد کے جملے میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا سبب یوں بیان کیا گیا ہے خدا اس طرح کافروں کے دلوں پر بے ایمانی اور گمراہی کا نقش ثبت کر دیتا ہے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ غلط راہ پر اپنا قدم اٹھاتے ہیں تو ان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ تکرار اور پیہم غلط کاریوں کی وجہ سے اور ناپاکی اور کفر مسلسل کے سبب ان کے دلوں پر ایک ایسا نقش بن جاتا ہے جیسا کسی سکہ کا انمٹ نقش ہوتا ہے (اتفاقاً لفظ طبع کے لغت میں یہی معنی ہیں یعنی کسی شکل کو کسی چیز پر سکہ کی طرح نقش کر دینا) اور یہ درحقیقت از قبیل اثر و خاصیت عمل کے ہیں جس کی نسبت خدا کی طرف دی گئی ہے کیونکہ وہی ہے جس نے تکرار عمل کو یہ خاصیت بخشی ہے کہ وہ ایک ملکہ کی صورت اختیار کر لے۔

(۱۰۲) اس آیت میں ان لوگوں کی اخلاقی کمزوری کے ان دو پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے جو ان کی گمراہی و نابودی کا سبب بن گئے۔

پہلے قرآن فرماتا ہے: یہ لوگ پیمان شکن افراد تھے اور ہم نے ان کی اکثریت میں پائیدار عہد و پیمان نہ پایا۔

ہوسکتا ہے اس عہد و پیمان سے فطری عہد و پیمان مراد ہو جو خداوند کریم نے بمقتضائے آفرینش وفطرت اپنے تمام بندوں سے لیا ہے کیونکہ جس وقت اللہ نے اپنے بندوں کو ہوش ادارک اور استعداد عطا کی اس کے معنی یہ ہیں کہ ان سے اس بات کا عہد لیا کہ وہ اپنے کانوں اور آنکھوں کو کھولے رکھیں حق کی آواز سنیں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کردیں۔

نیز ممکن ہے اس سے مراد وہ عہد و پیمان ہو جو پیغمبر اس وقت اپنے دور کے لوگوں سے لیا کرتے تھے کیونکہ بہت سے لوگ پہلے تو قبول کرلیتے تھے بعد از اں اس سے پھر جاتے تھے۔

بعد ازاں ایک اور سبب کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے ہم نے ان میں سے اکثر کو اپنے فرمان کی اطاعت سے خارج پایا۔

مقصد یہ ہے کہ ان میں سرکشی قانون شکنی نظام آفرینش سے باہر نکلنے اور قوانین الٰہی کو توڑنے کا جو جذبہ پایا جاتا تھا یہ ان کے کفر و بے ایمانی میں ثابت قدم رہنے کا ایک اور سبب تھا۔

(۱۰۳)ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىٕهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ	اس کے بعد ان کے پیچھے (یعنی گذشتہ انبیاء کے بعد) ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے گروہ کے طرف بھیجا لیکن ان لوگوں نے ان نشانیوں کو قبول نہ کرکے ان کے ساتھ ظلم کیا دیکھو مفسدوں کا انجام کیا ہوا؟
(۱۰۴) وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ	اور موسیٰ نے کہا اے فرعون! میں سارے جہانوں کے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔
(۱۰۵)حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ؕ	میرے لئے یہی مناسب ہے کہ میں خدا کی طرف سوائے حق کے کسی بات کو نسبت نہ دوں۔ میں تمہارے لئے تمہارے خدا کی طرف سے روشن دلیل لایا ہوں لہٰذا تم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو۔
(۱۰۶) قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	فرعون نے کہا کہ اگر تم کوئی نشانی لائے ہو تو اس کو پیش کرو اگر تم سچے ہو۔
(۱۰۷)فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۚ ۖ	اس پر انہوں نے اپنا عصا پھینکا تو وہ ایک نمایاں اژدھا بن گیا۔

(۱۰۸)وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۠	اور اپنے ہاتھ کو گریبان سے باہر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کیلئے سفید اور درخشاں ہو گیا۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی لڑائی کا ایک منظر

ان آیات میں اور اسی طرح کی دیگر متعدد آیات میں جو بعد میں آنے والی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور فرعون کے اس کے ساتھیوں کے ساتھ ان کی جنگ پھر اس کے بعد فرعون کا عبرتناک انجام بیان کیا گیا ہے۔

کلی طور پر اس عظیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے پانچ ادوار:

1۔ پیدائش سے لے کر آغوش فرعون میں آپ علیہ السلام کی پرورش تک کا زمانہ۔

2۔ مصر سے آپ علیہ السلام کا نکلنا اور شہر مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس کچھ وقت گزارنا۔

3۔ آپ علیہ السلام کی بعثت کا زمانہ اور فرعون اور اس کی حکومت والوں سے آپ علیہ السلام کے متعدد تنازعے۔

4۔ فرعونیوں کے چنگل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات اور وہ حوادث جو راستہ میں اور بیت المقدس پہنچنے پر رونما ہوئے۔

5۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے درمیان کشاکش کا زمانہ۔

زیر بحث پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے اقوام گزشتہ جیسے حضرت نوح علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام وغیرہ کی اقوام کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور فرعونیوں کے پاس بھیجا۔

اس بات کی طرف توجہ رکھنا چاہئے کہ فرعون اسم عام ہے جو تمام سلاطین مصر پر بولا جاتا ہے جیسے سلاطین روم کو قیصر اور شاہان ایران کو کسریٰ کہتے تھے۔

اس کے بعد قرآن فرماتا ہے ان لوگوں نے آیات الٰہی پر ظلم کیا (فظلموا بها)؟ آخر میں قرآن مزید فرماتا ہے دیکھو مفسدوں کا انجام کیا ہوا۔

اس جملے میں فرعون اور اس کے لشکر کی نابودی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(۱۰۴) درحقیقت گذشتہ آیت میں نہایت اجمالی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور فرعون سے آپ کے مقابلے اور

اس کا انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن بعد والی آیات میں اسی بات کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے پہلے فرماتا ہے موسیٰؑ نے کہا اے فرعون میں سارے جہانوں کے پروردگار کے طرف سے فرستادہ ہوں۔

(۱۰۵)اس آیت میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی رسالت کے اعلان کے بعد ہی یہ کہا اب جبکہ میں خدا کا فرستادہ ہوں تو میرے لئے مناسب ہے کہ میں اس کے بارے میں سوائے حق کے دوسری بات نہ کہوں کیونکہ خدا کا فرستادہ تمام عیوب سے مبرہ ومنزہ ہوتا ہے ممکن نہیں کہ وہ کوئی غلط بات کرے۔

بعد ازاں اپنے دعوائے نبوت کے اثبات کیلئے آپ نے اس جملہ کا اضافہ کیا ایسا نہیں کہ میں نے یہ دعویٰ بغیر کسی دلیل کے کیا ہو میں تمہارے پروردگار کے جانب سے روشن وواضح دلیل لے کر آیا ہوں۔

لہٰذا بنی اسرائیل کو میرے ہمراہ بھیج دو۔

(۱۰۶)فرعون نے جونہی یہ دعوی سنا کہ میں اپنے ہمراہ روشن دلیل بھی رکھتا ہوں فوراً کہا اگر تم سچ کہتے ہو اور اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی رکھتے ہو تو اسے پیش کرو۔

(۱۰۷)اس پر حضرت موسیٰؑ نے بغیر کسی توقف کے اپنے دو بڑے معجزے پیش کر دیئے جن میں سے ایک خوف کا مظہر تھا تو دوسرا امید کا جس کی وجہ سے آپ کے مقام انذار و بشارت کی تکمیل ہوتی ہے پہلے آپ نے اپنا عصا نکال کر اس کے سامنے پھینک دیا جو ایک نمایاں اژدھے کی شکل میں ہو گیا۔

(۱۰۸)اس آیت نے حضرت موسیٰؑ کا دوسرا معجزہ بیان کیا ہے جو بشارت کا پہلو رکھتا ہے ارشاد ہوتا ہے موسیٰؑ نے اپنا ہاتھ گریبان سے باہر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کیلئے سفید اور درخشاں ہو گیا۔

(۱۰۹)قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ۙ	فرعون کے اصحاب نے کہا: بے شک یہ ایک جاننے والا جادو گر ہے۔
(۱۱۰) يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ ۚ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ	یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے باہر نکال دے تمہاری رائے کیا ہے اس کے مقابلے میں کیا کرنا چاہئے؟
(۱۱۱) قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَ اَخَاهُ وَ اَرۡسِلۡ فِى الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِيۡنَ ۙ	اس کے بعد انہوں نے فرعون سے یہ کہا کہ اس کے اور اس کے بھائی کے معاملے کو تاخیر میں ڈال دو اور اکٹھا کرنے والوں کو تمام شہروں میں بھیج دو۔

(۱۱۲) يَاْتُوكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ	تا کہ وہ ہر آزمودہ جادوگروں کو تمہارے پاس لے آئیں۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ

ان آیات میں اس پہلے ردعمل کو بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور ان کی معجزنمائی کے نتیجے میں فرعون اور اس کی حکومت کے افراد پر مرتب ہوا۔

آیت میں پہلے اصحاب فرعون کی طرف سے یہ نقل ہوا کہ انہوں نے جیسے ہی موسیٰ علیہ السلام سے خارق عادت امور کا مشاہدہ کیا تو فوراً ہی ان کی طرف جادو کی نسبت دے دی اور کہا یہ ایک جاننے والا پرانا جادوگر ہے۔

(۱۱۰) اس کے بعد انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس شخص کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں تمہارے وطن سے نکال باہر کریں۔

یعنی اس کی غرض سوائے استعمار و استثمار، حکومت طلبی اور دوسروں کی زمین غصب کرنے کے اور کچھ نہیں ہے اور یہ خارق عادت باتیں اور دعوائے نبوت سب کچھ اسی غرض سے ہے۔

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ان باتوں کے جان لینے کے بعد اب تم لوگ بھی اپنی اپنی رائے کا اظہار کرو کہ اس شخص کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جائے۔

یعنی وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مشورہ کرنے بیٹھے اور انہوں نے اس معاملے میں تبادلہ خیالات کیا کیونکہ امر کا مادہ ہمیشہ حکم دینے کیلئے نہیں آتا بلکہ مشورہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۱۱۱) بہرحال سب کی رائے یہ قرار پائی کہ انہوں نے فرعون سے کہا اس کے اور اس کے بھائی (ہارون) کے بارے میں جلد بازی سے کام نہ لو اور جو کچھ بھی فیصلہ کرنا ہو وہ بعد کیلئے اٹھا رکھو لیکن جادوگروں کو اکٹھا کرنے والے افراد کو تمام شہروں میں روانہ کر دو۔

(۱۱۲) تا کہ یہ لوگ تمام ماہر و تجربہ کار جادوگروں کو تیرے پاس آنے کی دعوت دیں اور ان کو لے کر تیرے پاس آئیں۔

یہاں پر ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا فرعون کی جماعت یہ خیال کرتی تھی کہ شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دعوائے نبوت ایک سچا دعویٰ ہو اور اس طرح وہ انہیں آزمانا چاہتے تھے یا اس کے برعکس انہیں اپنے دعوے میں جھوٹا خیال کرتے تھے اور ہر شخص کی کوشش کو اپنی فکر و ہمت کے مطابق سیاسی رنگ دیتے تھے لہذا ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی ٹھان لی لیکن اگر ان کو بعجلت قتل کر دیا جاتا تو اس سے خوشگوار نتائج برآمد نہ ہوتے کیونکہ ان کے دونوں معجزوں کی وجہ سے لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو گئے تھے پس اگر وہ فوراً قتل کر دیئے جاتے تو نبوت کے ساتھ ساتھ مظلومیت بھی شامل ہو جاتی اور اس طرح اور زیادہ لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے۔

(۱۱۳) وَ جَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ	جادوگر فرعون کے پاس آئے اور انہوں نے کہا اگر ہم غالب ہو گئے تو کیا ہمیں کوئی اہم معاوضہ ملے گا؟
(۱۱۴) قَالَ نَعَمۡ وَ اِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ	اس (فرعون) نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور تم لوگ (میرے) مقرب ہو جاؤ گے۔
(۱۱۵) قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِيۡنَ	(جادوگروں نے) کہا اے موسیٰ! یا تو تم (پہل کرو) ڈالو یا ہم (آغاز کریں) اپنا جادو ڈالیں۔
(۱۱۶) قَالَ اَلۡقُوۡا ۚ فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا سَحَرُوۡۤا اَعۡيُنَ النَّاسِ وَ اسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ وَ جَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍ	(موسیٰ نے) کہا تم (پہلے) ڈالو اور جب انہوں نے (اپنے جادوؤں کو) ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور لوگوں کو ڈرا دیا اور انہوں نے ایک عظیم جادو پیش کیا۔
(۱۱۷) وَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰٓى اَنۡ اَلۡقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلۡقَفُ مَا يَاۡفِكُوۡنَ ۚ	(اس وقت) ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ ذرا اپنے عصا کو سامنے ڈال دو (جونہی موسیٰ نے عصا ڈالا) تو وہ فوراً ایک بڑے اژدھے کی شکل میں ہو گیا اور ان کے جھوٹے وسیلوں کو نگلنے لگا۔
(۱۱۸) فَوَقَعَ الۡحَـقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۚ	اس موقع پر حق آشکارا ہو گیا اور جو کچھ انہوں نے (کھیل) بنایا تھا نابود ہو گیا۔
(۱۱۹) فَغُلِبُوۡا هُنَالِكَ وَانۡقَلَبُوۡا	پس وہ اس موقع پر مغلوب ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو گئے۔
(۱۲۰) وَ اُلۡقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيۡنَ ۚۖ	اور جادوگر سب کے سب سجدہ میں گر گئے۔
(۱۲۱) قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ	اور انہوں نے کہا کہ ہم جہانوں کے پروردگار پر ایمان لاتے ہیں۔

(۱۲۲) رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ	جو موسیٰ وہارون کا پروردگار ہے۔

تفسیر

آخرکار حق نے کیسے فتح پائی؟

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساحروں کے مقابلے اور آخر میں اس کے نتیجے کے متعلق گفتگو کی گئی ہے پہلی آیت میں قرآن فرماتا ہے جادوگر فرعون کے بلانے پر اس کے پاس آئے اور انہوں نے جو سب سے پہلی بات پیش کی وہ یہ تھی کہا اگر ہم کو موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ حاصل ہوا تو کیا ہم کو معقول صلہ ملے گا۔

(۱۱۴) فرعون نے بھی بغیر کسی توقف کے ان کی بات مان لی اور کہا تم کو نہ صرف یہ کہ اہم اجر اور خاطر خواہ معاوضہ ملے گا بلکہ تم میرے دربار کے مقرب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اس طرح فرعون نے ان کو مال وزر کا بھی وعدہ دیا اور بڑے منصب کی بھی بات کی۔

(۱۱۵) آخرکار حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مقابلہ کا ایک دن طے پایا۔

روز معین آیا تمام جادوگر اپنے ساز وسامان سے لیس ہو کر پہنچ گئے وہ اپنے ہمراہ بہت سی رسیاں اور لاٹھیاں بھی لائے جن کے اندر کیمیاوی مادے بھرے ہوئے تھے جن پر اگر آفتاب کی حرارت پڑے تو ان میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔

ساحروں نے ایک خاص غرور کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام سے کہا یا تو تم پہل کرو اور اپنا عصا پھینکو یا ہم آغاز کرتے ہیں اور اپنے وسائل پھینکتے ہیں۔

(۱۱۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑی سکون کے ساتھ جواب دیا تم شروع کرو اور اپنے وسائل پھینکو۔

جس وقت ان جادوگروں نے اپنی اپنی رسیوں کو میدان کے بیچ میں پھینکا تو انہوں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی اور اپنے اعمال اور مبالغہ آمیز اقوال سے لوگوں کے لوں میں خوف ووحشت پیدا کر دی اور ایک بڑے جادو کا تماشہ ان کو دکھایا۔

جیسا کہ ہم تفسیر نمونہ کی جلد اول آیت ۱۰۲ کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں سحر کے معنی اصل میں دھوکا نیرنگ شعبدہ اور ہاتھ کی صفائی کے ہیں اور کبھی یہ لفظ ہر اس چیز کیلئے آتا ہے جس کا سبب نامرئی ومرموز ہو۔

(۱۱۷) یہ وقت جبکہ تمام لوگ ہیجان میں آئے ہوئے تھے ہر طرف خوشی کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں کے لبوں پر رضایت وطمانیت کا تبسم کھیل رہا تھا ان کی آنکھیں بھی مسرت سے چمک رہی تھیں کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی وحی ہوئی اے موسیٰ علیہ السلام تم بھی اپنا عصا پھینک دو عصا کا پھینکنا تھا کہ ایک بیک منظر بالکل بدل گیا چہروں سے رنگ اڑ گئے فرعون اور اس کے تمام ساتھی لرزنے لگے جیسا کہ قرآن کہتا ہے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اپنے عصا کو ڈال دو نا گہاں وہ عصا ایک اژدھے کی شکل میں ہو گیا اور نگلنے لگا ان کے جھوٹے وسیلوں کو۔

(۱۱۸)اس گھڑی حق آشکار ہو گیا اور ان کے اعمال جو سراسر ناحق و نادرست تھے بالکل ناکارہ ہو کر رہ گئے۔

کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عمل ایک واقعیت پر مبنی تھا اور ان ساحروں کے اعمال سوائے دھوکا اور فریب نظر کے کچھ نہ تھے اور اس میں شک نہیں کہ کوئی باطل حق کے سامنے دیر تک ٹھہر نہیں سکتا۔

یہ ضرب اول تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی اللہ نے فرعون کے جبروت و اقتدار کی بنیاد پر وارد کی۔

(۱۱۹)اس آیت میں فرمایا گیا ہے اس طرح شکست کے آثار ان لوگوں میں نمایاں ہو گئے اور سب کے سب ذلیل پست اور ناتواں ہو گئے۔

(۱۲۰)اس سے بھی کاری تر ضربت اس وقت لگی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساحروں کے مقابلے کا نقشہ یک بیک اس طرح بدل گیا کہ ناگہاں سب جادوگر زمین پر گر گئے اور وہ عظمت الٰہی کے سامنے سربسجود ہو گئے۔

(۱۲۱)اور وہ پکارے کہ ہم سارے جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے۔

(۱۲۲)اور وہ خدا وہی ہے جو موسیٰ و ہارون کا بھی رب ہے۔

(۱۲۳) قَالَ فِرۡعَوۡنُ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَكُمۡ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكۡرٌ مَّكَرۡتُمُوۡهُ فِی الۡمَدِیۡنَةِ لِتُخۡرِجُوۡا مِنۡهَاۤ اَهۡلَهَا ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ	فرعون نے کہا ہائیں تم اس (موسیٰ) پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اس کی اجازت دوں یقیناً یہ ایک (زبردست) سازش ہے جو تم لوگوں نے اس شہر میں تیار کی ہے تا کہ اس سے اس کے ساکنوں کو نکال باہر کرو (اچھا) تم کو کچھ دیر کے بعد پتہ چلے گا۔
(۱۲۴) لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَكُمۡ وَ اَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ	میں قسم کھاتا ہوں کہ میں تمہارے ہاتھ پیروں کو ایک دوسرے کے الٹ (یعنی ایک طرف کا ہاتھ تو دوسری طرف کا پیر) کاٹ ڈالوں گا اس کے بعد تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔
(۱۲۵) قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ۚ	(ساحروں نے) کہا (یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے) ہم اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جائیں گے

(۱۲۶)وَ مَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِیۡنَ ۠	تیرا جو کچھ بھی غصہ ہمارے اوپر ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر جبکہ وہ ہمارے پاس آئیں ایمان لے آئے خدایا! ہمارے اوپر صبر واستقامت کو (اچھی طرح) وارد فرما اور ہمیں دنیا سے اس حالت میں اٹھا کہ ہم مسلمان ہوں اور زندگی کے آخری لمحوں تک ہمارے ایمان واخلاص کو باقی رکھ۔

تفسیر

فرعون کی جادوگروں کو شدید ترین تہدید

جب فرعون کے ارکان حکومت پر ساحروں کے ایمان لانے سے ایک ضرب کاری لگی تو فرعون بہت پریشان ومضطرب ہوا کیونکہ اس نے محسوس کرلیا کہ اگر وہ اس وقت شدید ردعمل کا مظاہرہ نہ کرے گا تو دوسرے لوگ بھی متاثر ہوکر ایمان لے آئیں گے جس کے بعد حالات پر قابو پانا ناممکن ہوگا لہٰذا اس نے دو تدبیر پر عمل کیا۔

پہلے اس نے ساحروں پر ایک عوام پسند تہمت لگائی اس کے بعد شدید ترین تہدید کے ساتھ ان کو اپنے عتاب کا نشانہ بنایا لیکن ان دونوں منظروں کے مقابلے میں ساحروں نے ایسے صبر وشجاعت کا مظاہرہ کیا کہ فرعون اور اس کے ساتھ تھے حیرت زدہ ہوگئے اور ان کی تدبیریں خاک میں مل گئیں اس طرح تخت فرعونی کی لرزاں بنیاد پر ایک تیسری ضرب لگی زیر بحث آیات میں اس منظر کو دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

پہلے فرعون نے ساحروں سے کہا قبل اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں تم اس موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاۓ ہو۔

بہرحال مذکورہ بالا جملے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ فرعون کا جنون اقتدار پسندی اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ اہل مصر نہ صرف یہ کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام انجام نہ دیں بلکہ انہیں سوچنے اور غور وفکر کرنے اور کوئی مذہب اختیار کرنے کی بھی اجازت نہ تھی اور یہ استعمار واستبداء کی بدترین مثال ہے کہ قومیں کسی فرد کے ہاتھ میں اس طرح اسیر اور غلام ہوجائیں کہ ان سے سوچنے سمجھنے یہاں تک کہ کسی نظریہ کو اپنانے کا حق بھی ان سے چھن جائے یہ وہی طریقہ کار ہے جو استعمار جدید کے نظام میں بھی بروئے کار لایا جاتا ہے۔

اس کے بعد فرعون نے اس جملہ کا اضافہ کیا یہ پلان ہے جو تم نے اس شہر میں اس لئے بنایا ہے کہ اس کے رہنے والوں کو یہاں سے باہر نکال دو۔

بہرحال یہ تہمت اس قدر بے بنیاد اور رسوا کن ہے کہ سوائے عوام الناس اور بے خبر افراد کے کوئی بھی اسے قبول نہیں کرسکتا تھا۔

اس کے بعد فرعون نے ایک سربستہ اور انتہائی شدید جملے میں انہیں دھمکی دی لیکن تمہیں جلد ہی معلوم ہوجائے گا۔

(۱۲۴) اس آیت میں اس خفیہ دھمکی کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو ایک دوسرے کے الٹ ایک طرف کا ہاتھ تو دوسری طرف کا پیر کاٹ دوں گا اس کے بعد تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ فرعون نے ان ساحروں کو مغلوب کرنے کیلئے جو منصوبہ بنایا تھا یہ ایک عام منصوبہ تھا جو جابر حکمران اہل حق کو زیر کرنے کیلئے ہر دور میں بنایا کرتے ہیں کہ ایک طرف تو ان کو زندان تعذیب اور قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں لیکن جیسا کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں دیکھا ہے فرعون کے ان دونوں حربوں میں سے کوئی کامیاب نہ ہوا اور کامیاب نہیں ہونا چاہئے تھا۔

(۱۲۵) ان دونوں حربوں کے مقابلہ میں جادوگروں نے میدان مقابلہ کو خالی نہ کیا بلکہ یکدل و یک زبان ہو کر یہ جواب دیا ہم تو اپنے پروردگار کی طرف پلٹیں گے۔

یعنی اے فرعون! اگر تیری آخری تہدید صورت عمل میں آ جائے اور تو ہم کو قتل بھی کر دے تو اس سے نہ صرف ہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ اس سے ہماری دلی مراد حاصل ہو گی اور ہم شربت شہادت پی کر جنت میں جائیں گے اور یہ ہمارے لئے سرمایہ افتخار ہے۔

(۱۲۶) اس کے بعد انہوں نے فرعون کی تہمت باطل کرنے کیلئے اور اس مجمع کے سامنے جو اس منظر کو دیکھنے کیلئے جمع ہوا تھا اپنی بے گناہی ثابت کرنے کیلئے اس طرح کہا اصل اعتراض تیرا ہم پر صرف یہ ہے کہ ہم اپنے پروردگار کی ان آیتوں پر ایمان لے آئے ہیں جو ہماری طرف آئی ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے فرعون کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اور خدا کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے صبر و استقامت کی التجا کی کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ بغیر خدا کی تائید و توفیق کے ان میں اتنی سخت دھمکیوں اور سزاؤں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے لہٰذا انہوں نے کہا خدایا! صبر کا پیمانہ ہمارے اوپر انڈیل دے اور ہمارے اخلاق و ایمان کو آخری لمحات زندگی تک باقی رکھ۔

آخر کار جیسا کہ تواریخ اور روایات میں ہے ان لوگوں نے اس راہ میں اس قدر پامردی و استقامت کا مظاہرہ کیا کہ فرعون نے اپنی دھمکی کو پورا کر دکھایا اور ان کے مثلہ شدہ بدنوں کو دریائے نیل کے کنارے کھجور کے درختوں کی شاخوں پر آویزاں کر دیا جس کی وجہ سے ان کا پرافتخار نام ہمیشہ کیلئے دنیا کے حریت پسندوں کی فہرست میں ثبت ہو گیا۔

(۱۲۷) وَ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰی وَقَوۡمَهٗ لِیُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ یَذَرَکَ وَ اٰلِهَتَکَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآئَهُمۡ وَ نَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَهُمۡ ۚ وَ اِنَّا فَوۡقَهُمۡ قٰهِرُوۡنَ	قوم فرعون کے سرداروں نے اس سے کہا آیا موسیٰ اور ان کی قوم کو آزاد چھوڑ دے گا کہ وہ زمین میں فساد کرتے پھریں اور تجھے اور تیرے خداؤں کو ترک کر دیں۔ (فرعون نے) کہا: عنقریب میں ان کے لڑکوں کو قتل کر دوں گا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دوں گا (تاکہ وہ ہماری خدمت کریں) اور ہم پورے طور سے ان پر مسلط ہیں۔

(۱۲۸) قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْاۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ	موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: خدا سے مدد چاہو اور صبر اختیار کرو کہ زمین خدا ہی کی ہے اپنے بندوں میں سے وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام پرہیزگاروں کیلئے ہے۔
(۱۲۹) قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ	انہوں نے کہا کہ (اے موسیٰ) تمہارے آنے سے قبل بھی ہم نے بہت اذیتیں دیکھیں اور اب تمہارے آنے کے بعد بھی ہم دکھ جھیل رہے ہیں (آخر ان مصائب کا کب خاتمہ ہوگا؟) اس (موسیٰ) نے کہا: مجھے امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور تمہیں زمین میں اس کا جانشین بنادے گا تاکہ وہ دیکھے کہ تم کس طرح کا عمل کرتے ہو۔

تفسیر

پہلی آیت میں ہے کہ قوم فرعون کے سرداروں نے بطور اعتراض اس سے کہا آیا موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو ان کی حالت پر آزاد چھوڑ دے گا تاکہ وہ زمین میں فساد کریں اور تجھے اور تیرے خداؤں کو ترک کردیں۔

اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے شکست کھانے کے بعد فرعون نے ایک مدت تک انہیں اور بنی اسرائیل کو کھلا چھوڑ دیا تھا اگرچہ یہ آزادی بہت محدود تھی لیکن موسیٰؑ اور ان کے ماننے والے بھی خالی نہ بیٹھے اور حضرت موسیٰؑ کے آئین کی تبلیغ میں مصروف رہے یہاں تک کہ قوم فرعون کو ان کی ان سرگرمیوں کا پتہ چلا۔

بہر حال فرعون پر ان باتوں کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس نے ان لوگوں کے جواب میں کہا میں جلد ہی ان کے لڑکوں کو قتل کروں گا اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دوں گا تاکہ ان سے خدمت لی جائے اور ہم ان پر اچھی طرح قابو رکھتے ہیں۔

(۱۲۸) اس آیت میں اس پروگرام کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے سامنے پیش کیا کہ وہ کس طرح سے فرعون کا مقابلہ کریں اور یہ کہ وہ کس طرح فتح یاب ہو سکتے ہیں انہوں نے کہا کہ اگر تین شرطوں پر عمل کرو گے تو تمہاری کامیاب یقینی ہے پہلے یہ کہ تمہارا بھروسہ صرف خدا پر ہو اور اسی سے مدد مانگو۔

دوسری بات جو حضرت موسیٰؑ نے ان سے کہی وہ یہ تھی پامردی اور ثابت قدمی کو کسی حال میں نہ چھوڑو اور دشمن کی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر میدان نہ چھوڑو۔

اس مطلب کی مزید تاکید کیلئے اور اس کی دلیل بیان کرنے کیلئے موسیٰؑ ان سے کہتے ہیں ساری زمین صرف اللہ کی ہے وہی اس کا مالک ومختار ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

اور آخری شرط یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرو کیونکہ فتح یابی پرہیز گاروں کیلئے ہے۔

یہ تینوں شرطیں جن میں سے ایک عقیدہ سے تعلق رکھتی ہے خدا طلب استقامت اور دوسری اخلاق سے متعلق ہے صبر و استقامت اور تیسری کا تعلق عمل سے ہے تقویٰ و پرہیز گاری صرف بنی اسرائیل کی ان کے دشمن پر فتح یابی کی شرطیں نہ تھیں۔

(۱۲۹) آخر میں وہ شکوہ بیان کیا گیا ہے جو ان مشکلات سے پیدا ہوا جو بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قیام کی وجہ سے پیش آئیں فرماتا ہے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تمہارے آنے سے پہلے بھی یہ لوگ ہمیں تکلیفیں پہنچاتے تھے اب جب کہ تم آ گئے ہو تب بھی ان کی اذیت رسانی جاری ہے پس ہمارے لئے کب کشائش پیدا ہوگی۔

گویا بنی اسرائیل ہمارے بہت سے افراد کی طرح اس بات کے امیدوار تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قیام کے ساتھ ہی ایک رات کے اندر ان کے تمام مصائب کا خاتمہ ہو جائے۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ وہ آخر کار فتح یاب تو ہوں گے لیکن اس کیلئے ان کو ایک طولانی راستہ طے کرنا پڑے گا اور یہ فتحیابی جیسا کہ اللہ کی سنت اور طریقہ ہے صبر و استقامت کے جوہر دکھانے کے بعد حاصل ہوگی جیسا کہ زیر بحث آیت کہہ رہی ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا امید ہے کہ خدا تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین میں ان کا جانشین قرار دے گا۔

آیت کے آخر میں فرماتے ہیں خدا تمہیں یہ نعمتیں عطا کرے گا اور تمہاری کھوئی آزادی تمہیں دوبارہ لوٹائے گا تا کہ یہ دیکھے کہ اس کے مقابلے میں تمہارا عمل کیسا ہوتا ہے۔

(۱۳۰) وَ لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ	اور ہم نے قوم فرعون کو خشک سالی اور میووں کی کمی میں مبتلا کیا تا کہ وہ بیدار ہو جائیں۔
(۱۳۱) فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	لیکن انہوں نے نہ صرف یہ کہ نصیحت قبول نہ کی بلکہ جب انہیں کوئی اچھائی (نعمت) ملی تو وہ کہتے تھے کہ یہ خود ہماری وجہ سے ہے پھر جب کوئی برائی (مصیبت) آتی تھی تو کہتے تھے کہ یہ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست سے ہے کہو ان تمام بد فالیوں کا سرچشمہ خدا کے پاس ہے (وہ تمہاری بد اعمالیوں کی وجہ سے تم کو سزا دیتا ہے) لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

تفسیر

بیدار کرنے والی سزائیں

جیسا کہ اسی سورہ کی آیت ۹۴ میں گزرا ہے کہ ایک کلی قانون تمام پیغمبروں کیلئے یہ تھا کہ جب ان کو لوگوں کی مخالفت کا سامنا ہوا اور وہ کسی طرح سے راہ راست پر نہ آئیں تو خدا ان کو بیدار کرنے کیلئے مشکلات و مصائب میں گرفتار کرتا تھا تا کہ وہ اپنے میں نیاز

مندی اورمحتاجی کا احساس کریں اوران کی فطرت توحید جوآرام وآسائش کی وجہ سے غفلت کے پردوں میں چلی گئی ہے دوبارہ ابھرآئے اوران کواپنی ضعف وناتوانی کا اندازہ ہواوراس قادروتواناہستی کی جانب متوجہ ہوں جوہرنعمت ونعمت کا سرچشمہ ہے۔

پہلی آیت میں اس مطلب کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے ہم نے آل فرعون کوقحط خشک سالی اورثمرات کی کمی میں مبتلا کیا شاید متذکرو بیدار ہوجائیں۔

لیکن آل فرعون بجائے اس کے کہ ان الٰہی تنبیہوں سے نصیحت لیتے اور خواب خرگوش سے بیدار ہوتے انہوں نے اس سے سوئے استفادہ کیا اوران حوادث کی من مانی تفسیر کی جب حالات ان کے منشا کے مطابق ہوتے تھے تو وہ راحت وآرام میں ہوتے تھے اور کہتے کہ یہ حالات ہماری نیکی ولیاقت کی وجہ سے ہیں فی الحقیقت ہم اس کے اہل ولائق ہیں۔

(۱۳۱) لیکن قران کریم ان کے جواب میں کہتا ہے ان کی بدبختیوں اورتکلیفوں کا سرچشمہ خدا کی طرف سے ہے خدا نے یہ چاہا ہے کہ اس طرح ان کوان کے اعمال بد کی وجہ سے سزا دے لیکن ان میں سے اکثر اس کونہیں جانتے۔

فال نیک وبد

مختلف قوموں میں فال نیک وبد کا رواج شاید پہلے سے چلا آرہا ہے لوگ کچھ چیزوں سے فال نیک لیا کرتے تھے اوران کو اپنی فتح یابی اورکامیابی کی دلیل خیال کرتے تھے اور کچھ چیزوں کوفال بد سمجھتے تھے اوران کواپنی شکست کی دلیل سمجھتے تھے حالانکہ کامیابی یا ناکامی کوان چیزوں سے دورکا لگاؤ بھی نہ تھا خصوصاً فال بد میں تو سراسر خرافاتی پہلو اورحد درجہ کی نامعقولیت تھی اوراب بھی ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ روایات اسلامی میں فال نیک سے نہیں روکا گیا ہے لیکن فال بد سے شدت سے منع کیا گیا ہے۔

(۱۳۲) وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ	اور انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ جب تم کوئی ایسی آیت ہمارے پاس لاؤ کہ اس سے تم ہم پر جادو کردو ہم پھر بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔
(۱۳۳) فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ	پس ہم نے ان پر (لگا تار بلائیں نازل کیں) طوفان، ٹڈیاں، زراعتی، آفت، مینڈک اور خون جو الگ الگ نشانیاں تھیں، بھیجیں، لیکن وہ پھر بھی بیدار نہ ہوئے۔ انہوں نے تکبر کیا اوروہ گنہگار لوگ تھے۔

تفسیر

مختلف اورپیہم بلاؤں کا نزول

ان آیات میں ان بیدار کرنے والے دروس کا ایک اورمرحلہ بیان کیا گیا ہے جو خدا نے قوم فرعون کو دیئے۔

پہلی آیت میں ان بلاؤں کے نزول کے مقدمہ کے طور پر فرمایا گیا ہے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلے میں اپنے عناد کو بدستور باقی رکھا اور کہا کہ تم ہر چند ہمارے لئے نشانیاں لاؤ اور ان کے ذریعے ہم پر اپنا جادو کرو ہم کسی طرح بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔

(۱۳۳) لیکن چونکہ خدا کسی قوم پر اس وقت تک اپنا آخری عذاب نازل نہیں کرتا جب تک کہ اس پر خوب اچھی طرح سے اتمام حجت نہ کرلے اس لئے بعد والی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے پہلے طرح طرح کی بلائیں ان پر نازل کیں کہ شاید ان کو ہوش آ جائے۔ پہلے ہم نے ان پر طوفان بھیجا۔

اس کے بعد ہم نے ان کی زراعتوں اور درختوں پر ٹڈیوں کو مسلط کر دیا۔

جب بھی ان پر بلا نازل ہوتی تھی تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے تھے کہ وہ خدا سے کہہ کر اس بلا کو ہٹوا دیں طوفان اور ٹڈیوں کے موقع پر بھی انہوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے یہی خواہش کی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے قبول کرلیا اور یہ دونوں بلائیں برطرف ہو گئیں لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنی ضد پر اتر آئے جس کے نتیجے میں تیسری بلا ''قمل'' ان پر نازل ہوئی۔

جب یہ آفت بھی ختم ہوئی اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو اللہ نے مینڈک کی نسل کو اس قدر فروغ دیا کہ مینڈک ایک نئی بلا کی صورت میں ان کی زندگی میں داخل ہو گئے۔

جدھر دیکھتے تھے ہر طرف چھوٹے بڑے مینڈک نظر آتے یہاں تک کہ گھروں کے اندر کمروں میں بچھونوں میں دسترخوان پر کھانے کے برتنوں میں مینڈک ہی مینڈک تھے جس کی وجہ سے ان کی زندگی حرام ہوگئی تھی لیکن پھر بھی انہوں نے حق کے سامنے اپنا سر نہ جھکایا اور ایمان نہ لائے۔ اس وقت اللہ نے ان پر خون مسلط کیا۔

آخر میں قرآن فرماتا ہے ان معجزوں اور کھلی نشانیوں کو جو موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت پر دلالت کرتی تھیں۔ ہم نے ان کو دکھلایا لیکن انہوں نے ان کے مقابلے میں تکبر سے کام لیا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا وہ ایک مجرم اور گنہگار قوم تھے۔

(۱۳۴) وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ لَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ	جب ان پر بلا نازل ہوتی تھی تو وہ کہتے تھے: اے موسیٰ! اپنے خدا سے کہو کہ جو عہد اس نے تم سے کیا ہے اس کے مطابق کرے اگر اس بلا کو ہم سے دور کر دو گے تو ہم یقیناً تمہارے اوپر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔
(۱۳۵) فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ	لیکن جس وقت ہم ان پر سے بلا کو تعین شدہ مدت کے بعد ہٹا لیتے تھے تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے تھے۔

(۱۳۶)فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ فِی الۡیَمِّ بِاَنَّهُمۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِیۡنَ	آخر کارہم نے ان سے انتقام لیااوران سب کودریا میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے غافل رہے تھے۔

تفسیر

فرعون کی بار بار عہد شکنیاں

ان آیات میں فرعونیوں کے اس ردعمل کا ذکر کیا گیا ہے جو انہوں نے پروردگار عالم کی عبرت انگیز اور بیدار کنند بلاؤں کے نزول کے بعد ظاہر کیا۔ وقتی طور پر خواب غفلت سے بیدار ہو جاتے تھے اور فریاد وزاری کرنے لگتے تھے اور حضرت موسیٰؑ سے درخواست کرتے تھے کہ خدا سے ان کی نجات کیلئے دعا کریں

پہلی آیت میں ہے جس وقت ان پر بلا مسلط ہوتی تھی تو کہتے تھے اے موسیٰؑ ہمارے لئے اپنے خدا سے دعا کرو جو عہد اس نے تم سے کیا ہے اسے پورا کرے اور تمہاری دعا ہمارے حق میں قبول کرے۔

اگر تم یہ بلا ہم سے دور کر دو تو ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم خود بھی تم پر ضرور ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی یقیناً تمہارے ہمراہ روانہ کر دیں گے۔

(۱۳۵) اس آیت میں ان کی پیمان شکنی کا ذکر کیا گیا ہے فرماتا ہے جس وقت ہم ان پر سے بلاؤں کو تعین شدہ مدت کے بعد ہٹا لیتے تھے تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے تھے نہ خود ہی ایمان لاتے تھے اور نہ ہی بنی اسرائیل کو اسیری سے آزاد کرتے تھے۔

جملہ ''الی اجل هم بالغوه سے'' اشارہ اس مطلب کی طرف ہے کہ حضرت موسیٰؑ ان کیلئے ایک مدت معین کرتے تھے کہ فلاں وقت یہ بلا برطرف ہو جائے گی تاکہ ان پر اچھی طرح کھل جائے کہ یہ بلا کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ حضرت موسیٰؑ کی دعا کی وجہ سے تھا۔

(۱۳۶) زیر نظر آخری آیت میں ان کی اس خیرہ سری، سرکشی اور پیمان شکنی کو دو مختصر جملوں میں بیان کر دیا گیا ہے پہلے مجمل طور سے فرماتا ہے: ہم نے ان سے انتقام لے لیا۔

بعد ازاں اس انتقام کی شرح اس طرح سے فرمائی ہے ہم نے انہیں دریا میں ڈبو دیا کیونکہ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کیا وہ ان سے غافل تھے۔

(۱۳۷)وَ اَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡهَا ؕ وَ تَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ الۡحُسۡنٰی عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ وَ دَمَّرۡنَا مَا کَانَ یَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ وَ قَوۡمُهٗ وَ مَا کَانُوۡا یَعۡرِشُوۡنَ	اور ہم نے مشرق ومغرب کی پر برکت زمینوں کا وارث بنایا (اس قوم کو جسے) کمزور کر دیا گیا تھا اور بنی اسرائیل نے چونکہ صبر کیا اس لئے تیرے رب کا نیک وعدہ ان کیلئے پورا ہوا اور جو (قصر مجلل) فرعون اوراس کی قوم نے بنائے تھے اور جو مچان دار باغات انہوں نے تیار کئے تھے ان سب کو ہم نے مسمار کر دیا۔

تفسیر

قوم فرعون کا دردناک انجام

قوم فرعون کی نابودی کے بعد وہ بنی اسرائیل جو سالہائے دراز سے ان کے ظلم وستم کے پنجے میں دبے ہوئے تھے آزاد ہو گئے اور فرعونیوں کی وسیع وعریض سرزمین کے مالک بن گئے آیت مذکورہ بالا میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے فرمایا گیا ہے ہم نے مشرق ومغرب کی پر برکت زمینوں کا والی ووارث ان لوگوں کو بنا دیا جو مستضعف اور استعمار زدہ تھے۔

(۱۳۷) بنابریں پورے کرۂ زمین کی حکومت مراد نہ تھی کیونکہ یہ امر تاریخی مسلمات کے قطعاً خلاف ہے بلکہ حکومت بنی اسرائیل سے مراد فرعونوں کی سرزمین تھی۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے بنی اسرائیل کی فتحیابی کے متعلق تیرے پروردگار کا نیک وعدہ ان کے صبر واستقلال کی وجہ سے پورا ہوا۔

آیت کی آخر میں اضافہ فرمایا گیا ہے ہم نے فرعون اور فرعونیوں کے خوبصورت قصروں پرشکوہ عمارتوں ہرے بھرے باغات کو نابود کر دیا۔

(۱۳۸)وَ جٰوَزۡنَا بِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتَوۡا عَلٰی قَوۡمٍ یَّعۡکُفُوۡنَ عَلٰۤی اَصۡنَامٍ لَّهُمۡ ۚ قَالُوۡا یٰمُوۡسَی اجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰـهًا کَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّکُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ	اور بنی اسرائیل کو ہم نے دریا سے (صحیح وسالم) پار لگا دیا پس وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو اپنے بتوں کے چاروں طرف تعظیم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں (بنی اسرائیل) نے کہا کہ اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک ایسا معبود بنا دو جیسے معبود ان لوگوں نے بنا رکھے ہیں موسیٰ نے کہا تم جاہل ونادان لوگ ہو۔

(۱۳۹) اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمۡ فِيۡهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ	ان لوگوں کا (جنہیں تم دیکھ رہے ہو) انجام نابودی ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب باطل اور لغو بات ہے۔
(۱۴۰) قَالَ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِيۡكُمۡ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ	(اس کے بعد موسیٰ نے) کہا کیا میں خدائے برحق کے علاوہ کوئی دوسرا معبود تمہارے لئے چاہوں ایسا خدا جس نے تمہیں تمہارے زمانہ کے لوگوں پر برتری عطا کی ہے؟
(۱۴۱) وَ اِذۡ اَنۡجَيۡنٰكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَ يَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ ؕ وَفِىۡ ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ۚ	یاد کرو اس زمانہ کو جب ہم نے تمہیں فرعون والوں (کے پنجہ ظلم) سے نجات دی وہ تم پر مسلسل ظلم کر رہے تھے تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اس (مصیبت) میں تمہارے رب کی طرف سے (تمہاری) بڑی آزمائش ہے۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت سازی کی فرمائش

ان آیات میں بنی اسرائیل کی سرگزشت کے ایک اور اہم حصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ فرعونیوں پر ان کی فتحیابی کے بعد ہوا پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے ہم نے بنی اسرائیل کو دریا نیل کے پار لگا دیا۔

لیکن انہوں نے راستے میں ایک قوم کو دیکھا جو اپنے بتوں کے گرد خضوع اور انکساری کے ساتھ اکٹھا تھے۔

امت موسیٰ علیہ السلام کے جاہل افراد یہ منظر دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر وہ کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے واسطے بھی بالکل ویسا ہی معبود بنا دو جیسا معبود ان لوگوں کا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی اس جاہلانہ اور احمقانہ فرمائش سے بہت ناراض ہوئے آپ نے ان لوگوں سے کہا تم لوگ جاہل و بے خبر قوم ہو۔

(۱۳۹) اس آیت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بات کی تکمیل کیلئے بنی اسرائیل سے کہا اس بت پرست گروہ کو جو تم دیکھ رہے ہو ان کا انجام ہلاکت ہے اور ان کا ہر کام باطل و بے بنیاد ہے۔

یعنی ان کا عمل بھی عبث ہے اور ان کی زحمتیں بھی سب بے نتیجہ ہیں اور آخر میں جو ہر بت پرست قوم کا انجام بد ہلاکت ہے وہی ان کا بھی انجام ہونا ہے کیونکہ ''متبر'' کا مادہ ''تبار'' ہے جس کے معنی ہیں ''ہلاکت''۔

(۱۴۰)اس کے بعد مزید تاکید کیلئے فرمایا گیا ہے آیا خدائے برحق کے علاوہ تمہارے لئے کوئی دوسرا معبود بنا لوں وہی خدا جس نے اہل جہان ہمعصر لوگوں پر تم کو فضیلت دی۔

(۱۴۱)اس آیت میں خداوند کریم اپنی نعمتوں میں بڑی نعمت کا ذکر فرماتا ہے جو اس نے بنی اسرائیل کو عطا فرمائی تھی تا کہ اس عظیم نعمت کا تصور کر کے ان میں کرگزاری کا جذبہ بیدار ہو اور انہیں یہ احساس ہو کہ پرستش اور سجدے کا مستحق صرف خدائے یکتا و یگانہ ہے اور اس بات کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی کہ جو بت بے نفع اور بے ضرر ہیں ان کے سامنے سر تعظیم خم کیا جائے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے یاد کرو اس وقت کو جبکہ ہم نے تمہیں فرعون کے گروہ کے شر سے نجات دے دی وہ لوگ تم کو مسلسل عذاب دیتے چلے آرہے تھے۔

اس کے بعد جیسا کہ قرآنی قاعدہ ہے کہ اجمال کے بعد تفصیل سے کام لیتا ہے اس عذاب وایذارسانی کی تفصیل یوں بیان فرماتا ہے وہ تمہارے بیٹوں کو توقتل کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں لڑکیوں کو خدمت اور کنیزی کیلئے زندہ چھوڑ دیتے تھے۔

اور اس مصیبت میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

(۱۴۲)وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ	اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اس کے بعد (مزید) دس راتوں سے اس کی تکمیل کر دی اس طرح اس کے پروردگار کا اس سے وعدہ چالیس راتوں کی صورت میں پورا ہوا۔ موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں میرے جانشین ہو جاؤ اور (ان کی) اصلاح کرو اور مفسدوں کے راستے پر نہ چلنا۔

تفسیر

عظیم وعدہ گاہ

اس آیت میں بنی اسرائیل کی زندگی کا ایک اور منظر بیان کیا گیا ہے ایک مرتبہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم سے جھگڑنا پڑا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا کے مقام وعدہ پر جانا وحی کے ذریعے احکام توریت لینا خدا سے باتیں کرنا کچھ بزرگان بنی اسرائیل کو معیاد گاہ میں ان واقعات کے مشاہدہ کیلئے لانا اس بات کا اظہار کہ خدا کو ان آنکھوں سے ہرگز نہیں دیکھا جا سکتا پھر بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی اور ان کا راہ توحید سے ہٹ جانا اور سامری کا عجیب ہنگامہ جیسی باتوں کا ذکر چھیڑا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں پورے ایک مہینہ کا وعدہ کیا اس کے بعد مزید دس راتیں بڑھا کر اس وعدہ کی تکمیل کی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے خدا کا وعدہ چالیس راتوں میں پورا ہوا۔

اس کے بعد اس طرح بیان کیا گیا ہے موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری قوم میں تم میرے جاشین بن جاؤ اور ان کی

اصلاح کی کوشش کرو اور کبھی مفسدوں کی پیروی نہ کرنا۔

حدیث منزلت

بہت سے سنی اور شیعہ مفسرین نے اس مقام پر حدیث منزلت **(یا علی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ)** کی طرف اشارہ کیا ہے بس اتنا فرق ہے کہ شیعہ مفسرین نے اسے حضرت علی علیہ السلام کی خلاف بلا فصل پر ایک زندہ دلیل مانا ہے جبکہ بعض مفسرین اہلسنت نے اسے رد کرتے ہوئے شیعوں پر بے رحمی اور تعصب کے ساتھ اعتراضات کئے ہیں۔

حدیث منزلت کے اسناد

۱۔اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بڑی تعداد نے جنگ تبوک کے واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے۔

"ان رسول اکرم خرج الی تبوک واستخلف علیافقال اتخلفنی فی الصبیان والنساء قال الاترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لیس نبی بعدی"

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک کی جانب جب روانہ ہوئے تو آپ نے اپنی جگہ علی علیہ السلام کو مقرر کیا تو حضرت علی علیہ السلام نے کہا کہ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : مجھے عورتوں اور بچوں کے درمیان چھوڑے جاتے ہیں (اور اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ میں آپ کے ہمراہ جنگ کے لئے آؤں) پیغمبر نے فرمایا: یا علی علیہ السلام کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری حیثیت مجھ سے وہی ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

"یا ام سلیم ان علیا لحمه من لحمی و دمه من دمی و هی منی بمنزلة هارون من موسیٰ"

اے ام سلیم! علی علیہ السلام کا گوشت میرے گوشت سے ہے اور اس کا خون میرے خون سے ہے اور اس کی نسبت مجھ سے وہی ہے جو ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔

۲۔اصحاب کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا۔ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک روز عمر بن خطاب نے مجھ سے کہا: علی علیہ السلام کا نام برائی کے ساتھ نہ لینا کیونکہ میں نے ان کے بارے میں تین جملے ایسے سنے ہیں کہ ان میں سے ایک اگر میرے بارے میں ہوتا تو وہ ہر اس چیز سے میرے لئے محبوب تر تھا جس پر سورج چمکتا ہے ایک مرتبہ میں ابوبکر ابو عبیدہ اور اصحاب کی ایک جماعت ہم سب پیغمبر کے پاس تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی علیہ السلام پر تکیہ کئے ہوئے تھے اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کے شانہ پر اپنا ہاتھ مارا اور فرمایا:

"انت یا علی اول المومنین ایمانا و اولهم اسلاما ثم قال انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ"

(یعنی اے علی علیہ السلام تم وہ پہلے مومن ہو جو ایمان لائے اور پہلے مسلمان ہو جو اسلام لائے اور تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہے جو ہارون علیہ السلام کی نسبت موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔)

(۱۴۳) وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ	جس وقت موسیٰ ہماری معیادگاہ میں آئے اوران کے پروردگار نے ان سے بات کی، انہوں نے عرض کی کہ اے پروردگار: تو اپنے کو ان کو دکھلا دے تا کہ میں تجھے دیکھ لوں (پروردگار نے) کہا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ پاؤ گے لیکن ذرا پہاڑ کی طرف تو دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو مجھے دیکھ سکو گے لیکن جب پرودگار نے پہاڑ پر (اپنا) جلوہ کیا تو اسے گرا کر زمین کے ساتھ برابر کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے، جب وہ ہوش میں آئے تو انہوں نے عرض کی: خدایا تو اس بات سے منزہ ہے (کہ تجھے کوئی دیکھ سکے) میں تیری جانب واپس آتا ہوں میں مومنوں میں سے پہلا ہوں.

تفسیر

دیدار پروردگار کی خواہش

ان آیات میں نیز اس کے بعد کی آیات میں بنی اسرائیل کی زندگی کے بعض دیگر مناظر پیش کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے اصرار کیساتھ یہ خواھش کی کہ وہ خدا کو دیکھیں گے اگر ان کی خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور انہیں اپنے ہمراہ پروردگار کی معیادگاہ کی طرف لے گئے وہاں پہنچ کر ان لوگوں کی درخواست کو خدا کی بارگاہ میں پیش کیا خدا کی طرف سے اس کا ایسا جواب ملا کہ جس کے بنی اسرائیل کے لئے یہ بات واضح ہوگئی

جس وقت موسیٰ علیہ السلام ہماری معیادگاہ میں آئے اور ان کے پروردگار نے ان سے باتیں کیں تو انہوں نے کہا: اے پروردگار خود کو مجھے دکھلا دے تا کہ میں تجھے دیکھ لوں۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام نے فوراً خدا کی جانب سے یہ جواب سنا: تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔

''لیکن پہاڑ کی جانب نظر کرو اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تب مجھے دیکھ سکو گے''۔

''جس وقت خدا نے پہاڑ پر جلوہ کیا تو اسے فنا کر دیا اور اسے زمین کے ساتھ برابر کر دیا''۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ہولناک منظر دیکھا تو ایسا اضطراب لاحق ہوا کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔

اور جب ہوش میں آئے تو خدا کی بارگاہ میں عرض کی پروردگار؛ تو منزہ ہے میں تیری طرف پلٹتا ہوں، اور توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا ہوں ان مومنین میں سے۔

کیا خدا کو دیکھا جانا ممکن ہے؟

آیہ مذکورہ بالا میں ہم پڑھتے ہیں کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر باقی رہا تو مجھے دیکھ سکو گے،، آیا اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ خدا دیکھا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس تعبیر کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات ناممکن ہے جیسے ایک دوسری جگہ قرآن میں آیا ہے:

''کافر جنت میں نہیں جائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے گزر جائے''۔

چونکہ خدا کے جلوہ کے مقابلہ میں پہاڑ کا اپنی جگہ پر باقی رہنا محال تھا اس لئے یہ تعبیر استعمال کی گئی۔

(۱۴۴) قَالَ يَامُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ	(خدا نے) کہا: اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں سے منتخب کیا ہے اور تم کو اپنی رسالتیں دی ہیں اور اپنے ساتھ گفتگو کا شرف عطا فرمایا ہے پس جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے اسے لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔
(۱۴۵) وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ	اور ہم نے ان کیلئے الواح میں ہر قسم کی نصیحت لکھی تھی اور ہر چیز کی تفصیل بیان کر دی تھی۔ پس (ہم نے ان سے کہا کہ) اسے مضبوطی سے تھام لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اچھی طرح اس پر عمل کریں (اور وہ لوگ جو مخالفت کریں ان کا انجام دوزخ ہے) جلد ہی فاسقوں کی یہ جگہ ہم تمہیں دکھلا دیں گے۔

تفسیر

الواح توریت

آخر کار اس عظیم معیادگاہ میں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی شریعت کے قوانین نازل فرمائے۔ پہلے ان سے فرمایا اسے موسیٰ علیہ السلام میں نے تمہیں لوگوں پر منتخب کیا ہے اور تم کو اپنی رسالتیں دی ہیں اور تم کو اپنے ساتھ گفتگو کا شرف عطا کیا ہے۔

اب جبکہ ایسا ہے تو جو میں نے تم کو حکم دیا ہے اسے لے لو اور ہمارے اس عطیہ پر شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

کیا اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا سے کلام کرنے کا جو شرف حاصل ہوا وہ صرف انہی کا طرہ امتیاز تھا کسی دوسرے نبی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔

حق یہ ہے کہ یہ آیت اس مطلب کا اثبات نہیں کرتی بلکہ لفظ ''رسالات'' کا قرینہ اس بات کا مظہر ہے کہ دونوں امتیاز عام

انسانوں کے مقابلے میں تھے کیونکہ رسالت کا شرف صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے مخصوص نہ تھا۔

(۱۴۵) اس کے بعد اضافہ کیا گیا ہے کہ ہم نے جو الواح موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھیں ان پر ہر موضوع کے بارے میں کافی نصیحتیں تھیں اور ضرورت کے مسائل کی شرح اور بیان تھا۔

اس کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بڑی توجہ اور قوت ارادی کے ساتھ ان فرامین کو اختیار کرو۔

اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ ان میں جو بہترین ہیں انہیں اختیار کریں۔

اور انہیں خبردار کر دو کہ ان فرامین کی مخالفت اور ان کی اطاعت سے فرار کرنے کا نتیجہ دردناک ہے اور اس کا انجام دوزخ ہے اور میں جلد ہی فاسقوں کی جگہ تمہیں دکھلا دوں گا۔

,,سَاُورِیۡکُمۡ دَارَ الۡفٰسِقِیۡنَ،، (جلد ہی فاسقوں کا ٹھکانہ میں تمہیں دکھلا دوں گا) بظاہر اس سے دوزخ مراد ہے جو ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے جو خدا کے اور اس کے فرامین کی اطاعت سے خارج ہو گئے ہیں.

(۱۴۶) سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ وَ اِنۡ یَّرَوۡا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡا بِہَا ۚ وَ اِنۡ یَّرَوۡا سَبِیۡلَ الرُّشۡدِ لَا یَتَّخِذُوۡہُ سَبِیۡلًا ۚ وَ اِنۡ یَّرَوۡا سَبِیۡلَ الۡغَیِّ یَتَّخِذُوۡہُ سَبِیۡلًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوۡا عَنۡہَا غٰفِلِیۡنَ	جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں ان کو میں اپنی آیتوں سے جلد ہی پلٹ دوں گا (اس طرح کہ) وہ جس آیت کو بھی دیکھیں گے اس پر ایمان نہ لائیں گے، اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں گے تو اس پر نہ چلیں گے اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں گے تو اس کو اختیار کریں گے یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا اور وہ ان سے غافل تھے۔
(۱۴۷) وَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ الۡاٰخِرَۃِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ ؕ ہَلۡ یُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۠	اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے. جو کچھ انہوں نے کیا ہے کیا اس کے علاوہ کی، ان کو سزا ملے گی؟

تفسیر

متکبروں کا انجام

ان دو آیتوں میں جو بحث کی گئی ہے اس میں درحقیقت ان گزشتہ آیتوں کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے جن میں فرعون فرعونیوں اور بنی اسرائیل کے سرکش افراد کا انجام مذکور رہا۔

اس لئے پہلے ارشاد ہوتا ہے ہم عنقریب ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اپنی آیتوں سے پلٹا دیں گے۔

(۱۴۶)اس کے بعد اس طرح کے متکبر و سرکش افراد کی تین صفتوں کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ کس طرح ان سے حق کو قبول کرنے کی توفیق سلب ہو جاتی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وہ اگر تمام آیات الٰہی کو بھی دیکھیں تب بھی اسے اختیار نہ کریں گے۔

ان صفات کا ذکر کرنے کے بعد جو ان کی حق قبول کرنے کی حکایت ہیں اس کی دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے فرمایا گیا ہے ''سب اس وجہ سے'' ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان سے غفلت برتی۔

(۱۴۷)اس آیت میں ایسے لوگوں کی سزا کو بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کریں گے اور روز آخرت کی ملاقات کے منکر ہوں گے ان کے تمام اعمال بالکل حبط اور نابود ہو جائیں گے۔

''حبط'' کے معنی عمل کو باطل اور بے اثر کر دینے کے ہیں یعنی اس طرح کے افراد اگر کوئی کار خیر بھی کریں گے تو اس سے ان کے لئے کوئی نتیجہ نہ نکلے گا اس کی مزید توضیح کیلئے سورہ بقرہ آیت ۲۱۷ کی تفسیر ملاحظہ ہو جو ہم اسی کتاب کی جلد دوم میں لکھ آئے ہیں۔

آیت کے آخر میں اس طرح اضافہ فرمایا گیا ہے ان کا جو یہ انجام ہوا ہے اس میں کسی جذبہ انتقام کو دخل نہیں ہے بلکہ یہ خود ان کے اعمال کا نتیجہ ہے جو ان کے سامنے آیا ہے آیا انہیں سوائے اپنے اعمال کے کسی اور چیز کی سزا دی جائے گی؟

یہ آیت ان آیتوں میں سے ایک ہے جو اس بات کی دلیل ہیں کہ بروز قیامت انسان کو اس کے اعمال کی سزا ملے گی۔

(۱۴۸)وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰی مِنۡۢ بَعۡدِہٖ مِنۡ حُلِیِّہِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّہٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّہٗ لَا یُکَلِّمُہُمۡ وَ لَا یَہۡدِیۡہِمۡ سَبِیۡلًا ۘ اِتَّخَذُوۡہُ وَ کَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ	قوم موسیٰ نے اس کے (میعادگاہ کی طرف جانے کے) بعد اپنے زیور اور آلات سے ایک گوسالہ بنایا ایک (بے جان) جسد جس میں گائے کی آواز تھی کیا وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ وہاں سے بات بھی نہیں کر سکتا تھا اور راہ (راست کی طرف ہدایت) نہیں کر سکتا تھا انہوں نے اس کو (بطور اپنے خدا کے) انتخاب کر لیا اور وہ ظالم تھے۔
(۱۴۹)وَ لَمَّا سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡہِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّہُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَ یَغۡفِرۡ لَنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ	اور جب انہیں حقیقت کا پتہ چلا اور انہوں نے دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو انہوں نے کہا اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

تفسیر

یہودیوں میں گوسالہ پرستی کا آغاز

ان آیات میں افسوسناک اور تعجب خیز واقعات میں سے ایک واقعہ کا ذکر ہوا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے میقات کی طرف جانے کے بعد بنی اسرائیل میں رونما ہوا وہ واقعہ ان لوگوں کی گوسالہ پرستی ہے جو ایک شخص بنام سامری نے زیور و آلات بنی اسرائیل

کے ذریعے شروع کیا۔

قوم موسیٰ علیہ السلام نے موسیٰ کے میقات کی طرف جانے کے بعد اپنے زیورات وآلات سے ایک گوسالہ بنایا جو ایک بے جان جسد تھا جس میں سے گائے کی آواز آتی تھی اسے انہوں نے اپنے واسطے انتخاب کیا۔

(۱۴۸) طلائی گوسالہ سے کس طرح آواز پیدا ہوئی؟

اس کے بعد قرآن سرزنش کے طور پر ان سے کہتا ہے: کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ گوسالہ ان سے باتیں نہیں کرسکتا تھا اور نہ ان کی رہنمائی کرسکتا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ ایک حقیقی خدا کو کم از کم ایسا تو ہونا چاہئے کہ اسے نیک و بد کی تمیز ہو اور وہ اپنے ماننے والوں کی ہدایت کر سکے اپنی عبادت کرنے والوں سے بات کرسکے اور عبادت کے طریقے انہیں سکھا سکے۔ اس طرح ان لوگوں نے خود ان لوگوں پر ظلم کیا لہذا آیت کے آخر میں فرماتا ہے: انہوں نے گوسالہ کو اپنے معبود کے طور پر منتخب کرلیا۔

(۱۴۹) کلمہ خوار کے معنی اس مخصوص آواز کے ہیں جو گائے یا گوسالہ سے نکلتی ہے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ سامری جو کہ ایک صاحب فن انسان تھا اسنے اپنی معلومات سے کام لے کر طلائی گوسالہ کے سینے میں کچھ مخصوص نل اس طرح مخفی کردیئے تھے جن کے اندر سے دباؤ کی وجہ سے جب ہوا نکلتی تھی تو گائے کی آواز آتی تھی۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور مسائل واضح ہو گئے تو بنی اسرائیل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے انہوں نے خدا سے اپنے اس برے عمل کی معافی چاہی چنانچہ انہوں نے کہا اگر پروردگار ہم پر رحم نہ کرے اور ہمیں نہ بخشے تو ہم یقینی طور پر گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔

(۱۵۰) وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖؗ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ	جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف عضب ناک اور رنجیدہ پلٹے تو انہوں نے کہا کہ تم لوگ میرے بعد میرے برے جانشین نکلے (اور تم نے میرے آئین کو ضائع کردیا) کیا تم نے اپنے رب کے فرمان (اور مدت معیاد کی تجدید اور فیصلہ) کے بارے میں عجلت سے کام لیا؟ اس کے بعد انہوں نے الواح کو ڈال دیا اور اپنے بھائی کے سر کو پکڑ لیا اور (غصہ میں اسے) اپنی طرف کھینچا اس (بھائی) نے کہا اے میرے ماں جائے! اس قوم نے مجھے کمزور کردیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کردیں لہٰذا کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ دشمن میری شماتت کریں اور مجھے ظالم گروہ میں قرار نہ دو۔

(۱۵۱) قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۧ	(موسیٰ نے) کہا: پروردگارا! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما، اور تو تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

تفسیر

گوسالہ پرستوں کے خلاف شدید ردعمل

ان دو آیتوں میں اس کشاکش اور نزاع کا ماجرا بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور گوسالہ پرستوں کے درمیان اس وقت واقع ہوئی جب وہ معیاد گاہ سے واپس ہوئے جس کی طرف گذشتہ آیت میں صرف اشارہ کیا گیا تھا ان آیتوں میں تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ردعمل کو بیان کیا گیا ہے

پہلے ارشاد ہوتا ہے جس وقت موسیٰ علیہ السلام غضب ناک ورنجیدہ اپنی قوم کی طرف پلٹے اور گوسالہ پرستی کا نفرت انگیز منظر دیکھا تو ان سے کہا کہ تم لوگ میرے بعد برے جانشین نکلے تم نے میرا آئین ضائع کر دیا۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا آیا تم نے اپنے پروردگار کے فرمان کے بارے میں جلدی کی۔

ان آیات کا ظاہر یہ ہے کہ تم نے خدا کے اس فرمان کہ اس نے معیاد کا وقت تیس شب سے چالیس شب کر دیا جلدی کی اور جلد فیصلہ کر دیا میرے نہ آنے کو میرے مرنے یا وعدہ خلافی کی دلیل سمجھ لیا

خاص طور پر جب کسی نادان متعصب اور ہٹ دھرم قوم کے درمیان کوئی غلط ساز بجا دیا جائے تو اس کے بعد اس کے برے اثرات کا زائل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ شدید ردعمل بیان کیا ہے جو اس طوفانی بحرانی منظر کو دیکھنے کے بعد ان سے ظاہر ہوا موسیٰ علیہ السلام نے بے اختیارانہ طور پر اپنے ہاتھ سے توریت کی الواح کو زمین پر ڈال دیا اور اپنے بھائی ہارون کے پاس گئے اور ان کے سر اور داڑھی کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ردعمل ایک طرف تو ان کی اس واردات قلبی بے قراری اور شدید ناراضی کی حکایت کرتا ہے جو بنی اسرائیل کی بت پرستی کی وجہ سے پیدا ہوئی دوسری طرف یہ اس بات کا ایک موثر سبب بنا کہ بنی اسرائیل کی عقل میں ایک حرکت پیدا ہو اور وہ اپنے اس عمل کی قباحت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی محبت کو برانگیختہ کرنے کیلئے اور اپنی بے گناہی بیان کرنے کیلئے کہا اے میرے ماں جائے اس نادان امت کے باعث ہم اس قدر قلیل ہو گئے کہ نزدیک تھا کہ مجھے قتل کر دیں لہٰذا میں بالکل بے گناہ ہوں لہٰذا آپ کوئی ایسا کام نہ کریں کہ دشمن ہنسی اڑائیں اور مجھے اس ستمگر امت کی صف میں قرار نہ دیں۔

(۱۵۱)اب حضرت موسیٰؑ کی آتش غضب کم ہوئی اور وہ درگاہ خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی پروردگارا! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت بے پایاں میں داخل کردے تو تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

اپنے لئے اور اپنے بھائی کیلئے بخشش طلب کرنا اس بناپر نہیں تھا کہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا بلکہ یہ پروردگار کی بارگاہ میں ایک طرح! خضوع وخشوع تھا اور اس کی طرف بازگشت تھی اور بت پرستوں کے اعمال زشت سے اظہار تنفر تھا اسی طرح اس میں سب کیلئے ایک طرح کا نمونہ عمل ہے تاکہ وہ یہ سوچیں کہ جبکہ حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی جن سے کوئی لغزش سرزد نہیں ہوئی تھی وہ خدا کی بارگاہ میں اس قدر لرزہ براندام ہیں اس سے ہمیں عبرت حاصل کرنا چاہئے اور اپنے نامہ اعمال پر ایک نظر کرنا چاہئے اور پروردگار عالم کی طرف پلٹنا چاہئے اپنے گناہوں کی معافی اس سے طلب کرنا چاہئے۔

(۱۵۲)اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَیَنَالُهُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَذِلَّةٌ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ؕ وَکَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُفۡتَرِیۡنَ	وہ لوگ جنھوں نے گوسالہ کو اپنا معبود بنایا عنقریب اپنے رب کے غضب میں مبتلا ہوں گے اور حیات دنیا میں گرفتار ذلت ہوں گے اور ہم ان لوگوں کو جو (خدا پر) بہتان باندھتے ہیں سزا دیتے ہیں۔
(۱۵۳)وَ الَّذِیۡنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهَا وَاٰمَنُوۡۤا ۫ اِنَّ رَبَّکَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ	اور وہ لوگ جو گناہ کریں اور اس کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں (انہیں بخشش کی امید ہے، کیونکہ) تیرا اس (توبہ) کے بعد ضرور بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔
(۱۵۴)وَ لَمَّا سَکَتَ عَنۡ مُّوۡسَی الۡغَضَبُ اَخَذَ الۡاَلۡوَاحَ ۚۖ وَ فِیۡ نُسۡخَتِهَا هُدًی وَّ رَحۡمَةٌ لِّلَّذِیۡنَ هُمۡ لِرَبِّهِمۡ یَرۡهَبُوۡنَ	اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو انہوں نے (توریت کی) الواح کو اٹھایا اور ان کے اندر ان لوگوں کیلئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت لکھی ہوئی تھی۔

تفسیر

جیسا کہ ہم سابقاً لکھ آئے ہیں حضرت موسیٰؑ کے اس شدید ردعمل نے اپنا اثر دکھایا اور جن لوگوں نے گوسالہ پرستی اختیار کی تھی اور ان کی تعداد اکثریت میں تھی وہ اپنے کام سے پشیمان ہوئے ان کی پشیمانی کا ذکر سابقہ آیت ۱۴۹ میں بھی آچکا ہے لیکن چونکہ یہاں پر یہ توہم ہوتا ہے کہ ان کی بخشش کیلئے شاید مذکورہ پشیمانی کافی تھی قرآن نے یہ اضافہ کیا ہے۔

وہ لوگ جنھوں نے گوسالہ کو اپنا معبود بنایا جلد ہی انہیں پروردگار کا غضب اور اس جہان میں ذلت وخواری نصیب ہوگی۔

نیز اس تصور کو دور کرنے کیلئے کہ یہ قانون صرف ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے فرماتا ہے وہ تمام لوگ جو خدا پر بہتان باندھتے ہیں (۱۵۳)اس آیت میں اس موضوع کی تکمیل کردی گئی ہے اور اسے ایک کلی قانون کے طور پر یوں بیان کیا گیا ہے لیکن وہ

لوگ جو اعمال بد بجالائیں اور اس کے بعد توبہ کرلیں اور توبہ کی تمام شرائط پوری کردیں اور خدا پر ایمان کی تجدید کریں اور ہر قسم کے شرک اور نافرمانی سے باز رہیں تمہارا پروردگار ان سب کے بعد انہیں بخش دے گا وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(۱۵۴) آیت کہتی ہے جب موسیٰ علیہ السلام کے غضب کی آگ ٹھنڈی ہوئی اور جس نتیجہ کی انہیں توقع تھی وہ ظاہر ہوگیا موسیٰ نے زمین پر سے الواح توریت اٹھالیں ایسی الواح جن کے نوشتہ میں اسرار و ہدیات و رحمت تھی لیکن ہدایت و رحمت ان افراد کیلئے جو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

(۱۵۵) وَاخۡتَارَ مُوۡسٰی قَوۡمَهٗ سَبۡعِيۡنَ رَجُلًا لِّمِيۡقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ قَالَ رَبِّ لَوۡ شِئۡتَ اَهۡلَكۡتَهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ وَ اِيَّایَ ؕ اَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنۡ هِیَ اِلَّا فِتۡنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنۡ تَشَآءُ وَ تَهۡدِیۡ مَنۡ تَشَآءُ ؕ اَنۡتَ وَلِيُّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَ اَنۡتَ خَيۡرُ الۡغَافِرِيۡنَ	اور موسیٰ نے ہماری میعادگاہ کے لئے اپنی قوم میں سے ستر مردوں کو چنا پھر جب زلزلہ نے انہیں آلیا (اور وہ ہلاک ہوگئے) تو کہا: میرے پروردگار! اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس (واقعہ) سے پہلے ہی ہلاک کردیتا کیا تو ہمیں اس چیز کی وجہ سے ہلاک کرے گا جو ہم میں سے بعض نادانوں نے کی ہے یہ صرف تیری ایک آزمائش ہے جسے تو چاہے (مستحق گمراہی جانے) گمراہ کردے اور جسے تو چاہے (اور مستحق ہدایت جانے) اسے ہدایت عطا کردے تو ہمارا ولی ہے لہٰذا ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو تمام بخشنے والوں سے بہتر ہے۔
(۱۵۶) وَاكۡتُبۡ لَنَا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ اِنَّا هُدۡنَاۤ اِلَيۡكَ ؕ قَالَ عَذَابِیۡۤ اُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَیۡءٍ ؕ فَسَاَكۡتُبُهَا لِلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِنَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۚ	اور ہمارے لئے اس دار دنیا میں اور دوسری دنیا میں بھی نیکی لکھ دے کیونکہ ہم نے تیری طرف بازگشت کی ہے (اللہ نے) فرمایا: میرا عذاب جسے میں چاہوں گا پہنچے گا اور میری رحمت نے ہر چیز کو اپنی وسعت میں لیا ہوا ہے پس میں اسے ان لوگوں کیلئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

تفسیر

معیادگاہ الٰہی میں بنی اسرائیل کے نمائندوں کا حضور

آیات مذکورہ بالا میں قرآن مجید نے دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے کچھ منتخب افراد کے معیادگاہ الٰہی میں

جانے کا ذکر کیا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ معیادگاہ میں گئے یا یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا اس بارے میں مفسرین کے درمیان بحث ہے۔

بہرحال مذکورہ بالا آیات میں پہلے ارشاد ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمیوں کو اپنی قوم میں سے ہماری معیاد کیلئے انتخاب کیا۔

لیکن بنی اسرائیل نے جب خدا کا کلام سنا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس بات کی خواہش کی کہ وہ اپنے کو دکھلا دے اس وقت ایک عظیم زلزلہ رونما ہوا جس کی وجہ سے وہ لوگ ہلاک ہوگئے اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑے جب وہ ہوش میں آئے تو انہوں نے عرض کی خدایا اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پیشتر ہلاک کر دیتا مطلب یہ ہے کہ میں باقی لوگوں کو کیا جواب دوں جن کے نمائندوں پر یہ افتاد آپڑی۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے کہا پروردگارا! یہ بے جا درخواست میری قوم میں سے جو نادان تھے ان کی تھی کیا تو ان کی وجہ سے ہمیں ہلاک کردے گا؟

اس آیت کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کرتے ہیں بارِ الٰہا! صرف تو ہی ہمارا ولی وسرپرست ہے ہمیں بخش دے اور اپنی رحمت ہمارے شامل حال کردے تو بہترین بخشنے والا ہے۔

ان تمام آیتوں اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام ہلاک ہونے والوں کو پھر نئے سرے سے زندگی مل گئی اور وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ ہی بنی اسرائیل کی طرف پلٹ کر آ گئے اور انہوں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ ان سے بیان کیا اور ان بے خبر لوگوں کی ہدایت میں مشغول ہوگئے۔

(۱۵۶) اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے تتمہ کے طور پر ہے جس میں مسئلہ توبہ جس کی طرف سابقہ آیت میں اشارہ ہو چکا ہے کی تکمیل کی غرض سے حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔

خداوندا! اس دنیا میں اور آخرت میں ہمارے لئے نیکی مقرر کردے۔

اس کے بعد اس درخواست کی دلیل اس طرح بیان کرتے ہیں ہم نے تیری طرف بازگشت کی ہے اور جو کلام ہمارے نادانوں نے کیا تھا اور وہ تیرے مقام کے مناسب نہ تھا اس سے ہم معافی کے خواستگار ہیں۔

بہرحال آخرکار اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان کی توبہ قبول ہوئی لیکن کسی قید وشرط کے بغیر نہیں بلکہ اس کے ساتھ بعض شرطیں تھیں جن کا ذکر آیت کے ذیل میں فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

میں اپنا عذاب اور سزا جسے چاہوں گا اور اسے اس سزا کا مستحق پاؤں گا پہنچاؤں گا۔

اس کے بعد اضافہ فرمایا گیا ہے: لیکن میری رحمت ہر چیز کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

لیکن اگر کسی کو یہ خیال گزرے کہ اللہ کی رحمت ہر ایک کیلئے ہے اور ہر شخص بلا کسی قید وشرط کے اس کا مستحق قرار پا سکتا ہے

تو اس توہّم کو دور کرنے کیلئے اس آیت کے آخر میں اضافہ فرمایا گیا ہے:

میں عنقریب اپنی رحمت کو ان لوگوں کیلئے لکھوں گا جن میں تین صفتیں پائی جاتی ہیں۔

1۔............وہ تقویٰ کو اختیار کرتے ہوں

2۔............زکوٰۃ ادا کرتے ہوں

3۔............اور ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہوں۔

(۱۵۷)اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ ۫ یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ كَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَ عَزَّرُوۡهُ وَ نَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۟	جو لوگ (خدا کے اس) فرستادہ نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کی صفات وہ اپنے پاس توریت وانجیل میں پاتے ہیں اور یہ نبی انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے روکتا ہے پاکیزہ چیزیں ان کیلئے حلال قرار دیتا ہے ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور وہ ان کے کاندھوں سے بوجھ ہٹاتا ہے اور ان تمام طوق وسلاسل کو ان سے الگ کرتا ہے جنھوں نے بشریت کے جسم اور فکر کو() پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کی حمایت کی اور اس کی مدد کی اور اس جاہلانہ عقائد ورسوم کی زنجیروں سے) جکڑ دیا تھا پس جو لوگ ایمان لائے ،اور انہوں نے اس کی حمایت ومدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس پر نازل ہوا ہے وہ کامیاب ہیں۔

تفسیر

پیغمبر کی پیروی کرو

موجودہ آیت دراصل اس گذشتہ آیت کی تفصیل وتکمیل ہے جس میں ان لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہیں جنھیں اللہ کی وسیع رحمت میسر ہے یعنی تقویٰ ادائے زکوٰۃ اور آیات الٰہی پر ذکر کیا گیا ہے اور وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی پیروی کرنا ہے کیونکہ خدا پر ایمان لانا پیغمبر پر ایمان لانے اور اان کی پیروی کرنے سے جدا نہیں ہے اسی طرح تقویٰ اور زکوٰۃ بھی رسول اکرم ﷺ کی پیروی اور رہبری کے بغیر مکمل نہیں ہے۔

اس لئے فرمایا وہ لوگ اس رحمت الٰہی میں داخل ہیں جو پروردگار عالم کے اس فرستادہ رسول کی پیروی کریں۔

اس کے بعد اس رسول کے متعلق خداوند کریم رسالت کے علاوہ چھ صفتیں بیان فرماتا ہے۔

1۔ وہ اللہ کا پیغمبر ہے۔

نبی اس شخص کو کہتے ہیں جو خدا کا پیغام بیان کرے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے چاہے اسے دعوت الحق اور تبلیغ کا حکم نہ دیا جائے لیکن رسول وہ شخص ہے جسے مقام نبوت پر فائز ہونے کے ساتھ دعوت الحق اور آئین الٰہی کی تبلیغ کرنے اور اس راہ میں قیام کرنے کا حکم بھی ملا ہو۔

2۔ ایسا پیغمبر جس نے کسی سے درس نہیں پڑھا اور عام لوگوں میں سے مبعوث ہوا اس نے سرزمین مکہ ام القریٰ سے توحید الٰہی کا حقیقی آفتاب بن کر طلوع کیا ہے۔

3۔ نیز یہ ایسا پیغمبر ہے جس کی صفات علامتیں اور اس کی حقانیت کی نشانیاں گذشتہ آسمانی کتابوں توریت انجیل وغیرہ میں لوگ پاتے ہیں۔

4۔ وہ ایسا پیغمبر ہے جس کی دعوت کا مفہوم عقل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے وہ ان نیکیوں کی طرف جن کی عقل گواہی دیتی ہے لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور تمام برے کاموں سے جن سے عقل منع کرتی ہے روکتا ہے۔

5۔ اس کی دعوت کا مفہوم فطرت سلیم سے بھی ہم آہنگ ہے چنانچہ وہ تمام پاک و پاکیزہ چیزوں کو جن کو طبع سلیم پسند کرتی ہے لوگوں کیلئے پسند کرتا ہے اور وہ ان کیلئے حلال قرار دیتا ہے اور جو چیز خبیث اور قابل نفرت ہے اسے لوگوں پر حرام قرار دیتا ہے۔

6۔ وہ ان جھوٹے نبیوں کی طرح نہیں ہے جن کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ سادہ لوح افراد کو پھانسیں اور ان سے ناجائز فوائد حاصل کریں یہ نبی صرف اتنا ہی نہیں کہ ان کے کندھے پر کسی قسم کا بار نہیں رکھتا بلکہ ان کے دوش سے بھاری بوجھ اتارتا ہے اور ان تمام طوق و سلاسل کو ان سے الگ کرتا ہے جنہوں نے بشریت کے ہاتھوں اور پیروں کو جاہلانہ عقائد و رسوم کی زنجیروں سے جکڑ دیا تھا۔

چونکہ یہ چھ صفات مقام رسالت کو ملانے کے بعد سات صفتیں بنتی ہیں یہ سب رسول اکرمﷺ کے دعوے کی روشن دلیلیں ہیں اس لئے اضافہ فرمایا گیا ہے جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کے درجہ کو بلند سمجھیں اور تبلیغ رسالت میں اس کی مدد کریں اور اس آشکار نور (یعنی قرآن مجید) کی پیروی کریں جو اس پر نازل ہوا ہے بلاشبہ ایسے افراد کامیاب ہیں۔

چند قابل توجہ امور

ا۔ آنحضرتﷺ کی نبوت پر ایک آیت میں پانچ دلیلیں

اول یہ کہ وہ اُمی تھے یعنی انہوں نے کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا اس کے باوجود انہوں نے ایسی کتاب پیش کی

جس نے نہ صرف اہل حجاز کی قسمت بدل دی بلکہ وہ تاریخ بشریت میں سب کی توجہ کا مرکز بنی۔

دوم یہ کہ اس کی نبوت کی دلیلیں مختلف الفاظ میں گذشتہ آسمانی کتابوں میں پائی جاتی ہیں جس سے ایک حق طلب انسان کو اس کی حقانیت کا پتہ ملتا ہے اور وہ مطمئن ہوجاتا ہے۔

سوم یہ کہ اس کی دعوت کے جو اصول ہیں وہ عقل و دانش کے مطابق ہیں۔

چہارم یہ کہ اس کی دعوت کے اصول طبع سلیم اور فطرت انسانی کے ساتھ بھی ہم آہنگ ہیں۔

پنجم یہ کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے فرستادہ نہ ہوتے تو یہ بات حتمی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے بڑے کام کے پردہ میں اپنی ذاتی منافع کو پیش نظر رکھا اور اگر ایسا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف لوگوں کو ان کے قید و بند سے آزاد نہ کرواتے بلکہ انہیں اسی عالم غفلت و بے خبری میں پڑا رہنے دیتے اس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے زیادہ ناجائز فائدے حاصل کر سکتے تھے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشریت کے ہاتھ پاؤں سے بھاری زنجیروں کو الگ کر دیا ہے۔

جن زنجیروں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاٹا ان میں سے بعض یہ ہیں۔

جہل و نادانی کی زنجیریں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کاٹا کہ لوگوں کو علم و دانش کی طرف مسلسل اور ہمہ گیر دعوت دی۔

بت پرستی اور خرافات پرستی کی زنجیریں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت توحید کے ذریعے کاٹا قبائلی تعصب کی زنجیریں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں ختم کیا کہ انہیں اخوت اسلامی کی تعلیم دی۔

(۲) کتب عہدین میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی بشارتیں

اگرچہ اس بات کے یقینی قرآئن موجود ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابیں توریت و انجیل وہ اصلی کتابیں نہیں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے نازل ہوئی تھیں بلکہ انسان کا دست تحریف ان کی طرف دراز ہوا ہے ان کتابوں میں سے کچھ حصہ بالکل ضائع ہوگیا ہے اور اس وقت جو لوگوں کے پاس موجود ہے وہ ایک مخلوط و مرکب کتاب ہے جس میں کچھ ایسے افکار ہیں جو ذہن انسانی کی پیداوار ہیں اور کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ تعلیمات ہیں جو ان دونبیوں پر نازل ہوئی تھیں اور ان کے شاگردوں کے پاس موجود تھیں۔

(۱۵۸) قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا ۨالَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ‌ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَ يُمِيۡتُ‌ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهِ النَّبِىِّ الۡاُمِّىِّ الَّذِىۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ	کہہ دواے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوں وہ اللہ جس کے قبضہ قدرت میں زمین و آسمان کی حکومت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جلاتا اور مارتا ہے پس اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جس نے کسی کے آگے درس نہیں پڑھا ہے وہ اللہ اور اس کے کلموں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پا جاؤ۔

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمگیر دعوت

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ایک حدیث میں ہے۔

کچھ یہودی حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کی: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا تمہی وہ شخص ہو جس نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ اللہ کا فرستادہ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح تم پر وحی نازل ہوتی ہے؟

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوڑا سکوت کیا اس کے بعد فرمایا:

ہاں میں ہوں سید اولاد آدم، لیکن اس پر فخر نہیں کرتا میں ہی خاتم الانبیاء امام اتقیاء اور رسول پروردگار عالم ہوں۔

انہوں نے پوچھا تم کس کی طرف بھیجے گئے ہو؟ عرب کی طرف یا عجم کی طرف یا ہماری طرف؟

ان کے اس سوال کے جواب میں یہ آیہ مذکورہ بالا نازل ہوئی جس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ آپ کی رسالت تمام جہانوں کیلئے ہے۔

ابتدا میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

یہ آیت بھی دیگر بہت سی قرآنی آیات کی طرح آیت کی دلیل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت عالمی اور جہانی تھی۔

وہ خدا جس کے قبضہ قدرت میں آسمانوں اور زمینوں کی حکومت ہے۔

وہ خدا جس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ایسا موجود نہیں ہے جو پرستش کیلئے سزاوار ہو۔

ایسا خدا جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور زندگی اور موت کا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔

آخر میں تمام اہل جہان کو دعوت دی گئی ہے کہ ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے اس رسول پر جس نے کسی سے درس نہیں پڑھا اور وہ عام لوگوں کے گروہ میں سے مبعوث ہوا ہے۔

ایک ایسا پیغمبر جو صرف دوسرے لوگوں کو ہی ان حقائق کی دعوت نہیں دیتا بلکہ پہلے وہ اپنی بات پر یعنی خدا اور اس کے فرمانوں پر ایمان رکھتا ہے۔

وہ صرف ان آیات کو قبول نہیں کرتا کہ جو اس کے اوپر نازل ہوئی ہیں بلکہ وہ تمام سچے گذشتہ نبیوں کو بھی مانتا ہے۔

ہاں ایسے پیغمبر کی پیروی کرو تا کہ ہدایت کا نور تمہارے دلوں میں چمک اٹھے اور تم سعادت کے راستے پر چل پڑو۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تنہا ایمان کافی نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت مفید ہے جب عملی پیروی کے ساتھ ساتھ ہو۔ اسی صورت میں یہ ایمان مکمل ہوگا۔

(۱۵۹)وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰٓى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَ بِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ	اور قوم موسیٰ میں سے ایک گروہ حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اور اسی حق کے ساتھ عدالت کرتا ہے۔
(۱۶۰)وَ قَطَّعۡنٰهُمُ اثۡنَتَىۡ عَشۡرَةَ اَسۡبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰٓى اِذِ اسۡتَسۡقٰٮهُ قَوۡمُهٗۤ اَنِ اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ‌ۚ فَانۡۢبَجَسَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا‌ ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ‌ ؕ وَ ظَلَّلۡنَا عَلَيۡهِمُ الۡغَمَامَ وَ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الۡمَنَّ وَ السَّلۡوٰى‌ ؕ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ‌ ؕ وَ مَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ	اور ہم نے انہیں بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا جس میں سے ہر ایک گروہ (بنی اسرائیل کے خاندانوں کی) ایک شاخ تھا اور جس وقت قوم موسیٰ نے (جو بیابان میں تشنہ کام تھی) موسیٰ سے پانی کا مطالبہ کیا تو ہم نے ان (موسیٰ) کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو ناگہاں اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اس طرح کہ ہر گروہ اپنے چشمہ کو پہچانتا تھا اور ہم نے بادل کو ان کے اوپر سایہ فگن کیا اور ہم نے ان پر من وسلویٰ نازل کیا اور ان سے کہا کہ ہم نے جو پاکیزہ روزی تمہیں عطا کی ہے اس میں سے کھاؤ (انہوں نے ناشکری کی) لیکن انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنی جانوں پر ستم ڈھایا۔

تفسیر

پہلی آیت میں ایک ایسی واقعیت کی طرف اشارہ ہے جس کی شبیہ اور مثل ہم قرآن میں دیکھ چکے ہیں یہ ایک ایسی واقعیت ہے جو قرآن کریم کی روح حق طلبی کی حمایت کرتی ہے یعنی نیکی کردار اقلیتوں کا پاس ولحاظ یعنی ایسا نہ تھا کہ بنی اسرائیل تمام کے تمام فاسد و مفسد تھے جس کے نتیجے میں یہ قوم ایک سرکش و گمراہ قوم کی حیثیت سے پہچانی جائے بلکہ ان کی فتنہ انگیز اکثریت کے مقابلے میں ان کی ایک ایسی اقلیت بھی تھی جو صالح تھی اور وہ اکثریت کے مذاق کی برخلاف تھی قرآن اس صالح اقلیت کیلئے اک خاص اہمیت کا

قائل ہے وہ کہتا ہے اور قوم موسیٰ علیہ السلام میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی طرف دعوت دیتا ہے اور حق وعدالت کے ساتھ حاکم ہے۔

ممکن ہے اس آیت کے ذریعے ان تھوڑے سے افراد کی طرف اشارہ مقصود ہو جنہوں نے سامری کے حکم کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا بلکہ وہ ہر حال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغام کے حامی وطرفدار تھے یا اس سے وہ صالح گروہ مراد ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد برسر عمل آیا۔

(۱۶۰) اس آیت میں ان چند نعمتوں کا ذکر ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل کو عطا فرمائی تھیں۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ گروہوں میں تقسیم کیا۔

بنی اسرائیل کو ملنے والی دوسری نعمت یہ تھی کہ وہ جس وقت اس تپتے ریگستان میں بیت المقدس کی طرف سفر کر رہے تھے اور انہیں خطرناک اور جان لیوا تشنگی نے آ لیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی طلب کیا تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو انہوں نے جب یہ عمل کیا تو ناگہاں اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

اور یہ چشمے اس طرح سے ان کے درمیان تقسیم کر دیئے گئے کہ ان میں سے ہر ایک بخوبی اپنے چشمے کو جانتا پہچانتا تھا۔

ایک اور نعمت اللہ کی طرف سے ان کو ملی تھی جبکہ وہ انتہائی گرم اور جھلسانے والے بیابان میں سرگرداں تھے اور ان کیلئے سر چھپانے کی کوئی پناہ گاہ نہ تھی وہ یہ تھی کہ ہم نے ان کے اوپر بادل سایہ فگن کیا۔

بالآخر چوتھی نعمت ان کیلئے یہ تھی کہ من وسلوہ کو دو لذیذ اور مقوی غذاؤں کے طور پر ان کیلئے بھیجا۔

اور ہم نے ان سے کہا کہ جو پاک وپاکیزہ غذائیں ہم نے تم کو عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ اور خدا کے فرمان پر چلو۔

لیکن انہوں نے کھایا اور ناشکری کی ان لوگوں نے ہم پر ستم نہیں کیا بلکہ خود اپنی جانوں پر ستم ڈھایا۔

(۱۶۱) وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَ كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ	اور وہ وقت یاد کرو جب ان لوگوں سے یہ کہا گیا کہ اس قریہ (بیت المقدس) میں سکونت اختیار کرو اور ہر جگہ سے (اور ہر طرح سے) جیسا چاہو کھاؤ (اور فائدہ حاصل کرو) اور یہ کہو کہ بارالہا! ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور دروازہ (بیت المقدس) میں تواضع و فروتنی کے ساتھ داخل ہو جاؤ اگر ایسا کرو گے تو میں تمہارے گناہوں کو بخش دوں گا اور نیک کام کرنے والوں کا صلہ زیادہ عطا کروں گا۔

(۱۶۲) فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ۠	لیکن ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے (اپنے اوپر) ظلم وستم کیا تھا انہوں نے اس بات (اور طے شدہ پروگراموں) کو الٹ پلٹ کر دیا اور جو بات ان سے کہی گئی تھی انہوں نے اس کے خلاف کیا لہٰذا جو ستم انہوں نے کیا تھا ہم نے اس کی وجہ سے ان پر آسمان سے بلا نازل کی۔

تفسیر

پچھلی آیات کا تسلسل باقی رکھتے ہوئے ان دو آیتوں میں بھی پروردگار عالم نے بنی اسرائیل کیلئے اپنی نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے اپنی سرکشی اور طغیان کے ذریعے کس طرح اس کا بدلہ دیا۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: اس وقت کو یاد کرو جب ان لوگوں سے کہا گیا کہ اس سرزمین بیت المقدس میں سکونت اختیار کرو اور وہاں کی بکثرت نعمتوں سے ہر جگہ سے جس طرح چاہو استفادہ کرو۔

اور ہم نے ان سے کہا خدا سے اپنے گناہوں کے جھڑنے اور اپنی خطاؤں کے بخشے جانے کی درخواست کرو اور بیت المقدس میں بڑی فروتنی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

پس اگر تم نے اس بات پر عمل کیا تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور تم میں سے جو نیکوکار ہیں انہیں بہتر بدلہ عطا کریں گے۔

لیکن باوجود اس کے کہ اللہ کی رحمت کے دروازے ان پر کھول دیئے گئے تھے اور انہیں اس بات کا موقع دیا گیا تھا کہا گروہ اس موقع سے استفادہ کریں تو اپنے گذشتہ اور آئندہ اعمال کی اصلاح کر لیں مگر بنی اسرائیل کے ظالموں نے نہ صرف یہ کہ اس موقع سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ انہوں نے فرمان پروردگار کے برعکس عمل کیا۔

آخر کار ان کی اس نافرمانی اور اپنی جانوں پر ستم کرنے کی وجہ سے ہم نے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔

"حطة" کیا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟

کلمہ "حطة" جو بیت المقدس پہنچنے کے وقت ان لوگوں کا نعرہ تھا "مسئلتنا حطة" کا مخفف تھا جس کے معنی ہیں "ہم اپنے گناہوں کے جھڑنے کا سوال کرتے ہیں" کیونکہ "حطة" کے معنی کسی چیز کے اوپر سے نیچے کی طرف آنے کے ہیں۔

(١٦٣)وَ اسۡـَٔلۡهُمۡ عَنِ الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡ كَانَتۡ حَاضِرَةَ الۡبَحۡرِ ۘ اِذۡ يَعۡدُوۡنَ فِى السَّبۡتِ اِذۡ تَاۡتِيۡهِمۡ حِيۡتَانُهُمۡ يَوۡمَ سَبۡتِهِمۡ شُرَّعًا وَّ يَوۡمَ لَا يَسۡبِتُوۡنَ ۙ لَا تَاۡتِيۡهِمۡ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبۡلُوۡهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ	اوران سے سوال کرواس شہر کی سرگزشت کے متعلق جوسمندر کے کنارے آباد تھا (اورانہیں وہ وقت کو یاددلاؤجب) وہ ہفتہ کے دن (خدا کے قانون کے خلاف) طغیان وسرکشی کرتے تھے جس وقت ان کی مچھلیاں ہفتہ کے روز ظاہر ہوتی تھیں (جوان کی چھٹی کا دن تھا) اس کے علاوہ دوسرے روز وہ ان کے پاس نہیں آتی تھیں اس طرح ہم نے ان کی آزمائش کی جس کے مقابلے میں وہ نافرمانی کرتے تھے۔
(١٦٤)وَ اِذۡ قَالَتۡ اُمَّةٌ مِّنۡهُمۡ لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمًا ۙ اللّٰهُ مُهۡلِكُهُمۡ اَوۡ مُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ قَالُوۡا مَعۡذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمۡ وَ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ	(اور اس وقت کو یاد کرو) جب ان میں سے ایک گروہ نے (دوسرے سے کہا) کہ تم گنہگاروں کو کیوں موعظہ کرتے ہو جنہیں خدا آخرکار ہلاک کرنے والا ہے یا شدید عذاب کرنے والا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ہم برائی سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ اللہ کے سامنے اپنی ذمہ داری ادا کرنے کیلئے ہیں (علاوہ ازیں) شاید وہ ان (نصیحتوں) کی بناء پر تقویٰ اختیار کریں۔
(١٦٥)فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖۤ اَنۡجَيۡنَا الَّذِيۡنَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ وَ اَخَذۡنَا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيۡسٍۭ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ	لیکن جب انہوں نے ان تمام نصیحتوں کو فراموش کردیا جوانہیں وقتاً فوقتاً دی جاتی رہیں تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو (لوگوں کو) برائی سے منع کرتے رہے تھے اور جن لوگوں نے ستم کیا تھا انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے شدید عذاب میں مبتلا کر دیا۔

(۱۶۶) فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ قُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِئِيۡنَ	جب ان لوگوں نے اس فرمان کے مقابلی میں سرکشی کی جوانہیں دیا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا کہ بندروں کی شکل میں ہو کر دور ہو جاؤ۔

تفسیر

ایک عبرت انگیز سرگزشت

ان آیات میں بنی اسرائیل کی ایک اور پر حوادث سرگزشت کا ذکر ہے اس میں بنی اسرائیل کی اس جماعت کا تذکرہ ہے جو سمندر کے کنارے رہتی تھی مگر یہ کہ ان آیات میں خطاب پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم سے ہے اور ان سے کہا گیا ہے تا کہ تم اپنے زمانے کے یہودیوں سے ان لوگوں کے متلعق سوال کرو

پہلی آیت میں اارشاد ہوتا ہے جو یہودی تمہارے زمانہ میں موجود ہیں ان سے اس شہر کے ماجرے کے متعلق سوال کرو جو سمندر کے کنارے آباد تھا۔

کیونکہ ہفتہ کے روز ان کی تعطیل کا دن تھا جس میں ان کو یہ حکم ملا تھا کہ اس روز وہ اپنا کاروبار ترک کر دیں اور عبادت خدا میں مشغول ہوں لیکن انہوں نے اس حکم کی طرف کوئی توجہ نہ دی اس کے بعد قرآن کریم اس جملے کی جو اجمالی طور پر پہلے گزر چکا ہے اس طرح شرح کرتا ہے کہ یاد کرو جب ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی کے اوپر ظاہر ہوتی تھیں اور دوسرے دنوں میں وہ کم دکھلائی دیتی تھیں۔

بہر حال یہ کیفیت چاہے کسی فطری امری کے نتیجہ میں ہو یا کوئی خلاف معمول الٰہی بابت ہو اس سے ان لوگوں کی از مائش مطلوب تھی جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے۔

ہم نے اس طرح ان لوگوں کی آزمائش کی اس چیز کے ذریعے جس کی وہ مخالفت کرتے تھے۔

چند قابل توجہ باتیں

۱۔ بنی اسرائیل نے کس طرح گناہ کیا تھا؟

اس امر میں کہ بنی اسرائیل نے کس وقت قانون شکنی کی مفسرین کے درمیان بحث ہے بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے سمندر کے کنارے بہت سے حوض بنا لئے تھے اور انہیں نہروں کے ذریعے سمندر سے ملا دیا تھا ہفتہ کے روز ان حوضوں کے راستے کھول دیتے تھے پانی کے ساتھ مچھلیاں ان حوضوں کے اندر آ جاتی تھیں

ممکن ہے کہ یہ تمام روایات صحیح ہوں اس طرح کہ ابتدا میں حوضوں یا قلابوں کے ذریعے ہیلے سے شکار کرتے ہوں جب اس طرح سے ان کی نظر میں گناہ کی اہمیت کم ہو گئی ہو تو پھر انہوں نے اعلانیہ گناہ کرنا شروع کر دیا ہو اور ہفتہ کے دن کی رحمت کو ضائع کر

کے مچھلی کی تجارت سے مالدار ہو گئے ہوں۔

(۱۶۴) جس وقت بنی اسرائیل اس بڑی آزمائش سے دوچار ہوئے جوان کی زندگی کے ساتھ وابستہ تھی تو وہ تین گروہوں میں بٹ گئے۔

اول جن کی اکثریت تھی وہ لوگ تھے جنہوں نے اس فرمان الٰہی کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔

دوم جو حسب معمولی ایک چھوٹی اقلیت پر مشتمل تھا وہ گروہ اول کے مقابلے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرعی ذمہ داری ادا کرتا تھا۔

سوم یہ وہ لوگ تھے جو ساکت اور غیر جانبدار تھے یہ نہ تو گنہگاروں کے ساتھ تھے اور نہ انہیں گناہوں سے منع کرتے تھے۔

دوسری زیر بحث آیت میں اس گروہ نے دوسرے گروہ سے جو گفتگو کی ہے اسے نقل کیا گیا ہے اس وقت کو یاد کرو جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے سے کہا تم ان لوگوں کو کوئی وعظ و نصیحت کرتے ہو جنہیں آخر کار خدا ہلاک کرنے والا ہے یا دردناک عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے۔

انہوں نے جواب میں کہا ہم اس لئے برائی سے منع کرتے ہیں کہ خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کو ادا کریں اور وہ اس بارے میں ہم سے کوئی باز پرس نہ کرے علاوہ ازیں شاید ان کے دلوں میں ہماری باتوں کا کوئی اثر بھی ہو جائے اور وہ طغیان و سرکشی سے ہاتھ اٹھالیں۔

مذکورہ بالا جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نصیحت کرنے والے دو اغراض کے ماتحت یہ کام انجام دیتے تھے ایک تو یہ کہ خدا کے سامنے وہ معذور قرار پا جائیں کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری کو ادا کر دیا ہے دوسرے یہ کہ شاید گنہ گاروں کے دل میں یہ بات اتر جائے اکے معنی یہ ہیں کہ اگر احتمال تاثیر نہ بھی ہو تب بھی نصیحت کرنا چاہئے جبکہ مشہور یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کی اولین شرط یہ ہے کہ احتمال تاثیر ہو۔

(۱۶۵) یہ آیت کہتی ہے کہ آخر کار دنیا پرستی نے ان پر غلبہ کیا اور انہوں نے خدا کے فرمان کو فراموش کر دیا اس وقت ہم نے ان لوگوں کو جو لوگوں کو گناہ سے منع کرتے تھے نجات دی لیکن گناہگاروں کو ان کے گناہ کے سبب سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔

(۱۶۶) اس کے بعد انہیں سزا دیئے جانے کی کیفیت اس طرح بیان فرمائی گئی ہے انہوں نے اس بات کے مقابلے میں سرکشی کی جس سے انہیں روکا گیا تھا (لہٰذا) ہم نے ان سے کہا دھتکارے ہوئے بندروں کی شکل میں ہو جاؤ۔

ظاہر ہے کہ امر ''کونوا'' ہو جاؤ یہاں پر ایک فرمان تکونی ہے۔

۲۔ کن لوگوں کو عذاب سے نجات ملی؟

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تین گروہ تھے۔

۱............افراد گناہ گار

۲...........سکوت کرنے والے

۳...........نصیحت کرنے والے

ان میں سے تیسرے گروہ کو عذاب الٰہی سے رہائی نصیب ہوئی اور جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ ان کی بات نہیں مانتے اور برابر گناہ میں مشغول ہیں تو انہیں دکھ ہوا اور انہوں نے کہا اب ہم شہر سے باہر چلے جاتے ہیں اب ہم تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہیں گے چنانچہ وہ لوگ رات کے وقت شہر سے باہر جنگل میں چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد عذاب خدا نازل ہو گیا جس نے باقی دونوں گروہوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

(۱۶۷)وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۚۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	(اور اس وقت کو بھی یاد کرو) جب تیرے پروردگار نے یہ خبر دی کہ وہ قیامت تک کیلئے ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کردے گا جو انہیں ہمیشہ سخت عذاب دیں گے بے شک تیرا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے (اور توبہ کرنے والوں کیلئے) بڑا بخشنے والا اور مہربان (بھی) ہے۔
(۱۶۸)وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِکَ ۫ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ	اور ہم نے انہیں زمین پر مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں کچھ گروہ نیکو کار اور کچھ اس کے علاوہ ہیں اور ہم نے ان کی آزمائش کی نیکیوں اور بدیوں کے ذریعے کہ شاید وہ (ہماری طرف) پلٹیں۔

تفسیر

یہودیوں کا پراگندہ ہونا

درحقیقت ان آیات میں قوم یہود کی ان دنیوی سزاؤں کا ایک حصہ بیان کیا گیا ہے جو انہیں اس وجہ سے دی گئیں کہ انہوں نے فرمان الٰہی کا مقابلہ اپنی نافرمانی اور سرکشی سے کیا اور حق وعدالت کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا۔

سب سے پہلے ارشاد ہوتا ہے وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے یہ خبر دی تھی کہ اس گنہگار قوم پر کچھ ایسے لوگوں کو

مسلط کرے گا جو قیامت تک کیلئے انہیں عذاب دیتے رہیں۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سرکش گروہ قیامت تک راحت و آرام نہ پائے گا چاہے اپنے لئے ایک حکومت وسلطنت بنا لے اس کے باوجود ہمیشہ اغیار کے دباؤ اور رنج والم میں مبتلا رہے گا حالانکہ یہ قوم واقعاً اپنا طریقہ کار بدلے اور ظلم وفساد سے اپنا ہاتھ روک لے۔

آیت کے آخر میں اضافہ فرمایا گیا ہے تمہارا پروردگار ایسا ہے کہ مستحقین عذاب کیلئے اس کی سزا میں بھی جلدی ہے اور توبہ کرنے والوں کیلئے اس کی بخشش ومہربانی بھی۔

اس جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ خداوند کریم نے ان کیلئے واپسی کا راستہ کھلا رکھا ہے تا کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ قسمت کے لکھے کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوئی کہ وہ بدبخت ہوکر الٰہی سزا کے مستوجب بنے۔

(۱۶۸) اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہودی سارے جہاں میں کس طرح تتر بتر ہو گئے ہم نے انہیں زمین میں تتر بتر کر دیا اور وہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے ان میں سے بعض صالح ونیکوکار تھے اسی بناء پر جب انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان حق کو سنا تو وہ فوراً ایمان لے آئے اور بعض دیگر افراد ایسے حق پرست نہ تھے چنانچہ انہوں نے حق کی دعوت کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی مادی زندگی کو اچھا بنانے کیلئے کسی عمل سے دریغ نہیں کیا۔

اس آیت میں یہ حقیقت دوبارہ ظہور پذیر ہو رہی ہے کہ اسلام کو نسل یہود سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور نہ ہی اسلام انہیں ایک خاص مذہب یا خاص مکتب فکر رکھنے کی وجہ سے برا سمجھتا ہے بلکہ ان کی قدر وقیمت ان کے اعمال کے لحاظ سے دیکھی جاتی ہے۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے ہم نے مختلف طریقوں سے (نیکیوں اور برائیوں کے ذریعے) ان کا امتحان لیا کہ شاید وہ پلٹیں۔

کبھی ہم نے انہیں شوق دلایا اور انہیں خوشحالی اور نعمت میں رکھا تا کہ ان میں شکر گزاری کا احساس بیدار ہو اور وہ حق کی طرف پلٹ کر آ جائیں اور کبھی اس کے برخلاف انہیں سختیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا تا کہ وہ غرور وتکبر کی سواری سے اتر آئیں اور اپنی کمزوری وناتوانی کا احساس کریں اور بیدار ہوں اور خدا کی طرف پلٹیں ان دونوں طریقوں کے استعمال کرنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ ان کی اخلاقی تربیت ہو اور وہ حق کی جانب پلٹ کر آئیں۔

(۱۶۹)فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	ان کے بعدان کے وہ فرزندان کے جانشین ہوئے جو(آسمانی) کتاب (توریت) کے وارث بنے (لیکن ان کی یہ حالت ہے کہ) وہ اس دنیائے پست (اور فانی) کے مال ومتاع کو اختیار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ (اگر ہم گنہگار ہیں) تو خدا ہمیں جلد ہی بخش دے گا لیکن اگر اسی طرح کا فائدہ انہیں دوبارہ ملتا تھا تو اسے حاصل کر لیتے تھے (اور حکم خدا کے خلاف عمل کرتے تھے) کیا ان لوگوں نے اپنی آسمانی کتاب (توریت) کے ذریعہ عہد نہیں کیا تھا کہ خدا کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت نہ دیں گے اور سوائے حق کے کوئی بات نہ کہیں گے لیکن ان لوگوں نے بارہا توریت کے مطالب کو پڑھا (اور اور سمجھا تھا لیکن اس کے باوجود ضائع کر دیا) البتہ آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے۔ کیا تم ان کے واضح حقائق کو بھی نہیں سمجھتے۔
(۱۷۰)وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ	اور وہ لوگ جو (خدا کی) کتاب سے تمسک اختیار کریں اور نماز پڑھیں (انہیں بڑا انعام ملے گا کیونکہ) ہم اصلاح کرنے والوں کی جزا ضائع نہیں کرتے۔

تفسیر

پہلے اس بات کی یاد دہانی کروائی گئی ہے کہ ان کے بعدان کی اولادان کی جانشین ہوئی جنھوں نے اپنے اجداد سے کتاب توریت کی میراث پائی لیکن اس کے باوجود وہ اس دنیائے فرومایہ کے زیب وزین پر فریفتہ ہو گئے اور انہوں نے اپنے مادی فائدوں کے بدلے حق وہدایت کو فروخت کر ڈالا۔

خلف (بروزن حرف) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ لفظ غیر صالح اولاد کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ خلف بروزن شرف کے معنی صالح ونیک اولاد کے ہیں۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگ جس وقت اس کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ایک طرف انہیں وجدان منع کرتا ہے اور دوسری طرف ان کے مادی منافع برائی کی طرف دعوت دیتے ہیں تو اس وقت وہ جھوٹی امیدوں کا سہارا لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں اس

وقت تو ہم اس منفعت کو جائز یا ناجائز جس طرح بھی ہو حاصل کرلیں خدائے رحیم ومہربان ہمیں بخش دے گا۔

اس جملے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ اس قسم کے کام کرنے کے بعد زور گزر پشیمانی اور جھوٹی توبہ کی حالت میں مبتلا ہوتے تھے لیکن جیسا کہ قرآن کہتا ہے ان کی یہ ندامت وپشیمانی ناپائیدار ہوتی تھی اسی بنا پر اگر اسی طرح کا فائدہ انہیں دوبارہ ملتا تھا تو اسے وہ حاصل کرلیتے تھے۔ ''عرض'' بروزن ''غرض'' کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو عارضی کم دوام اور ناپائیدار ہو اسی وجہ سے یہ لفظ دنیائے مادی کی چیزوں پر بولا جاتا ہے کیونکہ یہ چیزیں ناپائیدار ہوتی ہیں حالانکہ ایک روز ایسا آنے والا ہے کہ ان کا حساب ہاتھ سے نکل جائے گا اور وہ روز انسان کے اختیار سے اس طرح دور ہو جائے گا کہ اس کے ذرا سے حصہ کے انتظار میں وہ ٹھنڈی آہ بھرے گا اس کے علاوہ اس دنیا میں تمام نعمتیں ناپائیدار اور زوال پذیر ہیں۔

بہر حال اس جملے میں یہودیوں کی جماعت کی رشوت ستانی اور اس کی خاطر تحریف آیات آسمانی اور جو احکام ان کے مفادات سے مطابقت نہ رکھتے ان کی فراموشی کی طرف اشارہ ہے اس بنا پر اس کے بعد ہی فرمایا گیا ہے کیا ان لوگوں نے اپنی آسمانی کتاب توریت کے ذریعہ یہ عہد نہیں کیا تھا کہ خدا کی طرف جھوٹی بات کی نسبت نہیں دیں گے اور حق کے سوا کوئی بات نہیں کہیں گے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے اگر انہیں آیات الٰہی کا علم نہ ہوتا اور لاعلمی کی حالت میں حکم الٰہی کے خلاف یہ کام بجالاتے تو ممکن تھا کہ ان کیلئے عذر تراشی کی مجال ہوتی لیکن قابل اشکال بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے بارہا توریت کے مطابق کو دیکھا اور سمجھا تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے انہیں ضائع کردیا اور اس کے احکام کو پس پشت ڈال دیا۔

آخرکار فرمایا گیا ہے یہ لوگ غلطی پر ہیں یہ اعمال اور مال ومتاع انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے بلکہ آخرت کا گھر پرہیزگاروں کیلئے بہتر ہے۔ آیا تم اتنے واضح حقائق کو بھی نہیں سمجھتے۔

(۱۷۰) اس کے بعد قرآن مذکورہ بالا گروہ کے برخلاف ایک دوسرے گروہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ لوگ نہ صرف ہر قسم کی تحریف اور کتمانِ آیات سے پرہیز کرتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور ان پر حرف بحرف عمل بھی کرتے ہیں قرآن نے اس گروہ کا نام ''مصلحین جہان'' رکھا ہے اور ان کیلئے اہم جزا کا وعدہ کیا ہے ان کے متعلق اس طرح فرماتا ہے جو لوگ کتاب پروردگار سے تمسک اختیار کرتے ہیں۔ اور نماز کو قائم کرتے ہیں ان کیلئے بڑی جزا ہے کیونکہ ہم اصلاح کرنے والوں کا بدلہ ضائع نہیں کریں گے۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ روئے زمین پر اصلاح واقعی کتاب آسمانی سے تمسک کے بغیر ناممکن ہے یہ تعبیر ایک مرتبہ اور اس حقیقت کو بیان کررہی ہے کہ دین ومذہب ایک ایسا نظام العمل نہیں ہے جس کا تعلق محض آخرت یا عالم ماوراء الطبیعت سے ہو بلکہ یہ ایک ایسا آئین ہے جس کا تعلق تمام نوع بشر کی زندگیوں سے ہے کیونکہ یہ مذہب ہی ہے جس کی وجہ سے تمام افراد انسانی میں عدالت صلح رفاہیت آسائش اور آرام کے اصول رائج ہوتے ہیں بلکہ اصلاح کے نام مفہوم میں جتنی چیزیں آسکتی ہیں وہ سب اس میں داخل ہیں۔

(۱۷۱)وَ اِذۡ نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ فَوۡقَهُمۡ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوۡۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ‌ۚ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّ اذۡكُرُوۡا مَا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ‏	(اور اس بات کو بھی یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو ایک سائبان کی طرح ان کے اوپر اس طرح سایہ فگن کیا کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ عنقریب ان کے اوپر آ پڑے گا (اور اس حال میں ہم نے کہا) جو کچھ تمہیں (احکام و فرامین) کی صورت میں دیا گیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو اور اس پر عمل کرو تا کہ پرہیزگار بن جاؤ۔

تفسیر

قوم یہود کے بارے میں آخری بات

یہودیوں کی سرگزشت جو اس سورہ میں بیان کی گئی ہے یہ آیت اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے اس میں یہودیوں کی ایک اور سرگزشت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ ایک ایسی سرگزشت ہے جس میں ایک درس عبرت ہے اور ایک عہد و پیمان کا ذکر بھی ارشاد ہوتا ہے اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے پہاڑ کو ان کے سر کے اوپر قرار دی اس طرح جیسے ایک سائبان سایہ فگن ہو۔

اور اس طرح کہ انہیں لگتا تھا جیسے وہ ان کے سر پر گر پڑے گا وہ یہ دیکھ کر سراسیمہ اور پریشان ہو گئے اور گڑگڑانے لگے۔

اس حال میں ہم نے ان سے کہا ہم نے جو احکام تمہیں دیئے ہیں انہیں مضبوطی سے تھام لو۔

اور جو کچھ ان احکام میں آیا ہے اسے ذہن نشین کر لو تا کہ پرہیزگار ہو جاؤ خدا کی سزا سے ڈرو اور اس کتاب میں ہم نے تم سے جو عہد و پیمان لئے ہیں ان پر عمل کرو۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ساری رسالت نیز دیگر انبیائے الٰہی کی باطل سے جنگیں ان کا طرح طرح کے مصائب اور سختیوں کو برداشت کرنا یہ سب کچھ اسی لئے تھا کہ فرمان خدا کا احترام کیا جائے اور اس کے نتیجے میں حق و عدالت اور طہارت وتقویٰ کے اصول تمام افراد بشر کے درمیان پورے طور سے رائج ہو جائیں اور لوگ اللہ کے سیدھے راستے پر چلنے لگیں

(۱۷۲)وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۙ	اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اولاد آدم کی صلب سے ان کی ذریت کولیا اورانہیں ان کیلئے اپنے نفسوں پر گواہ بنا دیا (پھر ان سے پوچھا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں (خدا نے ایسا کیوں کیا؟) اس لئے کہ وہ قیامت کے دن یہ عذر پیش نہ کریں کہ ہمیں معلوم نہ تھا (اور توحید اور خدا کو جاننے کے فطری عہد سے بے خبر تھے)۔
(۱۷۳)اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ	یا تم یہ نہ کہو کہ ہمارے آباؤ اجداد تو بت پرستی کرتے تھے اور ہم بھی تو ان ہی کی اولاد تھے (لہٰذا ان کی پیروی کرنے کے علاوہ ہمارے لئے اور کوئی راستہ نہ تھا) جو کچھ باطل پرستوں نے کیا۔ کیا ہمیں اس پر سزا دیتا ہے اور ہلاک کرتا ہے؟
(۱۷۴) وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ	اور ہم اپنی آیات کو اس لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں کہ شاید وہ (حق کی) طرف لوٹ آئیں۔

تفسیر

پہلا عہدو پیمان اور عالم ذر

مذکورہ بالا آیات اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ توحید کا اقرار ایک فطری تقاضا ہے اور ہر انسانی روح کی گہرائیوں میں خدا کے وجود کی گواہی موجود ہے اسی بناء پر جو بحث وتمحیص اس سورہ کی گزشتہ آیات میں توحید استدلال کے بارے میں کی گئی ہے یہ ان تکمیل کرتی ہیں۔

اس آیت میں خدا پیغمبر اکرم ﷺ سے مخاطب ہے پہلے فرمایا گیا ہے اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اولاد آدم کی صلب سے ان کی ذریت کولیا اور پھر انہیں ظاہر کیا اور انہیں خود ان کا گواہ بنا کر ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو انہوں نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو ہمارا پروردگار ہے۔

اس کے بعد مسئلہ توحید کے سلسلے میں سوال و جواب اور اولاد آدم سے عہد و پیمان لینے کے مقصد کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے فرمایا ہے یہ کام خدا نے اس لے انجام دیا تا کہ قیامت کے دن وہ یہ نہ کہیں کہ ہم تو اس حقیقت توحید وخداشناسی سے ناآشنا تھے۔
خدا نے ان لوگوں سے جو وعدہ لیا تھا اس میں ایک اور بھی مقصد پوشیدہ تھا جس کا دوسری آیت میں اشارہ ملتا ہے۔

(۱۷۳)ارشاد باری تعالیٰ ہے یہ عہد و پیمان ہم نے اس لئے لیا تھا تا کہ وہ یہ نہ کہیں کہ ہمارے آباءاجداد چونکہ ہم سے پہلے بت پرست تھے اور ہم بھی کیونکہ انہی کی اولاد تھے اس لئے ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم ان کی پیروی کرتے تو کیا خدا ہمیں ان لوگوں کے باعث سزا دیتا ہے جنہوں نے بے ہودہ کام کیا۔

(۱۷۴) ہاں ہم اپنی آیات اس لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ یہ لوگ اچھے طرح سمجھ لیں کہ توحید کا نور اور روشنی ابتداء ہی سے ان کی روح میں موجود تھی شاید وہ ان حقائق کی طرف توجہ کرتے ہوئے حق کی طرف پلٹ آئیں۔

(۱۷۵) وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ	اوران کیلئے اس شخص کی سرگزشت پڑھو کہ جسے ہم نے خود اپنی آیات دیں لیکن (بالآخر) وہ ان (کے حکم) سے نکل گیا اور شیطان نے اس پر غلبہ پالیا اور وہ گمراہوں میں سے ہوگیا۔
(۱۷۶)وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ	اور اگر ہم چاہتے تو اس (کے مقام) کو ان آیات (اور علوم و دانش) کے ساتھ اوپر لے جاتے لیکن وہ پستی کی طرف مائل ہوا اور اس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی اور وہ (باؤلے) کتے کی مانند ہے کہ اگر اس پر حملہ کرو تو اپنا منہ کھول دیتا ہے اور زبان باہر نکال دیتا ہے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو پھر بھی یہی کام کرتا ہے (گویا دنیا پرستی کا اتنا پیاسا ہے کہ کبھی سیراب نہیں ہوتا) اور اس گروہ کی مانند ہے کہ جس نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ یہ کہانیاں (ان سے) بیان کرو شاید وہ غور وفکر کریں (اور ہوش میں آجائیں)۔
(۱۷۷)سَآءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ	کتنی بڑی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں لیکن وہ تو خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

اور جسے خدا ہدایت کرے (حقیقی) ہدایت پانے والا وہی ہے اور جنہیں (ان کے اعمال کی وجہ سے) گمراہ کرے وہ (واقعی) خسارے میں ہیں۔	(۱۷۸)مَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِیۡ ۚ وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ

تفسیر

ایک عالم جوفرعونوں کا خدمت گار ہے

پہلی آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے اس شخص کا واقعہ جسے ہم نے اپنی آیات دی تھیں لیکن بالآخر وہ ان سے بھٹک گیا اور شیطانی وسوسوں میں گرفتار ہو کر گمراہوں کے زمرے میں داخل ہو گیا ان سے بیان کرو۔

(۱۷۶)اس آیت میں اس بات کی اس طرح تکمیل ہے کہ اگر ہم خود چاہتے تو اسے جبراً حق کی راہ پر قائم رکھ سکتے تھے اور ان آیات وعلوم کے ذریعہ اسے بلند مقام دے سکتے تھے۔لیکن یہ مسلّم ہے کہ جس پروردگار کی سنت انسان کو ارادہ فیصلہ کی آزادی و اختیار دینا ہے افراد کو جبراً حق کی راہ پر چلانا اس کی اس سنت سے مناسبت نہیں رکھتا اور یہ بات کسی کی شخصیت وعظمت کی نشانی نہیں بن سکتی لہٰذا بلاتوقف مزید ارشاد ہوتا ہے ہم نے اسے اس کے اختیار پر چھوڑ دیا اور وہ بجائے اس کے کہ اپنے علوم و دانش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر روز بلند تر مقام کی طرف بڑھتا پستی کی طرف جھکا اور ہوا وہوس کی پیروی کی وجہ سے اپنے تنزل کی جانب مائل ہوا۔

اس کے بعد اس شخص کو کتے سے تشبیہ دی ہے ایسا کتا جو اپنی زبان پیاسے جانوروں کی طرح ہمیشہ باہر نکالے رکھتا ہے ارشا د ربانی ہے وہ کتے کی طرح ہے اگر اس پر حملہ کرو تو اس کا منہ کھلا ہوا ہے اور زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور اگر اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیں تو بھی اسی طرح رہتا ہے۔

اس نے لذت پرستی کی شدت اور اس مادی دنیا کی بے تحاشا محبت سے مغلوب ہو کر ایک لامحدود اور نہ ختم ہونے والی پیاس کی حالت اپنا رکھی ہے کہ ہمیشہ وہ دنیا پرستی کے پیچھے لگا رہتا ہے کسی ضرورت کے تحت نہیں بلکہ ایک بیمار کی طرح باؤلے کتے کی مانند کہ جس پر باؤلے پن کی وجہ سے پیاس کی ایک چھوٹی کیفیت طاری رہتی ہے اور وہ کسی وقت بھی سیراب نہیں ہوتا یہی حالت ان دنیا پرستوں اور پست ہمت ہوا وہوس کے بیچاریوں کی ہے کہ جنہیں دنیا کی جتنی بھی آسائشیں میسر ہوں لیکن ان کی نیت سیر نہیں ہوتی۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ یہ مثال کسی مخصوص شخص کے ساتھ منسوب نہیں بلکہ یہ ان تمام گروہوں کی مثال ہے جو آیات خدا کو جھٹلاتے ہیں۔

یہ واقعات ان کے سامنے بیان کرو ہو سکتا ہے کہ وہ اس پر سوچ بچار کریں اور صحیح راستے کا یقین کر لیں۔

دنیا پرست اور منحرف عالم یلعم باعورا

جیسا کہ آپ نے دیکھا اوپر والی آیات میں کسی کا نام نہیں لیا گیا بلکہ ایک عالم کے متعلق گفتگو ہوئی ہے جو پہلے حق کے

راستے پر گامزن تھا اور کوئی اس کے بارے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی دن یہ حق سے منحرف ہو جائے گا لیکن آخرکار دنیا پرستی اور خواہشات نفسانی اس پر غلبہ پائے اور اسے پستیوں میں دھکیل دیا کہ وہ گمراہوں اور شیطان کے پیروکاروں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔

بہت سی روایات اور مفسرین کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد بلعم باعور نامی ایک شخص تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں رہتا تھا اور بنی اسرائیل کے نامی گرامی علماء میں اس کا شمار ہوتا تھا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے ایک بڑے مبلغ کی حیثیت سے کام لیتے تھے اور وہ اس درجے پر فائز تھا کہ اس کی دعا بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت پاتی تھی لیکن وہ فرعون کی ظاہری شان وشوکت اور اس کے وعدوں سے اتنا متاثر ہوا کہ راہ حق سے بھٹک گیا لہٰذا اس کی تمام قدر ومنزلت جاتی رہی حتی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کی صف میں جا شامل ہوا۔

(۱۷۷) مذکورہ بالا آیات میں علماء کے اس گروہ کی کچھ نشانیاں بیان ہوئی ہیں جن کے ذریعے انہیں پہچانا جا سکتا ہے وہ ایسے مادہ پرست ہیں جنہوں نے دنیا کی محبت میں خدا کو بھلا دیا ہے وہ اتنے کم ظرف ہیں کہ بارگاہ خداوندی اور خلق خدا کی نظر میں بلند مقام حاصل کرنے کی بجائے ذلت کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں اپنی اسی کم ظرفی کی وجہ سے سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں وہ شیطان کے شدید وسوسوں میں گھرے ہوئے ہیں اور انہیں آسانی سے خریدا اور بیچا جا سکتا ہے وہ بیمار اور باؤلے کتوں کی مانند ہیں جو کبھی سیراب نہیں ہوتے انہی وجوہ کی بناء پر انہوں نے حق کو چھوڑ دیا ہے اور بے راہ روی اختیار کر لی ہے وہ گمراہوں کے پیشوا ہیں ایسے افراد کی پہچان لازمی ہے تاکہ سختی سے ان کے شر سے محفوظ رہا جا سکے۔

زیر نظر آخری دو آیات میں بلعم اور دنیا پرست علماء کی سرگزشت سے ایک کلی اور عمومی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کیا بڑی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات سے انکار کرتے ہیں اور کیسا برا انجام اور ذلت ان کے انتظار میں ہے لیکن وہ ہم پر ظلم و ستم نہیں کرتے تھے بلکہ خود اپنے اوپر ستم روا رکھتے تھے۔

اور اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ معنوی علم ودانش کا سرمایہ جو خود ان کی اور ان کے معاشرے کی سربلندی کا باعث بن سکتا تھا صاحب زر اور صاحب اقتدار کے اختیار میں دے دیتے ہیں اور سستے داموں اسے فروخت کر کے بالآخر اپنے آپ کو اور معاشرے کو پستی میں دھکیل دیتے ہیں۔

(۱۷۸) لیکن اس قسم کی لغزشوں اور شیطانی دام وفریب سے خبردار ہو کیونکہ ان سے رہائی خدا کی توفیق اور ہدایت کے بغیر ممکن نہیں جال اور پھندا بڑا ہی سخت ہے مگر یہ کہ رحمت الٰہی مددگار ہو۔

جسے خدا ہدایت دے اور اپنی رحمت کو اس کا مددگار بنا دے تو حقیقتاً وہی ہدایت پانے والا ہے۔

اور جس شخص کو خدا اس کے برے اعمال کے نتیجہ میں اس کے حال پر چھوڑ دے یا کامیابی اور موافقت کے ذرائع شیطانی وسوسوں کے مقابلہ میں اس سے چھین لے تو وہ واقعی زیادہ انکار اور خسارے میں ہے۔

(۱۷۹)وَ لَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ ‌ۖ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا ۡ وَ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا ۡ وَ لَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا ؕ اُولٰٓـئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ	یقیناً جن وانس کے بہت سے گروہوں کو ہم نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے وہ ایسے دل (اور ایسی عقل) رکھتے ہیں کہ (جن سے وہ سوچتے نہیں اور) سمجھتے نہیں اور ایسی آنکھیں رکھتے ہیں کہ جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ایسے کان رکھتے ہیں کہ جن سے وہ سنتے نہیں وہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ وہ زیادہ گمراہ ہیں (اور) وہ غافل ہیں۔
(۱۸۰)وَ لِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى فَادۡعُوۡهُ بِهَا ‌ۖ وَ ذَرُوا الَّذِيۡنَ يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اَسۡمَآئِهٖ ؕ سَيُجۡزَوۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ	اللہ کے (اچھے اور) بہترین نام ہیں اسے انہی ناموں سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو خدا کے ناموں میں تحریف کرتے ہیں۔ وہ عنقریب اپنے کردہ (برے) اعمال کی سزا پائیں گے۔
(۱۸۱)وَ مِمَّنۡ خَلَقۡنَاۤ اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَ بِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ۧ	اور جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو حق کی تبلیغ کرتا ہے اور حق کے مطابق حکم کرتا ہے۔

تفسیر

دوزخیوں کی نشانیاں

یہ آیات اس بحث کی تکمیل کرتی ہیں جو گذشتہ آیات میں دنیا پرست علماء اور اسی طرح ہدایت اور گمراہی کے عوامل کے ضمن میں گزری ہے ان آیات میں لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر ایک گروہ کی صفات کی وضاحت کی گئی ہے اور وہ ہیں دوزخیوں کا گروہ اور بہشتیوں کا گروہ۔

اول دوزخیوں کے بارے میں جو پہلا گروہ ہے قسم اور تاکید کا سہارا لیتے ہوئے کہا گیا ہے ہم نے بہت سے جنوں اور انسانون کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے۔

دوسرے لفظوں میں خدا نے مختلف آیات میں صریحاً بتایا ہے کہ اس نے سب کو پاک و پاکیزہ خلق فرمایا ہے اور یہ ان کے اختیار میں ہے کہ وہ چاہیں تو نیکی کے راستے پر چلیں اور ترقی پائیں لیکن ایک گروہ اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم کا راستہ اختیار کرتا ہے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور ایک گروہ اپنے اعمال ہی کی بنا پر اپنے آپ کو بہشت کیلئے نامزد کرتا ہے اور اس کا انجام خوش بختی ہے اس کے بعد دوزخی گروہ کی صفات کا خلاصہ تین جملوں میں بیان کیا گیا ہے۔

پہلا یہ کہ وہ دل تو رکھتے ہیں لیکن ان سے غور وفکر اور ادارک کا کام نہیں لیتے۔

دوسرا یہ کہ روشن اور حقیقت کو دیکھنے والی آنکھیں تو رکھتے ہیں لیکن حقائق پر نگاہ نہیں ڈالتے اور اندھوں کی طرح ان کے قریب سے گزر جاتے ہیں۔

تیسرا یہ کہ صحیح وسالم کان رکھنے کے باوجود سچائی کی بات نہیں سنتے اور بہروں کی طرح اپنے آپ کو حرف حق سننے سے محروم رکھتے ہیں۔

یہ لوگ درحقیقت چوپایوں کی طرح ہیں کیونکہ چوپایوں سے انسان کا امتیاز (بیدار فکر) چشم بینا اور سننے والے کان کی بناء پر ہے افسوس کہ یہ ان سب صلاحتوں کو گنوا چکے ہیں (اولئک اکانعام) بلکہ وہ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ اور پست ترین ہیں۔

کیونکہ چوپائے تو یہ استعداد اور وسائل نہیں رکھتے لیکن یہ عقل سلیم دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان کی بدولت ہر قسم کی ترقی وسعادت کا امکان رکھتے ہیں چونکہ ان کا رجحان ہوس پرستی اور ذلت کی طرف ہوتا ہے اس لئے وہ اپنی اعلی صلاحیتوں سے استفادہ نہیں کرتے اور یہیں سے ان کی بدبختی شروع ہوجاتی ہے وہ غافل اور بے خبر افراد ہیں اور اسی لئے وہ بے راہ روی کا شکار ہیں۔

آب حیات کا چشمہ ان کے پاس ہے پھر بھی وہ پیاس کے مارے فریاد کررہے ہیں بھلائی کے دروازے ان کے سامنے کھلے ہوئے ہیں لیکن ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

(۱۸۰) اس آیت میں اہل بہشت کی وضع وکیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی صفات بیان کی گئی ہیں اول دوزخیوں کی صف سے باہر نکالنے کیلئے لوگوں کو خدا کے اسماء حسنی پر گہری توجہ دینے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے خدا کیلئے بہترین نام ہیں اسے انہی کے ساتھ پکارو۔اسماء حسنی سے مراد پروردگار کی مختلف صفات ہیں اس کے بعد خدا لوگوں کو اس بات سے ڈراتا ہے کہ وہ اس کے ناموں میں تحریف نہ کریں لہٰذا ارشاد ہوتا ہے انہیں چھوڑ دو جو خدا کے ناموں میں ردوبدل کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے برے اعمال کی سزا پائیں گے۔

یا یہ کہ اس کی صفات میں اس طرح ردوبدل کریں کہ جس کا نتیجہ مخلوقات سے تشبیہ یا صفات کی تعطیل یا اس قسم کی کوئی چیز ہو یا صرف نام پر اکتفا کریں بغیر اس کے کہ ان صفات کو اپنے اوپر یا اپنے معاشرے پر منطبق کریں۔

(۱۸۱) زیر نظر آخری آیت میں دوحصوں کی طرف کہ جو بہشتی گروہ کی بنیادی صفات ہیں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان میں سے کہ جنہیں ہم نے خلق کیا ہے ایک امت اور گروہ ایسا ہے جو لوگوں کو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اور حق کے مطابق حکم کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کے دو واضح پروگرام ہیں ان کی فکر ان کا ہدف ان کی دعوت اور ان کی تہذیب وتمدن حق اور جانب حق ہے نیز ان کا عمل ان کا پروگرام اور ان کی حکومت حق اور حقیقت کی بنیاد پر قائم ہے

(۱۸۲)وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ	جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم تدریجاً انہیں اس طریقے سے سزا دیں گے جسے وہ نہیں جانتے۔
(۱۸۳)وَ اُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ	اور انہیں ہم مہلت دیتے ہیں، کیونکہ میرا منصوبہ قوی اور حساب و کتاب کے مطابق ہے۔

تفسیر

تدریجی سزا

اس بحث کے بعد جو گذشتہ آیات میں دوزخیوں کے بارے میں ہوئی تھی ان دو آیات میں خدا کی طرف سے سزا کا ذکر ہے جو ایک سنت کے طور پر بہت سے سرکش گنہگاروں کو دی جاتی ہے اور یہ وہی سزا ہے جسے عذاب استدراج یا تدریجی سزا کہتے ہیں۔

استدراج قرآن میں دو مواقع پر آیا ہے ایک زیر نظر آیت میں اور دوسرا سورہ قلم کی آیہ ۴۴ میں دونوں مواقع پر استدراج کا استعمال آیات الٰہی کا انکار کرنے ولوں کیلئے ہوا ہے۔

استدراج کا معنی واضح ہو جانے کے بعد ہم آیت کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں خداوند عالم پہلی آیت میں فرماتا ہے جنہوں نے ہماری آیات کی تذلیل کی اور انکار کیا تدریجاً اور آہستہ آہستہ اس راستے سے کہ جسے وہ نہیں جانتے ہم سزا کے پھندے میں انہیں گرفتار کرلیں گے اور ان کی زندگی کی بساط کو لپیٹ دیں گے۔

(۱۸۳) استدراجی سزا کے بارے میں کہ جس کی طرف اوپر والی آیت میں اشارہ ہوا ہے اور دوسری آیات قرآن اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے تو ضیح یہ ہے کہ خدا گنہگاروں اور منہ زور سرکشوں کو ایک سنت کے مطابق فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیتا ہے تو وہ زیادہ سرکشی دکھاتے ہیں خدا کی نعمتوں کو ضرورتوں سے زیادہ اکٹھا کر لیتے ہیں اس کے دو مقاصد ہوتے ہیں یا تو یہ نعمتیں ان کی اصلاح اور سیدھے راستے پر آنے کا سبب بن جاتی ہیں اور اس صورت میں ہدایت خداوندی کا پروگرام عملی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یا ان کے غرور اور بے راہ روی میں اضافہ ہو جاتا تو اس موقع پر ان کی سزا دردناک مرحلہ پر پہنچ جاتی ہے کیونکہ جب وہ خدا کی بے شمار نعمتوں اور عنائیتوں میں غرق ہو جاتے ہیں تو خدا ان سے وہ تمام نعمتیں چھین لیتا ہے اور زندگی کی بساط لپیٹ دیتا ہے ایسی سزا بہت ہی سخت ہے۔

بہر حال اس آیت میں تمام گنہگاروں کیلئے تنبیہ ہے کہ وہ عذاب الٰہی کی تاخیر کو اپنی پاکیزگی اور راستی یا پروردگار کی کمزوری پر محمول نہ کریں اور وہ عنایت اور نعمتیں جن میں وہ غرق ہیں انہیں خدا سے اپنے تقریب سے تعبیر نہ کریں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو کامیابیاں اور نعمتیں انہیں ملتی ہیں پروردگار کی استدراجی سزا کا پیش خیمہ ہوتی ہیں خدا انہیں اپنی نعمتوں میں محو کر دیتا ہے اور انہیں مہلت دیتا ہے انہیں بلند سے بلند تر کرتا ہے لیکن آخرکار انہیں اس طرح زمین پر پٹختا ہے کہ ان کا نام ونشان تک مٹ جاتا ہے اور ان کے تمام

کاروبار زندگی اور تاریخ کو لپیٹ دیتا ہے۔

نیز امام جعفر صادق علیہ السلام سے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

"**هو العبد يذنب الذنب فتجددله النعمة معه تلهية تلك النعمة عن الاستغفار عن ذلك الذنب**"

اس آیت سے مراد وہ گنہگار بندہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے اور خدا اسے اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے کہ شاید وہ سدھر جائے لیکن وہ اس نعمت کو اپنی اچھائی کے حساب میں ڈال لیتا ہے اور وہ اسے گناہ سے توبہ کرنے کی بجائے غفلت میں ڈال دیتی ہے۔

(۱۸۴) اَوَ لَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا ٜ مَا بِصَاحِبِہِمۡ مِّنۡ جِنَّۃٍ ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ	کیا وہ سوچتے نہیں کہ ان کے ہم نشین (پیغمبر خدا) پر کوئی جنون کے آثار نہیں ہیں وہ تو صرف ان کو ڈرانے والا ہے۔
(۱۸۵) اَوَ لَمۡ یَنۡظُرُوۡا فِیۡ مَلَکُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ ۙ وَّ اَنۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُہُمۡ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ	کیا وہ آسمان و زمین کی حکومت میں جسے خدا نے پیدا کیا ہے (عبرت کی) نظر نہیں ڈالتے (اس میں فکر نہیں کرتے؟) کہ شاید ان کی زندگی ختم ہونے کے قریب ہے؟ (اگر وہ اس واضح آسمانی کتاب پر ایمان نہ لائے) تو اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔
(۱۸۶) مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ ؕ وَ یَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ	جسے خدا (اس کے برے اعمال کی وجہ سے) گمراہ کر دے تو پھر کوئی اسے ہدایت کرنے والا نہیں اور خدا انہیں ان کی بغاوت اور سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ سرگرداں رہیں۔

شان نزول

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مکہ میں تھے تو ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفا کی پہاڑی پر چڑھ گئے اور لوگوں کو ایک خدا کو ماننے اور اسی کی عبادت کرنے کی دعوت دی خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام قبائل قریش کو پکارا اور انہیں خدا کی سزا سے ڈرایا یہاں تک کہ رات کا کافی حصہ گزر گیا تو بت پرست کہنے لگے "ان صاحبهم قد جن بات ليلا يصوت الى الصباح" ہمارا ساتھی پاگل ہو گیا ہے شام سے لے کر صبح تک پکارتا رہتا ہے اس موقع پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور انہیں منہ توڑ جواب دیا گیا۔

تفسیر

تہمت تراشیاں اور بہانہ سازیاں

اس آیت میں پہلے پیغمبر پرجنون کے الزام کے بارے میں بت پرستوں کی بے بنیاد بات کا خدا تعالیٰ اس طرح جواب دیتا ہے کیا وہ اپنی سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے تا کہ جان لیں کہ ان کے ہم نشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی قسم کے جنون کے آثار نہیں۔

اس طرف اشارہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے درمیان کوئی اجنبی نہ تھے بلکہ ان کی اپنی اصطلاح میں صاحب یعنی دوست وہمسر تھے چالیس سال سے زیادہ عرصہ سے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آنا جانا تھا ہمیشہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر وتدبر کو دیکھا اور ہمیشہ دانشمندی کے آثار نہیں۔

اس طرف اشارہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے درمیان کوئی اجنبی نہ تھے بلکہ ان کی اپنی اصطلاح میں صاحب یعنی دوست وہمسر تھے چالیس سال سے زیادہ عرصہ سے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آنا جانا تھا ہمیشہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فکر وتدبر کو دیکھا اور ہمیشہ دانشمند کے آثار آپ میں مشاہدہ کئے جو شخص اس دعوت سے پہلے معاشرے کے مدبر ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا تو کس طرح انہوں نے اچانک اس پر یہ بہتان لگا دیا اس قسم کا بے ہودہ الزام لگانے سے بہتر نہیں تھا کہ وہ سوچتے کہ ہوسکتا ہے وہ درست ہی کہہ رہا ہو اور دعوت حق کے لئے خدا نے ہی اسے مامور کیا ہو جس طرح اس پر الزام تراشی کے بعد قرآن کہتا ہے وہ فقط واضح ڈرانے والا ہے جو اپنی قوم کو آنے والے خطرات سے خبردار کرتا ہے۔

(۱۸۵) مذکورہ بالا دوسری آیت میں اس بیان کی تکمیل کیلئے عالم ہستی آسمانوں اور زمین کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کیا وہ آسمان وزمین کی حکومت اور اس مخلوق پر جسے خدا نے پیدا کیا ہے راستے کی نظر نہیں ڈالتے۔

تا کہ وہ جان لیں کہ اس وسیع عالم کو بنانا اور اس میں حیرت انگیز نظام قائم کرنا فضول نہیں بلکہ اس کا کوئی مقصد تھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دعوت حق دیتے ہیں وہ درحقیقت اسی مقصد خلقت کی تکمیل اور انسان کی تربیت وترقی کے مقصد کی ہی ایک کڑی ہے۔

اس کے بعد انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے کیا انہوں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ ہوسکتا ہے ان کی زندگی کی آخری گھڑیاں آپہنچی ہوں اور اگر آج ایمان نہ لائے اور اس پیغمبر کی دعوت کو قبول نہ کیا اور جو قرآن اس پر نازل ہوا ہے اسے ان واضح نشانیوں کے باوجود تسلیم نہ کیا تو اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

(۱۸۶) زیر نظر آیات میں سے آخری آیت میں گفتگو کو یوں سمیٹا گیا ہے کہ جسے خدا اس کے قبیح اور دائمی برے اعمال کی وجہ سے گمراہ کر دے اس کیلئے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے اور خداوند عالم انہیں اس طرح طغیان وسرکشی میں چھوڑ دے گا تا کہ وہ حیران سرگرداں رہیں۔

(۱۸۷) يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ	تجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی کہہ دو:اس کا علم میرے پروردگار کو ہے اور اس کے علاوہ کوئی اس وقت کو واضح نہیں کرسکتا (لیکن قیامت کا قیام) آسمانوں اور زمین تک میں سخت (اہمیت کا حامل) ہے اور وہ تمہارے تعاقب میں نہیں آئے گی مگر یہ کہ اچانک۔(پھر وہ) تجھ سے یوں سوال کرتے ہیں گویا تو اس کے وقوع پذیر ہونے کے زمانے سے باخبر ہے کہہ دو اس کا علم صرف خدا کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

شان نزول۔

جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے قریش نے چند آدمیوں کو مامور کیا کہ وہ نجران جائیں اور یہودیوں کے علماء سے ملیں کیونکہ عیسائیوں کے علاوہ نجران میں یہودی بھی آباد تھے ان کے ذمہ لگایا گیا کہ وہ ان سے پیچیدہ قسم کے سوالات پوچھ آئیں تا کہ وہ سوالات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے جاسکیں ان کا گمان تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جواب نہ دے پائیں گے ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ قیامت کب برپا ہوگی

جب انہوں نے یہ سوال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو زیر نظر آیت کے ذریعے انہیں جواب دیا گیا۔

تفسیر

قیامت کب برپا ہوگی؟

اگر چہ آیت کے لئے مخصوص شان نزول بیان کی گئی ہے تاہم یہ قبل کی آیات سے واضح طور پر وابستہ ہے کیونکہ گذشتہ آیات میں مسئلہ قیامت کا ذکر تھا اور ساتھ ہی اس کیلئے تیاری کو لازم وملزوم قرار دیا گیا ہے فطری طور پر ایسی بحث کے بعد بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کب آئے گی لہٰذا قرآن کہتا ہے تجھ سے ساعت روز قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے اے پیغمبر اس سوال کے جواب میں صراحت سے کہہ دو کہ یہ علم صرف میرے پروردگار کے پاس ہے اور اس کے علاوہ اس وقت کو ظاہر نہیں کرسکتا۔

لیکن سربستہ طور پر اس کی دو نشانیاں بیان کی گئی ہیں پہلے فرمایا گیا ہے قیامت کا برپا ہونا آسمانوں اور زمین میں ایک سخت معاملہ ہے۔اس سے زیادہ سنگین اور سخت حادثہ اور کون سا ہوسکتا ہے کیونکہ آستانہ قیامت میں تمام آسمانی کرات ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں

گے، آفتاب بے نور ہوجائے گا، مہتاب تاریک ہوجائے گا، ستارے اپنی روشنی سے محروم ہوجائیں گے اور ذراتِ عالم ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں گے۔ ان میں سے جو بچے گا اس سے ایک نیا جہان معرض وجود میں آئیگا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے: تجھ سے یوں پوچھتے ہیں گویا تو قیامت کے زمانہ سے باخبر ہے۔

مزید ارشاد ہوتا ہے: ان کے جواب میں ,,کہو کہ یہ علم صرف خدا کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت سے آگاہی نہیں رکھتے،، کہ یہ علم اس ذات پاک سے مخصوص ہے لہٰذا پے در پے اس کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ سوال کیا جائے کہ یہ علم ذاتِ خدا سے کیوں مخصوص ہے اور کیوں کسی کو یہاں تک کہ انبیاء کو بھی اس سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وقوعِ قیامت سے عدم آگاہی سے اس کے عظیم موقع کے ناگہانی ہونے کا مقصد حاصل ہوتا ہے تاکہ لوگ کسی وقت بھی قیامت کو دور نہ سمجھیں اور ہمیشہ اس کے انتظار میں رہیں اور اس طرح سے اس موقع پر اپنے آپ کو نجات دلانے کے لئے تیار رہیں۔ یہ عدم آگاہی تربیت نفوس، ذمہ داریوں کی طرف متوجہ ہونے اور گناہ سے پرہیز کرنے کے لئے مثبت اور واضح طور پر مؤثر ہے۔

(۱۸۸) قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ وَ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚۛ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۠	کہہ دو: میں اپنے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو کچھ خدا چاہے۔ اگر میں غیب سے باخبر ہوتا تو اپنے لئے بہت سے منافع فراہم کر لیتا اور مجھے کوئی برائی اور نقصان نہ پہنچتا میں تو صرف (عذاب الٰہی) سے ڈرانے والا اور (اسکی عظیم جزاؤں کی) خوشخبری دینے والا ہوں۔

شان نزول

اہل پیغمبر اسلام ﷺ سے کہا کہ اگر تم خدا سے رابطہ رکھتے ہو تو کیا تمہارا پروردگار آئندہ اجناس کی قیمتوں میں ہونے والی کمی بیشی سے باخبر نہیں کرتا تاکہ اس طرح سے تم اپنے فائدے میں جو کچھ ہوا سے مہیا کر لو اور جو کچھ تمہارے نقصان میں ہو اس سے بچ جاؤ پھر وہ تمہیں مختلف علاقوں کی خشک سالی یا سیرابی سے آگاہ نہیں کرتا تاکہ خشک سالی کے دوران پربرکت زمینوں کی طرف کوچ کر جاؤ اس موقع پر زیر نظر آیت نازل ہوئی۔

تفسیر

پوشیدہ اسراف خدا جانتا ہے

اس آیت کیلئے بھی اگرچہ ایک خاص شان نزول مذکور ہے تاہم گذشتہ آیت سے اس کا ارتباط واضح ہے کیونکہ گذشتہ آیت میں اس سلسلے میں تھی کہ قیامت کے برپا ہونے کا وقت خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور زیر نظر آیت میں علم غیب کی خدا کے علاوہ ہر کسی

کے لئے کامل نفی کی گئی ہے۔

پہلے جملے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے ان سے کہہ دو کہ اپنے بارے میں کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر وہ کہ جو چاہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر شخص اپنے لئے نفع حاصل کرسکتا ہے یا ضرر اپنے سے دور کرسکتا ہے لیکن اس کے باوجود جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مندرجہ بالا آیت میں مطلقاً ہر شر کی اس قدر نفی کی گئی ہے اور یہ اس لئے ہے درحقیقت انسان اپنے کاموں کیلئے اپنی طرف سے کوئی قدرت وطاقت نہیں رکھتا بلکہ تمام قدرتیں خدا کی طرف سے ہیں اور وہی ہے جس نے یہ قدرتیں انسانی اختیار میں دی ہیں۔

یہ بات بیان کرنے کے بعد قرآن نے ایک اور اہم مسئلے کی نشاندہی کی ہے یہ مسئلہ دراصل ایک گروہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے ان سے کہہ دو کہ میں غیب اور پوشیدہ اسرار سے آگاہ نہیں ہوں کیونکہ اگر اسرار نہاں سے آگاہ ہوتا تو اپنے لئے بہت سے منافع مہیا کرلیتا اور مجھے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ کیونکہ جو شخص تمام مخفی اسرار سے آگاہ ہو وہ ان چیزوں کو انتخاب کرسکتا ہے جو اس کیلئے نفع بخش ہیں اور جن سے اس کا نقصان ہوسکتا ہے اس سے پرہیز کرے گا۔

اس کے بعد اپنی رسالت کے حقیقی مقام کو ایک مختصر اور صریح جملے میں بیان فرمایا ہے میں صرف ایمان لانے والوں کو ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

(۱۸۹) هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ	وہ (خدا) وہ ہے کہ جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے اور اس کی بیوی کو اسی کی جنس (اور نوع) سے قرار دیا ہے تا کہ اس سے سکون حاصل کرے اس کے بعد جب وہ اس سے نزدیک ہوا تو وہ ایک ہلکے سے (بوجھ کے ساتھ) حاملہ ہوگئی کہ جس کے ہوتے ہوئے وہ اپنے دوسرے کام جاری رکھے ہوئے تھی اور جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں نے مل کر اپنے پروردگار سے دعا کی کہ انہیں نیک (صالح) فرزند عطا کرے تو ہم شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔

(۱۹۰) فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	جب اس نے انہیں نیک بیٹا دیا (تو انہوں نے دوسرے موجودات کو اس میں موثر سمجھا اور) خدا نے انہیں جو نعمت بخشی تھی اس کیلئے شرکاء کے قائل ہو گئے اور جسے اس کا شریک قرار دیا جائے خدا اس سے برتر ہے۔
(۱۹۱) اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ۙصلے	کیا وہ ایسے موجودات کو اس کا شریک قرار دیتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود مخلوق ہیں۔
(۱۹۲) وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ	اور نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔
(۱۹۳) وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ	اور جب انہیں ہدایت کی طرف دعوت دو تو تمہاری پیروی نہیں کرتے ان کیلئے اس میں کوئی فرق نہیں چاہے انہیں دعوت دو یا خاموش رہو۔

تفسیر

ایک عظیم نعمت کا کفران

ان آیات میں مشرکین کے حالات اور طرز فکر کے ایک اور پہلو اور ان کے اشتباہ کا جواب دیا گیا ہے گذشتہ آیت میں علم غیب سے آگاہی کو خدا میں منحصر قرار دیا گیا ہے اور درحقیقت خدا تعالیٰ کی توحید افعالی کی طرف اشارہ کیا تھا اب یہ آیات گذشتہ آیات کے مضمون کی تکمیل شمار ہوتی ہیں کیونکہ یہ بھی خدا کی توحید افعالی کی طرف اشارہ ہیں۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے وہ خدا وہ ہے کہ جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اس کی بیوی کو اس کی جنس سے قرار دیا تا کہ اس سے سکون حاصل کرے۔

یہ دونوں ایک دوسرے کے پہلوں میں آرام بخش زندگی گزار رہے تھے لیکن جب شوہر نے اپنی بیوی سے جنسی ارتباط کیا تو وہ ہلکے سے بوجھ سے حاملہ ہوگئی ابتداء میں تو اس حمل سے کوئی مشکل پیدا نہ ہوئی اور حاملہ ہونے کے باوجود اپنے دوسرے کاموں کو جاری رکھے ہوئے تھی۔

لیکن جوں جوں روز و شب گزرے حمل کا بوجھ بڑھتا گیا یہاں تک کہ اس نے بہت بوجھ محسوس کیا۔ اس وقت وہ دونوں

ایک فرزند کے انتظار میں تھے اوران کی آرزو تھی کہ خدا انہیں نیک فرزند عطا فرمائے لہذا وہ بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے اپنے پروردگار کو اس طرح پکارا بارالہا اگر تو نے ہمیں صالح اور نیک فرزند عطا کیا تو ہم شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔لیکن جب خدا نے انہیں صحیح وسالم اور باصلاحیت رزندہ عطا کیا تو وہ اس عظیم نعمت کی عنایت میں خدا کے شرکاء کے قائل ہو گئے لیکن خدا ان کے شرک سے برتر وبالاتر ہے۔

(۱۹۱) اس واقعہ کے بعد قرآن بت پرستی کی دوبارہ سخت الفاظ میں مذمت کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے کیا یہ لوگ کچھ ایسے موجودات کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں جو کوئی چیز پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ وہ خود اس کی مخلوق ہیں۔

(۱۹۲) علاوہ ازیں یہ جعلی معبود اپنے پجاریوں کی کسی بھی مشکل میں مدد نہیں کر سکتے یہاں تک کہ وہ مشکلات میں خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔

(۱۹۳) یہ معبود ایسے ہیں کہ اگر تم انہیں ہدایت کرنا چاہو تو وہ تمہاری پیروی نہیں کریں گے یہاں تک کہ اس کا شعور بھی نہیں رکھتے۔جو ہادیوں کی پکار اور ندا کو بھی نہیں سنتے وہ دوسروں کی ہدایت کیسے کر سکتے ہیں۔

یہ احتمال بھی ہے کہ مراد یہ ہو کہ اگر تم ان سے ہدایت کا تقاضا کرو تو اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا بہر حال تمہارے لئے برابر ہے کہ انہیں دعوت حق دو یا خاموش رہو دونوں صورتوں میں ہٹ دھرم بت پرست اپنے رویئے سے دست بردار نہیں ہوں گے۔

(۱۹۴) اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	جنہیں وہ خدا کے علاوہ پکارتے ہیں اور جن کی پرستش کرتے ہیں تمہارے طرح کے بندے ہیں اگر سچے ہو تو انہیں پکارو تو انہیں چاہئے کہ وہ تمہیں جواب دیں (اور تمہارے تقاضوں کو پورا کریں۔
(۱۹۵) اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ	کیا وہ (کم از کم خود تمہاری طرح) پاؤں رکھتے ہیں کہ جن کے ساتھ چلیں پھریں (یا) ہاتھ رکھتے ہیں کہ جن سے کوئی چیز اٹھا سکیں (یا) کیا وہ آنکھیں رکھتے ہیں کہ ان سے دیکھ سکیں (یا) ان کے کان ہیں کہ ان سے سن سکیں؟ (نہیں ان کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں) کہہ دو (جب ایسا ہے تو) ان بتوں کو جنہیں تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے (میرے خلاف) نہیں پکارو، میرے خلاف سازش کرو

فَلَا تُنظِرُونِ	اور مجھے لحظہ بھر کی مہلت نہ دو

تفسیر

ان دونوں آیات میں توحید کی بحث اور شرک سے مقابلہ جاری ہے اور اس سلسلے کی گذشتہ بحث کی ان میں تکمیل ہوئی ہے ان میں عبادت میں شرک اور غیر خدا کی پرستش کو احمقانہ اور عقل و منطق سے عاری کام قرار دیا گیا ہے ان دو آیات کے مضمون سے واضح ہوتا ہے کہ چار دلیلوں سے بت پرستوں کی منطق باطل ہو جاتی ہے۔

یہاں ارشاد فرمایا گیا ہے جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو اور جن سے مدد طلب کرتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہیں۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ انسان ایسی چیز کے سامنے سجدہ ریز ہو جو خود اس جیسی ہے اور اپنی تقدیر اور سرنوشت اس کے ہاتھ میں سمجھ لے۔

مزید فرمایا گیا ہے تم سوچتے ہو کہ وہ قدرت و شعور رکھتے ہیں تو انہیں پکار کر دیکھو کیا وہ تمہیں جواب دیتے ہیں اگر تم سچ کہتے ہو۔

(۱۹۵) پھر مزید واضح کیا گیا ہے کہ حتی کہ وہ اپنے عبادت گزاروں سے زیادہ پست اور عاجز ہیں اچھی طرح دیکھ لو کہ وہ کم از کم تمہاری طرح پاؤں رکھتے ہیں کہ جن سے چل پھر سکیں (الھم ارجل بمشون بھا) یا کیا وہ ہاتھ رکھتے ہیں کہ جن سے کوئی چیز پکڑ سکیں اور کوئی کام کر سکیں۔ یا کیا وہ آنکھیں رکھتے ہیں کہ جن سے دیکھ سکیں۔ یا کیا پھر وہ کان رکھتے ہیں کہ جن سے سن سکیں۔ وہ تو اس قدر ضعیف ہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کیلئے تمہاری مدد کے محتاج ہیں اور خود اپنے وجود کی حفاظت کیلئے کمک کے محتاج ہیں نہ وہ دیکھنے والی آنکھ رکھتے ہیں نہ سننے والے کان اور نہ کوئی اور قوت حسن ان کے پاس ہے۔

آیت کے آخر میں چوتھا استدلال یوں پیش کیا گیا ہے اے پیغمبر ان سے کہو کہ یہ معبود جنہیں تم نے خدا کا شریک قرار دے رکھا ہے۔ انہیں میرے برخلاف بلاؤ اور تم سب ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر جتنی کر سکو میرے خلاف سازش کر لو اور اس کام میں کسی قسم کی تاخیر روا نہ رکھو پھر دیکھتے ہیں کہ اس کے باوجود تم کیا کر سکتے ہو (قل ادعوا شرکائکم ثم کیدون فلا تنظرون) یعنی اگر میں جھوٹ بولتا ہوں اور وہ مقربان خدا ہیں اور میں نے ان کے حرم احترام میں جسارت کی ہے تو پھر وہ مجھ پر غضب کیوں نہیں کرتے اور تم اور وہ مل کر مجھ پر کیوں کوئی اثر نہیں کر پاتے لہٰذا جان لو کہ یہ غیر موثر موجودات ہیں کہ جنہیں تمہاری توہمات نے قوت بخشی ہے۔

(۱۹۶) اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ ۚ وَ ھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ	لیکن میرا ولی اور سرپرست وہ خدا ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ سب نیکوں اور صالحین کا سرپرست ہے۔
(۱۹۷)وَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَکُمۡ وَ لَاۤ اَنۡفُسَھُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ	اور جنہیں تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور حتیٰ کہ اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔
(۱۹۸) وَ اِنۡ تَدۡعُوۡھُمۡ اِلَی الۡھُدٰی لَا یَسۡمَعُوۡا ؕ وَ تَرٰھُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَ ھُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ	اور اگر ان سے ہدایت چاہو تو وہ تمہاری باتوں کو نہیں سنتے اور تم انہیں دیکھو گے کہ وہ (اپنی مصنوعی آنکھوں سے) تمہیں دیکھ رہے ہیں لیکن درحقیقت وہ نہیں دیکھ سکتے۔

تفسیر

بے وقعت معبود

گذشتہ آیت میں تھا کہ تم اور تمہارے بت مجھے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے زیر بحث پہلی آیت میں اس کی دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے امیر ولی سرپرست اور بھروسہ خدا ہے جس نے مجھ پر یہ آسمانی کتاب نازل کی ہے۔ نہ صرف میری بلکہ وہ تمام صالح اور شائستہ لوگوں کی حمایت اور سرپرستی کرتا ہے اور اپنا لطف وعنایت ان کے شامل حال کرتا ہے۔

(۱۹۷) اس کے بعد پھر تاکیداً بت پرستی کے بطلان پر دلائل دیتے ہوئے قرآن کہتا ہے خدا کے علاوہ تم جن معبودوں کو پکارتے ہو ان سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

(۱۹۸) اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اگر مشکلات میں ان سے ہدایت اور راہنمائی چاہو تو یہاں تک کہ وہ تمہاری بات بھی نہیں سن سکتے۔

حتیٰ کہ اپنی مصنوعی آنکھوں سے جن سے گویا تیری طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں درحقیقت کچھ نہیں دیکھ پاتے۔

آخری دو آیات کا مضمون گذشتہ آیات میں بھی آیا ہے اور یہ تکرار زیادہ سے زیادہ تاکید کیلئے ہے تاکہ بت پرستی کا مقابلہ کیا

جائے اور مشرکین کی فکر اور روح سے اس کی ریشہ کشی کی جائے۔

(۱۹۹) خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ	ان سے نرمی برتو اور ان کا عذر قبول کرلو اور نیکیوں کی طرف دعوت دو اور جاہلوں سے رخ موڑ لو (ان سے لڑائی جھگڑا نہ کرو)۔
(۲۰۰) وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ	اور جب شیطانی وسوسہ تجھ تک پہنچے تو خدا کی پناہ لو کیونکہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔
(۲۰۱) اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ	پرہیزگار جب شیطانی وسوسوں میں گرفتار ہوں تو (خدا اور اس کی جزا و سزا کی) یاد اور ذکر میں مصروف ہو جاتے ہیں (اور اس کی یاد ہی کے زیر سایہ وہ راہ حق دیکھتے ہیں) پس وہ بینا ہو جاتے ہیں۔
(۲۰۲) وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ	(جو پرہیزگار نہیں) ان کے بھائی (یعنی شیاطین) انہیں ہمیشہ گمراہی میں آگے بڑھاتے رہتے ہیں اور پھر اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔
(۲۰۳) وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْ لَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ	اور جب (نزول وحی میں تاخیر ہو جائے اور) تو ان کے لئے کوئی آیت نہ لے آئے تو کہتے ہیں کہ تو خود سے (اپنی طرف سے) اسے کیوں نہیں چن لیتا؟ کہہ دو کہ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتی ہے

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّ رَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ	یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ایمان لانے والوں کے لئے بینائی کا وسیلہ اور ہدایت و رحمت کا ذریعہ اور سبب ہے۔

تفسیر

شیطانی وسوسے

ان آیات میں تبلیغ اور لوگوں کی رہبری اور پیشوائی کی شرائط جاذب نظر طریقے سے اور جچے تلے انداز میں بیان کی گئی ہیں .ان آیات کامفہوم گذشتہ آیات سے مناسبت رکھتا ہے جومشرکین کے لئے تبلیغ کے طور پر ہی تھیں ۔

پہلی آیت میں رسول خدا کیسے خطاب کی صورت میں رہبروں اور مبلغوں کے فرائض کے تین حصوں کی طرف اشارہ کیا گیاہے .ارشاد ہوتا ہے لوگوں سے سخت گیری نہ کرواوران سے نرمی برتو، ان کے عذر کوقبول کرواور وہ جتنی قدرت رکھتے ہیں ان سے اس سے زیادہ کی خواہش نہ کرو۔

(۱۹۹)اس کے بعد دوسرا حکم دیا گیا ہے لوگوں کو نیک کاموں کا اور وہ کہ جنہیں عقل وخرد شائستہ قرار دیا ور خدا ان کی نیکی اور اچھائی کے طور پر تعارف کروائے حکم دو۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ سخت گیری نہ کرنے مطلب سب اچھا اور خوشامد نہیں بلکہ رہبر اور مبلغ کو چاہئے کہ وہ حقائق پیش کرے اور لوگوں کوحق کی طرف دعوت دے اور کوئی چیز فروگذاشت نہ کرے۔

تیسرے مرحلے میں جاہلوں کے مقابلے میں تحمل اور بردباری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے جاہلوں سے رخ موڑلو اوران سے لڑو جھگڑو نہیں۔

جب کسی رہبراور مبلغ کو ہٹ دھرم متعصب جاہل کوتاہ فکر اور پست اخلاق افراد کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو گالیاں سننا پڑتی ہیں تہمتیں لگتی ہیں اس کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں اوراس پر پتھر پھینکے جاتے ہیں ایسی صورت حال میں کامیابی کا طریقہ یہ نہیں کہ جاہلوں سے دست وگریبان ہوا جائے بلکہ بہترین راہ تحمل، حوصلہ اور چشم پوشی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ جاہلوں کی بیداری اوران کے غضب حسد اور تعصب کی آگ خاموش کرنے کیلئے یہ بہترین طریقہ ہے۔

(۲۰۰)اس آیت میں ایک اور حکم دیا گیا ہے جس میں درحقیقت رہبروں اور مبلغوں کیلئے ان کی چوتھی ذمہ داری بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ مقام ومنزلت مال ودولت اور خواہشات وشہوت وغیرہ کی صورت میں شیطانی وسوسے ہمیشہ ان کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے ہیں شیطان اور شیطان صفت لوگ ان وسوسوں کے ذریعے انہیں ان کے راستے سے منحرف کرنے کے درپے رہتے ہیں قرآن

حکم دیتا ہے اگر شیطانی وسوسے تیرا رخ کریں تو اپنے آپ کو خدا کی پناہ میں دے دے خود کو اس کے سپرد کردے اور اسی کے لطف سے مدد طلب کر کیونکہ وہ تیری بات سنتا ہے تیرے اسرار نہاں سے آگاہ ہے اور شیطانوں کے وسوسوں سے باخبر ہے۔

(۲۰۱) اس آیت میں شیطانی وسوسوں پر غلبے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے شیطانی وسوسے جب پرہیزگار لوگوں کو گھیر لیتے ہیں تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں اس کی لامتناہی نعمات کا ذکر کرتے ہیں اور گنہگاروں کے برے نتائج اور دردعذاب کو یاد کرتے ہیں تو اس وقت وسوسوں کے تاریک بادل اطراف قلب سے چھٹ جاتے ہیں اور وہ راہ حق کو دیکھتے ہیں اور اسے ہی انتخاب کر لیتے ہیں۔

اصولی طور پر ہر شخص ایمان کے ہر لمحے میں اور ہر عمر میں کبھی نہ کبھی شیطانی وسوسوں میں گرفتار رہتا ہے اور کبھی یوں محسوس کرتا ہے کہ خود اس کے اندر کوئی سخت محرک قوت پیدا ہوگئی ہے جو اسے گناہ کی طرف دعوت دے رہی ہے مسلّم ہے کہ یہ وسوسے اور تحریک جوانی میں زیادہ ہوتی ہیں اور اسی طرح گناہ کے ماحول میں بہت زیادہ ہوتی ہیں جیسے آج کل آلودہ معاشرے اور ماحول کہ جن میں فساد اخلاق کے مراکز بہت زیادہ ہیں ہر طرف بے قید و بند آزادی میسر ہے نشر واشاعت کے ادارے زیادہ تر شیطان کی خدمت میں مصروف ہیں اور شیطانی وسوسوں کی اشاعت کر رہے ہیں ایسے حالات میں راہ نجات کا صرف اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے تقویٰ کہ جس کی طرف زیر بحث آیت میں اشارہ ہوا ہے اسکے بعد مراقبت ہے اور آخر میں اپنی طرف توجہ کرنا خدا سے پناہ مانگنا اس کے الطاف و نعمات کو یاد کرنا اور خطاکاروں کے دردناک عذاب کو یاد کرنا ہے۔

(۲۰۲) خلاصہ یہ کہ پرہیزگار ذکر خدا کے سائے میں شیطانی وسوسوں سے رہائی حاصل کرتے ہیں لیکن یہ اس حالت میں ہے کہ جب گناہ آلودہ افراد جو شیطان کے بھائی ہیں اسکے دام اور جال میں گرفتار ہوں اس آیت میں قرآن اس بارے میں کہتا ہے ان کے بھائی یعنی شیاطین مسلسل انہیں گمراہی میں آگے لے جاتے ہیں اور انہیں گمراہ کرنے سے باز نہیں آتے بلکہ بے رحمی سے ان پر اپنے حملے جاری رکھتے ہیں۔

(۲۰۳) اس کے بعد مشرکوں اور گنہگاروں کی ایک جماعت کی حالت بیان کرتا ہے یہ لوگ منطق و استدلال سے دور ہیں فرمایا گیا ہے جب ان کے سامنے قرآن کی آیات پڑھو تو وہ ان کی تکذیب کرتی ہیں اور جب ان کیلئے کوئی آیت نہ لاؤ اور نزول وحی میں تاخیر ہوجائے تو کہتے ہیں کہ ان آیات کا کیا بنا اپنی طرف سے کیوں نہیں بنا لیتے ہیں یہ سب خدا کی وحی تھوڑی ہیں۔ لیکن ان سے کہہ دو کہ میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی ہوتی ہے اور جو کچھ خدا نازل کرتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہتا۔

یہ قرآن اور اس کی نورانی آیات پروردگار کی طرف سے بینائی اور بیداری کا ذریعہ ہیں کہ جو ہر آمادہ انسان کو بصارت روشنی اور نور عطا کرتی ہیں۔ اور باایمان اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے افراد کیلئے سرمایہ ہدایت اور رحمت ہے۔

اس آیت سے ضمنی طور پر واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام گفتار اور کردار کا سرچشمہ وحی آسمانی تھی اور جو لوگ اس بات کے خلاف کچھ کہتے ہیں وہ دراصل قرآن سے ناواقف ہیں۔

(۲۰۴) وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	جب قرآن پڑھا جائے تو کان دھر کر سنو اور خاموش رہو تا کہ خدا کی رحمت تمہارے شامل حال ہو۔
(۲۰۵) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ	اپنے پروردگار کو اپنے دل میں تضرع اور خوف سے آہستہ اور آرام سے صبح وشام یاد کرو اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔
(۲۰۶) اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۩ السجدة ع	وہ جو (مقام قرب میں) تیرے پروردگار کے نزدیک ہیں کس حالت میں اسکی عبادت کے بارے میں تکبر نہیں کرتے اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کیلئے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

تفسیر

تلاوت قرآن ہو رہی ہو تو خاموش رہو

بہر صورت قرآن مندرجہ بالا آیت میں حکم دیتا ہے جب قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو تو توجہ سے اسے سنو اور خاموش رہو شاید رحمت خدا تمہارے شامل حال ہو۔

ظاہر آیت سے جو کچھ معلوم ہوتا ہی یہ ہے کہ یہ حکم عمومی ہے۔

بلکہ یہ ایک مستحب حکم ہے یعنی بہتر اور مستحب یہ ہے کہ جہاں کہیں اور جس حالت میں کوئی تلاوت قرآن کر رہا ہو دوسرے سننے والے احترام قرآن میں سکوت اور خاموشی اختیار کریں اور کان لگا کر خدا کا پیغام سنیں اور اپنی زندگی میں اس سے سبق حاصل کریں کیونکہ قرآن صرف پڑھنے کی کتاب نہیں بلکہ سمجھنے اور اس کے بعد عمل کرنے کی کتاب ہے۔

(۲۰۵) اس آیت میں مندرجہ بالا حکم کی تکمیل کیلئے پیغمبر کو حکم دیا گیا ہے البتہ یہ ایک عمومی حکم ہے اگر چہ روئے سخن پیغمبر کی طرف ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں دیگر مقامات پر بھی ایسا ہوا ہے اپنے پروردگار کو اپنے دل میں تضرع وزاری اور خوف کے ساتھ یاد

کرو۔

مزید ارشاد ہوتا ہے: اور آہستہ آرام اور سکون کے ساتھ اس کا نام زبان پر لاؤ۔ اور ہمیشہ صبح وشام یہ کام جاری رکھو۔

(۱۰۶) اس کے بعد سورہ کو اس گفتگو پر ختم کیا گیا ہے کہ نہ صرف تمہیں ہی ہر حالت میں یاد خدا میں رہنا چاہئے بلکہ مقرب بارگاہ پروردگار فرشتے اور وہ جو مقام قرب میں تیرے پروردگار کے قریب ہیں کسی وقت بھی اس کی عبادت کرنے پر تکبر نہیں کرتے اور مسلسل اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس کی پاک ذات کو ہر اس چیز سے منزہ سمجھتے ہیں جو اس کے مقام ومنزلت کے لائق نہیں اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہتے ہیں۔

سورہ انفال

یہ سورہ مدنی ہے

اس کی ۷۵ آیات ہیں

سورہ انفال کے موضوعات

پہلے اسلام کے اہم مالی مسائل کے کچھ حصوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انفال اور غنائم بھی ان میں شامل ہیں کہ جن سے بیت المال کا ایک بڑا حصہ تشکیل پاتا ہے۔

دوسرے مباحث میں حقیقی مومنین کی صفات اور امتیازات کا ذکر ہے جنگ بدر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو کہ دشمنوں کے ساتھ مسلمانوں کا پہلا مسلح ٹکراؤ تھا اس جنگ کے عجیب وغریب اور حیرت انگیز حوادث کا ذکر کیا گیا ہے۔

سورہ کا ایک اہم حصہ مسلمانوں پر دشمن کے پیہم حملوں کے مقابلے میں احکام جہاد پر مشتمل ہے اس میں مسلمانوں کی اس سلسلے میں ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں۔

اس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور ہجرت کی تاریخی رات کا واقعہ بیان ہوا ہے جسے لیلۃ المبیت کہتے ہیں۔

اسلام سے پہلے مشرکین کی کیفیت اور ان کی خرافات کا بھی تذکرہ ہے۔

ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی کمزوری اور ناتوانی کی کیفیت اور اس کے اسلام کے زیر سایہ ان کی تقویت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے۔

آخر میں اخلاقی اجتماعی اور دیگر اصلاحی حوالے سے متعدد مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

سورہ انفال کی فضیلت

جو شخص ہر ماہ سورہ انفال اور برائت کی تلاوت کرے گا اس کے وجود میں ہرگز روح نفاق داخل نہیں ہوگی اور وہ حقیقی طور پر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا پیرو ہوگا اور قیامت کے دن ان کے ساتھ بیٹھ کر جنت کے کھانوں میں سے کھائے گا یہاں تک کہ لوگ اپنے حساب سے فارغ ہوں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔

(۱)يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ	تم سے انفال (غنائم اور ہر وہ مال جس کا مالک مشخص نہ ہو) کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دو: انفال اللہ اور رسول سے مخصوص ہے پس اللہ (کے حکم کی مخالفت) سے ڈرو۔ اور جو بھائی آپس میں لڑے ہوئے ہوں ان میں صلح کراؤ اور خدا اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

شان نزول

ابن عباس سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر کے روز مجاہدین اسلام کی تشویق کیلئے کچھ انعامات مقرر کئے مثلاً فرمایا کہ جو فلاں دشمن کو قید کر کے میرے پاس لائے گا اسے یہ انعام دوں گا ان میں پہلے ہی روح ایمان و جہاد موجود تھی اوپر سے یہ تشویق بھی نتیجہ یہ ہوا کہ جوان سپاہی بڑے افتخار سے مقابلے کیلئے آگے بڑھے اور اپنے مقصد کی طرف لپکے بوڑھے سن رسیدہ افراد جھنڈوں تلے موجود رہے جب جنگ ختم ہوئی تو نوجوان اپنے پر افتخار انعامات کیلئے بارگاہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھے بوڑھے ان سے کہنے لگے کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے کیونکہ ہم تمہارے لئے پناہ اور سہارے کا کام کر رہے تھے اور تمہارے لئے جوش وخروش کا باعث تھے اگر تمہارا معاملہ سخت ہو جاتا تو تمہیں پیچھے ہٹنا پڑتا تو یقیناً تم ہماری طرف آتے اس موقع پر دو انصاریوں میں تو تکار بھی ہوگئی اور انہوں نے جنگی غنائم کے بارے میں بحث کی۔

اس اثناء میں زیر نظر آیت نازل ہوئی جس میں صراحت کے ساتھ بتایا گیا کہ غنائم کا تعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے وہ جیسے چاہیں انہیں تقسیم فرمائیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مساوی طور پر سب سپاہیوں میں غنائم تقسیم کر دیئے اور برادران دینی میں صلح و مصالحت کا حکم دیا۔

تفسیر

جیسا کہ ہم شان نزول میں پڑھ چکے ہیں کہ اوپر والی آیت جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی اور جنگی مال غنیمت کے سلسلہ میں وہ بات کر رہی ہے اور ایک قانون کلی کے طور پر ایک وسیع اسلامی حکم کو بیان کر رہی ہے خدا تعالیٰ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے تجھ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

کہہ دے کہ انفال خدا اور پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس بناء پر تقویٰ اختیار کرو اور اپنے درمیان اصلاح کرو اور وہ بھائی کہ جن کا باہمی جھگڑا ہو گیا ہے ان میں صلح و آشتی کراؤ۔ اور خدا اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ ایمان صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ ایمان کی جلوہ گاہ زندگی کے تمام مسائل میں فرمان خدا و پیغمبر کی بے قید و بند اطاعت کرنا ہے نہ کہ صرف جنگی غنائم میں بلکہ

ہر چیز میں ان کے فرمان پر کان دھرنا اوران کے اوامر کے سامنے سر تسلیم ختم کرنا چاہئے۔

انفال کیا ہے؟

جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ انفال کے مفہوم میں نہ صرف جنگی غنائم شامل ہیں بلکہ ہر وہ مال انفال ہے بس کا کوئی مخصوص مالک نہ ہو اور ایسے تمام اموال خدا پیغمبر اوران کے قائم مقام سے تعلق رکھتے ہیں دوسرے لفظوں میں اسلامی حکومت سے تعلق رکھتے ہیں اور تمام مسلمانوں کے مفاد میں صرف ہوں گے۔

جیسا کہ ہم شان نزول میں پڑھ چکے ہیں بعض مسلمانوں کے درمیان جنگی غنائم کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تھا اس جھگڑے کو ختم کرنے کیلئے اول تو غنیمت کے مسئلے کی جڑ ہی کاٹ دی گئی اور مال غنیمت کو مکمل طور پر پیغمبر کے اختیار اور ملکیت میں قرار دے دیا گیا اس کے بعد مسلمانوں کے درمیان اوران افراد کے درمیان جن میں جھگڑا ہوا تھا دوسروں کو صلح ومصالحت کروانے کا حکم دیا گیا۔

اصولی طور پر اصلاح ذات البین افہام و تفہیم دشمنیوں اور کدورتوں کا خاتمہ اور نفرت کو محبت اور دشمنی کو دوستی میں تبدیل کرنا اسلام کا ایک اہم ترین پروگرام ہے۔

تعلیمات اسلامی میں اس بات کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ اسے بلند ترین عبادات میں سے قرار دیا گیا ہے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنی آخری وصیتوں میں جبکہ آپ علیہ السلام بستر شہادت پر تھے اپنے فرزند گرامی سے فرمایا:

"انی سمعت جد کما رسول اکرم (ص) یقول اصلاح ذات البین افضل من عامة الصلوة و الصیام"

میں نے تمہارے نانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا لوگوں کے درمیان اصلاح رابطہ مختلف قسم کی مستحب نمازوں اور روزوں سے بھی برتر وافضل ہے۔

(۲) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ	مومن صرف وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کا نام لیا جائے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ صرف اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔
(۳) الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؕ	وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

(۴)اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَهُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَمَغۡفِرَةٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِيۡمٌ ۚ	حقیقی مومن وہ ہیں کہ جن کیلئے ان کے پروردگار کے پاس بے حد درجات ہیں اوران کیلئے مغفرت وبخشش ہےاور بے نقص اور بے عیب روزی ہے۔

تفسیر

مومنین کی پانچ خصوصیات

گذشتہ آیت میں مسلمانوں کے درمیان غنائم پر ہونے والی بحث کی مناسبت سے تقویٰ اور ایمان کی بات کی گئی تھی اس گفتگو کی تکمیل کیلئے زیرنظر آیات میں سچے اور حقیقی مومنین کی صفات مختصر اور پر معنی عبارتوں میں بیان کی گئی ہیں ان آیات میں خدا تعالیٰ نے مومنین کی پانچ امتیازی صفات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جن میں سے تین روحانی اور معنوی پہلو رکھتی ہیں اور دو علمی اور خارجی پہلو رکھتی ہیں پہلے حصے میں احساس ذمہ داری، ایمان کا تکامل وارتقاء اور توکل شامل ہیں

اور دوسرے حصے میں خدا سے ارتباط اور خلق خدا سے تعلق وربط شامل ہیں

پہلے ارشاد ہوتا ہے: مومنین صرف وہ لوگ ہیں کہ جب بھی خدا کا نام لیا جائے تو ان کے دل احساس مسئولیت سے اس کی بارگاہ میں دھڑکنے لگتے ہیں۔

اس کے بعد ان کی دوسری صفت بیان کی گئی ہے وہ راہ تکامل میں مسلسل آگے بڑھتے رہتے ہیں اور ایک لحظہ بھی آرام نہیں کرتے اور جب ان کے سامنے آیات خدا پڑھی جائیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

رشد ونمو اور تکامل وارتقاء تمام زندہ موجودات کی خاصیت ہے جس میں نمو اور تکامل نہ ہو وہ مردہ ہے یا موت کے کنارے پہنچ چکا ہے سچے اور زندہ مومنین یہ ایمان رکھتے ہیں کہ جن کی ہستی کا نو بہار پودا آیات خدا کی آبیاری سے سدا شاداب رہتا ہے تازہ بہ تازہ پھل پھول پیدا کرتا ہے وہ زندہ نما مردوں کی طرح ایک ہی جگہ اور حالت کا شکار نہیں رہتے اور اکتا دینے والی ایک ہی موت کی سی کیفیت میں نہیں رہتے ہر نیا دن آتا ہے تو ان کی فکر ایمان اور صفات بھی تازہ ہوتی ہیں۔

ان کی تیسری نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ صرف اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں۔ان کا افق فکر اس قدر بلند ہے کہ وہ کمزور اور ناتواں مخلوق پر بھروسہ کرنے سے انکار کردیتے ہیں چاہے وہ مخلوق ظاہر میں کتنی ہی عظمت رکھتی ہو اور پانی سرچشمہ سے لیتے ہیں اور وہ جو کچھ چاہتے ہیں اور طلب کرتے ہیں عالم ہستی کے بے کراں سمندر ذات پاک پروردگار سے چاہتے ہیں ان کی روح عظیم ہے اور ان کی سطح فکر بلند ہے اور ان کا سہارا صرف خدا ہے۔

(۳) سچے مومنین کی ان تین قسم کی روحانی صفات کو بیان کرنے کے بعد قرآن کہتا ہے کہ وہ احساس مسئولیت اور عظمت پروردگار کے احساس کے تحت اور اسی طرح بڑھتے ہوئے ایمان اور توکل کی بدولت وہ عملاً دو محکم رشتوں کے حامل ہیں ایک ان کا خدا

سے مستحکم رابطہ اور دوسرا بندگان خدا سے قوی ارتباط وہ ایسے لوگ ہیں کہ نماز کو کہ جو خدا سے رابطہ کا مظہر ہے قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے بندگان خدا کیلئے خرچ کرتے ہیں۔

نماز پڑھنے کی بجائے قیام نماز کی تعبیر اس طرح اشارہ ہے کہ وہ نہ صرف نماز پڑھتے ہیں بلکہ وہ اس طرح سے عمل کرتے ہیں کہ پروردگار سے یہ رابطہ اسی طرح ہر جگہ قائم رہتا ہے۔

(۴) محل بحث آخری آیت میں اس طرح کے سچے مومنین کے بلند مقام و مرتبہ اور فراواں اجر و ثواب کو بیان کیا گیا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے حقیقی مومنین صرف وہی ہیں۔

اس کے بعد ان کیلئے تین اہم جزائیں بیان کی گئی ہیں۔

1۔ وہ اپنے پروردگار کے ہاں اہم درجات کے حامل ہیں۔ وہ درجات کہ جن کی مقدار معین نہیں اور یہی ابہام ان کے غیر معمولی اور بے حد وحساب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

2۔ علاوہ ازیں اس کی مغفرت رحمت اور بخشش ان کے شامل حال ہوگی۔

3۔ اور رزق کریم ان کے انتظار میں ہے (ورزق کریم) یعنی بے حد وحساب بے عیب عظیم اور دائمی نعمات ان کی انتظار میں ہیں۔

(۵) كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ	(بدر کے مال غنیمت سے متعلق تم میں سے بعض کی ناگواری) اسی طرح ہے کہ جیسے خدا نے تجھے تیرے گھر سے حق کے ساتھ باہر (میدان بدر کی طرف) نکالا جب کہ مومنین کا ایک گروہ اسے پسند نہیں کرتا تھا (لیکن اس کا انجام ایک واضح کامیابی تھا)۔
(٦) يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ	اگر چہ وہ جانتے تھے کہ یہ فرمان خدا ہے پھر بھی وہ تجھ سے مجادلہ کرتے تھے (اور خوف وہراس نے انہیں یوں گھیر رکھا تھا) گویا انہیں موت کی طرف لے جایا جا رہا ہے اور (گویا وہ موت کو) اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔

تفسیر

اس سورہ کی پہلی آیت میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ نئے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ جنگ بدر کے غنائم کی تقسیم کی کیفیت سے ناراض تھے یہاں تک کہ زیر بحث آیات میں بھی خداوند عالم انہیں کہتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ کوئی چیز تمہیں اچھی نہ لگے چاہے تمہاری مصلحت اسی میں ہو جیسا کہ خود جنگ بدر تم میں سے بعض کو ناپسند تھی کہ جس کے مال غنیمت کے بارے میں اب تم گفتگو کر رہے ہو لیکن تم نے دیکھا کہ آخر کار وہ مسلمانوں کیلئے درخشاں نتائج کی حامل ہوئی لہٰذا احکام الٰہی کو اپنی کوتاہ نظر سے نہ دیکھو بلکہ ان کے سامنے سر تسلیم خم کرو اور ان کے اصلی نتائج سے فائدہ اٹھاؤ۔

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے: جنگ بدر میں گنائم کی تقسیم کے موقع پر کچھ افراد کی یہ ناگواری ایسے ہی ہے جیسے خدا نے تجھے تیرے گھر اور مقام مدینہ سے حق کے سامنے باہر نکالا جب کہ کچھ مومنین اس سے کراہت کر رہے تھے اور اسے ناپسند کرتے تھے۔

(۶) یہ ظاہر بین اور کم حوصلہ لوگ بدر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں اس فرمان حق کے بارے میں مسلسل تجھ سے مجادلہ اور گفتگو کرتے رہے اگرچہ وہ جانتے تھے کہ یہ حکم خدا ہے پھر بھی اعتراض سے باز نہیں آتے تھے۔ اور انہیں خوف ہراس نے یوں گھیر رکھا تھا جیسے انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو اور گویا وہ اپنی موت اور نابودی کو اپنی آں کھ سے دیکھ رہے ہوں۔

بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ وہ کس قدر غلط فہمی کا شکار تھے اور بلاوجہ خوف و ہراس میں گرفتار تھے اور جنگ بدر مسلمانوں کے لئے کیسے درخشاں کامیابیاں لے کر آئی تو یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود انہوں نے جنگ بدر کے بعد مالِ غنیمت کے سلسلے میں زبان اعتراض کیوں دراز کی ہے۔

(۷) وَ اِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ ۙ	اور وہ وقت (یاد کرو) جب خدا نے تم سے وعدہ کیا کہ دو گروہوں (قریش کے تجارتی، قافلے اور ان کالشکر) میں سے ایک تمہارے قبضے میں دے گا اور تم (جنگ کے خوف سے) چاہتے تھے کہ قافلہ تمہارے قبضے میں آجائے (نہ لشکر قریش)۔ لیکن خدا چاہتا ہے کہ اپنے کلمات سے حق کو تقویت دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے لہٰذا لشکر قریش سے تمہاری مڈبھیڑ کروادی۔
(۸) لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ	لیکن اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات سے حق کو تقویت دے اور کافروں کی جڑ کو کاٹ دیتا کہ حق ثابت ہو جائے اور باطل ختم ہو جائے اگرچہ مجرم اسے ناپسند کرتے ہوں۔

شان نزول

اسلام اور کفر کا پہلا تصادم.......... جنگ بدر

گذشتہ آیات میں چونکہ جنگ بدر کی طرف اشارہ ہو چکا ہے لہٰذا قرآن مجید بحث کو جنگ بدر کے واقعہ کی طرف کھینچ لایا ہے۔ زیر بحث آیات اور آئندہ کی کچھ آیات میں اس سلسلے کے بعض نہایت حساس پہلوؤں کی وضاحت کی گئی

ہے جن میں سے ہر کوئی اپنے اندر تعلیم و تربیت کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے یہ اس لئے ہے تا کہ مسلمان ان حقائق کو کہ جن کا کچھ تجربہ وہ کر چکے ہیں ہمیشہ کیلئے دلنشین کر لیں اور ہمیشہ ان سے سبق حاصل کرتے رہیں۔

زیر نظر آیات اور آئندہ کی آیات کی توضیح و تفسیر سے پہلے اس اسلامی جہاد کا مختصر سا خاکہ پیش کر دینا ضروری ہے جو کہ سخت ترین اور خون آشام دشمنوں سے مسلمانوں کی پہلی مسلح جنگ تھی۔ یہ اس لئے ہے تا کہ ان آیات میں جو باریک نکتے اور اشارات آئے ہیں وہ مکمل طور پر واضح ہو سکیں۔

جنگ بدر کی ابتداء یہاں سے ہوئی کہ مکہ والوں کا ایک اہم تجارتی قافلہ شام سے مکہ کی طرف واپس جا رہا تھا اس قافلے کو مدینہ کی طرف سے گزرنا تھا اہل مکہ کا سردار ابوسفیان قافلہ کا سالار تھا اس کے پاس پچاس ہزار دینار کا مال تجارت تھا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس عظیم قافلے کی طرف تیزی سے کوچ کا حکم دیا کہ جس کے پاس دشمن کا ایک بڑا سرمایہ تھا تا کہ اس سرمائے کو ضبط کر کے دشمن کی اقتصادی قوت کو سخت ضرب لگائی جائے تا کہ اس کا نقصان دشمن کی فوج کو پہنچے۔

بہر حال ایک طرف ابوسفیان کو مدینہ میں اس کے دوستوں کے ذریعے اس امر کی اطلاع مل گئی اور دوسری طرف اس نے اہل مکہ کو صورت حال کی اطلاع کیلئے ایک تیز رفتار قاصد روانہ کر دیا کیونکہ شام کی طرف جاتے ہوئے بھی اسے اس تجارتی قافلے کی راہ میں رکاوٹ کا اندیشہ تھا۔

قاصد ابوسفیان کی نصیحت کے مطابق اس حالت میں مکہ میں داخل ہوا کہ اس نے اپنے اونٹ کی ناک کو چیر دیا تھا اس کے کان کاٹ دیئے تھے خون ہیجان انگیز طریقے سے اونٹ سے بہہ رہا تھا قاصد نے اپنی قمیض کو دونوں طرف سے پھاڑ دیا تھا اور اونٹ کی پشت کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہوا تھا تا کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے مکہ میں داخل ہوتے ہی اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

اے کامیاب و کامران لوگو! اپنے قافلے کی خبر لو اپنے کارواں کی مدد کرو جلدی کرو۔

اس کی پکار نے تمام اہل مکہ کو ہلا کے رکھ دیا اور چونکہ تمام اہل مکہ کا اس قافلے میں حصہ تھا سب فوراً جمع ہو گئے ابو جہل کی کمان میں ایک لشکر تیار ہوا اس میں ۹۵۰ جنگجو تھے جن میں سے بعض ان کے بڑے اور مشہور سردار اور بہادر تھے ۷۰۰ اونٹ تھے اور ۱۰۰ گھوڑے تھے لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۳۱۳ افراد کے ساتھ جن میں تقریباً تمام مجاہدین اسلام تھے سرزمین بدر کے پاس پہنچ گئے تھے یہ مقام مکہ اور مدینہ کے راستے میں ہے یہاں آپ کو قریش کے لشکر کی روانگی کی خبر ملی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ کیا ابوسفیان کے قافلے کا تعاقب کیا جائے اور قافلے کے مال پر قبضہ کیا جائے یا لشکر کے مقابلے کیلئے تیار ہوا جائے ایک گروہ نے دشمن کے لشکر کا مقابلہ کرنے کو ترجیح دی جب کہ دوسرے گروہ نے اس تجویز کو ناپسند کیا

اور قافلے کے تعقب کو ترجیح دی۔

ان تمام باتوں کے باوجود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے گروہ کے نظریے کو پسند فرمایا اور حکم دیا کہ دشمن کی فوج پر حملے کی تیاری کی جائے۔

دوسری طرف جیسا کہ ہم نے کہا ہے مسلمانوں کا ایک گروہ وحشت وخوف میں غرق تھا اس کا اصرار تھا کہ اتنی بڑی فوج کہ جس سے مسلمانوں کا کوئی موازنہ نہیں خلاف مصلحت ہے لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے وعدے سے انہیں جوش دلایا اور انہیں جنگ پر ابھارا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ دو گروہوں میں سے ایک پر تمہیں کامیابی حاصل ہوگی قریش کے قافلے پر یا لشکر قریش پر اور خدا کے وعدہ کے خلاف نہیں ہوسکتا خدا کی قسم ابو جہل اور کئی سرداران قریش کے مقام قتل کو گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ بدر کے کنوئیں کے قریب پڑاوَ ڈالیں۔

اس ہنگامے میں ابوسفیان اپنا قافلہ خطرے کے علاقے سے نکال لے گیا اصل راستے سے ہٹ کر دریائے احمر کے ساحل کی طرف سے وہ تیزی سے مکہ پہنچ گئے اس کے اک قاصد کے ذریعے لشکر کو پیغام بھیجا۔

خدا نے تمہارا قافلہ بچالیا ہے میرا خیال ہے کہ ان حالات میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقابلہ کرنا ضروری نہیں کیونکہ اس کے اتنے دشمن ہیں جو اس کا حساب چکالیں گے۔

لشکر کے کمانڈر ابوجہل نے اس تجویز کو قبول نہ کیا اس نے اپنے بڑے بتوں لات اور عزی کی قسم کھائی کہ نہ صرف ان کا مقابلہ کریں گے بلکہ مدینہ کے اندر تک ان کا تعقب کریں گے۔

آخر کار لشکر قریش بھی مقام بدر تک آپہنچا انہوں نے اپنے غلام پانی لانے کیلئے کنویں کی طرف بھیجے اصحاب پیغمبر نے انہیں پکڑ لیا اور ان سے حالات معلوم کرنے کیلئے انہیں خدمت پیغمبر میں لے آئے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم قریش کے غلام ہیں فرمایا لشکر کی تعداد کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں اس کا پتہ نہیں فرمایا ہر روز کتنے اونٹ کھانے کیلئے نحر کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا نو سے دس تک فرمایا ان کی تعداد نو سو سے لے کر ایک ہزار تک ہے ایک اونٹ ایک سو فوجی جوانوں کی خوارک ہے)

ماحول پر ہیبت اور وحشت ناک تھا لشکر قریش کے پاس فراواں جنگی ساز وسامان تھا یہاں تک کہ حوصلہ بڑھانے کیلئے وہ گانے بجانے والی عورتوں کو بھی ساتھ لائے تھے وہ اپنے سامنے ایسے حریف کو دیکھ رہے تھے کہ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ ان حالات میں وہ میدان جنگ میں قدم رکھے گا۔

دوسری مشکل جس سے مجاہدین کو پریشانی تھی وہ میدان بدر کی کیفیت تھی ان کی طرف زمین نرم تھی اور اس میں پاؤں دھنس جاتے تھے رات یہ ہوا کہ خوب بارش ہوئی اس کے پانی سے مجاہدین نے وضو کیا غسل کیا اور تازہ دم ہوگئے

ان کے نیچے کی زمین بھی اس سے سخت ہوگئی تعجب کی بات یہ ہے کہ دشمن کی طرف اتنی زیادہ بارش ہوئی کہ وہ پریشان ہو گئے۔

اگلے روز چھوٹا سا اسلامی لشکر بڑے ولولے کیساتھ دشمن کے سامنے صف آراء ہوا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے انہیں صلح کی تجویز پیش کی تا کہ عذر اور بہانہ باقی نہ رہے۔بعض سرداران قریش چاہتے تھے یہ صلح کا ہاتھ جوان کی طرف بڑھایا گیا ہے اسے تھام لیں اور صلح کر لیں لیکن پھر ابوجہل مانع ہوا۔

آخر کار جنگ شروع ہوئی اس زمانے کے طریقے کے مطابق پہلے ایک کے مقابلے میں ایک نکلا۔ادھر لشکر اسلام میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حمزہ علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام جو جوان ترین افراد تھے میدان میں نکلے مجاہدین اسلام میں سے چند اور بہادر بھی اس جنگ میں شریک ہوئے ان جوانوں نے اپنے حریفوں کے پیکر پر سخت ضربیں لگائیں اور کاری وار کئے اور ان کے قدم اکھیڑ دیئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست دعا آسمان کی طرف بلند کئے اور عرض کیا:

"یا رب ان تھلک ھذہ العصابة لم نعبد"

(پروردگار! اگر یہ گروہ مارا گیا تو کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں ہوگا)

دشمن کے لشکر کی سمت سخت ہوا چل رہی تھی اور مسلمان ہوا کی طرف پشت کر کے ان پر حملے کر رہے تھے ان کی استقامت پامردی اور دلاوری نے قریش کا ناطقہ بند کر دیا ابوجہل سمیت دشمن کے ستر آدمی قتل ہو گئے ان کی لاشیں خاک وخون میں غلطاں پڑی تھیں۔ستر افراد ہی مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو گئے مسلمانوں کے بہت کم افراد شہید ہوئے۔

اس طرح مسلمانوں کی پہلی مسلح جنگ طاقتور دشمن کے خلاف غیر متوقع کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

تفسیر

جنگ بدر کی کچھ کیفیت بیان ہو چکی ہے اب ہم زیر نظر آیات کی تفسیر کی جانب لوٹتے ہیں پہلی آیت میں جنگ بدر میں اجمالی طور پر کامیابی کے خدائی وعدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ وقت یاد کرو جب خدا نے تم سے وعدہ کیا کہ دو گروہوں میں سے ایک قریش کا تجارتی قافلہ یا لشکر قریش تمہارے قبضے میں دے گا۔لیکن تم جنگ کی مصیبت اس سے تلف ہونے والے جان و مال اور اس سے پیدا ہونے والی پریشانیوں کی وجہ سے چاہتے تھے کہ قافلہ تمہارے قبضے میں آجائے نہ کہ لشکر قریش۔

مفہوم یہ ہوا کہ تم میں سے ایک گروہ آرام طلبی کیلئے یا مادی مفاد کیلئے چاہتا تھا کہ مال تجارت کی طرف جایا جائے نہ کہ مسلح فوج کا سامنا کیا جائے حالانکہ اختتام جنگ نے ثابت کر دیا کہ ان کی حقیقی مصلحت اس میں تھی کہ وہ دشمن کی فوجی طاقت کو درہم برہم کر دیں تا کہ آئندہ کی عظیم کامیابیوں کی راہ ہموار ہو جائے لہٰذا اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے خدا چاہتا ہے کہ اس طرح سے اپنے کلمات سے حق کو ثابت کرے اور دین اسلام کو تقویت دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔لہٰذا یہ تم سب مسلمانوں کیلئے بہت بڑا درس عبرت تھا کہ مختلف

حوادث میں ہمیشہ دوراندیشی سے کام لو مستقبل کی تعمیر کرو کوتاہ اندیش نہ بنو اور صرف آج کی فکر میں نہ رہو اگرچہ دور اندیشی اور انجام کار پر نظر رکھنے میں بہت مشکلات ہیں اور کوتاہ بینی کے نتیجے میں آسائش اور جلدی گزر جانے والے مادی منافع کا حصول ہوتا ہے۔

(۸) اس آیت میں زیادہ واضح طور پر اس مطلب سے پردہ اٹھایا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے اس پروگرام کا مسلمانوں کی میدان بدر میں فوج دشمن سے مڈبھیڑ کا اصلی ہدف اور مقصد یہ تھا کہ حق یعنی توحید اسلام عدالت اور انسانی آزادی خرافات قید و بند اور مظالم کے چنگل سے آزاد ہو جائے اور باطل یعنی شرک کفر بے ایمانی ظلم اور فساد ختم ہو جائے اگرچہ مجرم مشرکین اور مشرک مجرمین اسے پسند نہ کریں۔

(۹) اِذۡ تَسۡتَغِیۡثُوۡنَ رَبَّکُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَکُمۡ اَنِّیۡ مُمِدُّکُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُرۡدِفِیۡنَ	وہ وقت (یاد کرو جب پریشانی کے عالم میں میدان بدر میں) اپنے رب سے تم مدد چاہ رہے تھے اور اس نے تمہاری خواہش کو پورا کر دیا (اور کہا) کہ میں تمہاری ایک ہزار ایسے فرشتوں سے مدد کروں گا جو ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہوں گے۔
(۱۰) وَ مَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشۡرٰی وَ لِتَطۡمَئِنَّ بِہٖ قُلُوۡبُکُمۡ ۚ وَ مَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ۠	لیکن خدا نے یہ صرف تمہاری خوشی اور تمہارے اطمینان قلب کیلئے کیا ورنہ بغیر خدا کی جانب (رجوع) کے کامیابی نہیں ہے یقیناً اللہ توانا اور حکیم ہے۔
(۱۱) اِذۡ یُغَشِّیۡکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنۡہُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَہِّرَکُمۡ بِہٖ وَ یُذۡہِبَ عَنۡکُمۡ رِجۡزَ الشَّیۡطٰنِ وَ لِیَرۡبِطَ عَلٰی قُلُوۡبِکُمۡ وَ یُثَبِّتَ بِہِ الۡاَقۡدَامَ ؕ	وہ وقت (یاد کرو) جب اونگھ نے جو کہ آرام اور سکون کا سبب تھی خدا کی طرف سے تمہیں گھیر لیا اور آسمان کی طرف سے تم پر پانی نازل کیا تاکہ اس سے وہ تمہیں پاک کرے، اور شیطانی پلیدی تم سے دور کرے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور تمہیں ثابت قدم بنادے۔
(۱۲) اِذۡ یُوۡحِیۡ رَبُّکَ اِلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیۡ مَعَکُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَ اضۡرِبُوۡا مِنۡہُمۡ کُلَّ بَنَانٍ ؕ	وہ وقت (یاد کر) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں جو لوگ ایمان لائے ہیں انہیں ثابت قدم رکھو میں جلد ہی کافروں کے دل میں خوف اور وحشت ڈال دوں گا۔ پس تم دشمنوں کے (سروں) گردنوں پر ضربیں لگاؤ اور ان کے ہاتھ پاؤں بے کار کر دو۔

(۱۳) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ	یہ اس بناء پر ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے پیغمبر سے دشمنی کی ہے اور جو بھی اللہ اور اس کے پیغمبر سے دشمنی کرے گا (وہ سخت سزا پائے گا) تحقیق اللہ شدید العقاب ہے۔
(۱۴) ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ	یہ (دنیاوی سزا) چکھو اور کافروں کیلئے تو (جہنم کی) آگ کی سزا (دوسرے جہان میں) ہوگی۔

تفسیر

بدر کے تربیتی دروس

پہلے فرشتوں کی مدد کا ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے وہ وقت یاد کرو جب دشمنوں کی کثرت تعداد اوران کے زیادہ جنگی ساز وسامان سے وحشت واضطراب کے باعث تم نے خدا کی پناہ لی اور دست حاجت اس کی طرف دراز کیا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔

کچھ روایات میں آیا ہے کہ خدا سے استغاثہ اور مدد طلب کرنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مسلمانوں کے ساتھ ہم آواز تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرر کھے تھے اور کہہ رہے تھے۔

"اللهم انجز لی ما وعد تنی اللهم ان تهلک هذه العصابة لا تعبد فی الارض"

خدایا! مجھ سے جو تو نے وعدہ کیا تھا اسے پورا کردے پروردگار! اگر مومنین کا یہ گروہ مارا گیا تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس استغاثہ اور دعا کو اتنا طول دیا کہ عبا آپ کے دوش مبارک سے گر گئی۔

اس وقت خدا نے تمہاری دعا اور درخواست کو قبول کرلیا اور فرمایا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری نصرت کروں گا جو ایک دوسرے کے پیچھے آرہے ہوں گے۔

(۱۰) اس کے بعد کہ کہیں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ کامیابی فرشتوں یا ان جیسوں کے ہاتھ میں ہے فرمایا گیا ہے خدا نے ایسا صرف بشارت کے طور پر اور تمہارے اطمینان قلب کیلئے کیا۔ ورنہ کامیابی تو صرف خدا کی طرف سے ہے اور ان ظاہری اور باطنی اسباب کے اوپر اس کا ارادہ اور مشیت ہے۔ کیونکہ خدا ایسا قادر وقوی ہے کہ کوئی بھی اس کے ارادہ اور مشیت کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا اور ایسا حکیم ودانا ہے کہ اس کی مدد اصل افراد کے علاوہ کسی کو نہیں پہنچتی۔

(۱۱) اس کے بعد خدا تعالیٰ مومنین کو اپنی دوسری نعمت یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے وہ وقت یاد کرو جب تمہیں اونگھ نے گھیر لیا جو خدا کی طرف سے تمہارے جسم وروح کیلئے باعث سکون تھی۔

تیسری نعمت جو اس میدان میں تمہیں عطا کی گئی یہ تھی کہ آسمان سے تم پر پانی برسایا۔

تا کہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کرے اور شیطانی نجاست تم سے دور کر دے۔

علاوہ ازیں خدا چاہتا تھا کہ اس نعمت کے ذریعے تمہارے دلوں کو محکم کر دے۔ نیز چاہتا تھا کہ یہ ریتلی زمین جس میں تمہارے پاؤں دھنس جاتے تھے اور پھسل جاتے تھے بارش کے برسنے کی وجہ سے مضبوط ہو جائے تا کہ تمہارے قدم مضبوط ہو جائیں۔

(۱۲) مجاہدین بدر پر پروردگار کی نعمتوں میں سے ایک نعمت وخوف وہراس تھا جو دشمنوں کے دلوں میں ڈال دیا گیا تھا جس نے ان کے حوصلوں کو متزلزل کر رکھا تھا اس سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے وہ وقت یاد کرو جب خدا نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تم اہل ایمان کو تقویت دو اور انہیں ثابت قدم رکھو۔ اور عنقریب میں کافروں کے دلوں میں خوف اور وحشت ڈال دوں گا۔

واقعاً یہ عجیب وغریب بات تھی کہ تواریخ کے مطابق مسلمانوں کے چھوٹے سے لشکر کے مقابلے قریش کی طاقتور فوج نفسیاتی طور پر اس قدر شکست خوردہ ہو چکی تھی کہ ان میں سے ایک گروہ مسلمانوں سے جنگ کرنے سے ڈرتا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعے مسلمانوں کو جو پیغام دیا تھا وہ انہیں یاد دلایا جا رہا ہے اور وہ یہ کہ مشرکین سے جنگ کرتے وقت غیر موثر ضربوں سے پرہیز کرو اور انہیں ضائع نہ کرو بلکہ دشمن پر کاری ضربیں لگاؤ گردن سے اوپر ان کے مغز اور سر پر ضرب لگاؤ۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں بیکار کر دو۔

(۱۳) ان تمام باتوں کے بعد اس بناء پر کہ کوئی ان سخت فرامین اور سرکوبی کرنے والے ان لازمی وقطعی احکام کو آئین جوانمردی اور رحم وانصاف کے خلاف تصور نہ کرے فرمایا گیا ہے وہ اس چیز کے مستحق ہیں کیونکہ وہ خدا اور اس کے پیغمبر کے سامنے عداوت دشمنی نافرمانی اور سرکشی پر اتر آئے ہیں۔

''شاقوا'' ''شقاق'' کے مادہ سے ہے اس کا معنی ہے شگاف اور جدائی اور چونکہ مخالف دشمن اور معصیت کار اپنی صف جدا کر لیتا ہے لہٰذا اس کے عمل کو شقاق کہتے ہیں اور جو شخص بھی خدا اور پیغمبر کی مخالفت کے دروازے سے داخل ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا میں گرفتار ہوگا کیونکہ جس طرح اس کی رحمت وسیع اور لامتناہی ہے اس کی سزا بھی شدید اور دردناک ہے۔

(۱۴) اس کے بعد اس امر کی تاکید کیلئے ارشاد ہوتا ہے اس دنیا کی سزا کا مزہ چکھو میدان جنگ میں کاری ضربوں قتل قید اور شکست کی سزا بھگتو اور دوسرے جہان کی سزا کے منتظر رہو (کیونکہ جہنم کی) آگ کا عذاب کافروں کے انتظار میں ہے۔

(۱۵) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ	اے ایمان والو! جب میدان جنگ میں کافروں کا سامنا کرو تو ان سے پشت نہ پھیرو۔
(۱۶) وَ مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ	اور جو شخص اس وقت ان سے پیٹھ پھیرے گا مگر یہ کہ اس کا مقصد میدان سے لوٹ کر نیا حملہ کرنا ہو یا (مجاہدین کے) گروہ سے ملنا ہو

فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ	تو (ایسا شخص) غضب پروردگار میں گرفتار ہوگا اور اس کی قرارگاہ جہنم ہے اور وہ کیسی بری جگہ ہے۔
(۱۷) فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ	یہ تم نہ تھے جنہوں نے انہیں قتل کیا بلکہ خدا نے انہیں قتل کیا ہے اور (اے پیغمبر!) یہ تو نہ تھا جس نے (ان کے چہروں پر) مٹی پھینکی بلکہ خدا نے پھینکی تھی اور اللہ چاہتا تھا کہ وہ مومنین کو اس طرح اچھی طرح آزمالے۔یقیناً اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔
(۱۸) ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ	مومنین اور کافرین کی سرنوشت یہی ہے جو تم نے دیکھ لی اور خدا کفار کی سازشوں کو کمزور کرنے والا ہے۔

تفسیر

جہاد سے فرار ممنوع ہے

لہٰذا زیرنظر آیات میں روئے سخن مومنین کی طرف کرتے ہوئے ان سے ایک عمومی جنگی اصول اور حکم نصیحت اور تاکید کے طور پر بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے اے وہ لوگو! جو ایمان لاچکے ہو جب بھی میدان جنگ میں کافروں سے تمہارا آمنا سامنا ہو تو انہیں پشت نہ دکھاؤ اور راہ فرار اختیار نہ کرو۔

(۱۶) جو لوگ دشمن سے جنگ کرتے وقت ان سے پشت پھیرلیں مگر یہ کہ یہ کنارہ کشی کسی جنگی چال کیلئے ہو یا مسلمان گروہ سے مل کر نئے حملے کیلئے ہو تو ایسے لوگ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوں گے۔

جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ فرار کے معاملے میں اس آیت میں دو استثنائی صورتیں بیاں کی گئی ہیں جو ظاہری طور پر فرار ہیں لیکن دراصل مقابلے اور جہاد کی صورتیں ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے جنگ سے بھاگ جانے والے نہ صرف غضب الٰہی کا شکار ہوں گے بلکہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسی بری جگہ ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کو جو بہت سے امتیازات حاصل تھے اور آپ علیہ السلام کبھی کبھار دوسروں کی تشویق کیلئے جن کی طرف اشارہ کرتے تھے ان میں سے ایک میدان جنگ سے فرار نہ کرنا بھی تھا آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”انی لم افر من الزحف قط ولم يبارزني احد الاسقيت الارض من دمه“

(حالانکہ میں نے اپنی پوری زندگی میں بہت سی جنگوں میں شرکت کی ہے لیکن میں نے دشمن کی فوج کے

سامنے سے کبھی فرار نہیں کیا اور کوئی شخص میدان جنگ میں میرے سامنے نہیں آیا مگر یہ کہ میں نے اس کے خون سے زمین کو سیراب کر دیا)۔

(۱۷)اس کے بعد اس بناء پر کہ مسلمان جنگ بدر کی کامیابی پر مغرور نہ ہوں اور صرف اپنی جسمانی قوت و طاقت پر بھروسہ نہ کرنے لگ جائیں بلکہ ہمیشہ اپنے قلب وروح کو یاد الٰہی اور نصرت خدا سے گرم اور روشن رکھیں ارشاد فرمایا گیا ہے میدان بدر یہ تم نے دشمن کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے انہیں قتل کیا ہے۔

اور اے پیغمبر! ان کے چہروں پر تو نے مٹی اور ریت نہیں پھینکی بلکہ خدا نے پھینکی ہے۔

آیت کے آخر میں ایک اور اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ میدان بدر مسلمانوں کیلئے ایک آزمائش کا میدان تھا اور خدا چاہتا تھا کہ مومنین کو اپنی طرف سے اس کامیابی کے ذریعے آزمائے۔

لہٰذا آیت کو اس جملے پر قیام کیا گیا ہے خدا سننے والا بھی ہے اور جاننے والا بھی۔یعنی خدا نے پیغمبر اور مومنین کی صدائے استغاثہ سنی اور وہ ان کی صدق نیت واخلاص سے آگاہ اور باخبر تھا اسی لئے اس نے سب پر اپنا لطف فرمایا اور انہیں دشمن پر کامیاب کیا آئندہ بھی خدا مسلمانوں کے اخلاص نیت اور پامردی واستقامت کے مطابق ہی ان سے سلوک کرے گا

(۱۸)اس آیت میں اس امر کی تاکید اور اظہار عمومیت کیلئے فرمایا گیا ہے مومنین اور کافرین کا انجام وہی تھا جو تم نے سن لیا ہے۔

اس کی بعد علت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے اللہ کفار کی سازشوں کو مومنین کے مقابلے میں کمزور کر دیتا ہے تاکہ انہیں اور ان کے پروگراموں کو کوئی نقصان اور زد نہ پہنچا سکیں۔

(۱۹) اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا فَقَدۡ جَآءَکُمُ الۡفَتۡحُ ۚ وَ اِنۡ تَنۡتَهُوۡا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَ اِنۡ تَعُوۡدُوۡا نَعُدۡ ۚ وَ لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡکُمۡ فِئَتُکُمۡ شَيۡـًٔا وَّ لَوۡ کَثُرَتۡ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۠	اگر تم فتح وکامرانی چاہتے ہوتو وہ تمہاری طرف آئی ہے اور اگر مخالفت سے اجتناب کروب تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر لوٹ آؤ تو ہم بھی پلٹ آئیں گے اور تمہاری جمعیت چاہے کتنی زیادہ کیوں نہ ہو وہ تمہیں (خدائی مدد سے) بے نیاز نہیں کرسکتی اور خدا مومنین کے ساتھ ہے۔

تفسیر

لہٰذا جنگ بدر کے اختتام پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور ان سے کہا گیا اگر تم فتح وکامرانی اور دین حق کے خواہاں ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین کامیاب ہوا اور اس کی حقانیت تم پر واضح اور آشکار ہوگئی۔

اور اگر دین شرک سے اور فرمان خدا کی مخالفت سے ہاتھ اٹھا لو تو یہ بات تمہارے فائدے میں ہے۔ اور اگر تم مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے لوٹ آ ؤ گے تو ہم بھی تمہاری طرف پلٹ آئیں گے اور مسلمانوں کو کامیاب کریں گے اور تمہیں مغلوب کر دیں گے۔

تمہاری جمعیت کتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہو تمہیں بے نیاز نہیں کر سکتی۔ اور خدا مومنین کے ساتھ ہے۔

بعض مفسرین نے اس میں مومنین کو مخاطب سمجھا ہے اس لحاظ سے بہترین تفسیر یہ بنتی ہے کہ بعض نئے اور ضعیف الایمان مسلمانوں کے درمیان جنگی اموال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تو یہ آیات نازل ہوئیں اور انہیں سرزنش کی اور اموال غنیمت پورے کے پورے پیغمبرﷺ کے اختیار اور ملکیت میں دے دیئے آپ نے بھی مساوی طور پر انہیں تمام مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اس کے بعد مومنین کی تربیت کیلئے انہیں جنگ بدر کے واقعات یاد دلائے گئے ہیں کہ کس طرح سے خدا تعالیٰ نے انہیں ایک طاقتور دشمن کے مقابلے میں کامیابی عطا کی۔

یہ آیت بھی اسی مطلب کا تکرار کر رہی ہے کہ اگر تم مسلمانوں نے خدا سے فتح و کامیابی کا تقاضا کیا تو خدا نے تمہاری دعا کو قبول کر لیا اور تم کامیاب ہو گئے۔

اور اگر پیغمبرﷺ کے سامنے اعتراض کرنے اور باتیں بنانے سے بچو تو یہ تمہارے فائدے میں ہے اور اگر تم اپنی اسی اعتراض آمیز روش کی طرف پلٹ گئے تو ہم بھی پلٹ جائیں گے اور تمہیں دشمن کے چنگل میں تنہا چھوڑ دیں گے اور تمہاری جمعیت چاہے کتنی زیادہ کیوں نہ ہوں خدائی مدد کے بغیر وہ کوئی کام نہیں کر سکے گی اور خدا تعالیٰ سچے اور اپنے فرمان کے مطیع مومنین اور اپنے پیغمبر کے ساتھ ہے چونکہ خصوصاً آئندہ چند آیات بھی مسلمانوں کو ان کی چند مخالفتوں کی وجہ سے ملامت کر رہی ہے اور گذشتہ آیات میں بھی ہم نے ایسا ہی دیکھا ہے نیز آیات میں معنوی ربط بھی واضح ہے لہٰذا دوسری تفسیر زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔

(۲۰) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ج صلے	اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور روگردانی نہ کرو جبکہ تم اس کی باتیں سنتے ہو۔
(۲۱) وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ	اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کہتے تھے ہم نے سنا ہے لیکن درحقیقت وہ سنتے نہ تھے۔
(۲۲) اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ	زمین پر چلنے والوں میں سے خدا کے نزدیک بدترین وہ گونگے اور بہرے افراد ہیں جو عقل و فکر نہیں رکھتے۔

(۲۳)وَ لَوۡ عَلِمَ اللّٰهُ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا لَّاَسۡمَعَهُمۡ‌ؕ وَ لَوۡ اَسۡمَعَهُمۡ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ	اور اگر خدا ان میں کوئی بھلائی جانتا (تو حق بات) ان کے کانوں تک پہنچاتا لیکن (ان کی موجودہ حالت میں) اگر حق ان کے کانوں تک پہنچتا ہے تو وہ مخالفت کرتے ہیں اور روگرداں ہوتے ہیں۔

تفسیر

سننے والے بہرے

تمام امور میں پیغمبر خدا کی مکمل اطاعت کی دعوت کے سلسلے میں ہیں۔آیات کا لب ولہجہ نشاندہی کرتا ہے کہ اس سلسلے میں بعض مومنین نے اپنے فرض میں کوتاہی کی تھی لہٰذا پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

دوبارہ تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے اور اس کے حکم کی اطاعت سے کبھی روگردانی نہ کرو جب کہ تم اس کی باتیں اور اوامر ونواہی سنتے ہو۔

(۲۱)اسی سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے ان لوگوں کی مانند نہ ہوجاؤ تو کہتے تھے ہم نے سنا ہے لیکن درحقیقت وہ نہیں سنتے تھے۔

(۲۲) گفتار عمل کے بغیر اور سننا تاثیر کے بغیر انسانی معاشروں کیلئے ایک بہت بڑی مصیبت ہے اور بہت سی بدبختیوں کا سر چشمہ ہے لہٰذا دوبارہ اگلی آیت میں بھی یہ سلسلہ کلام جاری ہے اور ایک دوسرے خوبصورت انداز میں فرمایا گیا ہے زمین پر چلنے والوں میں سے خدا کے نزدیک بدترین وہ ہیں جو نہ سننے والے کان رکھتے ہیں نہ بولنے والی زبان اور نہ ہی عقل وادارک وہ بہرے گونگے اور بے عقل ہیں۔

(۲۳)اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے خدا انہیں حق کی دعوت دینے میں کوئی مضائقہ نہیں جانتا گروہ مائل ہوتے اور خدا اس لحاظ سے ان میں خیر اور بھلائی دیکھتا تو جیسے بھی ہوتا ان تک حق بات پہنچا۔

کچھ روایات میں آیا ہے کہ ہٹ دھرم بت پرستوں کی ایک جماعت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی یہ لوگ کہنے لگے ہمارے جد بزرگ قصی ابن کلاب کو زندہ کرو اور وہ تمہاری نبوت کی گواہی دے تو ہم سب تسلیم کرلیں گے ان پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا ہے کہ اگر یہ لوگ یہی بات حقیقت کے طور پر کہتے تو خدا یہ کام معجزنمائی کے طور پر انجام دے دیتا لیکن یہ جھوٹ بولتے ہیں اور ان کا ہدف قبول حق سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے اور اگر اس حالت میں خدا ان کی درخواست قبول کرلے اور حق بات اس سے زیادہ ان کے کانوں تک پہنچائے یا ان کے جد قصی ابن کلاب کو زندہ کردے اور یہ اس کی گواہی سن لیں پھر بھی یہ روگردانی کریں گے اعراض کئے رہیں گے۔

یہ جملے ایسے لوگوں کے بارے میں ہیں جنہوں نے بارہا حق کی باتیں سنی ہیں اور قرآن کی روح پرور آیات ان کے کانوں تک پہنچی ہیں اور انہوں نے ان کے مضامین و مفاہیم کو سمجھا ہے مگر پھر بھی تعصب اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے ان کا انکار کرتے ہیں ایسے افراد اپنے اعمال کی وجہ سے ہدایت کی صلاحیت گنوا بیٹھے ہیں اور اب خدا اور اس کے پیغمبر کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔

یہ آیت جبری مذہب کے پیروکاروں کیلئے ایک دندان شکن جواب ہے یہ آیت نشاندہی کرتی ہے کہ تمام سعادتوں کا سر چشمہ خود انسان ہے اور خدا بھی لوگوں کی اہلیت اور آمادگی کے لحاظ سے ہی ان سے سلوک کرتا ہے۔

(۲۴) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ	اے ایمان والو! خدا اور پیغمبر کی دعوت قبول کرو جب وہ تمہیں ایسی چیز کی طرف پکارے جو تمہاری زندگی کا سبب ہی اور جان لو کہ خدا انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تم سب (قیامت میں) اس کے پاس محشور ہو گے۔
(۲۵) وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ	اور اس فتنے سے ڈرو جو صرف تمہارے ظالموں کو نہیں پہنچے گا بلکہ سب کو گھیر لے گا کیونکہ دوسروں نے خاموشی اختیر کی تھی اور جان لو کہ خدا شدید العقاب ہے۔
(۲٦) وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ	اور وہ وقت یاد کرو جب تم روئے زمین پر ایک مختصر چھوٹا اور کمزور گروہ تھے یہاں تک کہ تم ڈرتے تھے کہ کہیں (مشرک) لوگ تمہیں اچک نہ لیں لیکن ان سے تمہیں پناہ دی تمہاری مدد کی اور تمہیں پاکیزہ رزق سے بہرہ مند کیا تا کہ اس کی نعمت کا شکرادا کرو۔

تفسیر

دعوت زندگی کی طرف

گذشتہ آیات میں مسلمانوں کو علم عمل اطاعت اور تسلیم کی رطف دعوت دی گئی تھی ان آیات میں اسی ہدف کو ایک اور انداز سے حاصل کیا گیا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے اے ایمان لانے والو! خدا اور اس کے پیغمبر کی دعوت کو قبول کرو جب وہ تمہیں ایسی چیز کی طرف دعوت دیتا ہے جو تمہیں زندہ کرتی ہے۔

مندرجہ بالا آیت صراحت سے کہتی ہے کہ دعوت اسلام دراصل زندگی اور حیات کیطرف دعوت ہے حیات روحانی حیات مادی، حیات ثقافتی حیات اقتصادی حیات سیاسی حقیقی مفہوم کے ساتھ حیات اخلاقی اور حیات اجتماعی غرض اسلام کی دعوت ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے حیات ہے۔

(۲۴) اس کے بعد فرمایا گیا ہے جان لو کہ خدا انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تم سب قیامت میں اس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور تمام موجودات پر محیط ہے وہ ان موجودات میں سے نہیں لیکن ان سے جدا بھی نہیں موت و حیات علم و قدرت امن و سکون اور توفیق و سعادت سب اس کے ہاتھ میں ہیں اور اس کے قبضہ قدرت میں ہیں لہذا انسان نہ کوئی چیز اس سے چھپا سکتا ہے نہ کوئی کام اس کی توفیق کے بغیر کر سکتا ہے اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ انسان اس کے علاوہ کسی کی طرف رخ کرے اور اس کے غیر سے درخواست کرے کیونکہ وہی تمام چیزوں کا مالک ہے اور انسان کے تمام وجود پر محیط ہے۔

(۲۵) اس کے بعد خدا اور پیغمبر کی حیات بخش دعوت قبول نہ کرنے کے برے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس فتنے سے بچو کہ جو تم میں سے صرف ظالموں ہی کو نہیں آلے گا بلکہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

لفظ ''فتنة'' قرآن مجید میں مختلف مواقع پر استعمال ہوا ہے کبھی آزمائش و امتحان کے معنی میں اور کبھی بلاء مصیبت اور عذاب کے معنی میں۔

زیر بحث آیت میں یہ لفظ اجتماعی مصائب آلام کے مفہوم میں ہے کہ جو سب کو دامنگیر ہوں اصطلاح کی زبان میں جس میں خشک و تر سب جل جائیں۔

(۲۵) جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حکم کی دنیاوی اور اخروی دونوں سزاؤں پر صادق آتا ہے اور اسی طرح ایک گروہ یا سب کے اعمال کے نتائج اور آثار کے سلسلے میں بھی صادق آتا ہے۔

آیت کے آخر میں تہدید آمیز لہجے میں کہا گیا ہے جان لو کہ خدا کا عذاب و عقاب سخت ہے۔

(۲۶) قرآن مسلمانوں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں ایک مرتبہ پھر ان کی گذشتہ تاریخ کی طرف پلٹاتا ہے اور انہیں سمجھاتا ہے کہ تم کس درجے میں تھے اور اس وقت کس مقام پر کھڑے ہوتا کہ جو درس انہیں گذشتہ آیات میں دیا گیا ہے اس کا اچھی طرح ادراک کر لیں ارشاد ہوتا ہے وہ وقت یاد کرو جب تم ایک چھوٹا سا ناتواں گروہ تھے اور دشمنوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ تمہیں ضعف و ناتوانی کی طرف کھینچ لے جائیں۔ اس طرح کہ تم ڈرتے تھے کہ کہیں مشرکین اور مخالفین تمہیں اچک نہ لیں۔

یہ ایک لطیف تعبیر ہے جو اس دور کے مسلمانوں کی انتہائی کمزوری اور افرادی قوت کی کمی کو واضح کرتی ہے جیسے کوئی چھوٹا سا جسم ہوا میں معلق ہو کہ دشمن جسے آسانی سے اچک سکتا ہے یہ ہجرت سے پہلے مسلمانوں کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے جب کہ ان کا دشمن وہاں بہت طاقتور تھا یا پھر ہجرت کے بعد کے دور کی طرف ایران اور روم کی عظیم طاقتوں کے مقابلے میں ان کی حالت کی طرف

اشارہ ہے۔

لیکن خدا نے تمہیں پناہ دی۔اور اپنی مدد سے تمہیں تقویت دی۔اور تمہیں پاکیزہ رزق سے بہرہ مند کیا۔شاید اس کی نعمت کا شکر بجالاؤ۔

(۲۷) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ وَ تَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِكُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ	ایمان والو! خدا اور رسول سے خیانت نہ کرو (نیز) اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو جب کہ تم جانتے ہو۔
(۲۸) وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَ اَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۚ	اور جان لو کہ تمہارے اموال اور اولاد آزمائش کا ذریعہ ہیں اور خدا کے ہاں (ان کیلئے) اجرِ عظیم ہے (جو امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں)۔

شان نزول

مندرجہ بالا آیات کے نزول کے بارے میں کئی ایک روایات ہیں ان میں سے ایک روایت امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ۔

پیغمبر خدا نے حکم دیا کہ بنی قریظہ جو مدینہ کے یہودیوں میں سے تھے کا محاصرہ کرلیا جائے یہ محاصرہ اکیس راتوں تک جاری رہا۔

لہٰذا وہ صلح کی تجویز پیش کرنے پر مجبور ہو گئے جیسے ان کے بھائی بنی نضیر (جو مدینے کے یہودیوں کا ایک اور گروہ تھا کے لوگوں نے بھی کیا تھا صلح کی تجویز میں انہوں نے پیش کش کی کہ وہ مدینے سے کوچ کر کے شام کی طرف چلے جائیں رسول خدا نے یہ تجویز قبول نہ فرمائی شاید اس لئے کہ ان کی پیش کش کی صداقت مشکوک تھی اور فرمایا کہ صرف سعد بن معاذ کا فیصلہ قبول کیا جائے۔

انہوں نے تقاضا کیا کہ رسول اکرم ابولبابہ (آپ کے مدنی صحابی کو ان کے پاس بھیجا جائے۔

ابولبابہ کا ان سے دوستی کا پرانا رشتہ تھا اور اس کے گھر والے بیٹے اور مال و منال ان کے پاس تھے یہ تجویز رسول اکرم نے قبول فرمالی اور ابولبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا۔

انہوں نے ابولبابہ سے مشورہ کیا کہ کیا اس میں مصلحت ہے کہ وہ سعد بن معاذ کی قضاوت قبول کرلیں ابولبابہ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی اگر قبول کرو گے تو مارے جاؤ گے لہٰذا اس تجویز کو قبول نہ کرو وحی خدا کے قاصد جبرئیل علیہ السلام نے اس امر کی اطلاع پیغمبر کو دے دی۔

ابولبابہ کہتا ہے۔ابھی میں نے ایک قدم بھی نہیں اٹھایا تھا کہ متوجہ ہوا کہ میں نے خدا اور پیغمبر سے خیانت کی ہے۔

اس موقع پر یہ آیات اس کے متعلق نازل ہوئیں۔

اس وقت ابولبابہ سخت پریشان ہوا یہاں تک کہ اس نے اپنے آپ کو ایک طناب کے ذریعے مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا خدا کی قسم نہ کھانا کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا یہ کہ خدا میری توبہ قبول کر لے۔

سات شب و روز گزر گئے نہ اس نے کچھ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا تو خدا نے اس کی توبہ قبول کر لی۔

تفسیر

خیانت اور اس کا سرچشمہ

پہلی آیت میں خداوند عالم نے روئے سخن مسلمانوں کی طرف کرتے ہوئے کہا ہے اے ایمان والو! خدا اور پیغمبر سے خیانت نہ کرو۔

خدا اور رسول سے خیانت یہ ہے کہ مسلمانوں کے فوجی راز دوسروں تک پہنچا دیئے جائیں یا دشمنوں کو اپنے ساتھ مقابلے اور جنگ میں تقویت پہنچائی جائے یا احباب محرمات اور خدائی احکام کو بالکل پس پشت ڈال دیا جائے لہٰذا ابن عباس سے منقول ہے کہ جو شخص اسلامی احکام اور پروگراموں میں سے کسی چیز کو ترک کر دے وہ اسی قدر خدا اور پیغمبر سے خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے اس حق کی ادائیگی نہ کرنا جس کی ادائیگی کا انسان نے ذمہ لیا ہو۔ یہ دراصل امانت کی ضد ہے امانت اگرچہ مالی امانتوں کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن منطق قرآن میں اس کا ایک وسیع مفہوم ہے کہ زندگی کے جو تمام اجتماعی سیاسی اور اخلاقی پہلوؤں پر محیط ہے۔

(۲۸) اس آیت میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ہوشیار رہیں کہیں مادی امور اور جلد گزر جانے والے شخصی مفادات انسان کی آنکھ اور کان پر پردہ نہ ڈال دیں اور وہ ایسی خیانتوں کا مرتکب نہ ہو جائے جو اس کے معاشرے کی زندگی اور سرنوشت کو خطرے میں ڈال دے ارشاد ہوتا ہے جان لو کہ تمہارے اموال اور اولاد تمہاری آزمائش اور امتحان کا ذریعہ ہیں۔

اگر ہم سے کبھی کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو ابولبابہ کی طرح ہمیں اس کی تلافی کرنا چاہیئے یہاں تک کہ وہ مال جو ایسی لغزش کا سبب بنے اسے اس راہ میں قربانی کر دینا چاہیئے۔

آیت کے آخر میں ان لوگوں کو جو ان دونوں میدانوں سے کامیابی کے ساتھ نکل آئیں انہیں بشارت دی گئی ہے کہ پروردگار کے پاس اجر عظیم اور بہت بڑی جزا ہے۔ اولاد کی محبت کتنی ہی عظیم دکھائی دے اور مال و دولت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو پھر بھی اللہ کا اجر اور جزا ان سے برتر، عالی تر اور بزرگ تر ہے۔

(۲۹) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ	اے ایمان لانے والو! اگر خدا کے حکم کی مخالفت سے ڈروتو وہ تمہارے لئے حق اور باطل کوالگ الگ کردے گااور تمہیں ایسی روشن ضمیری عطا کرے گا جس کے ذریعے تم حق اور باطل میں تمیز کرسکواور تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا اور تمہیں بخش دے گا اور وہ عظیم فضل وبخشش کا مالک ہے۔

تفسیر

ایمان اور روشن ضمیری

گذشتہ آیات میں حیات بخش احکام بیان ہوئے ہیں جو مادی اور روحانی سعادت کے ضامن ہیں لیکن ان پر تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر عمل نہیں ہوسکتا لہٰذا اس آیت میں انسانی کردار میں تقویٰ اور اس کے آثار کی اہمیت کی طرف اشارہ ہوا ہے اس آیت میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے چار نتائج بیان کئے گئے ہیں پہلے ارشاد ہوتا ہے اے ایمان لانے والو! اگر تقویٰ اختیار کرو اور حکم خدا کی مخالفت سے پرہیز کرو تو وہ تمہیں ایک خاص نورانیت اور روشن ضمیر بخشے گا جس سے تم حق اور باطل کے درمیان اچھی طرح سے امتیاز کرسکو گے۔

اصولی طور پر اگر یہ صلاحتیں اور قوی بے کار ہو جائیں اور یہ سرمایہ راہ گناہ میں رائیگاں ہو جائے تو لوگ شعور وادارک کے لحاظ سے پست ہو جائیں گے اور پست افکار کے حامل ہوں گے چاہے وہ صنعتی اور مادی لحاظ سے ترقی کر جائیں۔

لہٰذا ہم اچھی طرح دیکھتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو تقویٰ کے خلاف ہے ایک طرح کی بے خبری عدم آگہی یا غلط تشخیص کا سرچشمہ ہے۔

لہٰذا آج کی اس مشینی دنیا میں ایسے معاشرے موجود ہیں جو علم وصنعت کے لحاظ سے بہت آگے پہنچ گئے ہیں لیکن اپنی روز مرہ کی زندگی میں ایسی وحشت ناک بے سروسامانی اور تضادات کا شکار ہیں جو انسان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں یہ سب امور قرآن کی اس بات کی عظمت کو واضح کر دیتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے حق و باطل میں امتیاز کے علاوہ پرہیزگاری کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ خدا تمہارے گناہ چھپائے گا اور ان کے آثار تمہارے وجود سے ختم کر دے گا۔علاوہ ازیں اپنی بخشش بھی تمہارے شامل حال کرے گا۔اور بھی بہت سی جزائیں اور عنایات تمہارے انتظار میں ہیں جنہیں خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کیونکہ خدا بہت زیادہ فضل وبخشش رکھتا ہے۔

یہ چار اثرات تقویٰ و پرہیزگاری کے درخت کا ثمر ہیں تقویٰ اور ان آثار میں بعض کے درمیان فطری اور طبیعی ربط اس سے مانع نہیں کہ ہم ان سب کی نسبت خدا کی طرف دے دیں کیونکہ ہم اس تفسیر میں بارہا کہہ چکے ہیں کہ ہر موجود کا ہر اثر خدا کی مشیت اور

ارادے سے ہے لہٰذا اس اثر کی نسبت خدا کی طرف بھی دی جاسکتی ہے اور اس موجود کی طرف بھی۔

یہ کہ تکفیر سیئات اور غفران میں کیا فرق ہے اس سلسلے میں بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ پہلا دنیا میں پردہ پوشی کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا آخرت کی سزا سے نجات حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے لیکن ایک اور احتمال بھی ہے کہ تکفیر سیئات گناہوں کے نفسیاتی اور اجتماعی آثار کی طرف اشارہ جو تقویٰ کے ذریعے ختم ہوجاتے ہیں لیکن غفران خدا کی عفو و بخشش اور سزا سے نجات کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۰) وَ اِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ ؕ وَ یَمۡکُرُوۡنَ وَ یَمۡکُرُ اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ	وہ وقت (یاد کرو) جب کافر سازش کر رہے تھے کہ تجھے قید کر لیں یا قتل کر دیں اور یا (مکہ سے) نکال دیں وہ سوچ بچار کر رہے تھے (اور لائحہ عمل بنا رہے تھے) اور خدا بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تو بہترین چارہ جو (اور مدبر) ہے۔

شان نزول

مختلف قبائل سے قریش اور اشراف مکہ کا ایک گروہ جمع ہوا تا کہ وہ دارالندوہ میں میٹنگ کریں اور انہیں رسول اکرم کی طرف سے درپیش خطرے پر غور و فکر کریں۔

کہتے ہیں اثنائے راہ میں انہیں ایک خوش ظاہر بوڑھا شخص ملا جو دراصل شیطان تھا یا کوئی انسان جو شیطانی روح و فکر کا حامل تھا۔

انہوں نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟

کہنے لگا اہل نجد کا ایک بڑا بوڑھا ہوں مجھے تمہارے ارادے کی اطلاع ملی تو میں نے چاہا کہ تمہاری میٹنگ میں شرکت کروں اور اپنا نظریہ اور خیر خواہی کی رائے پیش کرنے میں دریغ نہ کروں۔

کہنے لگے بہت اچھا اندر آ جائیے۔

اس طرح وہ بھی درالندوۃ میں داخل ہوگیا۔

حاضرین میں سے ایک نے ان کی طرف رخ کیا اور پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اس شخص کے بارے میں کوئی سوچ بچار کرو۔ کیونکہ بخدا ڈر ہے کہ وہ تم پر کامیاب ہوجائے گا اور تمہارے دین اور تمہاری عظمت کو خاک میں ملا دے گا۔ ایک نے تجویز پیش کی اسے قید کردو یہاں تک کے زندان ہی میں مرجائے۔

بوڑھے نجدی نے اس تجویز پر اعتراض کیا اور کہا ایک اور نے کہا اسے اپنے شہر سے نکال دو تا کہ تمہیں اس سے چھٹکارا مل جائے

بوڑھے نجدی نے کہا واللہ یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے

ابوجہل ابھی تک خاموش بیٹھا تھا اس نے گفتگو شروع کی اور کہا میرا ایک نظریہ ہے اور اس کے علاوہ میں کسی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا۔

حاضرین کہنے لگے وہ کیا ہے؟

کہنے لگا ہم ہر قبیلے سے ایک بہادر شمشیر زن کا انتخاب کریں اور ان میں سے ہر ایک ہاتھ میں ایک کاٹ دینے والی تلوار دے دیں اور پھر وہ سب مل کر موقع پاتے ہی اس پر حملہ کریں۔

بوڑھے نجدی نے خوش ہو کر کہا بخدا! صحیح رائے یہی ہے جو اس جواں مرد نے پیش کی ہے میرا بھی اس کے علاوہ کوئی نظریہ نہیں۔

اس طرح یہ تجویز اتفاق رائے سے پاس ہوگئی اور وہ یہی مصمم ارادہ لے کر وہاں سے اٹھ گئے۔

جبریل نازل ہوئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ملا کہ وہ رات کو اپنے بستر پر نہ سوئیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو غار ثور کی طرف روانہ ہوگئے اور حکم دے گئے کہ علی علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سو جائیں تاکہ جو لوگ دروازے کی دراز سے بستر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظر رکھے ہوئے ہیں انہیں بستر پر سویا ہوا سمجھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطرے کے علاقہ سے دور نکل جانے کی مہلت مل جائے۔

جب صبح ہوئی تو گھر میں گھس آئے انہوں نے جستجو کی تو حضرت علی علیہ السلام کو بستر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دیکھا اس طرح سے خدا نے ان کی سازش کو نقش بر آب کر دیا۔

وہ پکارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہے؟

آپ نے جواب دیا میں نہیں جانتا۔

وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کے نشانوں پر چل پڑے یہاں تک کہ پہاڑ اور اس کی غار کے پاس پہنچ گئے لیکن انہوں نے تعجب سے دیکھا کہ مکڑی نے غار کے سامنے جالا تن رکھا ہے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر وہ اس غار میں ہوتا تو غار کے دھانے پر مکڑے کا جالا تو نہ ہوتا اس طرح وہ واپس چلے گئے پیغمبر تین دن تک غار کے اندر رہے اور جب دشمن مکہ کے تمام بیابانوں میں آپ کو تلاش کر چکے اور تھک ہار کر مایوس پلٹ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی طرف چل پڑے۔

تفسیر

ہجرت کی ابتدا

بعض کا نظریہ ہے کہ یہ آیت اور اس کے بعد کی پانچ آیات مکہ میں نازل ہوئیں چونکہ یہ ہجرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں لیکن آیت کا طرز بیان گواہی دیتا ہے کہ یہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے چونکہ اس میں ایک گذشتہ واقعہ بیان کیا گیا ہے لہٰذا اگرچہ واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ کر رہی ہے لیکن مسلمان مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں پر

پروردگار کے ایک احسان عظیم اور نعمت عظمیٰ کو بیان کیا گیا ہے پہلے فرمایا گیا ہے وہ وقت یاد کرو جب مشرکین مکہ نے سازش کی کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں اور یا جلاوطن کر دیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے وہ منصوبہ بندی چارہ جوئی اور تدبیر کرتے ہیں اور خدا بھی چارہ جوئی اور تدبیر کرتا ہے اور وہ بہترین منصوبہ ساز اور مدبر ہے۔

اگر ہم ہجرت کے واقعہ پر صحیح غور و فکر کریں تو اس نکتے پر پہنچیں گے کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کو ختم کرنے کیلئے اپنی پوری فکری اور جسمانی صلاحتیں صرف کر چکے تھے یہاں تک کہ جب رسول ﷺ خدا ان کے چنگل سے نکل گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کی گرفتاری کیلئے ایک سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا تھا جو کہ اس دور میں ایک بہت بڑا سرمایہ تھا بہت سے لوگوں نے مذہبی تعصب یا اتنا بڑا انعام حاصل کرنے کیلئے اطراف مکہ کے کوہ بیابان چھان ڈالے تھے یہاں تا کہ وہ غار کے دھانے تک بھی آ پہنچے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے ایک نہایت معمولی اور چھوٹے سے مکڑی کے جالے کے ذریعے ان کی سب سازشیں نقش بر آب کر دیں۔

اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ واقعہ ہجرت تاریخ اسلام بلکہ تاریخ انسانیت کے ایک نئے مرحلے کا آغاز تھا ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ خدا نے عنکبوت کے چند تاروں کے ذریعے تاریخ انسانیت کی راہ کو بدل کے رکھ دیا۔

یہ بات واقعہ ہجرت میں منحصر نہیں بلکہ تاریخ انبیاء نشاندہی کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ متکبرین کی سرکوبی کیلئے ہمیشہ معمولی سے ذرائع کو کام میں لاتا ہے کبھی آندھی کے ذریعے کبھی بہت زیادہ مچھروں کے ذریعے کبھی ابابیل جیسے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے اور کبھی ایسی ہی دیگر چھوٹی چھوٹی چیزوں کے ذریعے تا کہ خدا کی بے پایاں قدرت کے سامنے انسان کی کمزوری اور ناتوانی واضح ہو جائے اور اسے طغیان اور سرکشی کی فکر سے باز رکھے۔

(۳۱) وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا قَالُوۡا قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَآ ۙ اِنۡ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ	اور جب ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا (کوئی اہم چیز نہیں)۔ اگر ہم بھی چاہیں تو ویسی باتیں کہہ سکتے ہیں یہ تو گزرے ہوئے لوگوں کے افسانے ہیں۔
(۳۲) وَ اِذۡ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنۡ کَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِکَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ	اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب انہوں نے کہا پروردگارا! اگر یہ حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا یا ہمارے لئے دردناک عذاب بھیج دے۔

(۳۳) وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ	لیکن جب تک تم (اے پیغمبر) ان کے درمیان ہو خدا ان پر عذاب نہیں بھیجے گا نیز جب تک وہ استغفار کرتے رہیں خدا انہیں عذاب نہیں کرے گا۔
(۳۴) وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَاؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	اور خدا انہیں کیوں عذاب نہ کرے حالانکہ وہ مسجد الحرام (کے پاس سے موحدین کو عبادت) سے روکتے ہیں جب کہ وہ اس کے سرپرست نہیں ہیں اس کے سرپرست تو صرف پرہیزگار ہیں لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔
(۳۵) وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ	ان کی نماز (اللہ کے) گھر کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی پس اپنے کفران کی بناء پر عذاب خدا چکھو۔

تفسیر

بے ہودہ باتیں کرنے والے

گذشتہ آیت میں بے ہودہ مشرکین کی عملی منطق کا ایک نمونہ بیان کیا گیا ہے اب زیرنظر آیات میں ان کی فکری منطق کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ نہ وہ سلامت فکری رکھتے ہیں نہ درست روی بلکہ ان کے تمام پروگرام بے بنیاد اور احمقانہ ہیں۔

پہلی آیت میں قرآن کہتا ہے جب ہماری آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہم نے سن لیا ہے لیکن کوئی اہم بات نہیں ہے ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔

ان میں کوئی خاص بات نہیں بس گذشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔

یہ باتیں وہ اس حالت میں کر رہے ہیں کہ جب کہ قرآن کے مقابلے کی بارہا فکر کر چکے ہیں اور اس سے عاجز رہ گئے ہیں۔ وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ ان میں قرآن کے مقابلے کی طاقت اور سکت نہیں ہے۔

(۳۲) اس آیت میں ان کی ایک عجیب منطق بیان کی گئی ہے فرمایا گیا ہے وہ وقت یاد کرو جب وہ دست دعا بلند کرتے تھے اور کہتے تھے خداوندا! اگر یہ دین اور قرآن حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو آسمان سے ہمارے سروں پر پتھر برسا یا ہمیں کسی اور درد

ناک عذاب میں مبتلا کردے۔

یہ بات وہ اس لئے کہتے تھے کہ شدید تعصب اور ہٹ دھرمی کی بناء پر ان کا خیال تھا کہ دین اسلام سو فیصد بے بنیاد ہے ورنہ جس شخص کو اس کی حقانیت کا احتمال بھی ہو وہ خود پر اس طرح کی پھٹکار نہیں بھیجتا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ شاید مشرکین کے سرکردہ افراد لوگوں کو غفلت میں رکھنے کیلئے کبھی کبھی ایسی باتیں کرتے تھے تاکہ سادہ لوح افراد سمجھیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین بالکل باطل ہے حالانکہ دل سے وہ ایسا نہیں کہتے تھے۔

(۳۳) گذشتہ آیات کے سلسلے میں مخالفین نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دو اعتراضات کئے ان میں سے ایک کا بطلان تو واضح تھا لہٰذا قرآن نے اس کا جواب نہیں دیا اور وہ یہ تھا کہ انہوں نے کہا اگر ہم چاہیں تو قرآن کی مثل لا سکتے ہیں۔

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر یہ آیات حق ہیں اور خدا کی طرف سے ہیں تو پھر وہ ہمیں سزا دے اور ہم پر کوئی مصیبت نازل کردے۔ قرآن زیر بحث آیات میں سے تیسری آیت میں انہیں یوں جواب دیتا ہے خدا انہیں کبھی عذاب نہیں کرے گا۔

جب تک تو ان میں موجود ہے۔ درحقیقت تیرا پر برکت وجود کہ تو رحمۃ للعالمین ہے اس سے مانع ہے کہ ان گنہ گاروں پر عذاب نازل ہو اور یہ گذشتہ اقوام کی طرح نابود ہو جائیں کہ جو مختلف ذرائع سے اجتماعی یا انفرادی طور پر نابود ہو جاتے تھے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے اسی طرح اگر وہ استغفار کریں اور اس سے عفو و بخشش کا تقاضا کریں تو خدا انہیں سزا نہیں دے گا۔

بہر حال آیت کا مفہوم زمانہ پیغمبر کے لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام لوگوں کیلئے یہ ایک کلی قانون ہے۔

اسی لئے شیعہ کتب میں حضرت علی علیہ السلام سے اور سنی کتب میں ان کے شاگرد ابن عباس سے ایک مشہور حدیث میں ہے۔

روئے زمین میں عذاب الٰہی سے مامون رہنے کے دو ذریعے تھے کہ جن میں سے ایک وجود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھا لیا گیا ہے اب دوسرے استغفار سے تمسک رکھو پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔

(۳۴) اس آیت میں قرآن کہتا ہے یہ عذاب الٰہی کا استحقاق رکھتے ہیں تو پھر خدا انہیں کیوں عذاب نہ کرے حالانکہ وہ مومنین کیلئے مسجد الحرام میں جانے سے رکاوٹ بنتے ہیں۔

یہ اس زمانے کی طرف اشارہ ہے کہ جب مسلمان مکہ میں تھے اور مشرکین مکہ انہیں حق نہیں دیتے کہ وہ آزادانہ خانہ خدا کے پاس نماز جماعت قائم کرسکیں اور مسلمانوں کی طرح طرح کی مزاحمتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا یا پھر یہ ان رکاوٹوں کی طرف اشارہ ہے جو ان کی طرف سے مومنین کو حج وعمرہ کے مراسم کی ادائیگی میں حائل تھیں۔

تعجب کی بات ہے کہ برائیوں میں آلودہ یہ مشرکین اپنے آپ کو اس عظیم مرکز عبادت کا سرپرست سمجھتے تھے لیکن قرآن مزید کہتا ہے یہ کبھی بھی اس مقدس مرکز کے سرپرست نہیں تھے۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو خانہ خدا کا متولی اور صاحب اختیار فرض کرتے تھے مگر صرف وہی لوگ اس کی سرپرستی کا حق رکھتے ہیں جو موٴحد اور پرہیزگار ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر اس واقعیت اور حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اگرچہ یہ حکم مسجد الحرام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے لیکن درحقیقت تمام مراکز دینی مساجد اور مذہبی اداروں پر محیط ہے ان کے

متولی اور سرپرست پاکیزہ ترین پرہیزگار اور نہایت فعال افراد ہونے چاہئیں تاکہ وہ انہیں تعلیم و تربیت اور بیداری و آگاہی کے پاک اور زندہ مراکز بنائیں نہ کہ ایسے مٹھی بھر جانبدار خود فروش اور آلودہ افراد ہوں جو انہیں تجارتی اڈہ اور افکار کی خرابی اور حق سے بے گانگی کے مرکز میں تبدیل کر دیں۔

(۳۵) زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ مدعی تھے کہ ان کی بھی نماز اور عبادت ہے وہ خانہ خدا کے گرد سیٹیاں اور تالیاں بجانے کا احمقانہ کام کرتے تھے اور اسے نماز کا نام دیتے تھے لہٰذا قرآن مزید کہتا ہے ان کی نماز خانہ خدا کعبہ کے گر سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا اور کچھ نہ تھی

تاریخ میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ ایسے عربی بدو تھے جو طواف کے وقت مادر زاد ننگے ہو جاتے تھے اور سیٹیاں بجانے تالیاں پیٹے اور اسے عبادت کا نام دیتے تھے۔

(۳۶) اس کے بعد فرمایا گیا ہے اب جب کہ تمہارے تمام کام یہاں تک کہ تمہاری نماز اور عبادت ایسی احمقانہ بری اور شرمناک ہے تو تم سزا کے مستحق ہو پس اپنے اس کفر کی وجہ سے عذاب الٰہی کو چکھو۔

(۳۶) اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ لِيَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ فَسَيُنۡفِقُوۡنَهَا ثُمَّ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ حَسۡرَةً ثُمَّ يُغۡلَبُوۡنَ ؕ وَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحۡشَرُوۡنَ ۙ	جو کافر ہو گئے ہیں وہ اپنے اموال لوگوں کو راہ خدا سے روکنے کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ وہ ان اموال کو جنہیں حاصل کرنے کیلئے زحمت اٹھاتے ہیں اس راہ میں خرچ کرتے ہیں لیکن یہ ان کے لئے حسرت و اندوہ کا سبب ہوگا اور پھر وہ شکست کھا جائیں گے اور (دوسرے جہاں میں یہ) کافر سب کے سب جہنم کی طرف جائیں گے۔
(۳۷) لِيَمِيۡزَ اللّٰهُ الۡخَبِيۡثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجۡعَلَ الۡخَبِيۡثَ بَعۡضَهٗ عَلٰى بَعۡضٍ فَيَرۡكُمَهٗ جَمِيۡعًا فَيَجۡعَلَهٗ فِىۡ جَهَنَّمَ‌ؕ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ‏	(یہ سب کچھ) اس لئے ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر متراکم کر دے اور دوزخ میں ایک ہی جگہ قرار دے اور یہ لوگ خسارے میں ہیں۔

شان نزول

مندرجہ بالا آیت جنگ بدر کیلئے مکہ کے لوگوں کی مالی امداد کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جب مشرکین مکہ ابوسفیان کے قاصد کے ذریعے واقعہ سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے بہت سامال واسباب اکٹھا کیا تاکہ اپنے

جنگی سپاہیوں کی مدد کریں لیکن آخر کار وہ شکست کھا گئے اور مارے گئے اور جہنم کی آگ کی طرف چلے گئے اور اس راہ میں انہوں نے جو کچھ صرف کیا تھا اس کی حسرت واندوہ کا سبب بنا۔

تفسیر

آیت کی شان نزول جو کچھ بھی ہو اس کا مفہوم جامع ہے اور یہ دشمنان حق وعدالت کی ان تمام مالی امدادوں کے بارے میں ہے جو وہ اپنے برے مقاصد کی پیش رفت کیلئے کرتے تھے پہلے فرمایا گیا ہے کافر اور حق دشمن اپنا مال خرچ کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو راہ حق سے روکیں۔ لیکن اموال کا یہ صرف کرنا ان کی کامیابی کا باعث نہیں بن سکتا عنقریب وہ یہ اموال خرچ کریں گے لیکن انجام کار وہ ان کی حسرت واندوہ کا سبب ہوگا۔ اور پھر وہ اہل حق کے ہاتھوں مغلوب ہوں گے۔

یہ لوگ نہ صرف اس جہان میں حسرت وشکست میں گرفتار ہوں گے بلکہ دوسرے جہان میں یہ کافر اکٹھے ہو کر جہنم میں جائیں گے۔

(۳۷) گذشتہ آیت میں دشمنان حق کے مالی مصارف کے تین برے نتائج واضح کئے گئے ہیں اس کے بعد اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے یہ حسرت شکست اور بدبختی اس بناء پر ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ ناپاک کو پاک سے اس جہان میں اور دوسرے جہان میں الگ الگ کر دے۔

یہ ایک سنت الٰہی ہے کہ ہمیشہ پاک اور نجس، مخلص اور ریاکار، سچے مجاہدین اور جھوٹے مجاہدین، خدائی کام اور شیطانی کام، انسانی پروگرام اور ضد انسانیت پروگرام واضح ہوئے بغیر نہیں رہتے آخر پہچانے جاتے ہیں اور جلوہ حق نمایاں ہو کے رہتا ہے البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ حق کے طرف دار جنگ بدر کے مسلمانوں کی کافی آگاہی اور جذبہ فداکاری سے سرشار ہوں۔

مزید ارشاد ہوتا ہے خدا ناپاک چیزوں کو ایک دوسرے کا ضمیمہ قرار دیتا ہے اور سب کو ڈھیر بنا دیتا ہے اور جہنم میں قرار دیتا ہے۔ خبیث اور ناپاک جس گروہ سے ہوں اور جس شکل اور لباس میں ہوں آخر کار ایک ہی شکل میں ڈھل جائیں گے اور ان سب کا انجام زیاں کاری ہی ہوگا جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ وہ خسارے میں ہیں اور زیاں کار رہیں۔

(۳۸) قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ	وہ لوگ کافر ہوگئے ہیں انہیں کہہ دو کہ اگر وہ مخالفت سے باز آجائیں (اور ایمان لے آئیں) تو ان کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اگر وہ سابقہ اعمال کی طرف پلٹ جائیں تو گذشتہ لوگوں والی خدا کی سنت ان کے بارے میں جاری ہوگی۔

(۳۹)وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّ يَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ‌ ۚ فَاِنِ انْتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ	اوران کے ساتھ جنگ کروتا کہ (شرک اور سلب آزادی کا) فتنہ ختم ہو جائے اور دین (اور عبادت) سب کا سب اللہ کے ساتھ مخصوص ہو جائے پس اگر وہ (ان غلط اعمال سے) اجتناب کریں تو اللہ انہیں قبول کرے گا جو کچھ وہ انجام دیتے ہیں خدا اسے دیکھنے والا ہے۔
(۴۰)وَ اِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ ؕ نِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ	اور اگر وہ روگردانی کریں تو جان لو کہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ خدا تمہارا سرپرست ہے وہ بہترین سرپرست اور مددگار ہے۔

تفسیر

ہم جانتے ہیں کہ قرآن کی روش ہے کہ وہ بشارت اور انذار کو اکٹھا کر دیتا ہے یعنی جیسے وہ دشمنان حق کو سخت اور دردناک عذاب کی تہدید کرتا ہے اسی طرح لوٹ آنے کا راستہ بھی ان کیلئے کھلا رکھتا ہے۔

اس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ کافر ہو گئے ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر وہ مخالفت ہٹ دھرمی اور سرکشی سے باز رہیں اور دین حق کی طرف پلٹ آئیں تو ان کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو قبول کر لینے سے گذشتہ دور میں جو کچھ بھی ہوا ہوا سے بخش دیا جاتا ہے۔

(۳۸) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے لیکن اگر وہ اپنی غلط روش سے باز نہ آئے اور اگر وہ سابقہ اعمال کی طرف پلٹ جائیں تو جو خدائی سنت گذشتہ لوگوں کیلئے رہی ہے ان کیلئے بھی انجام پائے گی۔ اور اس سنت سے مراد وہی انجام ہے جس سے دشمنان حق انبیاء کے مقابلے میں اور خود مشرکین مکہ تک جنگ بدر میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں دوچار ہوئے ہیں۔

(۳۹) گذشتہ آیت میں چونکہ دشمنوں کو حق کیطرف پلٹ آنے کی دعوت دی جا چکی ہے اور ممکن تھا کہ یہ دعوت مسلمانوں میں یہ فکر پیدا کر دیتی کہ اب جہاد کا دور ختم ہو گیا ہے اور انعطاف اور نرمی کے علاوہ اب کوئی راستہ نہیں لہٰذا اس اشتباہ کو دور کرنے کیلئے مزید فرمایا گیا ہے ان سخت ترین دشمنوں کے ساتھ جنگ کرو اور اس جنگ کو جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور سارے کا سارا دین اللہ کیلئے ہو جائے۔

آیت کے ذیل میں دوبارہ ان کے شدت عمل کے مقابلے میں دوستی اور محبت کا ہاتھ بڑھایا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے اگر وہ اپنی راہ و روش سے دستبردار ہو جائیں تو وہ جو کچھ کرتے ہیں خدا اس سے آگاہ ہے اور وہ ان سے اپنے خاص لطف وعنایت کا برتاؤ

کرے گا۔

(۴۰) اور اگر وہ اپنی روگردانی جاری رکھیں اور دعوت حق کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں تو جان لو کہ کامیابی تمہارے لئے ہے اور شکست ان کے انتظار میں ہے کیونکہ خدا تمہارا مولیٰ اور سرپرست ہے۔

اور وہ بہترین مولیٰ و رہبر اور بہترین یار و مددگار ہے۔

(۴۱) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْيَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	اور جان لو کہ جس قسم کی غنیمت تمہیں ملے تو خدا، رسول، ذی القربیٰ، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے اس کا پانچواں حصہ (خمس) ہے اگر تم خدا پر اور جو کچھ ہم نے اپنے بندہ پر حق کی باطل سے جدائی کے دن اور صاحب ایمان اور بے ایمان دو گروہوں کی مڈبھیڑ کے دن (جنگ بدر کے روز) نازل کیا ایمان لے آؤ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر

ایک اہم اسلامی حکم خمس

سورت کی ابتداء میں ہم نے دیکھا ہے کہ کچھ مسلمانوں نے جنگ بدر کے بعد جنگی غنائم کے سلسلے میں جھگڑا کیا تھا۔

زیر نظر آیت درحقیقت اسی مسئلہ غنائم کی طرف بازگشت ہے۔

آیت کے شروع میں فرمایا گیا ہے جان لو کہ جیسی غنیمت بھی تمہیں نصیب ہو اس کا پانچواں حصہ خدا رسول، ذی القربی (ائمہ اہل بیت علیہم السلام) اور خاندان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے یتیموں مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے۔

تاکید کے طور پر مزید فرمایا گیا ہے اگر تم خدا پر اور وہ جو ہم نے اپنے بندے پر (جنگ بدر کے دن) حق کے باطل سے جدا ہونے کے دن جب مومن و کافر ایک دوسرے کے مدمقابل ہوئے تھے نازل کیا ایمان لائے ہو تو اس حکم پر عمل کرو اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کردو۔

آیت کے آخر میں خدا کی غیر محدود قدرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی باوجود یکہ میدان بدر میں تم ہر لحاظ سے اقلیت میں تھے اور دشمن ظاہراً ہر لحاظ سے برتری رکھتا تھا قادر و توانا خدا نے انہیں شکست دی اور تمہاری

مدد کی یہاں تک کہ تم کامیاب ہو گئے۔

خدا کے حصے سے کیا مراد ہے؟ اللہ کہہ کر خدا کا حصہ بیان کیا گیا ہے اس طرح سے اصل مسئلہ خمس کی زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے نیز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلامی حکومت کے رہبر و راہنما کی ولایت و حاکمیت کی تاکید کی گئی ہے یعنی جیسے خدا تعالیٰ نے اپنے لئے ایک حصہ مقرر کیا ہے اور خود کو اس میں تصرف کا زیادہ حق دار قرار دیا ہے اسی طرح اس نے پیغمبر اور امام کو بھی ولایت و سرپرستی اور تصرف کا حق دیا ہے اور نہ خدا کا حصہ تو پیغمبر ہی کے اختیار میں ہوگا اور وہ جن مصارف میں پیغمبر یا امام مصلحت سمجھیں گے صرف ہوگا اور خدا کو تو کسی حصے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴۲) اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الدُّنۡیَا وَ هُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الۡقُصۡوٰی وَ الرَّکۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ ؕ وَ لَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِی الۡمِیۡعٰدِ ۙ وَ لٰکِنۡ لِّیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ۬ۙ لِّیَهۡلِکَ مَنۡ هَلَکَ عَنۡۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحۡیٰی مَنۡ حَیَّ عَنۡۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۙ	اس وقت تم نچلی طرف تھے اور وہ اوپر کی طرف تھے (اس طرح سے دشمن تم پر برتری رکھتا تھا) اور (قریش کا) قافلہ تم سے نچلی طرف تھا اور ان پر دسترس ممکن نہ تھی اور ظاہراً کیفیت ایسی تھی کہ اگر تم ایک دوسرے سے وعدہ کرتے (کہ میدان جنگ میں حاضر ہوں گے) تو بالآخر اپنے وعدے میں اختلاف کرتے لیکن (یہ تمام مقدمات) اس لئے تھے کہ اللہ اس کام کو کہ جسے انجام پانا چاہئے عملی صورت بخشے تا کہ وہ جو ہلاک (اور گمراہ) ہوتے ہیں اتمام حجت کے طور پر ہوں اور جو زندہ رہتے ہیں (اور ہدایت حاصل کرتے ہیں) واضح دلیل کے طور پر ہوں اور خدا سننے والا جاننے والا ہے۔
(۴۳) اِذۡ یُرِیۡکَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَنَامِکَ قَلِیۡلًا ؕ وَ لَوۡ اَرٰىکَهُمۡ کَثِیۡرًا لَّفَشِلۡتُمۡ وَ لَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ	اس وقت اللہ نے عالم خواب میں تمہیں ان کی تعداد کم کر کے دکھائی اور اگر زیادہ کر کے دکھاتا تو مسلماً تم سست ہو جاتے اور (ان سے جنگ شروع کے سلسلے) میں تم میں اختلاف پڑ جاتا لیکن اللہ نے (تمہیں ان سب سے) محفوظ رکھا جو کچھ سینوں کے اندر ہے اللہ اس سے دانا اور آگاہ ہے۔

(۴۴) وَ اِذۡ یُرِیۡکُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا وَّ یُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِهِمۡ لِیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۠	اور اس وقت کہ جب تم (میدان جنگ میں) ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تو انہیں تمہاری نظر میں کم کر کے دکھاتا تھا اور تمہیں (بھی) ان کی نظر میں کم کر کے دکھاتا تھا تاکہ اللہ اس کو عملی صورت بخشے جسے انجام پانا چاہئے۔ اور تمام کاموں کی باز گشت اللہ ہی کی طرف ہے

تفسیر

وہ کام جو ہونا چاہئے

اس بات کی مناسبت سے جو یوم الفرقان جنگ بدر کے دن کے متعلق گذشتہ آیت میں آئی ہے اور جو کامیابیاں اس خطرناک صورت حال میں مسلمانوں کو نصیب ہوئی تھیں قرآن دوبارہ ان آیات میں اس جنگ کے بعض پہلو مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے تاکہ وہ نعمت فتح کی اہمیت سے زیادہ آگاہ ہو سکیں پہلے ارشاد ہوتا ہے اس روز تم نچلی طرف اور مدینہ کے قریب تھے اور وہ اوپر کی طرف اور زیادہ دور تھے۔

اس میدان میں مسلمان شمال کی جانب تھے یہ طرف مدینہ سے زیادہ قریب تھی دشمن جنوب کی طرف تھا یہ جگہ زیادہ دور تھی۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے قریش اور ابوسفیان کا وہ قافلہ جس کے تم تعاقب میں تھے وہ زیادہ نشیب میں تھے۔

ان تمام چیزوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر ہم مسلمانوں کی تعداد اور دشمن کے مقابلے میں ان کے جنگی ساز و سامان کو دیکھیں تو وہ ہر لحاظ سے کمتر اور ضعیف تر تھا جب کہ مسلمان ٹھہرے ہوئے بھی نشیب کی طرف تھے اور دشمن بلندی کی طرف تھا لہٰذا قرآن مزید کہتا ہے حالات ایسے تھے کہ اگر پہلے سے تمہیں معلوم ہوتا اور تم چاہتے کہ اس سلسلے میں ایک دوسرے سے وعدہ اور قول و قرار کرتے تو حتماً اس عہد و میعاد میں اختلاف میں گرفتار ہوتے۔ کیونکہ تم میں سے بہت سے ظاہری کیفیت اور دشمن کے مقابلے میں اپنی کمزوری حیثیت کے زیر اثر آجاتے اور اس قسم کی جنگ کی اصولاً مخالفت کرتے۔

لیکن خدا تمہیں ایک انجام پانے والے عمل کی طرف لے گیا تاکہ جس کام کو ہونا چاہئے وہ انجام پائے۔ یہ اس لئے تھا کہ اس غیر متوقع معجزہ نما کامیابی کے ذریعے حق اور باطل میں تمیز ہو سکے اور وہ جو گمراہ ہوں اتمام حجت کے ساتھ ہوں اور وہ جو راہ حق قبول کریں آگاہی اور واضح دلیل کے ساتھ کریں۔

آخر میں ارشاد ہوتا ہے خدا سننے اور جاننے والا ہے۔ یعنی اس نے تمہاری فریاد سنی تمہاری نیتوں کو جانا اور اسی بناء پر اس نے تمہاری مدد کی یہاں تک کہ تم دشمن پر کامیاب ہو گئے۔

(۴۳) البتہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خواب صحیح دیکھا تھا کیونکہ دشمن کی قوت اور تعداد اگرچہ ظاہراً بہت زیادہ تھی لیکن باطناً کم

ضعیف اور ناتواں تھی اور ہم جانتے ہیں کہ خواب عام طور پر اشارے اور تعبیر کا پہلو رکھتے ہیں اور ایک صحیح خواب میں کسی مسئلے کا باطنی چہرہ آشکار ہوتا ہے۔

رسول خداؐ نے یہ خواب مسلمانوں سے بیان کیا لیکن آخر یہ سوال تو شاید ذہنوں کی گہرائیوں میں باقی رہا ہوگا کہ پیغمبر اکرمؐ نے خواب میں ان کا ظاہری چہرہ کیوں نہیں دیکھا اور اسے مسلمانوں سے کیوں بیان نہیں کیا۔

زیرنظر دوسری آیت میں اس نعمت کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے جو خدا تعالیٰ نے اس طریقے سے مسلمانوں کو عنایت کی تھی ارشاد ہوتا ہے اس وقت خدا نے خواب میں دشمن کی تعداد تمہیں کم کر کے دکھائی اور اگر انہیں زیادہ کر کے دکھاتا تو یقیناً تم لوگ سستی دکھاتے۔

نہ صرف یہ کہ تم سست ہو جاتے بلکہ تمہارا معاملہ اختلاف تک جا پہنچتا اور ایک گروہ میدان کی طرف جانے کا موافق ہوتا اور دوسرا مخالف ہوتا۔

لیکن خدا نے تمہیں اس سستی اختلاف کلمہ نزاع اور جھگڑے سے اس خواب کے ذریعے نجات دی اور محفوظ رکھا کہ جس میں ان کے باطنی رخ کی نشاندہی کی گئی تھی نہ کہ ظاہری صورت۔ کیونکہ خدا تم سب کی روحانی حالت اور تمہارے باطن سے آگاہ تھا اور جو کچھ سینوں کے اندر ہے وہ اس سے باخبر ہے۔

(۴۴) اس آیت میں جنگ بدر کے ایک اور مرحلے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے یہ مرحلہ پہلے مرحلے سے مختلف تھا۔

یہ وہ مرحلہ تھا جب رسول اکرمؐ کے حرارت بخش بیانات کے زیر اثر خدا کے وعدوں کی طرف توجہ کے باعث اور مختلف واقعات کے مشابہ سے مثلاً تشنگی دور کرنے کیلئے برمحل باراں کا نزول میدان جنگ کی ریتلی اور سنگریزوں والی زمین کا سخت ہو جانا ان سب امور نے مل کر مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور انہیں ایک حقیقی کامیابی کیلئے پرامید کر دیا ان کے جوش اور ولولے کا یہ عالم تھا کہ دشمن کا لشکر کثیر بھی انہیں چھوٹا معلوم ہو رہا تھا اسی لئے فرمایا گیا ہے اس وقت خدا نے آغاز جنگ میں انہیں تمہاری نگاہ میں کم کر دیا۔ لیکن دشمن چونکہ مسلمانوں کے اس مقام اور جذبے سے آگاہ نہیں تھا اس لئے وہ ان کی ظاہری تعداد ہی کو دیکھتا تھا اسے مسلمان ناچیز دکھائی دیتے تھے یہاں تک کہ اس سے بھی کم معلوم ہوتے تھے جتنے وہ تھے اسی لئے ارشاد ہوتا ہے اور تمہیں ان کی نگاہ میں کم دکھاتا تھا۔

لہٰذا قرآن مندرجہ بالا جملوں کے بعد کہتا ہے یہ سب کچھ اس بناء پر تھا کہ خدا اس امر کو انجام دے جسے ہر حالت میں متحقق ہونا چاہئے۔

نہ صرف یہ جنگ اس کے مطابق انجام پائی کہ جو خدا چاہتا تھا بلکہ اس جہان میں تمام کام اور تمام چیزیں اس کے حکم اور ارادے کی طرف بازگشت رکھتی ہیں اور اس کا ارادہ تمام چیزوں میں نفوذ رکھتا ہے۔

(۴۵)یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ	اے ایمان لانے والو! جب (میدان جنگ میں) کسی گروہ کا سامنا کرو تو ثابت قدم رہو اور خدا کو زیادہ یاد کرو تاکہ تم لوگ فلاح پا جاؤ۔
(۴۶) وَ اَطِیْعُوا اللہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ	اور (فرمانِ) خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازعہ (اور جھگڑا) نہ کرو تاکہ (کمزور اور) سست نہ ہو جاؤ اور تمہاری طاقت (اور شوکت و ہیبت) ختم نہ ہو جائے اور صبر و استقامت کا مظاہر کرو اور کہ خدا صبر و استقامت کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
(۴۷)وَ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللہِ ؕ وَ اللہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ	اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں (اور علاقہ) سے ہوا پرستی غرور اور لوگوں کے سامنے خود نمائی کیلئے (میدانِ بدر کی طرف) نکلے ہیں اور (وہ لوگوں) کو راہ خدا سے روکتے تھے اور جو وہ عمل کرتے ہیں اللہ اس پر احاطہ (اور آگاہی) رکھتا ہے۔

تفسیر

جہاد کے بارے میں چھ احکام

ا۔ پہلے قرآن کہتا ہے اے ایمان لانے والو! جب دشمنوں کے کسی گروہ کو میدان جنگ میں اپنے سامنے دیکھو تو ثابت قدم رہو۔ یعنی ایمان کا ایک واضح نشانی ہر معاملے میں خصوصاً دشمنان حق سے برسر پیکار ہونے کی صورت میں ثابت قدمی ہے۔

2۔ خدا کو بہت زیادہ یاد کرو تاکہ رستگار اور کامیاب ہو جاؤ۔

اس میں شک نہیں کہ یاد خدا سے مراد صرف لفظ ذکر نہیں ہے بلکہ روح کے اندر خدا کا مشاہدہ ہے اور اس کے بے انتہا علم و قدرت اور وسیع رحمت کو یاد رکھنا ہے خدا کی طرف ایسی توجہ مجاہد سپاہی کی ہمت اور جذبے کو تقویت دیتی ہے اور اس کے سائے میں وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ میدان جہاد میں اکیلا نہیں ہے اس کی ایک طاقتور پناہ گاہ اور سہارا ہے کہ جس کے مقابلے میں کوئی طاقت کھڑی نہیں ہو سکتی اور اگر وہ مارا بھی گیا تو اسے شہادت جیسی عظیم سعادت حاصل ہوگی۔

(۴۶)3۔جنگ سے متعلق دوسرا اہم ترین مسئلہ رہبری ہے پیشوا اور ریا کار کے حکم کی اطاعت کا ہے یہی وہ اہم معاملہ ہے کہ اگر اس پر عمل نہ کیا جاتا تو جنگ بدر کا انجام مسلمانوں کی مکمل شکست کی صورت میں سامنے آتا اسی لئے دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے خدا تو جنگ بدر کا انجام مسلمانوں کی مکمل شکست کی صورت میں سامنے آتا اسی لئے دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

4۔اور پراگندگی نزاع اور اختلاف سے پرہیز کرو۔کیونکہ دشمن کے سامنے مجاہدین کے مابین کشمکش نزاع اور اختلاف کا پہلا اثر جنگ میں سستی ناتوانی اور کمزوری ہے۔اور اس کمزوری کے نتیجے میں تمہاری طاقت قوت ہیبت اور عظمت ختم ہو جائے گی۔

5۔اس کے بعد قرآن دشمن کے مقابلے میں اور سخت حوادث کے مقابلے میں استقامت اور صبر کا حکم دیتا ہے اور کہتا ہے صبر و استقامت اختیار کرو کہ خدا صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

پہلے حکم میں ثبات قدم کا ذکر ہے اور پانچویں حکم میں صبر و استقامت کا ان میں سے اس لحاظ سے فرق ہے کہ ثبات قدم زیادہ تر جسمانی اور ظاہری پہلو رکھتا ہے جب کہ استقامت اور صبر زیادہ تر نفسیاتی اور باطنی پہلو رکھتا ہے۔

(۴۷)6۔زیر نظر آخری آیت میں مسلمانوں کو احمقانہ کاموں متکبرانہ افعال اور مہمل شورشین کی پیروی سے روکا گیا ہے نیز ابوجہل اس کے طرز کار اور اس کے ارو انصار کے انجام کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان افراد کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے علاقے سے غرور، ہوا پرستی اور خودنمائی کیلئے نکلے تھے۔

وہی کہ جن کا ہدف اور مقصد لوگوں کو راہ خدا سے روکنا تھا۔ان کا ہدف بھی ناپاک تھا اور اس تک پہنچنے کے اسباب بھی ناپاک تھے اور ہم نے دیکھا کہ آخرکار اتنی قوت اور جنگی ساز و سامان کے باوجود انہیں شکست ہوئی عیش و عشرت اور طرب و سرور کی بجائے ان میں سے کچھ خاک و خون میں غلطاں ہوئے اور کچھ ان کے غم میں اشکبار ہوئے اور جو کام یہ لوگ انجام دیتے ہیں خدا ان پر محیط ہے اور ان کے اعمال سے باخبر ہے۔

(۴۸)وَ اِذۡ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ وَ قَالَ لَاغَالِبَ لَكُمُ الۡیَوۡمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّیۡ جَارٌ لَّكُمۡ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الۡفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیۡهِ وَ قَالَ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّنۡكُمۡ اِنِّیۡۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوۡنَ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۠	اور وہ وقت (یاد کرو) جب شیطان نے ان (مشرکین) کے اعمال کو ان کی نظر میں مزین کیا اور کہا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر کامیاب نہیں ہوگا اور میں تمہارا ہمسایہ (اور تمہیں پناہ دینے والا) ہوں لیکن جب اس نے دو گروہوں (مجاہدین اور ان کے حامی فرشتوں) کو دیکھا تو پیچھے کی طرف پلٹا اور کہا کہ میں تم (دوستوں اور پیروکاروں) سے بیزار ہوں میں ایسی چیز دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں دیکھتے۔میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ شدید العقاب ہے۔

(۴۹) اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ	جس وقت منافقین اور وہ کہ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے (مسلمانوں کے) اس گروہ کو ان کے دین نے مغرور کیا (اور دھوکا دیا) ہے اور جو شخص اللہ پر توکل کرے (کامیاب ہوگا کہ) اللہ عزیز و حکیم ہے۔
(۵۰) وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓىٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ	اور اگر تو کفار (کی عبرت انگیز کیفیت) کو دیکھے کہ جب (موت کے) فرشتے ان کی روح نکال رہے ہوتے ہیں اور ان کے چہرے اور پشت پر مار رہے ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) چکھو جلانے والے عذاب کو تو ان کی حالت پر تجھے افسوس ہوگا۔
(۵۱) ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۙ	یہ ان کاموں کے بدلے میں ہے کہ جو آگے بھیج چکے ہو اور خدا اپنے بندوں پر کبھی ظلم و ستم روا نہیں رکھتا۔

تفسیر

مشرک منافق اور شیطانی وسوسے

ان آیات میں گذشتہ آیات کی مناسبت سے جنگ بدر کے ایک اور منظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

یہاں زیر بحث پہلی آیت میں مشرکین کیلئے شیطان کی بدانجام حمایت کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے پہلے ارشاد ہوتا ہے اور اس دن شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے سامنے آراستہ کیا اور زینت دی تا کہ وہ اپنی کارکردگی پر خوش پر جوش اور پر امید ہوں۔

شیطان کی طرف سے زینت دینا اور آراستہ کرنا اس طرح سے ہے کہ وہ انسان کو شہوات، ہوسنا کیوں اور قبیح و ناپسندیدہ صفات کی تحریک دیتا ہے اور اس طریق سے انسان کے عمل کو اس کی نظر میں اچھا بنا کر پیش کرتا ہے کہ وہ شدت سے اس کی طرف کھینچ جاتا ہے اور ہر لحاظ سے اسے ایک عاقلانہ منطقی اور پسندیدہ عمل خیال کرتا ہے اور انہیں اس طرح سمجھتا ہے کہ تمہاری اتنی افرادی قوت اور جنگی وسائل کی وجہ سے لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور تم نا قابل شکست فوج ہو۔ علاوہ ازیں میں تمہارا ہمسایہ ہوں اور تمہارے پاس رہتا ہوں اور ایک وفادار اور ہمدرد ہمسائے کی طرح ضرورت کے وقت کسی قسم کی حمایت سے دریغ نہیں کروں گا۔

لیکن جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے اور فرشتے لشکر توحید کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اس نے مسلمانوں کی قوت ایمان اور پامردی کا مشاہدہ کیا تو الٹے پاؤں لوٹ گیا اور اس نے پکار کر کہا کہ میں تم سے یعنی مشرکین سے بیزار ہوں۔ اس نے اپنے وحشت زدہ فرار کی دو دلیلیں پیش کیں پہلی یہ کہ اس نے کہا میں ایسی چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ میں مسلمانوں کے ان پر

جلال با ایمان چہروں پر کامیابی کے واضح آثار دیکھ رہا ہوں ان میں الٰہی حمایت غیبی امداد اور فرشتوں کی کمک کے آثار مشاہدہ کر رہا ہوں اور اصولی طور پر جہاں پروردگار کی خاص مدد اور غیبی قوتوں کی کمک کارفرما ہو میں وہاں سے فرار ہی اختیار کروں گا۔

دوسری دلیل پیش کرتے ہوئے اس نے کہا میں اس منظر میں پروردگار کی دردناک سزا سے ڈرتا ہوں اور اسے اپنے نزدیک دیکھتا ہوں۔

خدا کی سزا کوئی معمولی سی بات نہیں کہ جس کا سامنا کیا جا سکے بلکہ اللہ کی سزا شدید اور سخت ہے۔

شیطان وسوسے ڈالتا ہے یا بہروپ اختیار کرتا ہے؟

قریش نے جب میدان بدر کی طرف جانے کا پختہ ارادہ کر لیا تو وہ بنی کنانہ کے حملے سے ڈرتے تھے کیونکہ ان کے ساتھ ان کا پہلے ہی سے جھگڑا تھا اس موقع پر ابلیس سراقہ بن مالک کی شکل میں ان کے پاس آیا سراقہ بنی کنانہ کا ایک جانا پہچانا آدمی تھا۔ اس نے انہیں اطمینان دلایا کہ میں تم سے موافق ہوں اور تمہارے ساتھ ہم آہنگ اور کوئی شخص تم پر غالب نہیں ہوگا اور اس نے میدان بدر میں شرکت کی لیکن جب اس نے ملائکہ کو نازل ہوتے دیکھا تو پیچھے ہٹ آیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ فوج بھی جو مسلمانوں سے سخت ضربیں کھا چکی تھی ابلیس کی حالت دیکھ کر بھاگ کھڑی ہوئی جب وہ مکہ میں پلٹ کر آئے تو کہنے لگے کہ سراقہ بن مالک قریش کے فرار کا سبب بنا ہے جب یہ بات سراقہ تک پہنچی تو اس نے قسم کھائی کہ مجھے اس بات کی قطعاً کوئی خبر نہیں ہے جب انہوں نے میدان بدر میں اس کی مختلف نشانیاں اور کیفیتیں یاد دلانا چاہیں تو اس نے سب کا انکار کیا اور قسم کھائی کہ ایسی حتماً کوئی بات نہیں ہوئی اور اس نے کہا کہ میں مکہ سے باہر گیا ہی نہیں اس طرح سے معلوم ہوا کہ وہ شخص سراقہ بن مالک نہیں تھا۔

پہلی تفسیر کے طرفداروں کی دلیل یہ کہ ابلیس انسانی شکل میں ظاہر نہیں ہو سکتا جب کہ دوسری تفسیر کے طرفدار کہتے ہیں کہ اس کے محال ہونے پر کوئی دلیل میسر نہیں ہے خصوصاً جب کہ اس کی نظیر ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے ہجرت کے موقع پر ایک بوڑھا نجدی لوگوں کے بھیس میں دارالندوہ میں آیا تھا

(۴۹) آیت میں معرکہ بدر میں شریک مشرکوں اور بت پرستوں کی فوج کے طرفداروں کے ایک گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے اس وقت منافقین اور وہ کہ جن کے دل میں بیماری تھی کہتے تھے کہ یہ مسلمان اپنے دین پر مغرور ہو گئے ہیں اور اس تھوڑی سی تعداد اور معمولی اسلحہ کے ساتھ انہوں نے کامیابی کے گمان میں یا راہ خدا میں شہادت اور حیات جاوید کے خیال میں اس خطرناک مہم میں قدم رکھا ہے کہ جس کا انجام موت ہے۔

لیکن وہ ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے اور الطاف الٰہی اور اس کی غیبی امداد سے آگاہی نہ رکھنے کے سبب اس حقیقت سے باخبر نہیں ہیں کہ جو شخص خدا پر توکل کرے اور اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کرنے کے بعد خود کو اس کے سپرد کر دے تو خدا اس کی مدد کرے گا کیونکہ خدا قادر و قوی ہے کہ کوئی شخص اس کے مقابلے میں کھڑا ہونے کا یارا نہیں رکھتا اور وہ ایسا حکیم ہے کہ جس سے ممکن نہیں کہ وہ اپنے دوستوں اور اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو تنہا چھوڑ دے۔

ان کے دلوں میں بیماری ہے خدا بھی ان کی بیماری میں اضافہ کرتا ہے۔

یا پھر یہ وہ منافق ہیں جو مدینہ میں آ کر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو گئے تھے اور اظہار اسلام و ایمان کرتے تھے مگر باطنی طور پر وہ مسلمانوں کے ساتھ نہیں تھے۔

یا یہ وہ منافق ہیں جو مکہ میں ظاہراً ایمان لائے تھے لیکن انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے روگردانی کی تھی اور میدان بدر میں مشرکوں کی صفوں سے وابستہ تھے اور جب انہوں نے لشکر کفر کے مقابلے میں مسلمانوں کی کم تعداد دیکھی تو انہیں تعجب ہوا اور وہ کہنے لگے کہ ان مسلمانوں نے اپنے دین و آئین سے دھوکا کھایا ہے اور جبھی اس میدان میں قدم رکھا ہے۔

(۵۰) یہ آیت میں کفار کی موت اور ان کی بد بخت زندگی کے اختتام کی منظر کشی کرتی ہے پہلے روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے اگر تم کفار کی عبرت انگیز کیفیت کو دیکھتے کہ جب موت کے فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے تھے اور انہیں کہتے تھے کہ جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو تو ان کے رقت آمیز انجام سے آگاہ ہوتے،

(۵۱) اس کے بعد قرآن کہتا ہے ان سے کہا جائے گا کہ یہ دردناک سزا جو اس وقت چکھ رہے ہو ان امور کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے اس سے پہلے فراہم کئے ہیں اور اس جہان میں بھیجے ہیں،

(۵۱) زیر نظر آخری آیت میں مزید ارشاد ہوتا ہے خدا کبھی بھی اپنے بندوں پر ظلم و ستم روا نہیں رکھتا اور اس جہان میں یا اس جہان میں جو بھی سزا یا عذاب انہیں دامن گیر ہو گا وہ خود انہی کی طرف سے ہے،

(۵۲) كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ	مشرکین کے اس گروہ کی حالت فرعون کے رشتہ داروں اور ان سے پہلے والوں کی سی ہے انہوں نے آیات الٰہی کا انکار کیا خدا نے بھی انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے سزا دی اللہ قوی ہے اور اس کی سزا سخت ہے۔
(۵۳) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ	یہ اس بناء پر ہے کہ خدا جو نعمت بھی کسی گروہ کو دیتا ہے اسے متغیر نہیں کرتا مگر یہ گروہ خود اپنے آپ کو متغیر کریں اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔
(۵۴) كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ	اور یہ بالکل فرعونیوں اور ان سے قبل کے لوگوں کی طرح ہیں کہ جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیت کو جھٹلایا اور ہم نے بھی ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کیا

وَ اَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ ۚ وَ کُلٌّ کَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ	اور فرعونیوں کو غرق کیا اور یہ سب ظالم اور ستم گر گروہ تھے۔

تفسیر

متغیر نہ ہونے والی ایک سنت

ان آیات میں دنیا کی اقوام وملل کے بارے میں خدا تعالیٰ کی ایک دائمی سنت کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

پہلے قرآن کہتا ہے مشرکین کے حالات کی کیفیت فرعون کے خاندان اور ان سے پہلے کے لوگوں جیسی ہے۔ وہی کہ جنہوں نے آیات خدا کا انکار کیا اور خدا نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا۔ کیونکہ خدا قوی اور صاحب قدرت ہے اور اس کا عذاب بھی شدید اور سخت ہے۔

اس بناء پر صرف قریش اور مکہ کے مشرکین اور بت پرست ہی نہ تھے جو آیات الٰہی کے انکار حق کے مقابلے میں ہٹ دھرمی اور انسانیت کے سچے رہبروں سے الجھنے کی وجہ سے اپنے گناہوں کے عذاب میں گرفتار ہوئے بلکہ یہ ایک دائمی قانون ہے جو فرعونیوں جیسی طاقتور قوموں اور بہت کمزور قوموں پر بھی محیط ہے۔

(۵۳) اس کے بعد اس مسئلے کی بنیاد کا ذکر کر کے اسے زیادہ واضح کیا گیا ہے ارشا ہوتا ہے یہ سب کچھ اس بناء پر ہے کہ خدا کسی قوم وملت پر جو نعمت اور عنایت کرتا ہے اسے کبھی دگر گوں نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ جمعیت اور قوم خود دگر گوں اور متغیر ہو جائے۔

بالفاظ دیگر خدا کا بے کنار فیض و کرم عمومی اور سب کیلئے ہوتا ہے لیکن وہ لوگوں کی لیاقت اور اہلیت کی مناسبت سے ان تک پہنچتا ہے ابتداء میں خدا اپنی مادی اور روحانی نعمتیں اقوام عالم کے شامل حال کر دیتا ہے اب اگر وہ خدائی نعمتوں کو اپنے تکامل اور ارتقاء کا ذریعہ بنائیں اور راہ حق میں ان سے مدد حاصل کریں اور ان سے صحیح استفادہ کی صورت میں ان کیلئے شکر ادا کریں تو وہ اپنی نعمتوں کو پائدار کرتا ہے بلکہ اس میں اضافہ کرتا ہے لیکن یہ عنایات اور نعمات اگر طغیان و سرکشی ظلم و بیدادگری ترجیح وتبیعض ناشکری و غرور اور آلودگی و گناہ کا سبب بنیں تو اس صورت میں وہ یہ نعمتیں واپس لے لیتا ہے یا انہیں بلا و مصیبت میں بدل دیتا ہے لہٰذا جو بھی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں دراصل ہماری وجہ سے ہوتی ہیں نعمات الٰہی تو زوال پذیر نہیں ہیں۔

(۵۴) اس ہدف کے بعد قرآن دوبارہ فرعونیوں اور ان سے پہلے کی طاقت ور اقوام کے ایک گروہ کی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے نعمتوں کے سلب ہونے اور سخت قسم کے عذابوں کے چنگل میں گرفتار ہونے سے متعلق بت پرستوں کی کیفیت فرعونیوں اور ان سے پہلے کی قوموں جیسی ہے۔ انہوں نے بھی پروردگار کی آیات کی تکذیب کی اور انہیں پاؤں تلے روندا۔ جب کہ یہ آیات ان کی ہدایت تقویت اور سعادت کیلئے نازل ہوئی تھیں۔ ہم نے بھی ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا۔ اور فرعونیوں کو ہم نے دریا کی موجوں میں غرق کر دیا۔ اور یہ تمام قومیں اور ان کے افراد ظالم اور ستم گر تھے اپنے لئے بھی ظالم تھے اور دوسروں کیلئے بھی۔

(۵۵) اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَھُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۖۚ	اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والے بدترین جانور ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کررکھی ہے اور ایمان نہیں لاتے۔
(۵۶) اَلَّذِیۡنَ عَاھَدۡتَّ مِنۡھُمۡ ثُمَّ یَنۡقُضُوۡنَ عَھۡدَھُمۡ فِیۡ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّ ھُمۡ لَا یَتَّقُوۡنَ	وہ لوگ کہ جن سے تم نے پیمان لیا پھر وہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور (پیمان شکنی اور خیانت سے) پرہیز نہیں کرتے۔
(۵۷) فَاِمَّا تَثۡقَفَنَّھُمۡ فِی الۡحَرۡبِ فَشَرِّدۡ بِھِمۡ مَّنۡ خَلۡفَھُمۡ لَعَلَّھُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ	اگر انہیں میدان جنگ میں پالو تو ان پر اس طرح سے حملہ کرو کہ وہ گروہ جو ان کے پیچھے ہیں منتشر ہو جائیں (اور بکھر جائیں) شاید وہ متذکر ہوں (اور عبرت حاصل کریں)۔
(۵۸) وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِیَانَۃً فَانۡۢبِذۡ اِلَیۡھِمۡ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡخَآئِنِیۡنَ ۚ	اور جس وقت (نشانیاں ظاہر ہونے پر) تجھے کسی گروہ کی خیانت کا خوف ہو (کہ وہ اپنے عہد کو توڑ کر اچانک حملہ کردے گا) تو انہیں عادلانہ طور پر بتلا دو (کہ ان کا پیمان لغو ہو گیا ہے) کیونکہ خدا خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔
(۵۹) وَ لَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَبَقُوۡا ؕ اِنَّھُمۡ لَا یُعۡجِزُوۡنَ	اور وہ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے یہ تصور نہ کریں کہ وہ ان اعمال کے ہوتے ہوئے کامیاب ہو جائیں گے وہ ہمیں کبھی عاجز نہیں کر سکتے۔

تفسیر

شدت عمل پیمان شکنوں کے مقابلے میں

یہ آیات دشمنان اسلام کے ایک اور گروہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں جنہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پر حوادث تاریخ میں مسلمانوں پر سخت ضربیں لگائیں اور بالآخر اس کے دردناک انجام کا سامنا کیا۔

یہ گروہ وہی مدینہ کے یہودی تھے جنہوں نے بار بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عہد و پیمان باندھا اور پھر بزدلانہ طور پر اسے توڑ دیا۔

(۵۵) پہلے قرآن اس جہاں کے زندہ موجودات میں سے بے وقعت ترین اور گھٹیا ترین وجود کا تعارف کرواتے ہوئے کہتا ہے زمین پر چلنے والے بدترین لوگ خدا کی نزدیک وہ ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے اور اسی طرح اس پر چلتے رہتے ہیں اور کسی طرح ایمان نہیں لاتے۔

(۵۶) اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے یہ وہی لوگ تھے جن سے تم نے عہد و پیمان باندھا تا کہ کم از کم غیر جانبداری ہی کا لحاظ رکھیں اور مسلمانوں کو آزار اور تکلیف پہنچانے کے درپے نہ ہوں اور دشمنان اسلام کی مدد نہ کریں لیکن انہوں نے ہر مرتبہ اپنا پیمان توڑ دیا۔

نہ انہیں خدا سے کوئی شرم وحیا آتی تھی اور نہ وہ اس کے فرمان کی مخالفت سے ڈرتے تھے اور نہ ہی وہ انسانی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے کوئی پرواہ کرتے تھے۔

(۵۷) اس آیت میں اس پیمان شکن بے ایمان اور ہٹ دھرم گروہ سے طرز سلوک کے بارے میں قرآن اس طرح بیان کرتا ہے اگر انہیں میدان جنگ میں پاؤ اور وہ مسلح ہو کر تمہارے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوں تو ان کی ایسے سرکوبی کرو کہ جو گروہ ان کے پیچھے ہوں وہ عبرت حاصل کریں اور منتشر ہو جائیں اور اپنے آپ کو پیش نہ کریں۔

(۵۸) اور اگر گروہ تیرے سامنے میدان میں نہ آئیں لیکن ان سے ایسے آثار و قرآئن ظاہر ہوں کہ وہ پیمان شکنی کے درپے ہیں اور اس بات کا خوف ہو کہ وہ خیانت کریں گے اور بغیر اطلاع کے یک طرفہ طور پر پیمان توڑ دیں گے تو تم پیش قدمی کرو اور انہیں بتا دو کہ ان کا پیمان لغو ہو چکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کا پیمان لغو ہونے کی اطلاع دیئے بغیر ان پر حملہ کردو کیونکہ خدا خیانت کرنے والوں اور ان لوگوں کو جو اپنے پیمان میں خیانت کی راہ اختیار کریں دوست نہیں رکھتا۔

(۵۹) زیر بحث آخری آیت میں روئے سخن پیمان شکن گروہ کی طرف کرتے ہوئے انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفر اختیار کرنے والے لوگ یہ تصور کریں کہ وہ اپنے خیانت آمیز اعمال کے ذریعے کامیاب ہو گئے ہیں اور ہماری قدرت اور سزا و عذاب کے قلم رو سے نکل گئے ہیں۔ وہ ہمیں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور ہمارے احاطہ قدرت سے نہیں نکل سکتے۔

(۶۰) وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ	ان دشمنوں کے مقابلے کیلئے جتنی قوت ممکن ہو سکے مہیا اور تیار رکھو اسی طرح (میدان جنگ کیلئے) طاقتور اور تجربہ کار گھوڑے (بھی تیار رکھو) تا کہ اس سے خدا کے اور اپنے دشمن کو ڈرا سکو اور (اسی طرح) ان کے علاوہ دوسرے (دشمن) گروہ کو کہ جنہیں تم نہیں پہچانتے اور اللہ انہیں پہچانتا ہے اور جو کچھ تم راہ خدا میں (اسلامی دفاع کی مضبوط کیلئے) خرچ کرو گے تمہیں لوٹا دیا جائے گا اور تم پر ظلم وستم نہیں ہوگا۔

(۶۱) وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ	اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی باب صلح کی طرف سے داخل ہو اور خدا پر توکل کرو کہ وہ سننے اور جاننے والا ہے۔
(۶۲) وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ	اور اگر وہ تمہیں دھوکا دینا چاہیں تو خدا تمہارے لئے کافی ہے اور وہ وہی ہے کہ جس نے تجھے اپنی اور مومنین کی مدد سے تقویت پہنچائی۔
(۶۳) وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ	اور (اللہ نے) ان کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی اور اگر وہ دلوں میں الفت پیدا کرنے کیلئے روئے زمین کی تمام چیزوں کو صرف کر دیتے تو ایسا نہ کر سکتے لیکن خدا نے ان کے درمیان الفت پیدا کر دی وہ توانا اور رحیم ہے۔
(۶۴) يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۧ	اے نبی ! خدا اور وہ مومنین تیری پیروی کرتے ہیں جو تیری حمایت کیلئے کافی ہے۔

تفسیر

جنگی طاقت میں اضافہ اور اس کا مقصد

اسلامی جہاد کے سلسلے میں گذشتہ احکام کی مناسبت سے زیرنظر پہلی آیت میں مسلمانوں کی توجہ زندگی کے ایک ایسے بنیادی قانون کی طرف دلائی گئی ہے جو ہر زمانے میں اور ہر وقت نظر میں رہنا چاہئے اور وہ ہے دشمن کے مقابلے میں کافی دفاعی تیاری کا لزوم۔ پہلے قرآن کہتا ہے اور دشمن کے مقابلے میں جس قدر ممکن ہو سکے قوت تیار رکھو۔

یعنی اس انتظار میں نہ رہو کہ جب دشمن تم پر حملہ کرے گا اس وقت اس کے مقابلے میں تیاری کرو گے بلکہ پہلے ہی سے دشمن کے احتمالی حملے کے مقابلے میں کافی تیار ہونا چاہئے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے اور اسی طرح طاقتور اور آزمودہ کار گھوڑے میدان جہاد کیلئے فراہم رکھو۔

(۶۰) ہمارا نظریہ ہے کہ اگر اس عظیم اسلامی حکم "و اعدو الھم ما ستطعتم من قوۃ" کی ہر جگہ ایک عمومی اور عوامی شعار کی حیثیت سے تبلیغ ہو اور چھوٹے بڑے عالم و جاہل، موءلف و مقرر، فوجی اور افسر، کسان اور تاجر یعنی تمام مسلمان اپنی زندگی میں اس پر عمل کریں تو ان کی اس پس ماندگی کی تلافی کیلئے کافی ہے۔

پیغمبر اکرمؐ اور اسلام کے عظیم راہنماؤں کی عملی سیرت بھی نشاندہی کرتی ہے کہ وہ دشمن کے مقابلے سے کبھی غفلت نہ برتتے تھے وہ ہتھیار اور افراد مہیا کرنے سپاہیوں کی ہمت بڑھانے لشکر کیلئے جگہ منتخب کرنے دشمن پر حملے کیلئے مناسب وقت کا انتخاب کرنے اور ہر قسم کی جنگی تکنیک کو اپنانے میں سے کسی چھوٹے یا بڑے پہلو کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔

جنگی طاقت میں اضافے کا اصلی مقصد

اس حکم کے بعد قرآن اس موضوع کے منطقی اور انسانی ہدف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مقصد یہ نہیں ہے کہ اصل دنیا کو یا اپنی قوم کو طرح طرح کے تباہ کن اور ویران گر ہتھیاروں سے تباہ و برباد کردو اور آبادیوں اور زمینوں کو ویران کر دو۔ مقصد یہ نہیں کہ دوسروں کی زمینوں اور مال واسباب کو لوٹو اور یہ بھی مقصد نہیں کہ دنیا میں غلامی اور استعمار کے اصول رائج کر دو بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان وسائل کے ذریعے خدا کے اور اپنے دشمن کو ڈراؤ۔ کیونکہ زیادہ تر دشمن ایسے ہیں کہ جن کے کان منطقی حرف اور انسانی اول نہیں سنتے وہ قوت وطاقت کی زبان کے سوا دوسری کوئی زبان نہیں سمجھتے۔

اگر مسلمان کمزور ہوں تو تمام تر بوجھ انہی پر ڈالے جائیں گے لیکن اگر وہ کافی مقدار میں قوت وطاقت حاصل کرلیں تو پھر حق وعدالت اور استقلال و آزادی کے دشمن پریشان ہو جائیں گے اور اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں گے۔

پھر مزید فرمایا گیا ہے ان دشمنوں کے علاوہ جنہیں تم پہچانتے ہو تمہارے اور دشمن بھی ہیں جنہیں تم نہیں پہچانتے اور وہ تمہاری زیادہ جنگی تیاری سے ڈر جائیں گے اور اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں گے۔

آیت کے آخر میں ایک اور اہم موضوع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ قوت وطاقت ساز وسامان اسلحہ اور مختلف قسم کے ضروری دفاع وسائل کیلئے سرمائے کی ضرورت ہے لہٰذا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تمام افراد کے تعاون و ہمکاری سے یہ مالی سرمایہ اکٹھا کریں فرمایا گیا ہے جان لو کہ جو کچھ تم راہ خدا میں خرچ کرتے ہو تمہیں پلٹا دیا جائے گا۔ اور وہ سارے کا سارا تمہیں پہنچے گا اور تم پر کسی قسم کا کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

(۶۱) گذشتہ آیت میں اگرچہ اسلامی جہاد کے مقصد کو کافی حد تک نمایاں کرتی ہے تاکہ ہم بعد والی آیت کہ جو دشمن سے صلح کے بارے میں بحث کرتی ہے اس حقیقت کو واضح کر رہی ہے فرمایا گیا ہے اگر وہ صلح کی طرف میلان ظاہر کریں تو تم بھی ان کا ہاتھ جھٹک نہ دو اور آمادگی ظاہر کرو۔

چونکہ عام طور پر پیمان صلح پر دستخط کرتے وقت لوگ تردد میں گرفتار ہو جاتے ہیں لہٰذا پیغمبر اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ صلح کی تجویز قبول کرنے میں شک و تردد کو اپنے میں راہ نہ دو اگر اس کی شرائط منطقی عاقلانہ اور عادلانہ ہوں تو انہیں قبول کرلو اور خدا پر توکل کرو کیونکہ خدا تمہاری گفتگو بھی سنتا ہے اور تمہاری نیتوں سے بھی آگاہ ہے۔

(۶۲) لیکن اس کے باوجود رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے صلح کی تجاویز میں مکروفریب بروئے کار لایا گیا ہو اور صلح کو دشمن اچانک حملے کیلئے مقدمہ کے طور پر استعمال کریں یا ان کا مقصد جنگ میں تاخیر کرنے سے زیادہ قوت

فراہم کرنا ہو تاہم اس امر سے بھی پریشان نہ ہو کیونکہ خدا تمہارے کام کی کفایت کرے گا اور وہ ہر حالت میں تمہارا پشتی بان ہے۔تمہاری سابقہ زندگی بھی اس حقیقت پر گواہ ہے کیونکہ وہی ہے جس نے اپنی مدد سے اور پاک دل مومنین کی مدد سے تمہاری تقویت کی تھی۔

(۶۳) علاوہ ازیں یہ مخلص مومنین کو جو تمہارے گرد و پیش تھے کسی قسم کی فداکاری سے ذریغ نہیں کرتے۔ پہلے یہ بکھرے ہوئے اور ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے ان پر نور ہدایت کا چھڑکاؤ کیا اور ان کے دلوں کے اندر الفت پیدا کی۔

سالہا سال سے مدینہ میں اوس اور خزرج قبائل میں خون ریزی جاری تھی اور ان کے سینے بغض وعداوت سے بھرے ہوئے تھے حالت یہ تھی کہ کسی شخص کو یہ یقین نہ تھا کہ وہ کسی روز ایک دوسرے کی طرف دوستی اور محبت کا ہاتھ بڑھائیں گے اور ایک ہی صف میں شامل ہوں گے لیکن قادر ومتعال خدا نے اسلام کے پرتو اور نزول قرآن کے سائے میں یہ کام انجام دیا۔

اس کے بعد مزید ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس الفت اور دلوں کے رشتے قائم کرنا معمول کے مادی طریقوں سے ممکن نہ تھا اگر وہ تمام کچھ جو روئے زمین میں ہے تم خرچ کر دیتے تو ان کے دلوں میں الفت ومحبت پیدا نہ کر سکتے۔لیکن یہ خدا ہی تھا جس نے ان کے درمیان ایمان کی وجہ سے اور ایمان کے ذریعے سے الفت پیدا کر دی۔

اور آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے خدا عزیز وحکیم ہے۔اس کی عزت کا تقاضا ہے کہ کوئی اس کے سامنے ٹھہرنے کی تاب نہیں رکھتا اور اس کی حکمت سبب بنتی ہے کہ اس کے تمام کام حساب وکتاب کے تابع ہوں اسی لئے حساب شدہ پروگرام نے پراگندہ دلوں کو متحد کر دیا اور انہیں پیغمبر سے منسلک کر دیا تاکہ آپ ان کے ذریعے اسلام کا نور ہدایت پوری دنیا میں پھیلا دیں۔

(۶۴) زیر بحث آخری آیت میں رسول اکرم ﷺ کی پاک ہمت اور جذبے کی تقویت کیلئے ان کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر ﷺ! خدا اور یہ مومنین کہ جنہوں نے تمہاری پیروی کی ہے تمہاری حمایت کیلئے کافی ہیں اور ان کی مدد سے تم اپنے مقصد کو پالو گے۔

(۶۵) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ	اے پیغمبر! مومنین کو (دشمن سے) جنگ کرنے کی تحریک کیجئے اگر تم میں سے صبر واستقامت کرنے والے بیس افراد ہوں تو وہ دو سو افراد پر غالب آجائیں گے اور اگر سو افراد ہوں تو کافروں میں سے ایک ہزار افراد پر کامیابی حاصل کریں گے کیونکہ وہ ایسی قوم ہیں جو سمجھتے نہیں۔

(٦٦)اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ	اب اس وقت خدا نے تمہیں تخفیف دی ہے اور جان لیا ہے کہ تم میں کمزوری ہے اس بناء پر جب تم میں سے سو افراد صابر (با استقامت) ہوں تو دو سو افراد پر کامیاب ہوں گے اور اگر ایک ہزار ہوں تو حکم خدا سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر

برابر کی قوت کے انتظار میں نہ رہو

ان دو آیات میں بھی اسلامی جہاد کے متعلق اور فوجی احکام کا سلسلہ جاری رکھا گیا ہے۔

پہلی آیت میں رسول اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ اے پیغمبر! مسلمانوں کو دشمن سے جہاد کرنے کی ترغیب............دیجئے اور تحریک کیجئے۔

اس کے بعد آیت ایک دوسرا حکم دیتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر تم میں سے بیس افراد صاحب استقامت ہوں تو وہ دو سو افراد پر غلبہ حاصل کر لیں گے اور اگر تم میں سے سو افراد ہوں تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔

لہٰذا مسلمان اس بات کے منتظر نہ رہیں کہ فوج کی تعداد دشمن کی فوج کے مساوی ہو جائے بلکہ یہاں تک کہ ان کی تعداد اگر دشمن کا دسواں حصہ ہو تو بھی جہاد ان پر فرض ہے اس کے بعد اس حکم کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ اس بناء پر ہے کہ تمہارے بے ایمان دشمن ایسے ہیں جو سمجھتے ہی نہیں۔

یہ تاویل ابتداء میں عجیب وغریب نظر آتی ہے کہ علم وآ گاہی اور کامیابی کے درمیان یا عدم آ گہی اور شکست کے درمیان کیا ربط ہے لیکن فی الحقیقت ان دونوں کے درمیان بہت ہی نزدیکی اور مستحکم رابطہ ہے کیونکہ مومنین اپنے راستے کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اپنی خلقت کے ہدف کا ادارک رکھتے ہیں اور اس جہان میں جہاد کے مثبت نتائج اور دوسرے جہان میں جو زیادہ ثواب مجاہدین کے انتظار میں ہے اس سے باخبر ہیں۔

وہ جانتے ہیں کہ کس لئے لڑ رہے ہیں اور کس کیلئے برسرپیکار ہیں اور کس مقدس مقصد کیلئے فداکاری کر رہے ہیں اور اگر اس راہ میں قربان اور شہید ہو جائیں تو ان کا حساب کتاب کس کے ہاتھ میں ہے یہ واضح راستہ اور یہ آ گاہی انہیں صبر واستقامت اور پامردی سکھاتی ہے لیکن بے ایمان اور بت پرست ٹھیک طور پر نہیں جانتے کہ وہ کس لئے جنگ کر رہے ہیں اور کس کیلئے لڑ رہے ہیں اور اگر اس راہ میں مارے جائیں تو ان کے خون کی تلافی کون کرے گا صرف ایک عادت اور اندھی تقلید یا خشک اور بے منطق تعصب کی وجہ سے اس مکتب کے پیچھے لگے ہوئے ہیں راستے کی یہ تاریکی ہدف سے ناآ گاہی اور جنگ کے انجام اور نتیجے سے بے خبری ان کے

اعصاب کو کمزور کر دیتی ہے ان کی توانائی اور استقامت کو لے جاتی ہے اور ان کا کمزور سا وجود رہ جاتا ہے۔

(٦٦) لیکن مذکورہ بالا سنگین حکم کے بعد خدا تعالیٰ انہیں کئی درجے تخفیف دیتا ہے اور کہتا ہے اسی وقت سے خدا نے تمہیں تخفیف دی اور اس نے جانا کہ تمہارے درمیان کمزور اور سست افراد موجود ہیں۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے کہ ان حالات میں اگر تم میں سے سو صبر و استقامت والے مجاہدین ہوں تو وہ دو سو افراد پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار آدمی ہوں تو دو ہزار پر حکم خدا سے کامیاب ہوں گے۔ لیکن یہ بات کسی حالت میں فراموش نہ کریں خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(٦٧) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ	کوئی پیغمبر یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ (دشمنوں کے افراد کو) قیدی بنائے تا کہ ان پر کامیابی حاصل کرے (اور زمین پر مستحکم قدم جمالے) تم لوگ تو ناپائیدار دنیا کی متاع چاہتے ہو لیکن خدا تمہارے لئے آخرت چاہتا ہے اور خدا قادر و حکیم ہے۔
(٦٨) لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ	اگر پہلے سے خدا کا حکم نہ ہوتا (کہ تبلیغ کے بغیر کسی امت کو سزا نہ دے) تو (اسیر بنانے کا) جو کام تم نے کیا اس پر تمہیں بہت بڑی سزا دیتا۔
(٦٩) فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۧ	اب جو کچھ مال غنیمت تم لے چکے ہو اس میں سے حلال و پاکیزہ کھا لو اور خدا (کی معصیت) سے ڈرو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔
(٧٠) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	اے نبی! تمہارے پاس جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر خدا تمہارے دلوں میں کوئی اچھائی دیکھے گا (اور تمہاری نیتیں نیک اور پاکیزہ ہوں) تو جو کچھ تم سے لیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۷۱) وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَکَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْکَنَ مِنْھُمْ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ	اور اگر وہ تم سے خیانت کرنا چاہیں (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) انہوں نے اس سے پہلے (بھی) خدا سے خیانت کی ہے اور خدا نے تمہیں ان پر کامیابی دی اور خدا دانا و حکیم ہے۔

تفسیر

جنگی قیدی

گزشتہ آیات میں جہاد اور دشمن سے جنگ کرنے کے متعلق احکام کے اہم حصے بیان ہوئے ہیں اب زیر بحث آیات میں جنگی قیدیوں کے بارے میں کچھ احکام کا ذکر کر کے اس جاری بحث کی تکمیل کی گئی ہے کیونکہ جنگوں میں عموماً قیدیوں اور اسیروں کا مسئلہ پیش آتا ہے جنگی قیدیوں سے انسانی حوالوں سے سلوک اور اسی طرح مقاصد جہاد بہت اہم موضوعات ہیں اس سلسلے میں سب سے پہلے جو مطلب بیان ہوا ہے اس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کوئی نبی یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کے پاس جنگی قیدی ہوں تاکہ وہ زمین میں اپنے پاؤں خوب محکم کر سکے اور دشمن کی پیکر پر کاری اور اطمینان بخش ضربیں لگا سکے۔

لہٰذا قیدی بنانا صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ جب دشمن پر کامیابی کے حصول کے بارے میں کامل اطمینان ہو ورنہ قاطع تباہ کن اور پے در پے حملوں سے حملہ آور دشمن کی طاقت کو بے کار کیا جائے۔لیکن اطمینان حاصل ہونے کے بعد انسان کے لئے ہدف ضروری قرار دیتا ہے کہ قتل کرنے سے ہاتھ اٹھا لیا جائے اور انہیں قید کر لینے پر اکتفاء کی جائے۔

اس کے بعد قرآن اس گروہ کو جس نے اس حکم کے خلاف عمل کیا مورد ملامت قرار دیتے ہوئے کہتا ہے تم صرف مادی امور کی فکر میں ہو اور دنیا کی ناپائیدار متاع چاہتے ہو حالانکہ خدا تمہارے لئے عالم جاوداں اور دائمی سعادت چاہتا ہے۔

البتہ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں جنگی قیدیوں کے مادی پہلوؤں کی طرف توجہ اور اصلی اہداف و مقاصد سے غفلت یعنی دشمن پر کامیابی حاصل کرنا نہ صرف سعادت اور اخروی جزا پر ضرب لگاتی ہے بلکہ اس جہاں کی زندگی سربلندی عزت اور آرام کیلئے بھی نقصان دہ ہے حقیقت میں یہ اصلی مقاصد اس جہان کے پائیدار امور میں شمار ہوتے ہیں اور دوسرے لفظوں میں وقتی اور جلدی گزر جانے والے منافع کے لئے آئندہ کے دائمی منافع کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہئے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ یہ حکم اصل میں عزت و کامیابی اور حکمت و تدبیر کا حامل ہے چونکہ یہ خدا کی طرف سے صادر ہوا ہے اور خدا عزیز و حکیم ہے۔

(۶۸) اس آیت میں دوبارہ ان لوگوں کو سرزنش کرتے ہوئے کہ جو وقتی اور مادی مفادات کیلئے اہم اجتماعی مصالح کو خطرے میں ڈالتے ہیں ارشاد فرمایا گیا ہے اگر خدا کا فرمان سابق نہ ہوتا تو تمہیں ان قیدیوں کو قیدی بنانے پر بہت بڑی سزا اور عذاب سے دوچار ہونا پڑتا۔

قران کی دوسری آیات میں تصریح ہوئی ہے کہ پروردگار کی سنت یہ ہے کہ وہ پہلے احکام بیان کرتا ہے پھر ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دیتا ہے۔

(۶۹) جیسا کہ بعض رویات میں جو زیر بحث آیات کی شان نزول کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں ہے کہ جنگ بدر کے خاتمے پر جب جنگی قیدی بنا لئے گئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ قیدیوں میں سے دو خطرناک افراد عقبہ اور نضر کو قتل کر دیا جائے تو اس پر انصار گھبرا گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ حکم تمام قیدیوں کے متعلق جاری ہو جائے اور وہ فدیہ لینے سے محروم ہو جائیں لہٰذا انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ہم نے ستر آدمیوں کو قتل کیا ہے اور ستر ہی کو قیدی بنایا ہے اور یہ آپ کے قبیلے میں سے آپ ہی کے قیدی ہیں یہ ہمیں بخش دیجئے تا کہ ہم ان کی آزادی کے بدلے فدیہ لے سکیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کیلئے وحی آسمانی کے منتظر تھے اس موقع پر زیر بحث آیات نازل ہوئی اور قیدیوں کی آزادی کے بدلے میں فدیہ لینے کی اجازت دی گئی۔

بہر حال مندرجہ بالا آیت مسلمانوں کو یہ اجازت دیتی ہے کہ وہ اس جنگی غنیمت یعنی وہ رقم جو وہ قیدیوں سے رہائی کے بدلے لیتے تھے اس سے استفادہ کریں اور ارشاد ہوتا ہے جو کچھ تم نے غنیمت میں لیا ہے اس میں سے حلال اور پاکیزہ کھالو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

ممکن ہے اس جملے کا ایک وسیع معنی ہو اور یہ فدیہ کے علاوہ دیگر غنائم کے بارے میں بھی ہو۔

اس کے بعد انہیں حکم دیا گیا ہے کہ تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو اور فرمان خدا کی مخالفت سے پرہیز کرو۔

اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ ایسے غنائم کا مباح ہونا اس بات کا سبب نہیں بننا چاہئے کہ مجاہدین کا ہدف جہاد کے میدان میں ہدف مال غنیمت جمع کرنا یا فدیہ حاصل کرنا ہو جائے اور اگر پہلے ان کے دل میں ایسے پست خیالات تھے تو انہیں دل سے نکال دیں۔

اس سلسلے میں جو کچھ ہو چکا ہے اس کی عفو و بخشش کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے خدا غفور و رحیم ہے۔ یقیناً اگر کوئی توبہ حقیقی کرے تو خدا کو بخشنے والا پائے گا۔

(۷۰) ایک اور اہم مسئلہ جنگی قیدیوں کے حوالے سے ان کی اصلاح تربیت اور ہدایت ہے ہوسکتا ہے یہ امر مادی مکاتب میں پیش نہ آتا ہو لیکن وہ جہاد کہ جو انسانوں کی آزادی اصلاح اور حق وعدالت کے رواج دینے کیلئے ہو حتمی طور پر اسے اہمیت دیتا ہے اسی لئے زیر نظر چوتھی آیت میں رسول اکرم کو حکم دیا گیا ہے کہ قیدیوں کو دل خوش کن بیان کے ذریعے ایمان اور اصلاح احوال کی دعوت دیں اور انہیں تشویق دلائیں ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر! ان قیدیوں کو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں کہہ دو! اگر خدا تمہارے دلوں میں خیر اور نیکی جان لے تو تمہیں اس سے بہتر عطا کرے جو تم سے لیا ہے۔

ان جزاؤں اور احسانوں کے علاوہ اس نے تمہارے لئے ایک اور لطف و کرم کیا ہے اور وہ گناہ کہ جن کے تم اسلام قبول

کرنے سے پہلے گذشتہ زمانے میں مرتکب ہوئے تھے انہیں بخش دے گا اور خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(۷۱) اور چونکہ یہ ممکن تھا کہ بعض قیدی اس پروگرام سے غلط فائدہ اٹھائیں اور خیانت اور انتقام کے ارادہ سے اظہار اسلام کرتے ہوئے مسلمانوں کی صفوں میں گھس آئیں لہٰذا اس آیت میں قرآن انہیں بھی خطرے سے خبردار کرتا ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے اور کہتا ہے اگر وہ چاہیں کہ تجھ سے خیانت کریں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے انہوں نے اس سے پہلے بھی خدا سے خیانت کی ہے۔

اس سے بالاتر خیانت کیا ہوگی کہ انہوں نے ندائے فطرت کو سنا ان سنا کر دیا حکم عقل کو پس پشت ڈال دیا خدا کیلئے شریک و شبیہ کے قائل ہوئے اور بت پرستی کے بے ہودہ مذہب کو انہوں نے توحید پرستی کا جانشین قرار دے لیا لیکن انہیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ خدا نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو ان پر فتح و کامیابی بخشی۔ آئندہ بھی اگر وہ خیانت کی راہ چلے تو کامیاب نہیں ہوں گے پھر بھی وہ شکست ہی سے دوچار ہوں گے خدا ان کی نیتوں سے آگاہ ہے اور جو احکام اس نے قیدیوں کے بارے میں دیئے ہیں وہ حکمت کے مطابق ہیں کیونکہ خدا علیم و حکیم ہے

(۷۲) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ	جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور وہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی (وہ لوگ) ایک دوسرے کے اولیاء (دوست، جوابدہ اور دفاع کرنے والے) ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تم ان کے بارے میں کسی قسم کی ولایت (تعہد اور جوابدہی) نہیں رکھتے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور (صرف اس صورت میں کہ) جب وہ تم سے (اپنے) دین (کی حفاظت) کیلئے مدد طلب کریں (تو پھر) تم پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرو مگر ایسے گروہ کی خلاف نہیں کہ جس کے ساتھ تمہارا (جنگ نہ کرنے کا) معاہدہ ہو اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو خدا اسے دیکھتا ہے۔

(۷۳) وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ	اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں ایک دوسرے کے اولیاء (دوست اور پشت پناہ) ہیں اگر تم (اس حکم کو) انجام نہ دو تو زمین میں عظیم فتنہ فساد برپا ہو جائے۔
(۷۴) وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ	اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی حقیقی مومن ہیں ان کیلئے بخشش (اور خدا کی رحمت) اور مناسب رزق ہے۔
(۷۵) وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۧ	اور وہ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ شامل ہو کر جہاد کیا وہ تم میں سے ہیں اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ساتھ (غیروں کی نسبت) خدا کے مقرر کردہ احکام میں زیادہ حق دار ہیں خدا تمام چیزوں کو جانتا ہے۔

تفسیر

چار مختلف گروہ

یہ آیات سورہ انفال کا آخر حصہ ہیں ان میں مہاجرین و انصار اور مسلمان کے دوسرے گروہوں کے مقام اور مجاہدین کے بارے میں جاری بحث کی بھی ان آیات میں تکمیل ہوتی ہے۔

ان آیات میں پانچ گروہوں کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے ان میں سے چار مسلمان ہیں اور ایک گروہ غیر مسلموں کا ہے مسلمانوں کے چار گروہ یہ ہیں۔

1۔مہاجرین اولین۔

2۔انصاری۔۔۔اہل مدینہ میں سے یار و انصار

3۔وہ جو ایمان تو لے آئے لیکن انہوں نے ہجرت نہ کی۔

4۔وہ جو بعد میں ایمان لائے اور مہاجرین سے آ ملے۔

زیر بحث پہلی آیت میں کہا گیا ہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے راہ خدا میں جہاد کیا اور وہ لوگ کہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے اولیاء ہم پیمان اور ایک دوسرے کا دفاع اور محافظت کرنے والے ہیں۔

آیت کے اس حصے میں پہلے اور دوسرے گروہ کی طرف اشارہ ہوا ہے یعنی وہ مومنین جو مکہ میں ایمان لائے اور اس کے بعد انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور وہ مومنین جو مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور مہاجرین کی مدد اور حمایت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ان کا ایک دوسرے کے اولیاء حامی اور متعہد کے طور پر تعارف کروایا گیا ہے۔

حقیقت میں یہ دونوں گروہ اسلامی معاشرے کے تانے بانے کی بنیادی اجزاء کی حیثیت رکھتے تھے ایک تانے کی اور دوسرا بانے کی حیثیت کا حامل تھا ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے بے نیاز نہ تھا۔

اس کے بعد تیسرے گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے وہ جو ایمان لائے لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی اور تمہارے نئے معاشرے سے وابستہ نہیں ہوئے ان کے بارے میں تم کوئی ذمہ داری جوابدہی اور ولایت نہیں رکھتے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔

البتہ اگلے میں اس گروہ کی حمایت اور مسئولیت سے متعلق ایک استثنائی حکم دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے جس وقت یہ لوگ غیر مہاجرین مومنین تم سے اپنے دین و آئین کی حفاظت کیلئے مدد طلب کریں یعنی دشمنوں کے شدید دباؤ میں گھرے ہوں تو تم پر لازم ہے کہ ان کی مدد کیلئے فوراً جاؤ۔ مگر اس وقت کہ جب ان کے مخالف وہ لوگ ہوں کہ تمہارے اور ان کے درمیان لڑائی نہ کرنے کا عہد و پیمان موجود نہ ہو۔

دوسرے لفظوں میں ان کا دفاع اس صورت میں لازم ہے جب وہ مشترک دشمن کے مقابل ہوں اور اگر وہ ایسے کفار کے مقابل ہوں جنہوں نے تم سے معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر معاہدے کا احترام اس بدحال گروہ کے دفاع کی نسبت زیادہ ضروری ہے آیت کے آخر میں ہے:

ان ذمہ داریوں کی حدود کو ملحوظ نظر رکھنے اور ان فرامین کی انجام دہی میں دقت نظر سے کام لینے کیلئے کہا گیا ہے جو کچھ تم انجام دیتے ہو خدا اسے بصیر و بینا ہے۔

وہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھتا ہے اور تمہاری تمام تر سعی و کاوش اور احساس ذمہ داری سے آگاہ ہے اسی طرح اس عظیم ذمہ

داری کیبارے میں بے اعتنائی' سستی' تساہل اور عدم احساس سے بھی باخبر ہے۔

(۷۳) دوسری آیت میں اسلامی معاشرے کے مدمقابل یعنی کفر اور اسلام دشمن معاشرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

وہ جو کافر ہو گئے ہیں ان میں سے بعض کے اولیاء اور سرپرست ہیں۔

یعنی ان کا تعلق اور پیوند صرف خود انہی کے ساتھ ہے اور تمہیں کوئی حق نہیں کہ ان سے کوئی تعلق قائم کرو اور ان کی حمایت کرو یا انہیں اپنی حمایت کی دعوت دو۔ نہ انہیں پناہ دو اور نہ ان سے پناہ لو۔ خلاصہ یہ کہ اسلامی معاشرے کے تار و پود اور تانے بانے میں انہیں دخیل نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی تم ان کے معاشرے کے تار و پود میں دخل دو۔

اس کے بعد مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے اگر تم نے اس اسلامی حکم کو نظر انداز کر دیا تو زمین میں اور تمہارے معاشرے کے گرد و پیش میں عظیم فتنہ وفساد بپا ہوگا۔

اس سے بڑھ کر فتنہ وفساد کیا گا کہ تمہارے کامیابی کے نقوش محو ہو جائیں گے اور تمہارے معاشرے میں دشمنوں کی سازشیں کارگر ہوں گی اور دین حق وعدالت کی راہ کو دور کر دینے کیلئے ان کے منحوس اور بدبخت منصوبے موثر ہونے لگیں گے۔

(۷۴) اس آیت میں دوبارہ مہاجرین وانصاری کے مقام کی اہمیت اور اسلامی معاشرے کے اہداف کی پیش رفت میں ان کے کردار کے احترام کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے ہجرت کی ہے اور راہ خدا میں جہاد کیا ہے اور وہ کہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی ہے وہی حقیقی اور سچے مومن ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اسلام کے سخت دشوار اور غربت کے دنوں میں دین خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کیلئے کسی نہ کسی صورت میں آگے بڑھا ہے اور انہیں اس عظیم فدا کاری کی وجہ سے بخشش اور شائستہ رزق نصیب ہوگا۔ وہ خدا کی بارگاہ میں اور دوسرے جہان میں بھی عظیم نعمات سے بہرور ہوں گے اور اس جہان میں بھی نفع عظمت سربلندی' کامیابی' امن وامان اور اطمینان کا شائستہ حصہ حاصل کریں گے۔

(۷۵) زیرنظر آخری آیت میں مسلمانوں کے چوتھے گروہ یعنی بعد کے مہاجرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ جو اس کے بعد ایمان لے آئیں اور ہجرت کریں اور تمہارے ساتھ شریک جہاد ہوں وہ بھی تم میں سے ہیں۔ یعنی اسلامی معاشرے کا دائرہ تنگ یا کسی گروہ پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے دروازے آئندہ کے تمام مومنین مہاجرین اور مجاہدین کیلئے بھی کھلے ہوئے ہیں۔

آیت کے آخر میں رشتہ داروں اور عزیزوں کی ایک دوسرے کیلئے ولایت واولیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے رشتہ دار بھی ایک دوسرے کیلئے اور ان احکام میں کہ جو خدا نے اپنے بندوں کیلئے مقرر کئے ہیں اولیت رکھتے ہیں۔

درحقیقت گذشتہ آیات میں مسلمانوں کی ایک دوسرے کے بارے میں عمومی ولایت اولیت کے متعلق گفتگو تھی اور اس آخری آیت میں خدا تعالیٰ تاکید کرتا ہے کہ یہ ولایت اولیت رشتہ داروں کیلئے زیادہ قوی اور زیادہ جامع صورت میں ہے کیونکہ مسلمان رشتہ دار ایمان و ہجرت کی ولایت کے علاوہ رشتہ داری کی ولایت بھی رکھتے ہیں۔

آیت کے آخری جملہ میں جو کہ سورہ انفال کا آخری جملہ ہے فرمایا گیا ہے خدا ہر چیز کو جانتا ہے۔

انفال، جنگی غنائم، نظام جہاد، صلح، جنگی قیدی اور ہجرت وغیرہ سے مربوط تمام احکام جو اس سورہ میں نازل ہوئے ہیں سب دقیق منصوبہ بندی اور حساب و کتاب کے ماتحت ہیں جو کہ انسانی معاشرے بشری تقاضوں اور ہر پہلو سے ان مصالح سے مطابقت رکھتے ہیں۔

سورہ توبہ

یہ سورہ مدنی ہے

اس سورہ کی ۱۲۹ آیات ہیں

سورہ توبہ کے بارے میں

چند اہم نکات

اس سورہ کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے ان نکات کی طرف توجہ ضروری ہے

1۔سورہ کا نام

مفسرین نے اس سورہ کے کئی نام ذکر کیئے ہیں جن کی تعداد دس سے زیادہ ہے ان میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں برائت توبہ اور فاضحہ۔

2۔مختصر تاریخ نزول

مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی یہ آخرسورہ ہے یا آخری سورتوں میں سے ہے۔

اس کے نزول کی ابتدا ۹ ھ میں بیان کی جاتی ہے اس کا کچھ حصہ جنگ تبوک سے پہلے کچھ جنگ کی تیاری کے وقت اور کچھ جنگ سے واپسی پر نازل ہوا۔

اس کی ابتدائی آیات جو باقی ماندہ مشرکین سے متعلق تھیں مراسم حج میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے توسط سے لوگوں کو پہنچائی گئیں اور آپ علیہ السلام نے ان کی تبلیغ فرمائی۔

3۔مضامین و مشتملات

اس کے اہم حصے بچے کھچے مشرکین اور بت پرستوں کے بارے میں ہیں ان سے رابطہ توڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے جو معاہدے تھے انہیں لغو قرار دینے کے سلسلے میں گفتگو ہے کیونکہ وہ بار بار اپنے معاہدوں کو توڑ چکے تھے

اسی صورت حال کے پیش نظر اس سورہ کا دوسرا اہم حصہ منافقین اور ان کی سرنوشت کے بارے میں ہے اس میں مسلمانوں کو شدت سے متنبہ کیا گیا ہے اور منافقین کی نشانیاں گنوائی گئی ہیں۔

اس سورہ کا ایک حصہ راہ خدا میں جہاد کے بارے میں ہے کیونکہ اس حساس موقع پر اس حیات بخش امر سے غافل رہنا مسلمانوں کے ضعف پسماندگی یا شکست کا باعث ہوسکتا تھا۔

ایک اور اہم حصہ اس سورہ کا گذشتہ مباحث کی تکمیل کے حوالے سے ہے اس میں ان کے حقیقت توحید سے انحراف کے بارے میں گفتگو ہے اور ان کے علماء نے رہبری اور ہدایت کے فریضے سے جو رخ پھیر رکھا ہے اس سے متعلق ہے۔

نیز کچھ آیات میں جہاد سے مربوط مباحث کی مناسبت سے مسلمانوں کو اتحاد اور اپنی صفوں کو مجتمع کرنے کی دعوت دی گئی ہے کمزور دل اور سست قسم کے افراد جو مختلف بہانوں سے فریضہ جہاد سے کتراتے تھے انہیں شدید سرزنش اور ملامت کی گئی ہے اور اس کے برعکس پہلے مہاجرین اور دیگر سچے مومنین کی مدح وثنا کی گئی ہے۔

اسلامی معاشرہ اس وقت وسعت اختیار کر چکا تھا اور ابھی کئی امور کی اصلاح کی ضرورت تھی اسی مناسبت سے اس سورہ میں زکوٰۃ سے متعلق بحث بھی ہے ذخیرہ اندوزی ارتکاز دولت اور خزانہ سازی سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے اس کے علاوہ تحصیل علم کے لازمی ہونے کا ذکر ہے اور جاہل و نادان افراد کیلئے وجوب تعلیم کی یاددہانی کروائی گئی ہے۔

مندرجہ بالا مباحث کے علاوہ کچھ اور مباحث بھی ہیں مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ حرام مہینوں کا مسئلہ جن میں جنگ کرنے کی ممانعت ہے اقلیتوں سے جزیہ لینے کا معاملہ اور اس قسم کے دیگر مسائل کسی مناسبت سے بیان ہوئے ہیں۔

سورہ کی ابتداء میں بسم اللہ کیوں نہیں ہے؟

جس کیفیت میں سورہ شروع ہو رہی ہے وہ خود اس سوال کا جواب ہے درحقیقت اس سورہ کا آغاز پیمان شکن دشمنوں سے اعلان جنگ اور اظہار بیزاری کے ساتھ ہوا ہے اور ان کے خلاف ایک محکم اور سخت روش اختیار کی گئی ہے اور اس گروہ کے بارے میں خدا کے غیض و غضب کو بیان کیا گیا ہے لہٰذا یہ صورت حال بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے مناسبت نہیں رکھتی جو صلح دوستی محبت خدا کی رحمانیت ورحمیت کا اظہار ہے یہ بات ایک روایت میں بھی حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے۔

(۱) بَرَآئَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی الَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ	خدا اور اس کے رسول کا یہ اعلان بیزاری ان مشرکین کیلئے ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔
(۲) فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّ اعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰہَ مُخْزِی الْکٰفِرِیْنَ	اس کے باوجود چار ماہ (تک تمہیں مہلت ہے کہ) زمین میں (آزادانہ) چلو پھرو اور جان لو تم خدا کو عاجز و ناتواں نہیں کر سکتے اور (یہ بھی جان لو) خدا کافروں کو ذلیل وخوار کرنے والا ہے۔

تفسیر

مشرکین کے معاہدے لغو ہو جاتے ہیں

دعوت اسلام کے گرد و پیش مختلف گروہ موجود تھے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے حالات مدنظر رکھ کر سلوک کرتے تھے۔

ایک گروہ ایسا تھا کہ جس کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی پیمان نہ تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی اس سے کوئی عہد و پیمان نہ تھا۔

کچھ دوسرے گروہوں نے حدیبیہ وغیرہ میں رسول اکرم ﷺ سے دشمنی ترک کرنے کا پیمان باندھ لیا تھا۔ان معاہدوں میں سے بعض تو معینہ مدت کے حامل تھے اور بعض کی کوئی مدت نہ تھی۔

اس دوران بعض قبائل کہ جنہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ سے پیمان باندھا تھا یک طرفہ طور پر بغیر کسی جواز اور وجہ کے اسلام دشمنوں سے واضح طور پر تعاون کر کے اپنے معاہدے توڑ دیئے تھے یا رسول اسلام ﷺ کو ختم کرنے کے درپے ہو گئے تھے مثلاً بنی نضیر اور بنی قریظہ کے یہودیوں نے یہی طرز عمل اختیار کر لیا تھا رسول اکرم ﷺ نے بھی ان کے مقابلے میں شدت عمل کا رویہ اختیار کر لیا تھا اور ان تمام کو مدینہ سے نکال باہر کیا تھا لیکن کچھ معاہدے ایسے تھے جو ابھی تک پوری طرح باقی تھے چاہے وہ محدود مدت والے ہوں یا بغیر مدت کے تعین کے۔

زیر نظر پہلی آیت تمام بت پرستوں کیلئے اعلان کرتی ہے کہ ان کا مسلمانوں سے جو معاہدہ ہے وہ لغو ہو گیا ہے ارشاد ہوتا ہے خدا اور اس کے پیغمبر کا یہ اعلان بیزاری ان مشرکین سے ہے کہ جن کے ساتھ عہد و پیمان باندھا گیا تھا۔

اس کے بعد انہیں چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے تاکہ وہ اس مدت میں سوچ بچار کر لیں اور اپنی کیفیت کو واضح کر لیں اور چار ماہ بعد یا تو بت پرستی کے مذہب سے دستبردار ہو جائیں یا جنگ کیلئے تیار ہو جائیں فرمایا گیا ہے چار ماہ آزادانہ طور پر زمین میں جہاں چاہو چلو پھرو لیکن اسکے بعد حالات مختلف ہو جائیں گے۔

لیکن یہ جان لو کہ تم خدا کو ناتواں اور عاجز نہیں کر سکتے اور نہ اس کی قدرت کی قلمرو سے نکل سکتے ہو۔

نیز یہ بھی جان لو کہ بالآخر خدا کفار و مشرکین اور بت پرستوں کو ذلیل و خوار اور رسوا کر دے گا۔

(۳) وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ	یہ آگاہی ہے خدا اور اس کے پیغمبر کی طرف سے تمام لوگوں کو حج اکبر (عید قربان) کے دن کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بے زار ہیں ان حالات میں اگر توبہ کرو تو تمہارے نفع میں ہے اور اگر روگردانی کرو تو جان لو کہ تم خدا کو ناتواں اور عاجز نہیں کر سکتے (اور اس کی قدرت کی قلمرو سے نہیں نکل سکتے) اور کافروں کہ دردناک سزا اور عذاب کی خوشخبری دیدو۔

(۴)اِلَّا الَّذِيۡنَ عَاهَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡـًٔا وَّ لَمۡ يُظَاهِرُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ	مگر مشرکین میں سے وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے اور اس میں ان سے کوئی فروگزاشت نہیں ہوئی اور تمہارے خلاف انہوں نے کسی کو تقویت نہیں پہنچائی ان کا معاہدہ اس کی مدت ختم ہونے تک محترم شمار کرو کیونکہ خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

تفسیر

جن کا معاہدہ قابل احترام ہے

ان آیات میں مشرکین کے معاہدوں کے منسوخ ہونے کی بات زیادہ تاکید کے ساتھ دھرائی گئی ہے یہاں تک کہ قرآن انہیں آگاہ کرنے کی تاریخ بھی معین کرتے ہوئے کہتا ہے یہ آگاہی خدا اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کو حج اکبر کے دن کہ خدا اور اس کا رسول مشرکین سے بیزار ہیں۔

درحقیقت خدا چاہتا ہے کہ سرزمین مکہ میں اس عظیم دن میں عمومی اعلان کے ذریعے دشمن کیلئے بہانہ جوئی کے تمام راستے بند کر دے اور بدگوئی کرنے والوں اور فسادیوں کی زبان کاٹ دے تاکہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں غفلت میں رکھا گیا اور ہم پر بزدلانہ حملہ کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد روئے سخن خود مشرکین کی طرف کرتے ہوئے تشویق وتہدید کے ذریعے ان کی ہدایت کی کوشش کی گئی ہے۔
پہلے ارشاد ہوتا ہے اگر توبہ کرلو اور خدا کی طرف پلٹ آؤ اور بت پرستی کے مذہب سے دستبردار ہو جاؤ تو تمہارے فائدے میں ہے۔یعنی دین توحید کو قبول کرنا تمہارے لئے تمہارے معاشرے کیلئے اور تمہاری دنیا وآخرت کیلئے فائدہ مند ہے اور اگر اچھی طرح سوچ بچار کر لو تو اس کے سائے میں تمہاری تمام بے سروسامانیاں ختم ہو جائیں گی اور یہ نہیں کہ اس میں خدا اور اس کے رسول کا کوئی فائدہ ہے۔

اس کے بعد متعصب اور ہٹ دھرم مخالفین کو تنبیہ کے طور پر کہا گیا ہے اگر اس فرمان سے جو خود تمہاری سعادت کا ضامن ہے روگردانی کرو تو جان لو کہ تم خدا کو ہرگز عاجز وناتواں نہیں کر سکتے اور اس کے احاطہ قدرت سے نہیں نکل سکتے۔اور اس آیت کے آخر میں ان لوگوں کو جو مقابلے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے بت پرست کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت دے۔

جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور وہ ایک دن وہاں جا کر رہیں گے۔عدل خدا یہی ہے کہ دنیا میں جو شخص جس کے ساتھ ہوگا آخرت میں بھی اس کے ساتھ ہوگا۔

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے یہ ان مشرکین کے معاہدوں کو یک طرفہ طور پر منسوخ کیا گیا تھا جن سے معاہدہ شکنی

پر آمادگی کی نشانیاں ظاہر ہو چکی تھیں۔ لہٰذا بعد والی آیت میں ایک گروہ کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے مگر مشرکین کا وہ گروہ کہ جس سے تم نے معاہدہ کیا ہے اور اس نے معاہدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی اور نہ ہی تمہارے کسی مخالف کو انہوں نے تقویت پہنچائی ہے۔ معاہدے کی مدت تمام ہونے تک اس گروہ کے ساتھ ایفا کرو۔ کیونکہ خدا پرہیز گاروں کو اور انہیں جو ہر قسم کی پیمان شکنی اور تجاوز سے اجتناب کرتے ہیں دوست رکھتا ہے۔

(۵) فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	جب حرام مہینے ختم ہو جائیں تو مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کردو اور انہیں قید کرلو اور ان کا محاصرہ کرو اور ہر کمین گاہ میں ان کی راہ میں بیٹھ جاؤ اور جب وہ توبہ کرلیں نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو انہیں چھوڑ دو کیونکہ خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔
(٦) وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۧ	اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ چاہے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے اور اس میں غور وفکر کر سکے پھر اسے اس کی امن کی جگہ تک پہنچا دو کیونکہ وہ بے علم اور ناآگاہ گروہ ہے۔

تفسیر

شدت عمل اور سختی ساتھ ساتھ

یہاں مشرکین کیلئے دی گئی چار ماہ کی مہلت ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کی ذمہ داری بیان کی گئی ہے اور مشرکین کے بارے میں سخت ترین حکم صادر ہوا ہے ارشاد ہوتا ہے جب حرام مہینے ختم ہو جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو۔

اس کے بعد حکم دیا گیا ہے انہیں قید کرلو۔ اور ان کا محاصرہ کرلو۔ اور ہر جگہ ان کی کمین گاہ میں بیٹھ جاؤ اور ان کے راستے مسدود کردو۔

یہاں ان کے بارے میں چار سخت احکام نظر آتے ہیں۔

1۔ ان کے راستے مسدود کردو۔

2۔ ان کا محاصرہ کرلو۔

3۔ انہیں قید کرلو اور

4۔ انہیں قتل کردو

یہ شدید طرز عمل اس بناء پر ہے کہ اسلام کا منصوبہ یہ ہے کہ روئے زمین سے بت پرستی کی جڑ اکھاڑ پھینکی جائے اور جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ آزادی مذہب کا معاملہ یعنی دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کرنا آسمانی ادیان اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ پر منحصر ہے اور اس میں بت پرست شامل نہیں ہیں کیونکہ بت پرستی کوئی دین و مذہب نہیں کہ جس کا احترام کیا جائے بلکہ یہ تو پستی بے ہودگی کجروی اور بیماری ہے جسے ہر حالت میں اور ہر قیمت پر جڑ سے نکال پھینکنا چاہئے۔

لیکن یہ شدت وسختی اس معنی میں نہیں کہ ان کیلئے لوٹ آنے کا راستہ ہی بند کر دیا جائے بلکہ وہ جس حالت میں اور جس وقت چاہیں اپنی جہت اور نظریہ بدل سکتے ہیں لہٰذا فوراً ہی مزید حکم دیا گیا ہے اگر وہ توبہ کریں حق کی طرف پلٹ آئیں۔

نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو انہیں چھوڑ دو اور ان سے مزاحمت نہ کرو۔

اور اس صورت میں پھر وہ باقی مسلمانوں سے بالکل مختلف نہیں ہیں اور تمام احکام اور حقوق میں ان کے ساتھ شریک ہیں کیونکہ خدا بخشنے والا اور مہربان ہے اور جو کوئی اس کی طرف پلٹ آئے وہ اسے اپنے در رحمت سے نہیں دھتکارتا۔

(۶) ایک اور حکم کے ذریعے اس آیت میں اس موضوع کی تکمیل کی گئی ہے تاکہ اس میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہ جائے کہ اس حکم سے اسلام کا ہدف توحید اور حق وعدالت کے دین کو عام کرنا ہے نہ کہ استعمار واستثمار اور دوسروں کے اموال اور زمینوں پر قبضہ کرنا لہٰذا فرمایا گیا ہے اگر کوئی بت پرست تم سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ خدا کی بات سنے۔ یعنی ان سے انتہائی نرمی کا سلوک کرو اور اسے سوچ بچار کا موقع دو تاکہ وہ آزادنہ طور پر تمہاری دعوت کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرے اب اگر اس کے دل میں نور ہدایت چمکا تو اسے قبول کرلے گا مزید فرمایا گیا ہے مدت مطالعہ ختم ہونے پر اسے اس کی جائے امان تک پہنچا دو تاکہ اثنائے راہ میں کوئی اس سے متعرض نہ ہو۔

آخر میں اس اصلاحی حکم کی علت یوں بیان کی گئی ہے یہ اس لئے ہے کہ وہ بے خبر اور لاعلم گروہ ہے۔

اس بناء پر اگر علم وآگہی کے حصول کے دروازے ان پر کھل جائیں تو یہ امید ہوسکتی ہے کہ وہ بت پرستی سے جو کہ جہالت و نادانی کی پیداوار ہے نکل آئیں اور خدا اور توحید کی راہ پر گامزن ہو جائیں جو کہ علم ودانش کا تقاضا ہے۔

(۷) كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ	مشرکین کیلئے اللہ اور اس کے رسول کے ہاں کس طرح عہد و پیمان ہوگا (جب کہ وہ بارہا اپنا معاہدہ توڑنے کیلئے تیار ہوئے ہیں) مگر وہ کہ جن کے ساتھ تم نے مسجد الحرام کے پاس معاہدہ کیا ہے (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے معاہدے کو محترم سمجھا) جب تک وہ تمہارے ساتھ وفادار رہیں تم بھی وفاداری کرو کیونکہ خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

(۸) كَيۡفَ وَ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ لَا يَرۡقُبُوۡا فِيۡكُمۡ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرۡضُوۡنَكُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَ تَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ ۚ وَ اَكۡثَرُهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۚ	کس طرح (ان کے معاہدے کی کوئی قدر و قیمت ہو) حالانکہ اگر وہ تم پر غالب آ جائیں تو نہ تم سے رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا۔ اپنی زبان سے تو تمہیں خوش رکھتے ہیں لیکن ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔
(۹) اِشۡتَرَوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ	انہوں نے خدا کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالا اور (لوگوں کو) اس کی راہ سے منحرف کر دیا وہ برے اعمال بجا لاتے تھے۔
(۱۰) لَا يَرۡقُبُوۡنَ فِىۡ مُؤۡمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُعۡتَدُوۡنَ	(نہ صرف تمہارے بارے میں بلکہ) ہر با ایمان شخص کے بارے میں وہ رشتہ داری اور عہد و پیمان کا لحاظ نہیں رکھتے اور وہ تجاوز (اور زیادتی) کرنے والے ہیں۔

تفسیر

حد سے بڑھ جانے والے پیمان شکن

جیسا کہ آپ گذشتہ آیات میں دیکھ چکے ہیں کہ ایک خاص گروہ کے علاوہ اسلام نے تمام مشرکین اور بت پرستوں کے معاہدوں کو فسخ کر دیا انہیں صرف چار ماہ کی مہلت دی گئی تا کہ وہ اپنا ارادہ واضح کر لیں اب ان محل بحث آیات میں اس کام کی علت بیان کی گئی ہے پہلے استفہام انکاری کے طور پر قرآن کہتا ہے کیسے ممکن ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے ہاں مشرکوں کا کوئی پیمان ہو۔ یعنی وہ ان اعمال اور ایسے غلط افعال کے ہوتے ہوئے یہ توقع نہ رکھیں کہ پیغمبر یک طرفہ طور پر ان کے معاہدوں کی پابندی کریں گے اس کے بعد فوراً ہی ایک گروہ جو ان کے غلط کردار اور پیمان شکنی میں شریک نہیں کو مستثنٰی کرتے ہوئے کہا گیا ہے مگر وہ لوگ کہ جن کے ساتھ تم نے مسجد الحرام کے پاس عہد کیا۔ جب تک یہ لوگ تمہارے ساتھ کئے گئے اپنے معاہدے کے وفادار رہیں تو تم بھی عہد نبھاؤ۔ کیونکہ خدا پرہیزگاروں اور ان لوگوں کو جو ہر قسم کی پیمان شکنی سے اجتناب کرتے ہیں دوست رکھتا ہے۔

(۸) اس آیت میں یہی بات زیادہ صراحت اور تاکید سے بیان ہوئی ہے اور دوبارہ استفہام انکاری کی صورت میں کہا گیا ہے کیسے ممکن ہے کہ ان کے پیمان کا احترام کیا جائے حالانکہ اگر وہ آپ پر غالب آ جائیں تو نہ تو تم سے کسی رشتہ داری کا لحاظ کریں گے

اور نہ عہد و پیمان کا پاس کریں گے۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے ان کی دلنشین باتوں اور بظاہر خوبصورت الفاظ سے کبھی دھوکا نہ کھانا کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اپنے منہ سے راضی کریں لیکن ان کے دل اس کا انکار کرتے ہیں۔ان کے دل کینہ انتقام جوئی سنگدلی عہد شکنی اور رشتہ داری سے بے اعنائی سے معمور ہیں اگرچہ وہ اپنی زبان سے دوستی اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

آیت کے آخر میں اس امر کی بنیاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے اور ان میں سے زیادہ تر فاسق اور نافرمان ہیں۔

(۹) اس آیت میں ان کے فسق اور نافرمانی کی ایک نشانی کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے انہوں نے آیات خدا کا کم قیمت پر سودا کیا ہے اور اپنے وقتی مادی اور حقیر مفادات کیلئے لوگوں کو راہ خدا سے باز رکھا ہے۔

بعد میں مزید فرمایا گیا ہے ایک ایسا برا عمل بجالاتے ہیں۔انہوں نے خود کو بھی سعادت ہدایت اور خوش بختی سے محروم کیا اور دوسروں کیلئے بھی سد راہ ہوئے اور اس سے بدتر کونسا عمل ہوگا۔

(۱۰) زیر نظر آخری آیت میں گذشتہ گفتگو کی پھر تاکید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے یہ مشرک ایسے ہیں کہ اگر ان کے ہاتھ پہنچ سکیں تو کسی صاحب ایمان شخص کے بارے میں یہ رشتہ داری اور پیمان کا تھوڑا سا بھی پاس نہیں کریں گے۔کیونکہ اصولی طور پر یہ لوگ تجاوز اور زیادتی کرنے والے ہیں۔صرف تمہارے بارے میں ہی ان کا یہ رویہ نہیں بلکہ جس شخص پر بھی ان کا بس چلے گا یہ دست تجاوز دراز کریں گے۔

(۱۱) فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ	اگر وہ توبہ کریں نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم اپنی آیات کی تشریح ایسے لوگوں کیلئے کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔
(۱۲) وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ	اور اگر وہ معاہدے کے بعد اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن و طنز کریں تو آئمہ کفر سے جنگ کرو اس لئے کہ ان کا کوئی عہد و پیمان نہیں شاید وہ دستبردار ہو جائیں۔
(۱۳) اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ	کیا اس گروہ کے ساتھ کہ جس نے اپنا عہد و پیمان توڑ دیا ہے اور جو (شہر سے) پیغمبر کے اخراج کا پختہ ارادہ کر چکے ہیں تم جنگ نہیں کرتے ہو حالانکہ پہلے انہوں نے (تم سے جنگ کی) ابتداء کی تھی کیا ان سے ڈرتے ہو؟ جب کہ اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

(۱۴) قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ	ان سے جنگ کرو کہ اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سزا دینا چاہتا ہے اور انہیں رسوا کرے گا اور مومنین کے ایک گروہ کے سینہ کو شفا بخشے گا۔
(۱۵) وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ	اور ان کے دلوں کے غیظ وغضب کو لے جائے گا اور اللہ جس شخص کی چاہتا ہے (اور اسے اہل سمجھتا ہے) توبہ قبول کر لیتا ہے اور خدا علیم وحکیم ہے۔

تفسیر

دشمن سے جنگ کرنے سے کیوں ڈرتے ہو

فصاحت و بلاغت کے فنون میں سے ایک یہ ہے کہ زیادہ اہمیت رکھنے والے مطالب کی تاکید کیلئے اور انہیں دل میں اتارنے کیلئے تکرار کی جاتی ہے چونکہ اسلامی ماحول میں بت پرستی کے پیکر پر آخری ضرب لگانے اور اس کے بچے کھچے آثار ختم کرنے کا معاملہ بہت ہی اہم تھا اس لئے گذشتہ مطالب کو قرآن مجید میں مندرجہ بالا آیات میں نئے انداز سے بیان کیا گیا ہے ان میں نئے نکات بھی موجود ہیں جو صورت تکرار سے بات کو نکال لیتے ہیں اگر چہ یہ تکرار درست ہی کیوں نہ ہو۔

پہلے ارشاد فرمایا گیا ہے اگر مشرکین توبہ کرلیں نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

آیت کے آخر میں مزید کہا گیا ہے ہم ان لوگوں کیلئے اپنی آیات کی تشریح کرتے ہیں جو علم وآگاہی رکھتے ہیں۔

گذشتہ ایات میں اس بارے میں گفتگو تھی کہ اگر وہ توبہ کریں اور نماز اور زکوٰۃ کے اسلامی فرائض بجالائیں تو ان سے مزاحمت نہ کرو۔

بیان فرمایا گیا ہے وہ تمہارے دینی بھائی ہیں یعنی دیگر مسلمانوں اور ان کے درمیان احترام ومحبت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں جیسا کہ بھائیوں کے درمیان فرق نہیں ہوتا۔

یہ بات مشرکین کی روح فکر اور جذبات کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کیلئے بہت مؤثر ہے کہ ایک مرحلے میں مزاحمت نہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور دوسرے مرحلے میں ان کے بارے میں ایک بھائی کے سے حقوق کی سفارش کی گئی ہے۔

(۱۲) لیکن اگر وہ اسی طرح اپنی عہد شکنی جاری رکھیں اور اپنے معاہدے روندڈالیں اور تمہارے دین کی مذمت کریں اور اپنا غلط پراپیگنڈا جاری رکھیں تو پھر تم اس کافر گروہ کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔ کیونکہ اب ان کے عہد و پیمان کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں

ہے۔

یہ درست ہے کہ انہوں نے تم سے دشمنی ترک کرنے کا معاہدہ کر رکھا ہے لیکن وہ یہ معاہدہ بار بار توڑ چکے ہیں اور آئندہ بھی اسے توڑنے کو تیار ہیں لہٰذا اس صورت میں اس معاہدے کا کوئی اعتبار اور قیمت نہیں ہے یہ اس لئے ہے تا کہ وہ اس شدت عمل پر نظر رکھیں اور اس طرف بھی توجہ دیں کہ ان کیلئے بازگشت کا راستہ کھلا ہوا ہے وہ اپنے کئے پر نادم ہوں اور اس سے دستبردار ہو جائیں۔

(۱۳) اس آیت میں مسلمانوں میں تحریک پیدا کرنے کیلئے اور اس حیات بخش حکم کے سلسلے میں ان کی روح اور فکر سے ہر طرح کی سستی اور خوف وتردد دور کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے تم ان لوگوں سے جنگ کیوں نہیں کرتے جنہوں نے اپنے معاہدے توڑ دیئے ہیں اور انہوں نے پیغمبر کو اپنی سرزمین سے نکال دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔

تم نے جنگ کی اور معاہدے کو لغو قرار دینے کی ابتداء نہیں کی کہ تم پریشان اور ناراحت ہو بلکہ جنگ اور پیمان شکنی کی ابتداء تو انہوں نے کی ہے۔

اور اگر تم میں سے بعض کا جنگ سے تردد اور خوف و ہراس کی وجہ سے ہے تو بالکل بے جا ہے کیا تم ان بے ایمان افراد سے ڈرتے ہو حالانکہ خدا زیادہ سزاوار ہے کہ اس سے اور اس کی مخالفت سے ڈرو اگر تم سچ مچ ایمان رکھتے ہو۔

(۱۴) اس آیت میں مسلمانوں سے یقینی کامیابی کا وعدہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے ان سے جنگ کرو کہ خدا انہیں تمہارے ہاتھوں سزا دے گا۔ نہ صرف سزا دے گا بلکہ انہیں رسوا اور ذلیل وخوار کرے گا۔ اور تمہیں ان پر کامیاب کرے گا۔ اور اس طرح سے مومنین کے ایک گروہ کے دلوں کو شفا بخشے گا جو اس سنگدل گروہ کے دباؤ اور سخت مصیبت میں تھا اور اس راہ میں قربانیاں دے چکا تھا اور ان کے دل کے زخموں پر اس طرح سے مرہم رکھے گا۔

(۱۵) اس آیت میں مزید کہا گیا ہے کہ تمہاری کامیابی اور ان کی شکست کے ذریعے مومنین کے دلوں کا غیظ وغضب ٹھنڈا کرے گا۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے خدا جس شخص کو چاہتا ہے اور مصلحت دیکھتا ہے اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اور خدا توبہ کرنے والوں کی نیتوں سے آگاہ ہے اور اس نے ان کیلئے اور پیمان شکنوں کے بارے میں جو احکام دیئے ہیں وہ حکیمانہ اور بامصلحت ہیں۔

ضمنی طور پر آخری جملے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ممکن ہے آئندہ ان میں سے بعض در توبہ میں داخل ہو جائیں لہٰذا متوجہ رہیں کہ خدا ان کی توبہ قبول کرے گا اور ان کے بارے میں شدت عمل جائز نہیں ہے نیز یہ ایک بشارت ہے کہ آئندہ اس قسم کے افراد مسلمانوں کی طرف آئیں گے اور ان کی روحانی آمادگی کی وجہ سے خدا کی توفیق ان کے شامل حال ہوگی۔

(۱۶)اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَ لَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَ لَمۡ يَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوۡلِهٖ وَ لَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلِيۡجَةً ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۠	کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ تمہیں (تمہاری حالت) پر چھوڑ دیا جائیگا جب کہ ابھی جہاد کرنے والے اور خدا اور اس کے رسول کو چھوڑ کر محرم راز بنانے والے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز نہیں ہوئے؟ (اس کیلئے آزمائش لازمی ہے) اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے آگاہ ہے۔

تفسیر

اس آیت میں مسلمانوں کو ایک اور طریقے سے جہاد کی تشویق وترغیب دلا کر انہیں اس سلسلے میں ان کی اہم ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ تمہیں یہ قصور نہیں کرنا چاہئے کہ صرف ایمان کا دعوی کر لینے سے تمام چیزیں درست اور ٹھیک ہو جاتی ہیں بلکہ صدق نیت گفتار کی درستی اور ایمان کی حقیقت دشمنوں سے جنگ کرکے واضح ہوتی ہے جنگ بھی ایسی جو ہر قسم کے نفاق سے پاک مخلصانہ طور پر ہو۔

پہلے فرمایا گیا ہے کیا تم گمان کرتے ہو کہ تمہیں تمہاری حالت پر چھوڑ دیا جائے گا اور تم میدان آزمائش میں سے نہیں گزرو گے جب کہ ابھی تم میں سے مجاہدین اور وہ لوگ جنہوں نے خدا رسول اور مومنین کو چھوڑ کر کسی اور کو محرم راز بنالیا ہے ایک دوسرے سے مشخص اور ممتاز نہیں ہوئے۔

درحقیقت مندرجہ بالا جملہ مسلمانوں سے دو مطالب گوش گزار کرتا ہے اور وہ یہ کہ صرف اظہار ایمان سے کام ٹھیک نہیں ہوتے اور افراد کی شخصیت واضح نہیں ہوتی بلکہ اس سلسلے میں دو طرح سے لوگوں کی آزمائش کی جاتی ہے۔

ایک تو راہ خدا میں شرک و بت پرستی کے آثار مٹانے کیلئے جہاد کرنا اور

دوسرا منافقوں اور دشمنوں سے ہر طرح کا رابطہ اور ہمکاری ترک کرنا کہ جس میں سے پہلا کام ہے خارجی دشمنوں کو باہر نکالنا ہے اور دوسرا ہے داخلی دشمنوں کو باہر نکالنا۔

آیت کے آخر میں خطرے سے خبردار کرتے ہوئے اور تاکید کے طور پر فرمایا گیا جو کام بھی تم انجام دیتے ہو خدا اس سے باخبر ہے۔

(۱۷) مَا کَانَ لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ اَنۡ یَّعۡمُرُوۡا مَسٰجِدَ اللّٰہِ شٰہِدِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ بِالۡکُفۡرِ ؕ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ ۚۖ وَ فِی النَّارِ ہُمۡ خٰلِدُوۡنَ	مشرکین یہ حق نہیں رکھتے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں حالانکہ اپنے کفر کے ذریعے وہ اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں انہی کے اعمال نابود (اور بے قیمت) ہو گئے ہیں اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔
(۱۸) اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ وَ لَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُہۡتَدِیۡنَ	اللہ کی مساجد کو صرف وہ شخص آباد کرتا ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے نماز قائم کرتا ہے زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا ہوسکتا ہے ایسا گروہ نجات پا جائے۔

تفسیر

مسجدیں آباد رکھنا ہر کسی کے بس میں نہیں

جب مشرکین سے معاہدہ فسخ ہونے کا اور ان سے جہاد کرنے کا حکم ملا تو اس کے بعد بعض لوگوں میں جو ممکنہ باتیں زیر بحث آ سکتی تھیں ان میں سے ایک یہ سوال بھی ممکن تھا کہ اس عظیم گروہ کو ہم کیوں دھتکار دیں اور انہیں مراسم حج کی ادائیگی کیلئے مسجد الحرام میں قدم رکھنے کی اجازت کیوں نہ دیں حالانکہ ان میں ان کی شرکت ہر لحاظ سے رونق کا سبب ہے۔ پہلی ہی آیت میں تصریح کی گئی ہے مشرکین یہ حق نہیں رکھتے کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں جب کہ وہ صراحت سے اپنے کفر کی گواہی دیتے ہیں۔

اس کے بعد اس حکم کی دلیل اور فلسفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے ان لوگوں کے اعمال نیست و نابود اور برباد ہو جائیں گے اور خدا کی درگاہ میں وہ کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ اسی بناء پر وہ ہمیشہ کیلئے جہنم کی آگ میں رہیں گے۔

خدا پاک اور منزہ ہے اور اس کے گھر کو بھی پاک و پاکیزہ ہونا چاہئے اور غلیظ اور گندے لوگوں کا ہاتھ خانہ خدا اور مسجد سے بالکل دور ہو جانا چاہئے۔

(۱۸) اس آیت میں اس گفتگو کی تکمیل کیلئے مساجد اور مراکز عبادت کو آباد کرنے والوں کیلئے پانچ اہم شرائط بیان کی گئی ہیں ارشاد ہوتا ہے صرف وہ لوگ اللہ کی مساجد کو آباد کرتے ہیں جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس میں پہلی اور دوسری شرط کی طرف اشارہ ہے یہ شرائط اعتقادی اور بنیادی پہلو رکھتی ہیں جب تک یہ دونوں نہ ہوں انسان سے کوئی بھی پاک شائستہ اور خالص عمل سرزد

نہیں ہوسکتا بلکہ اگر ظاہراً شائستہ ہو بھی تو باطن طرح طرح کی ناپاک اغراض سے آلودہ ہوگا۔

اس کے بعد تیسری اور چوتھی شرط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ خدا اور روز جزا پر اس کا ایمان فقط دعوی کی حد تک اور زبانی نہ ہو بلکہ وہ اپنے پاک اعمال کے ذریعے اس کی تائید کرے اس کا خدا سے رشتہ بھی مستحکم ہو اور نماز کو صحیح طریقے سے انجام دے۔ مخلوق خدا سے بھی اس کا تعلق ہو اور زکوٰۃ ادا کرے۔

آخر میں آخری شرط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے اور خدا کے علاوہ کسی سے نہ ڈرے۔

اس کا دل عشق خدا سے معمور ہو اور صرف اس کے فرمان کے سامنے احساس ذمہ داری رکھتا ہو اور اس کے مقابلے میں کمزور بندوں کو اس سے بہت چھوٹا سمجھتا ہو کہ وہ اس کی سرنوشت اس کے معاشرے اس کے مستقل اس کی کامیابی اس کی پیش رفت اور آخر میں اس کے مرکز عبادت کی آبادی میں کوئی تاثیر رکھتی ہوں۔

آخر میں مزید فرمایا گیا ہے یہ گروہ جو ایسی صفات کا حامل ہے ہوسکتا ہے کہ ہدایت پالے اور اپنے مقصد تک پہنچ جائے اور مساجد خدا کی تعمیر اور آبادی کیلئے کوشش کرے اور اس کے عظیم نتائج سے بہرہ ور ہو۔

تعمیر مساجد کی اہمیت

مسجد بنانے کی اہمیت کے بارے میں اہل بیت رسولؑ سے اور اہل سنت کے طرق سے بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں ان سے تعمیر مسجد کی بے حد اہمیت ظاہر ہوتی ہے پیغمبر اکرمﷺ سے منقول ہے کہ آپﷺ نے فرمایا

"من بنی مسجدا ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ"

(جو شخص کوئی مسجد بنائے اگرچہ پرندے کے گھونسلے کے برابر ہو تو خدا جنت میں اس کیلئے ایک گھر بنائے گا)۔

لیکن آج کے زمانے میں جس چیز کی زیادہ ضرورت ہے وہ مساجد کی معنوی آبادی اور معنوی تعمیر ہے دوسرے لفظوں میں جتنی ہم مسجد بنانے کو اہمیت دیتے ہیں اس سے زیادہ اہل مسجد نگران مسجد اور محافظین مسجد کو اہمیت دینا چاہیئے ہر طرف سے اسلامی تحریک مسجد سے اٹھنا چاہیئے مسجد کو تہذیب نفس اور لوگوں کی آگاہی و بیداری کیلئے استعمال ہونا چاہیئے ماحول کو پاکیزہ بنانے اور ورثہ اسلامی کے دفاع کیلئے مسلمانوں کو آمادہ کرنے کا مرکز مسجد کو ہونا چاہیئے۔

خصوصیت سے اس طرف توجہ کرنا چاہیئے کہ مسجد صاحب ایمان نوجوانوں کیلئے مرکز بنے نہ یہ کہ صرف آگے بیٹھنے والوں اور بیکار لوگوں کا مرکز بنی رہے مسجد معاشرے کے فعال ترین طبقوں کا مرکز ہونا چاہیئے نہ کہ ناکارہ اور خوابیدہ افراد کا مرکز۔

(۱۹) اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جَاهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۘ	کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کو آباد کرنے کا عمل اس شخص کے عمل کی طرح قرار پا سکتا ہے جو خدا اور روز جزا پر ایمان لایا ہے اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے (یہ دونوں) اللہ کے ہاں ہرگز برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کو ہرگز ہدایت نہیں کرتا۔
(۲۰) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ	وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے راہ خدا میں جہاد کیا خدا کے ہاں ان کا مقام و منزلت بلند ہے اور وہ عظیم نعمت پر فائز ہیں۔
(۲۱) یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ	پروردگار انہیں اپنی طرف سے رحمت خوشنودی اور ایسے باغات بہشت کی بشارت دیتا ہے جن میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔
(۲۲) خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ	وہ ان باغوں (اور ان نعمتوں) میں رہیں گے کیونکہ خدا کے ہاں عظیم اجر و ثواب ہے۔

شان نزول

مندرجہ بالا آیات کے شان نزول کے بارے میں شیبہ اور عباس میں سے ہر ایک دوسرے پر افتخار کر رہے تھے اس سلسلے میں ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کر رہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام ان کے پاس سے گزرے اور کہا کہ کس چیز پر فخر و مباہات کر رہے ہو عباس نے کہا مجھے ایسا امتیاز حاصل ہے کہ جو کسی کے پاس نہیں اور وہ ہے خانہ خدا کے حاجیوں کو پانی پلانا۔

شیبہ نے کہا کہ میں مسجد الحرام کو تعمیر کرنے والا ہوں اور خانہ کعبہ کا کلید بردار ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام نے کہا مجھے شرم آتی ہے کہ میں کم سن ہونے کے باوجود تم پر ایسا افتخار اور امتیاز رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے انہوں نے پوچھا وہ کونسا افتخار اور امتیاز ہے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تلوار سے جہاد کیا یہاں تک کہ تم خدا اور رسول پر ایمان لے آئے۔

عباس غصے میں آ کر کھڑے ہو گئے اور دامن کھینچتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملے

تو آپ ﷺ سے شکایت کے طور پر کہنے لگے کیا آپ دیکھتے نہیں کہ علی مجھ سے اس قسم کی بات کرتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: علی کو بلاؤ۔

جب حضرت علی علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے چچا عباس سے کوئی ایسی بات کیوں کی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اکرم ﷺ اگر مجھ سے انہیں تکلیف پہنچی ہے تو میں نے تو ایک حقیقت بیان کی تھی کوئی حق بات پر ناراض ہوتا ہے تو ہو اور کوئی خوش ہوتا ہے تو ہو۔

اس موقع پر جبریل نازل ہوئے اور کہا یا محمد ﷺ آپ کے پرودگار نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیات ان کے سامنے پڑھیے ''**اجعلتم سقاية الحاج و** ....'' کیا حاجیوں کو سیراب کرنا اور مسجد الحرام کی آبادی، خدا اور روز جزا پر ایمان لانے اور راہ خدا میں جہاد کرنے کی مانند قرار دیتے ہو یہ ہرگز ایک دوسرے کے مساوی نہیں ہیں۔

تفسیر

معیار فضیلت

پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے کیا خانہ خدا کے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کی تعمیر کرنے کو اس شخص کے کام کی طرح قرار دیتے ہو جو خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے اور راہ خدا میں جہاد کرتا ہے یہ دونوں خدا کے ہاں کسی طرح بھی برابر اور یکساں نہیں ہیں اور خدا ظالم و ستمگر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے سقایۃ الحاج کا منصب خانہ کعبہ کی کلید برادری کے منصب کے ہم پلہ تھا اور اہم ترین منصب شمار ہوتا تھا۔

(۲۰) اس آیت میں تاکید اور توضیح کے طور پر فرمایا گیا ہے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے ہجرت کی ہے اور اپنے مال و جان سے راہ خدا میں جہاد کر چکے ہیں وہ بارگاہ خداوندی میں برتر اور عظیم تر مقام رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے عظیم افتخار و اعزاز حاصل کیا ہے۔

(۲۱) اس آیت میں خدا ان تین اہم کاموں ایمان ہجرت اور جہاد کے بدلے میں ان کیلئے تین اہم انعام بیان کرتا ہے۔

1۔ انہیں اپنی وسیع رحمت کی بشارت دیتا ہے۔

2۔ انہیں اپنی رضامندی اور خوشنودی سے بہرہ مند کرتا ہے۔

3۔ جنت کے ایسے باغات ان کے اختیار میں دے دیتا ہے کہ جن کی نعمتیں دائمی ہیں۔

(۲۲) اس آیت میں زیادہ تاکید کیلئے فرمایا گیا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان میں رہیں گے۔ کیونکہ خدا کے پاس عظیم اجر وثواب ہے کہ جو وہ بندوں کے اعمال کے بدلے میں انہیں بخشے گا۔

(۲۳) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَ اِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِیَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَی الۡاِیۡمَانِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ	اے ایمان والو! جس وقت تمہارے باپ اور بھائی کفر کو ایمان پر ترجیح دیں تو انہیں اپنا ولی (اور دوست' یاور اور سہارا) قرار نہ دو اور جو انہیں اپنا ولی قرار دیں وہ ظالم ہیں۔
(۲۴) قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَ اَبۡنَآؤُكُمۡ وَ اِخۡوَانُكُمۡ وَ اَزۡوَاجُكُمۡ وَ عَشِیۡرَتُكُمۡ وَ اَمۡوَالُ ۣاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَ تِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ۠	کہہ دو: اگر تمہارے آباؤ اجداد' اولاد' بھائی' ازواج اور تمہارا قبیلہ اور وہ اموال جو تمہارے ہاتھ لگے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں ڈر ہے وہ تمہارے پسندیدہ گھر تمہاری نظر میں اللہ' اس کے پیغمبر اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تم پھر انتظار کرو کہ اللہ تم پر اپنا عذاب نازل کرے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر

ہدف اور خدا پر ہر چیز قربان ہے

آخری وسوسہ اور بہانہ جو بت پرستوں کے مقابلے میں حکم جنگ کے بارے میں ہوسکتا ہے اور بعض تفاسیر کے مطابق پیدا ہوا یہ تھا کہ وہ سوچتے تھے کہ ایک طرف مشرکین اور بت پرستوں کے درمیان ان کے قریبی عزیز اور وابستہ لوگ موجود تھے۔

کبھی باپ مسلمان ہو جاتا اور بیٹا مشرک رہ جاتا اور کبھی اس کے برعکس اولاد راہ توحید پر چل نکلتی اور باپ اسی طرح شرک تاریکی میں رہ جاتا یونہی بھائیوں' میاں بیوی اور خاندان وقبیلہ کے بارے میں صورت تھی۔ اب اگر تمام مشرکین کے ساتھ جنگ کرنا مقصود ہوتا تو پھر اس کا تقاضا یہ ہوتا کہ اپنے رشتہ داروں اور قوم وقبیلہ کو بھول جائیں۔

دوسری طرف ان کا زیادہ تر سرمایہ اور تجارت مشرکین کے ہاتھ میں تھا لہٰذا وہ مکہ آتے جاتے اور اس کی ترقی کیلئے کام کرتے۔

تیسری بات یہ تھی کہ مکہ میں ان کے گھر تھے جو اچھی حالت میں اور نسبتاً آباد تھے کہ جو ہوسکتا تھا کہ مشرکین سے جنگ کی صورت میں ویران ہو جائیں یا ممکن تھا کہ مراسم حج سے مشرکین کے معطل ہو جانے کی وجہ سے ان کی کوئی قدر و قیمت نہ رہتی اور وہ بے سود ہو جاتے۔

مندرجہ بالا آیات کی نظر ایسے اشخاص ہی کی طرف ہے اور دوٹوک انداز میں انہیں صریح جواب دیتی ہیں پہلے فرمایا گیا ہے اے ایمان والو! جب تمہارے باپ اور بھائی کفر کو ایمان پر مقدم رکھیں تو انہیں اپنا دوست مددگار ولی اور سرپرست قرار نہ دو۔

پھر تاکید کے طور پر مزید فرمایا گیا ہے تم میں سے جو لوگ مدد اور دوستی کیلئے ان کا انتخاب کریں وہ ستمگر ہیں۔
اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ انسان حق سے بیگانوں اور حق کے دشمنوں سے دوستی رکھ کر اپنے اوپر اس معاشرے پر جس میں وہ رہتا ہے اور خدا کے بھیجے ہوئے رسول پر ظلم کرے۔

(۲۴) اس آیت میں اس امر کی انتہائی اہمیت کے پیش نظر اس کی تشریح تاکید اور تہدید کی صورت میں کی گئی ہے روئے سخن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان سے کہہ دو اگر تمہارے باپ اولاد بھائی ازدواج خاندان اور قبیلہ اور تمہارے جمع کردہ اموال اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں خوف ہے اور اچھے مکانات جو تمہیں پسند ہیں تمہارے نظر میں خدا اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو کہ خدا کی طرف سے سزا اور عذاب تمہیں آلے۔

ان امور کو رضا الٰہی اور جہاد پر ترجیح دینا چونکہ ایک قسم کی نافرمانی اور واضح فسق ہے اور مادی زندگی کے زرق برق سے دلبستگی رکھنے والے ہدایت الٰہی کی اہلیت نہیں رکھتے لہٰذا آیت کے آخر میں مزید ارشاد ہوتا ہے خدا فاسق گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔

جو کچھ مندرجہ بالا آیات میں بیان ہوا ہے وہ پہلے مسلمانوں سے مخصوص ہے اور اس کا تعلق گذشتہ تاریخ سے ہے حالانکہ یہ بہت بڑا اشتباہ ہے یہ آیات گذشتہ آج اور آئندہ سب ادوار کے مسلمانوں پر محیط ہیں اگر وہ جہاد اور فداکاری کیلئے محکم ایمان نہ رکھتے ہوں تیار نہ ہوں ضرورت کے وقت ہجرت پر تیار نہ ہوں اور اپنے مادی مفاد کو رضائے الٰہی پر مقدم سمجھیں اور بیوی اولاد مال و دولت اور عیش حیات سے زیادہ دلبستگی کی وجہ سے ایثار و قربانی سے کوئی تعلق نہ رکھتے ہوں تو ان کا مستقبل تاریک ہے نہ صرف مستقبل بلکہ ان کا حال بھی خطرے میں ہے اور ان کا سب گذشتہ افتخار میراث اور امتیاز ختم ہو جائے گا ان کی زندگی کے منابع اور مراکز دوسروں کے ہاتھ لگ جائیں گے اور ان کیلئے زندگی کا کوئی مفہوم نہیں ہوگا کیونکہ زندگی ایمان اور ایمان کے زیر سایہ جہاد سے عبارت ہے۔

مندرجہ بالا آیات کی ایک شعار کے طور پر تمام مسلمانوں بچوں اور جوانوں کو تعلیم دی جانا چاہئے اور ان میں فداکاری مبارزہ اور ایمان کی روح زندہ ہونا چاہئے انہیں چاہئے کہ وہ اپنی میراث کی حفاظت کریں۔

(۲۵) لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۚ	اللہ نے بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کی (اور تم دشمن پر کامیاب ہوئے) اور حنین کے دن (بھی مدد کی) جب کہ تمہارے لشکر کی کثرت تعداد نے تمہیں گھمنڈ میں ڈال دیا لیکن (اس کثرت نے) تمہاری کوئی مشکل حل نہ کی اور زمین پوری وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی پھر تو (دشمن کو) پشت دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

(۲۶) ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ	پھراللہ نے اپنی طرف سے سکون اطمینان اپنے رسول اور مومنین پر نازل کیا اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔
(۲۷) ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	پھراللہ جس شخص کی چاہے (اور اسے اہل دیکھے) توبہ قبول کرتا ہے اور خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

تفسیر

صرف کثرت کسی کام کی نہیں

گذشتہ آیات میں ہم نے دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو راہ جہاد میں شرک و بت پرستی کی جڑ اکھاڑ پھینکنے کیلئے ہر قسم کی فداکاری کی دعوت دیتا ہے اور وہ اشخاص کہ جس کی روح کو بیوی، اولاد، قوم وقبیلہ اور مال وثروت کی محبت نے اس طرح گھیر رکھا ہے کہ فداکاری اور جہاد کیلئے تیار نہیں ہیں انہیں شدید خطرے کا الارم دیتا ہے۔

اس کے بعد محل بحث آیات میں ایک اہم مسئلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہر رہبر و رہنما کو چاہئے کہ وہ حساس مواقع پر اپنے پیروکاروں کو اس کی طرف متوجہ کرے اور وہ یہ ہے کہ اگر مال و اولاد کا عشق ضعیف الاعتقاد گروہ کے کچھ افراد کو مشرکین کے خلاف عظیم جہاد کیلئے پیش قدمی سے روکے تو سچے مومنین کا گروہ اس امر سے پریشان نہ ہو کیونکہ جب ان کی تعداد کم تھی مثلاً جنگ بدر میں ان دنوں خدا نے انہیں تنہا نہیں چھوڑا اور نہ اس دن جس روز ان کی جمعیت زیادہ تھی مثلاً جنگ حنین کے میدان میں اور کثرت تعداد نے ان کے درد کا مداوا نہ کیا بلکہ ہر حالت میں خدا کی مدد ان کی کامیابی کا سبب بنی اسی لئے پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے خدا نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی۔

مزید فرمایا گیا ہے اور حنین کے دن تمہاری مدد کی جب اپنی زیادہ جمعیت کی وجہ سے تم اترانے لگے تھے۔

اس جنگ میں لشکر اسلام کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ بعض نے دس یا آٹھ ہزار لکھی ہے لیکن مشہور اور صحیح روایات بارہ ہزار کی تائید کرتی ہیں اور اس وقت تک کسی اسلامی جنگ میں اتنی کثیر تعداد نے شرکت نہیں کی تھی چنانچہ بعض مسلمانوں نے غرور کے انداز میں کہا "لن نغلب الیوم" یعنی اتنی فوج کے ہوتے ہوئے ہم ہرگز شکست نہیں کھائیں گے لیکن جیسا کہ انشاء اللہ ہم جنگ حنین کی تفصیل میں بتائیں گے کہ لشکر کی یہ کثیر تعداد جس میں ایک گروہ نئے مسلمانوں کا تھا اور جن کی ابھی تربیت نہیں ہوئی تھی لشکر کے فرار اور ابتدائی شکست کا سبب بنا مگر آخر کار انہیں لطف خداوندی کے سبب نجات ملی اس ابتدائی شکست کے بارے میں قرآن مزید کہتا ہے زمین اپنی پوری وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوئی۔ پھر تم دشمن کو پشت دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

(۲۶) ایسے موقع پر جب کہ مسلمان فوج سرزمین حنین پر تتر بتر ہو چکی تھی اور چند ایک افراد کے سوا پیغمبر اکرمؐ کے پاس کوئی باقی نہیں رہا تھا اور پیغمبر اسلامؐ ان کے بھاگ جانے کی وجہ سے سخت ناراحت تھے خدا نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی طرف سے سکون واطمینان نازل کیا۔ اوراسی طرح تمہاری تقویت اور مدد کیلئے ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے۔

آخر میں جنگ حنین کا اصلی نتیجہ بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے خدا نے بے ایمان اور بت پرست لوگوں کو سزا دی (کچھ لوگ مارے گئے کچھ گرفتار ہو گئے اور کچھ بھاگ کر مسلمانوں کی دسترس سے نکل گئے۔ اور بے ایمان لوگوں کی یہی سزا ہے۔

(۲۷) اس کے باوجود کا فر قیدیوں اور بھگوڑوں کیلئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا گیا کہ اگر وہ مائل ہوں تو خدا کی طرف پلٹ آئیں اور دین حق قبول کر لیں لہٰذا آخری زیر بحث آیت میں ارشاد ہوتا ہے پھر اس واقعہ کے بعد خدا جس کیلئے چاہے (اور جسے واقعی توبہ کیلئے تیار دیکھے اور اہل پائے) اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

لفظ یتوب جو فعل مضارع ہے اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے توبہ اور بازگشت کے دروازے اسی طرح ان کے سامنے کھلے ہیں کیونکہ خدا بخشنے والا اور مہربان ہے وہ کبھی توبہ کے دروازے کسی پر بند نہیں کرتا اور اپنی وسیع رحمت سے کسی کو ناامید نہیں کرتا۔

جنگ حنین

۸ھ رمضان المبارک کے آخری دن تھے یا شوال کا مہینہ تھا کہ قبیلہ ہوازن کے افراد سردار مالک بن عوف کے پاس جمع ہوئے اور اپنا مال، اولاد اور عورتیں بھی اپنے ساتھ لے آئے تا کہ مسلمانوں سے جنگ کرتے وقت کسی کے دماغ میں بھاگنے کا خیال نہ آئے اس طرح سے وہ سرزمین اوطاس میں وارد ہوئے۔

پیغمبر اسلامؐ نے لشکر کا بڑا علم باندھ کر علیؑ کے ہاتھ میں دیا اور وہ تمام افراد جو فتح مکہ کے مواقع پر اسلامی فوج کے کسی دستے کے کمانڈر تھے آنحضرتؐ کے حکم سے اسی پرچم کے نیچے حنین کے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔

رسول اکرمؐ کو اطلاع ملی کہ صفوان بن امیہ کے پاس ایک بڑے مقدار میں زرہیں ہیں آپؐ نے کسی کو اس کے پاس بھیجا اور اس سے سو زرہیں عاریتاً طلب کیں صفوان نے پوچھا واقعاً عاریتاً ہیں یا غصب کے طور پر۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: یہ عاریتاً ہیں اور ہم ان کے ضامن ہیں کہ صحیح وسالم واپس کریں گے۔

صفوان نے زرہیں عاریتاً پیغمبر اکرمؐ کو دے دیں اور خود بھی آنحضرتؐ کے ساتھ چلا۔

فوج میں دو ہزار ایسے افراد تھے جنہوں نے فتح مکہ کے مواقع پر اسلام قبول کیا تھا ان کے علاوہ دس ہزار وہ مجاہدین اسلام تھے جو پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ فتح مکہ کیلئے آئے تھے یہ تعداد مجموعتاً بارہ ہزار بنتی ہے یہ سب میدان جنگ کی طرف چل پڑے۔

رسول اکرمؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ نماز صبح پڑھ چکے تو آپؐ نے حکم دیا کہ سرزمین حنین کی طرف چل پڑیں اس مواقع پر اچانک لشکر ہوازن نے ہر طرف سے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ دستہ جو مقدمہ لشکر میں تھا اور جس میں مکہ کے

نئے نئے مسلمان بھی تھے بھاگ کھڑا ہوا اس کے سبب باقی ماندہ لشکر بھی پریشان ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔

خدا تعالیٰ نے اس موقع پر دشمن کے ساتھ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور وقتی طور پر ان کی نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا کیونکہ مسلمان اپنی کثرت تعداد پر مغرور تھے لہٰذا ان میں شکست کے آثار آشکار ہوئے لیکن حضرت علی علیہ السلام جو لشکر اسلام کے علمبر دار تھے وہ مٹھی بر افراد سمیت دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور اسی طرح جنگ جاری رکھے رہے۔

اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلب لشکر میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباس کو جن کی آواز بلند اور زوردار تھی کو حکم دیا کہ اس ٹیلے پر جو قریب ہے چڑھ جائیں اور مسلمانوں کو پکاریں۔

"یا معشر المهاجرین والانصار یآ اصحاب سورة البقرة یآ اهل بیعت الشجرة الیٓ این تفرون هذا رسول الله"

(اے مہاجرین وانصار! اے سورہ بقرہ کے ساتھیوں! اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! کہاں بھاگ جارہے ہو؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہاں ہیں)

مسلمانوں نے جب عباس کی آواز سنی تو پلٹ آئے اور کہنے لگے لبیک! لبیک!

خصوصاً لوٹ آنے میں انصار نے پیش قدمی اور فوج دشمن پر ہر طرف سے سخت حملہ کیا۔ لشکر دمن میں سے تقریباً ایک سو افراد مارے گئے ان کے اموال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگے اور کچھ ان میں سے قیدی بنا لئے گئے۔

لکھا ہے کہ اس تاریخی واقعہ کے آخر میں قبیلہ ہوازن کے نمائندہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بہت محبت والفت فرمائی۔

(۲۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ	اے ایمان والو! بے شک مشرکین ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد وہ مسجد الحرام کے قریب نہیں جا سکتے اور اگر فقر وفاقہ سے ڈرتے ہو تو خدا اپنے فضل سے جب چاہے گا تمہیں بے نیاز کر دے گا۔ بے شک اللہ دانا وحکیم ہے۔

تفسیر

مشرکین کو مسجد الحرام میں داخلے کا حق نہیں

ہم کہہ چکے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے ۹ ھ مراسم حج میں مکہ کے لوگوں تک جو چار احکام پہنچائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آئندہ سال کوئی مشرک مسجد الحرام میں داخل ہونے اور خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ مندرجہ بالا آیت اس امر اور اس کے فلسفے کی طرف اشارہ کرتی ہے پہلے ارشاد ہوتا ہے اے ایمان والو! مشرکین ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد انہیں مسجد الحرام کے

قریب نہیں آنا چاہئے۔

اس کے بعد ان کوتاہ فکر افراد کو جواب دیا گیا ہے جو یہ اظہار کرتے تھے کہ اگر مشرکین کا مسجد الحرام میں آنا جانا بند ہو گیا تو ہمارا کاروبار اور تجارت بند ہو جائے گی اور ہم فقیر ہو کر رہ جائیں گے ارشاد ہوتا ہے فقر و فاقہ سے ڈرتے ہو تو اگر خدا نے چاہا تو عنقریب تمہیں اپنے فضل و کرم کے ذریعے بے نیاز کر دے گا۔ اور ایسا ہی ہوا کہ اس نے مسلمانوں کو بہتر طور پر بے نیاز کر دیا اور زمانہ پیغمبر ﷺ ہی میں اسلام کے پھیلاؤ اور وسعت سے خانہ خدا کے زائرین کا ایک سیلاب مکہ کی طرف امڈ آیا آج تک اسی طرح جاری و ساری ہے مکہ جو جغرافیائی لحاظ سے نامناسب ترین حالات سے دوچار ہے جو چند خشک اور سنگلاخ بے آب و گیاہ پہاڑوں کے درمیان موجود ہے اس کے باوجود ایک بہت ہی آباد شہر ہے اور تجارت کا اہم مرکز ہے۔

آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے خدا علیم و حکیم ہے۔ اور وہ جو بھی حکم دیتا ہے حکمت کے مطابق ہوتا ہے اور وہ نتائج سے مکمل طور پر آگاہ اور باخبر ہے۔

(۲۹) قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ؑ	اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز جزا پر اور نہ اسے حرام سمجھتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ دین حق قبول کرتے ہیں، ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے خضوع و تسلیم کے ساتھ جزیہ دینے لگیں۔

تفسیر

اہل کتاب کے بارے میں ہماری ذمہ داری

گذشتہ آیات میں بت پرستوں سے متعلق مسلمانوں کی ذمہ داری بیان کی گئی ہے زیر بحث آیت اور آئندہ آیات میں اہل کتاب کے بارے میں مسلمانوں کی ذمہ داری کو واضح کیا گیا ہے ان آیات میں درحقیقت اسلام کے ایسے احکام ہیں جو مسلمانوں اور مشرکین کے بارے میں اسلام احکام کا حد وسط ہیں کیونکہ اہل کتاب ایک آسمانی دین کی پیروی کی وجہ سے مسلمانوں سے کچھ مشابہت رکھتے ہیں لیکن ایک پہلو سے مشرکین کے ساتھ بھی شباہت رکھتے ہیں اسی بناء پر اسلام انہیں قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا حالانکہ جو بت پرست مقابلے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے ان کیلئے یہ اجازت دیتا تھا کیونکہ پروگرام یہ ہے کہ روئے زمین سے بت پرستی کی بیخ کنی کی جائے لیکن اہل کتاب کو اس صورت میں مسلمانوں کے قریب آنے کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اس بات کیلئے تیار ہوں کہ وہ پر امن مذہبی اقلیت کے طور پر مسلمانوں کے ساتھ مصالحت آمیز زندگی بسر کریں اسلام کا احترام کریں مسلمانوں کے خلاف تحریکیں نہ

چلائیں اور مخالف اسلام پراپیگنڈا نہ کریں پرامن بقائے باہمی کا اصول تسلیم کرنے کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ حکومت اسلامی کو جزیہ کی ادائیگی کریں جوان میں سے ہر شخص پر ایک طرح کا ٹیکس ہے اور یہ سالانہ ایک مختصر سی رقم بنتی ہے اس کی حدود و شرائط انشاء اللہ آئندہ مباحث میں بیان کی جائیں گی ورنہ دوسری صورت میں اسلام ان سے جنگ کی اجازت دیتا ہے۔

اس شدت عمل کی دلیل زیر بحث آیت کے تین جملوں میں واضح کی گئی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے جو لوگ خدا اور جزا پر ایمان نہیں رکھتے ان سے جنگ کرو۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ جیسے اہل کتاب کس طرح خدا اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے حالانکہ ظاہراً ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خدا کو بھی مانتے ہیں اور قیامت کو بھی اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ایمان خرافات اور بے بنیاد عقائد سے مملو ہے۔

اس کے بعد ان کی دوسری صفت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ محرمات خداوندی کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور جسے خدا اور اس کا پیغمبر حرام کر چکے تھے اسے حرام شمار نہیں کرتے۔

آخر میں ان کی تیسری صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے وہ پورے طور پر دین حق قبول نہیں کرتے۔

یہ تین اوصاف جو درحقیقت ان سے جہاد کے جواز بیان کرنے کیلئے ہیں ان کے بعد فرمایا گیا ہے یہ حکم ان کے بارے میں ہے جو اہل کتاب ہیں۔

اس کے بعد ان کے اور بت پرستوں کے درمیان فرق ایک ہی جملے میں بیان کر دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے جب تک وہ جزیہ ادا نہ کرنے لگ جائیں یہ جنگ جاری رہے گی۔

جزیہ کیا چیز ہے؟

جزیہ یہ ایک طرح کا اسلامی ٹیکس ہے جو افراد سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ اموال اور زمینوں سے دوسرے لفظوں میں جزیہ فی کس سالانہ ٹیکس ہے۔

ان مالیات کا فلسفہ یہ لکھا گیا ہے کہ کسی ملک کے وجود آزادی اور امن کی حفاظت اس ملک کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے لہٰذا جب ایک گروہ اس فریضے کی انجام دہی کیلئے قیام کرے اور دوسرا گروہ کسب و کار میں مشغول ہونے کی وجہ سے مجاہدین کی صف میں شامل نہیں ہوسکتا تو پھر کسب و کار میں مشغول گروہ کا فریضہ ہے کہ وہ فوج اور محافظان امن و امان کے اخراجات فی کس سالانہ ٹیکس کی صورت میں ادا کرے۔

سطور بالا میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ جزیہ صرف ایک قسم کی مالی امداد ہے جو اہل کتاب اس ذمہ داری کے بدلے میں دیتے ہیں جو مسلمان ان کی جان و مال کی حفاظت کے طور پر ادا کرتے ہیں۔

(۳۰) وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللهِ ؕ ذٰلِکَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قَاتَلَهُمُ اللهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ	اور یہودیوں نے کہا کہ عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ بات جو وہ اپنی زبان سے کہتے ہیں ایسی ہے جو گذشتہ کافروں کی بات کے مشابہ ہے (اور ان پر خدا کی لعنت ہو) وہ کس طرح سے جھوٹ بولتے ہیں۔
(۳۱) اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	وہ خدا کے مقابلے میں علماء اور راہبوں (تارکین دنیا) کو ہی معبود قرار دیتے ہیں اور اسی طرح مریم کے بیٹے مسیح کو۔ حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ ایک ہی معبود جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں وہ اس سے پاک و منزہ ہے کہ جسے اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔
(۳۲) يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ	وہ چاہتے ہیں کہ اپنی پھونکوں سے نور خدا کو بجھا دیں لیکن خدا اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے نور کو کامل کرے اگرچہ کافر اسے ناپسند کرتے ہیں۔
(۳۳) هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ	وہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غلبہ دے اگرچہ مشرک ناپسند کرتے ہیں۔

تفسیر

اہل کتاب کی بت پرستی

گذشتہ آیات میں مشرکین کے سلسلے میں بحث تھی۔ یہ بتایا گیا تھا کہ ان کا معاہدہ منسوخ ہو چکا ہے اور کہا گیا تھا کہ ضروری ہے کہ مذہب بت پرستی کی بساط الٹ دی جائے۔

زیر بحث آیات میں اہل کتاب خصوصاً یہود و نصاریٰ کی مشرکین اور بت پرستوں سے جو مشابہت پائی جاتی ہے اسے بیان کیا گیا ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ اگر اہل کتاب کے بارے میں بھی کسی حد تک سخت گیری عمل میں لائی گئی ہے تو وہ بھی توحید سے ان

کے انحراف ایک طرح سے عقیدہ میں شرک اور ایک لحاظ سے عبادت میں شرک کی وجہ سے ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے یہودیوں نے کہا کہ عزیز خدا کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے بھی کہا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔

یہ ایسی بات ہے جو وہ صرف زبان سے کہتے ہیں جب کہ اس میں کوئی حقیقت نہیں۔

ان کی یہ گفتگو گذشتہ مشرکین کی گفتار سے مشابہت رکھتی ہے خدا انہیں قتل کرے اپنی لعنت میں گرفتار کرے اور اپنی رحمت سے دور کر دے وہ کس طرح کا جھوٹ بولتے ہیں اور حقائق میں تحریف کرتے ہیں۔

عزیر کون ہیں؟

عربی زبان میں عزیر انہی کو کہا جاتا ہے جو یہودیوں کی لغت میں عزرا کہلاتے ہیں۔

بہر حال عزیر یا عزرا یہودیوں کی تاریخ میں ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض ملت وقوم کی بنیاد اور اس جمعیت کی تاریخ کی درخشندگی کی نسبت ان کی طرف دیتے ہیں۔ درحقیقت حضرت عزیر نے اس دن کی بڑی خدمت کی ہے کیونکہ بخت النصر کے واقعہ میں جو بابل کا بادشاہ تھا یہودیوں کی کیفیت اس کے ہاتھوں درہم برہم ہو گئی ان کے شہر بخت النصر کی فوج کے ہاتھ آ گئے ان کا عبادت خانہ ویران ہو گیا اور ان کی کتاب تورات جلا دی گئی۔

پھر جب ایران کے بادشاہ کورش نے بابل فتح کیا تو عزرا جو اس وقت کے یہودیوں کے ایک سردار اور بزرگ تھے اس کے پاس آئے اور اسے ان کے بارے میں سفارش کی اسی لئے یہودی انہیں ایک نجات دہندہ اور اپنے دین کا زندہ کرنے والا سمجھتے ہیں۔ اسی بناء پر ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے ہیں۔

اسی امر کے سبب یہودیوں کے ایک گروہ نے انہیں ''ابن اللہ'' (اللہ کا بیٹا) کا لقب دیا۔

(۳۱) اس آیت میں (اعتقادی شرک کے مقابلے میں) ان کے عملی شرک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں شرک در عبادت کی نشاندہی کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے یہود و نصاریٰ نے پروردگار کے مقابلے میں اپنے علماء اور راہبوں کو اپنا خدا قرار دیا۔ نیز مسیح ابن مریم کو بھی مرتبہ الوہیت پر فائز مانا۔

کیا یہود و نصاریٰ اپنے پیشواؤں کی عبادت کرتے تھے؟

اس میں شک نہیں کہ یہود و انصاریٰ اپنے علماء اور راہبوں کو سجدہ نہیں کرتے تھے اور نہ ان کیلئے نماز روزہ یا دیگر عبادات انجام دیتے تھے لیکن چونکہ انہوں نے غیر مشروط طور پر اپنے آپ کو ان کی اطاعت میں دے رکھا تھا یہاں تک کہ حکم خدا کے خلاف بھی جو احکام وہ دیتے تھے انہیں واجب العمل سمجھتے تھے اس اندھی اور غیر منطقی پیروی کو خدا نے عبادت سے تعبیر کیا ہے۔

آخر میں اس معاملے کی تاکید کی گئی ہے کہ یہ سب انسان پرستیاں بدعت اور جعلی مسائل میں سے ہیں اور کبھی بھی ان کا حکم نہیں دیا کہ اپنے لئے کئی ایک خدا بنا لو بلکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ صرف ایک تنہا خدا کی پرستش کرو۔ وہ معبود کہ جس کے علاوہ کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں۔ وہ معبود جو منزہ ہے اس سے جسے اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔

ایک اصلاحی درس

قرآن مجید مندرجہ بالا آیت میں اپنے پیروکاروں کو ایک بہت ہی قیمتی درس دیتا ہے اور توحید کا ایک اعلیٰ ترین مفہوم اس سلسلے میں دلنشین کرواتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی مسلمان یہ حق نہیں رکھتا کہ کسی انسان کی بلا شرط اطاعت قبول کرلے کیونکہ یہ کام اس کی پرستش کے مساوی ہے تمام اطاعتیں اطاعت الٰہی میں محدود ہونا چاہیں اور حکم انسانی کی پیروی اس وقت تک ہی جائز ہے۔ جب تک وہ قوانین خداوندی کے مخالف نہ ہو جاہے حکم دینے والا انسان کیسا ہی کیوں نہ ہو اور کتنا ہی بلند مقام کیوں نہ رکھتا ہو۔

(۳۲ زیر بحث آیات میں سے تیسری میں قرآن نے یہودیوں اور عیسائیوں یا تمام مخالفین اسلام یہاں تک کہ مشرکین کی بھی جان توڑ اور بے نتیجہ کوششوں کو ایک جاذب نظر تشبیہ کے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ اپنی پھونکوں سے نور خدا کو خاموش کردیں لیکن خدا کا ارادہ ہے کہ اس نور الٰہی کو اسی طرح وسیع اور کامل کردے یہاں تک کہ وہ تمام دنیا پر چھا جائے اور تمام لوگ اس کے سائے سے مستفید ہوں اگرچہ کافروں کو یہ ناپسند ہے۔

(۳۳) اسلام کی عالمگیر حکومت

آخر کار زیر بحث آخری آیت میں مسلمانوں کو اسلام کے عالمگیر ہونے کی بشارت دی گئی ہے گذشتہ آیت کی بحث جس کا مقصد یہ ہے کہ دشمنان اسلام کی جان توڑ کوششیں بار آور نہیں ہوں گی اس کی تکمیل کرتے ہوئے صراحت سے فرمایا گیا ہے وہ ایسی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر کامیابی اور غلبہ دے اگرچہ مشرکین اسے پسند نہیں کرتے۔

ہدایت سے مراد روشن دلائل اور واضح براہین ہیں جو دین اسلام میں موجود ہیں اور دین حق سے مراد یہی دین ہے جس کے اصول اور فروع حق ہیں مختصر یہ کہ اس کی تاریخ اس کے مدارک اور اس کا حاصل سب حق ہے اور بلاشبہ وہ دین جس کے مضامین بھی حق ہیں اور جس کے دلائل مدارک اور تاریخ سب روشن ہیں اسے آخر کار تمام ادیان پر غالب اور کامیاب ہونا چاہئے۔

رفتار زمانہ علم کی پیش رفت اور روابط کی آسانی کے ساتھ ساتھ زہریلے پراپیگنڈا کا پردہ ہٹتا جائے گا اور حقائق کا چہرہ آشکار ہوتا چلا جائے گا۔ اور مخالفین حق اس کی راہ میں جو رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گی یوں دین حق تمام جگہوں پر محیط ہو جائے گا چاہے حق کے دشمن نہ چاہیں اور چاہے اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ آئیں کیونکہ ان کی حرکتیں راہ تاریخ کے خلاف ہیں اور سنن آفرینش کی ضد ہیں۔

قرآن اور قیام مہدی علیہ السلام

مندرجہ بالا آیت جو بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ سورہ صف میں بھی آئی ہے اور کچھ فرق کے ساتھ اس کا تکرار سورہ فتح میں بھی ہوا ہے ایک اہم واقعہ کی خبر دیتی ہے جس کی اہمیت اس تکرار کا سبب بنی ہے اور جو اسلام کے عالمگیر ہونے کی خبر دیتی ہے۔

اگرچہ بعض مفسرین نے زیر بحث آیت میں کامیابی کو ایک علاقے کی اور محدود کامیابی کے معنی میں لیا ہے کہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ آیت میں کسی قسم کی قید اور شرط نہیں ہے اور یہ ہر لحاظ سے مطلق ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اس کے معنی کو محدود قرار دیا جائے آیت کا مفہوم اسلام کے تمام پہلوؤں سے تمام ادیان عالم پر کامیابی کی خبر دیتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر اسلام تمام کرہ زمین پر محیط ہو جائے گا اور تمام عالم پر کامیاب ہوگا۔

مختلف روایات جو منابع اسلام میں وارد ہوئی ہیں ان کے مطابق اس پروگرام کا تکامل اس وقت ہوگا جب حضرت مہدی علیہ السلام ظہور کریں گے اور اسلام کے عالمی پروگرام کو تحقق بخشیں گے اور عالمی طور پر اسے نافذ کریں گے۔

مرحوم طبرسی مجمع البیان میں امام باقر علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں آپ علیہ السلام کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔

"ان ذلک یکون عند خروج المهدی فلا یبقیٰ احدا الا اقر بمحمدؐ"

(اس آیت میں جو وعدہ کیا گیا ہے مہدی آل محمد علیہم السلام کے ظہور کے وقت صورت پذیر ہوگا اس دن کوئی شخص روئے زمین میں نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کا اقرار کرے گا)

نیز صدوق کی کتاب اکمال الدین میں امام صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں یوں منقول ہے

"واللّٰہ ما نزل تاویلها بعد ولا ینزل تاویلها حتی یخرج القائم فاذا خرج القائم لم یبق کافر باللّٰہ العظیم (نور الثقلین جلد۲ صفحہ۲۱۱)

(خدا کی قسم اس آیت کے مضمون نے عملی صورت اختیار نہیں کی اور ایسا صرف اس زمانے میں ہوگا جب قائم خروج کریں گے اور جب وہ قیام کریں گے تو ساری دنیا میں کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جو خدا کا انکار کرے)۔

(۳۴) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍۙ	اے ایمان والو! (اہل کتاب کے) بہت سے علما اور راہب لوگوں کا مال باطل طور پر کھاتے ہیں اور (انہیں) خدا کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ جو سونا چاندی کا خزانہ جمع کرکے (اور چھپا کر) رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔

(۳۵) يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ	ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ سونے اور چاندی (کے سکے) جہنم کی آگ میں پگھلائے جائیں گے، پھر ان سے ان کے چہروں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ وہی چیز ہے کہ جسے تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا پس چکھو اس چیز کو جسے اپنے لئے تم نے ذخیرہ کیا تھا۔

تفسیر

کنز اور ذخیرہ اندوزی منع ہے

گذشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ کے مشرکانہ اعمال کے متعلق گفتگو تھی کہ جو اپنے علماء کیلئے ایک طرح کی الوہیت کے قائل تھے زیر بحث آیت کہتی ہے کہ وہ نہ صرف مقام الوہیت نہیں رکھتے بلکہ مخلوق کی رہبری کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے اس کا شاہد ان کی طرح طرح کی غلط کاریاں ہیں۔

یہاں روئے سخن مسلمانوں کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اہل کتاب کے علماء اور راہب لوگوں کے مال باطل طور پر کھاتے ہیں اور مخلوق کو خالق کی راہ سے روکتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ وہ کس طرح لوگوں کا مال فضول بغیر کسی جواز کے اور قرآنی تعبیر کے مطابق اس طریقے سے کھاتے تھے۔

ایک بات تو یہ تھی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے حقائق چھپاتے تھے تاکہ لوگ نئے دین (اسلام) کے گرویدہ نہ ہوں تاکہ ان کے مفادات خطرے میں نہ پڑیں اور ان کے تحفے اور ہدیے منقطع نہ ہوں۔

ان کی غیر شرعی آمدنی کا ایک اور طریقہ بھی تھا اور وہ یہ کہ وہ بہشت فروشی اور گناہ بخشی کے نام پر لوگوں سے بہت سی رقم وصول کرتے تھے اور بہشت اور بخشش جو صرف خدا کے اختیار میں ہے اس کا کاروبار کرتے تھے۔

اس کے بعد قرآن یہود و نصاریٰ کے پیشواؤں کی دنیا پرستی کی بحث کی مناسبت سے ذخیرہ اندوزوں کے بارے میں ایک عمومی قانون بیان کرتے ہوئے کہتا ہے جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے چھپا رکھتے ہیں اور انہیں راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔

مندرجہ بالا آیت نے صراحت سے ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اپنے اموال راہ خدا میں اور بندگان خدا کے مفاد کی راہ میں لگائیں اور انہیں جمع کر کے رکھنے، ذخیرہ کرنے اور گردش سے الگ کرنے سے پرہیز کریں اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو انہیں دردناک عذاب کا منتظر رہنا چاہئے۔

یہ دردناک عذاب صرف قیامت کے دن کی سخت سزا نہیں ہے بلکہ اس دنیا کی وہ سخت سزائیں بھی اس کے مفہوم میں شامل

ہیں جو اقتصادی توازن برقرار نہ رہنے کی وجہ سے اور طبقاتی اختلاف پیدا ہونے کے باعث پیش آتی ہیں۔

کنز کتنی دولت کو کہتے ہیں؟

مفسرین کے درمیان زیر بحث آیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا ضروریات زندگی سے زیادہ ہر قسم کی ثروت اندوزی کنز شمار ہوتی ہے۔

یا یہ کہ جو کچھ واجب ہے وہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہے نہ کہ اس کے علاوہ کچھ اور اس بناء پر جب انسان کوئی مال جمع کرلے اور ہر سال باقاعدگی سے اس کے اسلامی مالیات یعنی زکوٰۃ ادا کردے تو وہ زیر نظر آیت کی زد میں نہیں آتا۔

بہت سی روایات میں جو شیعہ اور سنی کتب میں آئی ہیں ان میں تیسری تفسیر ہی نظر آتی ہے مثلاً ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ای مال ادیت زکوته فلیس بکنز"

"جس مال کی تو زکوٰۃ ادا کردے وہ کنز نہیں ہے"۔

نیز روایت ہے کہ جب مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر معاملہ سخت ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی اپنی اولاد کیلئے کوئی چیز بچا کے نہیں رکھ سکتا اور ان کے مستقبل کیلئے کچھ نہیں بنا سکتا آخر کار انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

"ان اللّٰہ لم یفرض الزکوٰۃ الا لیطیب بھا ما بقی من اموالکم و انما فرض المواریث من اموال تبقی بعدکم"

"خدا نے زکوٰۃ کو واجب نہیں کیا مگر اس لئے کہ تمہارے باقی اموال تمہارے لئے پاک ہو جائیں لہٰذا میراث کا قانون ان اموال کے لئے قرار دیا ہے جو تمہارے بعد رہ جائیں گے"۔

یعنی مال جمع کرنا اگر بالکل ممنوع ہوتا تو پھر قانونِ میراث کا موضوع ہی باقی نہیں رہتا تھا۔

ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جو مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا

"مازاد علی اربعة الاف فھو کنز ادی زکوته او لم یودھا و ما دونھا فھی نفقة فبشرھم بعذاب الیم"

"جو کچھ چار ہزار درہم سے (کہ ظاہراً جس سے مراد سال بھر کا خرچ ہے) زیادہ ہو وہ کنز ہے چاہے اس کی زکوٰۃ ادا کردی ہو یا نہ کی ہو اور جو کچھ اس سے کم ہو وہ نان نفقہ اور ضروریات زندگی میں شمار ہوگا۔ ان ثروت اندوزوں کو دردناک عذاب کی بشارت دو"۔

مندرجہ بالا تمام احادیث کو سامنے رکھا جائے اور آیت کو بھی ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ عام حالات

میں یعنی ایسے مواقع پر جب معاشرہ ناگوار اور خطرناک حالات سے دوچار نہ ہو اور لوگ معمول کی زندگی سے بہرہ ور ہوں تو صرف زکوٰۃ کی ادائیگی کافی ہے اور باقی مال کنز شمار نہیں ہوگا (البتہ توجہ رہے کہ اصولی طور پر دولت کمانے میں اگر اسلامی قوانین کو ملحوظ رکھا جائے تو اس صورت میں حد سے زیادہ مال ومنال جمع نہیں ہو پاتا کیونکہ اسلام نے اس قدر قیود وشرائط عائد کی ہیں کہ ایسے مال کا حصول عام طور پر ممکن ہی نہیں ہے) لیکن اگر حالات معمول کے مطابق نہ ہوں اور ایسے مواقع ہوں جب اسلامی معاشرے کے مفاد میں یہ واجب اور ضروری ہو تو حکومت اسلامی مال کی جمع آوری پر حد بندی کرسکتی ہے اور اسے محدود کرسکتی ہے (جیسا کہ ہم حضرت علی علیہ السلام کی روایت میں پڑھ چکے ہیں) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسلامی حکومت عالم اسلام کی بقاء کے پیش نظر تمام جمع شدہ اموال اور ذخائر پیش کرنے کا مطالبہ کر دے جیسا کہ امام صادق علیہ السلام کی روایات میں قیام قائم کے زمانے کے بارے میں آیا ہے

(۳۵) ارتکاز دولت کی سزا

اس آیت میں ایسے افراد کیلئے دوسرے جہان کی ایک سزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ سکے جہنم کی جلا دینے والی آگ میں پگھلائے جائیں گے اور پھر ان سے ان کی پیشانی پہلو اور پشت کو داغا جائے گا۔ اسی حالت میں عذاب کے فرشتے ان سے کہیں گے کہ وہی چیز ہے جسے تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا اور خزانے کی صورت میں رکھا تھا اور راہ خدا میں محروم لوگوں پر خرچ نہیں کیا تھا۔ اب چکھو اسے جسے تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا اور اس کے برے انجام کو پاؤ۔

یہ آیت اس حقیقت کی دوبارہ تاکید کرتی ہے کہ انسانوں کے اعمال فنا نہیں ہوتے اور اسی طرح باقی رہتے ہیں اور وہی دوسرے جہان میں انسان کے سامنے مجسم ہوں گے اور اس کے سرور ومسرت یا رنج وتکلیف کا سبب بنیں گے۔

(۳۶) اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ	مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک اللہ کی (آفرینش کی) کتاب میں جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے بارہ ہے کہ جن میں سے چار مہینے ماہ حرام ہیں (ان میں جنگ کرنا ممنوع ہے) یہ (اللہ کا) ثابت آئین ہے لہٰذا ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو (اور ہر قسم کی خون ریزی سے پرہیز کرو) اور مشرکین کے ساتھ (جنگ کے وقت) سب مل کر جنگ کرو جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں اور جان لو کہ خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

(۳۷) اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُحِلُّوۡنَہٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوۡنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوۡا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوۡا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ ؕ زُیِّنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ اَعۡمَالِہِمۡ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ٪	نسیٔ (حرام مہینوں میں تقدم وتأخر مشرکین کے) کفر میں زیادتی ہے کہ جس کی وجہ سے کافر (مزید) گمراہ ہو جاتے ہیں ایک سال اسے حلال اور دوسرے سال اسے حرام کر دیتے ہیں تا کہ ان مہینوں کی تعداد کے مطابق ہو جائے کہ جنہیں خدا نے حرام کیا ہے (اور ان کے خیال میں چار کا عدد پورا ہو جائے) اور اس طرح سے خدا کے حرام کردہ کو حلال شمار کریں ان کے برے اعمال ان کی نظر میں زیبا ہو گئے ہیں اور اللہ کافروں کی جماعت کو ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر

لازمی جنگ بندی

اس سورت میں چونکہ مشرکین سے جنگ کے بارے میں تفصیلی مباحث آئی ہیں لہٰذا زیرنظر دو آیات میں بحث کے دوران جنگ اور اسلامی جہاد کے ایک اور قانون کی طرف کیا گیا ہے اور وہ حرام مہینوں کے احترام کا قانون۔

پہلے فرمایا گیا ہے خدا کے ہاں کتاب خلقت میں اس دن سے جب اس نے آسمان اور زمین پیدا کئے مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔

بہر حال جس دن سے نظام شمسی نے موجودہ شکل اختیار کی ہے سال اور مہینے موجود ہیں سال عبارت ہے سورج کے گرد زمین کے ایک مکمل دورے سے اور مہینہ عبارت ہے کرہ ماہتاب کے زمین کے گرد ایک مکمل دورے سے اور ہر سال کرہ آفتاب کے ایسے ۱۲ دورے ہوتے ہیں۔

یہ درحقیقت ایک قیمتی طبعی اور نا قابل تغیر تقویم ہے کہ جو تمام انسانوں کی زندگی کو ایک طبیعی نظام بخشی ہے اور ان کے تاریخی حسابات کو بڑے اچھے طریقے سے منظم کرتی ہے اور یہ نوع انسانی کیلئے خدا کی ایک عظیم نعمت شمار ہوتی ہے۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرام ہیں کہ جن میں ہر قسم کی جنگ وجدال حرام ہے۔

اس کے بعد تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے یہ دین وآئین ثابت قائم ودائم اور نا قابل تغیر ہے نہ کہ غلط رسم جو عربوں میں تھی وہ پائیدار ہے کہ وہ اپنی خواہش اور ہوا وہوس سے اسے آگے پیچھے کر دیتے تھے۔

چند ایک روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ جنگ کی یہ حرمت دین ابراہیمی کے علاوہ یہود ونصاریٰ اور باقی آسمانی ادیان

میں بھی تھی اور ”ذلک الدین القیم“ ہوسکتا ہے اس نکتے کی طرف بھی اشارہ ہو یعنی پہلے سے ایک قانون مستقل اور ثابت طور پر موجود تھا۔

اس کے بعد کہا گیا ہے ان چار مہینوں میں اپنے اوپر ظلم روانہ رکھو اور ان کا احترام زائل نہ کرو اور اپنے تیئں دنیا کی سزاؤں اور آخرت کے عذابوں میں مبتلا نہ کرو۔

لیکن ادھر چونکہ ممکن ہے کہ ان چار مہینوں میں حرمت جہاد دشمن کے لئے فائدہ اٹھانے کا سبب بنے اور اسے مسلمانوں پر حملہ کرنے پر ابھارے لہٰذا اگلے جملے میں مزید فرمایا گیا ہے مشرکین کے ساتھ سب مل کر جنگ کرو جیسا کہ وہ سب اکٹھے ہو کر تم سے جنگ کرتے ہیں۔ یعنی باوجود یکہ وہ مشرک ہیں اور شرک و بت پرستی اختلاف و انتشار کا سرچشمہ ہے لیکن وہ ایک ہی صف میں تم سے جنگ کرتے ہیں اور تم موحد و یکتا پرست ہو اور توحید دین اتحاد و یک جہتی ہے لہٰذا تم زیادہ حق رکھتے ہو کہ دشمن کے مقابلے میں وحدت کلمہ کی حفاظت کرو اور ایک ہی آہنی دیوار کی طرح دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہو جاؤ۔

آخر میں ارشاد ہوتا ہے اور جان لو کہ اگر پرہیز گار بنو گے اور تعلیمات اسلامی کے اصولوں پر پوری طرح سے عمل پیرا ہو گے تو خدا تمہاری کامیابی کی ضمانت دیتا ہے کیونکہ خدا پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

(۳۷) زیر نظر دوسری آیت میں زمانہ جاہلیت کی ایک غلط سنت یعنی مسئلہ نسئی حرام مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے حرام مہینوں کو ادل بدل کر دینا ایسا کفر ہے جو ان کے کفر میں زیادتی کا سبب ہے۔ اس عمل کے ذریعے بے ایمان لوگ مزید گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ ایک سال ایک ماہ کو حلال شمار کرتے ہیں اور دوسرے سال اسی ماہ کو حرام قرار دے لیتے ہیں تا کہ اپنے گمان میں اسے خدا کے معین کردہ حرام مہینوں کی تعداد پر منطبق کریں یعنی جب ایک حرام مہینے کو حذف کر دیتے ہیں تو اس کی جگہ دوسرا مہینہ مقرر کر لیتے ہیں تا کہ چار ماہ کی تعداد مکمل ہو جائے۔ حالانکہ اس برے اور مضحکہ خیز عمل سے حرام مہینوں کی حرمت کا فلسفہ بالکل ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور وہ اس طرح حکم خدا کو اپنی خواہشات کا بازیچہ بنا دیتے ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے اس کام پر بڑے خوش اور راضی ہیں کیونکہ ان کے برے اعمال ان کی نگاہ میں بڑے زیبا ہو چکے ہیں۔

جیسا کہ آگے آئے گا وہ شیطانی وسوسوں سے حرام مہینوں کو ادل بدل کر دیتے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ اس کام کو تدبیر زندگی اور معیشت کیلئے مفید خیال کرتے یا جنگ اور جنگ کی تیاری کیلئے اچھا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ طویل جنگ بندی سے جنگی مہارت کم ہو جاتی ہے لہٰذا آتش جنگ بھڑکائی جائے۔

خدا بھی ان لوگوں کو جو ہدایت کی اہلیت نہیں رکھتے ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے اور ان کی ہدایت سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے کیونکہ خدا کافر گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔

(۳۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ	اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں جہاد کے لئے نکل پڑو تو کیوں زمین پر اپنا بوجھ ڈال دیتے ہو (سستی کرتے ہو) کیا تم آخرت کے بدلے دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے ہو حالانکہ حیات دنیا کی متاع آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی ہیں مگر بہت ہی کم۔
(۳۹) اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	اگر میدان جہاد کی طرف حرکت نہ کرو تو تمہیں دردناک عذاب دے گا اور کسی دوسرے گروہ کو تمہاری جگہ مقرر کردے گا اور تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

شان نزول

ابن عباس اور دوسرے صحابہ سے منقول ہے کہ مندرجہ بالا آیات جنگ تبوک کے بارے میں اس وقت نازل ہوئیں جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے مدینہ کی طرف لوٹے اور لوگوں کو رومیوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔

اسلامی روایات میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام طور پر جنگ کی بنیادی باتیں اور تفصیلات مسلمانوں کے سامنے واضح نہیں کیا کرتے تھے تاکہ اسلام کے فوجی راز دشمنوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں لیکن تبوک کے معاملے کی صورت مختلف تھی لہٰذا پہلے سے آپ نے انہیں بتایا کہ ہم رومیوں سے جنگ کرنے کیلئے جارہے ہیں کیونکہ مشرقی روم کی سلطنت سے جنگ مشرکین مکہ یا یہود خیبر سے جنگ کی طرح کوئی آسان کام نہ تھا لہٰذا ضرورت تھی کہ مسلمان اس عظیم مشکل کیلئے پوری طور پر اپنے آپ کو تیار کریں۔

علاوہ ازیں مدینہ اور سرحد روم کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ تھا مزید برآں گرمی کا موسم تھا اور غلوں اور پھلوں کی فصل کی کٹائی کے دن بھی تھے۔

یہ تمام امور یکجا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کیلئے میدان جنگ کی طرف جانا بہت زیادہ مشکل ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں متردد تھے اور گومگو کی کیفیت میں تھے۔

ان حالات میں مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اور قاطع انداز میں سختی کے ساتھ مسلمانوں کو تنبیہ کی اس کیفیت کے خطرے سے انہیں خبردار کیا اور انہیں اس عظیم معرکے کیلئے تیار کیا۔

تفسیر

دوبارہ میدان جنگ کی طرف روانگی

جیسا کہ ہم شان نزول میں کہہ چکے ہیں مندرجہ بالا آیات جنگ تبوک کے بارے میں ہیں۔

تبوک مدینہ اور شام کے درمیان ایک علاقہ ہے جو آجکل سعودی عرب کی سرحد شمار ہوتا ہے اس زمانے میں مشرقی روم کے سرحد کے قریب تھا وہ حکومت اس وقت شامات پر قابض تھی۔

یہ واقعہ نو ہجری یعنی فتح مکہ سے تقریباً ایک سال بعد رونما ہوا مقابلہ چونکہ اس وقت کی ایک عالمی سپر طاقت سے تھا نہ کہ عرب کے کسی چھوٹے بڑے گروہ سے لہٰذا بعض مسلمان اس جنگ میں شرکت سے خوف زدہ تھے اس صورت حال میں منافقین کے زہریلے پراپیگنڈا اور وسوسوں کیلئے ماحول بالکل سازگار تھا اور وہ بھی مومنین کے دلوں اور جذبات کو کمزور کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے تھے۔

پھل اتارنے اور فصل کاٹنے کا موسم تھا جن لوگوں کی زندگی تھوڑی سی کھیتی باڑی اور کچھ جانور پالنے پر بسر ہوتی تھی یہ ان کی قسمت کے اہم دن شمار ہوتے تھے کیونکہ ان کی سال بھر کی گزر بسر انہی چیزوں سے وابستہ تھی۔

جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں مسافت کی دوری اور موسم کی گرمی بھی روکنے والے عوامل کی مزید مدد کرتی تھی اس موقع پر آسمانی وحی لوگوں کی مدد کیلئے آ پہنچی اور قرآنی آیات یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں اور ان منفی عوامل کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

زیر بحث پہلی آیت میں قرآن جس قدر ہو سکتا ہے اتنی سختی اور شدت سے جہاد کی دعوت دیتا ہے کبھی تشویق کی زبان سے کبھی سرزنش کے لہجے میں اور کبھی دھمکی کی زبان میں ان سے بات کرتا ہے اور انہیں آمادہ کرنے کیلئے ہر راستہ اختیار کرتا ہے پہلے کہتا ہے اے ایمان والو! جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں میدان جہاد کی طرف حرکت کرو تو سستی کا مظاہرہ کرتے ہو اور بوجھل پن دکھاتے ہو۔

اس کے بعد ملامت آمیز لہجے میں قرآن کہتا ہے یا آخرت کی وسیع اور دائمی زندگی کی بجائے اس دنیاوی پست اور ناپائیدار زندگی پر راضی ہو گئے ہو۔ حالانکہ دنیاوی زندگی کے فوائد اور مال ومتاع آخرت کی زندگی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور بہت ہی کم ہیں۔

ایک عقلمند انسان ایسے گھاٹے کے سودے پر کیسے تیار ہو سکتا ہے اور کیونکر وہ ایک نہایت گراں بہا متاع اور سرمایہ چھوڑ کر ایک ناچیز اور بے وقعت متاع کی طرف جا سکتا ہے۔

(۳۹) اس کے بعد ملامت کی بجائے ایک حقیقی تہدید کا انداز اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے اگر تم میدان جنگ کی طرف حرکت نہیں کرو گے تو خدا دردناک عذاب کے ذریعے تمہیں سزا دے گا۔

اور اگر تم گمان کرتے ہو کہ تمہارے کنارہ کش ہونے اور میدان جہاد سے پشت پھیرنے سے اسلام کی پیش رفت رک

جائے گی اور آئینہ الٰہی کی چمک ماند پڑ جائے گی تو تم سخت اشتباہ میں ہو کیونکہ خدا تمہاری بجائے ایسے صاحبان ایمان کو لے آئے گا جو عزم صمیم رکھتے ہوں گے اور فرمان خدا کے مطیع ہوں گے۔ وہ لوگ کہ جو ہر لحاظ سے تم سے مختلف ہیں نہ صرف ان کی شخصیت بلکہ ان کا ایمان ارادہ دلیری اور فرمان برداری بھی تم سے مختلف ہے لہٰذا اس طرح تم خدا اور اس کے پاکیزہ دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

یہ ایک حقیقت ہے نہ کہ ایک خیال گفتگو یا دور دراز کی آرزو کیونکہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور جب وہ اپنے پاک آئین کی کامیابی کا ارادہ کرے گا تو اس میں کلام نہیں کہاں سے عملی جامہ پہنا دے گا۔

(۴۰) اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ	اگر اس کی مدد نہیں کرو گے تو خدا اس کی مدد کرے گا (جیسا کہ اس نے مشکل ترین لمحات میں اسے تنہا نہیں چھوڑا) اس وقت جب کفار نے انہیں (مکہ سے) نکال دیا جب کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے ان کے ساتھ صرف ایک شخص اور تھا جب وہ دونوں غار میں تھے تو وہ ہمسفر سے کہہ رہے تھے غم نہ کھاؤ خدا ہمارے ساتھ ہے تو اس موقع پر خدا نے اپنا سکینہ (اور اطمینان) ان پر بھیجا اور ان کی ایسے لشکروں سے تقویت کی جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کی گفتار (اور ہدف) کو پست قرار دیا (اور انہیں شکست سے دو چار کیا) اور خدا کی بات اور اس کا دین بلند (اور کامیاب) ہوا اور خدا عزیز و حکیم ہے۔

تفسیر

حساس ترین لمحات میں خدا نے اپنے پیغمبر کو تنہا نہیں چھوڑا

جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے گذشتہ آیات میں جہاد کے مسئلے پر متعدد حوالوں سے تاکید کی گئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ گمان نہ کرو کہ اگر تم جہاد اور پیغمبر کی مدد سے کنارہ کش ہو گئے تو اس کا پروگرام اور اسلام زمین بوس ہو جائے گا زیر بحث آیت اسی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتی ہے اگر اس کی مدد نہ کرو گے تو وہ خدا جس نے سخت ترین حالات اور پیچیدہ ترین مواقع پر معجزانہ طور پر اس کی مدد کی ہے قدرت رکھتا ہے پھر اس کی مدد کرے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مشرکین مکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی ایک خطرناک سازش تیار کر چکے تھے جب کہ سورہ انفال کی آیہ......۳۰ کے ذیل میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے تفصیلی غور و خوض اور منصوبہ بندی کے بعد انہوں نے آخری فیصلہ یہ کیا تھا کہ عرب کے مختلف قبائل کے بہت سے شمشیر زن رات کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیں اور صبح سب مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

حملہ کریں اور بستر پر ہی تلواروں سے ان کے جسم مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔

دشمنوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی لیکن مایوس ہو کر پلٹ گئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین راتیں اور دن غار میں ٹھہرے رہے جب دشمن کے پلٹ جانے کا اطمینان ہو گیا تو رات کے وقت عام راستے سے ہٹ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے چند دنوں میں آپ صحیح وسالم مدینہ پہنچ گئے اور اس طرح تاریخ اسلام میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔

مندرجہ بالا آیت اس تاریخی سفر کے ایک حساس ترین موقع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے خدا نے اپنے پیغمبر کی اس وقت مدد کی جب کافروں نے انہیں نکال باہر کیا۔

البتہ کفار کا ارادہ انہیں مکہ سے خارج کرنے کا نہیں تھا بلکہ وہ آپ کو قتل کرنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے لیکن ان کے کام کے نتیجے میں چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے باہر نکل جانا پڑا لہٰذا یہ نسبت ان کی طرف دی گئی ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے یہ اس حالت میں تھا کہ آپ دو میں سے دوسرے تھے (ثانی اثنین) یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کے ساتھ صرف ایک ہی شخص تھا اور یہ چیز اس پر خطر سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی تنہائی کی نشاندہی کرتی ہے ابوبکر آپ کے ہمسفر تھے جس وقت ان دونوں نے غار یعنی غار ثور میں پناہ لی۔ اس موقع پر پیغمبر کے ساتھی اور ہمسفر کو خوف اور وحشت نے گھیر رکھا تھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی تسلی دی اور کہا غم نہ کھاؤ خدا ہمارے ساتھ۔ اس وقت اللہ نے سکون واطمینان کی روح آپ پر نازل کی جو حساس اور پر خطر لمحات میں اپنے پیغمبر پر نازل کیا کرتا تھا۔ اور آپ کی ایسے لشکروں سے مدد کی جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے تھے۔

یہ غیبی لشکر ہو سکتا ہے کہ ان فرشتوں کی طرف اشارہ ہو جو خوف وخطر سے بھر پور اس سفر میں پیغمبر کے محافظ ہوں یا ان کی طرف جو بدر حنین وغیرہ کے میدانوں میں آپ کی مدد کیلئے آئے تھے۔

آخر میں خدا تعالیٰ نے کفار کے طرز عمل ہدف اور مکتب کو پست قرار دیا اور الٰہی منصوبہ بندی اور کلام کو بلند قرار دیا ہے۔ اور ساتھ اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کی سازش ناکام ہو کر رہ گئی ان کے بے ہودہ مذہب کی بساط الٹ گئی خدا کا نور ہر جگہ آشکار ہوا اور چمکنے لگا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہات میں کامیابی نصیب ہوئی ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ خدا قادر بھی ہے اور حکیم ودانا بھی وہ اپنی حکمت کے ذریعے اپنے پیغمبر کو کامیابی کی راہوں کی نشاندہی کرتا ہے اور اپنی قدرت سے ان کی مدد کرتا ہے۔

(۴۱) اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَ اَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ	سب کے سب میدان جہاد کی طرف چل پڑو چاہے سبک بار ہو یا سنگین بار اور اپنے اموال اور جانوں کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرو اور اگر تم جان لو تو یہ تمہارے نفع میں ہے۔

(۴۲) لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّا تَّبَعُوكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ؏	اوران میں سے ایک گروہ ایسا ہے کہ اگر غنائم نزدیک (اور دسترس میں) ہوں اور سفر آسان ہوتو (دنیاوی طمع میں) تیری پیروی کرتے ہیں لیکن اب جب کہ (میدان تبوک کا) سفر ہے (تو رو گردانی کرتے ہیں) اور عنقریب قسم کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم تمہارے ساتھ چل پڑتے (لیکن ان اعمال اور ایسے صریح جھوٹ سے) اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

تفسیر

تن پرور لالچی

ہم کہہ چکے ہیں کہ جنگ تبوک ایک استثنائی کیفیت رکھتی تھی اور اس کیلئے ایسے امور ضروری تھے جو بہت مشکل اور پیچیدہ تھے اسی بناء پر چند ضعیف الایمان یا منافق افراد اس میدان میں شرکت کرنے سے لیت ولعل کرتے تھے گذشتہ آیات میں خدا تعالیٰ نے ایک گروہ کو سرزنش کی ہے۔

اس گفتگو کے بعد قرآن دوبارہ مومنین کو جہاد کی طرف ہر پہلو سے دعوت دے رہا ہے اور سستی دکھانے والوں کو سرزنش کر رہا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے تم سب کے سب میدان جہاد کی طرف چل پڑو چاہے سبک بار ہو چاہے بوجھل۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے راہ خدا میں مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ یعنی ہر پہلو سے جہاد کرو کیونکہ ایسے طاقتور دشمن کے مقابلے میں جو اس دور کی سپر طاقت سمجھا جاتا تھا اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں تھی۔

لیکن اس بناء پر کہ پھر بھی کسی کو اشتباہ نہ ہو کہ یہ قربانی اور فداکاری خدا کیلئے فائدہ مند ہے فرمایا گیا ہے یہ تمہارے فائدے میں ہے اگر تم جانو۔ یعنی اگر تم جان لو کہ جہاد سربلندی اور عزت کی کلید ہے اور ذلت اور کمزوری کی خاتمے کا ذریعہ ہے اگر تم جان لو کہ کوئی قوم جہاد کے بغیر دنیا میں حقیقی آزادی اور عدالت تک نہیں پہنچ سکتی اور اگر تم جان لو کہ رضائے خدا دائمی سعادت اور طرح طرح کی نعمات الٰہی تک پہنچنے کی راہ اسی عمومقدس نہضت اور ہمہ پہلو فداکاری میں ہے۔

(۴۲) اس کے بعد بحث کا رخ سست، کاہل اور کمزور ایمان والے افراد کی طرف موڑا گیا ہے یہ لوگ اس عظیم معرکے میں شرکت سے بچنے کیلئے طرح طرح کے بہانے بناتے تھے اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ سے فرمایا گیا ہے اگر مال غنیمت دسترس میں

ہوتا اور سفر نزدیک کا ہوتا تو متاع دنیا تک پہنچنے کیلئے یہ بہت ہی جلد تیری دعوت پر لبیک کہتے اور اس بچھے ہوئے دستر خوان پر بیٹھنے کیلئے بھاگ دوڑ کرتے۔

لیکن اب جب کہ سفر دور کا ہے سستی دکھاتے ہیں اور بہانے بناتے ہیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ صرف بہانے نہیں بناتے بلکہ جلدی سے تمہارے پاس آ جاتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں کہا اگر ہم میں طاقت ہوتی تو آپ کے ساتھ ہم بھی نکلتے۔ اور اگر آپ دیکھتے ہیں کہ ہم اس معرکے میں آپ کے ساتھ شرکت نہیں کر رہے تو اس کی وجہ ہماری معذوری اور عدم قدرت ہے اور ہم مختلف مسائل میں گرفتار ہیں ان اعمال اور ان دروغ گوئیوں کی وجہ سے درحقیقت وہ اپنے آپ کو ہلاک کر دیتے ہیں۔) لیکن خدا جانتا ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

وہ مکمل طور پر طاقت رکھتے ہیں لیکن چونکہ کام اتنا آسان نہیں ہے بلکہ کٹھن اور مشکل ہے لہٰذا وہ جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ امر جنگ تبوک اور زمانہ رسول ﷺ سے مخصوص نہیں بلکہ ہر معاشرے میں بیکار سست اور کاہل یا منافقین لالچی اور ابن الوقت لوگوں کا ایک گروہ ہوتا ہے جو ہمیشہ منتظر رہتا ہے کہ کامیابی اور ثمرات کے لمحات آ پہنچیں تو اس وقت پہلی صف میں آ کھڑے ہوں گے اور شور مچانے لگیں گے گریبان چاک کریں گے اپنے آپ کو مبارز اور مجاہد اول قرار دیں گے اور اپنا تعارف دلسوز ترین افراد میں سے کروائیں گے تاکہ بغیر زحمت کے دوسروں کی کامیابی کے ثمرات سے بہرہ ور ہوں لیکن یہی مبارز مجاہد سینہ چاک اور دل سوز مشکل حوادث کے موقع پر کسی نہ کسی طرف بھاگ کھڑے ہوں گے اور اپنے فرار کے لئے عذر و بہانے تراشیں گے کوئی خود بیمار ہو گیا ہو گا کسی کا بیٹا بستر بیمار پر پڑا ہو گا کسی کی بیوی وضع حمل میں مبتلا ہو گی کوئی آنکھیں کمزور ہونے کی بات کرے گا اور کوئی مقدمات کی تیاری میں لگا ہو گا۔ اسی طرح کے بیسیوں بہانے ہوں گے لیکن بیدار اور روشن دل رہبروں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کی شناخت شروع میں کروا دیں اور اگر یہ لوگ قابل اصلاح نہ ہوں تو انہیں اپنی صفوں سے نکال باہر کریں۔

(۴۳) عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ تَعۡلَمَ	خدا نے تمہیں بخش دیا کہ تم نے انہیں اجازت کیوں دی اس سے پہلے کہ جو راست گو ہیں تیرے لئے واضح ہوں اور تم جھوٹوں کو پہچان لو۔
(۴۴) لَا یَسۡتَاۡذِنُکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اَنۡ یُّجَاہِدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِیۡنَ	وہ جو خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتے ہیں تم سے کبھی بھی (راہ خدا میں) اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے سے رخصت نہیں چاہیں گے اور خدا پرہیزگاروں کو (اچھی طرح سے) پہچانتا ہے۔

(۴۵) اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُکَ الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ	صرف وہ لوگ تم سے رخصت چاہیں گے جو خدااور روز جزا پر ایمان نہیں رکھتے اوران کے دل شک وتر دد میں ہیں لہٰذا وہ اپنے تر دد میں سرگرداں ہیں۔

تفسیر

کوشش کرو کہ منافقین کو پہچان لو

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کا ایک گروہ پیغمبرؐ کے پاس آیااور طرح طرح کے عذر بہانے کرنے لگا یہاں تک کہ قسم کھا کرانہوں نے اجازت چاہی کہ انہیں میدان تبوک میں شرکت سے معذور سمجھیں اور پیغمبر اکرمؐ نے اس گروہ کواجازت دے دی۔

زیر بحث پہلی آیت میں خداوند عالم اپنے پیغمبر کو تنبیہ کے انداز میں کہتا ہے خدا نے تمہیں بخش دیا کہ تم نے انہیں جہاد میں شرکت سے رخصت کیوں دی۔ کیوں ایسا نہ ہونے دیا کہ راست گو لوگ جھوٹوں سے ممتاز ہوجائیں اورتم ان کی کیفیت جان لیتے۔

انصاف یہ ہے کہ اس آیت میں پیغمبر اکرمؐ سے گناہ کے صدور کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے یہاں تک کہ ظاہر آیت میں بھی ایسی کوئی دلیل نہیں کیونکہ تمام قرائن نشاندہی کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ چاہے انہیں اجازت دیتے یا نہ دیتے منافقین کا وہ گروہ جنگ تبوک میں شرکت نہ کرتا اور بالفرض شرکت کرتا بھی تو مسلمانوں کے کسی کام نہ آتا۔

اس امر کو ایک مثال سے واضح کیا جاسکتا ہے فرض کیجئے ایک ظالم چاہتا ہے کہ آپ کے بیٹے کے منہ پر طمانچہ رسید کرے آپ کا ایک دوست اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے تو آپ کو نہ صرف اس کام پر دکھ نہیں ہوگا بلکہ آپ خوش بھی ہوں گے لیکن آپ ظالم کے باطن کی بدی ثابت کرنے کیلئے آپ غصے کے انداز میں اپنے دوست سے کہیں گے کہ تم نے اسے چھوڑا کیوں نہیں کہ وہ طمانچہ مارتا تاکہ تمام لوگ اس سنگدل منافق کو پہچان لیتے۔ آپ کا مقصد اس بیان سے صرف اس کی سنگدلی اور نفاق کا اثبات ہے جبکہ ظاہراً یہ دفاع کرنے والے دوست کی سرزنش ہے۔

(۴۴) اس کے بعد مومنین اور منافقین کی نشانیوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا وہ جو خدااور روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ اپنے مالوں اوراپنی جان سے راہ خدا میں جہاد کرنے سے تم سے کبھی رخصت نہیں چاہیں گے۔ بلکہ جب فرمان جہاد صادر ہوگا بغیر لیت ولعل اور سستی کے اس کی طرف بھاگیں گے اور یہی خدا پر ایمان اس کی طرف سے عائد ذمہ داریوں پر ایمان اور آخرت کی عدالت پر ایمان انہیں اس راہ کی طرف دعوت دیتا ہے یہ ایمان عذر تراشی اور بہانہ جوئی کی راہ ان کے سامنے بند کردیتا ہے خدا پرہیز گاروں کو اچھی طرح سے پہچانتا ہے اوران کی نیت اور اعمال سے مکمل طور پر آگاہ ہے۔

(۴۵) اس کے بعد فرمایا گیا ہے میدان جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت تم سے وہی لوگ طلب کرتے ہیں جو خدااور

روز جزا پر ایمان نہیں رکھتے۔ان کے عدم ایمان ہی پر زور دیتے ہوئے مزید کہا گیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جن کے دل مضطرب اور شک و تردد میں گرفتار ہیں۔

لہٰذا وہ اس شک وتردد کی بناء پر کبھی قدم آگے بڑھاتے ہیں اور کبھی پلٹ آتے ہیں اور ہمیشہ تحیر و سرگردانی میں رہتے ہیں اور اسی وجہ سے بہانے تراشنے اور پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت حاصل کرنے کے منتظر رہتے ہیں۔

مندرجہ بالا صفات اگرچہ فعل مضارع کی صورت میں ذکر ہوئی ہیں لیکن ان کا مقصد منافقین اور مومنین کی صفات وحالات بیان کرنا ہے اور اس میں ماضی حال اور مستقبل کا کوئی فرق نہیں

بہر حال مومنین اپنے ایمان کے زیر سایہ عزم صمیم اور غیر متزلزل ارادہ رکھتے ہیں۔انہوں نے راستے کو روشنی میں دیکھا ہے ان کا مقصد واضح اور ہدف متعین ہے اسی بناء پر وہ عزم راسخ کے ساتھ بلا تردد سیدھے قدموں سے آگے کی طرف جاتے ہیں اور منافقین کا ہدف چونکہ تاریک اور غیر مشخص ہے وہ حیرت وسرگردانی میں گرفتار ہیں اور وہ ہمیشہ ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے سے فرار کیلئے بہانے تراشتے رہتے ہیں۔

(۴۶) وَ لَوۡ اَرَادُوا الۡخُرُوۡجَ لَاَعَدُّوۡا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنۡ كَرِهَ اللّٰهُ انۡۢبِعَاثَهُمۡ فَثَبَّطَهُمۡ وَ قِيۡلَ اقۡعُدُوۡا مَعَ الۡقٰعِدِيۡنَ	اگر وہ چاہتے تھے کہ (میدان جہاد کی طرف) نکلیں تو اس کیلئے وسیلہ فراہم کرتے لیکن خدا ان کے نکل پڑنے کو ناپسند کرتا تھا (لہٰذا اپنی توفیق ان سے سلب کر لی) اور انہیں سے روک لیا اور ان سے کہا گیا کہ قاعدین (بچوں بوڑھوں اور بیماریوں) کے ساتھ بیٹھ رہو۔
(۴۷) لَوۡ خَرَجُوۡا فِيۡكُمۡ مَّا زَادُوۡكُمۡ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاۡاَوۡضَعُوۡا خِلٰلَكُمۡ يَبۡغُوۡنَكُمُ الۡفِتۡنَةَ‌ ۚ وَ فِيۡكُمۡ سَمّٰعُوۡنَ لَهُمۡ‌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ	اگر تمہارے ساتھ (میدان جہاد کی طرف) نکل پڑتے تو اضطراب اور شک وتردد کے سوا تمہارے لئے کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور بہت جلدی تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کرتے (تفرقہ ونفاق پیدا کرتے) اور تمہارے درمیان (سست اور کمزور افراد ہیں) جو ان کی بات کو زیادہ قبول کرنے والے ہیں اور خدا ظالموں سے باخبر ہے۔

(۴۸) لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَۃَ مِنۡ قَبۡلُ وَ قَلَّبُوۡا لَکَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰی جَآءَ الۡحَقُّ وَ ظَہَرَ اَمۡرُ اللّٰہِ وَ ہُمۡ کٰرِہُوۡنَ	انہوں نے اس سے قبل بھی فتنہ انگیزی کیلئے اقدام کیا ہے اور تمہارے لئے کئی ایک کام دگرگوں کئے ہیں اورانہیں خراب کیا ہے یہاں تک کہ حق پہنچا اور خدا کا فرمان آشکار ہوا (اورتم کامیاب ہو گئے) جب کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے۔

تفسیر

منافقین کا نہ ہونا ہونے سے بہتر تھا

گذشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا

"واللّٰہ یعلم انھم لکذبون" (اوراللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں)

یہ اگر سچ کہتے ہیں اور جہاد میں شرکت کیلئے تیار ہیں اور صرف تمہارے اذن کے منتظر ہیں تو انہیں چاہئے کہ جہاد کے تمام وسائل ہتھیار سواری اور جو کچھ ان کی طاقت میں ہے اسے فراہم کریں جب کہ ان میں تو ایسی کوئی آمادگی نظر نہیں آتی۔ یہ تاریک دل اور بے ایمان افراد ہیں کہ خدا جن کو جہاد کے پرافتخار میدان میں ناپسند کرتا ہے لہٰذا اس نے اپنی توفیق ان سے سلب کی ہے اور انہیں باہر نکلنے سے باز رکھا ہے۔

یہ ایک تکوینی حکم ہے جو ان کے تاریک اور گندے باطن سے اٹھا ہے اور ان کے فاسد عقیدے اور برے اعمال کا تقاضا ہے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مقتضائے حال کو امر یا نہی کی صورت میں لایا جاتا ہے مندرجہ بالا آیت سے اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ ہر عمل اور نیت کا ایک اقتضاء ہے جو خواہ مخواہ انسان کو دامن گیر ہوتا ہے اور تمام لوگ اس کی اہلیت نہیں رکھتے کہ وہ بڑے کاموں اور راہ خدا میں قدم اٹھائیں۔ یہ توفیق خدا ایسے لوگوں کو نصیب کرتا ہے جن میں نیت کی پاکیزگی آمادگی اور خلوص ہوتا ہے۔

(۴۷) اس آیت میں قرآن اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کا میدان جہاد میں شریک نہ ہونا نہ صرف مقام افسوس نہیں بلکہ شاید خوشی کا مقام ہے کیونکہ وہ نہ فقط یہ کہ کوئی مشکل دور نہیں کرتے بلکہ اس نفاق بے ایمان اور اخلاق انحراف کی روح کی وجہ سے نئی مشکلات کا باعث ہوتے۔

دراصل یہاں مسلمانوں کو ایک عظیم درس دیا گیا ہے کہ کبھی بھی بڑے لشکر اور زیادہ تعداد کی فکر میں نہ رہیں بلکہ اس فکر میں رہیں کہ مخلص اور باایمان افراد کا انتخاب کیا جائے چاہے ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہوں۔ مسلمانوں کیلئے کل بھی یہی درس تھا آج بھی یہی درس ہے اور آئندہ کیلئے بھی یہی درس ہوگا۔

پہلے فرمایا گیا ہے اگر وہ تمہارے ساتھ تبوک کے میدان جہاد کی طرف روانہ ہوتے تو ان کا پہلا منحوس اثر یہ ہوتا کہ وہ اضطراب اور شک وتردد کے علاوہ تم میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے۔

اس بناء پر اس فاسد باطن جو شک وتردد اور نفاق و بزدلی کی آماجگاں ہے کے ساتھ اگر وہ میدان میں آجاتے تو سپاہ اسلام میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور فساد پھیلانے کے سوا اور کچھ نہ کرتے علاوہ ازیں وہ بڑی سرعت سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ افراد لشکر میں نفوذ حاصل کریں نفاق وتفرقہ پیدا کریں اور اتحاد کے رشتوں کو کاٹ دیں۔

اس کے بعد مسلمانوں کو خطرے سے متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ متوجہ رہیں کہ کمزور ایمان والے افراد تمہارے درمیان موجود ہیں جو ان منافقوں کی باتوں سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ ''سماع'' اس شخص کو کہتے ہیں جس میں پذیرائی اور شنوئی کی حالت زیادہ ہو اور جو تحقیق اور غور وخوض کے بغیر ہر بات کا اعتبار کرلے لہٰذا قوی ایمان مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کمزور گروہ پر نظر رکھیں کہ کہیں وہ بھیڑیا صفت منافقین کا لقمہ نہ بن جائیں۔

یہ احتمال بھی ہے کہ سماع جاسوس کے معنی میں ہو یعنی تمہارے درمیان کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو منافقین کیلئے جاسوسی کرتے ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے خدا ستم گروں کو پہچانتا ہے وہ جو علی الاعلان اور وہ جو چھپ کر اپنے اوپر یا معاشرے پر ظلم کرتے ہیں اس کی دیدگاہ علم سے مخفی نہیں ہیں۔

(۴۸) اس آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ پہلا موقع نہیں کہ یہ منافقین سم پاشی اور تخریب کاری میں مشغول ہیں یہ پہلے بھی ایسی کارروائیوں کا ارتکاب کرتے رہے ہیں اور ابھی بھی اپنے مقصد کیلئے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ جنگ احد کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی راستے ہی سے پلٹ آئے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد سے انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا یا دیگر مواقع کی طرف اشارہ ہے کہ جن میں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات یا مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں کہ جن کا ذکر تاریخ اسلام میں موجود ہے۔

انہوں نے تمہارے بہت سے کام خراب کئے اور سازشیں کیں تاکہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں اور انہیں جہاد سے باز رکھیں اور تمہارے اردگرد کوئی باقی نہ رہے۔ لیکن ان کی کسی سازش اور کوشش کا کوئی اثر نہ ہوا اور ان کی سب سازشیں نقش بر آب ہو گئیں اور ان کا وار خالی گیا آخر کار فتح حاصل ہوئی اور حق واضح ہو گیا۔ جب کہ وہ تمہاری پیش رفت اور کامیابی کو ناپسند کرتے تھے (وھم کرھون) لیکن پروردگار کے ارادہ اور مشیت کے مقابلے میں بندوں کی خواہش اور ارادہ کچھ بھی اثر نہیں رکھ سکتا خدا چاہتا تھا کہ تمہیں کامیاب کرے اور تیرے دین کو ساری دنیا تک پہنچائے اور جتنی بھی رکاوٹیں ہوں انہیں راستے سے ہٹا دے آخر اس نے یہ کام کر دکھایا۔

(۴۹)وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ وَ لَا تَفۡتِنِّىۡ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ	ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ہمیں اجازت دو (تاکہ ہم جہاد میں شرکت نہ کریں) اور ہمیں گناہ میں گرفتار نہ کرو آگاہ رہو کہ وہ (ابھی سے) گناہ میں گر چکے ہیں اور جہنم کفار پر محیط ہے۔

شان نزول

جب پیغمبر اسلامؐ مسلمانوں کو جنگ تبوک کیلئے تیار کر رہے تھے اور اس کے لئے جانے کی دعوت دے رہے تھے بنی سلمہ قبیلے کا ایک سردار جد بن قیس آپؐ کی خدمت میں آیا۔ یہ منافقین میں سے تھا اس نے عرض کی اگر آپ اجازت دیں تو میں اس میدان جنگ میں حاضر نہ ہوں کیونکہ مجھے عورتوں سے بہت پیار ہے خصوصا اگر میری نظر رومی لڑکیوں پر جا پڑی تو ہوسکتا ہے میں دل ہار بیٹھوں اور ان پر عاشق ہو جاؤں اور میدان سے ہاتھ کھینچ لوں۔

اس پر پیغمبر اکرمؐ نے اسے اجازت دے دی اس موقع پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں اس شخص کے کردار کی مذمت کی گئی ہے

تفسیر

بہانہ تراش منافقین

مندرجہ بالا شان نزول نشاندہی کرتی ہے کہ انسان جب چاہے ذمہ داری کا بوجھ اپنے کندھوں سے اتار پھینکے تو اپنے لئے کسی نہ کسی طرح کوئی بہانہ بنا ہی لیتا ہے جیسے جد بن قیس منافق نے میدان جہاد میں شرکت نہ کرنے کا کیا عذر گھڑا تھا اور وہ یہ کہ ہوسکتا ہے کہ خوبصورت رومی لڑکیاں اس کا دل لوٹ لیں۔ بہر حال قرآن یہاں روئے سخن پیغمبر اسلامؐ کی طرف کئے ہوئے اس قسم کے رسوا اور ذلیل بہانہ جو لوگوں کے جواب میں کہتا ہے ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم میدان جہاد میں حاضر نہ ہوں اور ہمیں (خوبرو رومی لڑکیوں کا فریفتہ کر کے) گرفتار گناہ نہ کیجئے۔

آیت کی تفسیر اور شان نزول میں یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جد بن قیس چاہتا تھا کہ یہ بہانہ کر کے کہ میرے بیوی بچے اور اموال کا کوئی اور سرپرست نہیں جہاد سے بچنا چاہتا تھا بہر حال قرآن ایسے لوگوں کے جواب میں کہتا ہے آگاہ رہو کہ وہ ابھی سے فتنہ گناہ اور حکم خدا کی مخالفت میں گر چکے ہیں اور جہنم نے کافروں کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ یعنی وہ بے ہودہ معذرتوں کی وجہ سے اور یہ بھی کہ ہوسکتا ہے کہ بجائے اس کے کہ بعد میں آلودہ گناہ ہوں ابھی سے گناہ میں گھرے ہوئے ہیں اور جہنم ان پر محیط ہے وہ جہاد کی طرف روانگی کے بارے میں خدا اور رسول کے صریح حکم کو پاؤں تلے روندر ہے ہیں کہ شاید کہیں شرعی شبہ میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

(۵۰) اِنۡ تُصِبۡکَ حَسَنَۃٌ تَسُؤۡهُمۡ ۚ وَ اِنۡ تُصِبۡکَ مُصِیۡبَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَ یَتَوَلَّوۡا وَّ هُمۡ فَرِحُوۡنَ	اگر تجھے کوئی اچھائی پہنچے تو وہ انہیں بری لگتی ہے اور اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں ہم نے پہلے سے مصمم ارادہ کر رکھا ہے (کہ ان سے جدا رہیں) اور وہ خوش وخرم پلٹ جاتے ہیں۔
(۵۱) قُلۡ لَّنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۚ هُوَ مَوۡلٰىنَا ۚ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ	کہہ دو کوئی حادثہ ہمارا رخ نہیں کرتا مگر جو کچھ خدا نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے وہ ہمارا مولیٰ اور سرپرست ہے اور مومنین صرف خدا پر توکل کرتے ہیں۔
(۵۲) قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَی الۡحُسۡنَیَیۡنِ ؕ وَ نَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِکُمۡ اَنۡ یُّصِیۡبَکُمُ اللّٰہُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِہٖۤ اَوۡ بِاَیۡدِیۡنَا ۫ۖ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ	کہہ دو کیا ہمارے بارے میں دو نیکیوں (فتح یا شہادت) میں سے کسی ایک کے علاوہ تمہیں کوئی توقع ہے لیکن ہم توقع رکھتے ہیں کہ خدا کی طرف سے تمہیں (اس جہان میں) یا ہمارے ہاتھ سے (اس جہان میں) عذاب پہنچے گا اب جب کہ معاملہ ایسا ہے تو تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔

تفسیر

زیرنظر آیات میں منافقین کی ایک صفت اور نشانی کی طرف اشارہ ہوا ہے اور وہ بحث جو گذشتہ اور آئندہ آیات میں منافقین کی نشانیوں کے سلسلہ میں آئی ہے یہ اسی کے ضمن میں ہے۔

پہلے کہا گیا ہے اگر تجھے کوئی اچھائی پہنچے تو وہ ناراحت ہوجاتے ہیں اور انہیں برا لگتا ہے۔

یہ ناراحتی اور دکھ ان کی باطنی عداوت اور ایمان کے فقدان کی دلیل ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص تھوڑا سا ایمان بھی رکھتا ہوا اور وہ پیغمبر خدا یا کسی عام صاحب ایمان شخص کی کامیابی پر رنجیدہ ہو۔

لیکن اگر اس کے مقابلے میں تجھے کوئی مصیبت پہنچے اور تم کسی مشکل میں مبتلا ہو جاؤ تو خوش ہو کر کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے سے ایسے حالات کی پیش بینی کر رہے تھے اور ہم نے تو مصمم ارادہ کر رکھا تھا اور خود کو ہلاکت کے اس گڑھے سے بچا چکے تھے۔ اور جب وہ

اپنے گھروں کو پلٹ جاتے ہیں تو تمہاری شکست مصیبت یا پریشانی پر خوش ہوتے ہیں۔

یہ دل کے اندھے منافقین ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنی عقل کے بارے میں لاف زنی کرتے ہیں کہ یہ ہماری دانشمندی تھی کہ ہم نے فلاں میدان میں شرکت نہ کی اور وہ مشکلات جو دوسروں کو عقل نہ ہونے کی وجہ سے دامن گیر ہوئیں ہم ان میں مبتلا نہیں ہوئے۔ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ جامے میں پھولے نہیں سماتے۔ لیکن اے پیغمبر! تم انہیں دو طرح سے جواب دو ایسا جواب جو دندان شکن اور منطقی ہے۔

(۵۱) پہلے ان سے کہو کہ ہمیں کوئی حادثہ پیش نہیں آتا مگر وہ کہ جو خدا نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے وہ خدا جو ہمارا مولا، سرپرست، حکیم اور مہربان ہے اور جو ہماری بھلائی کے سوا ہمارے لئے کچھ مقدر نہیں کرتا۔ جی ہاں! اہل ایمان فقط خدا پر توکل کرتے ہیں۔ اہل ایمان صرف اس کے عاشق ہیں اسی سے نصرت طلب کرتے ہیں اپنی پیشانی اسی کی چوکھٹ پر رکھتے ہیں اور ان کی پناہ گاہ اس کے علاوہ کوئی نہیں۔

(۵۲) اور اے پیغمبر! تم انہیں جواب دو کہ تم ہمارے بارے میں کیا توقع رکھتے ہو سوائے اس کے کہ دو میں سے ایک سعادت ہمیں نصیب ہو جائے یا ہم دشمنوں کو تہس نہس کر دیں گے اور میدان جنگ سے کامیابی کیساتھ پلٹ آئیں گے اور یا مارے جائیں گے اور عزت و افتخار سے جام شہادت نوش کریں گے ان دو صورتوں میں سے جو بھی پیش آئے ہماری لئے افتخار ہے اور ہماری آنکھوں کی روشنی ہے۔ لیکن اس کے برعکس ہم تمہارے بارے میں دو میں سے ایک سیاہ دن اور بدبختی کی توقع رکھتے ہیں یا تو اس جہان میں تم عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گے اور یا ہمارے ہاتھوں تم ذلیل و نابود ہو گے۔

جب معاملہ اس طرح ہے تو تم بھی منتظر رہو اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں تم ہماری خوش بختی اور سعادت کا انتظار کرو اور ہم تمہاری بدبختی کے انتظار میں ہیں۔

(۵۳) قُلْ اَنفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ	کہہ دو کہ تم چاہے میلان اور رغبت سے خرچ کرو چاہے اکراہ سے، تم سے ہرگز قابل قبول نہیں، کیونکہ تم فاسق ہو۔
(۵۴) وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ	ان کے انفاق کے قبول ہونے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنی مگر یہ کہ وہ خدا اور اس کے پیغمبر کے منکر تھے نماز نہیں بجا لاتے تھے مگر کسالت اور سستی کے ساتھ اور انفاق نہیں کرتے مگر کراہت کے ساتھ۔

(۵۵) فَلَا تُعۡجِبۡکَ اَمۡوَالُهُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَ تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَ هُمۡ کٰفِرُوۡنَ	اوران کے مال واولاد کی کثرت تجھے تعجب میں نہ ڈالے اللہ چاہتا ہے کہ انہیں اس کے ذریعے دنیا کی زندگی میں عذاب کرے اور وہ حالت کفر میں ہی مرجائیں۔

تفسیر

منافقین کی نشانیاں

یہ آیات منافقین کی کچھ اور نشانیوں اور ان کے کام کے انجام کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور انہیں واضح کرتی ہیں کہ کس طرح سے ان کے اعمال بے روح اور بے اثر ہیں اور ان سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا نیز نیک اعمال میں سے چونکہ راہ خدا میں خرچ کرنا یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی اپنے وسیع معنی کے لحاظ سے اور نماز کا قیام خالق ومخلوق کے درمیان رشتے کی حیثیت سے خاص مقام رکھتے ہیں لہٰذا خصوصیت کے ساتھ ان دوحصوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے اے پیغمبر! انہیں کہہ دو چاہے ارادہ واختیار سے راہ خدا میں خرچ کرو اور چاہے کراہت ومجبوری اور شخصی و اجتماعی رکھ رکھاؤ کی وجہ سے تم منافقین سے کسی حالت میں کچھ قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس کے بعد اس کی دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کیونکہ تم فاسق گروہ ہو۔ تمہاری نیتیں غلیظ تمہارے اعمال ناپاک اور تمہارے دل تاریک ہیں اور خدا صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جو پاک وپاکیزہ ہو اور جسے ایک پاکیزہ شخص تقویٰ وپرہیزگاری کے ساتھ انجام دے۔

(۵۴) اس آیت میں ان کے خرچ کئے ہوئے مال کے قابل قبول نہ ہونے کی دوبارہ وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان کے انفاق اور مخارج کے قبول ہونے میں اس کے سوا کوئی امر مانع نہیں کہ وہ خدا اور اس کے پیغمبر کے منکر اور کافر ہیں اور ہر وہ کام جس میں خدا پر ایمان اور توحید پر یقین شامل نہ ہو بارگاہ خداوندی میں قابل قبول نہیں ہے۔

ان کے انفاق اور مالی اخراجات قبول نہ ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کی عبادات کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ نماز بجا نہیں لاتے مگر کسالت وناراحتی کے ساتھ اور بوجھ سمجھتے ہوئے۔ جیسے کہ وہ خرچ بھی بس کراہت ومجبوری کے عالم میں کرتے ہیں۔

درحقیقت دو وجوہ کی بنیاد پر ان کے خرچ شدہ اموال قابل قبول نہیں ہوئے ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ حالت کفر اور عدم ایمان میں سرزد ہوئے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کراہت اور مجبوری کے عالم میں خرچ کئے گئے ہیں اسی طرح ان کی نماز بھی دو وجوہ سے قبول نہیں ہوئی ایک کفر کی وجہ سے اور دوسرا کسالت اور ناپسندیدگی کی حالت میں ادائیگی کے سبب۔

(۵۵) زیرنظر آخری آیت میں روئے سخن پیغمبر کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان کے مال واولاد کی کثرت تجھے تعجب

میں نہ ڈال دے اور تم یہ نہ سوچنے لگ جاؤ کہ اس کے باوجود کہ وہ منافق ہیں انہیں یہ سب نعمات الٰہی کیونکر میسر ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں ظاہراً تو ان کے لئے نعمات ہیں لیکن حقیقت میں خدا چاہتا ہے کہ اس طرح انہیں دنیاوی زندگی میں معذب کرے اور ان چیزوں سے بے انتہا دل بستگی کی وجہ سے وہ کفر اور بے ایمان کی حالت میں مرجائیں۔

درحقیقت وہ ان اموال واولاد (اقتصادی اور افرادی قوت) کے ذریعے دوراستوں سے معذب ہوں گے پہلا تو یہ کہ عام طور پر ایسے افراد کی اولاد غیر صالح ہوتی ہے اور مال بے برکت ہوتا ہے جو کہ دنیاوی زندگی میں ان کیلئے رنج والم کا باعث بنتے ہیں کیا یہ بات نہیں کہ شب وروز ایسی اولاد کیلئے کوشش کی جائے جو ننگ وعار اور پریشانی کا باعث ہے اور ایسے مال کی حفاظت میں جان جوکھوں میں ڈالی جائے جو گناہ کے راستے سے کمایا ہے دوسری طرف یہ لوگ چونکہ ان اموال اور اولاد سے لگاؤ رکھتے ہیں اور آخرت کی پرنعمت اور وسیع دنیا اور موت کے بعد کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے لہٰذا اس سب مال ومنال سے آنکھیں بند کر لینا ان کے لئے مشکل ہے یہاں تک کہ انہی چیزوں پر ایمان رکھ کر کفر کے ساتھ دنیا سے چلے جاتے ہیں اور سخت ترین حالت میں جان دیتے ہیں۔

مال واولاد اگر پاک اور صالح ہوں تو نعمت ہیں اور رفاہ وآسائش کا سبب ہیں اور اگر ناپاک اور غیر صالح ہوں تو رنج و تکلیف اور عذاب الیم ہیں۔

(۵۶) وَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ	وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو بے حد ڈرپوک ہیں۔
(۵۷) لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ	اگر انہیں کوئی پناہ گاہ یا غاریں یا کوئی زیر زمین راستہ مل جائے تو وہ اس کی طرف چل پڑیں حالانکہ وہ تیزی میں بھاگ کھڑے ہوں گے۔

تفسیر

منافقین بے حد ڈرپوک ہیں

مندرجہ بالا آیات میں منافقین کے اعمال اور حالات کے بارے میں ایک اور نشانی بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں اور نہ ہی کسی چیز میں تمہارے موافق ہیں بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو بے حد ڈرپوک ہیں اور شدت خوف ہی کے باعث اپنے کفر کو چھپاتے ہیں اور ایمان کا اظہار کرتے ہیں کہ کہیں گرفتار بلا نہ ہوجائیں۔

(۵۷) زیر نظر دوسری آیت میں مومنین سے ان کی شدید بغض عداوت اور نفرت کو مختصر سی عبارت میں لیکن رسا اور واضح انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ ایسے ہیں کہ اگر کوئی پناہ گاہ (مثلاً مستحکم قلعہ) انہیں مل جائے یا پہاڑوں کی غاروں تک جا

سکتے ہوں یا انہیں زیر زمین کوئی راستہ مل جائے تو جتنا جلدی ہو سکے اس کی طرف کھڑے ہوں تا کہ وہ تم سے دور ہو کر اپنے کینہ اور عداوت کو ظاہر کر سکیں۔

بہر حال یہ ایک واضح ترین اور نہایت عمدہ تعبیر ہے جو قرآن منافقین کے خوف و وحشت کے بارے میں یا ان کے بغض و نفرت کے سلسلے میں بیان کرتا ہے کہ اگر انہیں پہاڑوں یا زمین پر کوئی راہ فرار مل جائے تو خوف یا دشمنی کی وجہ سے تم سے دور ہو جائیں لیکن چونکہ ان کی قوم و قبیلہ اور مال و ثروت تمہارے علاقے میں ہے لہٰذا مجبور ہیں کہ خون جگر پی کر تم میں رہ جائیں۔

(۵۸) وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ‌ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَ اِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ	ان میں ایسے لوگ ہیں جو غنائم (کی تقسیم) کے بارے میں تم پر اعتراض کرتے ہیں اگر ان میں سے انہیں دے دیں تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہ دیں تو ناراض ہو جاتے ہیں (چاہے ان کا حق ہو یا نہ ہو)۔
(۵۹) وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗ ۙ وَ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ رَسُوۡلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوۡنَ ۚ	لیکن اگر وہ اس پر راضی ہوں کہ جو خدا اور اس کا رسول انہیں دیتا ہے اور کہیں کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل میں سے ہمیں بخشے گا اور ہم صرف اس کی رضا چاہتے ہیں (اگر ایسا کریں تو ان کے فائدے میں ہے)۔

شان نزول

تفسیر در منثور میں صحیح بخاری نسائی اور بعض دیگر محدثین سے نقل کیا گیا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کچھ غنائم یا ان جیسے اموال کو تقسیم میں مشغول تھے کہ قبیلہ بنی تمیم میں سے ایک شخص ذوالخویصرہ آ پہنچا اور بلند آواز سے پکار کر کہنے لگا یا رسول اکرم ﷺ عدل و انصاف سے کام لیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وائے ہو تجھ پر اگر میں عدالت نہ کروں تو پھر کون عدالت کرے گا۔

اس موقع پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اور اس قسم کے افراد کو نصیحت کی گئی۔

تفسیر

بے منطق و خود غرض افراد

مندرجہ بالا پہلی آیت میں منافقین کی ایک اور حالت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ وہ ہرگز اپنے حق پر راضی نہیں ہوتے ہیں جو شخص ان کی جیب بھر دے اس پر راضی ہیں اور جو شخص عدالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں دوسرے کا حق نہ دے تو اس سے

ناراض ہو جاتے ہیں۔لہٰذا فرمایا گیا ہے ان میں سے بعض صدقات کی تقسیم کے معاملے میں تم پر عیب لگاتے اوراعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے عدالت کو ملحوظ نظر نہیں رکھا۔لیکن حقیقت میں اس طرح ہے کہ وہ اپنے مفادات پر نظر رکھتے ہیں اگر انہیں کچھ حصہ دیا جائے تو راضی اور خوش ہیں اور تمہیں عدالت کرنے والا سمجھتے ہیں چاہے وہ استحقاق نہ رکھتے ہوں۔لیکن اگر کوئی چیز انہیں نہ دی جائے تو سیخ پا اور ناراض ہو جاتے ہیں اور تم پر بے عدالتی کی تہمت لگاتے ہیں۔

(۵۹) لیکن اگر وہ اپنے حق پر راضی ہو جائیں اور جو کچھ خدا اوراس کا پیغمبر انہیں دیتا ہے اس پر راضی رہیں اور کہیں کہ یہی ہمارے لئے کافی ہے اگر مزید ضرورت پڑی تو خدا اور پیغمبر اپنے فضل وکرم سے عنقریب ہم پر بخشش کریں گے ہم صرف اسی کی رضا چاہتے ہیں اوراس سے خواہش کرتے ہیں کہ ہمیں لوگوں کے مال سے بے نیاز کر دے اگر وہ ایسا کریں تو ان کے فائدے میں ہے۔

(۶۰) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ الۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡہَا وَ الۡمُؤَلَّفَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الۡغٰرِمِیۡنَ وَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ؕ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ	زکوٰۃ فقیروں' مسکینوں کے لئے اوران لوگوں کیلئے جواس کے جمع کرنے میں ہاتھ بٹاتے ہیں اوران افراد کے واسطے ہے جن کی تالیف قلوب کیلئے اقدام کیا جائے،غلاموں کی آزادی کیلئے اوراللہ (کے قوانین کی تقویت) کی راہ میں اور راستے میں رہ جانے والے مسافروں کیلئے ہے اور یہ ایک (اہم) خدائی فریضہ ہے اور خدادانا وحکیم ہے۔

تفسیر

مصارف زکوٰۃ اوراس کی تفصیلات

اس سلسلے میں تاریخ اسلام میں دو دور نمایاں دکھائی دیتے ہیں ایک مکہ کے قیام کا زمانہ جس میں رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کی توجہ افراد کی تعلیم وتربیت اور تبلیغ پر لگی ہوئی تھی۔

دوسرا دور مدینہ منورہ کا ہے جس میں رسول اکرمؐ نے حکومت اسلامی کی تشکیل اور تعلیمات اسلامی کو اس صالح حکومت کے ذریعے عملی صورت دینے اور جاری کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

اس میں شک نہیں کہ حکومت کی تشکیل کے وقت ایک ابتدائی اور نہایت ضروری مسئلہ بیت المال کی تشکیل ہے تاکہ اس کے ذریعے حکومت کی اقتصادی ضروریات پوری ہوتی رہیں اور یہ وہ بنیادی ضروریات ہیں جن کا ہر ایک حکومت کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس لئے سب سے پہلے کاموں میں سے ایک کام جو حضرت رسول اکرمؐ نے مدینہ منورہ میں کیا بیت المال کا قیام تھا جس کا ایک سرچشمہ زکوٰۃ تھی اور قول مشہور کے مطابق یہ حکم رسول اکرمؐ کی ہجرت کے دوسرے سال ہی نافذ ہوا۔

زیر بحث آیت جس کے بارے میں یہ تسلیم شدہ ہے کہ وہ زکوٰۃ حاصل کرنے کو واجب قرار دینے والی آیت کے بعد اتری ہے اگرچہ قرآن میں اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے زکوٰۃ کے مختلف مصارف بیان کرتی ہے۔

بہرحال مندرجہ بالا آیت واضح طور پر زکوٰۃ کے واقعی اور حقیقی مصارف بیان کرکے تمام بے جا توقعات کو ختم کررہی ہے اور ان مصارف کی آٹھ قسمیں مقرر کرتی ہے۔

1۔فقراء۔سب سے پہلے واضح کرتی ہے صدقات وزکوٰۃ فقیروں کیلئے ہیں۔

2۔مساکین۔

3۔عاملین زکوٰۃ جمع کرنے والے۔

یہ جماعت اس عملے اور کارکنوں کی ہے جو زکوٰۃ جمع کرتے اور اسلامی بیت المال کا انتظام وانصرام کرتے ہیں جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہ درحقیقت ان کی مزدوری ہے۔

4. مولفة قلوبهم یعنی وہ لوگ جن میں اسلام کی ترقی کیلئے کوئی مضبوط روحانی جذبہ نہیں ہے لیکن مالی تشویق کے ذریعے ان کی تالیف قلوب ہوسکتی ہے ان کی محبت حاصل کی جاسکتی ہے "والمولفة قلوبهن" کی مزید توضیح بعد میں آئے گی۔

5۔غلاموں کو آزاد کروانے کیلئے۔

6۔ایسے قرض داروں کے قرض کی ادائیگی جو کسی جرم وخطا کے بغیر قرض کے نیچے دبے ہوئے ہیں اور اسے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

7۔خدا کے راستے میں۔

جیسا کہ ہم مذکورہ آیت کے آخر میں اشارہ کریں گے اس سے مراد وہ تمام راستے ہیں جن سے دین الہٰی کو وسعت ملتی ہو اور تقویت ملتی ہو مثلاً جہاد اور تبلیغ وغیرہ۔

8۔وہ جو سفر میں محتاج ہوجائیں۔

یعنی ایسے مسافر جو کسی وجہ سے راستے میں رہ جائیں اور منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے حسب ضرورت زادراہ اور سواری نہ رکھتے ہوں اگرچہ وہ فقیر اور نادار نہ ہوں۔مگر وہ چوری، بیماری، یا مال گم ہونے یا کسی اور سبب سے اس حالت میں مبتلا ہوں اس قسم کے افراد کو زکوٰۃ سے اس قدر رقم دی جائے کہ وہ اطمینان سے منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔

آیت کے آخر میں تاکید کے عنوان سے گذشتہ مصارف کے بارے میں فرمایا گیا ہے یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ فریضہ انتہائی بچا تلا ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کی بہتری کیلئے جامع ہے کیونکہ خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

چند اہم نکات

۱۔فقیراور مسکین میں فرق

مفسرین میں اس امر کے متعلق اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ فقیر اور مسکین کا ایک ہی مفہوم ہے۔

۲۔کیا زکوٰۃ آٹھ حصوں میں برابر تقسیم کی جائے گی؟

بعض مفسرین اور فقہا کا یہ نظریہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال آٹھ حصوں میں مساوی تقسیم کیا جائے اور ہر ایک حصہ اپنے ہی مصرف میں خرچ کیا جائے مگر یہ کہ مال زکوٰۃ کی مقدار اتنی کم ہو کہ وہ آٹھ حصوں میں نہ بانٹا جا سکے لیکن فقہاء کی بہت بڑی اکثریت اس نظریہ کی حامی ہے کہ مندرجہ بالا آٹھ اصناف ایسی ہیں کہ جن میں زکوٰۃ کو صرف کیا جا سکتا ہے لیکن ان میں تقسیم کرنا واجب نہیں ہے۔

اس لئے فطرتاً اس کے مصرف کی کیفیت آٹھوں مصارف میں سے ایک طرف اجتماعی ضروریات سے وابستہ ہے اور دوسری طرف اسلامی حکومت کی فکر و نظر سے۔

۳۔زکوٰۃ کس وقت واجب ہوئی تھی؟

یہ معلوم ہوتا ہے کہ وجوب زکوٰۃ کا حکم مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور مسلمان اس اسلامی فرض کی بجا آوری کے پابند تھے لیکن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تو فطری طور پر بیت المال کے قیام کی ضرورت پڑی چنانچہ خداوند عالم کی طرف سے آپ کو حکم ملا کہ آپ مسلمانوں سے خود زکوٰۃ وصول کریں (نہ یہ کہ وہ خود اپنی رائے اور مرضی سے اسے صرف کریں

۴۔اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اثر

اس امر کے پیش نظر کہ اسلام صرف ایک اخلاقی یا فلسفی اور اعتقادی مکتب فکر کی صورت میں ظاہر نہیں ہوا بلکہ وہ ایک ایسے جامع دستور و آئین کے طور پر ظہور میں آیا ہے جس میں تمام مادی اور روحانی ضروریات کا خیال رکھا گیا ہے۔ نیز جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سے ہی حکومت کی بنیاد رکھی اسی طرح اسلام محروم لوگوں کی حمایت اور طبقاتی فاصلوں سے جنگ آزمائی پر خاص توجہ دیتا ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ بیت المال اور زکوٰۃ کی کس قدر اہمیت ہے کیونکہ زکوٰۃ بیت المال کی آمدنی کا ایک سرچشمہ ہے اور یہ اس سلسلے میں اہم ترین کردار ادا کرنے والے امور میں سے ہے اس میں شک نہیں کہ ہر معاشرے میں ایسے بیکار بیمار یتیم لاوارث اور محتاج و معذور افراد ہوتے ہیں جن کی امداد کرنا از بس ضروری ہے۔

نیز دشمن کے حملے کے وقت سرفروش مجاہدین کی ضرورت ہے جن کے اخراجات حکومت برداشت کرتی ہے اسی طرح اسلامی

حکومت کے ملازمین عدلیہ نشرو اشاعت کے وسیلوں اور دینی مراکز میں سے بھی ہر ایک کیلئے سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے جو منظّم اور اطمینان بخش مالی وسائل کے بغیر نہیں چل سکتے۔

اسی بنا پر اسلام میں زکوٰۃ جو مالی وسائل کی ایک قسم ہے اور جو آمدنی تولید مال اور منجمد دولت پر لاگو مالیات میں شمار ہوتی ہے۔ ایک خاص اہمیت کی حامل ہے یہاں تک کہ یہ اہم ترین عبادات کے ہم پلہ قرار پائی ہے اور بہت سے مواقع پر اس کا ذکر نماز کے ساتھ ہوا ہے۔

(٦١) وَ مِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَ يَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ‌ؕ قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ رَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ‌ؕ وَ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ	ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو پیغمبر کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ خوش باور اور ہمہ تن گوش ہیں کہہ دو کہ اس کا خوش فہم ہونا تمہارے فائدے میں ہے (لیکن جان لو) وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے اور (صرف) مومنین کی تصدیق کرتا ہے اور تم میں سے ان لوگوں کیلئے رحمت ہے جو ایمان لائے ہیں جو لوگ اللہ کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

شان نزول

آیت مذکورہ کی کئی ایک شان نزول بیان کی گئی ہیں جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ لوگ ایک دوسرے کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت رسول اکرم ﷺ کے متعلق نازیبا اور ناپسندیدہ باتیں کر رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا ایسا نہ کرو کیونکہ ہمیں یہ خوف ہے کہ کہیں یہ بات محمد ﷺ کے کان تک نہ پہنچ جائیں اور کہیں وہ ہمیں برا بھلا نہ کہے اور لوگوں کو ہمارے خلاف نہ ابھارے ان میں سے ایک نے جس کا نام جلاس تھا کہا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے ہم جو چاہیں گے کہیں گے اور اگر اس کے کانوں تک یہ بات پہنچ گئی تو ہم اس کے پاس جائیں گے اور انکار کر دیں گے اور وہ ہماری بات قبول کر لیں گے کیونکہ محمد (ﷺ) خوش باور اور قول کو تسلیم کرنے والا ہے اور جو شخص جو بات بھی کہے اسے قبول کر لیتا ہے اس وقت آیت بالا نازل ہوئی اور اس کے ذریعے انہیں جواب دیا گیا۔

تفسیر

یہ خوبی ہے عیب نہیں

اس آیت میں جیسا کہ اس کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے ایک یا کئی افراد کے بارے میں گفتگو ہے جو پیغمبر اکرم ﷺ کو

اپنی باتوں سے تکلیف پہنچاتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ خوش باور اور قول کا اعتبار کرنے والا ہے۔

وہ لوگ حقیقت میں رسول اکرم ﷺ کی ایک خوبی کو جس کا ایک رہبر میں ہونا نہایت ضروری ہے ایک برائی کے لباس میں پیش کرتے تھے اور وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ ایک محبوب رہبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ انتہائی لطف و محبت کا مظاہرہ کرے اور جہاں تک ممکن ہو لوگوں کے عذر اور معذرت کو قبول کرے اور ان کے عیب چھپائے۔

(۶۱) مگر وہاں نہیں جہاں اس کا برا اثر پڑے۔ اسی لئے قرآن اس کے فوراً بعد فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ اگر پیغمبر تمہاری باتوں کی طرف کان دھرتا ہے اور تمہارے عذر قبول کرتا ہے اور تمہارے گمان میں ہمہ تن گوش اور جلدی اعتماد کرنے والا ہے تو یہ بات تو تمہارے فائدے میں ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ تمہاری عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے اور تمہارے وقار کو ٹھیس نہیں لگاتا اور تمہارے خیالات و جذبات کو مجروح نہیں کرتا اور اس طریقے سے تمہارے محبت اتحاد اور وحدت کیلئے کوشاں ہے۔

کیونکہ اگر وہ فوراً پردہ اٹھا دیتا اور جھوٹوں کو ذلیل و رسوا کرتا تو تمہارے لئے بڑی کٹھن صورتحال ہوتی۔

اس کے بعد اس وجہ سے کہ عیب جوئی کرنے والے کہیں اس بات سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں اور اسے سند قرار نہ دے لیں یہ اضافہ فرماتا ہے وہ خدا اور اس کے احکامات پر ایمان رکھتا ہے اور سچے مومنوں کی باتوں پر کان دھرتا ہے انہیں قبول کرتا اور ان پر اقدام کرتا ہے۔

یعنی حقیقت میں پیغمبر دو قسم کے پروگرام رکھتے ہیں ایک ظاہر کی محافظت اور پردہ دری سے اجتناب اور دوسرا عمل کا مرحلہ پہلے مرحلے میں آپ ﷺ سب کی باتوں کو سنتے ہیں اور بظاہر انکار نہیں کرتے لیکن عمل کے مقام میں ان کی توجہ صرف احکامات خدا اور سچے مومنین کی تجاویز اور باتوں کی طرف ہوتی ہے اور حقیقت پسند قائد کو ایسا ہی ہونا چاہئے کیونکہ معاشرے کے مفادات کا تحفظ اس طریقے کے بغیر ممکن نہیں اس لئے خداوند عالم بلا فاصلہ فرماتا ہے وہ تم میں سے مومنین کیلئے رحمت ہے۔

اب یہاں پر ایک چیز باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ جو لوگ رسول اکرم ﷺ کو اپنی باتوں سے اذیت و تکلیف پہنچاتے ہیں اور ان کی عیب جوئی کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ سزا سے بچ جائیں گے یہ ٹھیک ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ ان کے بارے میں ایک ذمہ داری رکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ بزرگانہ اور فراخدلانہ برتاؤ کریں اور انہیں رسوا نہ کریں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے اعمال کی سزا نہ پائیں گے لہٰذا آیت کے آخر میں قرآن فرماتا ہے وہ لوگ جو رسول خدا کو اذیت و تکلیف پہنچاتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

(۶۲) يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ	وہ تمہارے سامنے خدا کی قسم کھاتے ہیں تاکہ تمہیں خوش رکھیں حالانکہ زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کو راضی کریں اگر (وہ سچ کہتے ہیں اور) ایمان رکھتے ہیں۔
(۶۳) اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ	کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص خدا اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کرے اس کیلئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا یہ ایک بڑی رسوائی ہے۔

شان نزول

بعض مفسرین کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ زیرنظر دونوں آیتیں گذشتہ آیت کی تکمیل کرتی ہیں اور یہ طبعاً اور فطرتاً اسی سلسلے میں نازل ہوئی ہیں لیکن مفسرین کی ایک اور جماعت نے ان دونوں آیات کے بارے میں ایک اور شان نزول نقل کی ہے اور وہ یہ کہ جب جنگ تبوک کی مخالفت کرنے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں تو منافقوں میں سے ایک نے کہا خدا کی قسم یہ لوگ ہمارے بزرگ اور اشراف ہیں اور جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے بارے میں کہتا ہے سچ ہے تو پھر یہ چوپایوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

جب یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اس منافق کو بلالانے کیلئے بھیجا اور اس سے پوچھا کہ تو نے یہ بات کیوں کہی ہے؟

تو اس نے قسم کھا کر کہا میں نے یہ بات نہیں کہی۔

وہ مرد مومن جو اس کے خلاف تھا اسی نے یہ بات جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہی تھی اس نے دعا کی خداوندا! تو خود سچے کی تصدیق اور جھوٹے کی تکذیب فرما۔

تفسیر

منافقین کی ایک کھلی نشانی

منافقین کی ایک اور کھلی نشانی اور عمل بد یہ ہے جس کی طرف قرآن اشارہ کر رہا ہے کہ وہ اپنی بدکرداری کو چھپانے کیلئے اپنی بہت سی کرتوتوں کا انکار کر دیتے ہیں اور چاہتے تھے کہ جھوٹ موٹ قسموں کے ذریعے لوگوں کو دھوکا دیتے رہیں اور انہیں اپنے آپ سے راضی رکھیں۔

مندرجہ بالا آیتوں میں ایک طرف قرآن اس برے عمل سے پردہ اٹھا کر ان کو ذلیل کرتا ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کو بتا دیتا

ہے کہ وہ ان کی جھوٹی قسموں میں نہ آئیں۔ پہلے کہتا ہے وہ تمہارے سامنے خدا کی قسم کھاتے ہیں تا کہ تمہیں خوش رکھیں۔

ظاہر ہے کہ ان قسموں سے ان کا مقصد حقیقت بیان کرنا نہیں ہے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ مکروفریب سے حقیقت کا چہرہ تمہاری نظروں میں مسخ کر دیں اور اپنا مقصد حاصل کرلیں اگران کا نصب العین اور مقصد یہ ہوتا کہ واقعاً سچے مومنین کو اپنے سے راضی کریں تو اس سے زیادہ ضروری یہ تھا کہ وہ خدا اور اس کے پیغمبر کو راضی کرلیں حالانکہ انہوں نے اپنے کردار اور عمل سے خدا اور سول کو سخت ناراض کیا ہے۔ لہٰذا قرآن کہتا ہے اگر وہ سچ کہتے ہیں اور ایماندار ہیں تو مناسب یہ ہے کہ وہ خدا اور پیغمبر کو راضی کریں۔

اس کے بعد کی آیت میں قرآن ایسے منافقوں کو سخت دھمکی دیتا ہے اور کہتا ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ جو خدا اور اس کے رسول کی مخالفت اور دشمنی کرے اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کے بعد تاکید کے طور پر فرماتا ہے یہ بڑی ذلت ورسوائی ہے۔

(۶۴) يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ سُوۡرَةٌ تُنَبِّئُهُمۡ بِمَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ‌ؕ قُلِ اسۡتَهۡزِءُوۡا‌ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ	منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی آیت ان کے خلاف نازل ہو جائے جو ان کے دلوں کے بھیدوں کی انہیں خبر دے دے کہہ دیجئے کہ استہزاء اور مذاق کرلو جس کا تمہیں ڈر ہے خدا اسے ظاہر کرے گا۔
(۶۵) وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَ نَلۡعَبُ‌ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَ رَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ	اگر تم ان سے پوچھو (کہ تم یہ برے کام کیوں کرتے ہو) تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مذاق کرتے ہیں۔ تو کہہ دو کہ کیا تم خدا، اس کی آیات اور اس کے پیغمبر کا مذاق اڑاتے ہو؟
(۶۶) لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ‌ؕ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ‌	(کہہ دو) معذرت نہ کرو (وہ فضول ہے اس لئے کہ) تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو (توبہ) کی وجہ سے معاف کر دیں تو دوسرے گروہ کو عذاب میں مبتلا کریں گے کیونکہ وہ مجرم تھے۔

شان نزول

مذکورہ بالا آیتوں کی مختلف شان نزول نقل ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ منافقوں کی ایک جماعت نے خفیہ میٹنگ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش کی ان کا منصوبہ یہ تھا کہ جنگ تبوک سے واپسی پر راستے کی ایک گھاٹی میں چپکے سے صورت بدل کر گھات میں رہیں گے اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی پر گزریں گے تو اونٹنی کو بد

کائیں گےاور سول اکرم ﷺ کوقتل کردیں گے خدانے اپنے پیغمبر کواس سازش کی اطلاع کردی۔

خداوندعالم نے اپنے پیغمبر ﷺ کواس واقعہ کی خبردی تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس گروہ کا راستہ بند کردیا جائے اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں بلایا اور لعنت ملامت کی اور فرمایا کہ تم نے لوگوں سے یہ یہ باتیں کی ہیں انہوں نے معافی مانگی کہ اس سے ہمارا کوئی خاص مقصد نہ تھا ہم تو مذاق کررہے تھے اور اس بات پرقسم کھائی۔

تفسیر

منافقین کا خطرناک پروگرام

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پیغمبر اکرم ﷺ کومنافقین کی سازشوں سے بچانے کیلئے بعض اوقات ان کے اسرار سے پردہ اٹھا دیتا تھا اوران سے مسلمانوں کی جماعت کوآ گاہ کردیتا تھا تا کہ وہ چوکنے ہوجائیں اوران کے دھوکے میں نہ آئیں اوروہ بھی اپنی حیثیت کی طرف متوجہ رہیں اوراپنے دست وپا سمیٹ کررکھیں اس وجہ سے منافق اکثر اوقات خوف زدہ اورحیران وپریشان رہتے تھے چنانچہ قرآن ان کی اس حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

منافق ڈرتے ہیں کہ ان کے خلاف کوئی ایسی سورت نازل نہ ہوجائے جواس سے انہیں مسلمانوں کوآ گاہ کردے۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وہ پھر بھی انتہائی دشمنی اورہٹ دھرمی کی وجہ سے پیغمبر ﷺ کے کاموں کا مذاق اڑانے سے باز نہیں آتے اورتمسخراڑانے کا سلسلہ ترک نہیں کرتے لہٰذا خدا اس آیت کے آخر میں اپنے پیغمبر سے فرماتا ہے ان سے کہہ دو کہ تم سے جتنا ہوسکے مذاق اڑاؤ لیکن جان لو کہ جس چیز کا تمہیں خوف ہے خدا اسے ظاہر کردے گا اور تمہیں ذلیل ورسوا کرکے رہے گا۔

(۶۵) خدا اس کے بعد میں آنے والی آیت میں منافقین کے ایک اور منصوبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اگران سے پوچھو کہ تم نے اس قسم کی غلط بات کیوں کی ہے اور اس قسم کی غلط حرکت کیوں کی ہے؟ تو کہتے ہیں کہ ہم تو دل لگی اورہنسی مذاق کرتے تھے اوراس سے ہماری کوئی غرض نہ تھی۔

اصل میں یہ ایک انوکھی راہ فرار تھی۔ سوچ سمجھ کرسازشیں کرتے تھی اور زہریلی باتیں اس ارادے سے کرتے کہ اگران کا راز ظاہر نہ ہوا اوران کا منحوس مقصد پورا ہوگیا تو اپنی ولی مراد پالیں گے اوراگر بھانڈا پھوٹ گیا تو اپنے آپ کوہنسی مذاق کے پردے میں چھپالیں گے اور جھوٹ موٹ بہانہ بازیاں کرکے رسول اکرم ﷺ اورلوگوں کی طرف سے سزا اور ردعمل سے بچ جائیں گے۔

اس زمانے کے منافق بلکہ ہرزمانے کے منافقوں کے منصوبے ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں اس طریقے سے وہ بہت سے فائدے اٹھاتے ہیں بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جن مقاصد کے وہ سختی سے پابند ہوتے ہیں انہیں عام مذاق اوردل لگی کے لباس میں پیش کرتے ہیں اگر اپنا مقصد پالیا تو کیا کہنے ورنہ مذاق اورخوش طبعی کے بہانے سزا کے چنگل سے بچ جاتے ہیں۔

لیکن قرآن انہیں یقینی سزا دینے کا اعلان کرتا ہے اور رسالت مآب ﷺ کوحکم دیتا ہے کہ ان سے کہہ دو کیا تم خدا اس کی آیتوں اوراس کے رسول کا مذاق اڑاتے ہو اوراس سے استہزاء اور دل لگی کرتے ہو۔ یعنی کیا ہر ایک سے مذاق کیا جاسکتا ہے یہاں تک

کہ خدا پیغمبراور آیات قرآن کے ساتھ بھی؟ کیا پختہ ترین اسلامی اصول بھی ہنسی مذاق کے لائق ہیں؟ کیا حضرت رسول اکرم ﷺ کی اونٹی کو بدکانا اور بھگانا اور اس خطرناک گھاٹی میں پیغمبر ﷺ کا گرنا ایسی چیزیں ہیں جن کو مذاق کے پردے میں چھپایا جا سکے؟

(٦٦) اس کے بعد خداوند عالم نے اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا ہے کہ منافقوں سے صراحت کے ساتھ کہہ دو کہ ان فضول اور جھوٹے حیلے بہانوں سے باز آجاؤ۔

کیونکہ تم نے ایمان کے بعد کفر کی راہ اختیار کر لی ہے۔

اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا گروہ شروع سے منافقوں کی صف میں نہ تھا بلکہ یہ لوگ کمزور ایمان رکھنے والوں کی صف میں تھے لیکن مندرجہ بالا واقعہ کے بعد انہوں نے کفر کا راستہ اختیار کر لیا۔

مندرجہ بالا جملے کی تفسیر میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ جماعت اس سے پہلے بھی منافقوں کی صف میں داخل تھی لیکن کیونکہ ان سے ظاہر بظاہر کوئی غلطی نہیں ہوئی تھی اس لئے پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ ان سے مومنوں کا سا سلوک کریں لیکن جب جنگ تبوک کے واقعہ کے بعد پردہ ہٹا اور ان کا کفر و نفاق ظاہر ہو گیا تو انہیں اس امر سے خبردار کیا گیا کہ تم آئندہ مومنین کی صف میں شمار نہ ہو گے آخر کار آیت کو اس جملے پر ختم کیا گیا ہے اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو بخش دیں تو دوسرے گروہ کو اس بنا پر کہ وہ مجرم ہے سزا دیں گے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ ہم ایک گروہ کو ان کے جرم و خطا کی پاداش میں سزا دیں گے یہ اس بات کی دلیل ہے ایسے لوگ قابل معافی ہیں جنہوں نے گناہ اور جرم کی نشانیوں کو توبہ کے پانی سے دھو ڈالا ہے۔

(٦٧) اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَ يَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ ؕ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ	منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی گروہ سے ہیں وہ برے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور اچھے کاموں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو (سخاوت و بخشش) سے باندھ لیتے ہیں انہوں نے خدا کو فراموش کر دیا ہے اور خدا نے ان کو بھلا دیا ہے یقیناً منافق فاسق ہیں۔
(٦٨) وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتِ وَ الۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ هِىَ حَسۡبُهُمۡ ۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ۙ	خدا نے منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں کیلئے جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لئے کافی ہے اور خدا نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان کیلئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔

(۶۹) كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ	(تم منافق لوگ) ان افراد کی طرح ہو جو تم سے پہلے تھے وہ تم سے زیادہ طاقت ور تھے اور مال اور اولاد کے لحاظ سے تم سے بڑھ چڑھ کر تھے انہوں نے (دنیا میں) ہوا و ہوس اور گناہ کے ذریعے اپنے حصے سے استفادہ کیا تم نے بھی (اسی طرح) اپنے حصے سے استفادہ کیا ہے جیسا کہ انہوں نے استفادہ کیا تھا تم (کفر نفاق اور مومنین کا مذاق اڑانے میں) مگن ہو جیسے وہ مگن تھے لیکن آخر کار ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ملیا میٹ ہو گئے اور وہ خسارے میں ہیں۔
(۷۰) اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ	کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے قوم نوح، عاد، ثمود اور ابراہیم کی قوم اور اصحاب مدین (قوم شعیب) اور وہ شہر جو تہ و بالا ہوئے تھے (قوم لوط) کہ جن کے پیغمبران کی طرف روشن اور واضح دلیلوں کے ساتھ آئے تھے۔ خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا۔

تفسیر

منافقوں کی پانچ نشانیاں

ان آیتوں میں بھی اسی طرح منافقین کے چال چلن اور نشانیوں کے بارے میں بحث ہے۔

پہلی زیر بحث آیت میں خداوند عالم ایک امر کلی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ کہ ہوسکتا ہے کہ نفاق کی روح مختلف شکلوں میں ظاہر ہو اور مختلف چہروں میں دکھائی دے ہوسکتا ہے شروع شروع میں متوجہ نہ کرے خاص طور پر ہوسکتا ہے کہ روح نفاق کا اظہار ایک مرد کی نسبت ایک عورت میں مختلف طرح سے ہو لیکن نفاق کے سروں کے تغیر و تبدل سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے بلکہ غور و فکر کرنے سے بخوبی یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ وہ سارے صفات کے ایک ہی سلسلے میں جو ان کی قدر مشترک سمجھی جاتی ہے شریک ہیں اس لئے قرآن کہتا ہے منافق مرد اور منافق عورتیں ایک ہی قماش کے ہیں۔ اس کے بعد ان کی پانچ صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

پہلی اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو برائیوں پر ابھارتے ہیں اور نیکیوں سے روکتے ہیں۔ یعنی بالکل سچے مومنین

کے طریقے کے الٹ جو ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے طریقے سے معاشرے کی اصلاح اور اسے نجاست اور گناہ سے پاک کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں منافق ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہر جگہ پر فساد پھیل جائے اور معروف اور نیکی معاشرے سے ختم ہو جائے تا کہ وہ اس قسم کے ماحول میں اپنے برے مقصد بہتر طریقے سے حاصل کر سکیں۔

تیسری صفت یہ ہے کہ وہ دینے والا ہاتھ نہیں رکھتے بلکہ اپنے ہاتھوں کو باندھے ہوئے ہیں نہ وہ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور نہ محروم اور بے کس لوگوں کی مدد کیلئے آگے بڑھتے ہیں یہاں تک کہ ان کے رشتہ دار اور دوست آشنا بھی ان کی مالی مدد سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔

واضح ہے چونکہ وہ آخرت پر اور انفاق کے نتیجے اور جزا پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے مال خرچ کرنے میں بہت ہی بخیل ہیں۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ ان کے تمام کام گفتار اور کردار بتاتے ہیں کہ وہ خدا کو بھول چکے ہیں نیز ان کے طرز زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے بھی ان کو اپنی برکات توفیقات اور نعمات سے فراموش کر دیا ہے اور ان دونوں فراموشیوں کے آثار ان کی زندگی سے آشکار ہیں۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ یہ منافق لوگ فاسق ہیں اور اطاعت خداوندی کے دائرے سے خارج ہیں۔

جو کچھ مندرجہ بالا آیت میں منافقین کی مشترکہ صفات کے بارے میں کہا جا چکا ہے وہ ہر زمانے میں دیکھا جاتا ہے

(٦٨) آیت میں ان کی سخت اور دردناک سزا اس مختصر سے جملے میں بیان کی گئی ہے خدا منافق مردوں منافق عورتوں تمام کافروں اور بے ایمان افراد کیلئے جہنم کی آگ کا وعدہ کرتا ہے۔

وہ جلانے والی آگ کہ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اور یہی ایک سزا جو طرح طرح کے عذاب لئے ہوئے ہے ان کیلئے کافی ہے۔ دوسرے لفظوں میں انہیں کسی اور سزا کی ضرورت نہیں کیونکہ جہنم میں ہر قسم کا جسمانی اور روحانی عذاب موجود ہے۔

اور آیت کے آخر میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ خدا نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور ہمیشہ کا عذاب ان کے نصیب میں ہے۔

بلکہ یہ خدا سے دوری خود عظیم ترین عذاب اور دردناک ترین سزا شمار ہوتی ہے۔

(٦٩) تاریخ کا ذکر اور درس عبرت

اس آیت میں منافقین کی جماعت کو بیدار کرنے کیلئے ان کے چہرے کے سامنے تاریخ کا آئینہ رکھ دیا گیا ہے اور ان کی زندگی کا گذشتہ باغی منافقوں سے مقابلہ اور موازنہ کر کے موثر درس عبرت دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ تم گذشتہ منافقوں کی طرح ہو اور اسی برے راستے اور بدسرنوشت کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ انہی لوگوں کی طرح جو قوت و طاقت میں تم سے زیادہ اور مال و دولت کی

رو سے تم سے بہت آگے تھے۔دنیا میں وہ اپنے حصہ میں سے شہوات نفسانی گندگی گناہ فتنہ وفساد اور تباہ کاریوں سے بہرہ ور ہوئے تم بھی جو اس امت کے منافق ہو گزرے ہوئے منافقین کیطرح ہی حصہ دار ہو۔

تم کفر ونفاق میں اور مومنین کا مذاق اڑانے میں مگن ہو جیسا کہ ان امور میں وہ لوگ ڈوبے ہوئے تھے۔آخر میں عہد پیغمبر ﷺ کے منافقوں اور دنیا کے سب منافقوں کو بیدار کرنے کیلئے گزرے ہوئے منافقین کا انجام دو جملوں میں بیان کیا گیا ہے۔

پہلا یہ کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کے دنیا وآخرت میں سب اعمال تباہ وبرباد ہوئے ہیں اور برباد ہوں گے اور انہیں اس کا کوئی مثبت نتیجہ نہیں ملے گا۔

دوسرا یہ کہ وہ اصلی اور حقیقی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

ممکن ہے کہ وہ اپنے منافقانہ عمل سے وقتی اور عارضی محدود فائدے حاصل کریں لیکن اگر ہم صحیح طور پر توجہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ اس طریقے سے نہ دنیا میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ آخرت میں انہیں کوئی فائدہ ہوگا

(۷۰)اس کے بعد خداوند عالم پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف بات کا رخ موڑتے ہوئے استفہام انکاری کے طور پر یوں فرماتا ہے۔

کیا منافقوں کا یہ گروہ گذشتہ امتوں قوم نوح عاد ثمود اور قوم ابراہیم اور اصحاب مدین قوم شعیب اور قوم لوط کے ویران و برباد شہروں کے حال سے باخبر نہیں ہے۔

یہ وہ دل دہلا دینے والے واقعات وحوادث ہیں جن کا مطالعہ اور آگاہی ہر اس انسان کو جو ذرا سا بھی احساس رکھتا ہے جھنجھوڑ کر روک دیتے ہیں۔

اگرچہ خدا نے کبھی بھی انہیں اپنے لطف وکرم سے محروم نہیں رکھا اور ان کے نبیوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ ان کی ہدایت کیلئے بھیجا۔انہوں نے ان خدا رسیدہ بزرگوں کے کسی موعظہ اور نصیحت پر کان نہ دھرے اور مخلوق خدا کی نصیحت وہدایت کی راہ میں ان کی ناقابل برداشت تکلیفوں کو ذرہ برابر اہمیت نہ دی اس بناء پر خدا نے کبھی ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم وجور روا رکھا۔

(۷۱) وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ	ایماندار مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ولی (اور مددگار) ہیں وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں خدا عنقریب ان پر رحمت کرے گا بے شک خدا توانا وحکیم ہے۔

(۷۲)وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۧ	خدا نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے جنت کے باغوں کا وعدہ کیا ہوا ہے جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان ہی میں رہیں گے اورعدن کی جنتوں میں (ان کیلئے) پاکیزہ مکانات ہیں اور خدا کی رضا اور خوشنودی ان سب سے برتر و بہتر ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر

سچے مومنون کی نشانیاں

گذشتہ آیتوں میں منافق مردوں اور عورتوں کی مشترکہ علامتیں بیان کی گئی تھیں جن کا خلاصہ پانچ حصوں میں ہوتا ہے

1۔ بری چیزوں کاحکم دینا　　　　2۔اچھی چیزوں سے روکنا

3۔کنجوسی اوربخیلی　　　　4۔خدا کو بھول جانا

5۔حکم خدا کی نافرمانی

ان آیات میں مومن مردوں اور عورتوں کی نشانیاں بتائی گئی ہیں اور وہ بھی پانچ حصوں ہی میں ہیں اور بالکل منافقوں کی صفات کے مقابلے میں ہیں آیت یہاں سے شروع ہوتی ہے۔

ایماندار مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے دوست ولی یاور اور مددگار ہیں۔

خداوند عالم اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد مومنین کی صفات کی جزئیات کی تشریح کرتا ہے۔

1۔ پہلے فرماتا ہے وہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں۔

2۔لوگوں کو بدی برائی اور گناہ سے روکتے ہیں۔

3۔ وہ منافقوں کے برخلاف جنہوں نے خدا کو بھلا رکھا تھا نماز قائم کرتے ہیں اور خدا کو یاد کرتے ہیں اور اس کی عبادت اور ذکر سے دل کو روشن اور عقل کو بیدار اور خبردار کئے ہوئے ہیں۔

4۔ وہ منافقوں کے برخلاف جو کنجوس اور بخیل لوگ تھے اپنے مال کا ایک حصہ راہ خدا میں اور خلق خدا کی فلاح و بہبود اور معاشرے کی تشکیل نو کیلئے خرچ کرتے ہیں۔

5۔منافق فاسق اور سرکش ہیں اور خداوند عالم کے حکم کی پیروی نہیں کرتے لیکن مومن خدا اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں۔

اس آیت کی آخر میں خداوند عالم نتیجے اور بدلے کے طور پر مومنوں کے پہلے امتیاز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے

خداعنقریب ان پر اپنی رحمت نازل کرے گا۔

بے شک مومنین سے خدا کا وعدہ رحمت یقینی اور اطمینان بخش ہے کیونکہ وہ قدرت رکھتا ہے اور دانا وحکیم بھی ہے نہ وہ کسی سبب کے بغیر وعدہ کرتا ہے اور نہ ہی جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے پورا کرنے سے عاجز ہے۔

(۷۲)اس آیت خدا کی اس وسیع رحمت کے ایک حصہ کی جو ایماندار لوگوں کیلئے ہے تشریح کرتی ہے اس میں اس رحمت کے مادی اور روحانی دونوں پہلوؤں کا تذکرہ ہے شروع میں فرمایا گیا ہے خدا ایماندار مردوں اور عورتوں سے ایسے بہشت کے باغوں کا وعدہ کرتا ہے جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔اس عظیم نعمت کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ زوال فنا اور جدائی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ ہمیشہ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ان پر اللہ کا دوسرا احسان یہ ہوگا کہ خدا انہیں بہشت عدن کے مرکز میں پاکیزہ مسکن اور شاندار مکان عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد خداوند عالم ان کی روحانی نعمتوں اور جزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے خدا کی رضا اور خوشنودی جو ان سچے مومنوں کو نصیب ہوگی سب سے برتر اور عظیم ہے۔

کوئی شخص اس روحانی لذت اور خوشی کے احساس کی جسے ایک انسان خدا کی رضا کی طرف متوجہ ہونے سے پاتا ہے تعریف وتوصیف نہیں کرسکتا بعض مفسرین کے قول کے مطابق اس روحانی لذات کا ایک گوشہ سب بہشتوں اور ان کی گونا گوں نعمتوں اور بے پایاں آسائشوں سے برتر اور بالاتر ہے البتہ ہم اس دنیا کے قفس میں اور اس کی محدود زندگی میں اس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتے چہ جائیکہ اس عظیم روحانی اور معنوی نعمت کو سمجھ سکیں۔

آیت کے آخر میں تمام مادی اور روحانی نعمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

(۷۳) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ	اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کرو ان پر سختی کرو ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور ان کا (انجام اور) ٹھکانا برا ہے۔

تفسیر

کافروں اور منافقوں سے جنگ

آخر کار اس آیت میں کافروں اور منافقوں کے مقابلے میں شدت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے اے پیغمبر! کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کرو۔اور ان کے مقابلے میں سخت اور شدید طریقہ اختیار کرو۔یہ تو ان کی دنیاوی سزا ہے اور آخرت میں ان کے رہنے کی جگہ دوزخ ہے جو بدترین انجام اور برا ٹھکانا ہے۔

البتہ کافروں کے مقابلے میں جہاد کا طور طریقہ تو بالکل واضح ہے اور وہ ہر پہلو سے جہاد ہے خصوصا مسلح جہاد لیکن منافقوں

سے جہاد کے طریقہ میں اختلاف ہے کیونکہ یہ بات مسلّم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقوں سے مسلح جہاد نہیں کرتے تھے کیونکہ منافق وہ شخص ہے جو ظاہری طور پر مسلمانوں کی صف میں ہو اور بظاہر تمام آثار اسلام کا پابند ہو اگر چہ باطنی طور پر اسلامی احکام کی خلاف ورزی کرتا ہو چنانچہ ہم بہت سے لوگوں کو جانتے ہیں کہ وہ ایمان حقیقی نہیں رکھتے لیکن کیونکہ وہ خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اس لئے ہم ان سے غیر مسلموں کا سا برتاؤ نہیں کر سکتے بنا بریں جس طرح اسلامی روایات اور مفسرین کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے منافقوں سے جہاد کرنے سے مراد اور طرح کی جنگ ہے جو مسلح جنگ کے علاوہ ہے مثلاً مذمت سرزنش تہدید اور انہیں رسوا کرنا شاید "و اغلظ علیهم" اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۷۴) يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ	منافق خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (پیغمبرؐ کے پس پشت) انہوں نے (تکلیف دہ) باتیں نہیں کیں حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر آمیز باتیں کی ہیں اور اسلام لانے کے بعد وہ کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے (ایک خطرناک کام کا) پکا ارادہ کیا تھا جسے وہ نہ کر سکے وہ صرف اس بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ خدا اور اس کے رسول نے صرف اپنے فضل (اور کرم) سے بے نیاز کر دیا ہے (اس کے باوجود بھی) اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کیلئے بہتر ہے اور اگر وہ منہ موڑتے ہیں تو خدا انہیں دنیا و آخرت میں دردناک سزا دے گا اور وہ روئے زمین پر نہ کوئی ولی و حامی رکھتے ہیں اور نہ ہی یار و مددگار۔

شان نزول

اس آیت کی شان نزول کے بارے میں مختلف روایتیں نقل ہوئی ہیں جو سب یہ ظاہر کرتی ہیں کہ بعض منافقوں نے اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تکلیف دہ باتیں کی تھیں اور اپنے راز فاش ہونے کے بعد انہوں نے جھوٹی قسمیں کھائی تھیں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا غرض انہوں نے اسلام کے خلاف جو سکیم بنائی تھی وہ ناکام ہو گئی ان کی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ منافقوں میں سے جلاس نامی ایک شخص نے جنگ تبوک کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض خطبے سن کر ان کا سختی سے انکار کر دیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا تھا۔

تفسیر

خطرناک سازش

اس آیت کا گزشتہ آیات کے ساتھ تعلق بخوبی واضح ہے کیونکہ یہ سب آیتیں منافقوں کے بارے میں ہیں اس آیت میں ان کے ایک اور عمل سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے راز فاش ہورہے ہیں تو واقعات کا انکار کردیتے ہیں یہاں تک کہ اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کیلئے جھوٹی قسمیں بھی کھا لیتے ہیں۔

پہلے خدا فرماتا ہے منافقین قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے اس قسم کی باتیں پیغمبرؐ کے بارے میں نہیں کہیں۔ حالانکہ انہوں نے یقینی طور پر کفر آمیز باتیں کی ہیں۔ اس طرح انہوں نے اسلام قبول کرنے اور اس کا اظہار کرنے کے بعد کفر کا راستہ اختیار کیا۔ البتہ وہ پہلے بھی مسلمان نہیں تھے کہ اب کافر ہوگئے ہیں بلکہ وہ صرف ظاہری طور پر ہی مسلمان تھے جسے انہوں نے کفر کا اظہار کرکے توڑ ڈالا اس ظاہری اور دکھلاوے کے اسلام کو بھی انہوں نے کفر کا اظہار کرکے درہم برہم کردیا ہے اس سے بھی بڑھ کر وہ خطرناک ارادہ لئے ہوئے تھے جن تک وہ نہیں پہنچ سکے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ مختلف حوادث میں مسلمانوں کی تیاری اور بیداری کے سبب منافق اور ان کے منصوبے پہچانے جاتے تھے مسلمان ہمیشہ ان کی تاک میں لگے رہتے تھے تاکہ ان سے کوئی بات سنیں اور اس کی پیش بندی اور ضروری کاروائی کیلئے حضورؐ کی خدمت میں عرض کردیں۔ یہ بیداری اور برمحل اقدامات اور ان کے ساتھ ساتھ نزول آیات اور خدا کی تصدیق منافقوں کی رسوائی اور ان کی سازشوں کی ناکامی کا سبب بنتی تھی۔

بعد والے جملہ میں اس لئے کہ منافقوں کے کرتوت اور نمک حرامی کا گھٹیا پن اور برائی پوری طرح واضح ہوجائے مزید فرمایا گیا ہے ہے اصل میں انہوں نے پیغمبر سے کوئی غلط کام نہیں دیکھا تھا نہ اسلام نے انہیں کوئی نقصان پہنچایا تھا بلکہ اس کے برعکس وہ حکومت اسلامی کے سائے میں طرح طرح کی مادی اور روحانی نعمتوں سے بہرہ ور ہورہے تھے۔ اس بنا پر وہ اصل میں ان نعمتوں کا انتقام لے رہے تھے جو خدا اور اس کے پیغمبر نے اپنے فضل وکرم سے انہں استغناء کی حد تک دی تھی۔

اس کے بعد جیسا کہ قرآن کی سورت ہے لوٹ آنے کا راستہ ان کے لئے کھلا رکھتے ہوئے کہتا ہے اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے لئے بہتر ہے۔

یہ اسلام کی حقیت بنی تربیت کے اہتمام اور ہر قسم کی سختی اور نامناسب سلوک کے خلاف جنگ کی نشانی ہے یہاں تک کہ ان منافقوں کیلئے جنہوں نے رسول اکرمؐ کو ختم کرنے کی کوشش کی اور کفر آمیز باتیں کیں اور تکلیف دہ توہین کی نہ صرف صلح اور توبہ کی راہ کھلی رکھی ہے بلکہ انہیں توبہ کی دعوت دے رہا ہے یہ اصل میں اسلام کا حقیقی چہرہ ہے لیکن وہ لوگ کتنے ظالم ہیں جو اسلام کے اس خوبصورت اور حقیقی چہرے کا تعارف دباؤ اور سختی کے دین کے ساتھ کراتے ہیں۔

اس کے باوجود اس بنا پر کہ کہیں وہ لوگ اس نرمی کو کمزوری پر محمول نہ کریں انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ اپنی روش سے باز نہ

آئے اور توبہ سے منہ پھیر لیا تو خدا انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک سزا دے گا۔

اگر وہ یہ سوچتے ہیں کہ ہوسکتا ہے خدا کی سزا کے مقابلے میں کوئی ان کی مدد کرے گا تو وہ انتہائی غلطی پر ہیں کیونکہ وہ روئے زمین پر کسی کو اپنا ولی سرپرست اور یار و مددگار نہ پائیں گے۔

(۷۵) وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ	ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے وعدہ کیا ہے کہ اگر خدا ہمیں اپنے فضل و کرم سے رزق دے تو ہم یقیناً صدقہ دیں گے اور شکر گذاروں میں سے ہوں گے۔
(۷۶) فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَ تَوَلَّوا وَّ هُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ	لیکن جب اس نے اپنے فضل سے انہیں بخش دیا تو انہوں نے بخل کیا اور نافرمانی کی اور وہ روگرداں ہوگئے۔
(۷۷) فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ	اس عمل نے ان کے دلوں میں نفاق (کی روح) کو اس دن تک کیلئے جب وہ خدا کے سامنے ہوں گے باقی رکھا کیونکہ انہوں نے خدا سے کئے ہوئے وعدے سے انحراف کیا اور وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔
(۷۸) اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَ نَجۡوٰهُمۡ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ۚ	کیا وہ نہیں جانتے کہ خدا ان کے بھیدوں اور سرگوشیوں کو جانتا ہے بے شک خدا سب چھپی ہوئی باتوں سے آگاہ ہے۔

شان نزول

مفسرین میں مشہور ہے کہ یہ آیتیں ایک انصاری ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئیں وہ ایک غریب آدمی تھا روزانہ مسجد میں آیا کرتا تھا اس کا اصرار تھا کہ رسول اکرم ﷺ دعا فرمائیں کہ خدا اس کو مالا مال کر دے حضور ﷺ نے اس سے فرمایا۔

"قلیل تودی شکرہ خیر من کثیر لا تطیقه" (مال کی تھوڑی مقدار جس کا تو شکر ادا کر سکے اس مال کی کثرت سے بہتر ہے جس کا تو شکرانہ ادا نہ کر سکے کیا یہ بہتر نہیں کہ تو خدا کے پیغمبر ﷺ کی پیروی کرے اور سادہ زندگی بسر کرے)۔

لیکن ثعلبہ مطالبہ کرتا رہا اور آخر کار اس نے پیغمبر اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میں آپ ﷺ کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر خدا نے مجھے دولت عطا فرمائی تو میں اس کے تمام حقوق ادا کروں گا

چنانچہ آپ ﷺ نے اس کیلئے دعا فرمائی۔

ایک مدت کے بعد رسول اکرم ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے والے خادم کو اس کے پاس زکوٰۃ لینے کیلئے بھیجا لیکن اس کم ظرف کنجوس نے نہ صرف خدائی حق کی ادائیگی میں پس وپیش کیا بلکہ شرع مقدس پر بھی اعتراض کیا اور کہا کہ یہ حکم جزیہ کی طرح ہے یعنی ہم اس لئے مسلمان ہوئے تھے کہ جزیہ دینے سے بچ جائیں۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے اس کی باتیں سنیں تو فرمایا: "یا ویح ثعلبه" ہلاکت ہو ثعلبہ پر

اس وقت مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔

تفسیر

منافق کم ظرف ہوتے ہیں

دراصل یہ آیتیں منافقوں کی ایک بری صفت کی نشاندہی کرتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ وہ بے بس ناتواں اور فقر و پریشانی کے وقت تو اس طرح ایمان کا دم بھرتے ہیں کہ کوئی شخص یہ باور ہی نہیں کرسکتا کہ وہ کسی دن منافقوں کی صف میں جا کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ وہ ان لوگوں کو جو وسیع ذرائع آمدنی اور وسائل رکھتے ہیں اس بات پر مذمت کرتے ہیں کہ وہ اپنی وسائل سے محروم لوگوں کو کیوں فائدہ نہیں پہنچاتے لیکن جب وہ خود صاحب ثروت ہو جاتے ہیں تو اپنے ہاتھ سمیٹ لیتے ہیں اور دنیا پرستی میں ایسے ڈوب جاتے ہیں کہ خدا کے ساتھ کئے ہوئے سب وعدوں کو بھول جاتے ہیں۔

پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے بعض منافقین ایسے ہیں جنہوں نے خدا کے ساتھ عہد و پیمان باندھا کہ اگر وہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں کچھ عطا فرمائے گا تو ہم یقیناً ضرورت مندوں کی مدد کریں گے اور نیکوں میں سے ہو جائیں گے۔

(۷۶) لیکن یہ باتیں وہ اس زمانے میں کیا کرتے تھے جب ان کا ہاتھ خالی تھا مگر جس وقت خدا نے اپنے فضل، وکرم سے انہیں مالا مال کر دیا تو انہوں نے بخل کیا اور نافرماں اور روگرداں ہوگئے۔

(۷۷) اس پیمان شکنی اور بخل کا یہ نتیجہ نکلا کہ روح نفاق دائمی طور پر مضبوطی کیے ساتھ ان کے دل میں راسخ ہوگئی اور اب وہ تا قیامت اور اس وقت تک جب وہ خدا سے ملیں گے باقی رہے گی۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے جو وعدہ خداوند عالم سے کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اس لئے کہ ہمیشہ جھوٹ بولتے رہے۔

(۷۸) آخر میں ان کی مذمت کو سرزنش کے طور پر کہا گیا ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ خدا ان کے بھیدوں کو جانتا ہے اور ان کی سرگوشیوں کو سنتا ہے اور وہ خدا سب غائب اور چھپے ہوئے امور کو جانتا ہے۔

(۷۹)اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ فَيَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ‌ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ	جولوگ عبادت گزار مومنین کے صدقات کی عیب جوئی کرتے ہیں اوران کا تمسخراڑاتے ہیں جوتھوڑی سی مقدار سے زیادہ کی دسترس نہیں رکھتے خدا ان کا مذاق اڑاتا ہے اوران کے لئے دردناک عذاب ہے۔
(۸۰) اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ‌ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ‌ؕ ذٰ لِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ‌ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ	ان کیلئے استغفار کرو یا نہ کرو (یہاں تک کہ) اگران کیلئے ستر مرتبہ بھی استغفار کروتو خدا انہیں ہرگز نہیں بخشے گا کیونکہ انہوں نے اللہ اوراس کے رسول کا انکار کیا ہے اوراللہ فاسقوں کے گروہ کو ہدایت نہیں کرے گا۔

شان نزول

ان آیات کی شان نزول کے ضمن میں حدیث اورتفسیر کی کتابوں میں روایات نقل ہوئی ہیں ان تمام روایات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کررکھا تھا کہ دشمن کے مقابلے کیلئے احتمالاً جنگ تبوک کیلئے لشکر اسلام کو تیار کریں اس لئے آپ کولوگوں کے تعاون کی ضرورت تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نظریئے کا اظہار کیا تو جو لوگ توانائی رکھتے تھے انہوں نے زکوٰۃ یا بلاعوض مدد کے طور پر لشکر اسلام کی قابل قدر خدمت کی۔

جومسلمان مزدور پیشہ تھے ان کی آمدنی تھوڑی تھی۔ان میں سے ابوعقیل انصاری یا سالم بن عمیر انصاری نے رات کے وقت کنوئیں سے پانی نکال کر اضافی طور پر مزدوری کی اوراس طرح دو من کھجوریں جمع کیں ان میں سے ایک من اپنے گھر والوں کیلئے رکھ دیں اورایک من خدمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے آئے۔اس طرح انہوں نے ایک عظیم اسلامی مقصد کیلئے بظاہر معمولی سی خدمت انجام دی اسی طرح اورمزدور پیشہ مسلمانوں نے لشکر اسلام کی خدمت کی۔

عیب جومنافقین ان دونوں گروہوں پر اعتراض کرتے تھے جن لوگوں نے زیادہ خدمت کی تھی انہیں ریاکار کہتے تھے اورجنہوں نے ظاہر تھوڑی مدد کی تھی ان کا تمسخراڑاتے تھے کہ کیا لشکر اسلام کو اس قسم کی مدد کی ضرورت ہے؟

اس پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اورانہیں سخت دھمکی دی گئی اورعذاب الٰہی سے ڈرایا گیا۔

تفسیر

منافقین کی ایک صفت عیب جوئی کرنا

ان آیات میں منافقین کی ایک اور عمومی صفت کی طرف اشارہ ہوا وہ یہ کہ وہ ہٹ دھرم بہانہ جو معترض اور کام بگاڑنے والے ہوتے ہیں غیر مناسب جوڑ توڑ سے ہر مثبت کام کی تحقیر کرتے ہیں اور اسے برا کر کے پیش کرتے ہیں

قرآن مجید شدت سے ان کی اس غیر انسانی روش کی مذمت کرتا ہے اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرتا ہے تاکہ لوگ ایسی بد گمانیوں کا شکار نہ ہوں اور منافقین کو بھی معلوم ہو جائے کہ اسلامی معاشرے میں ان کی سازشیں رنگ نہیں لاسکتیں۔

''ارشاد ہوتا ہے وہ جو نیک مومنین کے صدقات اور صدق دل سے کی گئی امداد میں سب عیب ڈھونڈ ھتے ہیں اور خصوصاً جو ان نادار اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں جو تھوڑی سی مدد کے علاوہ طاقت نہیں رکھتے خدا ان کا مذاق اڑاتا ہے اور دردناک عذاب ان کے انتظار میں ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق کچھ لوگوں کی عیب جوئی کرتے تھے اور کچھ کا مذاق اڑاتے تھے واضح ہے مذاق ان افراد کا اڑاتے تھے کہ جو لشکر اسلام کی صرف تھوڑی سی امداد کی طاقت رکھتے تھے اور یقیناً عیب جوئی ان افراد کی کرتے تھے جو ان کے برعکس بہت زیادہ امداد کرتے تھے زیادہ امداد کرنے والوں کو ریاکاری کا الزام دیتے تھے اور کم امداد کر سکنے والوں کی تحقیر کرتے تھے۔

(۸۰) اس آیت میں ان منافقین کی سزا کے بارے میں بہت تاکید آئی ہے اور انہیں آخری وارننگ دی گئی ہے روئے سخن پیغمبر ﷺ کی طرف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو یہاں تک کہ ستر مرتبہ بھی ان کیلئے استغفار اور طلب بخشش کرو تو بھی خدا انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔

کیونکہ انہوں نے خدا اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور کفر کی راہ اختیار کی ہے اور اسی کفر نے انہیں نفاق کی پستی اور برے انجام سے دوچار کیا ہے۔ اور واضح ہے کہ خدا کی ہدایت ایسے لوگوں کو میسر آئے گی جو حق طلبی کی راہ میں قدم اٹھاتے ہیں اور حقیقت کے متلاشی ہیں لیکن خدا فاسق گنہگار اور منافق افراد کو ہدایت نہیں کرتا۔

کام کی اہمیت کیفیت سے ہے کمیت سے نہیں

آیات قرآنی کو دیکھتے ہوئے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلام کسی مقام پر بھی کثرت عمل پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ اس نے ہر جگہ کیفیت عمل کو اہمیت دی ہے

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ ایک صحیح اسلامی معاشرے میں مشکلات کے وقت سب لوگوں کو احساس ذمہ داری کا ثبوت دینا چاہئے ان مواقع پر صرف اہل اقتدار و ثروت کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے کیونکہ اسلام کا تعلق سب سے ہے اور سب کو

چاہئے کہ اسکی حفاظت کیلئے دل وجان سے کوشش کریں۔

اہم بات یہ ہے کہ ہرشخص اپنی طاقت کے حساب سے دریغ نہ کرے مسئلہ زیادہ اور کم کا نہیں بلکہ احساس ذمہ داری اور اخلاص کا ہے۔

(۸۱)فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ	(جنگ تبوک سے) کنارہ کشی کرنے والے جو رسول خدا کی مخالفت سے خوش ہیں اور وہ راہ خدا میں اپنے اموال اور جان سے جہاد کرنے کو ناپسند کرتے تھے (اور ایک دوسرے سے اور مومنین سے) کہتے ہیں کہ اس موسم گرما میں (میدان کی طرف) حرکت نہ کریں انہیں کہہ دو کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے اگر تم میں سمجھ ہے۔
(۸۲) فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	انہیں چاہئے کہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں یہ ان کارکردگیوں کی جزا ہے جو وہ کرتے تھے۔
(۸۳) فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ	جب اللہ تجھے ان کے کسی گروہ کی طرف پلٹائے اور وہ تجھ سے (میدان جہاد کی طرف) خروج کی اجازت چاہیں تو ان سے کہہ دو کہ تم کبھی میرے ساتھ خروج نہیں کرو گے اور میری معیت میں کبھی دشمن کے ساتھ جنگ نہیں کرو گے کیونکہ گھروں میں بیٹھ رہنے پر تم پہلے ہی راضی ہو چکے ہو پھر اب بھی منہ موڑنے والوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھ جاؤ۔

تفسیر

منافقین کی ایک صفت شیطانی وسوسے پیدا کرنا

ان آیات میں بھی منافقین کے افکار و اعمال کا ذکر جاری ہے تاکہ مسلمان واضح طور پر اس گروہ کو پہچان لیں اور ان کے غلط منصوبوں اور سازشوں کا شکار نہ ہوں۔

پہلے فرمایا گیا ہے وہ لوگ جنہوں نے تبوک میں جہاد میں شرکت نہیں کی اور بے ہودہ بہانے کر کے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور اپنے گمان میں انہوں نے میدان جنگ کے خطرات پر سلامتی کو ترجیح دی وہ رسول خدا کے خلاف اپنے اس عمل پر خوش ہیں۔

اور راہ خدا میں مال و جان سے جہاد کرنے اور مجاہدین کے عظیم اعزازات وافتخارات حاصل کرنے کو ناپسند کرتے ہیں۔

انہوں نے میدان جہاد میں شرکت نہ کرنے پر قناعت نہیں کی بلکہ وہ شیطانی وسوسوں سے دوسروں کو بھی بددل کرنے یا پھیرنے کی کوشش میں تھے۔انہوں نے دوسروں سے کہا موسم گرما کی اس جلا دینے والی گرمی میں میدان جنگ کی طرف نہ جاؤ۔

درحقیقت وہ ایک تو مسلمان کے ارادوں کو کمزور کرنا چاہتے ہیں اور دوسرا اپنے جرم میں بہت سے افراد کو شریک کرنا چاہتے تھے۔

اس کے بعد قرآن پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انہیں دوٹوک الفاظ میں اور تنبیہ کرتے ہوئے کہہ دو کہ دوزخ کی جلا دینے والی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے اگر تم سمجھو۔لیکن وہ کمزور ایمان اور ناسمجھی کی وجہ سے توجہ نہیں کرتے کہ کیسی جلانے والی اگ ان کے انتظار میں ہے ایسی آگ کہ جس کی چھوٹی سی چنگاری دنیا کی ہر قسم کی آگ سے زیادہ جلا دینے والی ہے۔

(۸۲) یہ آیت اور بعد والی آیت اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ وہ اس گمان میں ہیں کہ انہیں کامیابی حاصل ہوگئی ہے جہاد سے دور رہنے اور مجاہدین کے حوصلے پست کرنے سے وہ اپنے ہدف کو پہنچ گئے ہیں لہٰذا وہ قہقہے لگاتے ہیں جیسا کہ ہر دور کے منافقین کرتے رہے ہیں لیکن قرآن انہیں خطرے سے ڈراتے ہوئے کہتا ہے انہیں تھوڑا ہنسنا چاہئے اور زیادہ رونا چاہئے۔

ہاں انہیں رونا چاہئے اپنے تاریک مستقبل پر اور ان دردناک سزاؤں پر جو ان کے انتظار میں ہیں انہیں رونا چاہئے اس بنا پر کہ وہ واپسی کے راستے کے تمام پلوں کو برباد کر چکے ہیں انہیں رونا چاہئے کہ وہ اپنی تمام تر استعداد اور زندگانی کا سرمایہ دے کر اپنے لئے رسوائی اور بدبختی خرید چکے ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے یہ ان اعمال کی سزا ہے جو وہ انجام دیتے تھے۔

(۸۳) زیر بحث آخری آیت میں منافقین کی ایک اور سوچی سمجھی خطرناک روش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ جب وہ کسی غلط کام کو ظاہر بظاہر انجام دیتے ہیں تو اپنی برأت کیلئے تلافی کرنے کے عزم کا اظہار کرتے ہیں اور اس طرح اپنی بدعات اور خلاف اسلام حرکات کو چھپانی کی کوشش کرتے ہیں آیت کہتی ہے جس وقت خدا تجھے ان کے کسی گروہ کی طرف پلٹائے اور وہ تجھ سے جہاد کے دوسرے میدان میں شرکت کی اجازت چاہیں تو ان سے کہہ دو کہ تم میرے ساتھ کبھی میدان جہاد میں شرکت نہ کر سکو گے اور میرے معیت میں کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑو گے۔

یعنی رسول اکرم ﷺ انہیں ہمیشہ کیلئے مایوس کر دیں اور واضح کر دیں کہ ان کی حنا رنگ نہیں لائے گی اور کبھی کوئی ان کے فریب میں نہیں آئے گا اور کیا ہی اچھا ہو کہ وہ مکر وفریب کے یہ جال کہیں اور لے جائیں کیونکہ یہاں اب کوئی ان کے دام فریب میں

نہیں آئے گا۔

اس کے بعد ان کی پیش کش قبول نہ کرنے کی دلیل یوں بیان کی گئی ہے میدان جہاد سے کنارہ کشی کرنے اور گھروں میں بیٹھ رہنے پر تم پہلے بھی راضی ہو چکے ہو پھر اب بھی منہ موڑنے والوں کے ساتھ مل جاؤ اور ان کے ساتھ گھروں میں بیٹھ جاؤ۔

(۸۴) وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ مَاتُوۡا وَ هُمۡ فٰسِقُوۡنَ	ان میں سے جو بھی مرجائے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھ اور اس کی قبر پر (دعا اور طلب بخشش کیلئے) کھڑا نہ ہو کیونکہ انہوں نے خدا اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور جب وہ دنیا سے گئے ہیں تو فاسق تھے۔
(۸۵) وَ لَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا وَ تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ	ان کے اموال اور اولاد تیرے لئے باعث تعجب نہ ہوں (کیونکہ یہ ان کیلئے نعمت نہیں بلکہ) خدا چاہتا ہے کہ ان کے ذریعے انہیں دنیا میں عذاب کرے اور ان کی روحیں اس حالت میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔

تفسیر

منافقین کے بارے میں زیادہ سخت اقدام

جب منافقین نے کھلے بندوں جہاد سے منہ موڑ کر خود پردے چاک کر دیئے اور ان کا معاملہ واضح ہو گیا تو خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ زیادہ صریح اور زیادہ مستحکم طریقے سے اقدام کریں تاکہ دوسروں کے دماغ سے ہمیشہ کیلئے نفاق اور منافق سازی کی فکر نکل جائے اور منافقین بھی جان لیں کہ اسلامی معاشرے میں ان کیلئے کوئی جگہ اور مقام باقی نہیں رہا۔

لہٰذا قرآن فرماتا ہے منافقین میں سے جو کوئی بھی مرجائے اس کی نماز کبھی نہ پڑھ۔ اور کبھی بھی اس کی قبر کے پاس طلب بخشش کیلئے کھڑا نہ ہو۔

فی الحقیقت یہ منافقین سے ایک قسم کی منفی اور موثر جنگ ہے کیونکہ ان وجوہ کی بنا پر جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قانونی طور پر ان کے قتل اور اسلامی معاشرے کو اس طریقے سے ان کے وجود سے پاک کرنے کا حکم نہیں دے سکتے تھے لیکن انہیں کافی حد تک بے اعتبار کرنے کنارہ کش کرنے اور اسلامی معاشرے سے نکال باہر پھینکنے کیلئے مقابلے کے ایسے منفی طریقے بہت موثر تھے۔

(۸۴) آیت کے آخر میں ایک بار پھر اس حکم کی دلیل واضح کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے یہ حکم اس بنا پر ہے کہ انہوں نے خدا

اوراس کے رسول سے کفراختیار کیا ہے۔اور جب یہ لوگ دنیا سے گئے ہیں تو فاسق اور فرمان خدا کے مخالف تھے نہ وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے ہیں اور نہ ہی توبہ کے پانی سے انہوں نے اپنا گناہ آلود دامن دھویا ہے۔

(۸۵) ممکن ہے اس مقام پر مسلمانوں سے یہ سوا کیا جائے کہ اگر منافقین سچ مچ رحمت الٰہی سے اس قدر دور ہیں اور مسلمانوں کو چاہئے کہ ان سے محبت اور لگاؤ نہ رکھیں تو پھر خدا نے ان سے اس قدر اظہار محبت کیوں کیا ہے اور یہ سب مال اور اولاد (اقتصادی اور افرادی قوت) انہیں کیوں دی ہے۔

اس آیت میں روئے سخن پیغمبرؐ کی طرف کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے اسی سوال کا جواب دیا ہے اور فرمایا ہے ان کے اموال واولاد تمہیں کبھی بھی بھلے معلوم نہ ہوں۔کیونکہ ظاہر بین لوگ انہیں خوش بختی کی علامت سمجھتے ہیں لیکن خدا چاہتا ہے کہ انہیں ان کے ذریعے دنیا میں سزا دے اور وہ حالت کفر میں مریں۔

البتہ جو لوگ دولت اور افرادی قوت کو بنیادی چیز خیال کرتے ہیں اور ان کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ اسے کس طرح صرف کرنا چاہئے دور سے تو ان کی زندگی بڑی دلفریب معلوم ہوتی ہے لیکن اگر ان کی اصل زندگی کو ہم قریب سے دیکھیں اور اس حقیقت کی طرف بھی توجہ رکھیں کہ ان وسائل سے کس طرح استفادہ کیا جانا مقصود ہے تو ہم تصدیق کریں گے کہ وہ خوش بخت لوگ نہیں ہیں

(۸۶) وَ اِذَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَۃٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ جَاہِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِہِ اسۡتَاۡذَنَکَ اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡہُمۡ وَ قَالُوۡا ذَرۡنَا نَکُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِیۡنَ	اور جب کوئی سورت نازل ہو کہ خدا پر ایمان لے آؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان (منافقین) میں سے جو توانائی رکھتے ہیں تجھ سے اجازت چاہتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں بیٹھ رہنے والوں (جن پر جہاد معاف ہے) کے ساتھ چھوڑ دیجئے۔
(۸۷) رَضُوۡا بِاَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ لَا یَفۡقَہُوۡنَ	وہ اس بات پر راضی ہیں کہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے لہٰذا وہ نہیں سمجھتے۔
(۸۸) لٰکِنِ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ جٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ الۡخَیۡرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ	لیکن رسول اور وہ افراد جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں انہوں نے اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کیا ہے اور سب نیکیاں ان کیلئے ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

(۸۹) اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۧ	اللہ نے ان کیلئے جنت کے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے (درختوں کے) نیچے سے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ کیلئے رہیں گے اور یہ بہت بڑی اور عظیم کامیابی ہے۔

تفسیر

ان آیات میں بھی منافقین کے بارے میں گفتگو ہے البتہ یہاں ان کی بدکاریوں کا سچے مومنین کے نیک کاموں سے موازنہ کیا گیا ہے اور اس سے ان کا انحراف اور بے چارگی زیادہ واضح ہوتی ہے۔

پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے جس وقت کوئی سورت جہاد کے بارے میں نازل ہوتی ہے اور لوگوں کو خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتی ہے یعنی کہتی ہے کہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہو اور اسے مستحکم کرو اور پیغمبرؐ کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ایسے موقع پر صاحب قدرت منافقین کہ جو جسمانی اور مالی طور پر میدان جنگ میں شرکت نہ کریں اور کہتے ہیں کہ ہمیں بیٹھ رہنے والوں کہ جو جہاد میں شرکت سے معذور ہیں کے ساتھ رہنے دیجئے۔

(۸۷) اس آیت میں قرآن ان کی اس جملے کے ذریعے مذمت وملامت کرتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے گناہ اور نفاق کے زیر اثر وہ اس مرحلہ تک پہنچ گئے ہیں کہ ان کے دلوں پر مہر لگتی ہوئی ہے اسی بنا پر وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

(۸۸) اس آیت میں اس کے مدمقابل گروہ کی صفات وخصوصیات کا ذکر ہے جو بالکل منافقین کی صفات وخصوصیات کے برعکس ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے لیکن رسول اور جو لوگ اس کیساتھ ایمان لائے ہیں انہوں نے اپنے جان ومال سے راہ خدا میں جہاد کیا ہے۔

اور ان کا انجام کار یہ ہوا کہ طرح طرح کی سعادتیں کامیابیاں اور دونوں جہانوں کی مادی وروحانی خیرات انہیں نصیب ہوئیں۔ اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایمان اور جہاد اکٹھے ہو جائیں تو پھر ہر طرح کی خیر وبرکت ان کیساتھ ہوگی اور ان دونوں کے بغیر نہ کوئی راستہ فلاح کی طرف جاتا ہے نہ ہی مادی ومعنوی نعمات میں کوئی حصہ ملتا ہے۔

زیر بحث آخری آیت میں دوسرے گروہ کی کچھ اُخروی جزاؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے خدا نے ان کیلئے باغات بہشت تیار کر رکھے ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری کی گئیں ہیں۔ تاکیداً فرمایا گیا ہے کہ یہ نعمت اور عنایات عاریتاً اور فنا پذیر نہیں ہے بلکہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔ اور یہ عظیم کامیابی ہے۔

(۹۰)وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ط سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	اوراعراب میں سے (معذور لوگ) تیرے پاس آئے ہیں کہ انہیں جہاد میں نہ جانے کی اجازت دی جائے لیکن وہ لوگ جنہوں نے خدا اور اس کے پیغمبر کے ساتھ جھوٹ بولا ہے (بغیر کسی عذر کے اپنے گھر میں) بیٹھ گئے ہیں عنقریب ان لوگوں کو جو کافر ہو گئے ہیں (اور معذور نہیں تھے) درد ناک عذاب پہنچے گا۔

تفسیر

گزشتہ مباحث بہانہ جو اور عذر تراش منافقین کے بارے میں تھیں اسی مناسبت سے اس آیت میں جہاد میں پیچھے رہ جانیوالے دو گروہوں کی کیفیت کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

پہلا گروہ وہ ہے جو واقعاً معذور تھا۔

دوسرا گروہ وہ ہے جس نے بغیر کسی عذر کے سرکشی کے طور پر اس عظیم ذمہ داری سے روگردانی کی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے بادیہ نشین اعراب کا ایک گروہ جو میدان جہاد میں شرکت سے معذور تھا تیرے پاس آیا ہے تا کہ اسے اجازت دی جائے اور معاف رکھا جائے۔

ان کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا اور اس کے رسول کے سامنے جھوٹ بولا ہے اور بغیر کسی عذر کے اپنے گھر میں بیٹھ گئے ہیں اور میدان میں نہیں گئے۔

آیت کے آخر میں دوسرے گروہ کو شدت کے ساتھ تہدید کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے ان میں سے جو کافر ہوا ہے عنقریب درد ناک عذاب میں گرفتار ہوگا۔

(۹۱) لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ط مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ط وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ لا	ضعفاء، بیمار اور وہ جو جہاد کی راہ میں خرچ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتے ان پر کوئی اعتراض نہیں کہ انہوں نے میدان جہاد میں شرکت نہیں کی جب کہ وہ خدا اور اس کے رسول سے خیر خواہی کریں اور جو کچھ طاقت رکھتے ہیں اس سے دریغ نہ کریں کیونکہ نیکوکار لوگوں سے مواخذہ نہیں ہو سکتا اور خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(۹۲)وَّ لاَ عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْکَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لاَ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلاَّ يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ	نیز ان پر بھی اعتراض نہیں جو جب تیرے پاس آئے کہ تو انہیں (میدان جہاد کیلئے) سواری فراہم کر دے تو تو نے کہا کہ میرے پاس سواری نہیں ہے کہ جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ (تیرے پاس سے) اس حالت میں لوٹے کہ ان کی آنکھیں اشک بار تھیں کیونکہ ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے وہ راہ خدا میں خرچ کرتے۔
(۹۳) اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَکَ وَ هُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ	مواخذہ کی راہ ان کیلئے کھلی ہے جو تجھ سے اجازت چاہتے ہیں جبکہ وہ بے نیاز ہیں (اور کافی وسائل رکھتے ہیں) وہ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہ جانے پر راضی ہو گئے ہیں اور خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے لہٰذا وہ کچھ نہیں جانتے۔

شان نزول

پہلی آیت کے بارے میں منقول ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلص اصحاب میں سے ایک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔

میں ایک بوڑھا نابینا اور عاجز شخص ہوں یہاں تک کہ میرے پاس کوئی ایسا شخص بھی نہیں جو میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے میدان جہاد میں لے جائے تو کیا اگر میں جہاد میں شرکت نہ کروں تو معذور ہوں؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے تو پھر پہلی آیت نازل ہوئی جس میں ایسے افراد کو اجازت دی گئی ہے۔

اس شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ نابینا افراد تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دیئے بغیر جہاد میں شرکت سے پہلو تہی نہیں کرتے تھے اور اس احتمال کی بنا پر کہ شاید ان کا وجود اس حالت میں بھی مجاہدین کی تشویق یا کثرت لشکر کے لئے مفید ہو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی ذمہ داری کے بارے میں پوچھتے تھے۔

دوسری آیت کے بارے میں بھی روایات میں ہے کہ غریب انصار میں سے سات افراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقاضا کیا انہیں جہاد میں شرکت کیلئے وسائل مہیا کئے جائیں لیکن چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس انہیں مہیا کرنے کیلئے وسائل نہ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نفی میں جواب دیا۔

تفسیر

وہ معذور جو عشق جہاد میں آنسو بہاتے تھے

پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے وہ لوگ جو ضعیف و ناتواں ہیں بڑھاپے کے سبب بینائی نہ ہونے کے باعث یا ایسی کسی اور وجہ سے اسی طرح بیمار اور وہ لوگ جن کے پاس میدان جہاد میں شرکت کے لئے ضروری وسائل نہیں ہیں ان پر کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اس واجب اسلامی پروگرام میں شرکت نہ کریں۔

ان تین گروہوں کے لئے ہر قانون میں معافی ہے اور عقل و منطق بھی اس کی تائید کرتی ہے اور مسلّم ہے کہ اسلامی قوانین کسی مقام پر بھی عقل و منطق سے جدا نہیں ہیں۔

یہ اس صورت میں ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کیلئے کسی مخلصانہ خیر خواہی سے دریغ نہ کریں۔اس میں ہر قسم کی خیر خواہی اور مخلصانہ اقدام کا مفہوم پنہاں ہے اور چونکہ یہاں جہاد کا معاملہ درپیش ہے لہٰذا یہاں اس سے مراد ایسی کوششیں ہیں جو اس سلسلے میں درکار ہیں۔

بعد میں اس امر کی دلیل بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے ایسے افراد نیک لوگ ہیں اور نیکوکاروں کیلئے ملامت سرزنش سزا اور مواخذہ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

آیت کے آخر میں خدا تعالیٰ کی دو عظیم صفات بیان کی گئی ہیں یہ بھی دراصل ان تین گروہوں کی معافی کی ایک دلیل کے طور پر بیان ہوئی ہیں ارشاد ہوتا ہے خدا غفور اور رحیم ہے۔

(۹۲) اس کے بعد چوتھے گروہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے جہاد میں شرکت سے معافی دی گئی ہے فرمایا گیا ہے اسی طرح اس گروہ پر بھی کوئی اعتراض نہیں جو تیرے پاس آیا کہ تو انہیں میدان جہاد میں شرکت کیلئے سواری فراہم کردے اور تو نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں کہ جس پر تمہیں سوار کروں تو مجبوراً وہ تیرے پاس سے اس حالت میں گئے کہ ان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور یہ آنسو اس غم میں تھے کہ ان کے پاس راہ خدا میں خرچ کرنے کیلئے کچھ نہ تھا۔

(۹۳) آخری آیت میں پانچویں گروہ کی حالت بیان کی گئی ہے یعنی وہ جن کے پاس بارگاہ الٰہی کیلئے کوئی عذر نہیں تھا فرمایا گیا ہے مواخذہ اور سزا کی راہ صرف ان لوگوں کے سامنے کھلی ہے جو تجھ سے اجازت چاہتے ہیں کہ جہاد میں شرکت نہ کریں جبکہ اس کام کیلئے ان کے پاس کافی اور ضروری وسائل موجود ہیں اور وہ بالکل بے نیاز ہیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے ان کیلئے یہ ننگ و عار کافی ہے کہ وہ اس بات پر راضی ہیں کہ ناتواں بیمار اور معذور افراد کے ساتھ مدینہ میں رہ جائیں اور جہاد میں شرکت کے اعزاز سے محروم ہیں۔

اور یہ سزا بھی ان کیلئے کافی ہے کہ خدا نے ان کے برے اعمال کی وجہ سے فکر و ادارک کی قدرت ان سے چھین لی اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور اس بناء پر وہ کچھ نہیں جانتے۔

(۹۴) يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ‌ؕ قُلْ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَـكُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ‌ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ	جس وقت تم (جنگ تبوک سے) ان کی طرف (جنہوں نے جہاد سے تخلف کیا ہے) لوٹ کر آؤ گے تو تم سے عذر خواہی کریں گے۔ (اے رسول) کہہ دو کہ معذرت نہ کرو ہم ہرگز (تمہاری باتوں) پر ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ اللہ نے ہمیں تمہاری خبروں سے آگاہ کیا ہے اور اللہ اور اس کا رسول تمہارے اعمال کو دیکھیں گے پھر تم اس کی طرف پلٹ جاؤ گے جو پنہاں اور آشکار سے آگاہ ہے اور وہ تمہیں اس سے آگاہ کرے گا اور اس کی جزا دے گا جو کچھ تم انجام دیتے تھے۔
(۹۵) سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَـكُمۡ اِذَا انْقَلَبۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ‌ؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ‌ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ‌ۖ وَّمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَـنَّمُ‌ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ	عنقریب جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے لئے قسم کھائیں گے کہ ان سے اعراض (اور صرف نظر) کرو تم ان سے اعراض کرو (اور منہ پھیرلو) کیونکہ وہ پلید ہیں اور ان کے رہنے کی جگہ جہنم ہے ان اعمال کی سزا میں جو وہ انجام دیتے تھے۔
(۹۶) يَحۡلِفُوۡنَ لَـكُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ‌ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ	وہ قسم کھا کے تم سے چاہتے ہیں کہ ان سے راضی ہو جاؤ۔ اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اللہ فاسقین کے گروہ سے راضی نہیں ہوگا۔

شان نزول

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیات ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں جن کی تعداد اسی (۸۰) سے زیادہ تھی کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک سے واپس ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی شخص ان کے ساتھ نہ بیٹھے اور نہ ان سے گفتگو کرے اور جب انہوں نے اپنے آپکو معاشرے کے شدید دباؤ میں دیکھا تو معذرتیں کرنے لگے اس پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں جن میں ان کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔

تفسیر

جھوٹی معذرتوں اور قسموں پر اعتبار نہ کرو

یہ آیات بھی منافقین کے شیطانی اعمال کے بارے میں ہیں یکے بعد دیگرے ان کے مختلف کاموں سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو خبردار کیا جارہا ہے کہ وہ ان کے ریاکارانہ اعمال اور ظاہری دل پذیر باتوں سے دھوکا نہ کھائیں۔

زیر نظر پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے جب تم جنگ تبوک سے مدینہ کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو منافقین تمہارے پیچھے آئیں گے اور معذرت کریں گے۔

پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مسلمانوں کے رہبر کی حیثیت سے روئے سخن کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے منافقین سے کہہ دو کہ معذرت نہ کرو ہم ہرگز تمہاری باتوں پر ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ خدا نے ہمیں تمہاری خبروں سے آگاہ کر دیا ہے لہٰذا ہم تمہاری شیطانی سازشوں سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود تمہارے لئے بازگشت اور توبہ کی راہ کھلی ہے۔ اور عنقریب خدا اور اس کا رسول تمہارے اعمال دیکھے گا۔

بعد میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارے تمام اعمال اور تمہاری نیتیں ثبت اور محفوظ ہو جائیں گی پھر تم اس کی طرف پلٹ جاؤ گے جو تمہارے پنہاں اور آشکار امور کو جانتا ہے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کرے گا اور تمہیں ان کی جزا دے گا۔

(۹۵) اس آیت میں دوبارہ منافقین کی جھوٹی قسموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ تمہیں فریب دینے کیلئے عنقریب قسم کا سہارا لیں گے اور جب تم ان کی طرف لوٹو گے تو خدا کی قسمیں کھائیں گے کہ ان سے صرف نظر کرلو اور اگر ان سے کوئی خطا ہوئی ہے تو انہیں معاف کردو۔

درحقیقت وہ ہر دروازے سے داخل ہونے کی کوشس کریں گے کبھی بہانوں سے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کبھی اعتراف گناہ کریں گے اور عفوودرگزر کا تقاضا کریں گے وہ سوچتے ہیں کہ شاید کسی طریقے سے تمہارے دلوں میں جگہ پیدا کرلیں

لیکن تم کسی طرح سے بھی ان سے اثر نہ لینا اور ان سے منہ پھیرلو البتہ ناراضی کے اظہار کے طور پر نہ کہ عفوو بخشش کے طور پر۔

اس کے بعد تاکید توضیح اور دلیل کے طور پر فرمایا گیا ہے کیونکہ وہ پلید لوگ ہیں اور ایسی نجس موجودات سے منہ پھیرنا ہی چاہئے۔ اور چونکہ ایسے ہیں لہٰذا ان کیلئے جہنم کے علاوہ کوئی ٹھکانا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جنت میں نیک پاک لوگوں کی جگہ ہے نہ کہ پلید اور گندے لوگوں کی۔

لیکن یہ سب کچھ ان اعمال کا نتیجہ ہے جو انہوں نے خود انجام دیئے ہیں۔

(۹۶) زیر بحث آخری آیت میں ان کی ایک اور قسم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ وہ اصرار کے اور قسم کھا کے چاہتے

ہیں کہ تم ان سے راضی اور خوش ہو جاؤ۔

پہلی آیت میں جس قسم کا ذکر ہے وہ اس بنا پر تھی کہ مومنین عملاً انہیں ملامت نہ کریں لیکن اس آیت میں جس قسم کا تذکرہ ہے وہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ عملی پہلو کے علاوہ مومنین ولی طور پر بھی ان سے خوش ہو جائیں۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس مقام پر یہ نہیں فرماتا کہ تم ان سے راضی نہ ہونا بلکہ یہاں موجود تعبیر سے تہدید کی بو آتی ہے۔ فرمایا گیا ہے اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو خدا فاسقین کی قسم سے کبھی راضی نہیں ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ دینی اور اخلاقی طور پر وہ مسلمانوں کو خوش نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ اس طرح مسلمانوں کے دل کی ناراضی دور کرنا چاہتے تھے تاکہ آیندہ ان کے ردعمل سے محفوظ رہیں۔

(۹۷) اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ	بادیہ نشین عربوں کا کفر اور نفاق شدید تر ہے اور جو کچھ اللہ نے اپنے پیغمبر پر نازل کیا ہے اس کی حدود (اور سرحدوں) کی جہالت کے وہ زیادہ حق دار ہیں اور خدا دانا و حکیم ہے۔
(۹۸) وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ	ان بادیہ نشین عربوں میں سے (کچھ لوگ) جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں اسے تاوان شمار کرتے ہیں اور تمہارے بارے میں دردناک حوادث کی توقع رکھتے ہیں (حالانکہ) دردناک حوادث ان کیلئے ہیں اور خدا سننے والا اور دانا ہے۔
(۹۹) وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ع	بادیہ نشین عربوں میں سے کچھ اور لوگ خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اسے خدا کے ہاں قرب اور پیغمبر کی دعاؤں کا باعث سمجھتے ہیں۔ آگاہ ہو کہ یہ ان کے تقرب کا باعث ہیں خدا بہت جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کردے گا کیونکہ خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

تفسیر

سنگدل اور صاحب ایمان بادیہ نشین

گزشتہ آیات میں منافقین مدینہ کے بارے میں گفتگو تھی۔ ان آیات میں اسی مناسبت سے بادیہ نشین منافقین کی نشانیوں

اور افکار کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اس کے ساتھ ساتھ مخلص اور سچے بادیہ نشین مومنین کے بارے میں بھی بات کی گئی ہے شاید اس وجہ سے کہ مسلمانوں کو خبر دار کیا جائے کہ وہ کہیں یہ خیال نہ کریں کہ منافقین صرف شہر میں رہتے ہیں بتایا گیا ہے کہ بادیہ نشین منافقین ان سے بھی سخت تر ہیں بہر حال پہلی آیت میں قرآن کہتا ہے بادیہ نشین اعراب تعلیم و تربیت سے دوری اور آیات الٰہی اور پیغمبر کے ارشادات نہ سننے کی وجہ سے کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں۔اسی وجہ سے وہ ان فرامین واحکام کی حدود کی جہالت کے زیادہ حق دار ہیں جو خدا نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے خدا دانا اور حکیم ہے یعنی اگر بادیہ نشین عربوں کے بارے میں اس قسم کا فیصلہ کرتا ہے تو خاص مناسبت کے سبب ہے کیونکہ ان کا ماحول ایسی صفات رکھتا ہے۔لیکن اس بنا پر کہ کہیں یہ وہم پیدا نہ ہو کہ تمام بادیہ نشین عرب یا دنیا کے سب بادیہ نشین ان صفات کے حامل ہوتے ہیں۔

(۹۸) ارشاد ہوتا ہے ان بادیہ نشین عربوں میں سے ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو جب کوئی چیز راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو نفاق یا کمزور ایمان کی وجہ سے اسے نقصان اور خسارہ شمار کرتے ہیں نہ کہ ایک کامیابی اور سودمند تجارت۔

ان کی ایک صفت یہ ہے کہ ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تمہیں مشکلات گھیر لیں اور بدبختی اور ناکامی تمہیں آ لے۔

مزید فرمایا گیا ہے کہ وہ تمہارے لئے ظہور مشکلات اور نزول بلا کا انتظار نہ کریں اور تمہارے لئے ان کی توقع نہ رکھیں کیونکہ یہ مشکلات ناکامیاں اور بدبختیاں صرف اس منافق بے ایمان جاہل نادان تنگ نظر اور حاسد گروہ کی تلاش میں ہیں۔

آخر میں آیت کو اس جملے پر ختم کیا گیا ہے کہ خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ان کی باتوں کو بھی سنتا ہے اور ان کی نیتوں اور مافی الضمیر سے بھی آگاہ ہے۔

(۹۹) زیر نظر آخری آیت میں دوسرے گروہ یعنی بادیہ نشینوں میں سے مخلص مومنین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان بادیہ نشین عربوں میں سے ایک گرہ ان کا ہے جو خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اسی بنا پر وہ راہ خدا میں خرچ کرنے کو بھی نقصان اور زیاں نہیں سمجھتے بلکہ اس جہان میں اور دوسرے جہان میں خدا کی وسیع جزا اور ثواب کی طرف توجہ کرتے ہوئے اس کام کو قرب الٰہی کا ذریعہ پیغمبر کی توجہ اور دعا کا باعث سمجھتے ہیں جو کہ افتخار اور عظیم برکت ہے۔

یہاں خدا تعالیٰ ان کی طرز فکر کی بڑی تاکید سے تصدیق کرتا ہے اور کہتا ہے آگاہ رہو کہ یقیناً ان کا یہ انفاق اور خرچ بارگاہ خدا میں قرب کا باعث ہیں۔اور اسی بناء پر خدا انہیں بہت جلد اپنی رحمت میں داخل کردے گا (سید خلھم الله فی رحمته) اگر ان سے کچھ لغزشیں ہوں تو ان کے ایمان اور پاک اعمال کی وجہ سے انہیں بخش دیگا خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

(۱۰۰) وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	مہاجرین وانصاری میں سے پیش قدمی کرنے والوں اوران کی پیروی کرنے والوں سے خدا خوش ہے اور وہ (بھی) خدا سے راضی ہیں اور اس نے ان کے لئے باغات بہشت فراہم کئے ہیں کہ جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ عظیم کامیابی ہے۔

تفسیر

سابقین اسلام

بہر حال گزشتہ آیات میں کفار اور منافقین کی حالت بیان ہوئی ہے ان کے بعد اب زیر نظر آیت میں سچے مسلمانوں کے مختلف گروہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ان کے تین گروہ بیان کئے گئے ہیں اول وہ جو اسلام اور ہجرت میں سبقت کرنیوالے تھے۔

دوسرے وہ جو رسول اکرم ﷺ کی نصرت اور مدد کرنے والوں میں پہل کرنے والے اور انصار مدینہ تھے۔

تیسرے وہ جو دونوں گروہوں کے بعد آئے اور انہوں نے ان کے طریقوں کی پیروی کی نیک اعمال بجالانے میں اسلام قبول کرنے میں ہجرت کرنے میں رسول اکرم ﷺ کے دین کی مدد کرنے میں انہوں نے پہلے دو گروہوں کا ساتھ دیا۔

ان تین گروہوں کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے خدا بھی ان سے راضی ہے اور وہ بھی خدا سے راضی ہیں۔

خدا کا ان سے راضی ہونا ان کے ایمان اور ان کے انجام کردہ نیک اعمال کی بناء پر ہے اور ان کا خدا سے راضی ہونا خدا کی طرف سے عطا کردہ اچھی جزاؤں اور نہایت اہم عنایات کے باعث ہے دوسرے لفظوں میں جو کچھ خدا ان سے چاہتا تھا انہوں نے انجام دیا ہے اور جو کچھ وہ خدا سے چاہتے تھے خدا نے انہیں عطا فرمایا ہے اس بنا پر خدا ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں۔

گزشتہ جملہ اگرچہ تمام طرح کی مادی ومعنوی نعمتوں پر محیط ہے لیکن تاکید کے طور پر اور اجمال کے بعد تفصیل کے لئے مزید فرمایا گیا ہے خدا نے ان کیلئے باغات بہشت تیار کئے ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اور اس نعمت کی خصوصیت میں سے ہے کہ یہ دائمی اور جاودانی ہے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔ اور یہ تمام مادی ومعنوی نعمتیں ان کیلئے عظیم کامیابی شمار ہوں گی۔

اس سے بڑھ کر کیا کامیابی ہوگی کہ انسان محسوس کرے کہ اسے پیدا کرنے والا معبود ومولا اس سے خوش اور راضی ہے اور اس کے کام کی اس نے تائید کی ہے اور اسے پسند کیا ہے

(۱۰۱) وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۚ	بادیہ نشین اعراب جوتمہارے اطراف میں ہیں ان میں ایک جماعت منافقین کی ہے اور (خود) اہل مدینہ میں سے بھی ایک گروہ نفاق کا سخت پابندی ہے انہیں تم نہیں پہچانتے اور ہم انہیں پہچانتے ہیں عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے۔اس کے بعد وہ قیامت میں عذاب عظیم کی طرف بھیجے جائیں گے۔

تفسیر

قرآن مجید بحث کا رخ دوبارہ منافقین کی طرف موڑ رہا ہے فرمایا گیا ہے ان لوگوں کے درمیان جوتمہارے شہر مدینہ کے اطراف میں ہیں ایک گروہ منافقین کا موجود ہے۔

یعنی صرف داخلی منافقین پر توجہ نہ رکھو بلکہ ہوشیار رہ کر باہر کے منافقین پر بھی نگاہ رکھوان کی خطرناک کارگذاریوں پر نظر رکھو اوران پر بھی۔

لفظ اعراب جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے عام طور پر بادیہ نشیں عربوں کیلئے بولا جاتا ہے۔

پھر مزید فرمایا گیا ہے خود مدینہ میں اوراس شہر کے رہنے والوں میں ایک گروہ ان لوگوں کا ہے کہ جن کا نفاق سرکشی کی حدتک پہنچا ہوا ہے اور وہ اس کے سخت پابند ہیں اوراس میں تجربہ کار ہیں۔

داخلی اور خارجی منافقین کے بارے میں تعبیر کا یہ فرق جو زیرنظر آیت میں دکھائی دیتا ہے گویا اس نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ داخلی منافق اپنے کام میں زیادہ ماہر ہیں لہٰذا وہ طبعاً زیادہ خطرناک ہیں اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان پر کڑی نظر رکھیں اگرچہ خارجی منافقین سے بھی غافل نہیں رہنا چاہیئے۔

اسی لئے اسکے بعد بلا فاصلہ فرمایا گیا ہے تم انہیں نہیں پہچانتے لیکن ہم انہیں پہچانتے ہیں۔البتہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمومی علم کی طرف اشارہ ہے مگر یہ اس بات کے منافی نہیں کہ وحی اور تعلیم الٰہی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اسرار سے پوری طرح واقف تھے۔

آیت کے آخر میں اس گروہ کیلئے سزا اور سخت عذاب کو یوں بیان کیا گیا ہے ہم عنقریب انہیں دومرتبہ عذاب دیں گے اور اس کے بعد وہ ایک اورعذاب عظیم کی طرف بھیجے جائیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عذاب عظیم روز قیامت کے عذاب اور سزاؤں کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ کہ اس سے پہلے دو عذابوں کا جو ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے

ان کے لئے دوسری سزا اور عذاب وہی ہے جس کی طرف سورہ انفال کی آیہ ۵۰ میں اشارہ ہو چکا ہے جہاں فرمایا گیا ہے۔

اگر تو کافروں کو اس وقت دیکھے جب موت کے فرشتے ان کی جان لے رہے ہوں کہ کس طرح فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں پر مار رہے ہیں اور انہیں سزا دے رہے ہیں تو تجھے ان کی حالت پر افسوس ہوگا.....................

(۱۰۲) وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	اور دوسرے گروہ نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے اور صالح اور غیر صالح اعمال کو آپس میں ملا دیا ہے امید ہے خدا ان کی توبہ قبول کر لے کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے۔

شان نزول

زیر نظر آیت کی شان نزول کے بارے میں کئی ایک روایات نقل ہوئی ہیں ان میں سے اکثر میں ابولبابہ انصاری کا نام ملتا ہے ایک روایت کے مطابق اس نے دو یا کچھ اور اصحاب پیغمبر کے ساتھ مل کر جنگ تبوک میں شرکت نہ کی لیکن جب ان افراد نے وہ آیات سنیں جو متخلفین کی مزمت میں نازل ہوئی تھیں تو بہت پریشان اور پشیمان ہوئے اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں استفسار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا ہے کہ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں چھڑائیں گے جب تک خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ کر انہیں نہ چھوڑیں دیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ یہ کام نہیں کروں گا مگر یہ کہ خدا مجھے اس کی اجازت دے۔

اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور خدا نے ان کی توبہ قبول کی۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آ کر انہیں مسجد کے ستونوں سے کھول دیا۔

اس کے شکرانے کے طور پر انہوں نے اپنا سارا مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کیا یہ وہی مال و اسباب ہے جس سے دل بستگی کی خاطر ہم نے شریک جہاد ہونے سے گریز کیا تھا۔ یہ سب کچھ ہم سے قبول کر کے راہ خدا میں خرچ کیجئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابھی تک اس کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بعد والی آیت نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان کے اموال میں سے کچھ حصہ لے لیں

تفسیر

توبہ کرنے والے

گزشتہ آیت میں مدینہ کے داخل اور خارجی منافقین کی کیفیت بتائی گئی تھی اب یہاں ایک گناہگار مسلمان گروہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انہوں نے توبہ واستغفار کی اور اپنے برے اعمال کی تلافی کیلئے اقدام کیا۔ اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے ان میں سے ایک اور گروہ نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا ہے۔ اور انہوں نے اچھے اور برے اعمال کو آپس میں ملا دیا ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے امید ہے خدا ان کی توبہ قبول کرلے اور اپنی رحمت ان کی طرف پلٹا دے۔ کیونکہ خدا بخشنے والا اور مہربان ہے اور وسیع وعریض رحمت کا مالک ہے۔

(۱۰۳) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ	ان کے اموال میں سے صدقہ زکوۃ لے لو تاکہ انہیں اس کے ذریعے پاک کرو اور ان کی تربیت کرو (اور زکوۃ لیتے وقت) انہیں دعا دو کیونکہ تمہاری دعا ان کے سکون کا باعث ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔
(۱۰۴) اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ	کیا وہ جانتے نہیں کہ صرف خدا ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات لیتا ہے اور اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔
(۱۰۵) وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۚ	کہہ دو! عمل کرو، اللہ اس کا رسول اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھتے ہیں اور عنقریب اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے کہ جو پنہاں اور آشکار کو جانتا ہے اور تمہیں اس چیز کی خبر دے گا جو کچھ تم کرتے ہو۔

تفسیر

زکوۃ فرد اور معاشرے کو پاک کرتی ہے

پہلی زیر نظر آیت میں ایک اہم اسلامی حکم یعنی زکوۃ کی طرف اشارہ ہوا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک عمومی قانون کے

طور پر حکم دیا گیا ہے کہ ان کے اموال سے صدقہ یعنی زکٰوۃ وصول کرو۔

اس کے بعد زکٰوۃ کے اخلاقی نفسیاتی اور اجتماعی فلسفہ کے دو پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس طرح سے تو انہیں پاک کرتا ہے اور نشو ونما دیتا ہے۔ انہیں اخلاقی رذائل دنیا پرستی اور بخل سے پاک کرتا ہے اور انسان دوستی سخاوت اور دوسروں کے حقوق کی پاسداری کیلئے نشو ونما دیتا ہے۔

اس سے قطع نظر معاشرے کے ایک طبقے کی محرومیت سے جو خرابیاں افلاس گناہ اور طبقاتی تفاوت جنم لیتی ہے اسے الٰہی فریضہ انجام دے کر ختم کرو اور معاشرے کو ان آلودگیوں سے پاک کردو علاوہ بریں اجتماعی وابستگی نمو اقتصادی پیش رفت ایسے ہی کاموں سے ہوتی ہے اس بناء پر زکٰوۃ کا حکم ایک طرف سے معاشرے اور فرد کو پاک کرتا ہے اور دوسری طرف انسانوں میں فضیلت کے بیج کی نشو ونما کرتا ہے نیز معاشرے کی پیش رفت کا سبب بھی ہے اور زکٰوۃ کے بارے میں پیش کی جاسکنے والی یہ بہترین تعبیر ہے یعنی ایک طرف سے یہ آلودگیوں کو دھوڈالتی ہے دوسری طرف ارتقاء وتکامل کا ذریعہ ہے

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے جس وقت وہ زکٰوۃ ادا کریں تو ان کیلئے دعا کرو اور ان پر درود بھیجو۔ یہ بات نشاندہی کرتی ہے کہ واجب ذمہ داریاں ادا کرنے پر بھی لوگوں کی قدردانی کی جانا چاہئے اور خصوصیت سے معنوی اور نفسیاتی طریقے سے انہیں تشویق دلانی چاہئے لہذا روایات میں ہے کہ جب لوگ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں زکٰوۃ لے کر آتے تھے تو آپ ﷺ ''اللھم صل علیھم'' کہہ کر ان کے لئے دعا کرتے تھے۔

بعد میں مزید فرمایا گیا ہے تمہارا یہ دعا کرنا اور درود بھی جن ان کے قلبی سکون کا سرمایہ ہے۔) کیونکہ اس دعا سے ان کے قلب وروح پر رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور وہ اسے محسوس بھی کرتے ہیں علاوہ ازیں رسول اکرم ﷺ یا ان کے جانشین لوگوں کو جو قدردانی کرتے ہیں اور ان کے مال کی زکٰوۃ لیتے ہیں تو انہیں ایک قسم کا روحانی اور فکری سکون پہنچاتے ہیں یعنی اگر ظاہراًوہ ایک چیز دے بیٹھے ہیں تو اس سے بہتر چیز انہوں نے حاصل کی ہے۔

آیت کے آخر میں گذشتہ بحث کی مناسبت سے ارشاد ہوتا ہے خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ پیغمبر کی دعا بھی سنتا ہے اور زکٰوۃ دینے والوں کی نیت کو بھی جانتا ہے۔

(۱۰۴) بعض گنہگار مثلاً جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے رسول اکرم ﷺ سے اصرار کرتے تھے کہ آپ ان کی توبہ قبول کرلیں اس سلسلے میں زیر بحث دوسری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ توبہ قبول کرنا رسول ﷺ کا کام نہیں ہے کیا وہ جانتے نہیں کہ خدا ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ وہ نہ فقط توبہ قبول والا ہے بلکہ زکٰوۃ یا دوسرے صدقات جو گناہ کے کفارے کے طور پر یا پروردگار کے تقریب کیلئے دیئے جاتے ہیں وہ بھی خدا ہی لیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ زکوٰۃ وصدقات پیغمبر، امام اور مسلمانوں کے پیشوا وصول کرتے ہیں یا مستحق افراد لیتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"ان الصدقة تقع فی ید اللّٰہ قبل ان تصل الی ید السائل"

''صدقہ حاجت مند کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں پہنچتا ہے''

(۱۰۵)اس آیت میں گذشتہ مباحث کے بارے میں نئی شکل میں تاکید کی گئی ہے پیغمبر اکرمﷺ کوحکم دیا گیا ہے کہ تمام لوگوں کواس امر کی تبلیغ کریں اور کہیں کہ اپنے اعمال اور ذمہ داریاں انجام دواور جان لوکہ خدااس کا رسول اور مومنین تمہارے اعمال کو دیکھیں گے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ کوئی یہ تصور نہ کرے کہ اگر وہ کسی خلوت کے مقام پر یا کسی جماعت کے اندر کوئی عمل انجام دیتا ہے۔

تو وہ علم خدا کی نگاہ سے اوجھل رہ جاتا ہے بلکہ خدا کے علاوہ پیغمبرﷺ اور مومنین بھی اس سے آگاہ ہیں۔

اس حقیقت کی طرف توجہ اور اس پر ایمان اعمال اور نیتوں کے پاک رہنے کیلئے بہت موثر ہے عام طور پر اگر انسان یہ احساس کرے کہ اسے ایک آدمی دیکھ رہا ہے تو وہ اپنی کیفیت ایسی بنالے گا جو قابل اعتراض نہ ہو چہ جائیکہ اسے یہ احساس ہو کہ خدا رسول اور مومنین اس کے اعمال سے باخبر ہیں یہ آگاہی جزایا سزا کا مقدمہ ہے جو دوسرے جہان میں اس کے انتظار میں ہے۔لہٰذا اس کے بعد اس جملے کا اضافہ کیا گیا ہے عنقریب تم ایسی ہستی کی طرف لوٹ جاؤ گے جو مخفی وآشکار سے آگاہ ہے اور وہ تمہیں تمہارے کئے ہوئے عمل کی خبر دے گا اور اس کے مطابق جزا دے گا۔

ایک اہم نکتہ جس کی طرف یہاں توجہ کرنا چاہئے یہ ہے کہ جس طرح پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ اعمال کے پیش ہونے کا مسئلہ اس کے معتقدین کیلئے بہت زیادہ تربیتی اثر رکھتا ہے کیونکہ جب ہمیں یہ معلوم ہو کہ خدا جو کہ ہر جگہ میرے ساتھ ہے اس کے علاوہ پیغمبر اکرمﷺ اور ہماری محبوب پیشوا ہر روز یا ہر ہفتے میرے ہر عمل سے چاہے وہ اچھا ہو یا برا آگاہ ہو جاتے ہیں تو بلا شبہ ہم زیادہ احتیاط کریں گے اور اپنے اعمال کی طرف متوجہ رہیں گے بالکل اسی طرح جیسے کسی ادارے میں کام کرنے والوں کو معلوم ہو کہ ہر روز یا ہر ہفتے ان کے تمام اعمال پوری تفصیل سے اعلی افسروں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور وہ ان سب سے باخبر ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے کاموں کو بڑی توجہ سے سرانجام دیں گے۔

(۱۰۶) وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ	ایک اور گروہ فرمان خدا سے نکل گیا وہ یا تو انہیں سزا دے گا اور یا ان کی توبہ قبول کرلے گا (جس کے وہ لائق ہوں گے) خدا دانا وحکیم ہے۔

شان نزول

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ مندرجہ بالا آیت جنگ تبوک سے واپس رہ جانے والے تین اشخاص ہلال بن امیہ مرارہ بن ربیع اور کعب بن مالک کے بارے میں ہے کہ جن کی پشیمانی کی تشریح اور توبہ کی کیفیت اسی سورہ کی آیہ ۱۱۸ کے ذیل

میں آئے گی۔

کچھ اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا آیت بعض کفار کے بارے میں ہے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف مختلف جنگوں میں عظیم شخصیتوں مثلاً سید الشھداء حضرت حمزہ اور ایسے دیگر افراد کو شہید کیا تھا اس کے بعد وہ شرک سے دستبردار ہو گئے اور دین اسلام کی طرف آ گئے۔

تفسیر

اس آیت میں ایک اور گنہگار گروہ کی طرف اشارہ ہوا ہے ان لوگوں کا انجام صحیح طور پر واضح نہیں ہے نہ تو وہ ایسے ہیں کہ رحمت الٰہی کے مستحق سمجھے جائیں اور نہ ایسے ہیں کہ ان کی بخشش سے بالکل مایوس ہو جایا جائے لہٰذا قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے ایک اور گروہ کا معاملہ فرمان خدا پر موقوف ہے یا وہ انہیں سزا دے گا اور یا ان کی توبہ قبول کرے گا۔

آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے کہ خدا ان کے ساتھ حساب کتاب کی بغیر کوئی سلوک نہیں کرے گا بلکہ اپنے علم وحکمت کے تقاضے ہی مطابق ہی ان سے سلوک کرے گا کیونکہ خدا علیم وحکیم ہے۔

(۱۰۷) وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ	(مزید برآں) وہ لوگ ہیں جنہوں نے (مسلمانوں کو) نقصان پہنچانے اور کفر کو (تقویت دینے کیلئے) اور مومنین میں تفرقہ ڈالنے کی خاطر اور ایسے افراد کے لئے کمین گاہ مہیا کرنے کیلئے جنہوں نے پہلے ہی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کی ہے مسجد بنائی ہے وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہمارا مقصد سوائے نیکی (اور خدمت) کے اور کچھ نہیں لیکن خدا گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔
(۱۰۸) لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ	اس میں ہرگز قیام (اور عبادت) نہ کرنا۔ وہ مسجد جو روز اول سے تقویٰ کی بنیاد پر بنی ہے زیادہ حق رکھتی ہے کہ تم اس میں قیام (اور عبادت) کرو اس میں ایسے مرد ہیں جو پاک و پاکیزہ رہنا پسند کرتے ہیں اور خدا پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۱۰۹) اَفَمَنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَهٗ عَلٰی تَقۡوٰی مِنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانٍ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانۡهَارَ بِهٖ فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ	کیا وہ شخص جس نے اس کی بنیاد تقویٰ الٰہی اور اس کی خوشنودی پر رکھی ہے بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اس کی بنیاد گرنے والی اور کمزور جگہ پر رکھی ہے کہ جو اچانک جہنم کی آگ میں گر جائے گی اور خدا ظالم گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔
(۱۱۰) لَا یَزَالُ بُنۡیَانُهُمُ الَّذِیۡ بَنَوۡا رِیۡبَةً فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَقَطَّعَ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ۠	لیکن یہ بنیاد جو انہوں نے رکھی ہے ان کے دلوں میں ہمیشہ شک اور تردد کے ذریعہ کے طور پر باقی رہے گی۔ مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں (اور وہ مر جائیں) ورنہ یہ چیز ان کے دلوں سے نہیں نکلے گی اور خدا دانا و حکیم ہے۔

شان نزول

زیر نظر آیات منافقین کے ایک گروہ کے بارے میں ہیں جنہوں نے اپنی منحوس سازشوں کی تکمیل کیلئے مدینہ میں ایک مسجد قائم کی تھی جو بعد میں مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہوئی یہ بات تمام اسلامی مفسرین اور بہت سی کتب حدیث و تاریخ نے ذکر کی ہے اگرچہ اس کی تفصیلات میں کچھ فرق نظر آتا ہے مختلف تفاسیر اور احادیث سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کے پیش نظر اس واقعہ کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

کچھ منافقین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم قبیلہ بنی سالم کے درمیان مسجد قبا کے قریب ایک مسجد بنالیں تا کہ ناتواں بیمار اور بوڑھے جو کوئی کام نہیں کر سکتے اس میں نماز پڑھ لیا کریں اسی طرح جن راتوں میں بارش ہوتی ہے ان میں جو لوگ آپ کی مسجد میں نہیں آ سکتے اپنے اسلامی فریضہ کو اس میں انجام دے لیا کریں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک کا عزم کر چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔

انہوں نے مزید کہا کیا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ خود آ کر اس میں نماز پڑھیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس وقت تو میں سفر کا ارادہ کر چکا ہوں البتہ واپسی پر خدا نے چاہا تو اس مسجد میں آ کر نماز پڑھوں گا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک سے لوٹے تو یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے ہماری مسجد میں آ کر اس میں نماز پڑھائیں اور خدا سے دعا کریں کہ ہمیں برکت دے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی آنحضرت ﷺ مدینہ کے دروازے میں داخل نہیں ہوئے تھے اس وقت وحی خدا کا حامل فرشتہ نازل ہوا اور مندجہ بالا آیات لایا اور ان کے کرتوت سے پردہ اٹھایا۔

اس کے فوراً بعد رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ مذکورہ مسجد کو جلا دیا جائے اور اس کے باقی حصے کو مسمار کر دیا جائے اور اس کی جگہ کوڑا کرکٹ ڈالا جایا کرے۔

تفسیر

مسجد کے روپ میں بت خانہ

پہلی آیت میں قرآن کہتا ہے ان میں سے ایک اور گروہ نے مدینہ میں ایک مسجد بنائی مسجد کے مقدس کے نام کے پیچھے انہوں نے اپنے منحوس مقاصد چھپا رکھے تھے۔

اس کے بعد ان کے چار طرح کی مقاصد کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

1۔ ایک مقصد ان کا یہ تھا کہ اس طرح سے مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔

2۔ دوسرا مقصد ان کا کفر کی بنیادوں کو تقویت پہنچانا تھا۔ وہ لوگوں کو اسلام سے پہلے کی سی حالت پر پلٹا دینا چاہتے تھے۔

3۔ وہ مسلمانوں کی صفوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے کیونکہ اس مسجد میں کچھ لوگ جمع ہونے لگتے تو اس سے مسجد قبا جو اس کے نزدیک تھی یا مسجد نبوی جو اس سے کچھ فاصلے پر تھی کی رونق ختم ہو جاتی۔

4۔ ان کا آخری مقصد یہ تھا کہ ایسے شخص کیلئے ایک مرکز قائم کریں جو پہلے سے خدا اور اس کے رسول کے خلاف برسر پیکار تھا اور اس کے سابقہ برے کارنامے لوگوں پر واضح تھے اور وہ اس مرکز سے اپنے منصوبوں کی تکمیل چاہتا تھا۔

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ان تمام برے اغراض اور منحوس مقاصد کو انہوں نے ایک خوب صورت اور پر فریب لباس میں چھپا رکھا تھا یہاں تک کہ وہ قسم کھاتے تھے کہ ہمارا نیکی کرنے کے علاوہ اور کوئی مقصد اور ارادہ نہیں۔

لیکن قرآن مزید کہتا ہے وہ خدا جو سب کے اندرونی رازوں سے واقف ہے اور جس کیلئے غیب وشہود یکساں ہے گواہی دیتا ہے کہ یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔

(۱۰۸) اس آیت میں اس حیات بخش حکم کی مزید تاکید کیلئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اس مسجد میں ہرگز قیام نہ کرو اور اس میں نماز نہ پڑھو۔

بلکہ مسجد کی بجائے زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس مسجد میں عبادت قائم کرو جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ نہ یہ کہ یہ مسجد جس کی بنیاد روز اول ہی سے کفر نفاق بے دینی اور تفرقہ پر رکھی گئی ہے۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے کہ علاوہ اس کے کہ اس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے مردوں کا ایک گروہ اس میں مشغول عبادت ہے جو پسند کرتا ہے کہ اپنے آپ کو پاک و پاکیزہ رکھے اور خدا پاکباز لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس میں شرک وگناہ کے آثار سے روح کی پاکیزگی اور جسمانی کثافتوں کے آثار سے جسم کی پاکیزگی سب شامل ہیں۔

(۱۰۹) زیر بحث تیسری آیت میں دوگروہوں کے مابین موازنہ کیا گیا ہے ایک گروہ مومنین کا ہے جو مسجد قبا کی طرح مساجد کوتقویٰ کی بنیاد پر بناتے ہیں اور دوسرا گروہ منافقین کا ہے جو مسجد کو کفر ونفاق اور تفرقہ وفساد کی اساس پر تعمیر کرتے ہیں پہلے فرمایا گیا ہے کیا وہ شخص جس نے اس کی بنیاد کمزور اور گرجانے والی جگہ پر جہنم کے کنارے رکھی ہے جو عنقریب جہنم میں گرجائے گی۔

منافقین چونکہ اپنے آپ سے بھی ظلم کرتے ہیں اور معاشرے سے بھی لہٰذا آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے خدا ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

(۱۱۰) زیر نظر آخری آیت میں منافقین کی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ اس طرح اپنے کام میں ہٹ دھرم ہیں اور نفاق وکفر کی تاریکی میں اس طرح سے سرگرداں ہیں کہ جو عمارت وہ خود کھڑی کرتے ہیں وہ شک وتردد کے موت کی آغوش میں چلے جائیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اور خدا دانا وحکیم ہے۔

خدا تعالیٰ نے اگر اپنے رسول ﷺ کو ان کے خلاف اقدام کا حکم دیا اور ان کی ایسی عمارت کو مسمار کرنے کیلئے کہا کہ جو ظاہر حق کیلئے تھی تو یہ اس لئے تھا کہ وہ بنانے والوں کی بری نیتوں سے بد باطنی اور اس عمارت کی حقیقت سے آگاہ تھا یہ حکم عین حکمت و مصلحت کے مطابق تھا اس کا مقصد اسلامی معاشرے کی بھلائی اور درستی تھا یہ نہیں کہ یہ کوئی جلد بازی کا فیصلہ تھا اور نہ ہی غیض وغضب کا نتیجہ تھا۔

(۱۱۱) اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَ اَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ‌ؕ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيَقۡتُلُوۡنَ وَيُقۡتَلُوۡنَ‌ وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا فِى التَّوۡرٰٮةِ وَ الۡاِنۡجِيۡلِ وَ الۡقُرۡاٰنِ‌ؕ وَ مَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَيۡعِكُمُ الَّذِىۡ بَايَعۡتُمۡ بِهٖ‌ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ	خدا مومنین سے ان کی جانیں اور مال خرید فرماتا ہے تاکہ (ان کے بدلے) ان کیلئے جنت ہو (اس طرح سے کہ) وہ راہ خدا میں جنگ کرتے ہیں قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں یہ سچا وعدہ اس کے ذمہ ہے جو اس نے تورات، انجیل اور قرآن میں ذکر فرمایا ہے اور خدا سے بڑھ کر اپنا وعدہ وفا کرنے والا کون ہے؟ اب تمہارے لئے خوش خبری ہے اس خرید وفروخت کے بارے میں جو تم نے خدا سے کی ہے اور یہ (تمہارے لئے) عظیم کامیابی ہے۔

(۱۱۲) اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ	مومن وہ ہیں جو توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے حمد و ثنا کرنے والے سیاحت کرنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے اور خدائی حدود (اور سرحدوں) کی حفاظت کرنے والے ہیں اور ایسے مومنین کو خوشخبری دو۔

تفسیر

ایک بے مثال تجارت

گذشتہ آیات میں چونکہ جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے لہٰذا ان دو آیات میں ایک عمدہ مثال کے ساتھ صاحب ایمان مجاہدین کے بلند مقام کا ذکر کیا گیا ہے اس مثال میں خدا نے اپنا خریدار کی حیثیت سے اور مومنین کا فروخت کرنے والے کی حیثیت سے تعارف کروایا ہے ارشاد ہوتا ہے خدا نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں اور اس مال و متاع کے بدلے انہیں جنت دے گا۔

ہر خرید و فروخت کے معاملے میں پانچ بنیادی اراکین ہوتے ہیں جو یہ ہیں

1۔خریدار 2۔بیچنے والا

3۔مال و متاع 4۔قیمت اور

5۔معاملہ کی سند

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے اپنے آپ کو خریدار مومنین کو بیچنے والا مومنین کی جانوں اور مالوں کو مال و متاع اور جنت کو اس معاملے کی قیمت قرار دیا ہے البتہ اس مال و متاع کو ادا کرنے کی طرز کیلئے ایک لطیف تعبیر استعمال کی گئی ہے یعنی وہ راہ خدا میں جنگ کرتے ہیں اور دشمنان حق کو قتل کرتے ہیں یا اس راہ میں قتل ہو جاتے ہیں اور جام شہادت نوش کرتے ہیں۔

درحقیقت خدا کا ہاتھ میدان جہاد میں صرف ہونے والے متاع جان و مال کو لینے کیلئے کھلا ہے۔

اس کے بعد پانچویں رکن کی طرف اشارہ ہے جو کہ معاملے کی محکم سند ہے فرمایا گیا ہے یہ خدا کے ذمہ سچا وعدہ ہے جو تین آسمانی کتابوں تورات انجیل اور قرآن میں آیا ہے۔

اس کے بعد قرآن اس عظیم معاملے کیلئے تاکید کرتے ہوئے مزید کہتا ہے خدا سے زیادہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون۔یعنی اگرچہ اس معاملے کی قیمت فوراً ادا نہیں کی جائے گی تاہم بیع نسیہ کے خطرات اس میں نہیں ہیں کیونکہ خدا اپنی قدرت اور بے نیازی کے سبب ہر شخص کی نسبت اپنے عہد و پیمان کو زیادہ پورا کرنے والا ہے سب سے زیادہ جالب نظر امر یہ ہے کہ اس معاملے کے

مراسم کی انجام دہی کے بعد جیسا کہ تجارت کرنے والوں کا معمول ہے کہ دوسرے کو مبارکباد دی جاتی ہے خدا تعالیٰ معاملے کو سود مند قرار دیتے ہوئے کہتا ہے تمہیں خوشخبری ہو اس معاملہ پر جو تم نے انجام دیا ہے۔

(۱۱۲) جیسا کہ قرآن کی روش ہے کہ ایک آیت میں ایک بات کو اجمال کے ساتھ پیش کرتا ہے اور بعد والی آیت میں اس کی تشریح و توضیح کرتا ہے دوسری محل بحث آیت میں مومنین جو خدا کے پاس اپنی جان اور مال بیچنے والے ہیں کا واضح صفات کے ساتھ کا تعارف کرواتا ہے۔

1۔ وہ توبہ کرنے والے ہیں اپنے قلب و روح کی آلودگی کو توبہ کے پانی سے دھوتے ہیں۔

2۔ وہ عبادت کرنے والے ہیں۔ خدا سے راز و نیاز کے ذریعے اور اس کی پاک ذات کی پرستش سے خودسازی کرتے ہیں اور اپنی اصلاح کرتے ہیں۔

3۔ وہ پروردگار کی مادی اور معنوی نعمتوں پر اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔

4۔ وہ ایک مرکز عبادت سے دوسرے مرکز کی طرف آتے جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کا عبادت کے ذریعے خودسازی کا لائحہ عمل محدود ماحول میں منحصر نہیں رہتا اور کسی خاص علاقے سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ ان کیلئے ہر جگہ پروردگار کی عبادت خودسازی اور تربیت کا مرکز موجود ہے اور جہاں کہیں بھی اس سلسلے میں کوئی درس مل سکتا ہو وہ اس کے طالب ہیں۔

5۔ وہ عظمت الٰہی کے سامنے رکوع کرتے ہیں۔

6۔ وہ اس کی آستان پر جبہ آسائی کرتے ہیں اور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

7۔ وہ لوگوں کو نیکیوں کی دعوت دیتے ہیں۔

8۔ وہ صرف نیکی کی دعوت دینے کا فریضہ ادا نہیں کرتے بلکہ ہر قسم کی برائی اور منکر سے بھی جنگ کرتے ہیں۔

9۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پیغام کی ادائیگی کے بعد وہ اپنی آخری اور زیادہ اہم اجتماعی ذمہ داری یعنی حدود خداوندی کی حفاظت اس کے قوانین کا اجراء اور حق و عدالت کے قیام کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ نو صفات بیان کرنے کے بعد خدا تعالیٰ دوبارہ ایسے سچے اور مکتب ایمان و عمل کے تربیت یافتہ مومنین کو تشویق دلاتا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتا ہے ان مومنین کو بشارت دو۔

(۱۱۳) مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ	پیغمبر اور مومنین کیلئے مناسب نہیں تھا کہ مشرکین کے لئے (اللہ سے) بخشش طلب کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر روشن ہو گیا کہ یہ لوگ اصحاب دوزخ ہیں۔

(۱۱۴)وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ	اور ابراہیم کی استغفار اپنے (بمنزلہ) باپ (چچا آزر) کے لئے صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھی کہ جو اس سے کیا گیا تھا تا کہ اسے ایمان کی طرف ترغیب دیں لیکن جب اس (ابراہیم) پر واضح ہو گیا کہ وہ دشمن خدا ہے تو اس سے بیزاری کی کیونکہ ابراہیم مہربان اور بردبار ہے۔

شان نزول

تفسیر مجمع البیان میں مندرجہ بالا آیات کی شان نزول کے بارے یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ بعض مسلمان پیغمبر اکرم ﷺ سے کہتے تھے کہ کیا آپ ہمارے آباؤ اجداد جو زمانہ جاہلیت میں مر گئے تھے کے لئے طلب بخشش نہیں کرتے اس پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اور انہیں خبر دار کیا گیا کہ کوئی شخص حق نہیں رکھتا کہ مشرکین کیلئے استغفار کرے۔

تفسیر

دشمنوں سے لاتعلقی ضروری ہے

پہلی آیت ایک اچھی اور قطعی تعبیر کے ساتھ پیغمبر ﷺ اور مومنین کو مشرکین کیلئے استغفار کرنے سے منع کرتی ہے اور کہتی ہے مناسب نہیں کہ پیغمبر ﷺ اور صاحب ایمان افراد مشرکین کیلئے طلب مغفرت کریں۔

اس کے بعد تاکید کے طور پر اور عمومیت کے لئے مزید کہا گیا ہے یہاں تک کہ وہ ان کے نزدیکی ہی کیوں نہ ہوں۔

اس کے بعد اس امر کی دلیل بیان کی گئی ہے جب مسلمانوں پر واضح ہو گیا کہ مشرکین اہل جہنم ہیں اب ان کیلئے طلب مغفرت کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ یہ بالکل فضول کام اور نامناسب آرزو ہے کیونکہ مشرک کسی طرح بھی قابل بخشش نہیں ہے اور جو شرک کی راہ پر ہیں ان کیلئے راہ نجات کا تصور نہیں ہو سکتا۔

(۱۱۴) قرآن سے آگاہ اور آشنا مومنین نے چونکہ اس آسمانی کتاب میں پڑھ رکھا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کیلئے استغفار کی تھی تو ممکن تھا ان کے ذہن میں فوراً یہ سوال پیدا ہوتا کہ کیا آزر مشرک نہیں تھا اور اگر یہ کام ممنوع ہے تو خدا کے اس عظیم پیغمبر نے کیوں انجام دیا لہٰذا زیر نظر دوسری آیت میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے ابراہیم کی استغفار اپنے باپ کے بمنزلہ چچا کیلئے ایک وعدہ کی بنا پر تھی جو انہوں نے اس سے کیا ہوا تھا لیکن جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ دشمن خدا ہے تو انہوں نے اس سے بیزاری اختیار کر لی اور پھر اس کیلئے استغفار نہیں کی۔

آیت کے آخر میں قرآن مزید کہتا ہے ابراہیم وہ تھے جو بارگاہ خدا میں خاضع اور غضب الٰہی سے خائف بزرگوار تھے اور حلیم

وبردبار تھے۔

دشمنوں سے ہر قسم کا تعلق توڑ لینا چاہئے۔

زیر بحث آیت کوئی واحد آیت نہیں جو مشرکین سے ہر قسم کا رابطہ منقطع کرنے کی بات کرتی ہے بلکہ قرآن کی متعدد آیات سے یہ امر اچھی طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کا رابطہ رشتہ داری قطع تعلق اور عدم رشتہ داری مکتبی اور مذہبی بنیادوں پر ہونی چاہئے اور یہ رشتہ (خدا پر ایمان اور اس قسم کے شرک اور بت پرستی سے مقابلہ) مسلمانوں کے تمام روابط پر حاوی ہونا چاہئے کیونکہ یہ رشتہ بنیادی ہے اور یہ رابطہ تمام اجتماعی اور معاشرتی امور پر حاکم ہے۔

(۱۱۵) وَ مَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ	ایسا نہ تھا کہ اللہ کسی قوم کو ہدایت (اور ایمان لے آنے) کے بعد سزا دے مگر یہ کہ جس سے انہیں بچنا چاہئے اسے ان کے لئے بیان کر دے (اور وہ اس کی مخالفت کریں) کیونکہ خدا ہر چیز سے دانا ہے۔
(۱۱۶) اِنَّ اللهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ	آسمانوں اور زمین کی حکومت اس کیلئے ہے (وہ) زندہ کرتا اور مارتا ہے اور خدا کے علاوہ کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔

شان نزول

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کچھ مسلمان فرائض وواجبات کے نزول سے پہلے اس دنیا سے چل بسے کچھ لوگ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور ان کے انجام کے بارے میں پریشانی کا اظہار کیا ان کا خیال تھا کہ شاید فوت شدہ مسلمان عذاب الٰہی میں گرفتار رہوں کیونکہ انہوں نے یہ فرائض انجام نہیں دیئے تھے اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور اس بات کی نفی کی گئی۔

تفسیر

واضح حکم کے بعد سزا

مندرجہ بالا پہلی آیت ایک عمومی قانون کی طرف اشارہ ہے کہ جس کی عقل بھی تائید کرتی ہے اور وہ یہ کہ جب تک خدا کوئی حکم بیان نہ فرمائے اور شریعت میں اس کے بارے میں وضاحت نہ آ جائے کسی شخص کو اس کے سلسلے میں سزا نہیں دے گا دوسرے لفظوں میں مسئولیت اور جوابدہی ہمیشہ احکام بیان کرنے کے بعد ہے اس چیز کو علم اصول میں ''قاعدہ قبح بلا بیان'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لہٰذا ابتداء میں فرمایا گیا ہے ایسا نہ تھا کہ خدا کسی گروہ کو ہدایت کے بعد گمراہ کردے جب تک جس چیز سے اسے پرہیز کرنا چاہئے وہ اس سے بیان نہ کرے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے خدا ہر چیز کو جانتا ہے۔یعنی خدا کے علم کا تقاضا ہے کہ جب تک اس نے کسی چیز کے بارے میں اپنے بندوں سے کچھ کہا نہیں اس کے بارے میں کسی کو جوابدہ نہ سمجھے اور اس سے مواخذہ نہ کرے۔

(۱۱۶)اس آیت میں اس مسئلہ پر تاکید کے حولے سے کہا گیا ہے آسمانوں اور زمینوں کی حکومت خدا کیلئے ہے۔

موت وحیات کا نظام بھی اس کے قبضہ قدرت میں ہے وہی ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔اس بناء پر تمہارا خدا کے علاوہ کوئی ولی سرپرست دوست اور یاور نہیں ہے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ عالم ہستی کی تمام قدرتیں اور تمام حکومتیں اس کے ہاتھ میں اور اس کی زیر فرمان ہیں تم اس کے غیر کا سہارا نہ لو غیر خدا کو پناہ گاہ قرار نہ دو اور استغفار کے ذریعے خدا سے اپنی محبت کا رشتہ قائم اور محکم کرو۔

(۱۱۷) لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ	اللہ نے اپنی رحمت پیغمبر اور (اسی طرح ان) مہاجرین و انصار کے شامل حال کی کہ جنہوں نے عسرت وشدت کے وقت (جنگ تبوک میں) ان کی پیروی کی کہ جبکہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل حق سے منحرف ہوجائیں (اور وہ میدان جنگ سے پلٹ آئیں) اس کے بعد اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی وہ ان پر مہربان ورحیم ہے۔
(۱۱۸) وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ	(اسی طرح) ان تین افراد (پر لطف وکرم کیا) جو (مدینہ میں) رہ گئے تھے اور انہوں نے تبوک میں شرکت نہیں کی تھی (اور مسلمانوں نے ان سے قطع روابط کرلیا تھا) یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی تھی (اور عالم یہ تھا کہ) انہیں اپنے وجود میں بھی کوئی جگہ نہیں ملتی تھی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا کی طرف سوائے اس کے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے اس وقت خدا نے اپنی رحمت ان کے شامل حال کی

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ	اور خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی کیونکہ خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

شان نزول

مفسرین نے کہا ہے کہ پہلی آیت جنگ تبوک کے بارے میں اور اس میں مسلمانوں کو پیش آمدہ مشکلات کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ مشکلات اس قدر تھیں کہ کچھ لوگوں نے پلٹ آنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن خدا کا لطف وکرم اور اس کی توفیق ان کے شامل حال ہوئی اور وہ اسی طرح سے جمے رہے۔

تفسیر

پہلی آیت میں پروردگار کی اس لا متناہی رحمت کی طرف اشارہ ہے جو اسے حساس لمحات میں پیغمبرؐ اور مہاجرین و انصار کے شامل حال ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے خدا کی رحمت پیغمبر اور ان مہاجرین وانصار کے شامل حال ہوئی جو شدت اور بحران کے موقع پر آنخضرتؐ کی پیروی کرتے ہیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے یہ رحمت الٰہی اس وقت شامل حال ہوئی جب شدت حوادث اور پریشانیوں کے دباؤ کی وجہ سے قریب تھا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ راہ حق سے پھر جائے اور تبوک سے واپسی کا ارادہ کر لے۔

دوبارہ تاکید کی گئی ہے اس صورت حال کے بعد اللہ نے اپنی رحمت ان کے شامل حال کر دی اور ان کی توبہ قبول کر لی کیونکہ وہ مومنین پر مہربان اور رحیم ہے۔

(۱۱۸) اس نے نہ صرف اس عظیم گروہ پر اپنی رحمت نازل کی کہ جو جہاد میں شریک ہوا بلکہ ان تین افراد پر بھی اپنا لطف وکرم کیا جو جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے اس لئے مجاہدین انہیں پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ لیکن یہ لطف الٰہی انہیں آسانی سے میسر نہیں یا بلکہ ایسا اس وقت ہوا جب یہ تین افراد کعب بن مالک مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ جن کے بارے میں شان نزول میں بتایا جا چکا ہے۔

شدید معاشرتی دباؤ میں رہ چکے تھے اور تمام لوگوں نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی تھی۔ اور ان کے سینے اس طرح سے غم واندوہ سے معمور تھے کہ گویا انہیں اپنے وجود میں بھی جگہ نہ ملتی تھی اور عالم یہ تھا کہ انہوں نے ایک دوسرے سے بھی رابطہ منقطع کرایا تھا۔ اس طرح ان پر تمام راستے بند ہو گئے تھے اور انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ اس کی طرف بازگشت کے علاوہ غضب خدا سے بچنے کیلئے کوئی اور پناہ گاہ نہیں ہے۔

دوبارہ رحمت خدا ان کے شامل حال ہوئی اور اس رحمت نے ان کیلئے حقیقی اور مخلصانہ توبہ اور بازگشت ان کے لئے آسان کر دی۔ کیونکہ خدا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

(۱۱۹) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ	اے ایمان والو! خدا (کے احکام کی مخالفت) سے ڈرو اور سچوں کا ساتھ دو۔

تفسیر

سچوں کا ساتھ دو

گذشتہ آیات میں متخلفین اور جنگ سے منہ موڑنے والوں کے بارے میں گفتگو تھی زیر بحث آیت میں ان کے مدمقابل دوسرے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنا رابطہ سچے لوگوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ جو اپنے عہد پر قائم ہیں مستحکم رکھو۔

پہلے فرمایا گیا ہے اے ایمان لانے والو! حکم خدا کی مخالفت سے بچو۔ اور اس بناء پر کہ اہل ایمان تقویٰ کی پر پیچ وخم راہ کو غلط اور انحراف کے بغیر طے کر سکیں مزید فرمایا گیا ہے سچوں کا ساتھ دو۔

کیا صادقین سے مراد صرف معصومین علیہم السلام ہیں؟

جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے صادقین کا مفہوم اگر چہ وسیع ہے مگر بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے یہاں مراد صرف معصومین ہیں یہ امر خود اس بات کا قرینہ ہے کہ صادقین آیت میں ایک خاص گروہ کیلئے آیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ساتھ دینے سے مراد ساتھ رہنا نہیں بلکہ بلاشبہ اس سے مراد ان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کیا کسی غیر معصوم کی پیروی اور نقش قدم پر چلنے کا حکم بغیر کسی قید اور شرط کے دیا جا سکتا ہے کیا یہ خود اس امر پر دلیل نہیں کہ صادقین سے مراد صرف معصومین علیہم السلام ہیں۔

(۱۲۰) مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَ مَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا يُصِيۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخۡمَصَةٌ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَئُوۡنَ مَوۡطِئًا يَّغِيۡظُ الۡكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّيۡلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ	مناسب نہیں کہ اھل مدینہ اور بادیہ نشین جو اس کے اطراف میں ہیں اللہ کے رسول سے اختلاف کریں اور اپنی جان بچانے کیلئے ان کی جان سے لاپرواہی کریں یہ اس لیے ہے کہ انہیں کوئی پیاس نہیں لگے گی نہ خستگی ہوگی نہ راہ خدا میں بھوک لگے گی نہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھاتے ہیں جو کافروں کے غضب کا موجب ہو اور نہ وہ دشمن سے کوئی ضرب کھاتے ہیں مگر یہ کہ اس کی وجہ سے ان کیلئے اچھا عمل لکھا جاتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ	کیونکہ خدا نیک لوگوں کی اجرت (اور جزا) ضائع نہیں کرتا۔
(۱۲۱) وَ لَا یُنۡفِقُوۡنَ نَفَقَۃً صَغِیۡرَۃً وَّ لَا کَبِیۡرَۃً وَّ لَا یَقۡطَعُوۡنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَہُمۡ لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	اور وہ کسی چھوٹے یا بڑے مال کو (راہ خدا میں) خرچ نہیں کرتے اور کسی زمین کو (میدان جہاد کی طرف جاتے ہوئے یا اس سے پلٹے ہوئے) عبور نہیں کرتے مگر یہ کہ ان کیلئے لکھا جاتا ہے تاکہ خدا ان کی بہترین اعمال کے لحاظ سے انہیں جزا دے۔

تفسیر

مجاہدین کو مشکلات پر جزا ضرور ملے گی

گزشتہ آیات میں جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں سرزنش آئی تھی۔ زیرنظر دو آیات اس سلسلے میں ایک کلی قانون کے طور پر آخری اور بنیادی بحث کرتی ہیں۔

پہلے فرمایا گیا ہے مدینہ کے لوگ اور بادیہ نشین جو اس مرکز اسلام شہر کے اطراف میں زندگی بسر کرتے ہیں انہیں حق نہیں پہنچتا کہ رسول اکرم ﷺ سے اختلاف کریں اور انہیں چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ اور نہ انہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کو رسول کی جان کی حفاظت پر مقدم رکھیں۔ کیونکہ وہ امت کے رہبر اللہ کے رسول ﷺ اور ملت اسلام کی بقاء اور حیات کی علامت ہیں انہیں اکیلا چھوڑ دینا نہ صرف پیغمبر ﷺ کو خطرے میں ڈالے گا بلکہ دین خدا اور خود مومنین کا وجود اور حیات بھی حقیقتاً خطرے میں پڑ جائے گی۔

درحقیقت قرآن ایک جذباتی بیان کے ذریعے تمام اہل ایمان کو پیغمبر ﷺ کی حفاظت کرنے پر ابھارتا ہے اور مشکلات و مصائب میں ان کی حمایت اور دفاع کی ترغیب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہاری جان اس کی جان سے عزیز تر نہیں ہے اور نہ تمہاری زندگی اس کی حیات سے زیادہ قیمتی ہے کیا تمہارا ایمان اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ ہستی جو بہت ہی زیادہ پر اُرزش ہے او جس کا وجود تمہاری نجات اور رہبری کیلئے ہے وہ خطرے میں پڑ جائے اور تم سلامت طلب اپنی جان بچانے کیلئے اس کی راہ میں قربانی سے دریغ کرو۔

مسلّم ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کے لئے تاکید اس بنا پر ہے کہ اس زمانے میں مرکز اسلام مدینہ تھا اور نہ یہ حکم مدینہ اور اس کے اطراف کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ ہی پیغمبر ﷺ خدا کے ساتھ مخصوص ہے تمام مسلمانوں کی ہر دور میں ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے رہبروں کو اپنی جان کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ گرامی اور عزیز سمجھیں اور ان کی حفاظت کی کوشش کریں اور مشکلات میں انہیں اکیلا نہ چھوڑیں کیونکہ ان کیلئے خطرہ پوری امت کے لئے خطرہ ہے۔

اس کے بعد اس اجر و جزاء کی طرف اشارہ ہے جو ہر قسم کی مشکلات کا مجاہدانہ مقابلہ کرنے سے مجاہدین کو نصیب ہوتی ہے

ان مشکلات میں سے سات اقسام کی نشاندہی کی گئی ہے۔

1۔ یہ اس بنا پر ہے کہ انہیں کوئی پیاس نہیں لگتی۔ 2۔ نہ انہیں کوئی خستگی اور تکان ہوتی ہے۔

3۔ نہ راہ خدا میں انہیں کوئی بھوک دامن گیر ہوتی ہے۔

4۔ نہ کفار کے غیظ وغضب کی وجہ سے وہ کسی خطرے سے دوچار ہوتے ہیں۔

5۔ اور نہ انہیں دشمن کی طرف سے کوئی ضرب لگتی ہے۔ مگر یہ کہ اس کیساتھ ان کیلئے عمل صالح لکھا جاتا ہے۔ اور مسلّم ہے کہ خدائے بزرگ وبرتر کی طرف سے انہیں ایک ایک کر کے جزا اور اجر ملے گا کیونکہ خدا نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

(۱۲۱) 6۔ اسی طرح وہ تھوڑا یا زیادہ مال راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔

7۔ اور میدان جہاد میں جاتے ہوئے یا لوٹتے ہوئے وہ کسی سرزمین کو عبور نہیں کرتے مگر یہ کہ یہ تمام قدم اور یہ اخراجات ان کے لئے ثبت ہو جاتے ہیں اور لکھ لئے جاتے ہیں۔

تا کہ آخر کار خدا ان اعمال کا بہترین اعمال کے لحاظ سے انہیں بدلہ اور جزا دے۔

(۱۲۲) وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۧ	مناسب نہیں کہ سب مومنین (میدان جہاد کی طرف) کوچ کریں ہر گروہ میں سے ایک طائفہ کیوں کوچ نہیں کرتا (اور ایک حصہ باقی نہیں رہتا) تا کہ دین اور اسلام کے معارف واحکام سے آگاہی حاصل کریں اور اپنی قوم کی طرف بازگشت کے وقت انہیں ڈرائیں تا کہ وہ (حکم خدا کی مخالفت سے) ڈریں اور رک جائیں۔

شان نزول

جس وقت پیغمبر اکرم ﷺ میدان جہاد کی طرف روانہ ہوتے تو سب مسلمان آپ ﷺ کے ساتھ نکل پڑتے۔ پیچھے معذور افراد اور منافقین رہ جاتے لیکن جب کچھ آیات منافقین کی مذمت میں نازل ہوئیں اور خصوصا جنگ تبوک سے منہ موڑنے والوں کو جس طرح سے وعید وملامت نے آ گھیرا اس سے مومنین جہاد کے میدانوں میں شرکت کیلئے اور زیادہ پختہ ہو گئے یہاں تک کہ وہ جنگیں جن میں پیغمبر ﷺ ذاتی طور پر شرکت نہیں کرتے تھے ان میں شرکت کیلئے بھی سب نکل پڑتے تھے اور رسول اکرم ﷺ کو تنہا چھوڑ دیتے تھے۔

اس صورت حال کے پیش نظر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور انہیں بتایا گیا کہ ضرورت کے علاوہ مناسب نہیں کہ

سب مسلمان میدان جنگ کی طرف جائیں۔

تفسیر

جہالت اور دشمن کے خلاف جہاد

زیرنظر آیت جہاد کے سلسلے میں گزشتہ آیات سے تعلق رکھتی ہے یہ ایک ایسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے جو مسلمان کے لئے حیات آفرین حیثیت رکھتی ہے اور وہ یہ کہ اگر جہاد بہت اہمیت رکھتا ہے اور اس سے پیچھے رہ جانا ننگ و عار اور گناہ ہے لیکن بعض مواقع پر جہاں ضرورت تقاضا نہیں کرتی کہ تمام مسلمان میدان جہاد میں شرکت کریں خصوصا ان مواقع پر جب پیغمبر ﷺ خود مدینہ میں رہ جائیں تو مناسب نہیں کہ سب جہاد کیلئے چل پڑیں بلکہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی ہر جماعت کے دو حصے ہوں۔ایک حصہ فریضہ جہاد کو انجام دے اور دوسرا حصہ مدینہ میں رہ کر اسلام کے معارف و احکام کی تعلیم حاصل کرے. اورر جب ان کے دوست مجاہدین میدان سے پلٹ آئیں تو خدا کے احکام و فرامین کی انہیں تعلیم دیں اور انہیں ان کی مخالفت سے ڈرائیں. ہوسکتا ہے اس طرح سے وہ فرمان خدا کی مخالفت سے پرہیز کریں اور اپنے فرائض انجام دیں.

(۱۲۳)يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَّ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ	اے ایمان والو! ان کفار کے ساتھ جنگ کرو جو تمہارے زیادہ قریب ہیں (اور دور کا دشمن تمہیں نزدیک کے دشمن سے غافل نہ کردے) اور وہ تم میں شدت اور سختی محسوس کریں اور جان لو خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

تفسیر

قریب کے دشمن کی خبر

جہاد کے بارے میں جاری مباحث کے ضمن میں زیرنظر آیت میں دو مزید احکام بیان کئے گئے ہیں۔

پہلے روئے سخن مومنین کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اے ایمان والو!ان کفار سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں۔

یہ درست ہے کہ تمام دشمنوں کے خلاف جنگ کرنا چاہئے اور اس سلسلے میں کوئی امتیاز نہیں لیکن جنگی تکنیک کے لحاظ سے بلاشبہ پہلے قریب ترین دشمن کے خلاف جنگ کرنا چاہئے۔کیونکہ قریب کے دشمن کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے یہ اسی طرح ہے جیسے اسلام کی طرف دعوت دینے اور دین حق کی طرف ہدایت کرنے کے وقت بھی جو زیادہ نزدیک ہے ان سے آغاز کیا جانا چاہئے۔

اس بات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ زیرنظر آیت اگرچہ مسلح جنگ اور فاصلہ مکانی کے بارے میں گفتگو کر رہی ہے لیکن بعید نہیں کہ آیت کی روح منطقی جنگوں اور معنوی فاصلوں کے بارے میں بھی حکم دیتی ہو یعنی مسلمان دشمنوں سے منطقی اور تبلیغاتی

مقابلے کیلئے پہلے ایسے لوگوں کا مقابلہ کریں جن کا خطرہ اسلامی معاشرے کیلئے بہت نزدیک ہو۔ مثلاً ہمارے زمانے میں الحاد اور مادیت کا خطرہ تمام معاشروں کو دستک دے رہا ہے لہٰذا باطل مذاہب سے مقابلے کی نسبت اس کے مقابلے کو مقدم رکھنا چاہئے یہ نہیں کہ انہیں بھلا دیا جائے بلکہ تیز حملے کا رخ زیادہ خطرناک گروہ کی طرف ہونا چاہئے یا مثلاً فکری یا سیاسی اور اقتصادی استعمار سے مقابلے کو پہلے درجے میں رکھنا چاہئے۔

جہاد کے متعلق آیت بالا میں دوسرا حکم شدت عمل کا ہے آیت کہتی ہے دشمنوں کو تم میں ایک طرح کی سختی کا احساس ہونا چاہئے "لیجدوا فیکم غلظة" یہ اس طرف اشارہ ہے کہ قیام کیلئے اور دشمن کا سختی سے مقابلہ کرنے کیلئے صرف باطنی شجاعت و شہامت اور قلبی آمادگی کافی نہیں ہے بلکہ اپنی اس آمادگی اور شدت کا دشمن کے سامنے اظہار بھی ہونا چاہئے تاکہ اسے معلوم ہو کہ تم میں ایسا جذبہ موجود ہے اور یہی چیز اسکی عقب نشینی اور شکست کا باعث بن جائے دوسرے لفظوں میں قوت اور طاقت کا ہونا کافی نہیں ہے بلکہ دشمن کے مقابلے میں طاقت کا اظہار بھی ہونا چاہئے۔

آخر میں قرآن مسلمانوں کو ان الفاظ میں فتح و کامرانی کی نوید دیتا ہے جان لو خدا پرہیز گاروں کے ساتھ ہے "و اعلموا ان اللہ مع المتقین" ہوسکتا ہے یہ تعبیر مزید برآں اس طرف بھی اشارہ ہو کہ شدت عمل کو پرہیز گاری کے ساتھ ساتھ ہونا چاہئے اور حدود انسانی سے کسی صورت میں بھی تجاوز نہیں کیا جانا چاہئے۔

(۱۲۴) وَ اِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ	اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض (دوسروں سے) کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ ان سے کہہ دو! جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اس سے ان کا ایمان بڑھا ہے اور وہ (خدا کے فضل و کرم سے) خوش ہیں۔
(۱۲۵) وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ	لیکن جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کی ناپاکی پر ناپاکی ہی کا اضافہ ہوا ہے اور وہ دنیا سے اس حالت میں گئے ہیں کہ وہ کافر تھے۔

تفسیر

آیات قرآنی کی تاثیر پاک اور ناپاک دلوں پر

منافقین اور مومنین کے بارے میں گذشتہ مباحث کی مناسبت سے ان دو آیات میں ان دونوں گروہوں کی ایک واضح نشانی

کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافقین ایک دوسروں سے کہتے ہیں کہ یہ سورت نازل ہونے سے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا ہے۔

ایسی باتیں کرکے وہ قرآن کی سورتوں کی عدم تاثیر اور ان کے بارے میں اپنی بے اعتنائی کا اظہار کرنا چاہتے تھے وہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ یہ آیات کسی اہم اور قابل توجہ مفہوم کی حامل نہیں ہیں لیکن قرآن انہیں قطعی لب ولہجہ میں جواب دیتا ہے اور لوگوں کے دوگروہوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتا ہے رہے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں تو ان آیات کا نزول ان کے ایمان میں اضافہ کرتا ہے اور ان کے چہروں سے مسرت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

(۱۲۵) لیکن جن کے دلوں میں نفاق' جہالت' عناد اور حسد کی بیماری ہے ان کی ناپاکی پر ایک اور ناپاکی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ آخر کار وہ کفر اور بے ایمانی کی حالت میں اس دنیا سے جائیں گے۔

قرآنی آیات بارش کے حیات بخش قطروں کی طرح ہیں جو باغ میں سبزہ زار اگاتے ہیں اور تھور والی زمین میں خس و خاشاک کی طرح ہیں۔

(۱۲۶) اَوَ لَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَ لَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ	کیا وہ نہیں دیکھتے کہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ان کی آزمائش ہوتی ہے؟ پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور متوجہ نہیں ہوتے۔
(۱۲۷) وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍؕ هَلْ یَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْاؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ	اور جس وقت کوئی سورت نازل ہوتی ہے ان منافقین میں سے بعض ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ (اور باہر چلے جاتے ہیں) اور اللہ نے ان کے دلوں کو حق سے پھیر دیا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں اور بے علم ہیں۔

تفسیر

ان آیات میں بھی منافقین کے بارے میں گفتگو جاری ہے اور انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ انہیں آزمایا جاتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ ان پے در پے آزمائشوں کے باوجود غلط راستے پر چلنے سے باز نہیں آتے اور توبہ نہیں کرتے اور متذکر نہیں ہوتے۔ اس سلسلے میں کہ اس آزمائش سے کیا مراد ہے جس کا سالانہ ایک یا دو مرتبہ تکرار ہونا ہے مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

اس کے بعد ان انکار آمیز حرکات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو وہ آیات خداوندی سن کر کیا کرتے تھے ارشاد ہوتا ہے جب

کوئی قرآن کی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ اس کے بارے میں حقارت وانکار کی نظر سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے وہ آنکھوں کی حرکات سے ظاہر کرتے کہ انہیں کس قدر پریشانی ہے۔

انہیں تکلیف اور پریشانی اس وجہ سے ہے کہ کہیں اس سورت کا نزول ان کیلئے کوئی نئی رسوائی اور ذلت فراہم نہ کردے یا اس وجہ سے ہے کہ کور باطنی کے باعث وہ اس میں سے کچھ سمجھ نہیں پاتے اور انسان اس چیز کا دشمن ہے جسے وہ نہیں جانتا۔

بہر حال وہ یہ پختہ ارادہ کر لیتے ہیں کہ مجلس سے باہر نکل جائیں تا کہ یہ آسمانی زمزمے نہ سنیں البتہ انہیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں نکلتے وقت کوئی انہیں دیکھ نہ لے لہٰذا آہستہ سے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کوئی ہماری طرف متوجہ تو نہیں ہے کیا کوئی تمہیں دیکھ رہا ہے۔ جب انہیں اطمینان ہو جاتا ہے کہ لوگ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سننے میں مشغول ہیں اور ان کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو وہ مجلس سے باہر نکل جاتے ہیں۔

آیت کے آخر میں اس بات کی علت کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ کلمات خدا سننے پر اس لئے بے کیف اور پریشان ہوتے ہیں کہ خدا نے ان کے دلوں کو ان کی ہٹ دھرمی عناد اور گناہوں کی وجہ سے حق سے پھیر دیا ہے اور وہ حق سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں کیونکہ وہ بے فکر اور ناسمجھ افراد ہیں۔

(۱۲۸) لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ	تم میں سے تمہاری طرف رسول آیا کہ جسے تمہاری تکالیف اور رنج والم ناگوار ہیں اور جو تمہاری ہدایت پر اصرار کرتا ہے اور مومنین پر رؤف ومہربان ہے۔
(۱۲۹) فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَ هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ۠	اگر وہ (حق سے) منہ پھیر لیں (تو تم پریشان نہ ہو جانا)۔ کہہ دو کہ خدا میری کفایت کرے گا اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے میں نے اس پر توکل کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا پروردگار (اور مالک) ہے۔

تفسیر

نازل ہونے والی آخری آیات

بعض مفسرین کے بقول زیر نظر آیات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری آیات ہیں سورہ توبہ ان پر ختم ہو رہی ہے یہ آیات فی الحقیقت ان تمام مسائل کی طرف اشارہ ہیں جو اس سورہ میں گزر چکے ہیں۔

لہٰذا پہلی آیت میں روئے سخن لوگوں کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور ظاہری سختیاں جن کے کچھ نمونے اس سورہ

میں آئے ہیں کہ پیغمبرکوان کی ہدایت،تربیت،تکامل اورارتقاء سے پیغمبر جوخودتمہی سے ہےتمہاری طرف آیا ہے۔

بہر حال "من انفسکم"، کی صفت بیان کرنے کے بعد رسول اکرمﷺ کی چار ممتاز صفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ صفات لوگوں کے میلانات کی تحریک کیلئے اوران کے احساسات وجذبات کو جذب کرنے کیلئے گہرا اثر رکھتی ہیں۔

پہلے فرمایا گیا ہےتمہیں کوئی بھی تکلیف ضرراورنقصان پہنچے پیغمبر کے لئے سخت تکلیف اور ناراضی کا باعث ہے۔یعنی وہ نہ صرف تمہاری تکلیف سے خوش نہیں ہوتا بلکہ وہ اس تکلیف سے الگ نہیں رہ سکتا وہ تمہارے رنج وغم سے رنجیدہ ہوتا ہےاوراگرتمہاری ہدایت اور طاقتِ فرساء پرزحمت جنگوں پراصرارکرتا ہےتو وہ بھی تمہاری نجات اورظلم گناہ اور بدبختی کے چنگل سے تمہاری رہائی کیلئے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ تمہاری ہدایت سے سخت لگاؤرکھتا ہےاورتمہاری ہدایت سے عشق رکھتا ہے۔

لہٰذااگروہ تمہیں جہاد کی تلخیوں بھرے میدانوں کی طرف بھیجتا ہےاوراگر منافقین کوسخت دباؤ میں رکھتا ہےتو یہ سب باتیں تمہاری آزادی شرف عزت اور ہدایت کیلئے ہیں اور یہ کام تمہارے معاشرے کی پاکسازی سے اس کے عشق کی وجہ سے ہے۔

(۱۲۹)اس آیت میں جو کہ اس سورہ کی آخری آیت ہے پیغمبراکرمﷺ کی دلجوئی کرتے ہوئے کہ وہ لوگوں کی سرکشیوں اورنافرمانیوں سے ملول نہ ہوں فرمایا گیا ہے اگر وہ حق سے منہ پھیرلیں تو پریشان نہ ہواور کہہ دے کہ خدا میرے لئے کافی ہے کیونکہ وہ ہر چیز پرقدرت رکھتا ہے۔وہی خدا کہ جس کے علاوہ کوئی معبودنہیں ہے لہٰذا وہی اکیلا پناہ گاہ ہے۔جی ہاں میں نے صرف اسی معبود پر تکیہ کیا ہےاوراس کے ساتھ ہی دل باندھا ہےاوراپنے کام اسی کے سپرد کئے ہیں۔اوروہی عرش عظیم کا مالک وپروردگار ہے۔

عرش عالم بالا اور عالم ماورائے طبیعت اپنی پوری عظمت کے ساتھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے اوراس کی حمایت و کفالت میں ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ مجھے اکیلا چھوڑ دے اور دشمن کے مقابلے میں میری مدد نہ کرے؟ کیا کوئی قدرت اس کی قدرت کے مقابلے میں ٹھہر سکتی ہے۔یا کوئی رحمت ومہربانی اس کی رحمت ومہربانی سے بالاتر تصور ہوسکتی ہے؟

سورہ یونس

یہ سورہ مکی ہے

اس کی آیات ۱۰۹ ہیں

سورہ یونس کے مضامین اور فضیلت

بعض مفسرین کے بقول سورۂ بنی اسرائیل کے بعد اور سورۂ ہود سے پہلے نازل ہوئی۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح یہ بھی چند اصولی اور بنیادی مسائل پر مشتمل ہے۔ ان میں سے سب سے اہم مبداء اور معاد کا مسئلہ ہے۔ البتہ پہلے وحی اور مقام پیغمبر کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اس کے بعد عظمت آفرینش کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں جو کہ عظمت خدا کی علامت ہیں۔ بعد ازاں لوگوں کو مادی زندگی کی ناپائیداری اور دار آخرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور اس کے لئے ایمان اور عمل صالح کے ذریعے تیاری پر ابھارا گیا ہے۔ انہی مسائل کی مناسبت سے بزرگ انبیاء کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے تذکرے ہیں۔ اسی حوالے سے سورہ کا نام سورۂ یونس رکھا گیا ہے۔

آخر میں مندرجہ بالا مباحث کی تکمیل کے لئے بشارت و نذرات کا تذکرہ ہے۔ ہر مناسب مقام پر صالحین کے لئے خدا کی بے انتہا نعمتوں کی بشارت ہے اور سرکشوں کے لئے انداز اور خوف سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اسی لئے امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں مروی ہے:

"من قرء سورة يونس فی کل شهرين اوثلاثه لم يخف عليه ان يكون من الجاهلين و كان يوم القيامة من المقربين" (تفسیر نور الثقلین، ج۔۔۔۔۲، ص۔۔۔۔۲۹۰ اور دیگر تفاسیر)

جو شخص سورۂ یونس ہر دو یا تین ماہ میں ایک دفعہ پڑھے تو اس کے لئے یہ خوف نہیں کہ وہ جاہلوں میں سے قرار پائے۔ نیز قیامت کے دن وہ مقربین میں سے ہوگا۔

یہ اس بنا پر ہے کہ اس سورہ میں خبردار اور بیدار کرنے والی بہت سی آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
(۱) الٓرٰ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ	ا۔ل۔ر۔ وہ کتاب حکیم کی آیات ہیں۔
(۲) اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ	کیا یہ بات لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ان میں سے ایک کی طرف ہم نے وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈراؤ اور جو ایمان لائے ہیں انہیں بشارت دو کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس مسلّم جزا ہے، کافر کہتے ہیں کہ یہ شخص (پیغمبر اکرمؐ) واضح جادوگر ہے۔

تفسیر

اس سورہ میں پھر ہمیں حروف مقطعات کا سامنا ہے اور یہ ہیں الف، لام اور راء۔

حروف مقطعات کے بعد پہلے آیات قرآن کی عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: وہ کتاب حکیم کی آیات ہیں۔

آسمانی کتاب یعنی قرآن کی تعریف کے لئے لفظ ''حکیم'' استعمال کیا گیا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آیات قرآنی استحکام، نظم وضبط اور حساب وکتاب کی حامل ہیں اور ہر قسم کے باطل سے، فضول باتوں سے دور ہیں اور قرآن حق کے سوا کچھ نہیں کہتا اور سوائے راہ حق کے کسی چیز کی دعوت نہیں دیتا۔

(۲) اس اشارے کی مناسبت سے جو پہلی آیات میں قرآن مجید میں وحی آسمانی کے لئے ہے دوسری آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مشرکین کا ایک اعتراض بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہی اعتراض ہے جس کا قرآن مجید میں کئی مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا تکرار نشاندہی کرتا ہے کہ مشرکین یہ اعتراض بار بار کیا کرتے تھے اور وہ یہ کہ آسمانی وحی کیوں خدا کی طرف سے ایک انسان پر نازل ہوئی ہے اور عظیم رسالت کی یہ ذمہ داری کسی فرشتے کے ذمہ کیوں نہیں ہوئی۔

ایسے سوالات کے جوابات میں قرآن کہتا ہے: کیا لوگوں کے لئے یہ امر باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی۔

اس کے بعد اس آسمانی وحی سے مضمون کا دو چیزوں میں خلاصہ بیان کیا گیا ہے پہلی یہ کہ ہم نے تیری طرف وحی کی ہے تا کہ لوگوں کو کفر وگناہ کے انجام سے ڈراؤ اور دوسرا یہ کہ صاحب ایمان افراد کو بشارت دو کہ ان کے لئے بارگاہ خدا میں قدم صدق ہے۔

''قدم صدق'' سے کیا مراد ہے؟

پہلی یہ کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان ''فطری سابقہ'' رکھتا ہے۔

دوسری یہ کہ یہ مسئلہ معاد وقیامت اور آخرت کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔

تیسری یہ کہ ''قدم'' پیشوا اور رہبر کے معنی میں ہے یعنی مومنین کے لئے سچا پیشوا اور رہبر بھیجا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے ہوسکتا ہے اس تعبیر کا مقصد ان تمام امور کی بشارت دینا ہو۔

آیت کے آخر میں پھر ایسے اتہام کی طرف اشارہ ہے جو مشرکین بار ہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر باندھتے تھے ارشاد ہوتا ہے: کافر کہتے ہیں کہ یہ شخص واضح جادوگر ہے۔

رہا یہ سوال کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جادو کی نسبت کیوں دیتے ہیں، تو اس کا جواب واضح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُر اعجاز باتوں، درخشاں منصوبہ جات، روشن قوانین اور دیگر معجزات کا ان کے پاس کوئی اطمینان بخش جواب نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ ان کے خارق عادت اور غیر معمولی ہونے کو وہ جادو قرار دے دیں تا کہ وہ سادہ لوح افراد پر جہالت کا پردہ ڈال سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی طرف سے ایسی تعبیریں خود اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام خارق عادت اور غیر معمولی تھے جو لوگوں کے قلب ونظر کو اپنی طرف جذب کر لیتے تھے۔ خصوصاً ان کا قرآن مجید کو جادو قرار دینا اس بات کا زندہ شاہد ہے کہ وہ اس آسمانی کتاب کی انتہائی قوت جاذبہ سے لوگوں کو دور رکھنے کے لئے اس تہمت کا سہارا لیتے تھے۔

(۳)اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ مَا مِنۡ شَفِيۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ ؕ ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ	تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر امور عالم کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ تمام چیزیں اس کے قبضہ تدبیر میں ہیں اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں۔ اللہ تمہارا پروردگار ہے، پس اس کی عبادت کرو، کیا تم (ان واضح دلیلوں میں) غور نہیں کرتے؟
(۴)اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ	تم سب کی بازگشت اس کی طرف ہے۔ خدا نے حق وعدہ فرمایا ہے اس نے مخلوق کا آغاز کیا اس کے بعد انہیں پلٹائے گا تاکہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو عادلانہ جزا دے اور جو کافر ہو گئے ہیں ان کے پینے کے لئے جلانے والا مائع اور دردناک عذاب ہے کیونکہ انہوں نے کفر اختیار کیا ہے۔

تفسیر

خداشناسی اور قیامت

وحی اور نبوت کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اس سورہ کی ابتدائی آیات میں قرآن تمام انبیاء کی تعلیمات کے دو بنیادی اصولوں یعنی مبداء اور معاد کا رخ کرتا ہے زیر نظر دو آیات میں ان دو اہم اصولوں کو مختصر اور واضح عبارت میں بیان کیا گیا ہے، پہلے فرمایا گیا ہے: تمہارا پروردگار وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے: خدا نے عالم کو پیدا کرنے کے بعد اس کے امور کی باگ وڈور اپنے دست قدرت میں لی۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ خالق اللہ ہے اور عالم ہستی کو وہی چلاتا ہے اور تمام امور کی تدبیر اس کے فرمان سے ہوتی ہے واضح ہے کہ بے جان، عاجز اور ناتواں بتوں کا انسانوں کی سرنوشت میں کوئی اثر نہیں اس لئے بعد والے جملے میں فرمایا گیا ہے: اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں۔

جی ہاں................حقیقت یہی ہے کہ اللہ تمہارا پروردگار ہے لہٰذا اسی کی پرستش کرو نہ کہ اس کے غیر کی۔

کیا اس واضح دلیل سے تم متذکر اور متوجہ نہیں ہوئے۔

(۴) جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں بعد والی آیت میں معاد اور قیامت کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں یہ معاملہ، اس کی دلیل اور اس کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔

پہلے قرآن کہتا ہے: تم سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے۔

اس کے بعد تاکیداً فرمایا گیا ہے: یہ خدا کا قطعی وعدہ ہے۔

بعد ازاں اس کی دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے: خدا نے خلقت کی ابتداء کی اور پھر اس کی تجدید کرے گا۔

قیامت اور معاد سے مربوط آیات نشاندہی کرتی ہیں کہ مشرکین اور مخالفین کے شک کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ انہیں ایسی چیز کے امکان میں شک تھا اور وہ تعجب سے سوال کرتے تھے کہ کیا یہ بوسیدہ اور خاک بنی ہوئی ہڈیاں دوبارہ لباس پہنیں گی اور اپنی اصلی شکل میں پلٹ آئیں گی۔

اس کے بعد معاد کے مقصد کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: یہ اس بناء پر ہے کہ خدا ایسے افراد کو جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیئے ہیں انہیں عادلانہ جزا اور بدلہ دے۔ بغیر اس کے کہ ان کا کوئی چھوٹا سا عمل بھی لطف ورحمت کی نظر سے مخفی رہے اور اجر وثواب کے بغیر نہ رہ جائے۔

اور وہ لوگ کہ جنہوں نے کفر اور انکار کا راستہ طے کیا ہے اور پھر فطری طور پر ان کا کوئی نیک عمل بھی نہ تھا (کیونکہ اچھے عمل کی جڑ اچھا عقیدہ ہے) ان کے لئے دردناک سزا ہے۔ ان کے پینے کے لئے گرم اور جلانے والا پانی ہے اور ان کے کفر کی وجہ سے "عذاب الیم" ان کے انتظار میں ہے۔

(۵)هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ	وہ وہی ہے کہ جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو نور قرار دیا ہے اور اس کے لئے منزلیں مقرر کی ہیں تاکہ تم برسوں کی تعداد اور (کاموں کا) حساب جان لو۔ خدا نے اسے سوائے حق کے پیدا نہیں کیا۔ وہ (اپنی) آیات صاحبان علم کے لئے تفصیل (و تشریح) کے ساتھ بیان کرتا ہے۔
(٦)اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ	مسلّم ہے کہ رات اور دن کے آنے جانے میں اور ان چیزوں میں کہ جنہیں خدا نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے آیات (نشانیاں) ہیں جو پرہیزگار ہیں۔

تفسیر

عظمت الٰہی کی نشانیاں

زیر نظر پہلی آیت میں جہان آفرینش میں عظمت خدا کی نشانیوں کے ایک حصے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وہ (خدا) وہ ہے کہ جس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور قرار دیا۔

سورج اپنے عالمگیر نور سے نہ صرف موجودات کے وجود کو گرم کرتا اور روشنی بخشتا ہے بلکہ سبزہ زاروں کی نشو ونما اور جانوروں کی پرورش میں عمدہ اور بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اصولی طور پر ہر حرکت و جنبش جو کرۂ زمین میں موجود ہے یہاں تک کہ ہواؤں کے چلنے میں، دریاؤں کی موجوں میں، نہروں کی لہروں میں اور آبشاروں کی روانی میں، اگر صحیح طور پر غور وفکر کیا جائے تو یہ نور آفتاب کی برکت ہے اور اگر کسی دن یہ حیات بخش شعاعیں ہمارے کرۂ خاکی سے منقطع ہو جائیں تو قلیل عرصے میں تاریکی، سکوت اور موت تمام جگہوں پر چھا جائے۔

چاند اپنے خوبصورت نور کے ساتھ ہماری تاریک راتوں کا چراغ ہے۔ ماہ تاباں نہ صرف بیابانوں میں رات کے مسافروں کی رہبری کرتا ہے بلکہ اس کی مناسب اور ملائم روشنی سارے کرۂ ارضی کے رہنے والوں کے لئے سکون وآرام اور نشاط و مسرت کا باعث ہے۔

اس کے بعد چاند کے وجود کے ایک اور مفید اثر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: خدا نے اس کے لئے کئی منزلیں مقرر کی ہیں تاکہ وہ اپنے برسوں کی تعداد اور زندگی کے حسابات جان سکیں۔

یعنی اگر تم دیکھتے ہو کہ پہلی رات میں چاند ایک باریک سا ہلال ہوتا ہے اور پھر ہر روز بڑھتا رہا ہے، تقریباً آدھے مہینے تک یوں ہی بڑھتا چلا جاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا ہے یہاں تک مہینے کے آخری ایک دو دن میں محاق (چاند کا گھٹنا) کی تاریکی میں ڈوب جاتا ہے اور پھر دوبارہ ہلال کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور انہی منازل کو طے کرتا ہے تو یہ تبدیلی عبث اور فضول نہیں ہے بلکہ یہ ایک بہت ہی دقیق اور زندہ طبیعی تقویم (کیلنڈر) ہے جسے عالم وجاہل پڑھ سکتے ہیں اور اس سے اپنے امور حیات کا حساب رکھ سکتے ہیں اور روشنی کے علاوہ ہمارے لئے چاند کا یہ ایک اور فائدہ ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کہ مہرومہ کی یہ آفرینش وگردش بغیر سوچے سمجھے اور کھیل کود کے لئے نہیں ہے "خدا نے انہیں صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

آیت کے آخر میں تاکیداً فرمایا گیا ہے: خدا سمجھنے والوں کیلئے اپنی نشانیاں شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

باقی رہے بے خبر و بے بصر تو وہ بارہا خدا کی ان نشانیوں کے پاس سے گزر جاتے ہیں لیکن ان سے کچھ نہیں سمجھتے۔

(٦) دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ آسمان وزمین میں اپنے وجود کی کچھ مزید نشانیاں اور دلائل بیان کرتا ہے، فرماتا ہے: رات دن کے آنے جانے میں اور جو کچھ خدا نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا اس میں پرہیزگاروں کے لئے نشانیاں ہیں۔

رات دن کا آنا جانا

زیرنظر آیت میں رات دن کے آنے جانے کو خدا کی ایک نشانی شمار کیا گیا ہے اور یہ اس بنا پر ہے کہ اگر سورج کی روشنی ایک ہی طرح مسلسل زمین پر پڑتی رہتی تو یقیناً زمین کا درجہ حرات اتنا بڑھ جاتا کہ وہ زندگی گزارنے کے قابل نہ رہتی (جیسے چاند پر جلانے والی حرارت ہے جو کہ اس کے دنوں میں زمین کے ۱۵ شب وروز کے برابر ہے) اور اسی طرح اگر رات مسلسل جاری رہتی تو تمام چیزیں

سردی کی شدت سے خشک ہو جاتیں (جیسا کہ چاند کی طویل راتیں ہیں) لیکن خدا نے ان دونوں کو یکے بعد دیگرے قرار دیا ہے تا کہ زندگی کو کرہ ارض پر باقی رکھے۔

(۷)اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَ نَا وَ رَضُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَاطۡمَاَنُّوۡا بِہَا وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ ۙ	وہ جو ہماری ملاقات (قیامت) کی امید نہیں رکھتے اور دنیاوی زندگی پر خوش ہیں اور اس پر تکیہ کئے ہوئے ہیں اور وہ جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔
(۸)اُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ	ان (سب) کے رہنے کی جگہ آگ ہے، ان کاموں کی وجہ سے جو وہ انجام دیتے تھے۔
(۹)اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَہۡدِیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِاِیۡمَانِہِمۡ ۚ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ	(لیکن) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے خدا انہیں ان کے ایمان کے سبب ہدایت کرتا ہے، ان کے (قصر اور محلات کے) نیچے سے جنت کے باغوں میں نہریں جاری ہیں۔
(۱۰)دَعۡوٰىہُمۡ فِیۡہَا سُبۡحٰنَکَ اللّٰہُمَّ وَ تَحِیَّتُہُمۡ فِیۡہَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعۡوٰىہُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ٪	جنت میں ان کی گفتگو (اور دعا) یہ ہے کہ خدایا: تو منزہ ہے اور ان کا تحیہ سلام ہے اور ان کی آخری بات یہ ہے کہ حمد اور تعریف مخصوص ہے عالمین کے پروردگار اللہ کے لئے۔

تفسیر

جنتی اور دوزخی

جیسا کہ اشارہ ہو چکا ہے اس سورہ کی ابتداء میں قرآن نے پہلے مبداء اور معاد کے مسئلہ کے بارے میں ایک اجمالی بحث کی ہے اور بعد میں اس کی تفصیل شروع کی ہے۔

گذشتہ آیات میں مسئلہ مبداء کے بارے میں تشریح تھی اور زیرنظر آیات میں معاد اور دوسرے جہان میں لوگوں کی سرنوشت کے بارے میں تشریح نظر آتی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے: وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور قیامت پر عقیدہ نہیں رکھتے اور اس بناء پر صرف دنیاوی

زندگی پر خوش ہیں اور اسی پر تکیہ کئے ہوئے ہیں۔

اور اسی طرح وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں اور ان میں غور و فکر نہیں کرتے کہ ان کے دل بیدار ہوں اور ان میں احساس مسؤلیت پیدا ہو۔

(۸) ان دونوں گروہوں کے رہنے کی جگہ آگ ہے، ان اعمال کے سبب جو وہ انجام دیتے تھے۔

فی الحقیقت معاد اور قیامت پر ایمان نہ لانے کا سیدھا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اس محدود زندگی اور عارضی مادی مقام و منصب سے دل بستگی پیدا کرتا ہے اور انہی پر بھروسہ کر لیتا ہے۔ زندگی کے کاموں میں اس کا نتیجہ آلودگی کی صورت میں نکلتا ہے اور اس کا انجام آخر آتش جہنم کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

اسی طرح آیات الٰہی سے غفلت خدا سے بیگانگی کا سرچشمہ ہے اور خدا سے بیگانگی عدم احساس مسؤلیت کا سرچشمہ ہے اور اس کے نتیجے میں انسان ظلم، فساد اور گناہ سے آلودہ ہوتا ہے اور اس کا انجام آتش جہنم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(۹) اس کے بعد دونوں گروہوں کے مقابل ایک اور گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے، ان کے ایمان کی تقویت کے لئے خدا انہیں ہدایت کرتا ہے۔

ہدایت الٰہی کا یہ نور جس کا سرچشمہ ان کا نور ایمان ہے، ان کی زندگی کے تمام افق روشن کر دیتا ہے اس نور کے ذریعے ان میں ایسی روشن بینی پیدا ہو جاتی ہے کہ مادی مکاتب و نظریات، شیطانی وسوسے، گناہوں کی چمک دمک، زر و دولت اور اقتدار ان کی فکر و نظر میں نہیں جچتے اور وہ صحیح راستے کو چھوڑ کر بے راہ روی میں قدم نہیں رکھتے۔

یہ تو ان کی دنیا کی حالت ہے اور دوسرے جہان میں خدا بہشت کے پر نعمت باغوں میں انہیں محلات عطا کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

(۱۰) وہ ایک ایسے ماحول میں زندگی بسر کریں گے جو صلح و آشتی، پاکیزگی اور عشق پروردگار سے معمور ہوگا اور جہاں طرح طرح کی نعمتیں ہوں گی جس وقت خدا کی ذات و صفات سے عشق ان کے وجود کو روشن کر دے گا تو وہ کہیں گے پروردگار! تو ہر قسم کے عیب اور نقص سے منزہ اور پاک ہے۔ جب وہ ایک دوسرے سے ملیں گے تو صلح و صفائی کی باتیں کریں گے اور ان کا تحیہ سلام ہوگا۔

اور آخر کار وہ وہاں خدا کی گوناگوں نعمتوں سے بہرہ ور ہوں گے تو اس کا شکرانہ ادا کریں گے اور کہیں گے کہ ”حمد و ثناء اس خدا کے لئے مخصوص ہے جو عالمین کا پروردگار ہے“۔

(۱۱)وَ لَوۡ یُعَجِّلُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَہُمۡ بِالۡخَیۡرِ لَقُضِیَ اِلَیۡہِمۡ اَجَلُہُمۡ ؕ فَنَذَرُ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ	جس طرح لوگ اچھائیوں کو اپنے قبضے میں لینے کے لئے جلدی کرتے ہیں اگر اللہ بھی ان کی سزا میں تعجیل کرے تو ان کی زندگی اختتام کو پہنچ جائے (اور سب کے سب ختم ہو جائیں) لیکن وہ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے انہیں ہم ان کی حالت پر چھوڑ دیں گے تا کہ وہ اپنے طغیان میں سرگرداں پھریں۔
(۱۲)وَ اِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِہٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا کَشَفۡنَا عَنۡہُ ضُرَّہٗ مَرَّ کَاَنۡ لَّمۡ یَدۡعُنَاۤ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّہٗ ؕ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلۡمُسۡرِفِیۡنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	اور جس وقت کسی انسان کو کوئی نقصان (اور پریشانی) چھو جائے تو جب وہ پہلو کے بل سویا ہو یا بیٹھا ہو یا کھڑا ہو (ہر حالت میں ہمیں) پکارتا ہے لیکن جب ہم اس کی پریشانی دور کر دیتے ہیں تو ایسے گزرتا ہے گویا اس نے کسی مشکل کے حل کے لئے کبھی ہمیں پکارا ہی نہ ہو۔ اسی طرح سے اسراف کرنے والوں کے لئے ان کے اعمال زینت دیئے جاتے ہیں۔

تفسیر

خودغرض انسان

ان آیات میں بھی بدکاروں کی پاداش کے بارے میں گفتگو جاری ہے۔

پہلی آیت میں قرآن کہتا ہے: اگر خدا بدکار لوگوں کو جلدی اور اسی جہان میں سزا دے دے اور جیسے وہ نعمت اور خیر کے حصول میں جلدی کرتے ہیں خدا بھی ان کی سزا میں تعجیل کرے تو سب کی عمر ختم ہو جائے اور ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہے۔

لیکن خدا کا لطف چونکہ تمام بندوں کے شامل حال ہے یہاں تک کہ بدکاروں، کافروں اور مشرکوں کے لئے بھی ہے اس لئے وہ ان کی سزا میں جلدی نہیں کرتا کہ شاید وہ بیدار ہو جائیں، توبہ کر لیں اور بے راہ روی سے پلٹ آئیں۔

آیت کے آخر میں قرآن فرماتا ہے: ان کے لئے یہی سزا کافی ہے کہ جو لوگ قیامت اور ہماری ملاقات پر ایمان نہیں لائے انہیں ہم ان کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں تا کہ وہ اپنے طغیان میں حیران وسرگرداں رہیں، نہ حق کو باطل سے جدا کر سکیں اور نہ راہ کو چاہ سے۔

(۱۲) اس موقع پر آدمی کی فطرت اور روح کی گہرائی میں نور توحید کے وجود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

جب انسان کو کوئی نقصان اور ضرر پہنچتا ہے اور ہر جگہ سے اس کا ہاتھ تنگ ہو جاتا ہے تو ہماری طرف ہاتھ بلند کرتا ہے اور جب وہ پہلو کے بل سوتا ہے یا بیٹھتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے، ہر حالت میں ہمیں پکارتا ہے۔

جی ہاں! مشکلات اور دردناک حوادث کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی پاک فطرت سے پردوں اور حجابوں کو برطرف کر دیتے ہیں۔ حوادث کی بھٹی میں تمام سیاہ پردے جنہوں نے اس فطرت کو چھپا رکھا ہوتا ہے جل جاتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں اور ایک عرصے کے لئے چاہے وہ کتنا ہی کم ہو اس نور توحیدی کی چمک آشکار ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ باقی رہے یہ لوگ، تو یہ اس قدر کم ظرف اور بے عقل ہیں کہ صرف اتنی دیر میں کہ ہم بلا و پریشانی ان سے برطرف کر دیں، اس طرح غفلت میں ڈوب جاتے ہیں گویا انہوں نے ہم سے کوئی بالکل تقاضا ہی نہ کیا تھا اور ہم نے بھی جیسے ان کی کوئی مدد نہیں کی۔

جی ہاں! اس طرح سے مسرفین کے اعمال کو ان کی نظر میں مزین کیا گیا ہے۔

یہ کہ ایسے افراد کو زیر نظر آیت میں ''مسرفین'' (اسراف کرنے والے) کیوں کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ اسراف کیا ہوگا کہ انسان اپنے وجود کا اہم ترین سرمایہ یعنی عمر، سلامتی، جوانی اور اپنی مختلف صلاحیتوں کو فضول کاموں میں اور گناہ، عصیان اور نافرمانی میں برباد کر دے یا اس دنیا کے بے وقعت اور ناپائیدار مال ومتاع کے حصول میں ضائع کر دے اور اس سرمائے کے بدلے میں اسے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔

(۱۳) وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ	تم سے پہلے کی امتوں نے جب ظلم کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا حالانکہ ان کے پیغمبر واضح دلائل لے کر ان کے پاس آئے تھے اور وہ (ان پر) ایمان نہ لائے اور مجرم گروہ کو ہم اس طرح سے سزا دیتے ہیں۔
(۱۴) ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ	ان کے بعد پھر ہم نے تمہیں روئے زمین پر ان کا جانشین بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔

تفسیر

ظالموں کی راہ پر چلنے سے گریز کرو

ان آیات میں بھی ظالموں اور مجرموں کی اس جہان میں سزاؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو گذشتہ زمانے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ان کے گوش گزار کیا گیا ہے کہ اگر ان کی راہ پر چلے تو ان جیسی سرنوشت میں گرفتار ہوں گے۔

پہلی آیت میں کہا گیا ہے: ہم نے تم سے پہلے کی امتوں کو ہلاک اور نابود کر دیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور وہ ان انبیاء پر ہرگز ایمان نہ لائے جو ان کے پاس واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ ان کی ہدایت کے لئے آئے تھے۔

آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے: ایسا انجام کسی خاص جماعت سے مخصوص نہیں ہے۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

(۱۴) زیرنظر دوسری آیت میں اس بات کو زیادہ صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اس کے بعد ہم نے تمہیں زمین پر ان کا جانشین قرار دیا تاکہ دیکھیں کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔

(۱۵) وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَ نَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ قُلۡ مَا یَكُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِیۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ	اور جس وقت ہماری واضح آیات انہیں سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات (قیامت) کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں: ''کوئی قرآن لے آؤ اس کے علاوہ یا اسے تبدیل کر دو'' کہہ دو: مجھے حق نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے تبدیل کر دوں میں تو صرف اسکی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتی ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو (قیامت کے) عظیم دن کی سزا سے ڈرتا ہوں۔
(۱۶) قُلۡ لَّوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوۡتُهٗ عَلَیۡكُمۡ وَ لَاۤ اَدۡرٰىكُمۡ بِهٖ ۫ۖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ	کہہ دو: اگر خدا چاہتا تو میں تم پر آیات تلاوت نہ کرتا اور تمہیں ان سے آگاہ نہ کرتا کیونکہ میں نے مدتوں اس سے پہلے تم میں زندگی گزاری ہے، کیا سمجھتے نہیں ہو؟
(۱۷) فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ	اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ باندھتا ہے اور اس کی آیات کو جھٹلاتا ہے۔ مسلّم ہے کہ مجرم فلاح نہیں پائیں گے۔

شان نزول

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیات چند بت پرستوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ وہ خدمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ جو کچھ قرآن میں ہمارے بڑے بتوں لات، عزیٰ، منات اور ہبل کی عبادت نہ کرنے اور

ان کی مذمت میں نازل ہوا ہے، ہمارے لئے قابل برداشت نہیں ہے اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہاری پیروی کریں تو دوسرا قرآن لے آؤ جس میں ایسی کوئی بات نہ ہو یا پھر کم ازکم موجودہ قرآن میں سے ایسی باتیں نکال دو۔اس پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اور انہیں جواب دیا گیا۔

تفسیر

گذشتہ آیات کی طرح ان آیات میں بھی مبداء معاد سے مربوط مسائل سے متعلق بحث جاری ہے۔

پہلے بت پرستوں کے ایک بہت بڑے اشتباہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے: جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو جولوگ قیامت اور ہماری ملاقات پر ایمان نہیں رکھتے، کہتے ہیں: اس کی بجائے کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا پھر کم ازکم اس قرآن میں تبدیلی کردو۔

یہ بے خبر بے نوا پیغمبر کی رہبری کو قبول نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے خرافات اور باطل افکار کی پیروی کی دعوت دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے قرآن کی خواہش کرتے تھے جو ان کے انحرافات کے تابع ہو نہ کہ ان کے معاشرے کا اصلاح کنندہ ہو۔وہ نہ صرف یہ کہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور اپنے کاموں میں احساس مسئولیت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی یہ گفتگو نشاندہی کرتی تھی کہ انہوں نے نبوت کے مفہوم کو بالکل سمجھا ہی نہ تھا یا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

قرآن صراحت کے ساتھ انہیں اس عظیم اشتباہ سے باہر نکالتا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ ان سے کہہ دو: میرے لئے ممکن نہیں کہ میں خود اس میں تبدیلی کردوں۔اس کے بعد تاکید کے طور پر مزید فرمایا گیا ہے: میں فقط اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتی ہے۔

نہ صرف یہ کہ میں اس آسمانی وحی میں تبدیلی نہیں کرسکتا بلکہ اگر میں اپنے پروردگار کے حکم سے تھوڑا سا بھی اختلاف کروں تو (قیامت کے) دن اس عظیم دن کی سزا سے ڈرتا ہوں۔

(۱۶) اس آیت میں اس بات کی دلیل پیش کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے، ان سے کہہ دو: ''اس کتاب میں میرے ارادے کا ذرہ بھی دخل نہیں اور اگر خدا چاہتا تو ان آیات کی میں تمہارے سامنے تلاوت نہ کرتا اور تمہیں اس سے آگاہ نہ کرتا'۔اس لئے کہ میں نے قبل ازیں بہت عرصہ تم میں زندگی گزاری ہے اور تم نے کبھی بھی مجھ سے ایسی باتیں نہیں سنیں اگر یہ آیات میری طرف سے ہوتیں تو لازماً اس چالیس سال کی مدت میں میری فکر سے میری زبان پر جاری ہوجاتیں۔کم ازکم ان کا کچھ حصہ تو بعض لوگ مجھ سے سنتے۔کیا یہ واضح بات نہیں سمجھ سکتے۔

(۱۷) پھر مزید تاکید کے لئے فرمایا گیا: میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ ظلم کی بدترین قسم یہ ہے کہ کوئی شخص خدا پر افتراء باندھے۔''اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے کہ جو خدا کی طرف جھوٹی نسبت دے''۔

لہٰذا کیونکر ممکن ہے کہ میں ایسے بڑے گناہ کا مرتکب ہوں۔اسی طرح جو شخص آیات الٰہی کی تکذیب کرے.................تو یہ

بھی بہت بڑا ظلم ہے۔

اگر تم آیات حق کی تکذیب اور انکار کے گناہ کی عظمت سے بے خبر ہو تو میں بے خبر نہیں ہو سکتا۔ بہر حال تمہارا یہ کام بہت بڑا جرم ہے۔ ''اور مجرم کبھی فلاح اور کامیابی حاصل نہیں کر سکتے''۔

(۱۸) وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ	اور وہ خدا کی بجائے کچھ چیزوں کی پرستش کرتے ہیں کہ جو نہ انہیں نقصان پہنچاتی ہیں اور نہ فائدہ دیتی ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کے پاس یہ ہمارے شفیع ہیں، کہہ دو: کیا تم خدا کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ آسمانوں اور زمین میں نہیں جانتا؟ وہ ان شریکوں سے منزہ اور بلند و برتر ہے جو تم قرار دیتے ہو۔

تفسیر

بے اثر معبود

اس آیت میں بھی بحث توحید جاری ہے۔ یہاں بتوں کی الوہیت کی نفی کی گئی ہے اور ایک واضح دلیل کے ذریعے بتوں کا بے وقعت اور بے قیمت ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے: وہ خدا کی بجائے کچھ معبودوں کی پرستش کرتے ہیں کہ جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں کہ ان کی طرف سے نقصان کے خوف سے ان کی پرستش کریں اور نہ ہی انہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں کہ ان کی جانب سے فائدے کی وجہ سے ان کی عبادت کریں۔

اس کے بعد قرآن بت پرستوں کا ایک بے ہودہ دعویٰ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے: وہ کہتے ہیں کہ بت بارگاہ الٰہی میں ہمارے شفیع اور سفارشی ہیں۔ یعنی خود ان سے کچھ نہیں ہو سکتا تو شفاعت کے ذریعے سود و زیاں کر سکتے ہیں۔

بت پرستی کا ایک سبب بتوں کی شفاعت کا اعتقاد تھا اور جیسا کہ تاریخ میں آیا ہے جس وقت عربوں کا ایک بزرگ عمرو بن لحی شام کے معدنی پانیوں سے استفادہ کرنے اور اپنا علاج کرنے اس علاقے میں گیا تو اسے بت پرستوں کا طریقہ بہت اچھا لگا۔ جب اس نے ان سے اس پرستش کی دلیل پوچھی تو انہوں نے اس سے کہا کہ یہ بت بارش برسنے، مشکلات حل ہونے اور بارگاہ خدا میں شفاعت کا ذریعہ ہیں وہ چونکہ ایک فضول سا آدمی تھا اس سے متاثر ہو گیا اور خواہش کی کہ کچھ بت اسے دیئے جائیں تا کہ وہ انہیں حجاز لے جائے۔ اس طریقے سے بت پرستی اہل حجاز میں رائج ہو گئی۔ تو اس خیال کے جواب میں قرآن کہتا ہے: کیا تم خدا کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جسے آسمانوں اور زمین میں وہ نہیں جانتا۔

یہ امر اس کے لئے کنایہ ہے کہ اگر خدا کے پاس ایسے شفیع ہوتے تو وہ زمین و آسمان کے جس نقطے میں ہوتے ان کے وجود سے آگاہ ہوتا کیونکہ علم خدا کی وسعت اس طرح سے ہے کہ آسمان اور زمین میں چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی ایسا نہیں جس سے وہ آگاہ

نہ ہو۔دوسرے لفظوں میں یہ بالکل اس طرح ہے کہ کسی سے کہا جائے کہ کیا تمہارا کوئی اس طرح کا نمائندہ ہے؟ اور وہ جواب دے کہ میں ایسے نمائندے کے وجود کی خبر نہیں رکھتا،تو یہ اس کے وجود کی نفی کے لئے بہترین ہے کیونکہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص اپنے نمائندہ کے وجود سے بے خبر ہو۔

آیت کے آخر میں تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے: خدا ان کے شریکوں سے منزہ اور برتر ہے جو وہ بتاتے ہیں۔

(۱۹)وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ	اور(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی امت تھے پھر وہ اختلاف کرنے لگے اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے (انہیں فوری سزا نہ دینے کے بارے میں) حکم نہ ہوتا تو جس چیز کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں اس کا فیصلہ ہو جاتا۔

تفسیر

یہ آیت اس بحث کی مناسبت سے جو گذشتہ آیت میں شرک اور بت پرستی کی نفی کے سلسلے میں گزر چکی ہے تمام انسانوں کی توحیدی فطرت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور کہتی ہے ''ابتداء میں تمام انسان امت واحد تھے اور توحید کے علاوہ کسی کا کوئی دین نہ تھا''۔

ابتداء میں تو اس توحیدی فطرت کو کسی کا ہاتھ نہیں لگا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پست افکار اور شیطانی رجحانات کے زیر اثر یہ دگرگوں ہوگئی، کچھ لوگ جادہ توحید سے منحرف ہو گئے اور انہوں نے شرک کا رخ کر لیا یوں فطرتاً انسانی معاشرہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ایک گروہ موحد اور دوسرا مشرک۔

اس بنا پر شرک درحقیقت ایک قسم کی بدعت اور فطرت سے انحراف ہے جس کا سرچشمہ کچھ اوہام اور بے بنیاد خیالات ہیں۔

ممکن تھا اس موقع پر یہ سوال کیا جاتا کہ خدا تعالیٰ مشرکین کو فوری طور پر سزا دے کر یہ اختلاف کیوں نہیں ختم کر دیتا تاکہ تمام انسانی معاشرہ پھر سے موحد بن جائے۔

اس سوال کے جواب کے لئے قرآن بلا فاصلہ کہتا ہے: اگر پہلے سے ہدایت کے بارے میں انسانی آزادی کے متعلق خدا کا فرمان نہ ہوتا جو کہ انسانی تکامل اور ترقی کی بنیاد ہے تو خدا بہت جلدی ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کر دیتا جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے اور مشرکین و منحرفین کو کیفر کردار تک پہنچا دیتا۔

اور کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے کیوں کوئی معجزہ نہیں نازل ہوتا۔ کہہ دو: غیب (اور معجزات) اللہ کے لئے (اور اس کے حکم سے) ہیں۔ تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں۔	(۲۰)وَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۠

تفسیر

من پسند معجزات

ایمان اور اسلام سے روگردانی کرتے ہوئے مشرکین جو بہانے بناتے تھے قرآن دوبارہ ان کا ذکر کر رہا ہے کہتا ہے: مشرکین کہتے ہیں اللہ کہ خدا کی طرف سے پیغمبر پر کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا۔

البتہ قرائن سے جن کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مراد ہر قسم کا معجزہ نہیں تھا۔

لہٰذا بلا فاصلہ پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے؛ ان سے کہہ دو کہ معجزہ خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور عالم غیب اور ماوراء الطبیعت سے مربوط ہے۔ اس بنا پر معجزہ کوئی ایسی چیز نہیں جو میرے اختیار میں ہو اور میں تمہاری خواہش کے مطابق ہر روز ایک نیا معجزہ دکھاؤں اور پھر بھی تم حیلے بہانے کر کے ایمان نہ لاؤ۔

آیت کے آخر میں انہیں دھمکی کے انداز میں کہا گیا ہے: اب جب کہ تم ہٹ دھرمی سے دستبردار نہیں ہوتے تو انتظار میں رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں۔ تم خدائی سزا کے انتظار میں رہو اور میں بھی کامیابی کا منتظر ہوں یا یہ کہ تم اس قسم کے معجزہ کے انتظار میں رہو اور میں بھی تم ہٹ دھرم لوگوں کی سزا کے انتظار میں ہوں۔

جب لوگوں کو پہنچنے والے نقصان کے بعد ہم انہیں رحمت کا مزہ چکھائیں تو وہ ہماری آیات کے بارے میں مکر کرتے ہیں (اور اس نعمت و رحمت کے لئے غلط سلط توجیہات کرتے ہیں) کہہ دو کہ خدا تم سے زیادہ جلدی چارہ جوئی کرتا ہے اور جو کچھ مکر (اور سازش) تم کرتے ہو ہمارے رسول اسے لکھتے ہیں۔	(۲۱)وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْۤ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ

(۲۲)هُوَ الَّذِیۡ یُسَیِّرُکُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا کُنۡتُمۡ فِی الۡفُلۡکِ ۚ وَ جَرَیۡنَ بِہِمۡ بِرِیۡحٍ طَیِّبَۃٍ وَّ فَرِحُوۡا بِہَا جَآءَتۡہَا رِیۡحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَہُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ کُلِّ مَکَانٍ وَّ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ اُحِیۡطَ بِہِمۡ ۙ دَعَوُا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۚ لَئِنۡ اَنۡجَیۡتَنَا مِنۡ ہٰذِہٖ لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ	وہ وہ ہے جو تمہیں خشکی اور دریا میں سیر کراتا ہے یہاں تک کہ تم کشتی میں ہوتے ہو اور موافق ہوائیں انہیں (منزل مراد کی طرف) لے جاتی ہیں اور وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اچانک سخت آندھیاں چلنے لگتی ہیں اور ہر طرف سے موجیں انہیں گھیر لیتی ہیں اور وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے تو اس وقت اپنے عقیدے کو نرا کھرا اسی کے واسطے کر کے خدا کو پکارتے ہیں کہ اگر تو ہمیں نجات دے دے تو ہم یقیناً شکر ادا کریں گے۔
(۲۳)فَلَمَّاۤ اَنۡجٰہُمۡ اِذَا ہُمۡ یَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡیُکُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ ۙ مَّتَاعَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۫ ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُکُمۡ فَنُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ	لیکن جب وہ انہیں نجات بخشتا ہے تو وہ (دوبارہ) زمین میں ناحق ظلم کرتے ہیں۔ اے لوگو! تمہارے ظلم وستم تمہارے ہی لئے نقصان دہ ہیں۔ دنیاوی زندگی سے فائدہ (اٹھاتے ہو) پھر جلد ہی تمہاری بازگشت ہماری طرف ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو (خدا) تمہیں اس کی خبر دے گا۔

تفسیر

ان آیات میں دوبارہ گفتگو عقائد کے بارے میں اور مشرکین کے کرتوتوں کے بارے میں ہے۔ نیز انہیں توحید کی طرف اور شرک کی نفی کی جانب دعوت دی گئی ہے۔

زیرنظر پہلی آیت میں مشرکین کی ایک جاہلانہ سازش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: جب لوگوں کو بیداری اور آگاہی کے لئے ہم مشکلات اور نقصانات میں گرفتار کرتے ہیں پھر انہیں دور کر کے ہم انہیں سکون اور اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ ہماری طرف متوجہ ہوں ان آیات اور نشانیوں کا مذاق اڑاتے ہیں یا غلط توجیہات کر کے ان کا انکار کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً مصائب ومشکلات کو بتوں کے غیض وغضب کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور راحت ونعمت کو ان کی شفقت ومحبت کی دلیل کہتے ہیں یا پھر سب کو اتفاقات شمار کرتے ہیں۔

لیکن اللہ انہیں اپنے پیغمبر ﷺ کے ذریعے خبردار کرتا ہے کہ ان سے کہہ دو: کہ خدا ہر کسی سے بڑھ کر سرکوبی کرنے والی

چارہ جوئی اور منصوبہ بندی پر قادر ہے اور زیادہ تیز ہے۔

اس کے منصوبے اور تدبیریں بھی سب سے زیادہ تیز ہوں گی دوسرے لفظوں میں وہ جس وقت کسی کو سزا دینے اور تنبیہ کرنے کا ارادہ کرے تو وہ فوراً عملی صورت اختیار کر لیتی ہے جبکہ دوسرے اس طرح سے نہیں ہیں۔

اس کے بعد انہیں تہدید کی گئی ہے کہ یہ گمان نہ کرو کہ یہ سازشیں اور منصوبے فراموش ہو جائیں گے بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے یعنی اعمال ثبت کرنے والے فرشتے ان تمام منصوبوں اور سازشوں کو لکھ لیتے ہیں جنہیں تم نور حق کو خاموش کرنے کے لئے تیار کرتے ہو۔لہٰذا اپنے آپ کو جوابدہی اور دوسرے جہان میں سزا پانے کے لئے تیار کر لو۔

ثبت اعمال اور اس کام پر مامور فرشتوں کے بارے میں ہم متعلقہ آیات کے ذیل میں بحث کریں گے۔

(۲۲) اس آیت میں انسانی فطرت کی گہرائیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے سامنے توحید فطری کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ عظیم مشکلات اور خطرے کے وقت کس طرح انسان خدا کے علاوہ تمام چیزوں کو بھول جاتا ہے لیکن جونہی مصیبت ٹلتی ہے اور مشکلات کی آگ ٹھنڈی پڑتی ہے تو وہ دوبارہ ظلم و ستم کی راہ اختیار کر لیتا ہے اور خدا سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے: وہ خدا وہ ہے جو تمہیں صحرا اور دریا میں سیر کراتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور کشتی میں سوار لوگوں کو موافق ہوائیں آہستہ آہستہ مقصد کی طرف لے جا رہی ہوتی ہیں اور سب کے سب شادمان اور خوش ہوتے ہیں۔اچانک شدید طوفان اور تباہ کن آندھیاں چلنے لگتی ہیں اور ہر طرف سے موجیں اٹھتی ہیں اسطرح سے کہ انہیں اپنی موت نظر آنے لگتی ہے اور وہ زندگی سے گویا ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ٹھیک اس وقت وہ خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں اور اسے خلوص کے ساتھ پکارتے ہیں اور اپنے دین کو ہر قسم کے شرک اور بت پرستی سے پاک کر لیتے ہیں۔اس وقت وہ دست دعا بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں: خدایا اگر تو نے ہمیں اس ہلاکت انگیزی سے نجات بخش دی تو ہم تیرے شکر گزار رہوں گے، ظلم کریں گے اور نہ تیرے غیر کی طرف رخ موڑیں گے۔

(۲۳) لیکن جب خدا انہیں نجات دے دیتا ہے اور وہ ساحل مراد تک پہنچ جاتے ہیں تو زمین میں ظلم و ستم شروع کر دیتے ہیں۔

مگر اے لوگو! جان لو کہ جیسے ظلم کے مرتکب ہو گے اور حق سے جس قدر انحراف کرو گے اس کا نقصان خود تمہی کو ہوگا۔آخری کام جو تم انجام دے سکتے ہو یہ ہے کہ ''چند روز حیات دنیا کی متاع سے فائدہ اٹھا لو''۔اس کے بعد تمہاری بازگشت ہماری طرف ہے۔اس وقت ہم تمہیں اس سے آگاہ کریں گے جو تم انجام دیتے تھے۔

(۲۴)اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا يَاۡكُلُ النَّاسُ وَ الۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتۡ وَ ظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَيۡهَاۤ ۙ اَتٰٮهَاۤ اَمۡرُنَا لَيۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِيۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ	دنیاوی زندگی اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان کی طرف سے نازل کیا ہے کہ جس کے اثر سے طرح طرح کی نباتات اگتی ہیں جنہیں انسان اور چوپائے کھاتے ہیں، یہاں تک کہ زمین (ان سے) اپنی زیبائی حاصل کرتی ہے اور مزیّن ہو جاتی ہے اور اس کے رہنے والے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے کہ (اچانک ان کی نابودی کے لئے) ہمارا حکم آ پہنچتا ہے (اردی یا بجلی کو ان پر مسلط کر دیتے ہیں) اور اس طرح کاٹ ڈالتے ہیں کہ گویا بالکل کچھ تھا ہی نہیں۔ یوں ہم اپنی آیات اس گروہ کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔
(۲۵)وَ اللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ	اور خدا صلح وسلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے اور جسے چاہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

تفسیر

دنیاوی زندگی کی ناپائیداری

گذشتہ آیات میں دنیاوی زندگی کی ناپائیداری کی طرف اشارہ ہوا ہے زیر نظر پہلی آیت میں اس حقیقت کو ایک عمدہ مثال کے ذریعے بیان کیا گیا ہے تاکہ غرور اور غفلت کے پردے غافل اور تغیان گروں کی نظروں کے سامنے سے ہٹا دیئے جائیں۔

ارشاد ہوتا ہے دنیاوی زندگی کی مثال اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمانوں سے نازل کیا۔ بارش کے یہ حیات بخش قطرے آمادہ زمینوں پر گرتے ہیں اور ان کے ذریعے طرح طرح کے نباتات اگتے ہیں ان میں سے بعض انسانوں کے لئے مفید ہیں اور بعض جانوروں کے لئے۔

یہ نباتات زندہ موجودات کی غذا بھی فراہم کرتے ہیں اور علاوہ ازیں سطح زمین کو بھی ڈھانپ دیتے ہیں اور اسے زینت بخشتے ہیں یہاں تک کہ زمین بہترین زیبائی حاصل کرتی ہے اور مزین ہو جاتی ہے۔

اس طرح شگوفے شاخساروں کو زینت بخشتے ہیں، پھول کھلتے ہیں، سبزہ زار نور آفتاب سے چمکنے لگتے ہیں، تنے اور شاخیں ہواؤں کے چلنے سے رقص کرنے لگتے ہیں۔ اناج کے دانے اور پھل آہستہ آہستہ نکلنے لگتے ہیں اور صحن دنیا میں بھر پور زندگی مجسم ہو کر سامنے آ جاتی ہے، دل امید سے اور آنکھیں سرور سے معمور ہو جاتی ہیں اس طرح کہ ''اہل زمین مطمئن ہو جاتے ہیں کہ وہ نباتات کی

ان نعمات سے بہرمند ہوں گے'' پھلوں سے بھی استفادہ کریں گے اور حیات بخش دانوں سے بھی۔

لیکن اچانک ہمارا حکم آ پہنچتا ہے (سخت سردی، شدید ژالہ باری یا تباہ کن طوفان ان پر مسلط ہو جاتا ہے) اور ہم انہیں اس طرح سے کاٹ دیتے ہیں گویا وہ اصلاً تھے ہی نہیں۔

آیت کے آخر میں زیادہ تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے: یوں ہم تفکر کرنے والے لوگوں کے لئے تفصیل سے آیات بیان کرتے ہیں۔

(۲۵) لہٰذا اس آیت میں ایک مختصر سے جملے کے ذریعے اس کے مدمقابل دوسری زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: خدا دارالسلام، صلح وسلامتی اور امن وآشتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے۔ وہ جگہ کہ جہاں مادی زندگی کے ان غارت گروں کی کشمکش کی کوئی خبر ہے اور نہ ہی خدا سے بے خبر ذخیرہ اندوزوں کی احمقانہ مزاحمت کا کوئی پتہ اور نہ ہی وہاں جنگ، خونریزی، استعمار اور استثمار ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: خدا جسے چاہے (اور اہل پائے) راہ مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے کہ جو راہ دارالسلام ہے اور جو امن وآشتی کے مرکز تک جا پہنچتی ہے۔

(۲۶) لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ؕ وَ لَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ	جو لوگ نیکی کرتے ہیں وہ اس کے لئے اچھی اور زیادہ جزا رکھتے ہیں اور تاریکی وذلت ان کے چہروں کو نہیں ڈھانپتی۔ وہ بہشت کے ساتھی ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔
(۲۷) وَ الَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ	باقی رہے وہ لوگ جو گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ اس کے برابر بری جزا رکھتے ہیں اور ذلت وخواری ان کے چہروں کو ڈھانپ لیتی ہے اور کوئی چیز انہیں خدا (کی سزا) سے نہیں بچا سکتی (ان کے چہرے اس قدر سیاہ ہیں کہ) گویا تاریک رات کے ٹکڑوں نے ان کے چہروں کو ڈھانپ رکھا ہے۔ وہ آگ کے ساتھی ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

تفسیر

سفید اور سیاہ چہروں والے

گذشتہ آیات میں دار آخرت اور روز قیامت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے زیر بحث آیات دار آخرت میں نیکوکاروں اور گناہ گاروں کا انجام بیان کر رہی ہیں۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: جولوگ اچھے کام کرتے ہیں ان کے لئے اچھی اورزیادہ جزا ہے۔

یہ کہ اس جملے میں ''زیادۃ'' سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ آیات قرآنی ایک دوسرے کی ترسیر کرتی ہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کئی گنا جزااورثواب کی طرف اشارہ ہے یہ جزا کبھی دس گنا ہوتی ہے اور کبھی ہزاروں گنا (خلوص، پاکیزگی، تقویٰ اور عمل کی قدرومنزلت کے اعتبار سے)۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کہ اس روز نیک لوگوں کے چہرے درخشاں اور چمکتے ہوئے ہوں گے اورتاریکی وذلت ان کے چہروں کو نہیں چھپائے گی۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: یہ لوگ اہل بہشت ہیں جو ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

(۲۷) زیرنظر دوسری آیت میں دوزخیوں کے بارے میں گفتگو ہے جو پہلے گروہ کے مدمقابل ہیں فرمایا گیا ہے: جولوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں انہیں ان کے عمل کے مطابق بری جزا ملے گی۔

یہاں ''زیادۃ'' کا ذکر نہیں ہے کیونکہ جزا میں زیادتی فضل ورحمت ہے لیکن سزا میں عدالت کا تقاضا ہے کہ وہ ذرہ برابر بھی گناہ سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن یہ لوگ پہلے لوگوں کے برعکس سیاہ چہروں والے ہوں گے اوران کے چہروں کو ذلت ورسوائی نے ڈھانپ رکھا ہوگا۔

ممکن ہے سوال کیا جائے کہ عدالت کا تقاضا ہے کہ انہیں گناہ سے زیادہ سزا نہ دی جائے جبکہ ان کے چہرے کی سیاہی، ذلت کی گردان کے لئے ایک زیادتی ہے۔ لیکن توجہ رہے کہ یہ عمل کی خاصیت اوراثر ہے جو انسان کی روح کے اندر سے منعکس ہوتا ہے یہ بالکل اسی طرح ہے کہ ہم کہیں کہ شرابیوں کو کوڑے لگانے چاہئیں جبکہ شراب، معدہ، دل، جگر اور اعصاب میں طرح طرح کی بیماریاں بھی پیدا کردیتی ہے۔

بہرحال ممکن ہے بدکار یہ گمان کریں کہ انہیں کوئی راہ فرار مل جائے گی یا بت وغیرہ ان کی شفاعت کرسکیں گے لیکن اگلا جملہ صراحت سے کہتا ہے: کوئی شخص اور کوئی چیز انہیں خدائی سزا سے نہ بچا سکے گی۔

ان کے چہروں کی تاریکی اور سیاہی اتنی زیادہ ہوگی ''گویا تاریک رات کے ٹکڑے یکے بعد دیگرے ان کے چہروں پر پڑے ہوئے ہیں''۔

''وہ اہل نار ہیں اور ہمیشہ اس (جہنم) میں رہیں گے''۔

(۲۸)وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُہُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا مَکَانَکُمۡ اَنۡتُمۡ وَشُرَکَآؤُکُمۡ ۚ فَزَیَّلۡنَا بَیۡنَہُمۡ وَ قَالَ شُرَکَآؤُہُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ اِیَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ	اس دن کو یاد کرو جب ہم ان سب کو جمع کریں گے، اس کے بعد مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے معبود اپنی جگہ پر رہو (تاکہ تمہارا حساب کتاب لیا جائے) پھر انہیں ہم ایک دوسرے سے جدا کر دیں گے (اور ہر ایک سے الگ الگ سوال کریں گے) اور ان کے معبود (ان سے) کہیں گے کہ تم (ہرگز) ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔
(۲۹)فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًۢا بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ اِنۡ کُنَّا عَنۡ عِبَادَتِکُمۡ لَغٰفِلِیۡنَ	ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے خدا کافی ہے کہ ہم کسی طرح بھی تمہاری عبادت سے آگاہ نہ تھے۔
(۳۰)ہُنَالِکَ تَبۡلُوۡا کُلُّ نَفۡسٍ مَّاۤ اَسۡلَفَتۡ وَ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ مَوۡلٰہُمُ الۡحَقِّ وَ ضَلَّ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ۠	اس وقت (اور وہاں) ہر شخص نے جو پہلے سے عمل کیا ہوگا اسے آزمائے گا اور سب کے سب اللہ اور اپنے مولا و حقیقی سرپرست کی طرف پلٹ جائیں گے اور جنہیں وہ جھوٹ موٹ اللہ کا شریک قرار دیتے تھے ان سے کھو جائیں گے (اور نابود ہو جائیں گے)۔

تفسیر

قیامت میں بت پرستوں کا منظر

ان آیات میں گذشتہ مباحث جاری ہیں جو کہ مبداء ومعاد اور مشرکین کی کیفیت کے بارے میں تھیں۔ان آیات میں ان کی اس حالت بے چارگی کی تصویرکشی کی گئی ہے جب وہ عدل الٰہی کے حضور اور اس کی بارگاہ حساب وکتاب میں حاضر ہوں گے۔

پہلے فرمایا گیا ہے: اس دن کو یاد کرو جس میں ہم تمام بندوں کو جمع اور محشور کریں گے۔اس کے بعد ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے معبود اپنی جگہ پر ٹھہرو تاکہ تمہارا حساب کتاب دیکھا جائے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: ان دو گروہوں (معبود اور عابد) کو ہم ایک دوسرے سے الگ کر دیں گے اور ہر ایک سے الگ الگ سوال کریں گے (جیسا کہ تمام عدالتوں میں یہ معمول ہے کہ ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ سوال کیا جاتا ہے)۔ بت پرستوں سے سوال کریں گے کہ کس دلیل کی بناء پر تم نے ان بتوں کو خدا کا شریک قرار دیا تھا اور ان کی عبادت کرتے تھے؟ اور معبودوں سے بھی پوچھیں گے کہ تم کس بنا پر معبود بنے تھے یا اس کام کے لئے تیار ہوئے تھے؟

جنہیں انہوں نے شریک بنایا تھا اس وقت وہ بول اٹھیں گے" اور کہیں گے تم ہرگز ہماری پرستش نہیں کرتے تھے۔تم

درحقیقت ہواوہوس اور اپنے اوہام وخیالات کی پرستش کرتے تھے نہ کہ ہماری۔ علاوہ ازیں تمہارا یہ ہماری عبادت کرنا ہمارے فرمان سے نہ تھا اور نہ ہی ہماری رضا سے تھا اور ایسی عبادت دراصل عبادت ہی نہیں ہے۔

(۲۹) اس کے بعد مزید تاکید کے لئے کہیں گے: ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے خدا کافی ہے کہ ہم کسی طرح بھی تمہاری عبادت سے آگاہ نہ تھے۔

بہرحال اس دن، اس جگہ یا اس حالت میں جیسا کہ قرآن زیرنظر آخری آیت میں کہتا ہے: ہر شخص اپنے انجام دیئے گئے اعمال کا نتیجہ دیکھے گا بلکہ خود انہیں دیکھے گا چاہے وہ عبادت کرنے والا ہو یا گمراہ معبود کہ جو لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا تھا، چاہے مشرک ہو یا مومن اور چاہے کسی گروہ یا کسی قبیلے سے ہو۔

''اور اس دن سب کے سب اللہ کی طرف پلٹ جائیں گے جو ان کا حقیقی مولا اور سرپرست ہے اور قیامت کی عدالت میں ظاہر ہو جائے گا کہ حکومت صرف اس کے زیرفرمان ہے''۔ ''آخرکار تمام بت اور جعلی معبود کہ جنہیں وہ غلط طور پر خدا کا شریک قرار دے چکے تھے گم اور نابود ہو جائیں گے''

(۳۱) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ	کہہ دو: کون تمہیں آسمان وزمین سے روزی دیتا ہے یا کون کان اور آنکھوں کا مالک (اور خالق) ہے اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور کون (دنیا کے) امور کی تدبیر کرتا ہے، جلد ہی وہ (جواب میں) کہیں گے: اللہ تو کہو کہ پھر کیوں تقویٰ اختیار نہیں کرتے ہو؟
(۳۲) فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ	اور یہ ہے تمہارا اللہ، تمہارا حقیقی پروردگار، تو اس صورت میں حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ ہے؟ پس (کیوں اس کی عبادت سے) رخ پھیرتے ہو؟
(۳۳) كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ	اس طرح سے تیرے پروردگار کا حکم فاسقوں پر مسلّم ہوا ہے کہ وہ (اس سرکشی اور گناہ کے بعد) ایمان نہیں لائیں گے۔

تفسیر

ان آیات میں وجود پروردگار کی نشانیوں اور اس کے لائق عبودیت ہونے کے بارے میں گفتگو ہے اور اس سلسلے میں گذشتہ مباحث جاری ہیں۔

پہلے فرمایا ہے: وہ مشرکین اور بت پرست کہ جو بے راہ روی میں سرگرداں ہیں ان سے کہہ دو: کون تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے۔

اس کے بعد حواس انسانی میں سے دو اہم ترین کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بغیر انسان علم حاصل نہیں کرسکتا۔ ارشاد ہوا ہے: اور کہہ دو کہ کان اور آنکھوں کا خالق، مالک اور انسان کے ان دو حواس کو قدرت دینے والا کون ہے۔

اس کے بعد دو ظاہر ہونے والی چیزوں یعنی موت وحیات کا ذکر ہے کہ جو عالم خلقت کی عجیب وغریب چیزیں ہیں، ارشاد ہوتا ہے: اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔

یہ وہی موضوع ہے کہ جس میں ابھی تک طبیعی علوم کے ماہرین اور حیات شناس لوگوں کی عقل حیران وپریشان ہے کہ ایک بے جان چیز سے ایک زندہ موجود کس طرح وجود میں آتا ہے۔ کیا ایسی چیز جس کے بارے میں علماء اور سائنس دانوں کی مسلسل کوشش ابھی تک کسی مقام تک نہیں پہنچی۔ ایک معمولی، اتفاقیہ، بغیر کسی ہدایت کے رونما ہونے والی حادثاتی اور بلا مقصد طبیعی ہوسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ظاہر ہونے والی پیچیدہ، ظریف اور اسرار آمیز زندگی حد سے زیادہ علم وقدرت اور عقل کلی کی محتاج ہے۔

البتہ اس میں کوئی مانع نہیں کہ زیر نظر آیت دونوں قسموں کی موت وحیات کی طرف اشارہ ہو کیونکہ دونوں ہی غائب آفرینش اور عالم کے تعجب انگیز مظاہر میں سے ہیں اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ طبیعی عوامل کے علاوہ ان میں عالم وحکیم خالق کا دست قدرت کارفرما ہے۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے: کون ہے جو اس جہان کے امور کی تدبیر کرتا ہے۔

درحقیقت پہلے تو نعمات کی خلقت وآفرینش کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور اس کے بعد ان کے محافظ، نگہبان اور مدبر کے بارے میں بات کی گئی ہے۔

ان تین سوالات کو پیش کرنے کے بعد قرآن بلا فاصلہ کہتا ہے: وہ فوراً ہی جواب میں کہیں گے ''اللہ''۔

اس جملے سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے مشرکین اور بت پرست بھی عالم ہستی کا خالق، رازق، حیات بخش اور مدبر امور اللہ ہی کو جانتے ہیں اور اس طریقہ کو طریق عقل اور راہ فطرت سے جان چکے تھے کہ یہ نظام اور حساب شدہ جہان بے نظمی کی پیداوار یا بتوں کی مخلوق نہیں ہوسکتا۔

آیت کے آخر میں پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے: ان سے کہہ دو کہ کیا اس حالت میں تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے ہو۔

(۳۲) آسمان وزمین میں خدا کی عظمت وتدبیر کے کچھ آثار ذکر کرنے کے بعد اور مخالفین کے وجدان وعقل کو دعوت دینے کے بعد جب وہ اعتراف کرچکے تو اس آیت میں قطعی لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: یہ ہے خدا تمہارا برحق پروردگار۔ نہ کہ بت اور دوسرے موجودات کہ جنہیں تم خدا کی عبودیت میں شریک قرار دیتے ہو اور ان کے سامنے سجدہ کرتے ہو اور ان کی تعظیم کرتے ہو۔

وہ کس طرح عبودیت کے لائق ہو سکتے ہیں حالانکہ یہی نہیں کہ وہ تخلیق و تدبیر جہان میں شریک نہیں ہو سکتے بلکہ خود بھی سرتا پا محتاج ہیں۔

اس کے بعد نتیجتاً فرمایا گیا ہے: اب جبکہ تم حق کو واضح طور پر پہچان چکے ہو۔ تو کیا حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ رہ جاتا ہے۔ اس کے باوجود کیوں تم خدا کی عبادت اور پرستش سے منہ پھیر لیتے ہو۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ معبود برحق اس کے علاوہ کوئی نہیں۔

یہ آیت درحقیقت باطل کی شناخت اور اسے ترک کرنے لئے ایک واضح منطقی راستہ بتاتی ہے اور وہ یہ کہ پہلے تو حق کی پہچان کے لئے عقل سے کام لینا چاہئے اور جب حق کو پہچان لیا جائے تو جو کچھ اس کے مخالف ہے وہ باطل اور گمراہی ہے اور اس سے کنارہ کشی کرنا چاہئے۔

(۳۳) زیر نظر آخری آیت میں یہ نکتہ بیان کرنے کے لئے کہ وہ لوگ مطلب واضح اور حق آشکار ہو جانے کے باوجود کیوں اس کے پیچھے نہیں جاتے، قرآن کہتا ہے: اسی طرح خدا کا فرمان ان افراد کے بارے میں کہ جو جان بوجھ کر اور عقل کے خلاف چلتے ہوئے اطاعت سے رخ پھیرتے ہیں، صادر ہوا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

حقیقت میں یہ ان کے مسلسل غلط اعمال کی خاصیت ہے کہ جو ان کے دل کو اس طرح سے تاریک اور ان کی روح کو اس طرح سے آلودہ کر دیتی ہے کہ حق کے واضح اور روشن ہونے کے باوجود اسے نہیں دیکھتے اور بے راہ روی اختیار کرتے ہیں۔

(۳۴) قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ	کہہ دو! کیا تمہارے معبودوں میں سے کوئی مخلوق کو ایجاد کر سکتا ہے اور پھر اسے پلٹا سکتا ہے؟ کہہ دو! صرف خدا نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور پھر واپس پلٹائے گا، اس کے باوجود حق سے کیوں روگرداں ہوتے ہو؟
(۳۵) قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهۡدِىۡ لِلۡحَـقِّ ؕ اَفَمَنۡ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ اَحَقُّ اَنۡ يُّتَّبَعَ اَمَّنۡ لَّا يَهِدِّىۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّهۡدٰى ۚ فَمَا لَـكُمۡ ۚ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ	کہہ دو! کیا تمہارے معبودوں میں سے کوئی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے؟ کہہ دو صرف خدا حق کی ہدایت کرتا ہے۔ کیا وہ جو حق کی ہدایت کرتا ہے پیروی کے زیادہ لائق نہیں ہے یا وہ کہ جسے ہدایت نہ کی جائے تو وہ خود ہدایت حاصل نہیں کر سکتا؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کس طرح فیصلہ کرتے ہو۔

(۳۶)وَ مَا یَتَّبِعُ اَکۡثَرُهُمۡ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَفۡعَلُوۡنَ	اوران میں سے اکثر سوائے گمان (اور بے بنیاد خیالات) کے کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے (حالانکہ) گمان کبھی انسان کوحق سے بے نیاز نہیں کرتا اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو اللہ اس سے باخبر اورآ گاہ ہے۔

تفسیر

حق وباطل کی ایک پہچان

ان آیات میں مبداء ومعاد سے مربوط استدلالات کا سلسلہ جاری ہے۔ پہلی آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے: ان سے کہہ دو کہ تمہارے معبودوں کی جنہیں تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو میں سے کوئی ہے جو عالم آفرینش کو ایجاد کر کے پھر لوٹا سکتا ہے۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے: کہہ دو کہ خدانے عالم آفرینش کو پیدا کیا ہے اور پھر اسے لوٹائے گا۔" اس کے باوجود حق سے کیوں روگردانی کرتے وہ اور بے راہ روی میں سرگرداں ہو"۔

(۳۵) دوبارہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے: ان سے کہہ دو کہ کیا کوئی تمہارے جعلی معبودوں میں سے حق کی طرف ہدایت کرسکتا ہے۔ کیونکہ معبود کو اپنی عبادت کرنے والوں کا رہبر ہونا چاہئے اور رہبری بھی حق کی طرف کرنا چاہئے۔ حالانکہ مشرکین کے معبود چاہے وہ بے جان بت ہوں یا جاندار، کوئی بھی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ ہدایت الٰہی کے بغیر حق کی طرف رہبری کرسکے کیونکہ حق کی طرف ہدایت کرنا مقام عصمت اور خطا واشتباہ سے محفوظ ہونے کا مقام ہے اور یہ خدا کی ہدایت اور حمایت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا بلا فاصلہ مزید فرمایا گیا ہے: کہہ دو کہ صرف خدا ہی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ تو ایسے میں کیا وہ جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے پیروی کے زیادہ لائق ہے یا وہ کہ جس کی ہدایت اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ اسے ہدایت نہ جائے۔

آیت کے آخر میں سرزنش کے انداز میں اور جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا گیا ہے: تمہیں کیا ہوگیا ہے کس طرح فیصلہ کرتے ہو۔

(۳۶) زیرنظر آخری آیت میں ان کے انحراف کی بنیاد اور سرچشمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ان میں سے اکثر خیال اور گمان کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے جبکہ خیال اور گمان کبھی بھی انسان کو نہ حق سے بے نیاز کرسکتا ہے اور نہ حق تک پہنچاتا ہے۔

جو لوگ کسی منطق اور حساب کتاب کے تابع نہیں، آیت کے آخر میں انہیں تہدید آمیز لہجے میں کہا گیا ہے: جو کچھ وہ انجام دیتے ہیں، خدا اس کا عالم اور جاننے والا ہے۔

(۳۷)وَ مَا کَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَارَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ	مناسب نہیں (اور ممکن نہ تھا) کہ بغیر وحی الٰہی کے اس قرآن کی نسبت خدا کی طرف دی جائے۔لیکن (آسمانی کتب میں سے) جو کچھ موجود ہے یہ اس کی تصدیق ہے اور اس کی تفصیل ہے اور اس میں شک نہیں کہ عالمین کے پروردگار کی طرف سے ہے۔
(۳۸)اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	وہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن کو خدا کی طرف جھوٹی نسبت دی ہے کہہ دو کہ اگر سچ کہتے ہو تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور خدا کے علاوہ جسے چاہتے ہو (اپنی مدد کے لئے) بلالو۔
(۳۹)بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ	(وہ علم ودانش کی بناء پر قرآن کا انکار نہیں کرتے) بلکہ وہ ایسی چیز کی تکذیب کرتے ہیں جس سے آگاہی نہیں رکھتے اور ابھی تک اس کی حقیقت ان کے لئے واضح نہیں ہوئی اسی طرح سے ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی۔پس دیکھو کہ ظالموں کا انجام کیا ہوا۔
(۴۰)وَ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ	اور ان میں سے بعض اس پر ایمان لے آتے ہیں اور بعض ایمان نہیں لاتے اور تیرا پروردگار فساد کرنے والوں سے زیادہ باخبر اور آگاہ ہے۔

تفسیر

دعوت قرآن کی عظمت اور حقانیت

یہ آیات مشرکین کی کچھ اور ناروا باتوں کا جواب دے رہی ہیں کیونکہ وہ صرف مبداء کی پہچان کے بارے میں انحراف اور کجروی کا شکار نہ تھے بلکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی افتراء باندھتے تھے کہ انہوں نے قرآن خود اپنی فکر ونظر سے بنا کر خدا سے منسوب کر دیا ہے۔

زیر بحث پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: مناسب نہیں کہ وحی الٰہی کے بغیر اس قرآن کی نسبت دی جائے۔

اس کے بعد قرآن کی اصالت اوراس کے وحی آسمانی ہونے کی دلیل کے طور پر یہ کہتا ہے: لیکن یہ قرآن اپنے سے پہلے کی کتب آسمانی کی تصدیق کرتا ہے۔۔یعنی وہ تمام بشارتیں اور حقانیت کی نشانیاں جو گذشتہ آسمانی کتب میں آئی ہیں وہ مکمل طور پر قرآن اورقرآن لانے والے پر منطبق ہوتی ہیں اور یہ امر خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ خدا پر تہمت نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔

اس کے بعد آسمانی وحی کی صداقت کے بارے میں ایک اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اس قرآن میں گذشتہ انبیاء کی اصل کتب کی تشریح، بنیادی احکام اوراصول عقائد بیان کئے گئے ہیں اوراسی وجہ سے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ پروردگار عالمین کی طرف سے ہے۔

(۳۸)اس آیت میں قرآن کی اصالت کے لئے تیسری دلیل پیش کی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے: وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کی خدا کی طرف غلط نسبت دی ہے،ان سے کہہ دو کہ اگر سچ کہتے ہو تو تم بھی اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور خدا کے علاوہ جس سے چاہو مدد طلب کرلو(لیکن تم یہ کام ہرگز نہیں کرسکو گے اوراس سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ وحی آسمانی ہے)۔

یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو صراحت سے اعجاز قرآن کو ذکر کرتی ہیں۔اس آیت میں نہ صرف سارے قرآن کے اعجاز کا ذکر ہے بلکہ یہاں تک کہ ایک سورت کے اعجاز کو بیان کیا گیا ہے اور بلا استثناء تمام عالمین کو دعوت دی گئی ہے کہ اگر تم یہ نظریہ رکھتے ہو کہ یہ آیات خدا کی طرف سے نہیں ہیں تو اس قرآن کی مانند یا کم از کم اس کی ایک سورہ کی مثل تم بھی آیات لے آؤ۔

(۳۹)اس آیت میں مشرکین کی مخالفتوں کی ایک بنیادی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ وہ قرآن کا انکار اشکالات اوراعتراضات کی بناء پر نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی تکذیب اس وجہ سے تھی کہ وہ اس کے مضامین سے آگاہ نہیں تھے۔درحقیقت ان کے انکار کا عامل اور سبب ان کی عدم آگہی اور جہالت تھی۔

یہ سب جہالتیں انہیں تکذیب اورانکار پر ابھارتی تھیں جب کہ ابھی تک مسائل مجہولہ کی تاویل،تفسیر اور حقیقت ان پر واضح نہیں ہوئی تھی۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے کہ یہ غلط روش صرف زمانہ جاہلیت کے مشرکین میں ہی منحصر نہیں ہے بلکہ گذشتہ گمراہ قومیں بھی اسی ابتلاء میں مبتلا تھیں، وہ بھی حقائق کی پہچان اور تحقیق کے بغیر اوران کے تحقیق کی انتظار کے بغیر ان کا انکار اور تکذیب کرتے تھے۔

(۴۰)آخر میں روئے سخن پیغمبرﷺ کی طرف کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: دیکھو کہ ان ستم گروں کا انجام کار کیا ہوا۔یعنی وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوں گے۔

زیر بحث آخری آیت میں مشرکین کے دو بڑے گرہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: یہ سب کے سب اسی حالت میں باقی نہیں رہیں گے بلکہ ’’ان میں سے ایک گروہ جس میں حق طلبی کی روح مردہ نہیں ہوئی،آخرکار اس قرآن پر ایمان لے آئے گا جبکہ دوسرا گروہ اسی طرح اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے گا اور ایمان نہیں لائے گا‘‘۔

واضح ہے کہ یہ دوسرا گروہ فاسد اور مفسد ہے اسی وجہ سے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: تیرا پروردگار مفسدین کو بہتر جانتا ہے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جو افراد حق کو قبول نہیں کرتے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے معاشرے کا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور معاشرے کے نظام کو خراب کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

(۴۱)وَ اِنۡ کَذَّبُوۡکَ فَقُلۡ لِّیۡ عَمَلِیۡ وَ لَکُمۡ عَمَلُکُمۡ ۚ اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَ اَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ	اگر انہوں نے تیری تکذیب کی ہے تو کہہ دے کہ میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ جو کچھ میں انجام دیتا ہوں تم اس سے بیزار رہو اور میں اس سے بیزار ہوں جو تم کرتے ہو۔
(۴۲)وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَیۡکَ ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَ لَوۡ کَانُوۡا لَا یَعۡقِلُوۡنَ	اور ان میں سے ایک گروہ تیری طرف کان دھرتا ہے (لیکن گویا وہ بالکل نہیں سنتا اور بہرہ ہے) کیا تو اپنی بات بہروں (کے کانوں) تک پہنچا سکتا ہے، اگر وہ نہ سمجھیں؟
(۴۳)وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّنۡظُرُ اِلَیۡکَ ؕ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِی الۡعُمۡیَ وَ لَوۡ کَانُوۡا لَا یُبۡصِرُوۡنَ	اور ان میں سے ایک گروہ تیری طرف دیکھتا ہے (لیکن گویا وہ بالکل نہیں دیکھتا) کیا تو نابینوں کو ہدایت کر سکتا ہے۔ اگرچہ ان کے پاس کوئی بصیرت نہ ہو۔
(۴۴)اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ النَّاسَ شَیۡـًٔا وَّ لٰکِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ	خدا انسانوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا لیکن انسان ہیں کہ جو اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

تفسیر

اندھے اور بہرے

پہلی آیت میں ایک نئے طریقے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقابلے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اگر وہ تیری تکذیب کریں تو ان سے کہہ دو کہ میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔

جو میں انجام دیتا ہوں اس سے تم بیزار ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔

(۴۲) زیر نظر آیت میں اور بعد والی آیت میں حق سے ان کے انحراف اور عدم تعلیم کی دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: ایک انسان کی ہدایت کے لئے صرف صحیح تعلیمات، ہلا دینے والی اور پر اعجاز آیات واضح دلائل کافی نہیں ہیں بلکہ قبول

کرنے کے لئے آمادگی اور قبولیت حق کی لیاقت بھی ضروری ہے جیسا کہ سبزہ اور پھول اگانے کے لئے صرف تیار شدہ بیج کافی نہیں ہے۔ آمادہ زمین بھی ضروری ہے۔

اسی لئے پہلے فرمایا گیا ہے: ان میں سے ایک گروہ تیری طرف کان دھرتا ہے لیکن گویا یہ لوگ بہرے ہیں۔ باوجود کہ وہ سننے والا کان نہیں رکھتے، کیا تم ان بہروں کے کانوں تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہو، چاہے وہ عقل وادراک نہ رکھتے۔

(۴۳) اور ایک اور گروہ تیرے طرف آنکھ لگائے ہوئے ہے اور تیرے اعمال دیکھتا رہتا ہے کہ جن میں سے ہر ایک تیری حقانیت اور راست گوئی کی نشانیوں کو دیکھ سکتا ہے لیکن گویا یہ لوگ اندھے ہیں۔ کیا اس کے باوجود تو ان نابینوں کو ہدایت کر سکتا ہے اگرچہ ان کے پاس کوئی بصیرت نہ ہو۔

(۴۴) لیکن جان لو اور وہ بھی جان لیں کہ یہ فکری نارسائی، عدم بصیرت، حق کا چہرہ دیکھنے کے بارے میں اندھا پن اور کلام الٰہی کے لئے ناشنوائی کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جسے وہ شکم مادر سے اپنے ساتھ لائے ہیں اور خدا نے ان پر کوئی ظلم کیا ہو بلکہ خود انہی نے اپنے غلط اعمال، حق دشمنی اور گناہوں سے اپنی روح کو تاریک کر کے اپنی دیکھنے والی آنکھ اور اپنے سننے والے کان کو بیکار کر دیا ہے، کیونکہ ''خدا کسی شخص پر ظلم نہیں کرتا لیکن یہ لوگ ہیں جو خود اپنے اوپر ظلم روا رکھتے ہیں۔

(۴۵) وَ یَوۡمَ یَحۡشُرُہُمۡ کَاَنۡ لَّمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَۃً مِّنَ النَّہَارِ یَتَعَارَفُوۡنَ بَیۡنَہُمۡ ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰہِ وَ مَا کَانُوۡا مُہۡتَدِیۡنَ	اس دن کو یاد کرو جب انہیں جمع (اور محشور) کرے گا اور انہیں ایسا محسوس ہوگا جیسے (دنیا میں) انہوں نے دن کی ایک گھڑی سے زیادہ توقف نہیں کیا۔ بس اتنی مقدار کہ ایک دوسرے کو (دیکھیں اور) پہچان لیں۔ وہ کہ جنہوں نے لقائے الٰہی (اور قیامت) کا انکار کیا وہ خسارے میں رہے اور انہوں نے ہدایت حاصل نہ کی۔
(۴۶) وَ اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُہُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ ثُمَّ اللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ	اور اگر ہم کچھ سزائیں جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے (تیری زندگی میں) تجھے دکھائیں یا (قبل اس کے کہ وہ عذاب میں گرفتار ہوں) تجھے دنیا سے لے جائیں، بہرحال ان کی بازگشت ہماری طرف ہے۔ اس کے بعد خدا اس پر گواہ ہے جو کچھ وہ انجام دیتے ہیں۔

(۴۷)وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ	اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔ جب ان کا رسول ان کی طرف آئے تو خدا ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرتا ہے اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

تفسیر

گذشتہ آیات میں مشرکین کی بعض صفات بیان کرنے کے بعد اب ان آیات میں قیامت میں ان کی دردناک کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اس دن کو یاد کرو جب خدا ان سب کو محشور کرے گا اور جمع کرے گا اس حالت میں کہ وہ محسوس کریں گے کہ دنیا میں ان کی ساری عمر دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہ تھی بس اتنی مقدار کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ لیں اور پہچان لیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: کہ اس دن ان سب پر ثابت ہو جائے گا کہ وہ افراد جنہوں نے روز قیامت اور لقائے الٰہی کی تکذیب کی، انہوں نے نقصان اٹھایا۔ اور وہ اپنے وجود کو سارا سرمایہ ہاتھ سے گنوا بیٹھے اور اس سے کوئی نتیجہ بھی حاصل نہ کیا۔

اور یہ لوگ اس تکذیب، انکار، گناہ پر اصرار اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہدایت کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔

(۴۶) اس آیت میں کفار کی تہدید کے لئے اور پیغمبرﷺ کو تسلی دینے کی خاطر فرمایا گیا ہے: جن سزاؤں کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے اگر ان کا کچھ حصہ ہم تجھے دکھائے اور اپنی زندگی کے دوران اگر تو ان کے عذاب اور سزا کو دیکھ لے اور یا پھر اس سے قبل کہ وہ ایسے انجام سے دوچار ہوں ہم تجھے دنیا سے لے جائیں، بہر حال ان کی بازگشت ہماری طرف ہے اور خدا ان کے انجام دیئے ہوئے اعمال پر شاہد ہے۔

(۴۷) زیر نظر آخری آیت میں بشمول پیغمبر اسلامﷺ تمام انبیاء کے بارے میں اور تمام امتوں کے بارے میں کہ جن میں رسول اللہﷺ کے زمانے کی امت بھی شامل ہے، ایک کلی قانون بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے ایک رسول اور فرستادہ الٰہی ہوتا ہے۔

''جب ان کی طرف رسول آیا اور اس نے ابلاغ رسول کیا اور کچھ لوگوں نے حق کو قبول کر لیا اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا اور ایک گروہ مخالفت اور تکذیب کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تو خدا ان کے درمیان اپنے عدل سے فیصلہ کرتا ہے اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔'' مومن اور نیک لوگ باقی رہ جاتے ہیں اور برے اور مخالف یا تو نابود ہو جاتے ہیں اور یا پھر شکست سے دوچار ہوتے ہیں۔

اسی طرح پیغمبر اسلام اور ان کی معاصر امت کے ساتھ ہوا کہ ان کی دعوت کے مخالف یا تو جنگوں میں ختم ہو گئے اور یا آخر کار شکست کھا کر معاشرے سے مسترد ہو گئے اور مومنین نے امور کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔

لہٰذا جس فیصلے کی طرف آیت میں اشارہ ہوا ہے یہ وہی تکوینی قضاوت اور فیصلہ ہے جو اسی دنیا میں جاری ہوا ہے۔ باقی رہا یہ جو بعض نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ یہ روز قیامت خدا کے فیصلے کی طرف اشارہ ہے، خلاف ظاہر ہے۔

(۴۸)وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	وہ کہتے ہیں یہ جو (سزا کا) وعدہ ہے، اگر سچ کہتے ہو تو کب اس پر عمل ہوگا؟
(۴۹)قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ	کہہ دو میں اپنے لئے نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں (چہ جائیکہ تمہارے لئے) مگر وہ خدا چاہے۔ ہر قوم وملت کے لئے ایک اجل اور انجام ہے جب ان کی اجل آجاتی ہے (اور ان کی سزا یا موت کا حکم صادر ہو جاتا ہے) تو نہ ایک گھڑی تاخیر کرتے ہیں اور نہ ہی ایک گھڑی آگے ہوتے ہیں۔
(۵۰)قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ	کہہ دو کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر اس کی سزا رات کے وقت یا دن کو تمہیں آ پہنچے (تو کیا تم اسے دور کر سکتے ہو) پس مجرمین کس بناء پر جلدی کرتے ہیں۔
(۵۱)اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْئٰنَ وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ	یا یہ کہ جب واقع ہوگی تو ایمان لے آؤ گے (اس وقت تمہیں کہا جائے گا کہ) اب ایمان لا رہے ہو جبکہ پہلے اس کے لئے جلدی کرتے تھے۔
(۵۲)ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ	پھر جنھوں نے ظلم کیا ہے ان سے کہا جائے گا: ابدی عذاب چکھو، جو کچھ تم انجام دیتے تھے کیا تمہیں اس کے علاوہ کی سزا دی جائے گی۔

تفسیر

خدائی سزا میرے ہاتھ میں نہیں ہے

منکرین حق کو عذاب اور سزا کی تہدیدوں کے بعد اب ان آیات میں پہلے تو ان کی تکذیب اور تمسخر بھری بات بیان کی گئی: وہ کہتے ہیں کہ عذاب کے بارے میں تم جو وعدہ کرتے ہو اگر سچ کہتے ہو تو وہ کب ہے؟

پہلا یہ کہ فرماتا ہے: ان سے کہہ دو کہ اس کام کا وقت اور وعدہ گاہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں اپنے لئے نفع اور نقصان کا

مالک نہیں ہوں، چہ جائیکہ تمہارے لئے، مگر جو کچھ خدا چاہے اور جو وہ ارادہ کرے۔ میں تو صرف اس کا بھیجا ہوا اور پیغمبر ہوں۔ نزول عذاب کے لئے وعدہ گاہ اور وقت کا تعین اسی کے ہاتھ میں ہے۔

یہاں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس آیت سے جو بعض متعصب افراد مثلاً مؤلف المنار نے پیغمبر ﷺ سے توسل کے جواز کی نفی کا مطلب لیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ اگر توسل سے مراد یہ ہو کہ ہم پیغمبر اکرم ﷺ کو بالذات صاحب قدرت اور مالک سود و زیاں سمجھیں تو مسلّم ہے کہ یہ شرک ہے اور کوئی مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا اور اگر یہ مالکیت خدا کی طرف سے ہو اور ''الا ما شاء اللہ'' کے مفہوم کے مطابق ہو تو اس میں کوئی مانع نہیں ہے اور یہ عین ایمان و توحید ہے۔ مذکورہ مؤلف نے اس نکتے سے غفلت کی وجہ سے طویل بحثوں سے اپنا اور اپنے قارئین کا وقت ضائع کیا ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس تفسیر کی تمام تر خصوصیات کے باوجود اس میں اشتباہات بہت زیادہ ہیں۔ جن کا سرچشمہ تعصب کو سمجھا جا سکتا ہے۔

دوسرا یہ کہ فرماتا ہے: ہر قوم اور جمعیت کے لئے ایک معین زمانہ اور اجل ہے جب ان کی اجل آ جاتی ہے تو وہ اس میں نہ ایک گھڑی تاخیر کر سکتے ہیں نہ گھڑی بھر کے لئے آگے بڑھ سکتے ہیں۔

(۵۰) تیسرا جواب زیر نظر دوسری آیت میں پیش کرتے ہوئے کہتا ہے: ان سے کہہ دو کہ اگر رات یا دن کے وقت پروردگار کا عذاب تم پر آ جائے تو یہ کوئی غیر ممکن بات نہیں ہے۔ کیا تم اس ناگہانی عذاب کو دور کر سکتے ہو۔

ان حالات میں مجرم اور گناہ گار آخر کیوں جلدی کرتے ہیں۔

(۵۱) چوتھا جواب زیر نظر تیسری آیت میں دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: اگر تم گمان کرتے ہو کہ نزول عذاب کے وقت ایمان لاؤ گے اور تمہارا ایمان قبول کر لیا جائے گا تو یہ خیال باطل ہے(اثم اذاماوقع امنتم به)۔ کیونکہ نزول عذاب کے بعد توبہ کے دروازے تم پر بند ہو جائیں گے اور پھر ایمان لانے کا ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوگا بلکہ تم سے کہا جائے گا کہ اب ایمان لا رہے ہو جب کہ پہلے تم تمسخر اور تکذیب کرتے ہوئے عذاب کے لئے تعجیل کرتے تھے۔

یہ ان کی دنیاوی سزا ہے ''پھر روز قیامت جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، ان سے کہا جائے گا ابدی اور ہمیشہ کا عذاب چکھو''۔

کیا جو کچھ تم نے انجام دیا ہے تمہیں اس کے سوا سزا دی جائے گی۔

یہ درحقیقت تمہارے ہی اعمال ہیں جو تمہیں دامن گیر ہوئے ہیں، وہی تمہارے سامنے مجسم ہوئے ہیں اور وہی تمہیں ہمیشہ تکلیف و آزار پہنچاتے ہیں۔

(۵۳) وَ يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَ رَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۠	تجھ سے پوچھتے ہیں کیا وہ (خدائی سزا والا وعدہ) حق ہے؟ کہہ دو خدا کی قسم یقیناً حق ہے اور تم اس سے بچ نہیں سکتے۔

(۵۴)وَ لَوۡ اَنَّ لِكُلِّ نَفۡسٍ ظَلَمَتۡ مَا فِی الۡاَرۡضِ لَا فۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ وَ قُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ	اور جس نے ظلم کیا اگر وہ تمام کچھ، جو روئے زمین پر ہے اس کے اختیار میں ہوتو وہ (سب کچھ عذاب کے خوف سے) اپنی نجات کے لئے دے دے گا اور جب عذاب کو دیکھے گا تو (پشیمان ہوگا لیکن) اپنی پشیمانی کو چھپائے گا (کہ کہیں زیادہ رسوا نہ ہو) اوران کے درمیان عدل سے فیصلہ ہوگا اوران پر ظلم نہیں ہوگا۔
(۵۵)اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	آ گاہ رہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کا ہے۔ آ گاہ رہو کہ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ اگر چہ بہت سے لوگ اس حقیقت کونہیں جانتے۔
(۵۶)هُوَ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ	وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اورتم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

تفسیر

خدائی سزا میں شک نہ کرو

گذشتہ آیت میں مجرمین کے لئے اس جہان میں اور آخرت میں سزا اور عذاب کے بارے میں گفتگو تھی۔ زیر نظر آیات میں یہی بحث جاری ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: مجرمین اور مشرکین تجھ سے تعجب سے سوال کرتے ہیں کہ کیا اس جہان میں اور دوسرے جہان میں خدائی سزا والا وعدہ حق ہے۔

خدا تعالیٰ اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ اس سوال کے جواب میں بڑی تاکید سے کہہ دو: مجھے اپنے پروردگار کی قسم! یہ حقیقت ہے اوراس میں کوئی شک نہیں ہے۔

اوراگر تمہارا خیال یہ ہے کہ تم خدائی سزا کی گرفت سے بھاگ سکتے ہوتو تم نے بہت بڑا اشتباہ کیا ہے کیونکہ ”تم ہرگز اس سے نہیں بچ سکتے اور نہ اپنی طاقت سے تم اسے عاجز کر سکتے ہو۔

(۵۴) اس آیت میں اس سزا کے عظیم ہونے خصوصاً قیامت میں اس کے بڑے ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: عذاب الٰہی اس طرح سے وحشت ناک اور ہول انگیز ہے کہ ظالموں میں سے ہر ایک زمین کی تمام تر ثروت کا مالک ہو تو وہ تیار ہوگا کہ سب کچھ دے دے تا کہ اس عذاب اور سزا سے رہائی پالے۔

درحقیقت وہ عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے بڑی سے بڑی رشوت دینے کو تیار ہیں لیکن ان سے کچھ بھی قبول نہیں کیا جائے گا اور سوئی کی نوک کے برابر بھی ان کی سزا میں کمی نہیں کی جائے گی۔

خصوصاً ان میں سے تو بعض سزائیں معنوی پہلو رکھتی ہیں اور وہ یہ کہ وہ عذاب الٰہی کے مشاہدے پر پشیمان ہوتے ہیں لیکن دوسرے مجرموں یا اپنے پیروکاروں کے سامنے زیادہ رسوائی سے بچنے کے لئے اظہار ندامت نہیں کرتے۔

اس کے بعد تاکیداً کہا گیا ہے کہ ان تمام چیزوں کے باوجود ان کے درمیان عمل سے فیصلہ ہوگا اور ان کے بارے میں ظلم نہیں ہوگا۔

(۵۵) اس کے بعد اس بناء پر کہ کہیں لوگ اللہ کے اس وعدہ اور وعید کو مذاق نہ سمجھیں اور یہ خیال نہ کریں کہ خدا اسے انجام دینے سے قاصر ہے، قرآن مزید کہتا ہے: آگاہ رہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ خدا کا مال ہے اور اس کی مالکیت وحکومت تمام جہان ہستی پر محیط ہے اور کوئی اس کی سلطنت سے باہر نہیں جا سکتا۔

نیز آگاہ رہو کہ مجرمین کی سزا کے بارے میں خدا کا وعدہ حق ہے اگرچہ بہت سے لوگ کہ جن کے نفس پر جہالت نے اپنا منحوس سایہ ڈال دیا ہے اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

(۵۶) زیرنظر آخری آیت بھی اسی مسئلہ حیات کے بارے میں مزید تاکید ہے، ارشاد ہوتا ہے: خدا ہی ہے کہ جو زندہ کرتا ہے اور وہی ہے جو مارتا ہے۔ لہٰذا وہ بندوں کو مارنے اور انہیں قیامت کی عدالت کے لئے زندہ کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔

اور آخرکار سب کے سب اس کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ اور وہاں پھر اپنے اعمال کی جزا اور سزا پاؤ گے۔

(۵۷) يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے نصیحت اور موعظہ آیا ہے اور جو کچھ سینوں میں ہے اس کے لئے شفا ہے اور مومنین کے لئے واضح ہدایت اور رحمت ہے۔

(۵۸)قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَ بِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ؕ ہُوَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ	کہہ دو کہ خدا کے فضل وکرم سے خوش رہو کیونکہ جو کچھ انہوں نے جمع کر رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے۔

تفسیر

قرآن خدا کی عظیم رحمت ہے

بعض گذشتہ آیات میں قرآن کے بارے میں کچھ مباحث آئی ہیں اور ان میں مشرکین کی مخالفت کا کچھ ذکر آیا ہے۔ زیر نظر آیات میں بھی اسی مناسبت سے قرآن کے بارے میں گفتگو آئی ہے۔

پہلے ایک ہمہ گیر اور عالمی پیغام کے حوالے سے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: اے لوگو! تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے وعظ ونصیحت آئی ہے۔ اور ایسا کلام کہ جو تمہارے دلوں کی شفاء کا سبب ہے۔ ایسی چیز کہ جو ہدایت اور راہنمائی کا باعث ہے۔ اور مومنین کے لئے رحمت ہے۔

قرآن کے سائے میں انسان کی تربیت اور اس کے تکامل وارتقاء کو مندرجہ بالا آیات میں درحقیقت چار مراحل میں بیان کیا گیا ہے:

پہلا مرحلہ..................................موعظہ اور پند ونصیحت ہے

دوسرا مرحلہ..................................طرح طرح کے اخلاقی رذائل سے روح انسانی کو پاک کرنا

تیسرا مرحلہ..................................ہدایت کا ہے جو پاکسازی کے بعد انجام پاتا ہے......اور

چوتھا مرحلہ..................................وہ ہے کہ انسان اس لائق ہو جاتا ہے کہ پروردگار کی رحمت ونعمت اس کے شامل حال ہو۔

ان میں سے ہر مرحلہ دوسرے کے بعد آتا ہے اور جاذب نظر یہ ہے کہ سب مراحل قرآن کے زیر سایہ انجام پاتے ہیں۔

(۵۸) اس آیت میں بحث کی تکمیل کے لئے اور اس عظیم خدائی نعمت یعنی قرآن مجید کہ جو ہر نعمت سے برتر ہے کے بارے میں تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اے پیغمبر! کہہ دو کہ لوگ پروردگار کے فضل اور اس کی بے پایاں رحمت پر اور اس عظیم آسمانی کتاب کے نزول پر خوش ہو جائیں کہ جو تمام نعمتوں کی جامع ہے۔ نہ کہ دولت کے انبار پر، بڑے مقام ومنصب پر اور قوم وقبیلہ کی کثرت پر۔ کیونکہ یہ سرمایہ ان تمام چیزوں سے بہتر اور بالاتر ہے کہ جو انہوں نے جمع کر رکھی ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی اس سے موازنہ کے قابل نہیں ہے۔

(۵۹)قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ لَکُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡہُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلۡ آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمۡ اَمۡ عَلَی اللّٰہِ تَفۡتَرُوۡنَ	کہہ دو: کیا وہ رزق جو اللہ نے تم پر نازل کیا ہے تم نے اسے دیکھا ہے کہ اس میں سے کچھ کو تم نے حلال قرار دے دیا ہے اور کچھ کو حرام۔ کہہ دو: کیا تمہیں اللہ نے اجازت دی ہے یا اللہ پر افترا باندھتے ہو۔
(۶۰)وَ مَا ظَنُّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ۟	جو اللہ پر افتراء باندھتے ہیں وہ روز قیامت (کی سزا) کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ اللہ سب لوگوں کے لئے فضل (اور بخشش) کرنے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر گزاری نہیں کرتے۔
(۶۱)وَ مَا تَکُوۡنُ فِیۡ شَاۡنٍ وَّ مَا تَتۡلُوۡا مِنۡہُ مِنۡ قُرۡاٰنٍ وَّ لَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیۡکُمۡ شُہُوۡدًا اِذۡ تُفِیۡضُوۡنَ فِیۡہِ ؕ وَ مَا یَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّکَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ وَ لَاۤ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰلِکَ وَ لَاۤ اَکۡبَرَ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ	تم کسی حالت (اور فکر) میں نہیں ہوتے، نہ قرآن کے کسی حصے کی تلاوت کرتے ہو اور نہ ہی تم کوئی عمل انجام دیتے ہو مگر یہ کہ جب تم ان میں وارد ہوتے ہو ہم تم پر نگران ہوتے ہیں اور زمین و آسمان میں کوئی چیز تیرے پروردگار سے مخفی نہیں رہتی نہ ذرہ برابر اور نہ اس سے کم و بیش۔ مگر یہ کہ وہ سب کچھ واضح کتاب (اور علم خدا کی لوح محفوظ) میں ثبت ہے۔

تفسیر

خدا ہر جگہ ناظر ہے

زیر نظر پہلی آیت میں روئے سخن پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ان سے کہہ دو کہ خدا نے جو رزق تمہارے لئے نازل کیا ہے اس میں سے کیوں کچھ کو حرام قرار دیتے ہو اور کچھ کو حلال۔ اپنی بے ہودہ رسوم کے مطابق کچھ چوپایوں کو سائبہ، کچھ کو بحیرہ اور کچھ کو وصیلہ کہتے ہو۔ (''بحیرہ'' اس جانور کو کہتے ہیں جس نے کئی مرتبہ بچہ جنا ہو۔ ''سائبہ'' اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس نے دس یا بارہ بچے دیئے ہوں اور ''وصیلہ'' اس گوسفند کو کہتے ہیں جس نے سات بچے دیئے ہوں) اسی طرح تم نے اپنی کھیتی باڑی کے بعض محصولات کو حرام قرار دے رکھا ہے اور خود کو ان پاک نعمتوں سے محروم کر رکھا ہے علاوہ ازیں یہ امر تم سے مربوط نہیں ہے کہ چیز کو حلال

ہونا چاہئے اور کس چیز کو حرام۔ یہ امر تو صرف ان کے پروردگار اور خالق کے اختیار میں ہے۔

کہہ دو: کیا خدا نے تمہیں اجازت دی ہے کہ ایسے قوانین وضع کرو یا خدا پر افتراء باندھتے ہو۔ یعنی اس کام کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں کوئی تیسری نہیں یا تو ایسا پروردگار کی اجازت سے ہو اور یا پھر یہ تہمت اور افتراء ہے اور چونکہ پہلی بات نہیں ہے لہٰذا تہمت اور افتراء کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی۔

(۶۰) اب جب یہ مسلّم ہوگیا ہے کہ وہ اپنے ان خود ساختہ اور بے ہودہ احکام کے ذریعے نعمات الٰہی سے بھی محروم ہوئے ہیں اور پروردگار کی ذات مقدس پر افتراء بھی باندھا ہے لہٰذا مزید فرمایا گیا ہے جو خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ روز قیامت کی سزا کے بارے میں کیا سوچتے ہیں کیا انہوں نے اس دردناک سزا سے نجات کا کوئی بندوبست کیا ہے۔ لیکن ''لوگوں پر خدا کا فضل اور رحمت وسیع ہے'' لہٰذا وہ انہیں ایسے برے اعمال پر سزا نہیں دیتا۔ مگر وہ لوگ بجائے اس کے کہ اس خدائی مہلت سے فائدہ اٹھائیں، عبرت حاصل کریں، اس کا شکر بجالائیں اور خدا کی طرف پلٹ آئیں۔

''ان میں سے اکثر غافل ہیں'' اور وہ اس عظیم نعمت کا شکر بجا نہیں لاتے۔

(۶۱) اس بناء پر کہیں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ خدا کی یہ مہلت اس لئے ہے کہ وہ ان کے کرتوتوں کو نہیں جانتا، زیر بحث آخری آیت میں یہ حقیقت نہایت عمدہ عبارت سے بیان کی گئی ہے کہ وہ آسمان و زمین کی وسعت میں تمام ذرات موجودات اور بندوں کے اعمال کی جزئیات سے باخبر ہے، ارشاد ہوتا ہے: تو کسی حالت اور کسی اہم کام میں نہیں ہوتا اور تو قرآن کی کسی آیت کی تلاوت نہیں کرتا اور وہ کوئی عمل انجام نہیں دیتے مگر یہ کہ ہم اس پر شاہد اور ناظر ہوتے ہیں جب بھی تم وہ کام کرنے لگتے ہو۔

اس کے بعد خدا کی تمام چیزوں سے آگاہی کے مسئلے پر زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: زمین اور آسمان میں چھوٹی سے چھوٹی چیز یہاں تک کہ کوئی ذرہ بے مقدار بھی تیرے پروردگار کے علم کی نظر سے مخفی نہیں رہتا۔ نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ اس سے بڑی۔ مگر یہ کہ وہ سب کی سب لوح محفوظ اور علم خدا کی واضح کتاب میں ثبت ہے۔

(۶۲) اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ	آگاہ رہو کہ خدا کے اولیا (اور دوست) نہ ڈرتے ہیں اور نہ غمگین ہوتے ہیں۔
(۶۳) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ	وہی کہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے (حکم خدا کی مخالفت سے) پرہیز کیا۔
(۶۴) لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؕ	ان کے لئے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں خوشی (اور مسرت) ہے۔ اللہ کے وعدوں کی خلاف ورزی نہیں ہوسکتی اور یہ عظیم کامیابی ہے۔

(۶۵)وَ لَا یَحْزُنْکَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ	ان کی گفتگو تجھے غمگین نہ کرے۔بے شک تمام عزت وقدرت خدا کے لئے ہےاور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تفسیر

روحانی سکون ایمان کے زیر سایہ ہے

گذشتہ آیت میں مشرکین اور بے ایمان افراد کے حالات کا کچھ حصہ پیش کیا گیا تھا۔ان آیات میں ان کے مدمقابل مخلص، مجاہد اور پرہیز گار مومنین کی کیفیت بیان ہوئی ہے تاکہ موازنہ ہو سکے۔جیسا کہ قرآن کی روش ہے کہ وہ نور کو ظلمت سے اور سعادت کو بدبختی سے ممیّز کرتا ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: آگاہ رہو کہ اولیاء خدا پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ انہیں کوئی حزن وغم ہے۔

جو کچھ ہم نے کہا ہے اس سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد مادی رنج وغم اور دنیاوی خوف وہراس ہے، ورنہ اللہ کے دوستوں کا وجود اس کے خوف سے مالا مال ہوتا ہے۔فرائض اور ذمہ داریوں کا انجام نہ دینے کا خوف اور ان کے مواقع کو دیکھ کر جو اُن سے ضائع ہو گئے۔یہ حزن وملال روحانی پہلو رکھتا ہے اور وجود انسان کے تکامل اور ترقی کا باعث ہے جبکہ اس کے برعکس مادی خوف اور غم انحطاط اور تنزل کا سبب ہیں۔

یہ کہ اولیاء خدا سے مراد کون سے افراد ہیں؟ اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے لیکن دوسری آیت اس مطلب کو واضح کرتی ہے اور بحث ختم کر دیتی ہے.........ارشاد ہوتا ہے: وہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ہمیشہ تقویٰ اور پرہیز گاری کو اختیار کئے رکھا۔

(۶۴) زیر نظر تیسری آیت میں اولیاء حق کے وجود میں خوف وغم اور وحشت واضطراب کے نہ ہونے کی تاکیدیوں کی گئی ہے: ان کے لئے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں بشارت ہے۔

اس طرح سے نہ صرف یہ کہ انہیں کوئی خوف وغم نہیں بلکہ فراواں نعمتوں اور بے پایاں خدائی عنایتوں کی وجہ سے انہیں اس زندگی میں اور اس زندگی میں بشارت، خوشحالی اور سرور نصیب ہوگا (توجہ رہے کہ البشریٰ میں الف لام جنس کے حوالے سے اور مطلق ذکر ہوا ہے اور اس میں طرح طرح کی بشارتوں کا مفہوم موجود ہے۔

دوبارہ تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے: پروردگار کی باتوں اور خدائی وعدوں میں تغیر نہیں ہوتا اور خدا اپنے دوستوں کے بارے میں اپنا یہ وعدہ پورا کرے گا۔اور یہ جسے نصیب ہو اس کے لئے عظیم کامیابی اور سعادت ہے۔

(۶۵) زیر نظر آخری آیت میں روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے جو اولیاء اللہ اور دوستان خدا کے سردار ہیں۔ان کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: غافل اور جاہل مخالفین اور مشرکین کی غیر موزوں باتیں تجھے غمگین نہ کریں۔کیونکہ تمام عزت

وقدرت خدا کے لئے ہے اور خدا کے ارادہ حق کے سامنے دشمن کچھ نہیں کر سکتے۔ خدا ان کی سب سازشوں سے باخبر ہے۔ ان کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کے اندرونی اسرار ورموز سے آگاہ ہے۔

(۶۶) اَلَآ اِنَّ لِلّٰہِ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَا یَتَّبِعُ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ شُرَکَآءَ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ	آگاہ رہو کہ تمام لوگ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اللہ کے لئے ہیں اور جو غیر کو اس کا شریک بناتے ہیں وہ دلیل ومنطق کی پیروی نہیں کرتے وہ صرف ظن اور گمان کی پیروی کرتے ہیں اور وہ صرف جھوٹ بولتے ہیں۔
(۶۷) ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَ النَّہَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ	وہ (خدا) وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پیدا کیا تاکہ اس میں سکون حاصل کرو اور اس نے دن کو روشنی بخش قرار دیا۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سننے والے کان رکھتے ہیں۔

تفسیر

عظمت الٰہی کی کچھ نشانیاں

زیر نظر آیات دوبارہ مسئلہ توحید وشرک کی طرف لوٹتی ہیں یہ مسئلہ اسلام اور اس سورہ کے اہم ترین مباحث میں سے ہے۔ ان آیات میں مشرکین کی خبر لی گئی ہے اور ان کی عاجزی وناتوانائی کو ثابت کیا گیا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: آگاہ رہو کہ وہ تمام لوگ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خدا کے لئے ہیں (اور اس کی ملکیت ہیں)۔

جہاں اشخاص کی ملکیت ہوں اور اس کے لئے ہوں وہاں اشیاء اس جہان میں بدرجہ اولیٰ اس کی ہیں اور اس کے لئے ہیں۔ اس بناء پر وہ تمام عالم ہستی کا مالک ہے اس حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ مملوک اس میں شریک ہوں۔

مزید ارشاد ہوتا ہے: جو لوگ غیر خدا کو اس کا شریک قرار دیتے ہیں وہ دلیل ومنطق کی پیروی نہیں کرتے اور ان کے پاس اپنے قول کے لئے کوئی سند اور شاہد نہیں ہے۔ وہ صرف بے بنیاد تصورات اور گمانوں کی پیروی کرتے ہیں۔ بلکہ وہ تو صرف تخمینے سے بات کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔

اصولی طور پر بے بنیاد گمان کی پیروی کی یہ خاصیت ہے کہ آخر کار انسان جھوٹ کی وادی میں جا پہنچتا ہے۔ جنہوں نے بتوں کو خدا کا شریک قرار دیا تھا ان کی بنیاد اوہام سے بڑھ کر نہ تھی۔

(۶۷) اس کے بعد بحث کی تکمیل، راہ خدا شناسی کی نشاندہی اور شرک وبت پرستی سے دوری کے لئے خدائی نعمات کے

ایک پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ پہلو نظام خلقت اور اللہ کی عظمت، قدرت اور حکمت کی نشاندہی کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وہ وہ ہے جس نے رات کو تمہارے لئے باعث سکون قرار دیا ہے۔ اور دن کو روشنی بخش بنایا ہے۔

جی ہاں.................. اس حساب شدہ نظام میں پروردگار کی قدرت کی آیات اور نشانیاں ہیں لیکن ان کے لئے جو سننے والے کان رکھتے ہیں اور حقائق کو سنتے ہیں۔ وہ جو سنتے اور ادراک کرتے ہیں اور جو ادراک حقیقت کے بعد اسے استعمال میں لاتے ہیں اور کام کرتے ہیں۔

(۶۸)قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبۡحٰنَہٗ ؕ ہُوَ الۡغَنِیُّ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۭ بِہٰذَا ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ	انہوں نے کہا ہے کہ اللہ نے اپنے لئے بیٹا چنا ہے (وہ ہر عیب، نقص اور احتیاج سے) منزہ ہے، وہ بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے لئے ہے۔ تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا اللہ کی طرف ایسی نسبت دیتے ہو جسے جانتے نہیں ہو؟
(۶۹)قُلۡ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ؕ	کہہ دو کہ جو خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں (وہ کبھی بھی) فلاح نہیں پائیں گے۔
(۷۰)مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ ثُمَّ نُذِیۡقُہُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِیۡدَ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ٪	(زیادہ سے زیادہ) انہیں دنیا کا فائدہ ہوگا پھر ان کی بازگشت ہماری طرف ہے۔ اس کے بعد ان کے کفر کی وجہ سے انہیں عذاب شدید کا مزہ چکھائیں گے۔

تفسیر

ان آیات میں بھی اسی طرح مشرکین کے بارے میں بحث جاری ہے یہاں خدا کی ذات مقدس کے بارے میں ان کی ایک تہمت بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: انہوں نے کہا ہے کہ خدا نے ان کے لئے ایک بیٹا چنا ہے۔

یہ بات سب سے پہلے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کی۔ پھر زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں نے فرشتوں کے بارے میں کی۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں خیال کرتے ہیں اور اسی طرح یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں یہ بات کی۔

قرآن ان لوگوں کا جواب دو طریقوں سے دیتا ہے۔

پہلا یہ کہ خدا ہر قسم کے عیب اور نقص سے منزہ ہے اور تمام چیزوں سے بے نیاز ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اولاد کی ضرورت یا تو جسمانی قوت کی احتیاج اور مدد کے طور پر ہوتی ہے اور یا روحانی اور جذباتی ضرورت کے تحت اور چونکہ خدا ہر عیب و نقص

اور ہر وضعی کمی سے منزہ ہے اور اس کی ذات پاک غنی اور بے نیاز ہے لہذا ممکن نہیں کہ وہ اپنے لئے بیٹے کا انتخاب کرے ''وہ آسمانوں اور زمین میں موجود تمام تر موجودات کا ملک ہے''۔اس صورت میں اس کے لئے بیٹے کا مفہوم کیا رہ جاتا ہے کہ جو اسے سکون بخشے یا اس کی مدد کرے۔

دوسرا جواب جو قرآن انہیں دیتا ہے یہ ہے کہ جو شخص بھی کوئی دعویٰ کرتا ہے اسے اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل پیش کرنا چاہئے۔''کیا تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل ہے''۔نہیں تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔تو اس کے باوجود ''کیا خدا کی طرف ایسی نسبت دیتے ہو کہ جس کے بارے میں تم تھوڑی سی آگاہی بھی نہیں رکھتے ہو۔

(۶۹) اس آیت میں خدا پر تہمت باندھنے کے منحوس انجام کا تذکرہ ہے۔خدا تعالیٰ روئے سخن اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے کہتا ہے،ان سے کہہ دو: وہ لوگ جو خدا پر افتراء باندھتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں ہرگز فلاح کا منہ نہیں دیکھیں گے۔

(۷۰) فرض کریں کہ وہ اپنے جھوٹ اور تہمتوں سے چند دن کے لئے دنیا کے مال و منال تک پہنچ بھی جائیں تو یہ صرف اس جہان کا ایک جلدی ختم ہو جانے والا مال و متاع ہی ہے۔اس کے بعد یہ ہماری طرف پلٹ کر آئیں گے اور ہم ان کے کفر کی وجہ سے انہیں عذاب شدید کا مزہ چکھائیں گے۔

(۷۱)وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِىْ وَ تَذْكِيْرِىْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَىَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ	ان کے سامنے نوح کا قصہ پڑھو کہ جب اس نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر میری حیثیت اور میرا آیات الٰہی کا یاد دلانا تم پر گراں (اور نا قابل برداشت) ہے تو (جو کچھ تم سے ہو سکے کرلو) میں نے خدا پر توکل کیا ہے۔ اپنی فکر اور اپنے معبودوں کی قوت کو مجتمع کرلو اور کوئی چیز تم پر مخفی نہ ہو پھر میری زندگی کا خاتمہ کردو (اور لحہ بھر کے لئے) مجھے مہلت نہ دو (لیکن تم اس کی قدرت نہیں رکھتے)۔
(۷۲)فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ	اور اگر تم میری دعوت قبول کرنے سے منہ موڑتے ہو تو (تم غلط کرتے ہو کیونکہ) میں تم سے کوئی مزدوری نہیں چاہتا۔ میرا اجر صرف خدا پر ہے اور میرے ذمہ ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں (جو خدا کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں)۔

لیکن انہوں نے اس کی تکذیب کی اور ہم نے اسے اور اس کے ساتھ جو کشتی میں تھے انہیں نجات دی اور انہیں (کافروں کا) جانشین قرار دیا اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی انہیں غرق کر دیا۔ پس دیکھو کہ جو ڈرائے گئے تھے۔ان کا کیا انجام ہوا؟	(۷۳)فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کے جہاد کا ایک پہلو

زیرنظر آیات سے تاریخ انبیاء اور گزشتہ اقوام کی سرگزشت کے ایک حصے کا آغاز ہوتا ہے۔مشرکوں اور مخالف گروہوں کی بیداری کے لئے خدا اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ مشرکین کے بارے میں جاری گفتگو کی تکمیل گزشتہ لوگوں کی عبرت انگیز تاریخ کے حوالے سے کریں۔

پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی سرگزشت بیان کی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے: ان کے سامنے نوح علیہ السلام کی سرگزشت پڑھو، جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تمہارے درمیان میرا توقف اور آیات الٰہی کا یاددلانا اگر تمہارے لئے گراں ہے اور ناقابل برداشت ہے تو پھر جو کچھ تم سے ہو سکے، کرگزرو اور اس میں کوتاہی نہ کرو۔" کیونکہ میں نے اللہ پر توکل کیا ہے" لہٰذا اس کے غیر سے نہیں ڈرتا اور نہ میں کسی سے ہراساں ہوں۔

اس کے بعد تاکیداً کہا گیا ہے اب جب کہ ایسا ہے تو اپنی فکر مجتمع کرلو اور اپنے بتوں کو بھی دعوت عمل دو تا کہ وہ تمہارے ارادے میں تمہاری مدد کریں۔"اس طرح سے کہ کوئی چیز تم پر مخفی نہ رہے اور نہ تمہارے دل میں کوئی غم رہے" بلکہ پوری وضاحت سے میرے بارے میں پختہ ارادہ کرلو۔

"غمۃ" "غم" کے مادہ سے کسی چیز کے چھپانے کے معنی میں ہے۔ یہ جو رنج واندوہ اور حزن وملال کو غم کہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ انسان کے دل کو چھپالیتا ہے۔

اس کے بعد کہا گیا ہے: اگر تم سے ہو سکے تو "اٹھ کھڑے ہو اور میری زندگی کا خاتمہ کردو اور مجھے لحہ بھر کی بھی مہلت نہ دو"۔

بہرحال یہ تمام اسلامی رہبروں کے لئے ایک درس ہے کہ وہ دشمنوں کی کثرت سے ہرگز ہراساں نہ ہوں بلکہ پروردگار پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے، حتمی وقطعی فیصلے کے ساتھ جتنا زیادہ ہو سکے انہیں مقابلے کی دعوت دیں اور ان کی طاقت کی تحقیر وتذلیل کریں کیونکہ یہ اسلام کے پیروکاروں کی روحانی تقویت اور دشمنوں کی روحانی شکست کے لئے ایک اہم عامل ہے۔

(۷۲) اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے اپنی حقانیت کے اثبات کے لئے ایک اور بیان نقل ہوا ہے ارشاد ہوتا

ہے: اگر تم میری دعوت سے روگردانی کرو گے تو مجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا کیونکہ میں نے تم سے کسی اجر یا مزدوری کا تو تقاضا نہیں کیا۔ ''کیونکہ میرا اجراور جزا صرف خدا پر ہے''۔ میں اس کے لئے کام کرتا ہوں اور اسی سے اجر و جزا چاہتا ہوں اور ''میں مامور ہوں کہ فقط فرمان خدا کے سامنے سر تسلیم خم کروں''۔

(۷۳) زیر بحث آخری آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کے دشمنوں کے انجام اور آپ کی پیش گوئی کی صداقت کو یوں بیان کیا گیا ہے: انہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی لیکن ہم نے اسے اور ان تمام افراد کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی۔

''ہم نے نہ صرف انہیں نجات دی بلکہ ستم گر قوم کی جگہ انہیں جانشین بنایا''۔ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا تھا انہیں ہم نے غرق کر دیا''۔

آخر میں روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اب ان لوگوں کا انجام دیکھو جنہیں ڈرایا گیا تھا لیکن انہوں نے خدائی تنبیہوں کو کچھ نہ سمجھا۔

(۷۴) ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ	پھر ہم نے نوح کے بعد کچھ رسول ان کی قوم کی طرف بھیجے وہ واضح دلائل لے کر ان کے پاس گئے لیکن وہ اس چیز پر ایمان نہ لائے جس کی پہلے تکذیب کر چکے تھے۔ اس طرح ہم تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیاء

حضرت نوح علیہ السلام کی سرگزشت کے بارے میں اجمالی گفتگو کے بعد ان کے بعد لوگوں کی ہدایت کے لئے آنے والے انبیاء کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ ان انبیاء کا تذکرہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے آئے مثلاً ابراہیم علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، لوط علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام۔ ارشاد ہوتا ہے: پھر نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے کچھ رسول ان کی قوم اور جمعیت کی طرف بھیجے۔ ''وہ واضح روشن اور آشکار دلائل لے کر اپنی اپنی قوم کی طرف آئے'' اور نوح علیہ السلام کی طرح ان کے پاس بھی منطق و اعجاز کے تربیت کنندہ ہتھیار اور پروگرام تھے۔

لیکن وہ لوگ جو عناد اور ہٹ دھرمی کی راہ پر چل رہے تھے اور گزشتہ انبیاء کی تکذیب کے لئے بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے انہوں نے ان انبیاء کی تکذیب کی اور ان پر ایمان نہ لائے۔

اور یہ اس بنا پر تھا کہ گناہ اور حق دشمنی کی وجہ سے ان کے دلوں پر پردہ پڑا ہوا تھا ''جی ہاں ہم اس طرح تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں''۔

(۷۵)ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَ هٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰیٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ	ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیات دے کر فرعون اور اس کے آس پاس والوں کی طرف بھیجا لیکن انہوں نے تکبر کیا (اور حق قبول نہ کیا کیونکہ) وہ مجرم گروہ تھا۔
(۷۶)فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ	اور جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے یہ واضح جادو ہے۔
(۷۷)قَالَ مُوْسٰۤی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ	(لیکن) موسیٰ نے کہا کیا اس حق کو تم جادو شمار کرتے ہو جو تمہاری طرف آیا ہے؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر تو رستگار (اور کامیاب) نہیں ہوں گے۔
(۷۸)قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ ؕ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ	وہ کہنے لگے کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس سے پھیر دے جس پر ہمارے آباؤاجداد تھے اور تم دونوں روئے زمین کی بزرگی (اور حکومت) حاصل کرلو۔ ہم تم دونوں پر ایمان نہیں لائیں گے۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے جہاد کا ایک پہلو

گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے واقعات کو زندہ نمونہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے پھر حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کے پیغمبروں کا ذکر ہوا ہے۔ اب زیر نظر آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ یہاں فرعون اور اس کے ساتھیوں سے ان کے مسلسل مبارزات اور جہاد کا کچھ ذکر کیا گیا ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: گزشتہ انبیاء کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کی جماعت کی طرف آیات ومعجزات کے ساتھ بھیجا۔

لیکن فرعون اور فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے روگردانی کی اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی بجائے اس سے تکبر کیا۔

انہوں نے تکبر کی وجہ سے اور انکساری کی روح نہ ہونے کے باعث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے واضح حقائق کی پرواہ نہ کی۔اس طرح اس مجرم اور گنہ گار قوم نے اپنا جرم و گناہ جاری رکھا۔

(۷۶)اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی سے فرعونیوں کے بعض مبارزات کے بارے میں گفتگو ہے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ انہوں نے انکار، تکذیب اور افتراء کا راستہ اختیار کیا، ان کی نیت کو برا قرار دیا۔ بڑوں کے طریقے کو درہم برہم کرنے کا الزام دیا اور اجتماعی نظام میں خلل ڈالنے کی تہمت لگائی، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: جس وقت ہماری طرف سے حق ان کے پاس آیا (تو باوجودیکہ انہوں نے اس کے چہرے سے اسے پہچان لیا) کہنے لگے کہ یہ واضح جادو ہے۔

(۷۷)لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دفاع میں دو دلیلوں سے نقاب الٹ دیئے اور ان کے جھوٹ اور تہمت کو آشکار کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے پہلے ان سے کہا کہ کیا تم حق کی طرف جادو کی نسبت دیتے ہو کیا یہ جادو ہے اور اس کی جادو سے کوئی مشابہت ہے؟ علاوہ ازیں جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

(۷۸)پھر انہوں نے اپنی تہمتوں کے سیلاب کا رخ موسیٰ علیہ السلام کی طرف کئے رکھا اور ان سے کھل کر کہنے لگے: کیا تو ہمیں ہمارے آباؤ اجداد اور بزرگوں کے طور طریقے سے پھیر دینا چاہتا ہے۔

درحقیقت انہوں نے بڑوں کے طور طریقے، رسومات، خیالی عظمت اور ان کے افسانوی بتوں کا سہارا لیا تاکہ عوام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے متنفر کر سکیں اور انہیں یقین دلائیں کہ یہ تمہارے معاشرے اور ملک کے مقدسات اور عظمتوں کو پامال کرنا اور ان سے کھیلنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے اپنی پہلی بات کو جاری رکھا اور کہا کہ خدا کے دین کے بارے میں تمہاری دعوت جھوٹ سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ تو سب اس سرزمین پر حکومت کرنے کے لئے جال اور خائن سازشیں ہیں۔

درحقیقت چونکہ ان کی اپنی ہر کوشش لوگوں پر ظالمانہ حکومت کے لئے تھی لہٰذا دوسروں کو بھی ایسا ہی خیال کرتے تھے۔ وہ انبیاء کی مصلحانہ کوششوں کو بھی یہی معنی پہناتے تھے اور کہتے تھے کہ ''تم جان لو کہ ہم تم دو افراد پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے'' کیونکہ ہم نے تمہارے مقاصد سمجھ لئے ہیں اور تمہارے تخریبی پروگرام سے ہم آگاہ ہیں۔

(۷۹)وَ قَالَ فِرۡعَوۡنُ ائۡتُوۡنِیۡ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیۡمٍ	فرعون نے کہا: ہر آگاہ جادوگر (اور ساحر) کو میرے پاس لے آؤ۔
(۸۰)فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَۃُ قَالَ لَھُمۡ مُّوۡسٰۤی اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ	جس وقت جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا: تم (جادو کے اسباب میں سے) جو کچھ ڈال سکتے ہو ڈال دو۔

(۸۱)فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ	جب انہوں نے (جادو کے اسباب) ڈالے تو موسیٰ نے کہا کہ جو کچھ تم لائے ہو وہ جادو ہے جسے خدا جلدی باطل کر دے گا۔ کیونکہ خدا فساد کرنے والوں کے عمل کی اصلاح نہیں کرتا۔
(۸۲)وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۧ	اور حق کو وہ اپنے وعدے سے ثابت کر دکھاتا ہے اگر چہ مجرم ناپسند کرتے ہوں۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف جنگ کا دوسرا مرحلہ

ان آیات میں مقابلے کا اگلا مرحلہ بیان کیا گیا ہے۔ان میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کے خلاف فرعون کے عملی اقدام کی بات کی گئی ہے۔

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے کچھ معجزات مثلاً ید بیضا اور بہت بڑے اژدہا کو حملہ کرتے دیکھا اور اسے نظر آیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا دعویٰ بلا دلیل نہیں اور یہ دلیل کم از کم اس کے اطرافیوں یا دوسروں میں سے بعض پر اثر انداز ہوگی تو اس نے عملی طور پر جواب دینے کا فیصلہ کیا۔قرآن کہتا ہے: فرعون نے پکار کے کہا کہ تم آگاہ جادوگروں کو میرے پاس لے آؤ تاکہ ان کے ذریعے میں موسیٰ علیہ السلام والی مصیبت اپنے سے دور کر سکوں۔

(۸۰) بہرحال جب مقابلے کے معین تاریخی دن کہ جس دن کے لئے لوگوں کو شرکت کی عام دعوت دی گئی تھی، جادوگر اکٹھے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف رخ کیا اور کہا: پہلے جو کچھ تم لا سکتے ہو میدان میں لے آؤ۔

(۸۱) بہرحال انہوں نے اپنی تمام قدرت مجتمع کی اور جو کچھ وہ اپنے ساتھ لائے تھے انہوں نے میدان کے بیچ میں ڈال دیئے"تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو یہ جادو ہے اور خدا جلدی اسے باطل کر دے گا۔تم فاسد اور مفسد افراد ہو کیونکہ ایک جابر، ظالم اور سرکش کی خدمت انجام دے رہے ہو اور تم نے اپنے علم کو اس خود غرض حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے فروخت کر دیا ہے اور یہ خود تمہارے مفسد ہونے پر ایک بہترین دلیل ہے اور خدا مفسدین کے عمل کی اصلاح نہیں کرتا۔

(۸۲) زیر نظر آخری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ اس مقابلے میں ہمیں اعتماد ہے کہ کامیابی ہماری ہے کیونکہ خدا کا وعدہ ہے کہ وہ حق کا آشکار کرے گا اور شکست دینے والی منطق اور غالب آنے والے معجزات کے ذریعے اپنے پیغمبروں کی مدد کرے گا اور یوں اہل فساد و باطل کو رسوا اور ذلیل کرے گا اگر چہ مفسد فرعون اور اس کے حواری اسے ناپسند کرتے ہیں۔

(۸۳)فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ	(شروع میں) کوئی شخص موسیٰ پر ایمان نہ لایا مگر صرف اس کی قوم کی اولاد میں سے ایک گروہ۔ (انہیں بھی) یہ خوف رہتا تھا کہ فرعون اور اس کے حواری انہیں (موسیٰ کے) دین سے منحرف نہ کردیں۔ فرعون زمین میں بالادستی اور طغیان کے لئے کوشاں تھا اور وہ زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔
(۸۴)وَ قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ	موسیٰ نے کہا: اے میری قوم! اگر تم خدا پر ایمان لائے ہو تو اس پر توکل کرو اگر اس کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہو۔
(۸۵)فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ	انہوں نے کہا ہم صرف خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ پروردگار! ہمیں ظالم گروہ کے زیر اثر قرار نہ دے۔
(۸۶)وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ	اور ہمیں اپنی رحمت سے کافر گروہ (کے ہاتھ) سے نجات دے۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جہاد کا تیسرا مرحلہ

ان آیات میں فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انقلابی مقابلوں میں سے ایک اور واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ابتداء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے گروہ کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اس واقعہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے صرف ان کی قوم کے فرزند تھے۔

یہ چھوٹا اور مختصر سا گروہ تھا۔ لفظ "ذرية" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی زیادہ تر جوان اور نوجوان تھے۔ وہ فرعون اور اس کے حواریوں کی طرف سے سخت دباؤ کا شکار تھے۔ انہیں ہر وقت یہی خوف رہتا تھا کہ فرعونی حکومت کہیں شدید دباؤ کے ذریعے کہ جو وہ اہل ایمان پر روا رکھتی ہے، انہیں موسیٰ علیہ السلام کا دین ترک کرنے پر مجبور نہ کرے۔ کیونکہ فرعون ایک ایسا شخص تھا جو زمین پر بالادستی چاہتا تھا۔ وہ اسراف کرنے والا اور تجاوز کرنے والا تھا اور کسی حد اور سرحد کو قانونی نہیں سمجھتا تھا۔

(۸۴) بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی فکر اور روح کی تسکین کے لئے محبت آمیز لہجے میں ان سے کہا: اے میری قوم! اگر تم لوگ خدا پر ایمان لائے ہو اور اپنی گفتار میں اور ایمان و اسلام کے اظہار میں سچے ہو تو تمہیں اس پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے۔

امواج وطوفان بلا سے نہ ڈرو۔ کیونکہ ایمان توکل سے جدا نہیں ہے۔

''توکل'' کا مفہوم ہے کام کسی کے سپرد کرنا اور اسے وکالت کے لئے منتخب کرنا۔ ''توکل'' کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کوشش کرنا چھوڑ دے، گوشہ تنہائی میں جا بیٹھے اور کہے کہ میرا سہارا خدا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے جب انسان کام کے لئے اپنی پوری کوشش کر چکے اور مشکل حل نہ ہو اور راہ سے رکاوٹیں نہ ہٹیں تو پھر اضطراب اور وحشت کو اپنی طرف نہ آنے دے بلکہ لطف الٰہی پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی ذات پاک اور قدرت بے پایاں سے مدد چاہتے ہوئے پامردی کا مظاہرہ کرے۔ مسلسل جہاد جاری رکھے یہاں تک کہ اگر اس میں طاقت بھی ہو تو اپنے آپ کو لطف خدا سے بے نیاز نہ سمجھے کیونکہ جو طاقت بھی ہے اسی کی طرف سے ہے۔

(۸۵) ان سچے مومنین نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو توکل کے ساتھ قبول کیا اور کہا کہ ہم صرف خدا پر توکل کرتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے بارگاہ قدس سے تقاضا کیا کہ وہ انہیں دشمنوں کے شر، وسوسوں اور دباؤ سے امان میں رکھے اور عرض کیا: اے پروردگار! ہمیں فتنہ کا ذریعہ اور ظالموں کے زیر اثر قرار نہ دے۔

(۸۶) پروردگار! ہمیں اپنی رحمت سے بے ایمان قوم سے نجات دے۔

(۸۷)وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰی وَ اَخِیۡہِ اَنۡ تَبَوَّاٰ لِقَوۡمِکُمَا بِمِصۡرَ بُیُوۡتًا وَّ اجۡعَلُوۡا بُیُوۡتَکُمۡ قِبۡلَۃً وَّ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	اور موسیٰ اور اس کے بھائی کو ہم نے وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے سرزمین مصر میں گھروں کا انتخاب کرو اور اپنے گھروں کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے (اور قریب) رکھو اور نماز قائم کرو اور مومنین کو بشارت دو (کہ آخر کار وہ کامیاب ہو جائیں گے)۔
(۸۸)وَ قَالَ مُوۡسٰی رَبَّنَاۤ اِنَّکَ اٰتَیۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَاَہٗ زِیۡنَۃً وَّ اَمۡوَالًا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِکَ ۚ رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِہِمۡ وَ اشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ	موسیٰ نے کہا: اے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور (بھرپور) اموال دیئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ (تیرے بندوں کو) تیری راہ سے گمراہ کرتے ہیں۔ پروردگار! ان کے اموال نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کیونکہ جب تک دردناک عذاب نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے۔

(۸۹)قَالَ قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُکُمَا فَاسۡتَقِیۡمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیۡلَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	فرمایا: ہم دونوں کی دعا قبول ہوگئی ہے۔تم استقامت دکھاؤاور ان لوگوں کے طور طریقے کی پیروی نہ کرو جونہیں جاہل ہیں۔

تفسیر

چوتھامرحلہ............انقلاب کی تیاری

ان آیات میں فرعونوں کے خلاف بنی اسرائیل کے قیام اور انقلاب کا ایک اور مرحلہ بیان کیا گیا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے: ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ سرزمین مصر میں اپنی قوم کے لئے گھروں کا انتخاب کرو۔ پھر روحانی طور پر اپنی خودسازی اور اصلاح کرو''اور نماز قائم کرو''۔اس طرح سے اپنے نفس کو پاک اور قوی کرو۔

اور اس لئے کہ خوف اور وحشت کے آثار ان کے دل سے نکل جائیں اور وہ روحانی اور انقلابی قوت پالیں ''مومنین کو بشارت دو'' کامیابی اور لطف خدا کی بشارت۔

اس کے بعد فرعون اور فرعونیوں کی سرکشی کے ایک سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرمایا گیا ہے: پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے حواریوں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور مال بخشا ہے۔لیکن اس ثروت و زینت کا انجام یہ ہوا کہ وہ تیرے بندوں کو تیری راہ سے منحرف اور گمراہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام درگاہ الٰہی میں تقاضا کرتے ہوئے کہتے ہیں' پروردگار! ان کے اموال کو محو اور بے اثر کر دے تاکہ وہ اس سے بہرہ ور نہ ہوسکیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مزید عرض کرتے ہیں: پروردگار! اس کے علاوہ ان سے غور و فکر کی، سوچنے سمجھنے کی قدرت بھی لے لے۔ کیونکہ یہ دوسرمائے گنوا کر وہ زوال اور تباہی کے قریب پہنچ جائیں گے۔اس طرح انقلاب کی طرف اور ان پر آخری ضرب لگانے کے لئے راستہ کھل جائے گا۔خداوندا! یہ جو میں فرعونیوں کے بارے میں ایسی خواہش رکھتا ہوں تو یہ جذبہ انتقام اور کینے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بناء پر ہے کہ اب ان میں ایمان کے لئے کسی قسم کی کوئی آمادگی نہیں ہے۔جب تک تیرا دردناک عذاب نہ پہنچ جائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی سے کہا کہ اب جبکہ تم بنی اسرائیل کی تربیت اور اصلاح کے لئے تیار ہو گئے ہو ''تمہارے دشمنوں کے بارے میں تمہاری دعا قبول ہوئی۔پس مضبوطی سے اپنی راہ پر کھڑے ہو جاؤ اور استقامت و پامردی دکھاؤ، کثرت مشکلات سے نہ ڈرو اور اپنے کام کے بارے میں حتمی فیصلہ کرو۔اور نادانوں اور بے خبر افراد کی تجاویز کے سامنے ہرگز سر تسلیم خم نہ کرو اور جاہلوں کے راستے پر نہ چلو بلکہ مکمل آگاہی کے ساتھ اپنے انقلاب پروگرام کو جاری رکھو۔

(۹۰)وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ	ہم نے بنی اسرائیل کو (نیل کے عظیم) دریا سے گزارا اور فرعون اور اس کا لشکر ظلم وتجاوز کرتے ہوئے ان کے پیچھے گیا۔ جب وہ غرقاب ہونے لگا تو اس نے کہا میں ایمان لایا کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمین میں سے ہوں۔
(۹۱)آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ	(لیکن اسے کہا گیا) اب؟ حالانکہ پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو مفسدین میں سے تھا۔
(۹۲)فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۠	لیکن آج ہم تیرے بدن کو (پانی سے) بچالیں گے تا کہ تو آنے والوں کے لئے عبرت بن جائے اور بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں۔
(۹۳)وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ	ہم نے بنی اسرائیل کو صدق (اور سچائی) کی منزل میں جگہ دی اور انہیں پاکیزہ رزق میں سے عطا کیا (لیکن وہ نزاع واختلاف میں پڑ گئے) اور انہوں نے اختلاف نہ کیا مگر اس کے بعد کہ علم وآگہی حاصل کر چکے تھے۔ تیرا پروردگار قیامت کے روز اس چیز کا فیصلہ کرے گا جس کے بارے میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر

ظالموں سے مقابلے کا آخری مرحلہ

ان آیات میں فرعونیوں سے بنی اسرائیل کے مقابلے کے آخری مرحلے کی منظر کشی کی گئی ہے۔ فرعونیوں کے انجام کی مختصر لیکن دقیق اور واضح عبارتوں کے ذریعے تصویر پیش کی گئی ہے اور ان میں قرآن سے اپنی روش کے مطابق اضافی مطالب ترک کر دیئے ہیں جنہیں پہلے اور بعد کے جملوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: جبکہ بنی اسرائیل دباؤ میں تھے اور فرعونی ان کا تعاقب کر رہے تھے ہم نے انہیں دریا پار

کروادیا۔ دریائے نیل اتنا بڑا تھا کہ اس کے لئے لفظ ''بحر'' استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنی ''سمندر'' ہے۔

فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کی سرکوبی کے لئے اور ان پر ظلم وتجاوز کرتے ہوئے ان کے تعاقب میں آیا لیکن جلد ہی وہ سب کے سب نیل کی موجوں میں غرق ہو گئے۔

بہرکیف یہ معاملہ چل رہا تھا ''یہاں تک کہ فرعون غرقاب ہونے لگا اور وہ عظیم دریائے نیل کی موجوں میں تنکے کی طرح غوطے کھانے لگا تو اس وقت غرور وتکبر اور جہالت و بے خبری کے پردے آنکھوں سے ہٹ گئے اور فطری نور توحید چمکنے لگا۔ وہ پکار اٹھا: ''میں ایمان لے آیا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں''۔ کہنے لگا کہ نہ صرف میں اپنے دل سے ایمان لایا ہوں بلکہ عملی طور پر بھی ایسے توانا پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

درحقیقت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئیاں یکے بعد دیگرے وقوع پذیر ہوئی اور فرعون اس عظیم پیغمبر کی گفتگو کی صداقت سے آگاہ ہوا اور اس کی قدرت نمائی کا مشاہدہ کیا تو اس نے مجبوراً اظہار ایمان کیا، اسے امید تھی کہ جیسے ''بنی اسرائیل کے خدا'' نے انہیں کوہ پیکر موجوں سے نجات بخشی ہے اسے بھی نجات دے گا۔ لہٰذا وہ کہنے لگا میں اسی بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا ہوں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا ایمان جو نزول بلا وموت کے چنگل میں گرفتار ہونے کے وقت ظاہر کیا جائے درحقیقت ایک قسم کا اضطراری ایمان ہے۔ جس کا اظہار سب مجرم اور گناہ گار کرتے ہیں۔ ایسے ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی اور نہ یہ حسن نیت اور صدق گفتار کی دلیل ہوسکتا ہے۔

(۹۱) اسی بناء پر خدا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اب تو ایمان لایا ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی اور طغیان کرنے والوں، مفسدین فی الارض اور تباہ کاروں کی صف میں موجود تھا۔

(۹۲) لیکن آج ہم تیرے بدن کو موجوں سے بچالیں گے تاکہ تو آنے والوں کے لئے درس عبرت ہو، برسر اقتدار مستکبرین کے لئے، تمام ظالموں اور مفسدوں کے لئے اور مستضعف گروہوں کے لئے بھی۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: لیکن خدا کی ان تمام آیات، نشانیوں اور عبرت انگیز درسوں کے ہوتے ہوئے کہ جن سے تاریخ انسانی بھری پڑی ہے بہت سے لوگ ہماری آیات اور نشانیوں سے غافل ہیں۔

(۹۳) زیر بحث آخری آیت میں بنی اسرائیل کی آخری کامیابی اور فرعونیوں کے چنگل سے نجات پانے کے بعد ان کی مقدس سرزمین کی طرف واپسی کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ہم نے بنی اسرائیل کو صدق اور سچائی کے مقام پر جگہ دی۔

''مُبَوَّاَ صِدۡقٍ'' (سچی منزل) ممکن ہے اس طرف اشارہ ہو کہ خدا نے بنی اسرائیل سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا اور انہیں اس سرزمین میں پہنچا دیا جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یا پھر ہوسکتا ہے کہ ''صدق'' اس سرزمین کی پاکی اور نیکی کی طرف اشارہ ہو۔ اس طرح پھر یہ بات شام اور فلسطین کی سرزمین سے مناسبت رکھتی ہے جو کہ انبیاء خدا کی جائے سکونت ہے۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے: ہم نے انہیں پاکیزہ رزق سے بہرہ مند کیا۔ لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور ایک

دوسرے سے اختلاف اور نزاع میں پڑ گئے۔ وہ بھی لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ جانتے بوجھتے ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات اور ان کی صداقت کے دلائل مشاہدہ کرنے کے باوجود۔ لیکن ''تیرا پروردگار آخر روز قیامت ان میں اس چیز کے بارے میں فیصلہ کرے گا'' اور اگر آج وہ اختلاف کی سزا نہ پائیں تو کل اس کا مزہ چکھیں گے۔

(۹۴) فَاِنۡ كُنۡتَ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ فَسۡـَٔلِ الَّذِيۡنَ يَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ لَقَدۡ جَآءَكَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ۙ	جو کچھ ہم نے تجھ پر نازل کیا ہے اگر اس میں تجھے شک وشبہ ہے تو ان سے جو تجھ سے پہلے آسمانی کتب پڑھتے ہیں سوال کرو (جان لو) قطعی طور پر ''حق'' تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ تک پہنچا ہے لہذا شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہوجا۔
(۹۵) وَ لَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ	اور ان میں سے نہ ہوجا جنہوں نے آیات خدا کی تکذیب کی ہے ورنہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائے گا۔
(۹۶) اِنَّ الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۙ	(اور جان لو کہ) جن پر حکم ثابت ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔
(۹۷) وَ لَوۡ جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ	اگر چہ (اللہ) کی تمام آیات (اور اس کی نشانیاں) ان تک پہنچ جائیں، یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔

تفسیر

شک کو اپنے قریب نہ آنے دو

گزشتہ آیات میں چونکہ انبیاء اور گزشتہ اقوام کے کچھ حصے بیان کئے گئے ہیں لہذا ممکن تھا کہ بعض مشرکین اور یہود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر ان کی صداقت میں شک کرتے۔ قرآن ان سے چاہتا ہے کہ ان کہی ہوئی باتوں کو صادق سمجھنے کیلئے اہل کتاب کی طرف رجوع کریں اور ان کے بارے میں ان سے معلوم کریں کیونکہ ان کی کتب میں اس قسم کے بہت سے مسائل آئے ہیں لیکن مخالفین کی طرف روئے سخن کرنے کی بجائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے اگر تجھے اس کے بارے میں شک وتردد ہے تو ان سے جو تجھ سے پہلے آسمانی کتب میں پڑھتے ہیں پوچھ لے۔ تاکہ اس طرح سے یہ ثابت ہوجائے کہ ''جو کچھ ہم نے تجھ پر نازل کیا ہے وہ تیرے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ لہذا کسی قسم کے شک وشبہ کو ہرگز اپنے قریب نہ آنے دو۔

(۹۵)اس آیات میں مزید ارشاد ہوتا ہے: اب جبکہ آیات پروردگار اور اس دعوت کی حقانیت تجھ پر واضح ہو چکی ہے تو ان لوگوں کی صف میں کھڑا نہ ہو جنہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی ہے ورنہ زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا۔

درحقیقت قرآن پہلی آیت میں کہتا ہے کہ اگر شک وتردد رکھتے ہو تو ان سے پوچھو جو آگاہی اور علم رکھتے ہیں اور اس آیت میں کہتا ہے کہ اب جبکہ تردد کے عوامل برطرف ہو چکے ہیں تو ان آیات کے سامنے تجھے سرتسلیم خم کرنا چاہئے ورنہ حق کی مخالفت کا نتیجہ خسارے اور نقصان کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔

(۹۶)اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کو بتایا گیا ہے کہ تیرے مخالفین میں متعصب اور ہٹ دھرم لوگ موجود ہیں جن کے ایمان لانے کی توقع عبث ہے۔ وہ فکری لحاظ سے اس قدر مسخ ہو چکے ہیں اور وہ باطل راستے پر اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ ان کا بیدار انسانی وجدان کھو چکا ہے اور وہ ناقابل اثر وجود میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ البتہ قرآن اس بات کو یوں بیان کرتا ہے: وہ لوگ کہ جن پر تیرے پروردگار کا فرمان ثبت ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(۹۷) یہاں تک کہ اگر خدا کی تمام آیات اور نشانیاں ان کے پاس آجائیں وہ تب بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ خدا کے دردناک عذاب کو اپنی آنکھ سے دیکھ نہ لیں۔ جبکہ اس وقت کے ایمان کا انہیں کچھ فائدہ نہیں۔

(۹۸)فَلَوۡ لَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَ ۚ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ مَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ	تمام آبادیاں اور شہر کیوں ایمان نہیں لائے کہ (جن کا ایمان برمحل ہو اور) ان کی حالت کے لئے مفید ہو مگر یونس کی قوم کہ جب وہ ایمان لائی تو ان کی زندگی سے ہم نے رسوا کن دنیاوی عذاب برطرف کر دیا اور ہم نے مدت معین (زندگی کے اختتام اور ان کی اجل) تک انہیں بہرہ مند کیا۔

تفسیر

صرف ایک گروہ برمحل ایمان لایا

گزشتہ آیات میں فرعون اور فرعونیوں کے متعلق خصوصاً اور دوسری اقوام کے متعلق عموماً یہ نکتہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اختیار اور سلامتی کے عالم میں خدا پر ایمان لانے سے اعراض کیا لیکن جب موت اور خدا کی سزا نے انہیں آلیا تو انہوں نے اظہار ایمان کیا کہ جو ان کے لئے سودمند نہیں ہوا۔ زیر نظر آیت میں یہ بات ایک عمومی قانون کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوا ہے: گزشتہ قومیں برمحل اور برموقع ایمان کیوں نہیں لائیں کہ ان کا ایمان ان کے لئے فائدہ مند ہوا۔

اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو مستثنیٰ کرتے ہوئے کہا گیا ہے: سوائے یونس کی قوم کے کہ جب وہ ایمان لائے تو ان

کی زندگی سے ہم نے رسوا کن دنیاوی عذاب برطرف کر دیا۔ اور انہیں معین مدت (ان کی زندگی کے اختتام) تک ہم نے بہرہ مند کیا۔

قوم یونس علیہ السلام کے ایمان لانے کا واقعہ

جیسا کہ تواریخ میں آیا ہے ان کا واقعہ کچھ یوں ہے:

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نینوا (عراق) میں زندگی بسر کرتی تھی۔ جب آپ علیہ السلام اس سے مایوس ہو گئے تو ایک عابد کی درخواست پر کہ جو ان میں رہتا تھا ان کے لئے بد دعا کی جبکہ انہی میں ایک عالم بھی تھا جو حضرت یونس علیہ السلام سے درخواست کرتا تھا کہ آپ قوم کے بارے میں دوبارہ دعائے خیر کریں، ان کے لئے پھر ارشاد و ہدایت شروع کریں اور مایوس نہ ہوں۔

لیکن حضرت یونس اس واقعے کے بعد اپنی قوم سے باہر چلے گئے۔ ان کی قوم کہ جس نے آپ کی سچائی کو بارہا آزمایا ہوا تھا، اس عالم کے گرد جمع ہو گئی جبکہ ابھی نزول عذاب کا فرمان صادر نہیں ہوا تھا لیکن اس کی نشانیاں کم و بیش نظر آتی تھیں۔ ان لوگوں نے موقع غنیمت جانا اور اس عالم کی راہنمائی میں شہر سے باہر نکل آئے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ دعا و تضرع کر رہے تھے، ہاتھ اٹھا رکھے تھے، اظہار ایمان کر رہے تھے، توبہ کناں تھے، انہوں نے ماؤں کو بچوں سے جدا کر دیا تھا تا کہ ان کی روح میں زیادہ انقلاب برپا ہو اور انہوں نے معمولی قسم کا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ اپنے پیغمبر کی تلاش میں نکل پڑے مگر ان کا تو کہیں کوئی نشان نظر نہ آیا۔ لیکن ان کی یہ توبہ، ایمان اور پروردگار کی طرف بازگشت چونکہ برمحل تھی اور علم، آگاہی اور خلوص کی بنیاد پر تھی لہٰذا وہ اپنا کام کر گئی۔ عذاب کی نشانیاں برطرف ہو گئیں۔ آرام و سکون ان کی طرف پلٹ آیا۔ ایک طویل واقعے کے بعد جب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے تو دل و جان سے قوم نے ان کی پذیرائی کی۔

خود حضرت یونس علیہ السلام کی زندگی کی تفصیل انشاءاللہ سورۂ صافات کی آیات ۱۳۹ تا ۱۴۸ کے ذیل میں بیان کی جائے گی۔

اس نکتے کی یاد دہانی بھی ضروری ہے قوم یونس علیہ السلام کو خدا کے قطعی عذاب کا ہرگز سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ورنہ ان کی توبہ بھی قبول نہ ہوتی بلکہ خطرے کی گھنٹیاں اور نشانیاں جو عام طور پر حقیقی عذاب سے پہلے نمایاں ہوتی ہیں ان کی بیداری کے لئے کافی ثابت ہو گئیں۔ حالانکہ فرعونی خطرے کے ایسے الارم بارہا سن چکے تھے۔ خطرے کی نشانیاں ان کے لئے نمایاں ہو چکی تھیں۔ مثلاً طوفان، ٹڈی دل کا حملہ اور نیل کے پانی کا دگرگوں ہو جانا وغیرہ ایسے واقعات رونما ہو چکے تھے لیکن انہوں نے خطرے کی ان گھنٹیوں کو کبھی کوئی اہمیت نہ دی اور ہر مصیبت پر صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خواہش کی اس تکلیف اور مصیبت کو خدا ان سے برطرف کر دے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ لیکن وہ کبھی ایمان نہیں لائے۔

مندرجہ بالا واقعہ ضمنی طور پر نشاندہی کرتا ہے کہ ایک آگاہ اور دلسوز رہبر کا وجود ایک قوم کے درمیان کس قدر مؤثر اور حیات بخش ہے جبکہ وہ عابد جو کافی علم نہ رکھتا ہو وہ زیادہ سختی اور خشونت کا ہی سہارا لیتا ہے۔ عدم آگہی سے عبادت اور علم جو احساس ذمہ داری کے ساتھ ہو میں اسلام جس فرق کا قائل ہے، اس کی منطق بھی اس روایت سے سمجھ میں آ جاتی ہے۔

(۹۹)وَ لَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کُلُّهُمۡ جَمِیۡعًا ؕ اَفَاَنۡتَ تُکۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ	اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو روئے زمین کے تمام رہنے والے (جبری طور پر) ایمان لے آتے۔ کیا تو مجبور کرنا چاہتا ہے کہ وہ ایمان لے آئیں (جبری ایمان کا کیا فائدہ ہے)۔
(۱۰۰)وَ مَا کَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تُؤۡمِنَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ یَجۡعَلُ الرِّجۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ لَا یَعۡقِلُوۡنَ	(لیکن) کوئی شخص خدا کے حکم (اس کی توفیق، مدد اور ہدایت) کے بغیر ایمان نہیں لا سکتا اور (کفر و گناہ کی) ناپاکی وہ ان کے لئے قرار دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

تفسیر

جبری ایمان بے کار ہے

گزشتہ آیات میں ہم نے پڑھا ہے کہ اضطراری ایمان کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسی بناء پر زیر بحث پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: اگر اضطراری اور اجباری ایمان کا کوئی فائدہ ہوتا اور تیرا پروردگار چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے۔ لہٰذا ان میں سے ایک گروہ کے ایمان نہ لانے سے دلگیر اور پریشان نہ ہو۔ ارادہ و اختیار کی بنیادی آزادی کا لازمہ ہے کہ کچھ لوگ مومن ہوں گے اور کچھ غیر مومن۔ ''ان حالات میں کیا تو چاہتا ہے کہ لوگوں کو ایمان لانے کے لئے مجبور کرے''۔

آیت اس تہمت کی دوبارہ نفی کرتی ہے جو اسلام کے دشمن بارہا لگاتے رہے ہیں اور لگاتے رہتے ہیں اور وہ یہ کہ اسلام تلوار کا دین ہے اور زبردستی اور جبری طور پر دنیا کے لوگوں پر ٹھونسا جاتا ہے۔

(۱۰۰) اس کے باوجود زیر نظر دوسری آیت میں اس حقیقت کی یاددہانی کروائی گئی ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ انسان مختار اور آزاد ہے پھر بھی جب تک لطف الٰہی اور حکم پروردگار شامل حال نہ ہو تو کوئی شخص ایمان نہیں لاتا۔ لہٰذا وہ لوگ جو جہالت اور بے عقلی کی راہ میں قدم رکھتے ہیں اور اپنی عقل و خرد کے سرمائے سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں خدا ان کے لئے رجس اور ناپاکی قرار دیتا ہے اس طرح سے کہ انہیں ایمان کی توفیق نہیں ہوتی۔

(۱۰۱) قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ	کہہ دو: دیکھو! ان (خدا کی آیات اور توحید کی نشانیوں) کو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں لیکن یہ نشانیاں اور تنبیہیں ان لوگوں کے لئے مفید نہیں ہوں گی جو ایمان نہیں لائے۔
(۱۰۲) فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ	کیا یہ گذشتہ لوگوں کے سے دنوں (ویسی بلاؤں، مصیبتوں اور سزاؤں) کا انتظار کرتے ہیں، کہہ دو: تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کروں گا۔
(۱۰۳) ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۧ	پھر (نزول بلا اور سزا وعذاب کے وقت) ہم اپنے رسولوں کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات دیتے تھے اور اس طرح ہم پر حق ہے کہ (تجھ پر) ایمان لانے والوں کو نجات بخشیں۔

تفسیر

تربیت اور وعظ ونصیحت

گذشتہ آیات میں اس بارے میں گفتگو تھی کہ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اختیاری ہو نہ کہ اضطراری اور اجباری۔ اسی مناسبت سے زیر نظر پہلی آیت میں اختیاری ایمان کے حصول کا راستہ بتایا گیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام سے فرمایا گیا ہے: ان سے کہہ دو: صحیح طور پر غور وفکر کرلیں اور آسمان اور زمین میں دیکھیں کہ کیسا عجیب وغریب اور حیرت انگیز نظام ہے کہ جس کا ہر گوشہ پیدا کرنے والے کی عظمت، قدرت، علم اور حکمت کی دلیل ہے۔ یہ سب درخشاں ستارے اور مختلف آسمانی کرات کہ جن میں سے ہر ایک اپنے محور اور مدار میں گردش کررہا ہے، یہ عظیم نظام ہائے شمسی اور یہ غول پیکر کہکشائیں اور ان پر کارفرما ایک دقیق نظام، اسی طرح یہ کرہ زمین اپنے تمام عجائب واسرار کے ساتھ اور یہ سب طرح طرح کے زندہ موجودات ان سب کی ساخت پرداخت میں غور کرو اور ان کے مطالعہ سے جہان ہستی کے مبداء وموجد سے زیادہ آشنائی پیدا کرو اور اس سے زیادہ قریب ہو جاؤ۔

یہ جملہ وضاحت کے ساتھ جبر اور سلب اختیاری کی نفی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایمان جہان آفرینش کے مطالعے کا نتیجہ ہے یعنی یہ کام خود تمہارے ہی ہاتھ میں ہے۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے: لیکن ان سب آیات اور نشانیوں کے باوجود تعجب کا مقام نہیں کہ ایک گروہ ایمان نہ لائے کیونکہ آیات، نشانیاں، خطرے کے الارم، ڈرانے کے اسباب صرف ان لوگوں کے کام آتے ہیں جو حق کو قبول کرنے کے لئے تیار

ہوں لیکن جنہوں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے ان پر ان امور کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اس کے بعد قرآن تہدید آمیز لہجے میں لیکن سوال کے انداز میں کہتا ہے کیا یہ ہٹ دھرم اور بے ایمان لوگ سوائے اس کے کوئی توقع رکھتے ہیں کہ جو انجام گزشتہ سرکش قوموں کا ہوا تھا اور جو دردناک خدائی عذاب میں گرفتار ہوئے تھے، اس سے دوچار ہوں۔ جیسا انجام فراعنہ، نمرود، شداد اور ان کے اعوان و انصار کا ہوا۔

آیت کے آخر میں انہیں خطرے سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ''اے پیغمبر! ان سے کہہ دو: اب جبکہ تم اس راستے پر چل رہے ہو اور تجدید نظر کے لئے تیار نہیں ہو تو تم انتظار میں رہو اور ہم تمہارے برے اور دردناک انجام کے انتظار میں ہیں جیسا انجام گزشتہ مستکبر قوموں کا ہوا۔

اس کے بعد اس بناء پر کہ یہ تو ہم نہ ہو کہ خدا سزا دیتے وقت خشک کے ساتھ تر کو بھی جلا دیتا ہے یہاں تک کہ ایک مومن جو کسی بڑے سرکش باغی گروہ میں ہو اسے نظر انداز کر دیتا ہے، مزید فرمایا گیا ہے: گزشتہ اقوام کے عذاب کے اسباب فراہم ہونے کے بعد ہم اپنے رسولوں اور ان لوگوں کو جو ان پر ایمان لائے نجات دیتے رہے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ یہ چیز گزشتہ اقوام، خدا کے رسولوں اور مومنین کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ ہم اس طرح تجھے اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو نجات دیں گے اور یہ ہم پر حق ہے ایک مسلّم اور تخلّف ناپذیر حق۔

(۱۰۴) قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّنۡ دِیۡنِیۡ فَلَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ لٰکِنۡ اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ ۖۚ وَ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ	(اے رسول) کہہ دو! اے لوگو! اگر میرے دین اور عقیدے کے بارے میں تمہیں شک ہے تو میں ان کی پرستش نہیں کرتا کہ خدا کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو، میں صرف خدا کی عبادت کرتا ہوں کہ جو تمہیں موت دے گا اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنین میں سے ہوں۔
(۱۰۵) وَ اَنۡ اَقِمۡ وَجۡهَکَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا ۚ وَ لَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ	اور (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) اپنا رخ اس دین کی طرف کروں جو ہر قسم کے شرک سے خالی ہے اور (مجھے حکم ہے کہ) مشرکین میں سے نہ ہونا۔
(۱۰۶) وَ لَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُکَ وَ لَا یَضُرُّکَ ۚ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیۡنَ	اور سوائے اللہ کے کسی چیز کو نہ پکار کہ جو نہ نفع دے سکتی ہے اور نہ نقصان۔ اگر ایسا کروگے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

(۱۰۷)وَ اِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ہُوَ ۚ وَ اِنۡ یُّرِدۡکَ بِخَیۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِہٖ ؕ یُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ وَ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ	اور اگر اللہ (امتحان کے لئے یا گناہ کی سزا کے طور پر) تجھے کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے علاوہ کوئی اسے برطرف نہیں کرسکتا اور گروہ تیرے لئے بھلائی کا اردہ کرے تو کوئی بھی اس کے فضل کونہیں روک سکتا اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اسے نوازتا ہے اور وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر

مشرکین کے بارے میں حتمی فیصلہ

یہ آیات اور بعد کی چند آیات سب کی سب توحید سے مربود شرک کے خلاف جنگ اور حق کی طرف دعوت دینے کے بارے میں ہیں۔ یہ آیات اس سورہ کی آخری آیات میں سے ہیں اور درحقیقت یہ اس سورہ کی توحیدی مباحث کی فہرست یا خلاصہ ہیں اور بت پرستی کے خلاف جنگ کے لئے تاکید ہیں جس کا ذکر اس سورہ میں بارہا آیا ہے۔

آیات کا لب لہجہ نشاندہی کرتا ہے کہ مشرکین بعض اوقات اس وہم میں گرفتار ہوجاتے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ پیغمبر اپنے عقائد میں سے بتوں کے بارے میں نرمی سے کام لیں، کسی طرح سے انہیں قبول کرنے کے قائل ہوجائیں اور خدا کے عقیدے کے ساتھ ساتھ کسی طرح سے انہیں بھی تسلیم کرلیں۔ قرآن اس درحتمی اور قطعی فیصلے کے ساتھ کہ جتنا فرض کیا جاسکتا ہے اس بے بنیاد توہم کو ختم کرتا ہے اور ان کی فکر کو ہمیشہ کے لئے راحت پہنچاتا ہے کہ بتوں کے بارے میں کسی قسم کی صلح اور نرمی کا کوئی معنی نہیں ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ صرف اللہ نہ ایک لفظ کم نہ ایک لفظ زیادہ۔ کسی قسم کی کوئی ڈھیل نہیں کسی قسم کی کوئی نرمی نہیں۔

پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ تمام لوگوں کو مخاطب کرکے: کہہ دو! اے لوگو! اگر تم میرے عقیدے کے بارے میں کوئی شک اور تردد رکھتے ہو تو آگاہ رہو کہ میں ان کی کبھی عبادت نہیں کروں گا جن کی خدا کے علاوہ تم عبادت کرتے ہو۔

صرف ان کے معبودوں کی نفی پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ مزید تاکید کے لئے ہر قسم کی عبادت خدا کے لئے ثابت کرتے ہوئے بات جاری ہے: لیکن میں ایسے خدا کی عبادت کرتا ہوں کہ جو تمہیں موت دے گا۔ جسم سے روح کو قبض کرنے کا اختیار اسی کے پاس ہے۔

پھر تاکید مزید ہے: یہ صرف میری چاہت نہیں ہے بلکہ ''یہ خدا کا فرمان ہے جو اس نے مجھے دیا ہے کہ میں اللہ پر ایمان لانے والوں میں سے رہوں''۔

(۱۰۵) شرک و بت پرستی کی نفی کے بارے میں اپنا عقیدہ قطعی طور پر بیان کرنے کے بعد اب اس کے لئے دو دلیلیں پیش کی گئی ہیں ایک دلیل فطرت کے حوالے سے ہے اور دوسری عقل و خرد کے حوالے سے ۔

''کہہ دو: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اپنا رخ مستقیم اور سیدھے دین کی طرف رکھو کہ جو ہر لحاظ سے خالص اور پاک ہو''۔

یہاں پر بھی صرف اثباتی پہلو پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ تاکید کے لئے نفی کا پہلو بھی بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: اور ہرگز مشرکین میں سے نہ ہونا۔

فطرت کے راستے شرک کے بطلان کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ایک واضح عقلی دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا گیا ہے کہ ''خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت نہ کر جو نہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ کیونکہ اگر تو نے ایسا کام کیا تو ظالموں میں سے ہو جائے گا''۔ اپنے اوپر بھی ظلم کرے گا اور اس معاشرے پر بھی جس سے تیرا تعلق ہے۔

یہاں پر بھی صرف نفی پہلو پر بس نہیں کی گئی بلکہ مثبت پہلو کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے: اگر تمہیں خدا کی طرف سے ناراحتی اور نقصان پہنچے (چاہے سزا کے طور پر ہو یا آزمائش کے طور پر) اس کے علاوہ کوئی بھی اسے برطرف نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر خدا چاہے کہ تجھے بھلائی پہنچے تو کوئی بھی اس کے فضل و رحمت کو روک نہیں سکتا۔

وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے (اور اہل سمجھے) خیر اور نیکی تک پہنچاتا ہے۔ کیونکہ اس کی بخشش اور رحمت سب پر محیط ہے اور وہ بخشش والا اور رحم کرنے والا ہے۔

(۱۰۸) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ	کہہ دو! اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے حق تمہاری جانب آیا ہے (اس کے زیرسایہ) ہدایت یافتہ اپنے لئے ہدایت پاتا ہے اور جو شخص گمراہ ہو جائے تو وہ اپنے نقصان میں گمراہ ہوتا ہے اور میں تم پر (مجبور کرنے لئے) مامور نہیں ہوں ۔
(۱۰۹) وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۧ	اور جو کچھ تم پر وحی ہوئی ہے اس کی پیروی کرو اور صبر کرو تا کہ خدا (کامیابی کا) حکم صادر کرے اور وہ بہترین حکم کرنے والا ہے۔

تفسیر

آخری بات

ان دو آیات میں سے ایک تو تمام لوگوں کے لئے پند و نصیحت ہے اور دوسری پیغمبر اکرمﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ یہ

آیات ان احکام کی تکمیل کرتی ہیں جو اس پوری سورت میں بیان ہوئے ہیں یہیں پر سورۂ یونس اختتام کو پہنچتی ہے۔

پہلے ایک عمومی حکم کے طور پر فرمایا گیا ہے: تمام لوگوں سے کہہ دو کہ تمہارے پروردگار کی جانب سے حق تمہاری طرف آیا ہے۔ یہ تعلیمات، یہ آسمانی کتاب، یہ پروگرام اور یہ پیغمبر سب حق ہیں اور ان کے حق ہونے کی نشانیاں واضح ہیں۔ اور اس حقیقت کی طرف توجہ کرتے ہوئے ”جو شخص اس حق کے زیر سایہ ہدایت حاصل کرے اس نے اپنے فائدے کی طرف ہدایت پائی ہے اور جو شخص اس کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرتے ہوئے گمراہی کا راستہ منتخب کرے اس نے اپنے نقصان میں قدم اٹھایا ہے۔ اور میں تمہارا مامور، وکیل اور نگہبان نہیں ہوں۔

یعنی یہ میری ذمہ داری نہیں ہے کہ تمہیں حق قبول کرنے پر مجبور کروں کیونکہ حق کو قبول کرنے کے لئے مجبور کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور نہ ہی اگر تم نے حق قبول نہ کیا تو تمہیں خدائی عذاب سے محفوظ رکھ سکتا ہوں بلکہ میری ذمہ داری تو دعوت دینا، تبلیغ کرنا، رشد و ہدایت کرنا اور رہبری کرنا ہے اور باقی امور خود تمہارے ذمہ ہیں کہ تم اپنے اختیار سے اپنی راہ منتخب کرو۔

(۱۰۹) اس کے پیغمبر کی ذمہ داری کا تعین دو جملوں میں کیا گیا ہے۔

پہلا یہ کہ جو کچھ تم پر وحی ہوتی ہے تجھے صرف اس کی پیروی کرنا چاہئے۔ تیرا راستہ خدا نے وحی کے ذریعے معین کیا ہے اور تو اس سے معمولی سے انحراف کا بھی مجاز نہیں۔

دوسرا یہ کہ اس راستے میں تجھے طاقت فرسا مشکلات، بہت زیادہ ناراحتیں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا لہٰذا انبوہ مشکلات میں تجھے چاہئے کہ خوف و ہراس کو اپنے قریب نہ آنے دے۔ صبر، استقامت اور پامردی اختیار کر۔ یہاں تک کہ خدا دشمنوں پر تیری فتح و کامرانی کا حکم صادر کرے۔ کیونکہ وہ بہترین حکم کرنے والا ہے۔ اس کا فرمان حق ہے، اس کا حکم عدل ہے اور اس کے وعدے کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔

سورہ ھود

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۱۲۳ آیات ہیں

سورہ ہود کے مضامین اور فضیلت

یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی انچاسویں سورت ہے۔بعض مفسرین کی تصریح کے مطابق یہ سورۃ ان آخری سالوں میں نازل ہوئی جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تھے۔یعنی حضرت ابوطالب علیہ السلام اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کی وفات کے بعد۔لہٰذا فطرتاً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک سخت ترین دور تھا اس بنا پر کہ اس زمانے میں دشمن کا دباؤ اور اس کا زہریلا پروپیگنڈا ہر دور سے زیادہ محسوس ہوتا تھا۔اس سورت کی ابتداء میں ایسی تعبیریں نظر آتی ہیں جو کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی دل جوئی اور تسلی کا پہلو رکھتی ہیں۔

اور سورہ کی آیات کا اہم اور بیشتر حصہ گزشتہ انبیاء خصوصاً حضرت نوح علیہ السلام کی سرگزشت پر مشتمل ہے، جو باوجود قلیل تعداد کے بہت سے دشمنوں پر غالب وکامران ہوئے۔

اس سورہ کی آیات باقی مکی سورتوں کی طرح معارف اسلامی کے اصولوں خصوصاً شرک وبت پرستی سے مبارزہ، بعد از موت کے معاملات اور دعوت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی تشریح پر مبنی ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے حالات اور دشمنوں سے نبردآزمائی کی تفاصیل کے علاوہ حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت نیز شرک وکفر اور انحراف وستم گری کے خلاف وسیع وطویل جنگ کی بابت اشارات بھی اس سورہ میں موجود ہیں۔

اس سورہ نے مجھے بوڑھا کر دیا

اس سورہ کی آیات وضاحت کے ساتھ اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ مسلمانوں کو کبھی دشمنوں کی کثرت اور ان کے شدید حملوں کی وجہ سے میدان خالی نہیں چھوڑنا چاہئے بلکہ ہر لحہ ان کی استقامت وپامردی میں اضافہ ہونا چاہئے۔اسی بناء پر ایک حدیث میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

شیبتنی سورۃ ھود

سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔(نور الثقلین، جلد دوم، ص ۳۳۴)

بہر حال اس سورہ میں علاوہ اس آیت کے، قیامت اور عدالت خداوندی میں باز پرس سے مربوط گزشتہ امتوں کی ہلا دینے والی سزاؤں سے متعلق اور فتنہ وفساد کے خلاف جنگ کے بارے میں احکام ہیں۔یہ سب امور احساس مسؤلیت پیدا کرتے ہیں۔تعجب کی بات نہیں کہ ان ذمہ داریوں کے بارے میں غور وفکر انسان کو بوڑھا کر دے۔

سورہ ہود کی معنوی تاثیر

اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من قرء السورہ اعطی من الاجر والثواب بعدد من صدق هوداً والانبیاء علیهم السلام، ومن کذب بهم، وکان یوم القیامة فی درجة الشهداء وحوسب حسابًا یسیراً

جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے اس کی جزا اور ثواب ان اشخاص جیسا ہے کہ جو حضرت ہود علیہ السلام اور باقی انبیاء پر ان کے جھٹلانے والوں اور منکرین کے مقابلے میں ایمان لائے۔ ایسا شخص قیامت کے دن شہداء میں سے قرار پائے گا اور اس کا حساب آسان و سہل ہوگا۔ (تفسیر برہان، ۲، ص ۲۰۶)

واضح ہے کہ خالی اور خشک تلاوت یہ اثر نہیں رکھتی بلکہ غور و فکر کے ساتھ کی گئی تلاوت ہی عمل کی جانب گامزن کرتی ہے اور یہ بات انسان کو مومنین ماسلف کے نزدیک اور منکرین انبیاء سے دور کر دیتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان و رحیم ہے۔
(۱) الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ ۙ	یہ کتاب ہے جس کی آیات مستحکم کی گئی ہیں پھر ان کی تشریح و تفصیل بیان کی گئی ہے، حکیم و آگاہ خدا کی طرف سے (یہ نازل ہوئی ہے)۔
(۲) اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ ۙ	(میری دعوت یہ ہے) خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو میں اس کی طرف سے تمہیں ڈرانے والا ہوں اور خوش خبری دینے والا ہوں۔
(۳) وَّ اَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ یُمَتِّعۡکُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ یُؤۡتِ کُلَّ ذِیۡ فَضۡلٍ فَضۡلَہٗ ؕ وَ اِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ کَبِیۡرٍ	اور یہ کہ اپنے پروردگار کی بخشش طلب کرو پھر اس کی طرف پلٹو تاکہ وہ اچھے طریقے سے تمہیں مدت معین تک (اس جہان کی نعمتوں سے) بہرہ مند کرے اور ہر صاحب فضیلت کو اس کی فضیلت کے مطابق عطا کرے اور اگر (اس فرمان سے) تم نے منہ موڑا تو مجھے تمہارے لئے بہت برے دن کے عذاب کا خوف ہے۔

(۴)اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ ۚ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ	(جان لو) تمہاری بازگشت اللہ کی طرف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر

دعوت انبیاء کے چار اہم اصول

حروف مقطعات "الر" کا ذکر خود اس عظیم آسمانی کتاب کی اہمیت کی دلیل ہے۔ یہ کتاب باوجود اپنے اعجاز وعظمت کے معمولی حروف مقطعات جو کہ سب کے سامنے ہیں یعنی الف۔لام۔راء، سے تشکیل پائی ہے۔

حروف مقطعات کے بعد قرآن مجید کی ایک خصوصیت دو جملوں میں بیان کی گئی ہے۔پہلی یہ کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کی تمام آیات مستحکم ہیں۔دوسری یہ کہ اس میں انسانی زندگی کی تمام انفرادی، اجتماعی، مساوی اور معنوی ضروریات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

یہ عظیم کتاب ان خصوصیات کے ساتھ اس خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے کہ جو حکیم بھی ہے اور آگاہ بھی۔

(۲) اس آیت میں قرآن کا اہم ترین اور سب سے بنیادی موضوع یعنی توحید کا بیان اور شرک کا مقابلہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے "الّا تعبدوا الا اللّٰہ"

میری دعوت کا دوسرا پروگرام یہ ہے کہ: "اننی لکم منه نذیر و بشیر" میں تمہارے لئے اسی خدا کی طرف سے نذیر (ڈرانے والا) اور بشیر (خوشخبری دینے والا) ہوں۔

(۳) میری تیسری دعوت یہ ہے کہ اس کی طرف پلٹ آؤ اور استغفار کرو اور اپنے کو آلودگیوں سے پاک وصاف رکھو۔

میری چوتھی دعوت یہ ہے کہ "اس کی طرف پلٹ آؤ" اور استغفار کے نتیجہ میں گناہوں سے پاک ہو جانے کے بعد اپنے کو خدائی صفات سے آراستہ کرو کیونکہ اس کی جانب بازگشت اس کی صفات سے اپنے آپ کو مزین کرنے کے علاوہ کچھ نہیں۔

درحقیقت حق کی جانب دعوت دینے کے چار مراحل ان چار جملوں کے ذریعے بیان ہوئے ہیں کہ جن میں سے دو عقیدہ اور بنیاد سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے دو کا تعلق بنیاد کے اوپر والے حصے اور عمل سے ہے۔حقیقی توحید قبول کرنا، شرک سے مبارزہ اور پیغمبر اکرم ﷺ کی رسالت کو قبول کرنا اعتقادی اصول ہیں۔اسی طرح اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرنا اور صفات الٰہی کو اپنانا یعنی عملی لحاظ سے اپنی مکمل اصلاح کر لینا قرآن کے دو عملی احکام ہیں لہٰذا اگر صحیح معنوں میں غور وفکر کریں تو قرآن کے تمام موضوعات کا خلاصہ یہی چار اقسام وامور ہیں۔یہی اس سورۃ اور سارے قرآن کے موضوعات کی فہرست ہے۔ان چار احکام کا "موافقت" یا "مخالفت" کی صورت میں عملی نتیجہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

جس وقت اس پروگرام کو عملی جامہ پہناؤ گے خدا تمہیں تمہاری عمر کے آخری لمحات تک اس دنیا کی سعادت بخش زندگی سے

بہرہ ور کرے گا۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ ہر شخص کو اس کے عمل کے برابر بہرہ مند کرے گا اور ان چار اصولوں پر عمل کرنے کی کیفیت میں لوگوں کے فرق اور تفاوت کو کسی صورت نظر انداز نہیں کرے گا بلکہ ہر صاحب فضیلت کو اس کی فضیلت کے مطابق عطا کرے گا۔

لیکن اگر انسان نے راہ مخالفت اختیار کی اور عقیدہ و عمل سے متعلق ان چار احکام کی نافرمانی کے راستے پر چل نکلے تو میں تم پر اس عظیم دن (قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں، وہ دن کہ جس میں تم عدل الٰہی کی عظیم عدالت میں حاضر ہو گے۔

(۴) بہرحال جان لیجئے کہ تم جو کچھ بھی ہو اور جس مقام و منزلت پر فائز ہو آخر کار تم سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے۔ یہ جملہ قرآن کے تفصیلی اصولوں میں سے پانچواں اصول یعنی مسئلہ معاد و قیامت کی طرف اشارہ ہے۔

لہٰذا یہ کبھی نہ سوچنا کہ تمہاری قوت خدا کی قوت و قدرت کے مقابلہ میں کوئی اہمیت رکھتی ہے یا سمجھنے لگو کہ تم اس کے فرمان اور اس کی عدالت کے کٹہرے سے فرار حاصل کر سکو گے نیز یہ تصور بھی نہ کرنا کہ وہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں کو موت کے بعد جمع نہیں کر سکتا اور نئی حیات کا لباس نہیں پہنا سکتا، اس لئے کہ وہ تو ہر چیز پر قادر و توانا ہے۔

(۵) اَلَآ اِنَّھُمۡ یَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَھُمۡ لِیَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡہُ ؕ اَلَا حِیۡنَ یَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِیَابَھُمۡ ۙ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ	آگاہ ہو کہ جب وہ (اپنے سروں اور) سینوں کو ایک دوسرے کے قریب کرتے ہیں تا کہ اپنے آپ کو (اور اپنی باتوں کو) اس (پیغمبر) سے پوشیدہ رکھیں، آگاہ رہو کہ جب وہ اپنے لباس کو اپنے اوپر لپیٹ لیتے ہیں اور اپنے آپ کو اس میں چھپا لیتے ہیں (خدا) ان کے ظاہر اور باطن سے باخبر ہے کیوں کہ وہ سینوں کے اندر کے رازوں سے آگاہ ہے۔

تفسیر

یہ آیت بطور کلی اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کے احمقانہ فعل کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اپنی نفاق آمیز اور حق سے گریزاں روش سے چاہتے تھے کہ اپنی ذات کو دوسروں کی نظروں سے پنہاں رکھیں تا کہ کہیں حق کی آواز نہ سن لیں۔ لہٰذا فرمایا گیا ہے: آگاہ رہو کہ وہ پیغمبر کی دشمنی کو دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں اور سروں کو نیچے کئے ہوئے سینوں کو آگے سے خم کرتے ہیں تا کہ خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر سے پوشیدہ رکھیں۔

اس آیت کے معنی کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ لفظ "یثنون" کا مفہوم پورے طور پر واضح ہو۔ "یثنون" کا مادہ "ثنی" (بروزن سنگ) ہے جو دراصل کسی چیز کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے کے نزدیک کرنے کے معنی میں آیا ہے مثلاً لباس تہ کرنے کے لئے "ثنی ثوبہ" کہا جاتا ہے اور یہ جو دو افراد کو "اثنان" کہا جاتا ہے اس بناء پر ہے کہ ہم ان میں سے ایک کو دوسرے کے پہلو میں قرار دیتے ہیں۔ مداحی اور قصیدہ گوئی کو "ثنا خوانی" بھی اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ ممدوح کی صفات برجستہ یکے بعد دیگرے

شمار کی جاتی ہیں۔ نیز یہ مادہ خم ہونے اور جھکنے کے معنی میں بھی آیا ہے اس لئے کہ انسان اس کام سے اپنے بدن کے کچھ حصوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیتا ہے۔ اسی طرح کینہ وعداوت رکھنے کے معنی میں بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس طرح انسان کسی شخص یا چیز کی دشمنی کو دل کے نزدیک کر لیتا ہے۔

جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس پر توجہ دینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ممکن ہے مندرجہ بالا تفسیر دشمنان پیغمبر کی ظاہری و باطنی مخالفت اور ہر قسم کی خفیہ سازشوں کی طرف اشارہ ہو۔ لہٰذا قرآن بلا فاصلہ آگاہ کرتا ہے کہ ”آگاہ رہو جس وقت وہ اپنے آپ کو اپنے لباسوں میں چھپا لیتے ہیں۔ پروردگار ان کے ظاہر و پنہاں سب کو جانتا ہے اس لئے کہ وہ ان کے سینوں (اندر) کے بھیدوں سے واقف ہے۔

(٦) وَ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُھَا وَ یَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّھَا وَ مُسۡتَوۡدَعَھَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ	اور زمین میں حرکت کرنے والی کوئی چیز نہیں مگر یہ کہ اس کی روزی خدا کے ذمہ ہے اور وہ اس کی جائے قیام اور نقل وحرکت کے مقام کو جانتا ہے یہ سب کچھ واضح کتاب (علم خدا کی لوح محفوظ) میں ثبت شدہ ہے۔

تفسیر

سب اسی کے مہمان ہیں

گزشتہ آیت میں پروردگار کے علم کی وسعت اور ہر آشکار اور پنہاں چیز پر اس کے احاطے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ زیر بحث آیت درحقیقت اس امر کی دلیل ہے کیونکہ اس میں تمام موجودات عالم کو خدا کی طرف سے روزی دینے کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور یہ ایسا کام ہے جو تمام موجودات عالم کے کامل احاطہ علمی کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لئے خداوند عالم فرماتا ہے: روئے زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کی روزی اس کے ذمہ نہ ہو وہ انسان کی جائے قرار کو جانتا ہے اور وہ اپنی قرارگاہ سے جن نقاط کی طرف منتقل ہوتا ہے اس سے بھی باخبر ہے، نیز ایک جاندار کہیں بھی ہو اس تک روزی پہنچاتا ہے۔ یہ تمام حقائق اپنی تمام حدود وقیود کے ساتھ کتاب مبین اور علم خدا کی لوح محفوظ میں ثبت ہے۔

تقسیم رزق اور زندگی کے لئے سعی وکوشش

مختلف موجودات کو روزی بہم پہنچانے کے لئے خداوند عالم کا طریقہ وتدبیر واقعاً حیرت انگیز ہے وہ نطفہ جو شکم مادر میں برقرار ہے سے لے کر قسم قسم کے حشرات الارض تک، جو زمین کی تاریک گہرئیوں، پر پیچ راستوں دختوں کی چھالو، پہاڑوں کی چوٹیوں اور دروں کی پہنائیوں میں زندگی کرتے ہیں اس خداوند عظیم کے علم وبنیش سے ہرگز مخفی نہیں ہیں۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے کہ خداوند ان

کی قرارگاہ اور حقیقی مسکن سے بھی آگاہ ہے وہ ان کے چلنے پھرنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے اور جہاں کہیں بھی ہوں ان کی روزی ان تک پہنچاتا ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ زیر نظر آیت میں روزی حاصل کرنے والوں کے بارے میں بحث کے دوران انہیں ''دابۃ '' (چلنے پھرنے والے) اور ''جنبندہ'' (حرکت کرنے والے) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو ''توانائی'' (Energy) اور حرکت (Motion) میں رابطہ کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہر شخص کی روزی اس کی ابتداء سے لے کر آخر عمر تک مقرر و معین ہے اور چاہتے نہ چاہتے اس تک پہنچے گی؟

بعض سست اور بے حال لوگ اس آیت کی مذکورہ تعبیر یا ان روایات کا سہارا لیتے ہوئے جو روزی کی مقدار اور اس کے تعین کے بارے میں کچھ بیان کرتی ہیں، یہ سوچنے لگے ہیں کہ ضروری نہیں کہ انسان تلاش معاش اور روزی مہیا کرنے کے لئے زیادہ سعی و کوشش کرے یا اس کی تلاش میں نکلے کیونکہ روزی انسان کا مقدر ہے اور وہ ہر حالت میں اس تک پہنچے گی اور کوئی بھی شخص روزی سے محروم نہیں رہے گا۔

حالانکہ قرآن اور احادیث اسلامی سے معمولی سے آشنائی بھی اس حقیقت تک پہنچنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام ہر قسم کی مادی و معنوی منفعت کے حصول کے لئے کی جانے والی کوششوں کو مثبت شمار کرتا ہے یہاں تک کہ قرآن کہتا ہے:

''انسان کے لئے کچھ نہیں ماسوا اس کے جتنی اس نے کوشش کی''

البتہ اس چیز کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض رزق ایسے ہیں کہ انسان ان کے پیچھے بھاگے یا نہ وہ اس کے پیچھے آتے ہیں مثلاً سورج کی روشنی جو ہماری تلاش و کوشش کے بغیر ہمیں میسر ہے اور ہمارے گھر روشن کرتی ہے۔ کیا اس کا انکار ممکن ہے کہ بارش اور ہوا بغیر ہماری جدوجہد اور کوشش کے ہماری تلاش میں آتی ہے؟ کیا اس بات کا انکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ عقل و ہوش اور قوت و استعداد جو روز اول سے ہمارے وجود میں رکھ دی گئی تھی ہمیں اس کے لئے جستجو نہیں کرنا پڑی؟

لیکن اس طرح کی نعمتیں جو ہوا کے جھونکے کے ساتھ ہمیں مل گئیں یا یہ کہ وہ نعمتیں جو کوشش کے بغیر خدا کے لطف و کرم سے ہم تک پہنچتی ہیں، اگر ہم نے ان کی مناسب نگہداشت و حفاظت نہ کی تو وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گی یا بے اثر ہو کر رہ جائیں گی۔

بہر حال نکتہ اساسی یہ ہے کہ تمام تعلیمات اسلامی ہمیں متوجہ کرتی ہیں کہ بہترین زندگی گزارنے کے لئے چاہے وہ مادی ہو یا معنوی زیادہ سے زیادہ کوشش و جستجو کرنی چاہئے اس لئے کہ کام سے فرار کا یہ جواز غلط ہے کہ روزی تو مقسوم میں لکھی ہے اور مل کر رہے گی۔

(۷)وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرۡشُهٗ عَلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَئِنۡ قُلۡتَ اِنَّکُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡمَوۡتِ لَیَقُوۡلَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ	وہ ایسی ذات ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دنوں (چھ ادوار) میں خلق کئے اوراس کا عرش (قدرت) پانی پر ہے (اور یہ اس لئے پیدا کیا) تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کس کا عمل بہتر ہے اور اگر تم کہو کہ تم موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے (اور قبروں سے اٹھو گے) تو یقیناً کافر کہیں گے کہ یہ کھلا جادو ہے۔

تفسیر

مقصد خلقت

اس آیت میں تین اساسی نکات پر بحث کی گئی ہے۔اول جہان ہستی کی آفرینش، خصوصاً آغاز آفرینش کہ جو پروردگار کی قدرت کی نشانی اوراس کی عظمت کی دلیل ہے۔"وہ ایسی ذات ہے جس نے آسمان اورزمین کو چھ دن میں پیدا کیا"۔

بلکہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے اس سے مراد ایک "دورانیہ" ہے اب خواہ یہ دورانیہ چھوٹا ہو یا بہت ہی طویل اور کروڑوں سالوں پر مشتمل ہو۔سورۂ اعراف کی آیت ۵۴ کے ذیل میں اس بات کی جامع اور مفصل تشریح بیان کی جا چکی ہے لہٰذا تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ "اس (خدا) کا عرش پانی پر تھا"۔

دوسرا مطلب جس کی طرف مندرجہ بالا آیت اشارہ کرتی ہے، وہ جہان ہستی اور عالم وجود کی خلقت کا ہدف ومقصد ہے۔ وہی ہدف کہ جس کا اہم ترین حصہ اس جہان کا گل سر سبد یعنی انسان ہے۔وہ انسان کہ جسے تعلیم وتربیت کی راہ اپنانا اور تکامل وارتقاء کی طرف بڑھنا چاہئے تا کہ وہ ہر لحہ خدا کے قریب ہوتا جائے۔

خداوند عالم فرماتا ہے، یہ باعظمت خلقت اس لئے معرض وجود میں آئی تا کہ تمہاری آزمائش کرے اور دیکھے کہ تم میں سے کون اعمال حسنہ انجام دیتا ہے۔

تیسرا موضوع جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے "معاد" ہے جو آفرینش جہاں کے مسئلہ اور ہدف خلقت سے نہ ٹوٹنے والا رشتہ رکھتا ہے کیونکہ خلقت عالم کا مقصد انسانوں کا تکامل وارتقاء ہے اور انسانوں کا ارتقاء انہیں ایک وسیع تر اور کامل تر جہاں میں زندگی گزارنے کے لئے تیار کرتا ہے،اسی لئے فرمایا: اگر ان سے کہا جائے کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر ازروئے تعجب کہتے ہیں کہ اسے باور نہیں کیا جا سکتا اوراس میں کوئی حقیقت وواقعیت نہیں ہے بلکہ یہ ایک واضح جادو ہے۔

(۸)وَ لَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۧ	اور اگر عذاب کو ایک محدود مدت کے لئے ٹال دیں (تو بطور استہزا) کہتے ہیں کہ اس میں کون سی رکاوٹ ہے؟ آگاہ رہو جس دن اس کی طرف سے عذاب آئے گا تو کوئی چیز اس کے آگے رکاوٹ نہیں بنے گی اور جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہی انہیں دامن گیر ہو جائے گا۔
(۹)وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ	اور اگر انسان کو ہم نعمت کا مزہ چکھانے کے بعد وہ (نعمت) اس سے واپس لے لیں تو بہت ہی ناشکرا اور ناامید ہو جاتا ہے۔
(۱۰)وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۙ	اور اگر شدت ناراحتی کے بعد اس تک نعمتیں پہنچائیں تو کہتا ہے کہ مشکلات مجھ سے برطرف ہوگئی ہیں جو دوبارہ نہیں آئیں گی اور خوشی، غفلت اور فخر میں مستغرق ہو جاتا ہے۔
(۱۱)اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ	مگر وہ لوگ جنہوں نے (سچے ایمان کے سائے میں) صبر واستقامت دکھائی اور عمل صالح انجام دیئے ہیں، ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔

تفسیر

مومن عالی ظرف اور بے ایمان کم ظرف ہوتے ہیں

ان آیات میں اس بحث کی مناسبت سے کہ جو بے ایمان افراد کے بارے میں گزر چکی ہے، ایسے افراد کے نفسیاتی حالات اور اخلاقی کمزوریوں کے بعض نکات کی تشریح ہوئی ہے۔ وہی کمزور گوشے جو انسان کا تاریکیوں اور فساد کی راہوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔

ایسے افراد کی پہلے صفت جو ذکر کی گئی ہے وہ حقائق کا مذاق اڑانا اور حیات ساز مسائل کے بارے میں تمسخر کرنا ہے وہ جہالت ونادانی اور غرور وتکبر کی وجہ سے جس وقت خدائی نمائندوں کو بدکاروں کی سزا کے بارے میں ڈراتے اور دھمکاتے سنتے ہیں، جبکہ چند روز گزرنے کے باوجود خدا اپنے لطف وکرم سے ان کے عذاب اور سزا کو تاخیر میں ڈال دیتا ہے تو بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی

سے کہتے ہیں۔کس چیز نے اس خدائی عذاب کوتاخیر میں ڈال دیا ہے؟ کیا ہوا اس سزا کا اور کہاں گیا وہ عذاب؟

پس یہ شیوہ اور طریقہ تمام مغرور اور جاہلوں کا ہے کہ جو چیز ان کے میلانات سے مطابقت نہ رکھے وہ ان کی نگاہ میں مذاق ہے۔اسی لئے وہ مردان حق کی ہلا دینے اور بیدار کرنے والی دھمکیوں کو شوخی اور مذاق سمجھتے ہیں لیکن قرآن مجید ان کو صراحت کے ساتھ جواب دیتا ہے:''آگاہ رہو جس دن خدائی عذاب آن پہنچا کوئی چیز اسے روک نہیں سکے گی اور جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ (عذاب) ان پر نازل ہوگا اور انہیں تباہ و برباد کر دے گا۔

(۹) ان کی کمزوری کا ایک اور نکتہ، مشکلات اور ناراحتوں اور برکات الٰہی کے منقطع ہونے پر ان کی کم ظرفی ہے۔جیسا کہ بعد والی آیت میں آیا ہے: اور جس وقت کسی نعمت اور رحمت کا مزہ ہم انسان کو چکھائیں اور پھر وہ اس سے واپس لے لیں تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے اور کفران نعمت اور ناشکری پر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

اگرچہ اس آیت میں گفتگو انسان کے بارے میں بطور کلی آئی ہے لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے کہ لفظ ''انسان'' سے اس قسم کی آیات میں غیر تربیت یافتہ، خود غرض اور ناکارہ انسانوں کی طرف اشارہ ہے۔

جیسا کہ قرآن فرماتا ہے: اگر تکالیف اور ناراحتوں کے بعد انسان کو نعمتیں مل جائیں تو وہ مغرور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ تمام مشکلات و تکالیف اب مجھ سے دور ہوگئی ہیں جو کبھی دوبارہ نہ آئیں گی۔اسی بناء پر بہت زیادہ مسرت، فخر و مباہات اور بے جا غرور و تکبر اسے سر سے پاؤں تک گھیر لیتا ہے اور یوں وہ پروردگار کی نعمتوں کے شکرانے سے غافل ہو جاتا ہے۔

پس فرمایا: صرف صاحبان ایمان کہ جنہوں نے زندگی کے شدائد اور سخت حوادث کے مقابلے میں صبر اور استقامت کو اختیار کیا اور جو ہر حال میں اعمال صالح بجالانے میں کوتاہی نہیں کرتے، تنگ نظری، ناشکرگزاری اور غرور و تکبر سے کنارہ کش ہیں جو نہ تو وفور نعمت کے وقت مغرور ہوتے اور خدا کو فراموش کرتے ہیں اور نہ ہی شدت مصائب کے وقت مایوسی اور کفران نعمت کرتے ہیں۔بلکہ ان کی عظیم روح اور بلند فکر نعمت و بلا دونوں کو برداشت کرتی ہے۔وہ یاد خدا اور اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہوتے، یہی لوگ خدا کے مقرب بندے ہیں اور انہیں کے لئے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔

امت معدودہ اور یاران مہدی علیہ السلام

وہ متعدد روایات جو طریق اہل بیت علیہم السلام سے ہم تک پہنچی ہیں ان میں ''امت معدودۃ'' سے مراد بہت تھوڑے افراد اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے یار و انصار کی طرف اشارہ سمجھا گیا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں آیت کے ظاہری معنی میں ''امت معدودۃ'' محدود و معین زمانہ کے معنی میں آتا ہے اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے بھی اس آیت کی تفسیر میں جو روایت نقل ہوئی ہے اس میں ''امت معدودۃ'' کی یہی تفسیر بیان ہوئی ہے۔

بنابرایں ممکن ہے منقولہ روایت آیت کے دوسرے معنی یا بطن آیت کی طرف اشارہ ہو۔

(۱۲)فَلَعَلَّکَ تَارِکٌ بَعۡضَ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ وَ ضَآئِقٌۢ بِہٖ صَدۡرُکَ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِ کَنۡزٌ اَوۡ جَآءَ مَعَہٗ مَلَکٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ نَذِیۡرٌ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ ؕ	شاید بعض آیات کی تبلیغ کو جن کی تجھ پر وحی ہوئی ہے تو تاخیر میں ڈال دیتا ہے اور تیرا دل اس بنا پر تنگ (اور ناراحت) ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کیوں اس پر خزانہ نازل نہیں ہوتا یا کیوں فرشتہ اس کے ہمراہ نہیں آیا (تبلیغ کرو اور پریشان نہ ہو کیونکہ) تم صرف ڈرانے والے (اور خدائی خطرات سے آگاہ کرنے والے) ہو اور خدا ہر چیز کا نگہبان و دیکھنے والا ہے۔
(۱۳)اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِہٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ	بلکہ وہ کہتے ہیں یہ (قرآن کی) جھوٹی نسبت (خدا کی طرف) دیتا ہے۔ ان سے کہہ دو اگر سچ کہتے ہو تو تم بھی ان جیسی چھوٹی بڑی ہی دس سورتیں لے آؤ اور (بجز خدا) اپنی حسب استطاعت (اس کام کے لئے) تمام لوگوں کو دعوت دو۔
(۱۴)فَاِلَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰہِ وَ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ	اور اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں تو جان لو کہ (یہ کلام) علم الٰہی کے ساتھ نازل ہوا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کیا ان حالات میں سرِ تسلیم خم کرو گے؟

شانِ نزول

ان آیات کے لئے دو شان نزول مذکور ہیں جو ممکن ہے دونوں صحیح ہوں۔

پہلا یہ کہ کفار مکہ کا ایک گروہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آیا۔ وہ کہنے لگے: اگر سچ کہتے ہو کہ تم خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہو تو مکہ کے پہاڑ ہمارے لئے سونے کے کر دو یا فرشتے لے آؤ جو تمہاری نبوت کی تصدیق کریں۔ چنانچہ ان کے جواب میں مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔

دوسری شان نزول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علیہ السلام سے فرمایا: میں نے خدا سے درخواست کی ہے کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان برادری اور اخوت قائم کرے اور یہ درخواست قبول ہوگئی ہے۔ نیز میں نے یہ درخواست کی ہے کہ تمہیں میرا وصی قرار دے اور یہ درخواست بھی مستجاب ہوئی ہے۔

جس وقت یہ گفتگو بعض مخالفین کے کانوں تک پہنچی تو عداوت ودشمنی کی بناء پر کہنے لگے خدا کی قسم ایک خشک مشک میں ایک من خرما بہتر ہے اس سے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خدا سے درخواست کی ہے۔(اگر وہ سچ کہتا ہے تو) اس نے کیوں خدا سے درخواست نہیں کی کہ دشمنوں کے خلاف مدد کرنے کے لئے کوئی فرشتہ نازل فرمائے یا کوئی خزانہ جو اسے فقروفاقہ سے نجات دلائے۔

لہٰذا مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں تا کہ دشمنوں کو جواب دیا جا سکے۔

تفسیر

قرآن ایک معجزہ جاوداں

ان آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات دشمنوں کی شدید مخالفت اور ہٹ دھرمی کی بناء پر بعض آیات کی تبلیغ کسی بعد کے موقع کے لئے ملتوی رکھتے تھے۔

لہٰذا زیر بحث پہلی آیت میں خداوندعالم اس بیان کے ساتھ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کام سے منع فرماتا ہے: گویا بعض آیات کی تبلیغ کہ جن کی تم پر وحی ہوتی ہے، ترک کردیتے ہو اور اس لحاظ سے تمہارا دل تنگ اور مضطرب ہو جاتا ہے۔

اور اس بات سے ناراحت ہو جاتے ہو کہ شاید وہ تجھ سے من پسند معجزات کی خواہش کریں اور'' کہتے ہیں کیوں اس پر خزانہ نازل نہیں ہوا یا کیوں اس کے ہمراہ فرشتہ نہیں آیا''۔

قرآن بلافاصلہ کہتا ہے: تو صرف خوف دلانے والا اور ڈرانے والا ہے۔یعنی چاہے قبول کریں یا نہ کریں، تمسخر اڑائیں اور ہٹ دھرمی سے کام لیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: خدا ہر چیز کا حافظ، نگہبان اور ناظر ہے۔یعنی ان کے ایمان وکفر کی پرواہ نہ کرو اور یہ معاملہ تمہارے ساتھ مربوط نہیں ہے۔تمہاری ذمہ داری ابلاغ اور پیغام پہنچانا ہے۔خدا خود جانتا ہے کہ ان کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرے اور وہی ان کے ہر کام کا حساب کتاب رکھنے والا ہے۔

(۱۳) یہ بہانہ جوئی اور اعتراض تراشی چونکہ اس بنا پر تھی کہ وہ اصولی طور پر وحی الٰہی کے منکر تھے اور کہتے ہیں کہ یہ آیات خدا کی طرف سے نہیں ہیں، یہ جملے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود جھوٹ موٹ خدا پر باندھے ہیں، اسی لئے اس آیت اس بات کا جواب جتنی صراحت سے ہو سکتا تھا دیتے ہوئے کہتی ہے: وہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے یہ (آیات) خدا پر افتراء باندھی ہیں۔ان سے کہہ دو اگر سچ کہتے ہو کہ یہ انسانی دماغ کی تخلیق ہیں تو تم بھی اس قسم کی دس جھوٹی سورتیں بنا کر لاؤ اور خدا کو چھوڑ کر جس سے ہو سکتا ہے اس میں مدد کی دعوت دو۔

(۱۴) لیکن اگر انہوں نے تم مسلمانوں کی دعوت قبول نہ کی اور کم از کم ایسی دس سورتیں بھی نہ لائیں تو پھر جان لو کہ یہ کمزوری اور ناتوانی اس بات کی نشانی ہے کہ ان آیات کا سرچشمہ علم الٰہی ہے ورنہ اگر یہ فکر بشر کی تخلیق ہوتیں تو وہ بھی بشر ہی ہیں۔

نیز جان لوکہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور ان آیات پر اعجاز کا نزول اس حقیقت کی دلیل ہے۔
اے مخالفین کیا اس حالت میں تم فرمان الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو گے۔ باوجودیکہ ہم نے تمہیں مقابلے کی دعوت دی ہے اور اس دعوت پر تمہارا عجز ثابت ہوگیا ہے اس کے باوجود کوئی شک کی گنجائش باقی ہے کہ یہ آیات خدا کی طرف سے ہیں۔ اس واضح معجزہ کے ہوتے ہوئے کیا پھر بھی تم انکار کی راہ پر چلو گے یا سرِ تسلیم خم کرلو گے۔

(۱۵)مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَزِیۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِیۡهَا وَ هُمۡ فِیۡهَا لَا یُبۡخَسُوۡنَ	جو لوگ دنیا اور اس کی زینت کو چاہتے ہیں ہم ان کے اعمال انہیں بے کم وکاست اسی جہان میں دے دیں گے۔
(۱۶)اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَیۡسَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِیۡهَا وَ بٰطِلٌ مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	(لیکن) آخرت میں (جہنم کی) آگ کے سوا ان کا (کچھ حصہ) نہیں ہوگا اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں (مادی مقاصد اور غیر خدا کے لئے) انجام دیا ہے وہ برباد ہوگا اور ان کے اعمال باطل ہوجائیں گے۔

تفسیر

گزشتہ آیات نے اعجاز قرآن کے دلائل پیش کر کے مشرکین اور منکرین پر حجت تمام کردی ہے اور چونکہ حق واضح ہوجانے کے باوجود ایک گروہ نے صرف اپنے مادی منافع کی خاطر سرِ تسلیم خم نہیں کیا لہٰذا محل بحث آیات میں ایسے دنیا پرست افراد کے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ''جس شخص کا مقصد صرف دنیاوی زندگی کی رنگینیاں اور اس کی زینت ہو وہ اسی جہان میں اپنے اعمال کا نتیجہ پالے گا بغیر اس کے کہ کوئی چیز اس میں سے کم ہو۔

یہ آیت خدا تعالیٰ کی ایک دائمی سنت بیان کر رہی ہے اور وہ یہ کہ مثبت اعمال اور مؤثر نتائج ختم نہیں ہوتے۔ فرق یہ ہے کہ اگر اعمال کا اصلی مقصد اس جہاں کی مادی زندگی کا حصول ہے تو نتیجہ بھی مادی ہی ہوگا لیکن اگر مقصد خدا اور اس کی رضا کا حصول ہو تو وہ اس جہان میں بھی ثمر بخش ہوں گے اور دوسرے جہاں میں بھی پُر نتائج پیدا کریں گے۔

اس امر کا نمونہ آج کل ہم اپنے گردوپیش دیکھتے ہیں۔ مغربی دنیا نے اپنی مسلسل اور منظّم کوشش سے بہت سے علوم کے اسرار معلوم کئے ہیں نیز مغربی دنیا نے مادہ کی مختلف طاقتوں پر تصرف حاصل کرلیا ہے اور مسلسل کوشش اور مشکلات کے مقابلے میں استقامت، اتحاد اور ہم آہنگی ہے انہوں نے بہت سی نعمات حاصل کی ہیں۔

اس بنا پر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے اعمال اور کوشش کے نتائج حاصل کریں گے اور درخشاں واضح کامیابیوں سے ہمکنار ہوں گے لیکن دوسری طرف سے چونکہ ان کا مقصد صرف دنیاوی زندگی ہے لہٰذا ان اعمال کا طبعی وفطری اثر سوائے ان کے لئے مادی وسائل فراہم ہونے کے اور کوئی نہیں ہوگا۔

اسی لئے بعدوالی آیت میں صراحت سے فرمایا گیا ہے: ایسے افراد کے لئے آخرت میں (جہنم کی) آگ کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' اور جو کچھ انہوں نے اس جہان میں انجام دیا ہے وہ دوسرے جہاں میں محو ونابود ہو جائے گا اور اس کے بدلے میں انہیں کوئی جزا نہیں ملے گی'' اور وہ تمام اعمال جو انہوں نے غیر خدا کے لئے انجام دیئے ہیں باطل اور نابود ہو جائیں گے۔

(۱۷) اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ	کیا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہے اس کے پیچھے اس کی طرف سے شاہد ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب کہ جو پیشوا اور رحمت تھی (اس پر گواہی دیتی ہے، اس شخص کی طرح ہے جو ایسا نہ ہو)۔ وہ (حق طلب اور حقیقت کے متلاشی) اس پر (جو یہ خصوصیات رکھتا ہے) ایمان لاتے ہیں اور مختلف گروہوں میں سے جو شخص اس کا منکر ہو آگ اس کی وعدہ گاہ ہے۔ لہٰذا اس میں شک نہ کرو کہ وہ تیرے پروردگار کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

تفسیر

زیر نظر آیت کی تفسیر کے بارے میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ آیت کے الفاظ کی جزئیات، ضمائر، موصول اور اسم اشارہ کے بارے میں مختلف نظریے ہیں۔

آیت کی ابتداء میں فرمایا گیا ہے: کیا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہے اور اس کے پیچھے خدا کی طرف سے شاہد آیا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب (توریت) پیشوا، رحمت اور ان کی عظمت کو واضح کرنے والی کتاب کی حیثیت سے آئی ہے اس شخص کی طرح ہے جو ان صفات، نشانیوں اور واضح دلائل کا حامل نہیں ہے۔

یہ شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان کی واضح دلیل قرآن مجید ہے۔ ان کی نبوت کی صداقت کے شاہد علی علیہ السلام جیسے مومن صادق ہیں اور قبل از یں ان کی نشانیاں اور صفات تورات میں آچکی ہیں۔ اس طرح تین واضح طریقوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی حقانیت ثابت ہوگئی ہے۔

پہلا راستہ قرآن ہے۔۔ جو ان کے ہاتھ میں واضح دلیل ہے۔

دوسرا راستہ گزشتہ آسمانی کتب ہیں۔ جن میں آنحضرت کی نشانیاں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے ان کتب کے پیروکار انہیں اچھی طرح سے پہچانتے ہیں اور اسی بناء پر ان کے انتظار میں تھے۔

تیسرا راستہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فداکار اور پیروکار اور مخلص مومنین ہیں کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اور گفتار کی صداقت کو واضح

کرتے تھے کیونکہ کسی مکتب کی حقانیت کی ایک نشانی اس مکتب کے پیروکاروں کا اخلاص، فداکاری، دانشمندی اور ایمان ہے اور ہر مکتب کو اس کے پیروکاروں سے پہچانا جاتا ہے۔

کیا ان زندہ دلائل و براہین کے باوجود انہیں دوسرے مدعیان نبوت پر قیاس کیا جاسکتا ہے یا ان کی دعوت کی صداقت میں شک وشبہ کیا جاسکتا ہے؟

اس گفتگو کے بعد قرآن متلاشیان حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں ضمنی طور پر ایمان کی دعوت دیتا ہے: ایسے پیغمبر پہ کہ جو ایسی روشن دلیل رکھتا ہے ایمان لائیں گے۔

اس کے بعد منکرین کی کہانی یوں بیان کی گئی ہے: مختلف گروہوں میں سے جو کوئی اس سے کفر کرے گا تو اس کی وعدہ گاہ جہنم ہے۔

آیت کے آخر میں قرآن کے دیگر بہت سے مواقع کی طرح سیرت قرآن کے مطابق روئے سخن پیغمبر ﷺ کی طرف کرتے ہوئے تمام لوگوں کے لئے ایک عمومی درس بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے: اب جبکہ ایسا ہے اور تیری دعوت کی صداقت کے لئے یہ تمام شاہد موجود ہیں جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے اس کے بارے میں ہرگز کسی شک وشبہ کو راہ نہ دے۔'' کیونکہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے کلام حق ہے''۔ ''لیکن بہت سے لوگ جہالت، تعصب اور خود پسندی کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔

بہرحال آیت اسلام اور سچے مسلمانوں کے امتیازات اور اس مکتب کے انتخاب میں محکم دلائل پر ان کے اعتماد کرنے کی طرف اشارہ ہے جبکہ دوسری طرف سے آیت مستکبر منکرین کا انجام بد بیان کر رہی ہے۔

(۱۸)وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ؕ اُولٰٓئِکَ یُعۡرَضُوۡنَ عَلٰی رَبِّہِمۡ وَ یَقُوۡلُ الۡاَشۡہَادُ ہٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ کَذَبُوۡا عَلٰی رَبِّہِمۡ ۚ اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ۙ	ان لوگوں سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو خدا پر افتراء باندھتے ہیں وہ (روز قیامت) اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے اور شاہد (انبیاء اور فرشتے) کہیں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا تھا۔ خدا کی لعنت ہو ظالموں پر۔
(۱۹)الَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ	وہی جو لوگوں کو راہ خدا سے روکتے تھے اور راہ حق میں کجی دکھانا چاہتے تھے اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔
(۲۰)اُولٰٓئِکَ لَمۡ یَکُوۡنُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا کَانَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ اَوۡلِیَآءَ ۘ یُضٰعَفُ لَہُمُ الۡعَذَابُ ؕ مَا کَانُوۡا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ السَّمۡعَ وَ مَا کَانُوۡا یُبۡصِرُوۡنَ	وہ زمین میں کچھ بھی فرار کی طاقت نہیں رکھتے اور خدا کے سوا وہ کوئی دوست اور سرپرست نہیں پائیں گے ان کے لئے کئی گنا عذاب الٰہی ہوگا (کیونکہ وہ) کبھی بھی (حق بات) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور (حقائق کو) نہیں دیکھتے تھے۔

(۲۱)اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ	وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنا سرمایۂ ہستی گنوا بیٹھے ہیں اور تمام جھوٹے معبود ان کی نظر سے کھو گئے ہیں۔
(۲۲)لَا جَرَمَ اَنَّهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ	(اسی بنا پر) یقیناً وہ آخرت میں سب سے زیادہ زیاں کار ہیں۔

تفسیر

سب سے زیادہ زیاں کار

گزشتہ آیت قرآن اور رسالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی۔ اس کے بعد زیر بحث آیات کی نشانیوں اور ان کے انجام کار کے متعلق تفصیلی بحث کر رہی ہیں۔ پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے کہ جو خدا پر جھوٹ باندھے۔

یعنی سچے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی نفی کلمات الٰہی کی نفی ہے اس کی طرف جھوٹ کی نسبت دینا ہے، اصولی طور پر تکذیب پیغمبر تکذیب خدا ہے۔

اس کے بعد قیامت میں ان کے برے مستقبل کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: اس روز وہ بارگاہ پروردگار میں اپنے تمام اعمال اور کردار کے ساتھ پیش ہوں گے اور اس کی عدالت میں حاضر ہوں گے۔

''اس وقت اعمال کے شاہد گواہی دیں گے اور کہیں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے عظیم مہربان اور ولی نعمت پروردگار پر جھوٹ باندھا تھا۔

اس کے بعد کھلے بندوں کہیں گے، ظالموں پر خدا کی لعنت ہو۔

(۱۹) پہلے ارشاد ہوتا ہے: وہ ایسے افراد ہیں جو لوگوں کو مختلف ذریعوں سے راہ خدا سے روکتے ہیں۔ ایسا وہ کبھی شک وشبہ پیدا کر کے کرتے ہیں کبھی دھمکی سے کام لیتے ہیں اور کبھی لالچ دے کر مقصد حاصل کرتے ہیں اور ان سب امور کا ہدف ایک ہی ہے اور وہ ہے راہ خدا سے روکنا۔

دوسرا یہ کہ وہ خاص طور پر کوشش کرتے ہیں کہ خدا کی راہ مستقیم کو ٹیڑھا کر کے دکھائیں۔ یعنی طرح طرح کی تحریفیں کر کے، کمی بیشی کر کے، تفسیر بالرائے کر کے اور حقائق کو مخفی رکھ کر ایسا کرتے ہیں کہ یہ سیدھا راستہ اپنی اصلی صورت میں لوگوں کے سامنے نہ آئے تاکہ لوگ اس راستے پر نہ جاسکیں اور حق طلب افراد جادۂ حقیقی کو نہ پہچان سکیں۔

نیز یہ کہ وہ قیامت اور روز جزا پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور معاد پر ان کا ایمان نہ رکھنا ان کے سب انحرافات اور تباہ کاریوں کا سرچشمہ ہے۔

(۲۰) لیکن اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان سب چیزوں کے باوجود ''ایسا نہیں ہے کہ وہ روئے زمین پر خدا کی سزا اور

عذاب سے فرار حاصل کرسکیں گے اوراس کی قدرت کی قلمرو سے نکل سکیں گے''۔

''اسی طرح وہ خدا کے علاوہ اپنے لئے کوئی حامی اور مددگار نہیں پا سکتے''۔

آخر میں ان کی سنگین سزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے: ان کا عذاب کئی گنا ہو جائے گا۔کیونکہ وہ خود بھی گمراہ، گناہگار اور تباہ کار تھے اور دوسروں کو بھی انہی راہوں کی طرف کھینچتے تھے۔

آیت کے آخری میں ان کی بدبختی کی اصل بنیاد کا ذکر یوں کیا گیا ہے: ان کے پاس سننے والا کان ہے نہ دیکھنے والی آنکھ۔درحقیقت جب یہ دونوں وسائل حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہو جاتے ہیں تو وہ خود بھی گمراہی میں جا گرتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔

(۲۱)اس آیت میں ان کی غلط مساعی کو ایک ہی جملے میں بیان کیا گیا ہے: یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے وجود کا سرمایہ گنوا بیٹھے اور خسارے میں رہے۔اور یہ عظیم ترین گھاٹا ہے جو انسان کو دامن گیر ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی ہستی ہی گنوا بیٹھے۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے: انہوں نے جھوٹے معبودوں سے دل لگا لیا ہے''لیکن آخرکار یہ سب بناوٹی معبود گم ہو گئے اوران کی نظر سے محو ہو گئے''۔

(۲۲)زیر بحث آخری آیت میں ان کے انجام کے بارے میں یقینی اور آخری حکم کو قطعی صورت میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے: ناچار وہ آخرت کے گھر میں سب سے زیادہ نقصان میں ہوں گے۔کیونکہ وہ دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔اپنے انسانی وجود کا تمام سرمایہ بھی گنوا بیٹھے ہیں اور اس حالت میں اپنا بار مسئولیت بھی اٹھائے ہوئے ہیں اور دوسروں کی ذمہ داری بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔

(۲۳)اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخۡبَتُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ ۙ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ	وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اور جو خدا کے سامنے خاضع اور تسلیم تھے اصحاب جنت ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔
(۲۴)مَثَلُ الۡفَرِیۡقَیۡنِ کَالۡاَعۡمٰی وَ الۡاَصَمِّ وَ الۡبَصِیۡرِ وَ السَّمِیۡعِ ؕ ہَلۡ یَسۡتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾	ان دوگروہوں (منکرین اور مومنین) کی حالت ''اندھوں اور بہروں'' اور ''دیکھنے اور سننے والوں'' کی سی ہے۔کیا یہ دونوں گروہ ایک جیسے ہوسکتے ہیں؟ کیا تم فکر نہیں کرتے ہو؟

تفسیر

گزشتہ آیات میں وحی الٰہی کے منکرین کے ایک گروہ کی حالت بیان کی گئی تھی۔یہ دو آیات ان کے مقابل سچے مومنین کی حالت بیان کر رہی ہیں۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیئے اور خدا کے سامنے خاضع اور تسلیم رہے اور اس کے وعدوں پر مطمئن رہے وہ اصحاب جنت ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۲۴) اس آیت میں خدا اس گروہ کی حالت کو ایک واضح اور زندہ مثال کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ان دو گروہوں کی حالت، نابینا (بہرے) اور بینا (سننے) والے کی سی ہے۔

کیا یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔ کیا تم تذکر نہیں کرتے اور غور وفکر نہیں کرتے۔

جیسا کہ علم معانی و بیان میں آیا ہے کہ ہمیشہ حقائق عقلی کو مجسم کرنے اور عمومی سطح پر ان کی وضاحت وصراحت کے لئے معقولات کو محسوسات سے تشبیہ دیتے ہیں۔ قرآن نے اس طریقہ کار کو زیادہ استعمال کیا ہے اور بہت سے حساس اور پر اہمیت مسائل کو واضح اور خوبصورت مثالوں سے استفادہ کرتے ہوئے حقائق کو عالی ترین صورت میں بیان کیا ہے۔

مندرجہ بالا بیان بھی اسی قسم کا ہے کیونکہ موثر وسیلہ حسی حقایق کی شناخت کے لئے مادہ وطبیعت میں آنکھ اور کان ہیں۔ اسی بناء پر یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ افراد جو آنکھ اور کان سے مکمل طور پر مثلاً مادرزاد صورت میں بے بہرہ ہوں کسی چیز کا اس جہان طبیعت میں صحیح طور پر ادراک حاصل نہیں کرلیں۔

وہ مسلماً ایک مکمل بے خبری کے عالم میں زندگی بسر کریں گے۔ اسی طرح وہ افراد جو ہٹ دھرمی، حق دشمنی، تعصب، خود خواہی اور خود پرستی کے چنگل میں گرفتار ہونے کی وجہ سے حقیقت میں آنکھ اور کان گنوا بیٹھتے ہیں وہ ہرگز عالم غیب سے مربوط حقائق، ایمان کے اثرات۔ لذت عبادت خداوندی اور اس کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی عظمت کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ایسے افراد اندھوں، بہروں کی مانند ہیں جو گھٹا ٹوپ اندھیرے اور موت کی خاموشی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ جبکہ سچے مومن دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان سے ہر حرکت کو دیکھتے ہیں اور ہر صدا کو سنتے ہیں اور اس کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا راستہ سعادت آفرین راہ کی طرف اختیار کر لیتے ہیں۔

(۲۵) وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ ۫ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۙ	ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (پہلی مرتبہ اس نے ان سے کہا) میں تمہارے لئے واضح ڈرانے والا ہوں۔
(۲۶) اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ	(میری دعوت یہ ہے کہ) سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کرو کہ میں تم پر دردناک دن والے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

(۲۷)فَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖ مَا نَرٰىکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثۡلَنَا وَ مَا نَرٰىکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیۡنَ ھُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاۡیِ ۚ وَ مَا نَرٰی لَکُمۡ عَلَیۡنَا مِنۡ فَضۡلٍۭ بَلۡ نَظُنُّکُمۡ کٰذِبِیۡنَ	اس کی قوم کے کافر سرداروں نے (جواب میں) کہا: ہم تو تجھے صرف اپنے جیسا بشر پاتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے تیری پیروی کی ہے انہیں ہم سوائے سادہ لوح پست لوگوں کے نہیں پاتے اور تمہارے لئے کوئی فضیلت اپنی نسبت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔
(۲۸)قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ اٰتٰىنِیۡ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِہٖ فَعُمِّیَتۡ عَلَیۡکُمۡ ؕ اَنُلۡزِمُکُمُوۡھَا وَ اَنۡتُمۡ لَھَا کٰرِھُوۡنَ	(نوح نے) کہا: میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنی طرف سے مجھے رحمت عطا کی (ہو) جو تم پر مخفی ہو (پھر بھی تم میری رسالت کا انکار کرو گے) کیا میں تمہیں واضح امر قبول کرنے پر مجبور کرسکتا ہوں جبکہ تم آمادہ نہیں ہو؟

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کی ہلا دینے والی سرگزشت

جیسا کہ ہم نے سورہ کی ابتداء میں بیان کیا ہے اس سورہ میں افکار کو بیدار کرنے اور زندگی کے حقائق کی طرف متوجہ کرنے اور بدکاروں کی بری سرنوشت کی طرف توجہ دلانے اور کامیابی اور موفقیت کی راہ بیان کرنے لئے گزشتہ انبیاء کی تاریخ کے اہم حصے بیان ہوئے ہیں۔

سب سے پہلے اولوالعزم پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور ۲۶ آیات میں ان کی تاریخ کے اساسی اور بنیادی نکات کی ہلا دینے والی شکل میں تشریح کی گئی ہے۔اس میں شک نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا قیام اور ان کے اپنے زمانے کے متکبروں کے ساتھ شدید اور مسلسل جہاد اوران کے برے انجام کی داستان تاریخ بشر کے فراز میں ایک نہایت اہم اور بہت عبرت انگیز درس کی حامل ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں پہلے مرحلے میں اس عظیم دعوت کو بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں: ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا،اس نے انہیں بتایا کہ میں واضح ڈرانے والا ہوں۔

(۲۶)اس آیت میں پہلی ضرب کے بعد اپنی رسالت کے مضمون کو صرف ایک جملہ میں بطور خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتا

ہے: میرا پیغام یہ ہے کہ ''اللہ'' کے علاوہ کسی دوسرے کی پرستش نہ کرو۔ پھر بلا فاصلہ اس کے پیچھے اسی مسئلہ انداز اور اعلام خطر کے تکرار کرتے ہوئے کہتا ہے: میں تم پر دردناک دن سے ڈرتا ہوں۔

سچ مچ اگر تمام افراد اور معاشرہ اللہ کے علاوہ کسی کی پرستش نہ کریں اور طرح طرح کے بنائے ہوئے بتوں کے سامنے چاہے بیرونی بت ہوں یا اندرونی، خودخواہی، ہوا وہوس، شہوت وثروت، مقام ومنزلت، جاہ وجلال، عورت واولاد ہوں سرتسلیم خم نہ کریں تو کسی قسم کی خرابی اور فساد انسانی معاشروں میں پیدا نہ ہو۔

اب ہم دیکھیں کہ پہلا ردعمل اس زمانے کے طاغوتوں، خودسروں اور صاحبان زر وزور کا اس عظیم دعوت اور تواضع اعلام خطر کے مقابلے میں کیا تھا۔ مسلماً سوائے کچھ بیہودہ اور جھوٹے عذر بہانوں اور بے بنیاد استدلالوں کے جو کہ ہر زمانے کے جابروں کا طریقہ ہے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے تین جواب دیئے:

1۔ قوم نوح علیہ السلام کے سردار اور سرمایہ دار کافر تھے۔ انہوں نے کہا ہم تو تجھے صرف اپنے جیسا انسان دیکھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کی رسالت اور پیغام تو فرشتوں کو اپنے کندھوں پر لینا چاہئے نہ کہ ہم جیسے انسانوں کو، اس گمان کے ساتھ کہ انسان کا مقام فرشتوں سے نیچے ہے یا انسان کی ضرورت کو فرشتہ انسان سے بہتر جانتا ہے۔

2۔ انہوں نے کہا: اے نوح! ہم تیرے گردوپیش اور ان کے درمیان کہ جنہوں نے تیری پیروی کی ہے سوائے چند پست، ناگاہ اور بے خبر تھوڑے سن وسال کے نوجوانوں کے کہ جنہوں نے مسائل کی دیکھ بھال نہیں کی کسی کو نہیں دیکھتے۔

3۔ ان کا آخری اعتراض یہ تھا کہ قطع نظر اس سے کہ تو انسان ہے نہ کہ فرشتہ، علاوہ ازیں تجھ پر ایمان لانے والے نشاندہی کرتے ہیں کہ تیری دعوت کے مشتملات صحیح نہیں ہیں۔ اصولی طور پر تم ہم پر کسی قسم کی برتری نہیں رکھتے کہ ہم اس بناء پر تیری پیروی کریں۔ لہٰذا ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔

(۲۸) حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات

زیرنظر آخری آیت میں ان بہانہ جو اور فسانہ ساز افراد کو حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے دیئے گئے جوابات ذکر کئے گئے ہیں۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے: اے قوم! میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل اور معجزہ کا حامل ہوں اور اس نے اس رسالت وپیغام کی انجام دہی کی وجہ سے اپنی رحمت میرے شامل حال کی ہے اور یہ امر عدم توجہ کی وجہ سے تم سے مخفی رہ گیا ہو تو کیا پھر بھی تم میری رسالت کا انکار کرسکتے ہو اور میری پیروی سے دست بردار ہو سکتے ہو۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: کیا میں تمہیں اس ظاہر بظاہر دلیل کے قبول کرنے پر مجبور کرسکتا ہوں جب کہ تم خود اس پر آمادہ نہیں ہو اور اسے قبول کرنا بلکہ اس کے بارے میں غور وفکر کرنا بھی پسند نہیں کرتے ہو۔

(۲۹)وَ یٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡہِ مَالًا ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ اِنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ وَ لٰکِنِّیۡۤ اَرٰىکُمۡ قَوۡمًا تَجۡہَلُوۡنَ	اے قوم! میں اس دعوت کے بدلے تم سے کچھ نہیں چاہتا میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں (تمہاری وجہ سے) دھتکارتا نہیں ہوں کیونکہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کریں گے۔لیکن تمہیں میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جاہل ہو۔
(۳۰)وَ یٰقَوۡمِ مَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰہِ اِنۡ طَرَدۡتُّہُمۡ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ	اے قوم! اگر میں انہیں دھتکار دوں تو خدا (کے عذاب) کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا؟ کیا تم سوچتے نہیں ہو؟
(۳۱)وَ لَاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ وَ لَاۤ اَقُوۡلُ اِنِّیۡ مَلَکٌ وَّ لَاۤ اَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ تَزۡدَرِیۡۤ اَعۡیُنُکُمۡ لَنۡ یُّؤۡتِیَہُمُ اللّٰہُ خَیۡرًا ؕ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۚۖ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ	میں تمہیں کبھی نہیں کہوں گا کہ خدائی خزانے میرے پاس ہیں۔نہ میں کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ وہ لوگ جو تمہاری نگاہ میں ذلیل وخوار نظر آتے ہیں خدا انہیں خیر نہیں دے گا۔خدا ان کے دلوں سے زیادہ آگاہ ہے (میں اگر اس کے باوجود انہیں دور کر دوں) تو اس صورت میں میں ظالموں سے ہوں گا۔

تفسیر

صاحب ایمان افراد کو دھتکارا نہیں جاسکتا

ہم نے گزشتہ آیات میں دیکھا ہے کہ خودغرض اور بہانہ جو قوم حضرت نوح علیہ السلام پر مختلف اعتراضات کرتی تھی جن کا انہوں نے نہایت عمدہ اور واضح جواب دیا۔زیر بحث آیات میں بھی ان کی بہانہ تراشیوں کا جواب دیا گیا ہے۔

پہلی آیت میں نبوت کی ایک دلیل بیان کی گئی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام نے تاریک دل قوم کو روشنی بخشنے کے لئے پیش کی تھی۔ارشاد ہوتا ہے: اے قوم! میں اس دعوت کے بدلے تم سے مال وثروت اور اجر وجزا کا مطالبہ نہیں کرتا۔میرا اجر وجزا صرف اللہ پر ہے وہ خدا کہ جس نے مجھے نبوت کے ساتھ معبوث کیا ہے اور مخلوق کو دعوت دینے پر مامور کیا ہے۔

یہ امر اچھی طرح سے نشاندہی کرتا ہے کہ اس پروگرام سے میرا کوئی مادی ہدف نہیں۔میں سوائے خدا کے معنوی وروحانی اجر کے کچھ بھی نہیں سوچتا اور دیکھتا ہوں اور کوئی جھوٹا مدعی ایسا نہیں ہوسکتا جو اس قسم کے سردرد، ناراحتی اور بے آرامی کو یوں ہی اپنے لئے خرید لے اور یہ سچے رہبروں کی پہچان کے لئے ایک میزان ہے، ان جھوٹے موقع پرستوں کے مقابلے میں جو کہ جب بھی کوئی قدم اٹھاتے ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اس سے ان کا کوئی نہ کوئی مادی ہدف اور مقصد ہوتا ہے۔

اس کے بعدان کے جواب میں جنہیں اصرار تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام غریب وحقیر اور کم عمر افراد کو جو آپ پر ایمان لائے تھے خود سے دور کر دیں حضرت نوح علیہ السلام حتمی طور پر (فیصلہ سناتے ہوئے) کہتے ہیں: میں ہرگز ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں نہیں دھتکاروں گا۔ کیونکہ وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کریں گے اور دوسرے جہان میں اس کے سامنے میرے ساتھ ہوں گے۔

آیت کے آخر میں انہیں بتایا گیا ہے: میں سمجھتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو۔

علاوہ ازیں تم اپنی جہالت ونادانی کی بناء پر سمجھتے ہو کہ پیغمبر کو فرشتہ ہونا چاہئے حالانکہ انسانوں کا رہبر انہیں کی نوع سے ہونا چاہئے تاکہ وہ ان کی ضروریات مشکلات اور تکالیف کو محسوس کر سکتے اور سمجھ سکے۔

(۳۰) اس آیت میں مزید وضاحت کے لئے ان سے کہا گیا ہے: اے قوم! اگر میں ان باایمان لوگوں کو دھتکار دوں تو خدا کے سامنے (اس عظیم عدالت میں بلکہ اس جہان میں) کون میری مدد کرے گا۔

صالح اور مومن افراد کو دھتکارنا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ وہ کل قیامت کے دن میرے خلاف ہوں گے اور وہاں کوئی شخص میرا دفاع نہیں کر سکے گا۔ نیز ممکن ہے عذاب الٰہی اس جہان میں بھی مجھے دامن گیر ہو۔ کیا تم کچھ سوچتے سمجھتے نہیں ہو کہ تمہیں معلوم ہو کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں عین حقیقت ہے۔

(۳۱) اپنی قوم کے مہمل اعتراضات کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام آخری بات یہ کہتے ہیں کہ اگر تم خیال کرتے ہو اور توقع رکھتے ہو کہ وحی اور اعجاز کے سوا میں تم پر کوئی امتیاز یا برتری رکھوں تو یہ غلط ہے۔ میں صراحت سے کہنا چاہتا ہوں کہ ''میں نہ تم سے کہتا ہوں کہ خدائی خزانے میرے قبضے میں ہیں اور نہ ہر کام جب چاہوں انجام دے سکتا ہوں۔ نہ میں غیب سے آگاہی کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

ایسے بڑے اور جھوٹے دعوے جھوٹے مدعیوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور ایک سچا پیغمبر کبھی ایسے دعوے نہیں کرے گا کیونکہ خدائی خزانے اور علم غیب صرف خدا کی پاک ذات کے اختیار میں ہیں اور فرشتہ ہونا بھی بشری احساسات سے مناسبت نہیں رکھتا۔ لہٰذا جو شخص ان تین میں سے کوئی ایک دعویٰ کرے یا یہ سب دعوے کرے تو یہ اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔

آیت کے آخر میں دوبارہ مستضعفین کا ذکر کرتے ہوئے تاکیداً کہا گیا ہے ''میں ہرگز ان افراد کے بارے میں جو تمہاری نگاہ میں حقیر ہیں، نہیں کہہ سکتا کہ خدا انہیں کوئی جزائے خیر نہیں دے گا۔ بلکہ اس کے برعکس اس جہان اور اس جہان کی خیر انہی کے لئے ہے اگر چہ ان کا ہاتھ مال ودولت سے خالی ہے۔ یہ تو تم ہو جنہوں نے خام خیالی کی وجہ سے خیر کو مال ومقام یا سن وسال میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور تم حقیقت سے بالکل بے خبر ہو۔

اور بالفرض اگر تمہاری بات سچی ہو اور وہ پست اور اوباش ہوں تو خدا ان کے باطن اور نیتوں سے آگاہ ہے۔

میں تو ان میں ایمان اور صداقت کے سوا کچھ نہیں پاتا۔ لہٰذا میری ذمہ داری ہے کہ میں انہیں قبول کرلوں۔ میں تو ظاہر پر مامور ہوں اور بندہ شناس خدا ہے۔

اور اگر میں اس کے علاوہ کچھ کروں تو یقیناً ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

(۳۲)قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَکۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ	انہوں نے کہا: اے نوح! تو نے ہم سے بہت بحث وتکرار کی اور بڑی باتیں کیں اب (بس کرو) اگر سچ کہتے ہو تو جس (عذاب الٰہی) کا ہم سے وعدہ کرتے ہو اسے لے آؤ
(۳۳)قَالَ اِنَّمَا یَاۡتِیۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ اِنۡ شَآءَ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ	(نوح نے جواباً) کہا: اگر خدا نے ارادہ کرلیا تو لے آئے گا پھر تم میں فرار کی طاقت نہ ہوگی۔
(۳۴)وَ لَا یَنۡفَعُکُمۡ نُصۡحِیۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَکُمۡ اِنۡ کَانَ اللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یُّغۡوِیَکُمۡ ؕ ہُوَ رَبُّکُمۡ ۟ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ؕ	(لیکن کیا فائدہ کہ) جب خدا چاہے تمہیں (تمہارے گناہوں کی وجہ سے) گمراہ کردے اور میں تمہیں نصیحت کروں تو پھر میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ وہ تمہارا پروردگار ہے اس کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔
(۳۵)اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُہٗ فَعَلَیَّ اِجۡرَامِیۡ وَ اَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ؑ	(مشرکین) کہتے ہیں: وہ (محمدؐ) خدا کی طرف ان باتوں کو غلط نسبت دیتا ہے۔ کہہ دو: اگر میں نے انہیں اپنی طرف سے گھڑا ہے اور اس کی طرف نسبت دیتا ہوں تو اس کا گناہ میرے ذمہ ہے لیکن میں تمہارے گناہوں سے بیزار ہوں۔

تفسیر

کہاں ہے عذاب

ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان ہونے والی باقی گفتگو کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پہلی آیت میں قوم نوح کی زبانی نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: اے نوح! تم نے یہ سب بحث وتکرار اور مجادلہ کیا ہے اب بس کرو۔ تم نے ہم سے بہت باتیں کی ہیں اب بحث مباحثے کی گنجائش نہیں رہی۔

اگر سچے ہو تو خدائی عذابوں کے بارے میں جو سخت وعدے تم نے ہم سے کئے تھے انہیں پورا کر دکھاؤ اور وہ عذاب لے آؤ۔

یہ بعینہ اس طرح سے ہے کہ ایک شخص یا کچھ اشخاص کسی مسئلے کے بارے میں ہم سے بات کریں اور ضمناً ہمیں دھمکیاں بھی

دیں اور کہیں کہ اب زیادہ باتیں بند کرو اور جو کچھ کرسکتے ہو کرلو اور دیر نہ کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اس بے اعتنائی، ہٹ دھرمی اور بے ہودگی کا یہ مختصر جواب دیا: خدا ہی چاہے تو ان دھمکیوں اور عذاب کے وعدوں کو پورا کرسکتا ہے۔ بہرحال یہ چیز میرے اختیار سے باہر ہے اور میرے قبضہ قدرت میں نہیں ہے۔ میں تو اس کا فرستادہ ہوں اور اس کے حکم کے سامنے تسلیم ہوں لہٰذا سزا اور عذاب کی خواہش مجھ سے نہ کرو لیکن یہ جان لو کہ جب عذاب آ پہنچا تو پھر "تم اس کے احاطہ قدرت سے نکل نہیں سکتے اور کسی پناہ گاہ کی طرف فرار نہیں کرسکتے"

(۳۴) اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے: اگر خدا تمہارے گناہوں اور جسمانی وفکری آلودگیوں کی وجہ سے تمہیں گمراہ کرنا چاہے تو میری نصیحت تمہیں ہرگز کوئی فائدہ نہیں دے گی چاہے میں تمہیں جتنی بھی نصیحت کرلوں۔ کیونکہ وہ تمہارا پروردگار ہے اور تم اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے اور تمہاری تمام تر ہستی اور وجود اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

(۳۵) زیر بحث آخری آیت میں ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر آئی ہے۔ یہ ان مباحث کی تاکید کے لئے ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے سلسلے میں گزشتہ اور آئندہ آیات میں موجود ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: دشمن کہتے ہیں کہ یہ بات اس (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود سے گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کردی ہے۔ ان کے جواب میں کہہ دو کہ اگر میں نے یہ اپنی طرف سے گھڑی ہے اور خدا کی طرف جھوٹی نسبت دی ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہے۔ لیکن میں تمہارے گناہوں سے بیزار ہوں۔

(۳۶) وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۚ	نوح کو وحی ہوئی کہ سوائے ان لوگوں کے کہ جو (اب تک) ایمان لا چکے ہیں اب تمہاری قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا لہٰذا جو کام وہ کرتے ہیں ان سے غمگین نہ ہو۔
(۳۷) وَ اصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ	اور (اب) ہمارے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ اور ان کے بارے میں شفاعت نہ کرو جنہوں نے ظلم کیا کیونکہ وہ غرق ہو کر رہیں گے۔
(۳۸) وَ یَصْنَعُ الْفُلْکَ ۟ وَ کُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ	وہ کشتی بنانے میں مشغول تھا اور جب اس کی قوم کے بڑوں میں سے کوئی گروہ اس کے قریب سے گزرتا تو اس کا مذاق اڑاتا (لیکن نوح نے) کہا: اگر (آج) ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی (جلد ہی) تمہارا اسی طرح مذاق اڑائیں گے۔

(۳۹)فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ یَّاۡتِیۡهِ عَذَابٌ یُّخۡزِیۡهِ وَ یَحِلُّ عَلَیۡهِ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ	عنقریب تم جان لو گے کہ کس کے پاس خوار کرنے والا عذاب آتا ہے اور ہمیشہ کی سزا اسے ملتی ہے۔

تفسیر

معاشرے کو پاک کرنے کا مرحلہ

ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی سرگزشت بیان ہوئی ہے۔اس کے درحقیقت مختلف مراحل ہیں۔ان میں سے ہر مرحلہ مستکبرین کے خلاف حضرت نوح علیہ السلام کے قیام کے ایک دور سے مربوط ہے۔گزشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی مسلسل اور پرعزم دعوت کے مرحلے کا تذکرہ تھا۔جس کے لئے انہوں نے تمام تر وسائل سے استفادہ کیا۔یہ مرحلہ ایک طویل مدت پر مشتمل تھا۔اس میں ایک چھوٹا سا گروہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا۔یہ گروہ ویسے تو مختصر سا تھا لیکن کیفیت اور استقامت کے لحاظ سے بہت عظیم تھا۔

زیر بحث آیات میں اس قیام کے دوسرے مرحلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔یہ مرحلہ دور تبلیغ کے اختتام کا تھا جس میں خدا کی طرف سے معاشرے کو برے لوگوں سے پاک کرنے کی تیاری کی جاناتھی۔

پہلی آیت میں ہے:نوح علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ جو افراد ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ تیری قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ صفیں بالکل جدا ہو چکی ہیں،اب ایمان اور اصلاح کی دعوت کا کوئی فائدہ نہیں اور اب معاشرے کی پاکیزگی اور آخری انقلاب کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

آیت کے آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کی تسلی اور دلجوئی کے لئے فرمایا گیا ہے:اب جب معاملہ یوں ہے تو جو کام انجام دے رہے ہو اس پر کوئی حزن وملال نہ کرو۔

اس آیت سے ضمنی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اسرار غیب کا کچھ حصہ جہاں ضروری ہوتا ہے اپنے پیغمبر کے اختیار میں دے دیتا ہے۔

(۳۷) بہر حال ان گناہگاروں اور ہٹ دھرم لوگوں کو سزا ملنی چاہئے،ایسی سزا جو عالم ہستی کو ان کے وجود کی گندگی سے پاک کر دے اور مومنین کو ہمیشہ کے لئے ان کے چنگل سے نجات دے دے۔ان کے غرق ہونے کا حکم صادر ہو چکا ہے لیکن ہر چیز کے لئے کچھ وسائل واسباب ہوتے ہیں لہٰذا نوح علیہ السلام کو چاہئے کہ وہ سچے مومنین کے بچنے کے لئے ایک مناسب کشتی بنائیں تاکہ ایک تو مومنین کشتی بننے کی اس مدت میں اپنے طریق کار میں پختہ تر ہو جائیں اور دوسروں کے لئے بھی کافی اتمام حجت ہو جائے لہٰذا ''ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ہمارے حضور میں اور ہمارے فرمان کے مطابق کشتی بنائیں''۔

لفظ ''اعیننا'' (ہماری آنکھوں کے سامنے) سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس سلسلے میں تمہاری سب جدوجہد،

مساعی اور تمام کاوشیں ہمارے حضور میں اور ہمارے سامنے ہیں لہٰذا اطمینان اور راحت فکر کے ساتھ اپنا کام جاری رکھو۔ یہ فطری امر ہے کہ یہ احساس کہ خدا حاضر و ناظر ہے اور محافظ و نگران ہے ایک تو انسان کو قوت و توانائی بخشتا ہے اور دوسرا احساس ذمہ داری کو فروغ دیتا ہے۔

لفظ "وحینا" سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے کی کیفیت اور اس کی شکل و صورت کی تشکیل بھی حکم خدا سے سیکھ رہے تھے اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام آنے والے طوفان کی کیفیت و وسعت سے آگاہ نہ تھے کہ وہ کشتی اس مناسبت سے بناتے اور یہ وحی الٰہی ہی تھی جو بہترین کیفیتوں کے انتخاب میں ان کی مددگار تھی۔

آیت کے آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کو خبردار کیا گیا ہے کہ آج کے بعد "ظالم افراد کے لئے شفاعت اور معافی کا تقاضا نہ کرنا کیونکہ انہیں عذاب دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور وہ حتماً غرق ہوں گے"۔

(۳۸) اس جملے سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ سب افراد کے لئے شفاعت ممکن نہیں ہے بلکہ اس کی کچھ شرائط ہیں۔ یہ شرائط جس میں موجود نہ ہوں اس کے لئے خدا کا پیغمبر بھی شفاعت اور معافی کا تقاضے کا حق نہیں رکھتا۔ اس سلسلے میں تفسیر نمونہ جلد اول، ص ۱۸۳ تا ص ۲۰۰ (اردو ترجمہ) کی طرف رجوع کریں۔

اب چند جملے قوم نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی سن لیں۔ وہ بجائے اس کے کہ ایک لحہ کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو غور سے سنتے، اسے سنجیدگی سے لیتے اور کم از کم انہیں یہ احتمال ہی ہوتا کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بار بار کے اصرار و تکرار دعوت کا سرچشمہ وحی الٰہی ہو اور ہوسکتا ہے طوفان اور عذاب کا معاملہ حتمی اور یقینی ہو الٹا انہوں نے تمام مستکبر اور مغرور افراد کی عادت کا مظاہرہ کیا اور تمسخر و استہزاء کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کی قوم کا کوئی گروہ جب کبھی ان کے نزدیک سے گزرتا اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو لکڑیاں اور میخیں وغیرہ مہیا کرتے دیکھتا اور کشتی بنانے میں انہیں سرگرم عمل پاتا تو تمسخر اڑاتا اور پھبتیاں کستے ہوئے گزر جاتا۔

دوسری طرف حضرت نوح علیہ السلام بڑی استقامت اور پامردی سے اپنا کام بے پناہ عزم کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھے اور یہ ان کے ایمان کا نتیجہ تھا۔ وہ ان کور باطن دل کے اندھوں کی بے بنیاد باتوں سے بے نیاز اپنی پسند کے مطابق تیزی سے پیش رفت کر رہے تھے اور دن بدن کشتی کا ڈھانچہ مکمل ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی سر اٹھا کر ان سے یہ پر معنی بات کہتے: اگر آج تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی جلد ہی اسی طرح تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ وہ دن کے جب تم طوفان کے اندر سرگرداں ہوں گے، سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر بھاگو گے اور تمہیں کوئی پناہ نہیں ملے گی۔ موجوں میں گھرے فریاد کرو گے کہ ہمیں بچالو...... جی ہاں اس دن مومنین تمہارے افکار، غفلت، جہالت اور بے خبری پر ہنسیں گے۔

(۳۹) "اس دن تمہیں معلوم ہوگا کہ کس کے لئے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کسے دائمی سزا دامن گیر ہوتی

ہے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ تمہاری مزاحمتیں ہمارے لئے دردناک عذاب ہیں مگر اولاً تو ان مشکلات کو گوارا کرتے ہوئے ہم سربلند اور پرافتخار ہیں ثانیاً یہ مشکلات جو کچھ بھی ہیں جلد ختم ہو جائیں گی لیکن عذاب الٰہی رسوا کن بھی ہے اور ختم ہونے والا بھی نہیں اور ان دونوں کا آپس میں مقابل نہیں ہوسکتا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی

اس میں شک نہیں کہ کشتی نوح علیہ السلام کوئی عام کشتی نہ تھی۔ کیونکہ اس میں سچے مومنین کے علاوہ ہر نسل کے جانور کو بھی جگہ ملی تھی اور ایک مدت کے لئے ان انسانوں اور جانوروں کو جو خوراک درکار تھی وہ بھی اس میں موجود تھی۔ ایسی لمبی چوڑی کشتی یقیناً اس زمانے میں بے نظیر تھی۔ یہ ایسی کشتی تھی جو ایسے دریا کی کوہ پیکر موجوں میں صحیح و سالم رہ سکے اور نابود نہ ہو جس کی وسعت اس دنیا جتنی ہو۔ اسی لئے مفسرین کی بعض روایات میں ہے کہ اس کشتی کا طول ایک ہزار دو سو ذراع تھا اور عرض چھ سو ذراع تھا (ایک ذراع کی لمبائی تقریباً آدھے میٹر کے برابر ہے)۔

(۴۰) حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ قُلۡنَا احۡمِلۡ فِیۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ وَ اَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡهِ الۡقَوۡلُ وَ مَنۡ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیۡلٌ	(یہ کیفیت اسی طرح جاری تھی) یہاں تک کہ ہمارا فرمان آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا۔ ہم نے (نوح سے) کہا: جانوروں کے ہر جفت (نر اور مادہ) میں سے ایک جوڑا اس (کشتی) میں اٹھا لو۔ اسی طرح اپنے اہل کو مگر وہ کہ جن کے ہلاک ہونے کا پہلے سے وعدہ کیا جا چکا ہے (نوح کی بیوی اور ایک بیٹا) اور اسی طرح مومنین کو لیکن مختصر سے گروہ کے سوا اس پر کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔
(۴۱) وَ قَالَ ارۡكَبُوۡا فِیۡهَا بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖهَا وَ مُرۡسٰهَا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ	اس نے کہا: اللہ کا نام لے کر اس میں سوار ہو جاؤ اور اس کے چلتے اور ٹھہرتے وقت اسے یاد کرو کہ میرا پروردگار بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(۴۲)وَ هِیَ تَجۡرِیۡ بِهِمۡ فِیۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ ۟ وَ نَادٰی نُوۡحُ ۣابۡنَهٗ وَ كَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارۡكَبۡ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِیۡنَ	اور وہ انہیں پہاڑ جیسی موجوں میں سے گزارتا تھا۔(اس وقت) نوح نے اپنے بیٹے کو جو ایک طرف کھڑا تھا پکارا: اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔
(۴۳)قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَیۡنَهُمَا الۡمَوۡجُ فَكَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ	اس نے کہا: میں پہاڑ کا سہارا لےلوں گا تا کہ پانی سے محفوظ رہوں۔ (نوح نے) کہا: فرمان خدا کے سامنے آج کوئی بچانے والا نہیں مگر وہی (بچ سکتا ہے) جس پر وہ رحم کرے۔ اس وقت ایک موج ان دونوں کے درمیان حائل ہوئی اور وہ غرق ہونے والوں میں سے قرار پایا۔

تفسیر

آغاز طوفان

گزشتہ آیات میں ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور سچے مومنین نے کشتی نجات بنانا شروع کی اور انہیں کیسی کیسی مشکلات آئیں اور بے ایمان مغرور اکثریت نے کس طرح ان کا تمسخر اڑایا۔اس طرح تمسخر اڑانے والوں نے کس طرح اپنے آپ کو اس طوفان کے لئے تیار کیا جو سطح زمین کو بے ایمان مستکبرین کے نجس وجود سے پاک کرنے والا تھا۔

زیر بحث آیات اس سرگزشت کے تیسرے مرحلے کے بارے میں ہیں۔ یہ آیات گویا اس ظالم قوم پر نزول عذاب کی بولتی ہوئی تصویر ہیں۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: یہ صورت حال یونہی تھی یہاں تک کہ ہمارا حکم صادر ہوا اور عذاب کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ پانی تنور کے اندر سے جوش مارنے لگا۔

شاید غافل اور جاہل قوم نے بھی اپنے گھروں کے تنور میں پانی کو جوش مارتے دیکھا ہو بہر حال وہ ہمیشہ کی طرح خطرے کے ان پر معنی خدائی نشانات سے آنکھ کان بند کئے گزر گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی غور وفکر کی زحمت نہ دی کہ شاید شرف تکوین میں کوئی حادثہ پوشیدہ ہو اور شاید حضرت نوح علیہ السلام جن خطرات کی خبر دیتے تھے ان میں سچائی ہو۔

اس وقت نوح علیہ السلام کو "ہم نے حکم دیا کہ جانوروں کی ہر نوع میں سے ایک جفت (نر اور مادہ کا جوڑا) کشتی میں سوار کرلو' تاکہ غرقاب ہو کر ان کی نسل منقطع نہ ہو جائے۔" اور اسی طرح اپنے خاندان میں سے جن کی ہلاکت کا پہلے وعدہ کیا جا چکا ہے اس کے سوا باقی

افراد کو سوار کرلو نیز مومنین کی کشتی میں سوار کرلو'۔ لیکن تھوڑے سے افراد کے سوا لوگ ان پر ایمان نہیں لائے تھے۔

یہ آیت ایک طرف حضرت نوح علیہ السلام کی بے ایمان بیوی اور ان کے بیٹے کنعان کی طرف اشارہ کرتی ہے جن کی داستان آئندہ آیات میں آئے گی کہ جنہوں نے راہ ایمان سے انحراف کیا اور گنہگاروں کا ساتھ دینے کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔ وہ اس کشتی نجات میں سوار ہونے کا حق نہیں رکھتے تھے کیونکہ اس میں سوار ہونے کی پہلی شرط ایمان تھی۔

دوسری طرف یہ آیت اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو اپنے دین و آئین کی تبلیغ کے لئے سالہا سال بہت طویل اور مسلسل کوشش کی اس کا نتیجہ بہت تھوڑے سے افراد مومنین کے سوا کچھ نہ تھا۔

(۴۱) بہرحال حضرت نوح علیہ السلام نے جلدی سے اپنے وابستہ صاحب ایمان افراد اور اصحاب کو جمع کیا اور چونکہ طوفان اور تباہ کن خدائی عذابوں کا مرحلہ نزدیک آ رہا تھا "انہیں حکم دیا کہ خدا کا نام لے کر کشتی پر سوار ہو جاؤ اور کشتی کے چلتے اور ٹھہرتے وقت خدا کا نام زبان پر جاری کرو اور اس کی یاد میں رہو۔

کیوں کہا گیا کہ ہر حالت میں اس کی یاد میں رہو اور اس کی یاد اس کے نام سے مدد لو" اس لئے کہ میرا پروردگار بخشنے والا اور مہربان ہے"

اس نے اپنی رحمت کے تقاضے سے تم اہل ایمان بندوں کو یہ وسیلۂ نجات بخشا ہے اور اپنی بخشش کے تقاضے سے تمہاری لغزشوں سے درگزر کرے گا۔

(۴۲) بالآخر آخری مرحلہ آ پہنچا اور اس سرکش قوم کے لئے عذاب اور سزا کا فرمان صادر ہوا۔ تیرہ و تار بادل جو سیاہ رات کے ٹکڑوں کی طرح تھے سارے آسمان پر چھا گئے اور اس طرح ایک دوسرے پر تہ بہ تہ ہوئے کہ جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں دیکھی گئی تھی۔ پے درپے سخت بادل گرجتے خیرہ کن بجلیاں پورے آسمان پر کوندتیں۔ آسمانی فضا گویا ایک بہت بڑے وحشتناک حادثے کی خبر دے رہی تھی۔

بارش شروع ہوگئی اور پھر تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی بارش کے قطرے موٹے سے موٹے ہوتے چلے گئے جیسا کہ قرآن سورۂ قمر کی آیت......۱۱ میں کہتا ہے:

"گویا آسمان کے تمام دروازے کھل گئے اور پانی کا ایک سمندر ان کے اندر سے نیچے گرنے لگا"

دوسری طرف زیر زمین پانی کی سطح اس قدر بلند ہوگئی کہ ہر طرف سے پر جوش چشمے ابل پڑے۔ یوں زمین و آسمان کا پانی آپس میں مل گیا اور زمین، پہاڑ، دشت، بیابان، اور درہ غرض ہر جگہ پانی جاری ہوگیا۔ بہت جلد زمین کی سطح ایک سمندر کی صورت اختیار کرگئی۔ تیز ہوائیں چلنے لگیں جن کی وجہ سے پانی کی کوہ پیکر موجیں امنڈنے لگیں اس عالم میں "کشتی نوح علیہ السلام کوہ پیکر موجوں کے سینہ چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی"۔

پسر نوح علیہ السلام ایک طرف اپنے باپ سے الگ کھڑا تھا۔ نوح علیہ السلام نے پکارا: میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور

کافروں کے ساتھ نہ رہو ورنہ فنا ہو جاؤ گے۔

(۴۳) پیغمبر بزرگوار حضرت نوح علیہ السلام نے نہ صرف باپ کی حیثیت سے بلکہ ایک انتھک پر امید مربی کے طور پر آخری لمحے تک اپنی ذمہ داری سے دستبرداری نہ کی، اس امید پر کہ شاید ان کی بات سنگدل بیٹے پر اثر کر جائے لیکن افسوس کے برے ساتھی کی بات اس کے لئے زیادہ پر تأثر تھی لہٰذا دلسوز باپ کی گفتگو اپنا مطلوبہ اثر نہ کر سکی۔ وہ ہٹ دھرم اور کوتاہ فکر تھا۔ اسے گمان تھا کہ غضب خدا کا مقابلہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے "اس نے پکار کر کہا: ابا! میرے لئے جوش میں نہ آ ؤ میں عنقریب پہاڑ پر پناہ لے لوں گا کہ جس تک یہ سیلاب نہیں پہنچ سکتا۔

نوح علیہ السلام پھر بھی مایوس نہ ہوئے۔ دوبارہ نصیحت کرنے لگے کہ شاید کوتاہ فکر بیٹا غرور اور خودسری کے مرکب سے اتر آئے ارو راہ حق پر چلنے لگے۔ "انہوں نے کہا! میرے بیٹے! آج حکم خدا کے مقابلے میں کوئی طاقت پناہ نہیں دے سکتی"۔ "نجات صرف اس شخص کے لئے ہے رحمت خدا جس کے شامل حال ہو"۔

اسی دوران ایک موج اٹھی اور آگے آئی، مزید آگے بڑھی اور پسر نوح علیہ السلام کو ایک تنکے کی طرح اس کی جگہ سے اٹھایا اور اپنے اندر درہم برہم کر دیا اور باپ بیٹے کے درمیان جدائی ڈال دی اور اسے غرق ہونے والوں میں شامل کر دیا۔

طوفان نوح علیہ السلام میں عبرت کے درس:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن گزشتہ لوگوں کے واقعات درس عبرت دینے کے لئے اور اصلاح و تربیت کے لئے بیان کرتا ہے۔ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی داستان کا جتنا حصہ پڑھا ہے۔ اس میں بہت سے درس پوشیدہ ہیں۔ ان میں سے بعض کی طرف ہم ذیل میں اشارہ کرتے ہیں۔

1......**روئے زمین کو پاک کرنا:** یہ صحیح ہے کہ خدا رحیم اور مہربان ہے لیکن یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ اس کے باوجود حکیم بھی ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی قوم وملت فاسد ہو جائے اور نصیحت کرنے والوں اور تربیت کرنے والے خدائی نمائندوں کی دعوت ان پر اثر نہ کرے تو انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ایسے مواقع پر خدا تعالیٰ بالآخر معاشرتی یا طبیعی اور فطری انقلابات کے ذریعے ان کی زندگی کے کارخانے کو درہم برہم کر کے انہیں نابود کر دیتا ہے۔

یہ بات نہ قوم نوح علیہ السلام میں منحصر تھی اور نہ کسی اور زمانے یا معین وقت میں۔ یہ ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے ایک خدائی سنت ہے یہاں تک کہ ہمارے زمانے کے لئے بھی اور ہو سکتا ہے پہلی اور دوسری عالمی جنگیں اس پاک سازی کی مختلف شکلیں ہوں۔

2......**طوفان کے ذریعے انقلاب کیوں؟:** یہ صحیح ہے کہ ایک فاسد اور بری قوم کو نابود ہونا چاہئے، چاہے وہ کسی ذریعے سے نابود ہو اس میں فرق نہیں پڑتا لیکن آیات قرآنی میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ عذاب وسزا اور قوموں کے گناہوں میں ایک قسم کی مناسبت تھی اور ہے (غور کیجئے گا)۔

قوم نوح علیہ السلام زراعت پیشہ تھی ان کی کثیر دولت کا دارومدار زراعت پر ہی تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسے لوگ اپنا سب کچھ بارش کے حیات بخش قطروں کو سمجھتے ہیں لیکن آخرکار بارش ہی نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

یہاں سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ خدائی فیصلوں میں کس قدر تدبیر اور تدبر کار فرما ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے سرکش انسان پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں اپنے جدید اسلحوں کے ذریعے نیست و نابود ہوئے ہیں تو یہ بات ہمارے لئے باعث تعجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ پسے ہوئے محروم انسانوں کے وسائل لوٹنے کے لئے ان استعماری طاقتوں نے اپنی اس ٹیکنالوجی اور مصنوعات پر ہی بھروسہ کر رکھا تھا۔

3...... **فراموش نہ کریں**۔ سب کچھ اس کے نام سے، اس کی یاد کے ساتھ اور اس کی پاک ذات سے مدد طلب کرتے ہوئے ہونا چاہئے۔ ہر حرکت، ہر سکون میں، حالت آرام میں اور طوفان میں سب کچھ اسی کے نام سے شروع ہونا چاہئے۔

4...... **کمزور سہارے**: عام طور پر ہر شخص اپنی زندگی کی مشکلات میں کسی چیز کا سہارا لیتا ہے اور پناہ گاہ ڈھونڈتا ہے۔ کچھ لوگ اپنی دولت و ثروت کو سہارا سمجھتے ہیں، کچھ مقام و منصب کو، کچھ اپنی جسمانی طاقت کو اور بعض اپنی قوت فکر کو۔ لیکن جیسا کہ مندرجہ بالا آیات کہتی ہیں اور تاریخ نشاندہی کرتی ہے حکم خدا کے سامنے ان میں سے کسی چیز کی ذرہ برابر حیثیت نہیں ہے۔ ارادۂ الٰہی کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی جیسے تار عنکبوت شدید آندھی میں فوراً درہم برہم ہو جاتی ہے۔

5...... **کشتی نجات**: کشتی نجات کے بغیر کسی طوفان سے نہیں بچا جا سکتا۔ ضروری نہیں کہ وہ کشتی لکڑی اور لوہے کی بنی ہو بلکہ بعض اوقات یہ کشتی ایک کارساز، حیات بخش اور مثبت مکتب و مذہب ہوتا ہے جو انحرافی افکار کی طوفانی موجوں سے مقابلہ کرتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو ساحل نجات تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی بناء پر شیعہ اور سنی کتب میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو روایات نقل ہوئی ہیں ان میں آپ علیہ السلام کے خاندان یعنی ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور حاملین مکتب اسلام کا "کشتی نجات" کی حیثیت سے تعارف کروایا گیا ہے۔

(۴۴) وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ	اور کہا گیا: اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان رک جا اور پانی نیچے چلا گیا اور معاملہ ختم ہو گیا اور وہ (کشتی) جودی (پہاڑ کے دامن) میں ٹھہر گئی اور (اس وقت) کہا گیا: ظالم قوم کے لئے (خدا کی رحمت سے) دوری ہے۔

تفسیر

ایک داستان کا اختتام

جیسا کہ گزشتہ آیات میں ہم نے اجمالاً سربستہ طور پر پڑھا ہے کہ آخرکار پانی کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہروں نے تمام جگہوں کو گھیر لیا۔ پانی کی سطح بلند سے بلندتر ہوتی چلی گئی۔ جاہل گناہ گاروں نے یہ گمان کیا کہ یہ ایک معمول کا طوفان ہے۔ وہ اونچی جگہوں اور

پہاڑوں پر پناہ گزین ہوگئے لیکن پانی ان کے اوپر سے بھی گزر گیا اور تمام جگہیں پانی کے نیچے چھپ گئیں۔ ان طغیان گروں کے جسم، ان کے بچے کھچے گھر اور زندگی کا ساز وسامان پانی کی جھاگ میں نظر آ رہا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے زمام کشتی خدا کے ہاتھ میں دے دی۔ موجیں کشتی کو ادھر سے ادھر لے جاتیں تھیں۔ روایات میں آیا ہے کہ کشتی پورے چھ ماہ سرگرداں رہی۔ یہ مدت ابتدائے ماہ رجب سے لے کر ذوالحجہ کے اختتام تک تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق دس رجب سے لے کر روز عاشورہ تک کشتی پانی کی موجوں میں سرگرداں رہی۔

اس دوران میں کشتی نے مختلف علاقوں کی سیر کی۔ یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق سرزمین مکہ اور خانہ کعبہ کے اطراف کی بھی سیر کی۔

پہلے ارشاد ہوا: حکم دیا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل جاؤ۔

اور آسمان کو حکم ہوا ''اے آسمان ہاتھ روک لے''۔

''پانی نیچے بیٹھ گیا''...........''اور کام ختم ہو گیا''۔

''اور کشتی کوہ جودی کے دامن سے آ لگی''۔

''اس وقت کہا گیا: دور ہو ظالم قوم''۔

مندرجہ بالا آیت کی تعبیرات مختصر ہوتے ہوئے بھی نہایت مؤثر اور دلنشین ہیں۔ یہ بولتی ہوئی زندہ تعبیرات ہیں اور تمام تر زیبائی کے باوجود ہلا دینے والی ہیں۔ بعض علماء عرب کے بقول یہ آیات قرآن میں سے فصیح ترین اور بلیغ ترین آیت ہے۔ روایات اور تواریخ اسلام میں اس کی شہادت موجود ہے، لکھا ہے:

کچھ کفار قریش قرآن کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ قرآنی آیات جیسی کچھ آیات گھڑیں۔ ان سے تعلق رکھنے والوں نے انہیں چالیس دن تک بہترین غذائیں مہیا کیں۔ مشروبات فراہم کئے اور ان کی ہر فرمائش پوری کی۔ خالص گندم کا میدہ، بکرے کا گوشت، ایرانی شراب غرض سب کچھ انہیں لا کر دیا تا کہ آرام وراحت کے ساتھ قرآنی آیات جیسے جملوں کی ترکیب بندی کریں۔

لیکن جب وہ مذکورہ آیت تک پہنچے تو اس نے انہیں اس طرح ہلا کر رکھ دیا کہ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ ایسی گفتگو ہے کہ کوئی کلام اس سے مشابہت نہیں رکھتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور مایوس ہو کر ادھر ادھر چلے گئے۔

(۴۵) وَ نَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَہۡلِیۡ وَ اِنَّ وَعۡدَکَ الۡحَقُّ وَ اَنۡتَ اَحۡکَمُ الۡحٰکِمِیۡنَ	نوح نے اپنے پروردگار سے عرض کیا: پروردگارا! میرا بیٹا میرے خاندان میں سے ہے اور تیرا وعدہ (میرے خاندان کی نجات کے بارے میں) حق ہے اور تو تمام حکم کرنے والوں سے برتر ہے۔
(۴۶) قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ۚ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ٭۫ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ	فرمایا: اے نوح! وہ تیرے اہل سے نہیں ہے۔ وہ غیر صالح عمل ہے لہٰذا جس سے تو آگاہ نہیں وہ سوال مجھ سے نہ کر۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں تاکہ تو جاہلوں میں سے نہ ہو۔
(۴۷) قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ	عرض کیا: پروردگارا! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے ایسی چیز کا سوال کروں کہ جس سے میں آگاہی نہیں رکھتا اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں زیاں کاروں میں سے ہو جاؤں گا۔

تفسیر

پسر نوح علیہ السلام کا دردناک انجام

ہم پڑھ چکے ہیں کہ نوح کے بیٹے نے باپ کی نصیحت نہ سنی اور آخری سانس تک اس نے ہٹ دھرمی اور بے ہودگی کو نہ چھوڑا اور آخرکار طوفان کی موجوں میں گرفتار ہو کر غرق ہو گیا۔

زیر بحث آیات میں اس داستان کا ایک اور حصہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو موجوں کے درمیان دیکھا تو شفقت پدری نے جوش مارا۔ انہیں اپنے بیٹے کی نجات کے بارے میں وعدہ الٰہی یاد آیا۔ انہوں نے درگاہ الٰہی کا رخ کیا اور کہا: پروردگارا! میرا بیٹا میرے اہل اور میرے خاندان میں سے ہے اور تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے خاندان کو طوفان اور ہلاکت سے نجات دے گا اور تو تمام حکم کرنے والوں سے برتر ہے اور تو ایفائے عہد کرنے میں محکم تر ہے۔

فرمایا: اے نوح! وہ تیرے اہل اور خاندان میں سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ غیر صالح عمل ہے۔ وہ نالائق شخص ہے اور تجھ سے مکتبی اور مذہبی رشتہ ٹوٹنے کی وجہ سے خاندانی رشتے کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔

''اب جبکہ ایسا ہے تو مجھ سے ایسی چیز کا تقاضا نہ کر جس کے بارے میں تجھے علم نہیں''۔ ''میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ ہو جا''۔

حضرت نوح علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ تقاضا بارگاہ الٰہی میں صحیح نہ تھا اور ایسے بیٹے کی نجات کو خاندان کی نجات کے بارے میں خدا

کے وعدے میں شامل نہیں سمجھنا چاہیئے تھا۔لہٰذا آپ نے درگاہ پروردگار کا رخ کیا اور کہا: پروردگارا! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس امر سے کہ تجھ سے کسی ایسی چیز کی خواہش کروں جس کا علم مجھے نہیں''۔

اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور اپنی رحمت میرے شامل حال نہ کی تو میں زیاں کاروں میں سے ہوجاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کیوں ''عمل غیر صالح'' تھا؟

بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس آیت میں ایک لفظ مقدر ہے اور اصل میں اس کا مفہوم اس طرح ہے۔یعنی تیرا بیٹا غیر صالح عمل والا ہے۔

یہ جو مفسرین نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ حقیقتاً یہ آپ کا بیٹا نہیں تھا (یا غیر شرعی بیٹا تھا یا آپ کی بیوی کا دوسرے شوہر سے غیر شرعی بیٹا تھا)۔ یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ''انه عمل غیر صالح''کا جملہ درحقیقت ''انه لیس من اهلک'' کے لئے علت وسبب کی طرح ہے۔یعنی یہ جو ہم کہتے ہیں کہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے''اس لحاظ پر ہے کہ کردار کے لحاظ سے تجھ سے جدا ہے اگر چہ اس کا نسب تجھ سے متصل ہے۔

(۴۸)قِيۡلَ يٰنُوۡحُ اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيۡكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ يَمَسُّهُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ	(نوح سے کہا گیا): اے نوح! سلامتی اور برکت کے ساتھ جو تجھ پر اور تیرے ساتھ موجود تمام امتوں پر ہے اتر آؤ کچھ ایسی امتیں ہیں جنہیں ہم اپنی نعمتوں سے سرفراز کریں گے اس کے بعد انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔
(۴۹)تِلۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهَاۤ اِلَيۡكَ ۚ مَا كُنۡتَ تَعۡلَمُهَاۤ اَنۡتَ وَ لَا قَوۡمُكَ مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا ؕ فَاصۡبِرۡ ؕ اِنَّ الۡعَاقِبَةَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ	یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی (اے پیغمبر) ہم تجھ پر وحی کرتے ہیں اور انہیں اس سے پہلے نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم لہٰذا صبر واستقامت سے کام لو کیونکہ کامیابی پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

تفسیر

طوفان میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے حامیوں کی سلامتی

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی سرگزشت کے بارے میں اس سورت میں آنے والی یہ آخری آیات ہیں ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی سے اترنے اور نئے سرے سے روئے زمین پر معمول کی زندگی گزارنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: نوح علیہ السلام سے کہا گیا کہ سلامتی اور برکت کے ساتھ جو ہماری طرف سے تم پر اور ان پر ہے جو تیرے ساتھ ہیں اتر آؤ۔

اس میں شک نہیں کہ طوفان نے زندگی کے تمام آثار کو درہم برہم کر دیا تھا۔ فطری طور پر آباد زمینیں، لہلہاتی چراگاہیں اور سرسبز باغ سب کے سب ویران ہو چکے تھے۔ اس موقع پر شدید خطرہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب اور ساتھی زندگی گزارنے اور غذا کے سلسلے میں بہت تنگی کا شکار ہوں گے لیکن خدا نے ان مومنین کو اطمینان دلایا کہ برکات الٰہی کے دروازے تم پر کھل جائیں گے اور زندگی اور معاش کے حوالے سے تمہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہونا چاہئے۔

علاوہ ازیں ممکن تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو اپنی سلامتی کے حوالے سے یہ پریشانی ہوتی کہ طوفان کے بعد باقی ماندہ ان گندے پانیوں، جوہڑوں اور دلدلوں کے ہوتے ہوئے زندگی خطرے سے دوچار ہوگی۔ لہٰذا خدا تعالیٰ اس سلسلے میں بھی انہیں اطمینان دلاتا ہے کہ تمہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا اور وہ ذات جس نے ظالموں کی نابودی کے لئے طوفان بھیجا ہے وہ اہل ایمان کی سلامتی اور برکت کے لئے بھی ماحول فراہم کر سکتی ہے۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے: اس تمام تر صورت حال کے باوجود آئندہ پھر انہی مومنین کی نسل سے کئی امتیں وجود میں آئیں گی جنہیں ہم انواع واقسام کی نعمتیں بخشیں گے لیکن وہ غرور وغفلت میں ڈوب جائیں گی۔ اس کے بعد ہمارا دردناک عذاب انہیں پہنچے گا۔

(۴۹) آخری زیر بحث آیت میں (اس سورہ میں جاری) حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ختم ہوتا ہے اور تمام مذکورہ واقعات کی طرف عمومی اشارہ ہوتا ہے: یہ سب غیب کی خبریں ہیں کہ جو (اے پیغمبر) ہم تجھ پر وحی کرتے ہیں۔ قبل ازیں تم اور تمہاری قوم اس سے ہرگز آگاہ نہ تھے۔

جو کچھ تم نے سنا اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اور اپنی دعوت کے دوران نوح علیہ السلام کو پیش آمدہ تمام مشکلات اور اس کی استقامت کو مدنظر رکھتے ہوئے تم بھی صبر واستقامت دکھاؤ کیونکہ آخرکار کامیابی پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔

(۵۰) وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ	(ہم نے قوم) عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ (اس نے ان سے) کہا: اے میری قوم! اللہ کی پرستش کرو کیونکہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تم (خدا پر) صرف تہمت لگاتے ہو۔
(۵۱) یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	اے میری قوم! میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا میری اجرت اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا سمجھتے نہیں ہو؟

(۵۲) وَ یٰقَوۡمِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡهِ یُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا وَّ یَزِدۡکُمۡ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمۡ وَ لَا تَتَوَلَّوۡا مُجۡرِمِیۡنَ	اور اے میری قوم! اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو پھر اس کی طرف رجوع کروتا کہ وہ آسمان سے (بارش) پیہم تمہاری طرف بھیجے اور تمہاری قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے اور (حق سے) منہ نہ پھیرو اور گناہ نہ کرو۔

تفسیر

بہادر بت شکن

زیر نظر پہلی آیت میں اس سلسلے میں فرمایا گیا ہے: ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔

یہاں حضرت ہودعلیہ السلام کو بھائی کہا گیا تھا۔ یہ تعبیر یا تو اس بناء پر ہے کہ عرب اپنے تمام اہل قبیلہ کو بھائی کہتے ہیں کیونکہ نسب کی اصل میں سب شریک ہوتے ہیں۔ مثلاً بنی اسد کے شخص کو ''اخو اسدی'' کہتے ہیں اور مذحج قبیلہ کے شخص کو ''اخو مذحج'' کہتے ہیں۔ یا ہوسکتا ہے کہ اس طرف اشارہ ہو کہ حضرت ہودعلیہ السلام کا سلوک اپنی قوم سے دیگر انبیاء کی طرح بالکل برادرانہ تھا نہ کہ ایک حاکم کا سا بلکہ ایسا بھی نہیں جو باپ اپنی اولاد سے کرتا ہے بلکہ آپ کا سلوک ایسا تھا جو ایک بھائی دوسرے بھائیوں سے کرتا ہے کہ جس میں کوئی امتیازی اور برتری کا اظہار نہ ہو۔

حضرت ہودعلیہ السلام نے بھی اپنی دعوت کا آغاز دیگر انبیاء کی طرح کیا۔ آپ کی پہلی دعوت توحید اور ہر قسم کے شرک کی نفی کی دعوت تھی۔ ہود نے ان سے کہا: اے میری قوم! خدا کی عبادت کرو۔ ''کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اللہ اور معبود لائق پرستش نہیں''۔ ''بتوں کے بارے میں تمہارا اعتقاد غلطی اور اشتباہ پر مبنی ہے اور اس میں تم خدا پر افتراء باندھتے ہو''۔

یہ بت خدا کے شریک ہیں نہ خیر و شر کے منشاء و مبداء اور ان سے کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا۔ اس سے بڑھ کر کیا افتراء اور تہمت ہوگی کہ اس قدر بے وقعت موجودات کے لئے تم اتنے بڑے مقام و منزلت کا اعتقاد رکھو۔ جو خود اپنی حفاظت نہیں کرسکتے اپنے جسم سے مکھی تک کو اڑا نہیں سکتے وہ بھلا تمہارے لئے کیا کرسکتے ہیں۔

(۵۱) اس کے بعد ہودعلیہ السلام نے مزید کہا: اے میری قوم! میں اپنی دعوت کے سلسلے میں تم سے کوئی توقع نہیں رکھتا تم سے کسی قسم کی اجرت نہیں چاہتا کہ تم یہ گمان کرو کہ میری یہ داد و فریاد اور جوش و خروش مال و مقام کے حصول کے لئے ہے یا تم یہ خیال کرو کہ تمہیں مجھے کوئی بھاری معاوضہ دینا پڑے گا کہ جس کی وجہ سے تم تسلیم کرنے کو تیار نہ ہو۔ میں اگر تمہاری ہدایت و سعادت کے لئے کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو وہ اصولاً اس کے حکم کی اطاعت میں ہوتا ہے لہٰذا اجر و جزا بھی میں اسی سے چاہتا ہوں نہ کہ تم سے۔ علاوہ ازیں کیا تمہارے پاس اپنی طرف سے کچھ ہے جو تم مجھے دو۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی طرف سے ہے۔ کیا سمجھتے نہیں ہو۔

ارشاد ہوتا ہے: اے میری قوم! اپنے گناہوں پر خدا سے بخشش طلب کرو۔ پھر توبہ کرو اور اس کی طرف لوٹ آؤ۔ اگر تم ایسا

کرلو تو وہ آسمان کو حکم دے گا کہ وہ بارش کے حیات بخش قطرے پیہم تمہاری طرف بھیجے۔ تاکہ تمہارے کھیت اور باغات کم آبی یا بے آبی کا شکار نہ ہوں اور ہمیشہ سرسبز و شاداب رہیں۔

علاوہ ازیں تمہارے ایمان، تقویٰ، گناہ سے پرہیز اور خدا کی طرف رجوع اور توبہ کی وجہ سے تمہاری قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔

یہ کبھی گمان نہ کرو کہ ایمان و تقویٰ سے تمہاری قوت میں کمی واقع ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ تمہاری جسمانی و روحانی قوت میں اضافہ ہوگا۔ اس کمک سے تمہارا معاشرہ آباد تر ہوگا، جمعیت کثیر ہوگی، اقتصادی حالات بہتر ہوں گے اور تم طاقتور، آزاد اور خود مختار ملت بن جاؤ گے۔ لہٰذا راہ حق سے روگردانی نہ کرو اور شاہراہ گناہ پر قدم نہ رکھو۔

(۵۲) تمام انبیاء کی دعوت کا خمیر توحید ہے

تاریخ انبیاء نشاندہی کرتی ہے کہ ان سب نے اپنی دعوت کا آغاز توحید سے اور ہر قسم کے شرک اور بت پرستی کی نفی سے کیا۔ درحقیقت انسانی معاشرے کی کسی قسم کی اصلاح اس دعوت کے بغیر ممکن نہیں ہے کیونکہ معاشرے کی وحدت، ہمکاری، تعاون، ایثار اور فداکاری سب ایسے امور ہیں جو توحید معبود کے سرچشمے سے سیراب ہوتے ہیں۔ رہی بات شرک کی تو وہ ہر قسم کی پراگندگی، انتشار، تضاد، اختلاف، خود غرضی، خود پرستی اور انحصار طلبی کا سرچشمہ ہے اور ان مفاہیم کا شرک و بت پرستی کے وسیع مفہوم سے تعلق کوئی ایسا پوشیدہ نہیں ہے۔

(۵۳) قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ	انہوں نے کہا: اے ہود! تو ہمارے لئے کوئی دلیل نہیں لایا۔ ہم اپنے خداؤں کو تیری بات پر نہیں چھوڑتے اور ہم (بالکل) تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔
(۵۴) اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۙ	ہم (تیرے بارے میں) صرف یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض خداؤں نے تجھے نقصان پہنچایا ہے (اور تیری عقل چھین لی ہے)۔ (ہود نے) کہا: میں خدا کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جنہیں تم (خدا کا) شریک قرار دیتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔

(۵۵)مِنۡ دُوۡنِہٖ فَکِیۡدُوۡنِیۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ لَا تُنۡظِرُوۡنِ	وہ جو اس (خدا) کے علاوہ ہیں (کہ جنہیں تم پوجتے ہو) اب جبکہ ایسا ہے تو تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو اور مجھے (لمحہ بھر کی بھی) مہلت نہ دو۔
(۵۶)اِنِّیۡ تَوَکَّلۡتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ ؕ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ اِلَّا ہُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِہَا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ	(کیونکہ) میں نے اللہ پر توکل کر لیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے کوئی چلنے پھرنے والا ایسا نہیں جس پر وہ تسلط نہیں رکھتا (لیکن ایسا تسلط جو عدالت پر مبنی ہے کیونکہ) میرا پروردگار صراط مستقیم پر ہے۔
(۵۷)فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِہٖۤ اِلَیۡکُمۡ ؕ وَ یَسۡتَخۡلِفُ رَبِّیۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۚ وَ لَا تَضُرُّوۡنَہٗ شَیۡئًا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ	اور اگر تم منہ موڑ لو تو جو پیغام میرے ذمہ تھا وہ میں نے تم تک پہنچا دیا ہے اور خدا دوسرے گروہ کو تمہارا جانشین کر دے گا اور تم اسے ذرہ بھر نقصان بھی نہیں پہنچا سکتے۔ میرا پروردگار ہر چیز کا محافظ اور نگہبان ہے۔

تفسیر

حضرت ہود علیہ السلام کی قوی منطق

اب دیکھتے ہیں کہ اس سرکش اور مغرور قوم نے ...... یعنی قوم عاد نے اپنے بھائی ہود، ان کے پند و نصائح اور ہدایت و رہنمائی کے مقابلے میں کیا ردعمل ظاہر کیا۔

''انہوں نے کہا: اے ہود! تو ہمارے لئے کوئی دلیل نہیں لایا''۔ ہرگز تیری باتوں پر اپنے بتوں اور خداؤں کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ اور ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

(۵۴) ان تین غیر منطقی جملوں کے بعد انہوں نے مزید کہا: ''ہمارا خیال ہے کہ تو دیوانہ ہو گیا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ تو ہمارے خداؤں کے غضب کا شکار ہوا ہے اور انہوں نے تیری عقل کو آسیب پہنچایا ہے''۔

اس میں شک نہیں کہ جیسے تمام انبیاء کا طریقہ کار ہوتا ہے اور ان کی ذمہ داری ہے، حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں اپنی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کئی ایک معجزے دکھائے ہوں گے لیکن انہوں نے اپنے کبر و غرور کی وجہ سے دیگر ہٹ دھرم قوموں کی طرح معجزات کا انکار کیا اور انہیں جادو قرار دیا اور انہیں اتفاقی حوادث گردانا کہ جنہیں کسی معاملے میں دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بہر حال حضرت ہود علیہ السلام کی ذمہ داری تھی کہ اس گمراہ اور ہٹ دھرم قوم کو دندان شکن جواب دیتے......ایسا جواب جو منطق کی بنیاد پر بھی ہوتا اور طاقت سے بھی ادا ہوتا۔ قرآن کہتا ہے کہ انہوں نے ان کے جواب میں چند جملے کہے: ''میں خدا کو گواہی کے لئے بلاتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان بتوں اور تمہارے خداؤں سے بیزار ہوں''۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ اگر یہ بت طاقت رکھتے ہیں تو ان سے کہو کہ مجھے ختم کر دیں۔ میں جو علی الاعلان ان کے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہوں اور اعلانیہ ان سے بیزاری اور تنفر کا اعلان کر رہا ہوں تو وہ کیوں خاموش اور معطل ہیں، کس چیز کے منتظر اور کیوں مجھے نابود اور ختم نہیں کر دیتے۔

(۵۵) اس کے بعد مزید فرمایا کہ نہ فقط یہ کہ ان سے کچھ نہیں ہوسکتا بلکہ تم بھی اتنی کثرت کے باوجود کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔ ''اگر سچ کہتے ہو تو تم سب ہاتھوں میں ہاتھ دے کر میرے خلاف جو سازش کر سکتے ہو کر گزرو اور مجھے لحہ بھر کی بھی مہلت نہ دو''۔

(۵۶) میں تمہاری اتنی کثیر تعداد کو کیوں نہیں سمجھتا اور کیوں تمہاری طاقت کی پرواہ نہیں کرتا، تم کہ جو میرے خون کے پیاسے ہو اور ہر قسم کی طاقت رکھتے ہو......اس لئے کہ میرا رکھوالا اللہ ہے، وہ کہ جس کی قدرت سب طاقتوں سے بالاتر ہے۔ ''میں نے خدا پر توکل کیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے''۔

یہ خواہش اس بات کی دلیل ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ یہ اس امر کی نشانی ہے کہ میں نے دل کسی اور جگہ نہیں باندھ رکھا۔ اگر صحیح طور پر سوچو تو یہ ایک قسم کا معجزہ ہے کہ ایک انسان تن تنہا بہت سے لوگوں کے بیہودہ عقائد کے خلاف اٹھ کھڑا ہو جبکہ وہ طاقت ور اور متعصب بھی ہوں یہاں تک کہ انہیں اپنے خلاف قیام کی تحریک کرے اس کے باوجود اس میں خوف وخطر کے کوئی آثار نظر نہ آئیں اور پھر نہ اس کے دشمن اس کے خلاف کچھ کر سکتے ہوں۔

پھر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ نہ صرف تم بلکہ ''عالم وجود میں کوئی چلنے پھرنے والا نہیں کہ جو خدا کے قبضہ قدرت اور فرمان کے ماتحت نہ ہو'' اور جب تک وہ نہ چاہے ان سے کچھ نہیں ہوسکتا۔

لیکن یہ بھی جان لو کہ میرے خدا کی قدرت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خودسری اور خودخواہی کی بنیاد پر عمل میں آئے اور وہ اسے غیر حق صرف کرے بلکہ ''میرا پروردگار ہمیشہ صراط مستقیم اور جادۂ عدل پر ہے'' اور وہ کوئی کام حکمت کے برخلاف انجام نہیں دیتا۔

(۵۷) آخر کار حضرت ہود علیہ السلام ان سے کہتے ہیں: اگر تم راہ حق سے روگردانی کرو گے تو اس میں مجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا کیونکہ میں نے اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔ یہ جو اس طرف اشارہ ہے کہ یہ گمان نہ کرو کہ اگر میری دعوت قبول نہ کی جائے تو میرے لئے کوئی شکست ہے۔ میں نے اپنا فریضہ انجام دے دیا ہے اور فریضہ کی انجام دہی کامیابی ہے اگرچہ میری دعوت قبول نہ کی جائے۔

دراصل یہ سچے رہبروں اور راہ حق کے پیشواؤں کے لئے ایک درس ہے کہ انہیں اپنے کام پر کبھی بھی خستگی و پریشانی کا احساس نہیں ہونا چاہئے چاہے لوگ ان کی دعوت قبول نہ کریں۔

جیسا کہ بت پرستوں نے آپ کو دھمکی دی تھی، اس کے بعد آپ انہیں شدید طریقے پر عذاب الٰہی کی دھمکی دیتے ہوئے کہتے ہیں: ''اگر تم نے دعوت حق قبول نہ کی تو خدا عنقریب تمہیں نابود کر دے گا اور کسی دوسرے گروہ کو تمہارا جانشین بنا دے گا اور تم اسے

کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

یہ قانون خلقت ہے کہ جس وقت لوگ نعمت ہدایت یا خدا کی دوسری نعمتیں قبول کرنے کے اہل نہ ہوں تو وہ انہیں اٹھا لیتا ہے اوران کی جگہ کسی دوسرے اہل گروہ کو لے آتا ہے۔

اور یہ بھی جان لو کہ میرا پروردگار ہر چیز کا محافظ ہے اور ہر حساب وکتاب کی نگہداری کرتا ہے۔ نہ موقع اس کے ہاتھ سے جاتا ہے اور نہ وہ موقع کی مناسبت کو فراموش کرتا ہے۔ نہ وہ اپنے انبیاء اور دوستوں کی طاق نسیان کرتا ہے اور نہ کسی شخص کا حساب وکتاب اس کے علم سے اوجھل ہوتا ہے بلکہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز پر مسلط ہے۔

(۵۸)وَ لَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا هُوۡدًا وَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا‌ ۚ وَ نَجَّيۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ	اور جس وقت ہمارا فرمان آ پہنچا تو ہود اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے انہیں اپنی رحمت سے ہم نے نجات دی اور عذاب شدید سے انہیں بچالیا۔
(۵۹)وَ تِلۡكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ وَ عَصَوۡا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيۡدٍ	اور یہ قوم عاد ہی تھی کہ جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ستمگر حق کے دشمن کے حکم کی پیروی کی۔
(۶۰)وَ اُتۡبِعُوۡا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا لَعۡنَةً وَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ‌ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّعَادٍ قَوۡمِ هُوۡدٍ ۟	اس جہان میں ان کے پیچھے لعنت (اور رسوائی رہی) اور قیامت میں (کہا جائے گا کہ) جان لو کہ عاد نے اپنے پروردگار سے کفر وانکار کیا، دور ہو عاد قوم ہود (خدا کی رحمت اور خیر وسعادت سے)

تفسیر

اس ظالم قوم پر ابدی لعنت

قوم عاد اوران کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی سرگزشت سے مربوط آیات کے آخری حصے میں ان سرکشوں کی دردناک سزا اور عذاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن پہلے کہتا ہے: جب ان کے عذاب کے بارے میں ہمارا حکم آ پہنچا تو ہود اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لا چکے تھے ہماری ان پر رحمت اور لطف خاص نے انہیں نجات بخشی۔ پھر مزید تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے: اور ہم نے ان صاحب ایمان لوگوں کو شدید اور غلیظ عذاب سے رہائی بخشی۔

اس کے بعد قوم عاد کے گناہوں کا خلاصہ تین امور میں بیان کیا گیا ہے:

پہلا: یہ کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار کیا اور ہٹ دھرمی کے ساتھ اپنے پیغمبر کی دعوت کی صداقت کے منکر ہوگئے جو کہ واضح دلیل اور مدرک تھا۔

دوسرا: یہ کہ وہ عملی لحاظ سے بھی انبیاء کے خلاف عصیان وسرکشی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہاں ''رسل'' جمع کی صورت میں استعمال ہوا ہے۔ ایسا یا تو اس بناء پر ہے کہ تمام انبیاء کی دعوت ایک ہی حقیقت کی طرف تھی۔ یعنی توحید اور اس کی شاخیں...... لہٰذا ایک پیغمبر کا انکار تمام پیغمبروں کے انکار کے مترادف ہے۔ یا اس بناء پر ہے کہ حضرت ہودعلیہ السلام انہیں گزشتہ انبیاء پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے اور وہ انکار کرتے تھے۔

تیسرا: گناہ ان کا یہ تھا کہ وہ حکم خدا کو چھوڑ کر حق دشمن ظالموں کی اطاعت کرتے تھے۔

''جبار'' اس شخص کو کہتے ہیں جو غضب سے مارتا، قتل کرتا اور نابود کرتا ہے اور حکم عقل کا پیرو نہیں ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں ''جبار'' اسے کہتے ہیں جو دوسروں کو اپنی پیروی پر مجبور کرے یا جو اپنی بڑائی اور تکبر کے ذریعے اپنا عیب چھپانا چاہے اور ''عنید'' وہ ہے جو حق وحقیقت کی بہت زیادہ مخالفت کرے اور کسی صورت میں حق کو قبول نہ کرے۔

یہ دوصفات ہر زمانے کے طاغوتوں اور مستکبرین کی واضح صفات میں سے ہیں۔ کبھی بھی ان کے کان حق بات سننے کو تیار نہیں ہوتے اور اپنے مخالف سے قساوت، بے رحمی اور سختی سے پیش آتے ہیں اور اسے ختم کردیتے ہیں۔

(۶۰) زیر بحث آخری آیت میں جہاں حضرت ہودعلیہ السلام اور قوم عاد کی داستان ختم ہورہی ہے ان کے برے اور نادرست اعمال کا نتیجہ یوں بیان کیا گیا ہے: وہ ان کے اعمال کی وجہ سے اس دنیا میں ان پر لعنت ونفرین ہوئی اور ان کے مرنے کے بعد ان کے برے نام اور رسوا کن تاریخ کے سوا ان کی کوئی چیز باقی نہ رہی۔ اور قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جان لو! قوم عاد نے اپنے پروردگار کا انکار کیا تھا۔ دور ہو جا عاد قوم ہود رحمت پروردگار سے۔

باوجود کہ لفظ ''عاد'' اس قوم کے تعارف کے لئے کافی ہے لیکن مندرجہ بالا آیت میں عاد کے ذکر کے بعد ''قوم ہود'' کے الفاظ بھی آئے ہیں جن سے تاکید بھی ظاہر ہوتی ہے اور اس طرف اشارہ بھی ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دلسوز پیغمبر ہودعلیہ السلام کو یہ سب تکلیفیں پہنچائیں، انہیں تہمتیں دیں اور اسی بناء پر رحمت الٰہی سے دور ہیں۔

(۶۱)وَ اِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاھُمۡ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ ھُوَ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاسۡتَعۡمَرَکُمۡ فِیۡھَا فَاسۡتَغۡفِرُوۡہُ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ	اور (قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی پرستش کرو کہ جس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس کی آبادکاری تمہارے سپرد کی۔ اسے بخشش طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو اور رجوع کرو کہ میرا پروردگار (اپنے بندوں کے) نزدیک اور (ان کے تقاضوں کو) قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر

قوم ثمود کی داستان

قوم عاد کے حالات میں اپنے تمام تر عبرت انگیز درس کے ساتھ بطور اختصار تمام ہوئے۔ اب قوم ثمود کی باری ہے۔ تواریخ کے مطابق یہ قوم مدینہ اور شام کے درمیان وادی القریٰ میں رہتی تھی۔ یہاں ہم پھر دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید جب ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو انہیں ''بھائی'' کے طور پر یاد کرتا ہے۔ یہ کتنی عمدہ، مؤثر اور خوبصورت تعبیر ہے۔ اس کے بعض مطالب کی طرف ہم نے گزشتہ آیات کے ذیل میں اشارہ کیا ہے۔ درد دل رکھنے والا مہربان بھائی کہ جو خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔ ''ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا''

''اس نے کہا: اے میری قوم! خدا کی پرستش کرو کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

اس کے بعد ان کی حق شناسی کی تحریک پیدا کرنے کے لئے انہیں پروردگار کی اہم نعمتیں کہ جو ان کے پورے وجود پر محیط ہیں کا ایک پہلو یاد دلایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وہ ایسی ذات ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا۔

نعمت خلقت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد زمین میں موجود دوسری نعمتیں سرکش انسان کو یاد دلائی گئی ہیں وہ ایسی ذات ہے جس نے زمین کی تعمیر اور آبادکاری تمہارے سپرد کی ہے اور اس کے وسائل اور ذرائع تمہیں بخشے ہیں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ خدا یہ نہیں کہتا کہ خدا نے زمین کو آباد کیا اور تمہارے اختیار میں دے دیا بلکہ کہتا ہے کہ زمین کی آبادی اور تعمیر تمہارے سپرد کر دی۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وسائل و ذرائع ہر لحاظ سے مہیا ہیں لیکن تمہیں کام اور کوشش کر کے زمین کو آباد کرنا ہے اور اس کے منابع اور ذرائع اپنے ہاتھ میں کرنا ہیں اور کوشش کئے بغیر تمہیں اپنا حصہ نہیں مل سکتا۔

اس حقیقت کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک قوم اور ملت کو آبادکاری کا موقع ملنا چاہئے۔کام اس کے سپرد کیا جانا چاہئے اور ضروری وسائل اور ساز و سامان اس کے اختیار میں دیا جانا چاہئے۔

''اب جب ایسا ہے تو اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور خدا کی طرف رجوع کرو اور پلٹ آؤ کہ میرا پروردگار اپنے بندوں کے قریب ہے اور ان کی درخواست قبول کرتا ہے۔

(۶۲)قَالُوۡا يٰصٰلِحُ قَدۡ كُنۡتَ فِيۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ هٰذَاۤ اَتَنۡهٰٮنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِىۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ مُرِيۡبٍ	انہوں نے کہا: اے صالح! اس سے پہلے تو ہماری امید کا سرمایہ تھا۔کیا تو ہمیں ان کی پرستش سے روکتا ہے جن کی ہمارے آباؤاجداد پرستش کرتے تھے اور ہمیں اس چیز کے بارے میں شک ہے جس کی طرف تو دعوت دیتا ہے۔
(۶۳)قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَاٰتٰٮنِىۡ مِنۡهُ رَحۡمَةً فَمَنۡ يَّنۡصُرُنِىۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ عَصَيۡتُهٗ‌ فَمَا تَزِيۡدُوۡنَنِىۡ غَيۡرَ تَخۡسِيۡرٍ	اس نے کہا: اے میری قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت (نبوت) عطا کی ہے (پھر بھی) اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اس کے مقابلہ میں کون میری مدد کرسکتا ہے؟ لہٰذا تمہاری باتیں سوائے تمہاری زیاں کار ہونے کے میرے لئے اور کوئی اضافہ نہیں کرتیں۔
(۶۴)وَيٰقَوۡمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَـكُمۡ اٰيَةً فَذَرُوۡهَا تَاۡكُلۡ فِىۡۤ اَرۡضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابٌ قَرِيۡبٌ	اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے دلیل اور نشانی ہے۔اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرنے میں مشغول رہے اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ تمہیں بہت جلد خدا کا عذاب گھیر لے گا۔

(۶۵)فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ	(لیکن) انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اوراس نے ان سے کہا (تمہاری مہلت کاوقت ختم ہوگیا ہے) تین دن تک اپنے گھروں میں فائدہ اٹھا لو (اس کے بعد خدائی عذاب آجائے گا) یہ ایسا وعدہ ہے کہ جس میں جھوٹ نہیں ہوگا۔

تفسیر

اب ہم دیکھیں گے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے مخالفین ان کی زندہ اور حقیقت پسندانہ منطق کا کیا جواب دیتے ہیں۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو غیر موثر بنانے کے لئے یا کم ازکم ان کی باتوں کو بے تاثیر کرنے کے لئے ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا۔ وہ آپ کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔" کہنے لگے: اے صالح! اس سے پہلے تو ہماری امیدوں کا سرمایہ تھا" مشکلات میں ہم تیری پناہ لیتے تھے، تجھ سے مشورہ کرتے تھے، تیرے عقل وشعور پر ایمان رکھتے تھے، اور تیری خیر خواہی اور ہمدردی میں ہمیں ہرگز کوئی شک نہ تھا۔

لیکن افسوس کہ تم نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ دین پرستی کی اور ہمارے خداؤں کی مخالفت کرکے کہ جو ہمارے بزرگوں کا رسم ورواج تھا اور ہماری قوم کے افتخارات میں سے تھا تو نے ظاہر کردیا کہ تو بزرگوں کے احترام کا قائل ہے نہ ہماری عقل پر تمھیں کوئی اعتماد ہے اور نہ ہی تو ہمارے طورطریقوں کا حامی ہے۔" کیا سچ مچ تو ہمیں ان کی پرستش سے روک دینا چاہتا ہے جن کی عبادت ہمارے آباؤاجداد کرتے تھے"۔

حقیقت یہ ہے کہ جس یکتا پرستی کے دین کی طرف تو دعوت دیتا ہے ہم اس کے بارے میں شک وتردد میں ہیں۔ نہ صرف ہمیں شک ہے بلکہ اس کے بارے میں ہم بدگمان بھی ہیں۔

(۶۳) لیکن خدا کے یہ عظیم پیغمبران کی ہدایت سے مایوس نہ ہوئے اور ان کی پرفریب باتوں کا ان کی عظیم روح پر ذرہ برابر اثر نہ ہوا۔ انہوں نے اپنی مخصوص قناعت کے ساتھ انہیں جواب دیا۔" کہا: اے میری قوم! دیکھو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہوں اور اس کی رحمت میرے شامل حال ہو اور اس نے میرے دل کو روشن اور فکر کو بیدار کیا ہو اور میں ایسے حقائق سے آشنا ہوا ہوں جن سے پہلے آشنا نہ تھا تو کیا پھر بھی میں سکوت اختیار کرسکتا ہوں اور کیا اس صورت میں میں پیام الٰہی نہ پہنچاؤں اور انحراف اور برائیوں کے خلاف جنگ نہ کروں" اس عالم میں" اگر میں فرمان خدا کی مخالفت کروں تو کون شخص ہے جو اس کے عذاب وسزا کے مقابلے میں میری مدد کرسکتا ہے" لیکن جان لو کہ تمہاری اس قسم کی باتیں اور بڑوں کی روش سے استدلال وغیرہ کا مجھ پر اس کے سوال کوئی اثر نہیں ہوگا کہ تمہارے زیاں کار ہونے کے بارے میں میرا ایمان بڑھے گا۔

(۶۴)اس کے بعد آپ نے اپنی دعوت کی حقانیت کے لئے معجزے اور نشانی کے لئے نشاندہی کی۔ایسی نشانی جو انسانی قدرت سے ماوراء ہے اور صرف قدرت الٰہی کے سہارے پیش کی گئی ہے۔ان سے کہا:''اے میری قوم! یہ ناقہ الٰہی تمہارے لئے آیت اور نشانی ہے''۔''اسے چھوڑ دو کہ یہ بیابانوں چراگاہوں میں گھاس پھوس کھائے''۔''اور اسے ہرگز کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔اگر ایسا کروگے تو فوراً تمہیں دردناک عذاب الٰہی گھیر لے گا''۔

(۶۵) بہر حال جیسا ہم نے کہا ہے کہ ناقہ صالح کے بارے میں اس مسئلے پر قرآن نے اجمالاً ذکر کیا ہے لیکن بعض روایات جو شیعہ اور سنی دونوں طرق سے نقل ہوئی ہیں میں ہے کہ اس ناقہ کے عجائب خلقت میں سے تھا کہ وہ پہاڑ کے اندر سے باہر نکلی۔اس کے بارے میں کچھ اور خصوصیات بھی منقول ہیں جن کی وضاحت کا یہ موقع نہیں ہے۔

بہر کیف حضرت صالح علیہ السلام جیسے عظیم نبی نے اس ناقہ کے بارے میں بہت سمجھایا بجھایا مگر انہوں نے آخر کار ناقہ کو ختم کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا کیونکہ اس کی خارق عادت اور غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے لوگوں میں بیداری پیدا ہو رہی تھی اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کی طرف مائل ہو رہے تھے۔لہٰذا قوم ثمود کے کچھ سرکشوں نے جو حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کے اثرات کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتے تھے اور وہ ہرگز لوگوں کی بیداری نہیں چاہتے تھے کیونکہ خلق خدا کی بیداری سے ان کے استعماری اور استثماری مفادات کو نقصان پہنچتا تھا، ناقہ کو ختم کرنے کی سازش تیار کی۔کچھ افراد کو اس کام پر معمور کیا گیا۔آخر کار ان میں ایک نے ناقہ پر حملہ کیا اور اس پر ایک یا کئی وار کئے اور اسے مار ڈالا۔

مکتب کا رشتہ

یہ اس بناء پر ہے کہ قرآن کسی امر پر باطنی طور پر راضی ہونے اور اس کے مکتبی رشتے کو اس میں شرکت سمجھتا ہے۔درحقیقت اس کام کی سازش انفرادی نہ تھی۔یہاں تک کہ جس نے اس پر عمل کیا تھا اس نے فقط اپنی قوت کے سہارے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اس کے پیچھے جمعیت کی طاقت تھی اور وہی اسے حوصلہ دے رہی تھی۔یقیناً ایسے کام انفرادی قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ ایک گروہی اور جماعتی کام شمار ہوگا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

وانما عقر ناقة ثمود رجل واحد فعمهم الله بالعذاب لما عموه بالرضا

ناقہ صالح علیہ السلام کو ایک شخص نے قتل کیا تھا۔خدا نے تمام سرکش قوم کو عذاب کیا کیونکہ وہ سب اس پر راضی تھے۔(نہج البلاغہ، کلام ۲۰۱)

اسی مضمون کی یا اس کی مانند متعدد دیگر روایات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے منقول ہیں۔ان سے اسلام کے نزدیک مکتبی رشتے اور فکری ہم آہنگی کی بنیاد پر بننے والے پروگراموں کی بہت زیادہ اہمیت واضح ہوتی ہے۔

آیت کے آخر میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی سرکشی، نافرمانی اور اس کے ہاتھوں قتل ناقہ کے بعد اسے خطرے

سے آگاہ کیا اور کہا ''کہ پورے تین دن تک اپنے گھروں میں جس نعمت سے چاہو استفادہ کرو اور جان لو کہ ان تین دنوں کے بعد عذاب الٰہی آکے رہے گا''۔ ''اس بات کو حتمی سمجھو، میں جھوٹ نہیں کہہ رہا یہ ایک سچا اور حقیقی وعدہ ہے''۔

(٦٦)فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَ مِنۡ خِزۡىِ يَوۡمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡقَوِىُّ الۡعَزِيۡزُ	جب (اس قوم کی سزا کے بارے میں) ہمارا حکم آ پہنچا تو صالح اور اس پر ایمان لانے والوں کو ہم نے اپنی رحمت کے ذریعے اس دن کی رسوائی سے نجات بخشی کیونکہ تیرا پروردگار قوی اور ناقابل شکست ہے۔
(٦٧)وَ اَخَذَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۙ	اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انہیں (آسمانی) چنگھاڑ نے آلیا اور وہ اپنے ہی گھروں میں منہ کے بل گر کر مر گئے۔
(٦٨)كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوۡدَاۡ كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّثَمُوۡدَ ۠	اس طرح سے کہ گویا وہ ان گھروں کے باسی ہی نہ تھے۔ جان لو کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کا انکار کیا تھا۔ دور ہو قوم ثمود (رحمت پروردگار سے)۔

تفسیر

قوم ثمود کا انجام

ان آیات میں سرکش قوم (قوم ثمود) پر تین دن کی مدت ختم ہونے پر نزول عذاب کی کیفیت بیان کی گئی ہے: اس گروہ پر عذاب کے بارے میں جب ہمارا حکم آ پہنچا تو صالح اور اس پر ایمان لانے والوں کو ہم نے اپنی رحمت کے زیرہ سایہ نجات بخشی۔

انہوں نے صرف جسمانی اور مادی عذاب سے نجات بخشی بلکہ ''رسوائی، خواری اور بے آبروئی سے بھی انہیں نجات عطا کی کہ جو اس روز اس سرکش قوم کو دامن گیر تھی''۔

کیونکہ تیرا پروردگار ہر چیز پر قادر اور ہر کام پر تسلط رکھتا ہے۔ اس کے لئے کچھ محال نہیں ہے اور اس کے ارادے کے سامنے کوئی طاقت کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ لہٰذا کثیر جمعیت کے عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے سے صاحب ایمان گروہ کو کسی قسم کی کوئی مشکل اور زحمت پیش نہیں ہوگی۔ یہ رحمت الٰہی ہے جس کا تقاضا ہے کہ بے گناہ گنہگاروں کی آگ میں نہ جلیں اور بے ایمان افراد کی وجہ سے

مومنین گرفتار بلا نہ ہوں۔

(۶۷) لیکن ظالموں کو صیحہ آسمانی نے گھیر لیا۔اس طرح سے کہ یہ چیخ نہایت سخت اور وحشت ناک تھی۔اس کے اثر سے وہ سب کے سب گھروں ہی میں زمین پر گر کر مر گئے۔

(۶۸) وہ اس طرح مرے اور نابود ہوئے اور ان کے آثار مٹے کہ گویا وہ اس سرزمین میں کبھی رہتے ہی نہ تھے۔

جان لو کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا تھا اور انہوں نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

دور ہو قوم ثمود، اللہ کے لطف و رحمت سے اور ان پر لعنت ہو۔

(۶۹)وَلَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَآ اِبۡرٰهِيۡمَ بِالۡبُشۡرٰى قَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنۡ جَآءَ بِعِجۡلٍ حَنِيۡذٍ	ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) بشارت لے کر ابراہیم کے پاس آئے۔کہا: سلام (اس نے بھی) کہا: سلام اور زیادہ دیر نہ لگی کہ (ان کے لئے) بھنا ہوا گوسالہ لے آیا۔
(۷۰)فَلَمَّا رَاٰۤ اَيۡدِيَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَيۡهِ نَكِرَهُمۡ وَ اَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِيۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمِ لُوۡطٍ ؕ	(لیکن) جب اس نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے (اور وہ اسے نہیں کھاتے) تو انہیں ناپسند کیا اور دل میں احساس خوف کیا (مگر) انہوں نے اس سے (جلد ہی) کہا: ڈرو نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔
(۷۱)وَ امۡرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتۡ فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَ مِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ	اور اس کی بیوی کھڑی تھی وہ ہنسی تو ہم نے (فرشتوں کے ذریعے) اسے اسحاق کی اور اس کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔
(۷۲)قَالَتۡ يٰوَيۡلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوۡزٌ وَّ هٰذَا بَعۡلِىۡ شَيۡخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عَجِيۡبٌ	اس نے کہا: وائے ہو مجھ پر، کیا میں بچہ جنوں گی جبکہ میں بوڑھی عورت ہوں اور میرا یہ شوہر بھی بوڑھا ہے، یہ تو واقعاً عجیب بات ہے۔

(۷۳)قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ	انہوں نے کہا کیا حکم خدا پر تعجب کرتی ہو؟ یہ خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں تم اہل بیت پر کیونکہ خدا حمید اور مجید ہے۔

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام بت شکن کی زندگی کے کچھ حالات

اب ابراہیم جیسے بہادر بت شکن کی زندگی کے کچھ حالات کی باری ہے۔

البتہ اس عظیم پیغمبر کی بھرپور زندگی کے بارے میں زیادہ تفصیل قرآن کی دوسری سورتوں میں آئی ہے۔مثلاً سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء، انعام، اور انبیاء وغیرہ یہاں ان کی زندگی کا صرف ایک حصہ ذکر ہوا ہے جو قوم لوط کے واقعہ سے اور اس سرکش گناہ آلود گروہ کو عذاب دیئے جانے سے مربوط ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس ایک بشارت لے کر آئے''۔جیسا کہ بعد کی آیات سے معلوم ہوگا کہ یہ خدا کے بھیجے ہوئے وہی فرشتے تھے جو قوم لوط کو تباہ و برباد کرنے پر مامور تھے لیکن پہلے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ایک پیغام دینے آئے تھے۔

اس بارے میں کہ وہ کونسی بشارت لے کر آئے تھے، دو احتمالات ہیں اور ان دونوں کو جمع کرنے سے بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت تھی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک طویل عمر گزر چکی تھی۔ابھی تک ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ان کی آرزو تھی کہ ان کا ایک یا کئی بیٹے ہوں جو صاحب نبوت ہوں۔اس لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خبر ان کے لئے ایک عظیم بشارت تھی۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم لوط کے فساد اور سرکشی سے بہت ناراحت تھے۔جب انہیں معلوم ہوا کہ فرشتے ان کے بارے میں یہ حکم لائے ہیں تو انہیں راحت ہوئی۔

بہرحال جب بھیجے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کہا: اس نے بھی ان کے جواب میں سلام کہا۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ان کے لئے بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

اس جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہمان نوازی کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے مہمان کے لئے کھانا تیار کیا جائے کیونکہ مہمان جب کہیں سے آتا ہے خصوصاً اگر مسافر ہو تو عموماً تھکا ماندا اور بھوکا ہوتا ہے۔اسے کھانے کی بھی ضرورت

ہوتی ہے اور آرام کی بھی۔لہٰذا جلدی سے اس کے لئے کھانا تیار کیا جانا چاہئے تاکہ وہ پھر آرام کر سکے۔

(۷۰) لیکن اس موقع پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور وہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ نو وارد کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھاتے۔ یہ صورت ان کے لئے بالکل نئی تھی۔اس بناء پر آپ کو ان سے اجنبیت کا احساس ہوا اور یہ واقعہ ان کی وحشت و پریشانی کا باعث بنا۔

اس امر کا سرچشمہ ایک دیرینہ روایت ہے جو آج تک ان قوموں میں پائی جاتی ہے جو گزشتہ اچھی روایات کی پابند رہتی ہیں اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص دوسرے کا کھانا کھالے یعنی اس کا نان و نمک کھالے تو اس کے بارے میں کوئی برا ارادہ نہیں کرتا۔لہٰذا اگر کوئی واقعاً کسی کے بارے میں برا ارادہ رکھتا ہو تو کوشش کرتا ہے کہ اس کا نان و نمک نہ کھائے۔(لیکن افسوس صد افسوس کہ ہم ہمیشہ خدا کا دیا ہوا کھاتے ہیں اور اس کی خواہش کے خلاف عمل انجام دیتے ہیں) اس لئے حضرت ابراہیمؑ کو ان مہمانوں کے بارے میں شک ہوا اور سوچا کہ ہوسکتا ہے یہ کوئی برا ارادہ رکھتے ہوں۔

ان رسولوں کو یہ مسئلہ معلوم ہو گیا تو انہوں نے جلدی سے حضرت ابراہیمؑ کا شک دور کر دیا اور ''اس سے کہا: مت ڈریں ہم خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں'' اور ایک ظالم قوم کو عذاب کرنے پر مامور ہیں اور فرشتے غذا نہیں کھاتے۔

(۷۱) اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ کی بیوی (سارہ) جو وہاں کھڑی تھی ہنسی۔

شاید وہ اس لئے ہنسی ہوں کہ وہ بھی قوم لوط کے کرتوتوں سے سخت ناراحت تھیں اور ان کی سزا نزدیک ہونے کا سن کر خوش ہوئیں۔

قرآن مزید کہتا ہے: اس کے بعد ہم نے اسے بشارت دی کہ اس سے اسحاق پیدا ہوگا اور پھر اسحاق سے یعقوب ہوگا۔

درحقیقت انہیں بیٹے کی بشارت بھی دی گئی اور پوتے کی بھی، ایک اسحاق اور دوسرا یعقوب، جو دونوں انبیاء خدا میں سے تھے۔

ابراہیمؑ کی بیوی سارہ جو اپنی اور اپنے شوہر کی زیادہ عمر کی وجہ سے بچے کی پیدائش سے بہت مایوس اور ناامید ہو چکی تھی ''بڑے تعجب آمیز لہجے میں پکاری: اے وائے ہو مجھ پر کیا میں بچہ جنوں گی جبکہ میں بوڑھی ہوں اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہے، یہ بہت ہی عجیب معاملہ ہے۔

بہر حال خدا کے بھیجے ہوؤں نے فوراً اسے اس تعجب سے نکالا اور اس خاندان پر خدا تعالیٰ کی جو پہلے سے بہت زیادہ نعمتیں رہی ہیں اور جس طرح سے خدا انہیں حوادث کے چنگل سے معجزانہ طور پر نجات دلاتا رہا ہے اسے یاد دلایا اور اس سے کہا: کیا فرمان خدا پر تعجب کرتی ہو۔حالانکہ خدا کی رحمت اور اس کی برکات تم اہل بیت پر تھیں اور ہیں۔وہی خدا جس نے ابراہیمؑ کو نمرود جیسے ظالم کے چنگل سے نجات بخشی اور آگ میں اسے صحیح و سالم رکھا۔وہ خدا جس نے بہادر بت شکن ابراہیمؑ کو جبکہ اس نے تن تنہا طاغوتوں پر حملہ کیا ہمت، طاقت، استقامت اور عقل و دانائی عطا کی۔ یہ رحمت و فیضان الٰہی صرف اس روز اور اس دور کے لئے نہ تھا بلکہ اس خاندان

پر اسی طرح جاری وساری تھا اور ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے بڑھ کر خدا کی کیا برکت ہوگی جو کہ اس خاندان میں ظہور پذیر ہوئے۔

آیت کے آخر میں......فرشتوں نے زیادہ تاکید کے لئے کہا: ''وہ ایسا خدا ہے جو حمید اور مجید ہے''

(۷۴)فَلَمَّا ذَهَبَ عَنۡ اِبۡرٰهِيۡمَ الرَّوۡعُ وَ جَآءَتۡهُ الۡبُشۡرٰى يُجَادِلُنَا فِىۡ قَوۡمِ لُوۡطٍ ؕ	جب ابراہیم کا خوف جاتا رہا اور اسے بشارت مل گئی تو ہمارے (فرشتوں کے) ساتھ قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔
(۷۵)اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ	کیونکہ ابراہیم بردبار، ہمدرد اور (خدا کی طرف) بازگشت کرنے والا تھا۔
(۷۶)يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمۡ اٰتِيۡهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُوۡدٍ	(انہوں نے کہا) اے ابراہیم! اس سے صرف نظر کر لے کہ تیرے پروردگار کا فرمان آ پہنچا اور (خدا کا) عذاب قطعی طور پر ان پر آئے گا اور وہ پلٹ نہیں سکتا۔

تفسیر

گزشتہ آیات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام بہت جلد نو وارد مہمانوں کے بارے میں جان گئے کہ وہ خطرناک دشمن نہیں بلکہ پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں اور خود انہی کے بقول ایک ذمہ داری کی انجام دہی کے لئے قوم لوط کی طرف جا رہے ہیں۔

ان کی طرف سے جب ابراہیم کی پریشانی ختم ہوگئی اور ساتھ ہی انہیں صاحب شرف فرزند اور جانشین کی بشارت مل گئی تو فوراً وہ قوم لوط کی فکر میں پڑ گئے جن کی نابودی پر وہ فرستادگان مامور تھے۔ وہ اس سلسلے میں ان سے جھگڑنے لگے اور بات چیت کرنے لگے۔

ممکن ہے یہاں یہ سوال پیدا ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک آلودۂ گناہ قوم کے بارے میں کیوں گفتگو کے لئے کھڑے ہو گئے اور پروردگار کے ان رسولوں کے ساتھ کہ جو فرمان خدا سے مامور تھے، جھگڑنے لگے (یہی وجہ ہے کہ "یجادلنا" کی تعبیر استعمال ہوئی ہے یعنی ہم سے مجادلہ کرتے تھے) حالانکہ ایسا ایک پیغمبر کی شان سے اور وہ بھی ابراہیم علیہ السلام جیسے باعظمت پیغمبر سے بعید ہے۔

(۷۵) اسی طرح قرآن فوراً زیر نظر دوسری آیت میں کہتا ہے: ابراہیم علیہ السلام بردبار، بہت مہربان، خدا پر توکل کرنے والا اور اس کی طرف بازگشت کرنے والا ہے۔

دراصل ان تینوں لفظوں میں مذکورہ سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے ان صفات کا ذکر نشاندہی کرتا ہے کہ ان کا مجادلہ اور جھگڑنا ممدوح اور قابل تعریف ہے۔ یہ اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام پر یہ واضح نہیں تھا کہ خدا کی طرف

سے عذاب کا قطعی فرمان صادر ہو چکا ہے۔ انہیں احتمال تھا کہ اس قوم کی نجات کے لئے ابھی امید کی کرن باقی ہے اور ابھی احتمال ہے کہ وہ بیدار ہو جائے لہٰذا ابھی شفاعت کا موقع باقی ہے۔

(۷۶) اس آیت میں ہے: رسولوں نے فوراً ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اے ابراہیم! اس تجویز سے صرف نظر کرو اور شفاعت رہنے دو کیونکہ یہ اس کا موقع نہیں۔ کیونکہ تیرے پروردگار کا حتمی اور یقینی فرمان آ پہنچا ہے۔ اور خدا کا عذاب بلا کلام ان پر آ کر رہے گا۔

(۷۷) وَ لَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیۡٓءَ بِهِمۡ وَضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا وَّ قَالَ هٰذَا یَوۡمٌ عَصِیۡبٌ	جب ہمارے رسول لوط کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے سے ناراحت ہوا اور اس کا دل پریشان ہوا اور (اس نے) کہا کہ آج کا دن سخت ہے۔
(۷۸) وَ جَآءَهٗ قَوۡمُهٗ یُهۡرَعُوۡنَ اِلَیۡهِ ؕ وَ مِنۡ قَبۡلُ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیۡ هُنَّ اَطۡهَرُ لَکُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخۡزُوۡنِ فِیۡ ضَیۡفِیۡ ؕ اَلَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ	اور اس کی قوم جلدی سے اس کے پاس آئی اور وہ پہلے سے برے کام انجام دیتی تھی۔ اس نے کہا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہیں (ان سے ازدواج کرو اور برے اعمال چھوڑ دو) خدا سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تمہارے درمیان کوئی مرد رشید نہیں ہے؟
(۷۹) قَالُوۡا لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا لَنَا فِیۡ بَنٰتِکَ مِنۡ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّکَ لَتَعۡلَمُ مَا نُرِیۡدُ	وہ کہنے لگے: تو جانتا ہے کہ ہم تیری بیٹیوں کے لئے حق (اور میلان) نہیں رکھتے اور تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔
(۸۰) قَالَ لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِکُمۡ قُوَّةً اَوۡ اٰوِیۡۤ اِلٰی رُکۡنٍ شَدِیۡدٍ	کہا (افسوس) اے کاش! میں تمہارے مقابلے میں طاقت رکھتا یا کوئی محکم سہارا اور مددگار مجھے میسر ہوتا۔

تفسیر

قوم لوط کی شرمناک زندگی

سورۂ اعراف کی آیات میں قوم لوط کی سرنوشت کے ایک پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی تفسیر ہم وہاں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں انبیاء اور ان کی قوموں کی داستانوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی مناسبت سے گزشتہ کچھ آیات حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی سرگزشت سے تعلق رکھتی تھیں۔ زیر نظر آیات میں اس گمراہ اور منحرف قوم کی زندگی کے ایک اور حصے سے پردہ اٹھایا گیا ہے تاکہ سارے

انسانی معاشرے کی نجات وسعادت کے اصلی مقصد کوایک اورزاوئے سے پیش کیا جائے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: جب ہمارے رسول لوط کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے سے بہت ہی ناراحت اور پریشان ہوئے، ان کی فکر اور روح مضطرب ہوئی اور غم واندوہ نے انہیں گھیر لیا۔

اسلامی روایات اور تفاسیر میں آیا ہے کہ حضرت لوطؑ اس وقت اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے اچانک انہوں نے خوبصورت نوجوانوں کو دیکھا جو ان کی طرف آرہے تھے۔ وہ ان کے ہاں مہمان ہونا چاہتے تھے۔ اب حضرت لوطؑ مہمانوں کی پذیرائی بھی چاہتے تھے لیکن اس حقیقت کی طرف بھی ان کی توجہ تھی کہ ایسے شہر میں جو انحراف جنسی کی آلودگی میں غرق ہے ان خوبصورت نوجوانوں کا آنا طرح طرح کے مسائل کا موجب ہے اور ان کی آبروریزی کا بھی احتمال ہے۔ اس وجہ سے حضرت لوطؑ سخت مشکل سے دوچار ہوگئے۔ یہ مسائل روح فرسا افکار کی صورت میں ان کے دماغ میں ابھرے اور انہوں نے آہستہ آہستہ اپنے آپ سے کہنا شروع کیا: آج بہت سخت اور وحشت ناک دن ہے۔

(۷۷) بہر حال حضرت لوطؑ کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ اپنے نووارد مہمانوں کو اپنے گھر لے جاتے لیکن اس بناء پر کہ وہ غفلت میں رہیں راستے میں چند مرتبہ ان کے گوش گزار کر دیا کہ اس شہر میں شریر اور منحرف لوگ رہتے ہیں تاکہ اگر مہمان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو صورت حال کا اندازہ کرلیں۔

ایک روایت میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ جب تک یہ پیغمبر تین مرتبہ اس قوم کی برائی اور انحراف کی گواہی نہ دے انہیں عذاب نہ دیا جائے (یعنی یہاں تک کہ ایک گنہگار قوم سے متعلق بھی حکم خدا عدالت کے ایک عادلانہ فیصلے کی روشنی میں انجام پائے) اور ان رسولوں نے راستے میں تین مرتبہ لوطؑ کی گواہی سن لی۔

کئی ایک روایات میں آیا ہے کہ حضرت لوطؑ نے مہمانوں کو اتنی دیر تک (کھیت میں) ٹھہرائے رکھا کہ رات ہوگئی تاکہ شاید اس طرح اس شریر اور آلودہ قوم کی آنکھ سے بچ کر حفظ آبرو کے ساتھ ان کی پذیرائی کر سکیں لیکن جب انسان کا دشمن خود اس کے گھر کے اندر موجود ہو تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے۔ لوطؑ کی بیوی جو ایک بے ایمان عورت تھی اور اس گنہگار قوم کی مدد کرتی تھی جب اسے ان نوجوانوں اور خوبصورت مہمانوں کے آنے کی خبر ہوئی تو چھت پر چڑھ گئی۔ پہلے اس نے تالی بجائی پھر آگ روشن کر کے اس کے دھوئیں کے ذریعے اس نے منحرف قوم کے بعض لوگوں کو آگاہ کیا کہ لقمہ تر جال میں پھنس چکا ہے۔

(۷۸) یہاں قرآن کہتا ہے کہ وہ قوم حرص اور شوق کے عالم میں اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے بڑی تیزی سے لوطؑ کی طرف آئی۔

وہی قوم جس کی زندگی کے صفحات سیاہ اور ننگ وعار سے آلودہ تھے" اور جو پہلے ہی سے برے اور قبیح اعمال انجام دے رہی تھی۔

حضرت لوطؑ اس وقت حق رکھتے تھے کہ لرزنے لگیں اور ناراحتی وپریشانی کی شدت سے چیخ وپکار کریں، انہوں نے کہا: میں یہاں تک تیار ہوں کہ اپنی بیٹیاں تمہارے نکاح میں دے دوں، یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہیں۔

آؤ'' اور خدا سے ڈرو، میری عزت وآبرو خاک میں نہ ملاؤ اور میرے مہمانوں کے بارے میں برا ارادہ کر کے مجھے رسوانہ کرو''۔
اے وائے ''کیا تم میں کوئی رشید، عقلمند اور شائستہ انسان موجود نہیں ہے'' کہ جو تمہیں سنگین اور شرمناک عمل سے روکے۔

(۷۹) مگر اس تباہ کار قوم نے نبی خدا حضرت لوط علیہ السلام کو بڑی بے شرمی سے جواب دیا: ''تو خود اچھی طرح جانتا ہے کہ ہمارا تیری بیٹیوں میں کوئی حق نہیں''۔ اور یقیناً تو جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔

(۸۰) یہ وہ مقام تھا کہ اس بزرگوار پیغمبر نے اپنے آپ کو ایک محاصرے میں گھرا ہوا پایا اور انہوں نے ناراحتی و پریشانی کے عالم میں فریاد کی: اے کاش! مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں اپنے مہمانوں کا دفاع کر سکتا اور تم جیسے سرپھروں کی سرکوبی کر سکتا۔ یا کوئی مستحکم سہارا ہوتا، کوئی قوم و قبیلہ میرے پیروکاروں میں سے ہوتا اور میرے کوئی طاقتور ہم پیمان ہوتے کہ جن کی مدد سے تم منحرف لوگوں کا مقابلہ کرتا۔

(۸۱) قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَهْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَ لَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَا اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ	انہوں نے کہا: اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے رسول ہیں، وہ ہرگز تجھ پر دسترس حاصل نہیں کر سکیں گے۔ وسط شب اپنے خاندان کے ساتھ (اس شہر سے) چلا جا اور تم میں سے کوئی بھی اپنی پشت کی طرف نگاہ نہ کرے۔ مگر تیری بیوی کہ وہ اسی بلا میں گرفتار ہوگی کہ جس میں وہ لوگ گرفتار ہوں گے۔ ان کی وعدہ گاہ صبح ہے۔ کیا صبح نزدیک نہیں ہے۔
(۸۲) فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ۬ مَّنْضُوْدٍ ۙ	جب ہمارا فرمان آ پہنچا تو اس (شہر اور علاقے) کو ہم نے تہ و بالا کر دیا اور ان پر ہم نے مٹیالے پتھروں کی بارش کی۔
(۸۳) مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّکَ ؕ وَ مَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ۠	(وہ پتھر کہ) جو تیرے پروردگار کے ہاں مخصوص تھے اور ایسا ہونا ستمگروں کے لئے بعید نہیں ہے۔

تفسیر

ظالموں کی زندگی کا اختتام

آخرکار پرودگار کے رسولوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی شدید پریشانی دیکھی اور دیکھا کہ وہ روحانی طور پر کس اضطراب کا شکار ہیں تو انہوں نے اپنے اسرار کار سے پردہ اٹھایا اور ان سے'' کہا: اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، پریشان نہ ہو،

مطمئن رہو کہ وہ ہرگز تجھ پر دسترس حاصل نہیں کرسکیں گے''۔

بہرحال جب لوط علیہ السلام اپنے مہمانوں کے بارے میں ان کی ماموریت کے بارے میں آگاہ ہوئے تو یہ بات اس عظیم پیغمبر کے جلتے ہوئے دل کے لئے ٹھنڈک کی مانند تھی۔ایک دم انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے دل سے غم کا بارگراں ختم ہوگیا ہے اوران کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ایسا ہوا جیسے ایک شدید بیمار کی نظر مسیحا پر جا پڑے۔انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور سمجھ گئے کہ غم واندوہ کا زمانہ ختم ہورہا ہے اوراس بے شرم حیوان صفت قوم کے چنگل سے نجات پانے کا اورخوشی کا وقت آ پہنچا ہے۔

مہمانوں نے فوراً لوط علیہ السلام کو حکم دیا: تم اسی رات تاریکی شب میں اپنے خاندان کو اپنے ساتھ لے لو اوراس سرزمین سے نکل جاؤ۔

لیکن یہ پابندی ہے کہ ''تم میں سے کوئی شخص پس پشت نہ دیکھے''۔اس حکم کی خلاف ورزی فقط تمہاری معصیت کار بیوی کرے گی کہ جو تمہاری گنہگار قوم کو پہنچنے والی مصیبت میں گرفتار ہوگی۔

بالآخر انہوں نے لوط علیہ السلام سے آخری بات کہی: نزول عذاب کا لمحہ اور وعدہ کی تکمیل کا موقع صبح ہے اورصبح کی پہلی شعاع کے ساتھ ہی اس قوم کی زندگی غروب ہوجائے گی۔

ابھی اٹھ کھڑے ہو اور جتنا جلدی ممکن ہو شہر سے نکل جاؤ ''کیا صبح نزدیک نہیں ہے''۔

(۸۲) آخرکار عذاب کا لمحہ آن پہنچا اور لوط علیہ السلام پیغمبر کا انتظار ختم ہوا جیسا کہ قرآن کہتا ہے: جس وقت ہمارا فرمان آن پہنچا تو ہم نے اس زمین کو زیروزبر کردیا اوران کے سروں پر مٹیلے پتھروں کی پیہم بارش برسائی۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ہر چیز کو الٹ کر رکھ دیا۔ان کے شہروں کو بھی الٹ جانا چاہئے تھا۔فقط یہی نہیں کہ ان کے شہر تہ وبالا ہوجاتے بلکہ ان پر پتھروں کی بارش بھی ہونا چاہئے تھی تاکہ ان کے آخری آثار حیات بھی درہم برہم ہوجائیں۔اوروہ ان پتھروں میں دفن ہوجائیں اس طرح سے کہ ان کا نام ونشان اس سرزمین میں نظر نہ آئے صرف وحشت ناک، تباہ وبرباد بیابان، خاموش قبرستان اورپتھروں میں دبے ہوئے مردوں کے علاوہ ان میں کچھ باقی نہ رہے۔

(۸۳) لیکن یہ معمولی پتھر نہ تھے بلکہ تیرے پروردگار کے ہاں معین اور مخصوص تھے۔البتہ یہ تصور نہ کریں کہ یہ پتھر قوم لوط کے ساتھ ہی مخصوص تھے بلکہ ''یہ کسی ظالم قوم اور جمعیت سے دور نہیں ہیں''۔

ہم جنس کی طرف میلان کی حرمت

ہم جنس سے آمیزش، چاہے مردوں میں ہو یا عورتوں میں، اسلام میں بہت بڑے گناہوں میں سے شمار کی گئی ہے اوردونوں کے لئے حد شرعی معین ہے۔

مردوں میں ہم جنسی کا گناہ ہو تو فاعل ہو یا مفعول اسلام میں اس کی سزا قتل ہے اورفقہ میں اس اغلام اورقتل کے کئی طریقے بیان ہوئے ہیں۔البتہ اس سزا کے لئے ضروری ہے کہ یہ گناہ معتبر اورقطعی ذرائع سے ثابت ہو کہ جو فقہ اسلامی میں اورمعصومین کی

روایات میں ذکر ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ صرف تین مرتبہ اقرار کرنا بھی کافی نہیں ہے کم از کم چار مرتبہ اس عمل کا اقرار ضروری ہے۔

ایک اور حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من جامع غلامًا جاء یوم القیامة جنبًا لا ینقیه ماء الدنیا وغضب الله علیه ولعنه واعدله جهنم وسائت مصیرا...... ثم قال ان الذکر یرکب الذکر فیهتز العرش لذلک.

جو شخص کسی لڑکے کے ساتھ جنسی ملاپ کرے گا قیامت کے دن ناپاک اور مجنب عرصۂ محشر میں پیش ہوگا یہاں تک کہ عالم دنیا کے تمام پانی اسے پاک نہیں کر سکیں گے اور خدا اس پر غضبناک ہوگا اور اسے اپنی رحمت سے دور کرے گا اور اس پر لعنت کرے گا اور جہنم اس کے لئے تیار رکھی گئی ہے اور جہنم کس قدر بری جگہ ہے......اس کے بعد فرمایا: جب مذکر مذکر سے جنسی ملاپ کرے تو عرش خدا ہلنے لگتا ہے۔

(۸۴)وَ اِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاهُمۡ شُعَیۡبًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ وَ لَا تَنۡقُصُوا الۡمِکۡیَالَ وَ الۡمِیۡزَانَ اِنِّیۡۤ اَرٰىکُمۡ بِخَیۡرٍ وَّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ مُّحِیۡطٍ	اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور پیمانہ اور وزن کم نہ کرو (کم فروشی نہ کرو) میں تمہارا خیرخواہ ہوں اور میں تمہارے لئے محیط ہو جانے والے عذاب سے ڈرتا ہوں۔
(۸۵)وَ یٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِکۡیَالَ وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَهُمۡ وَ لَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ	اے میری قوم! پیمانہ اور وزن عدالت سے پورا کرو اور لوگوں کی اشیاء (اجناس) پر عیب نہ رکھو اور ان کے حق میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ کرو۔
(۸۶)بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۬ۚ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ	خدا نے تمہارے لئے جو حلال سرمایہ باقی رکھا ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اور میں تمہارا پاسدار (اور تمہیں ایمان پر مجبور کرنے والا) نہیں ہوں۔

تفسیر

حضرت شعیب علیہ السلام کی سرزمین......مدین

قوم لوط علیہ السلام کی عبرت انگیز داستان ختم ہونے پر قوم شعیب علیہ السلام اور اہل مدین کی نوبت آئی ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے

توحید کا راستہ چھوڑ دیا تھا اور شرکت وبت پرستی کی سنگلاخ زمین میں سرگرداں ہو گئے تھے۔ یہ لوگ نہ صرف بتوں کو پوجتے تھے بلکہ درہم ودینار اور اپنے مال وثروت کی بھی پرستش کرتے تھے اور اسی لئے وہ اپنے کاروبار اور بارونق تجارت کو نادرستی، کم فروشی، اور غلط طریقوں سے آلودہ کرتے تھے۔

ابتداء میں فرمایا گیا ہے: مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں لفظ "اخاھم" (ان کا بھائی) اس بنا پر ہے کہ اپنی قوم سے پیغمبروں کی انتہائی محبت کو بیان کیا جائے۔ نہ صرف اس بناء پر کہ وہ افراد ان کے گروہ اور قبیلے سے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ ان کے خیر خواہ ار ہمدرد بھائی کی طرح تھے۔

اس پیغمبر اور ہمدرد ومہربان بھائی نے جیسا کہ تمام انبیاء کا آغاز دعوت میں طریقہ ہے پہلے انہیں مذہب کے اساسی ترین رکن "توحید" کی طرف دعوت دی اور کہا: اے قوم: یکتا ویگانہ خدا کی پرستش کرو کہ جس کے علاوہ تمہارا کوئی محبوب نہیں ہے۔ کیونکہ دعوت توحید تمام طاغوتوں اور جاہلیت کی تمام سنتوں کو توڑنے کی دعوت ہے اور اس کے بغیر کسی قسم کی اجتماعی اور اخلاقی اصلاح ممکن نہیں ہے۔

اس وقت اہل مدین میں ایک اقتصادی خرابی شدید طور پر رائج تھی جس کا سرچشمہ شرک اور بت پرستی کی روح ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: خرید وفروخت کرتے وقت چیزوں کا پیمانہ اور وزن کم نہ کرو۔

پہلے کہتے ہیں: اس نصیحت کو قبول کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اچھائیوں کے دروازے تمہارے لئے کھل جائیں گے، تجارت کو فروغ حاصل ہوگا، چیزوں کی قیمتیں گر جائیں گی، معاشرے کو سکھ چین نصیب ہوگا خلاصہ یہ کہ "میں تمہارا خیر خواہ ہوں" اور مجھے اعتماد ہے کہ یہ نصیحت تمہارے معاشرے کے لئے خیر وبرکت کا سرچشمہ بنے گی۔

اس جملے کی تفسیر میں یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نعمت فراواں اور خیر کثیر کے حامل ہو' اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ تم پستی کی طرف مائل ہو کر لوگوں کے حقوق ضائع کرو اور شکر نعمت کی بجائے کفران نعمت کرو۔

دوسرا یہ کہ اس سے ڈرتا ہوں کہ شرک، کفران نعمت اور کم فروشی پر اصرار کے نتیجے میں تمہیں محیط ہو جانے والے دن کا عذاب نہ آلے۔

(۸۵) اس آیت پھر ان کے اقتصادی نظام کے بارے میں تاکید کر رہی ہے۔ اگر پہلے شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو کم فروشی سے منع کر چکے تھے تو آیت کے اس حصے میں لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ فرمایا: اے قوم! پیمانے اور میزان کو عدل سے پورا کرو۔ قسط وعدل کا یہ قانون اور ہر شخص کو اس کے حق کی ادائیگی کا یہ ضابطہ تمہارے پورے معاشرے پر حکمران ہونا چاہئے۔

پھر اس سے آگے بڑھ کر فرمایا: لوگوں کی چیزوں اور اجناس پر عیب نہ رکھو اور ان میں سے کسی چیز کو کم نہ کرو۔

آیت کے آخر میں اس سے بھی آگے بڑھ کر فرمایا گیا ہے: روئے زمین پر فساد نہ کرو۔

کم فروشی کے ذریعے فساد اور برائی، لوگوں کے حقوق غصب کرنے کا فساد اور حقوق پر تجاوز کا فساد، معاشرتی میزان اور

اعتدال کو درہم برہم کرنے کا فساد، اموال اور اشخاص پر عیب لگانے کا فساد...... خلاصہ یہ کہ لوگوں کی حیثیت، آبرو، ناموس اور جان کے حریم پر تجاوز کرنے کا فساد۔

(۸۶) آخر میں انہیں یہ گوش گزار کیا گیا ہے کہ ظلم وستم کے ذریعے اور استعماری ہتھکنڈوں سے بڑھنے والی دولت تمہاری بے نیازی اور استغناء کا سبب نہیں بن سکتی بلکہ حلال طریقے سے حاصل کیا ہوا جو سرمایہ تمہارے لئے باقی رہ جائے، چاہے وہ تھوڑا ہی ہو اگر خدا اور اس کے رسول پر ایمان کے ساتھ ہو تو بہتر ہے۔

ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ آیات اگر چہ خاص مواقع کے بارے میں نازل ہوئی ہیں لیکن ان کا مفہوم جامع ہے اور یہ ممکن ہے کہ بعد کے زمانوں میں وہ زیادہ اور وسیع مصداق پر منطبق ہوں۔

یہ صحیح ہے کہ زیر بحث آیت میں قوم شعیب مخاطب ہے اور ''بقیة الله'' سے مراد حلال سرمایہ و منافع اور جزائے الٰہی ہے لیکن ہر نفع بخش موجود کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بشر کے لئے کافی ہے اور خیر و سعادت کا باعث ہے اسے ''بقیة الله'' شمار کیا جا سکتا ہے۔

تمام انبیاء الٰہی اور بزرگ ہادی ''بقیة الله'' ہیں۔ تمام سچے رہبر کہ ایک سخت ترین دشمن سے مقابلے کے بعد ایک قوم وملت کے لئے باقی رہ جاتے ہیں اس لحاظ سے ''بقیة الله'' ہیں۔ اسی طرح جو مجاہد سپاہی کامیابی کے بعد میدان جنگ سے پلٹ آتے ہیں وہ بھی ''بقیة الله'' ہیں۔

حضرت مہدی موعود علیہ السلام چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آخری پیشوا اور عظیم ترین انقلابی قائد ہیں ''بقیة الله'' کے مصادیق میں سے ایک روشن ترین مصداق ہیں اور ہر کسی سے بڑھ کر اس لقب کے اہل ہیں خصوصاً جبکہ آپ علیہ السلام انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کے واحد باقی ماندہ ہیں۔

زیر بحث آیت کے آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: میری ذمہ داری تو فقط ابلاغ، انذار اور خبردار کرنا ہے' اور میں تمہارے اعمال کا جواب دہ نہیں اور نہ میری یہ ذمہ داری ہے کہ تمہیں یہ راہ اختیار کرنے پر مجبور کروں'' تم ہو، یہ تمہاری راہ ہے اور یہ چاہ ہے۔

(۸۷) قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ	انہوں نے کہا: اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں کہ جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے تھے اور جو کچھ ہم اپنے اموال کے لئے چاہتے ہیں اسے انجام نہ دیں تو بردبار اور رشید مرد ہے (تجھ سے یہ باتیں بعید ہیں)۔

(۸۸)قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ رَزَقَنِیۡ مِنۡہُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ وَ مَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُخَالِفَکُمۡ اِلٰی مَاۤ اَنۡہٰکُمۡ عَنۡہُ ؕ اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَ مَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَ اِلَیۡہِ اُنِیۡبُ	اس نے کہا: اے میری قوم! اگر میرے پاس پروردگار کی طرف سے واضح دلیل ہو اور اس نے مجھے اچھا رزق دیا ہو (تو کیا میں اس کے فرمان کے خلاف عمل کرسکتا ہوں؟) میں ہرگز نہیں چاہتا کہ جس چیز سے تمہیں روکتا ہوں اس کا خود ارتکاب کروں میں سوائے اصلاح کے، جتنی کہ مجھ میں توانائی ہے اور کچھ نہیں چاہتا اور مجھے اللہ کے علاوہ توفیق نہیں ہے میں نے اس پر توکل کیا ہے اور میری اسی کی طرف بازگشت ہے۔
(۸۹)وَ یٰقَوۡمِ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شِقَاقِیۡۤ اَنۡ یُّصِیۡبَکُمۡ مِّثۡلُ مَاۤ اَصَابَ قَوۡمَ نُوۡحٍ اَوۡ قَوۡمَ ہُوۡدٍ اَوۡ قَوۡمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوۡمُ لُوۡطٍ مِّنۡکُمۡ بِبَعِیۡدٍ	اور اے میری قوم! مبادا میری دشمنی اور مخالفت کے نتیجے میں تم اس انجام میں گرفتار ہو جاؤ کہ جس میں قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح گرفتار ہوئی ہے اور قوم لوط تو تم سے زیادہ دور نہیں ہے۔
(۹۰)وَ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ رَحِیۡمٌ وَّدُوۡدٌ	اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو اور اس کی طرف رجوع اور توبہ کرو اور میرا پروردگار مہربان ہے اور (توبہ کرنے والے بندوں کو) دوست رکھتا ہے۔

تفسیر

ہٹ دھرموں کی بے بنیاد منطق

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس ہٹ دھرم قوم نے اس آسمانی مصلح کی دعوت کے جواب میں کیا ردعمل ظاہر کیا۔

وہ جو بتوں کو اپنے بزرگوں کے آثار اور اپنے اصلی تمدن کی نشانی خیال کرتے تھے اور کم فروشی اور دھوکا بازی سے معاملات میں بڑے بڑے فائدے اور مفادات اٹھاتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام کے جواب میں کہا: اے شعیب علیہ السلام! کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں کہ جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے تھے۔ اور یا اپنے اموال کے بارے میں اپنی آزادی سے ہاتھ دھو

بیٹھیں۔تو تو ایک بردبار، حوصلہ مند سمجھدار آدمی ہے" تجھ سے یہ باتیں بعید ہیں۔

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ انہوں نے حضرت شعیبؑ کی نماز کا ذکر کیوں کیا؟ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اس بناء پر تھا کہ حضرت شعیبؑ زیادہ نماز پڑھتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ نماز انسان کو برے اور قبیح اعمال سے روکتی ہے لیکن وہ نادان لوگ کہ جو نماز اور ترک منکرات کے رابطے کو نہ سمجھ سکے انہوں نے اس بات کا تمسخر اڑایا اور کہا کہ کیا یہ ذکر و افکار اور حرکات تجھے حکم دیتی ہیں کہ ہم اپنے بزرگوں کے طور طریقے اور مذہبی ثقافت کو پاؤں تلے روند دیں یا اپنے اموال کے بارے میں اپنا اختیار گنوا بیٹھیں۔

بہرحال اگر وہ صحیح طور پر غور و فکر کرتے تو یہ حقیقت پا لیتے کہ نماز انسان میں احساس، مسئولیت، تقویٰ، پرہیز گاری، خدا ترسی اور حق شناسی زندہ کرتی ہے۔اسے خدا کی اور اس کی عدالت عدل کی یاد دلاتی ہے۔خود پسندی اور خود پرستی کا غبار اس کے صفحہ دل سے صاف کر دیتی ہے۔اسے جہان محدود و دآلودہ سے دنیائے ماوراء طبیعت، پاکیزیوں اور نیکیوں کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اسی بناء پر اسے شرک، بت پرستی، بڑوں کی اندھی تقلید، کم فروشی اور طرح طرح کی دھوکا بازی سے باز رکھتی ہے۔

لیکن جنہوں نے ان کی باتوں کو حماقت پر محمول کیا تھا اور ان کی بے عقلی کی دلیل قرار دیا تھا انہیں حضرت شعیبؑ نے کہا: اے میری قوم! (اے وہ لوگو! کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور جو کچھ میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے بھی پسند کرتا ہوں) اگر خدا نے مجھے واضح دلیل وحی اور نبوت دی ہو اور اس کے علاوہ مجھے پاکیزہ روزی اور حسب ضرورت مال دیا ہو تو کیا اس صورت میں صحیح ہے کہ میں اس کے فرمان کی مخالفت کروں یا تمہارے بارے میں کوئی غرض رکھوں اور تمہارا خیر خواہ نہ بنوں۔

اس کے بعد یہ عظیم پیغمبر مزید کہتے ہیں: یہ گمان نہ کرنا کہ میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں اور پھر خود اسی کی جستجو میں لگ جاؤں۔

تمہیں کہوں کم فروشی نہ کرو اور دھوکے بازی اور ملاوٹ نہ کرو لیکن میں خود یہ اعمال انجام دوں کہ دولت و ثروت اکٹھی کرنے لگوں یا تمہیں تو بتوں کی پرستش سے منع کروں مگر خود ان کے سامنے سر تعظیم خم کروں۔

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت شعیبؑ پہ الزام لگاتے تھے کہ وہ خود فائدہ اٹھانے کا ارادہ رکھتا ہے، لہٰذا وہ صراحت سے اس عمل کی نفی کرتے ہیں۔

آخر میں ان سے کہتے ہیں: میرا صرف ایک ہدف اور مقصد ہے اور وہ ہے اپنی قدرت و استطاعت کے مطابق تمہاری اور تمہارے معاشرے کی اصلاح۔

یہ وہی ہدف ہے جو تمام پیغمبروں کے پیش نظر رہا ہے......یعنی عقیدے کی اصلاح، اخلاق کی اصلاح، عمل کی اصلاح، روابط اور اجتماعی نظاموں کی اصلاح۔

اور اس ہدف تک پہنچنے کے لئے صرف خدا سے توفیق طلب کرتا ہوں۔

اس بناء پر اپنی ذمہ داری کے انجام دہی اور پیغام پہنچانے اور اس عظیم ہدف تک پہنچنے کے لئے "صرف اس پر بھروسہ

کرتا ہوں اور تمام چیزوں میں میری بازگشت اسی کی طرف ہے"۔ مشکلات کے حل کے لئے اس کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے کوشش کرتا ہوں اور اس راہ میں سختیاں گوارا کرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

(۸۹) اس کے بعد انہیں ایک اخلاقی نکتے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی سے بغض وعداوت کی بناء پر یا تعصب اور ہٹ دھرمی سے اپنے تمام مصالح نظر انداز کر دیتا ہے اور انجام کو فراموش کر دیتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اے میری قوم! ایسا نہ ہو کہ میری دشمنی اور عداوت تمہیں گناہ، عصیاں اور سرکشی پر ابھارے۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہی بلائیں، مصیبتیں، تکلیفیں، عذاب اور سزائیں جو قوم نوح، ہود یا قوم صالح کو پہنچیں وہ تمہیں بھی آلیں۔ یہاں تک کہ قوم لوط کے شہروں کا زیروزبر ہونا اور ان پر سنگباری کا واقعہ تم سے کوئی دور نہیں ہے۔ نہ ان کا زمانہ تم سے کوئی دور ہے اور نہ ان کے علاقے تم سے دور ہیں اور نہ ہی تمہارے اعمال اور گناہ ان سے کچھ کم ہیں۔

(۹۰) آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام انہیں دو حکم اور دیتے ہیں کہ جو دراصل ان کی تمام تبلیغات کا نتیجہ ہیں کہ جو اس گمراہ قوم میں وہ انجام دے چکے تھے۔

پہلا یہ کہ "خدا سے مغفرت طلب کرو تا کہ گناہ سے پاک ہو جاؤ اور شرک و بت پرستی اور معاملات میں خیانت سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

دوسرا یہ کہ گناہ سے پاک ہونے کے بعد اس کی طرف پلٹ آؤ کیونکہ وہ پاک ہے اور تم بھی پاک ہو کر اس کی خدمت میں آؤ۔

دراصل استغفار، راہ گناہ سے کنارہ کشی، خود کو پاک کرنا اور توبہ اس کی ذات کی طرف بازگشت ہے کہ جو لامتناہی وجود ہے۔
اور جان لو کہ تمہارا گناہ کتنا ہی عظیم اور سنگین کیوں نہ ہو بازگشت کی راہ تمہارے سامنے کھلی ہوئی ہے کیونکہ میرا پروردگار رحیم بھی ہے اور بندوں کو دوست بھی رکھتا ہے۔

(۹۱) قَالُوۡا یٰشُعَیۡبُ مَا نَفۡقَهُ کَثِیۡرًا مِّمَّا تَقُوۡلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیۡنَا ضَعِیۡفًا ۚ وَ لَوۡ لَا رَهۡطُکَ لَرَجَمۡنٰکَ ۫ وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡنَا بِعَزِیۡزٍ	انہوں نے کہا: اے شعیب! بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے ہم نہیں سمجھ پاتے اور ہم تجھے اپنے مابین کمزور پاتے ہیں اور اگر تیرے چھوٹے سے قبیلے کا احترام پیش نظر نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کرتے اور تو ہمارے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا۔

(۹۲)قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَهۡطِىۡۤ اَعَزُّ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذۡتُمُوۡهُ وَرَآءَكُمۡ ظِهۡرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ	اس نے کہا: اے قوم! کیا میرا چھوٹا سا قبیلہ تمہارے نزدیک خدا سے زیادہ عزت دار ہے جبکہ تم نے اس کے فرمان کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جو کچھ تم انجام دیتے ہو میرا پروردگار اس پر محیط ہے۔
(۹۳)وَ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ ؕ سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَمَنۡ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارۡتَقِبُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ رَقِيۡبٌ	اے قوم! جو کچھ تم سے ہو سکے کر گزرو اور میں بھی اپنا کام کروں گا اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ خوار و رسوا کرنے والا عذاب کس کے پیچھے آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ تم انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

تفسیر

ایک دوسرے کو دھمکیاں

یہ عظیم پیغمبر...... حضرت شعیب علیہ السلام کہ انتہائی جچے تلے، بلیغ اور دلنشین کلام کی وجہ سے جن کا لقب ''خطیب الانبیاء'' ہے، ان کا کلام ان لوگوں کی روحانی و مادی زندگی کی راہیں کھولنے والا تھا۔ انہوں نے بڑے صبر، حوصلے اور متانت اور دلسوزی کے ساتھ ان سے تمام باتیں کیں لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس گمراہ قوم نے انہیں کس طرح سے جواب دیا۔

انہوں نے چار جملوں میں کہ جو ڈھٹائی، جہالت اور بے خبری کا مظہر تھے آپ کو جواب دیا۔

پہلے وہ کہنے لگے: اے شعیب! تمہاری زیادہ تر باتیں ہماری سمجھ میں آتیں۔ بنیادی طور پر تیری باتوں کا کوئی سر اور پیر ہی نہیں۔ ان میں کوئی خاص بات اور منطق ہی نہیں کہ ہم ان پر کوئی غور وفکر کریں۔ لہٰذا ان میں کوئی ایسی چیز نہیں جس پر ہم کریں اس لئے تم اپنے آپ کو زیادہ نہ تھکاؤ اور دوسرے لوگوں کے پیچھے جاؤ۔

دوسرا یہ کہ ہم تمہیں اپنے مابین کمزور پاتے ہیں۔ لہٰذا اگر تم یہ سوچتے ہو کہ تم اپنی بے منطق باتیں طاقت کے بل پر منوالوگے تو یہ بھی تمہاری غلط فہمی ہے۔

یہ گمان نہ کرو کہ اگر ہم تم سے پوچھ گچھ نہیں کرتے تو یہ تمہاری طاقت کے خوف سے ہے ''اگر تیری قوم وقبیلہ کا احترام پیش نظر نہ ہوتا تو ہم تجھے بدترین طریقے سے قتل کر دیتے اور تجھے سنگسار کرتے۔

آخر میں انہوں نے کہا: تو ہمارے لئے کوئی طاقتور اور نا قابل شکست شخص نہیں ہے۔

(۹۲) حضرت شعیب علیہ السلام ان باتوں کے نشتروں اور توہین آمیز روئے سے (سیخ پا ہو کر) اٹھ کر نہ چلے گئے بلکہ آپ نے

اسی طرح پر منطق اور بلیغ پیرائے میں جواب دیا: اے قوم! کیا میرے قبیلے کے یہ چند افراد تمہارے نزدیک خدا سے زیادہ عزیز ہیں۔ تم میرے خاندان کی خاطر کہ جو تمہارے بقول چند افراد سے زیادہ نہیں ہے مجھے آزار نہیں پہنچاتے ہو تو کیوں خدا کے لئے تم میری باتوں کو قبول نہیں کرتے ہو؟ کیا عظمت خدا کے سامنے چند افراد کی کوئی حیثیت ہے؟

کیا تم خدا کے کسی احترام کے قائل ہو' جبکہ اسے اور اس کے فرمان کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے''۔

آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کہتے ہیں: یہ خیال نہ کرو کہ خدا تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا اور تمہاری باتیں نہیں سنتا۔ یقین جانو کہ میرا پروردگار ان تمام اعمال پر محیط ہے جو تم انجام دیتے۔

(۹۳) بلیغ سخن ور وہ ہے کہ جو اپنی باتوں میں مدمقابل کی تمام تنقیدوں کا جواب دے۔ قوم شعیب کے مشرکین نے چونکہ اپنی باتوں کے آخر میں ضمناً انہیں سنگسار کرنے کی دھمکی دی تھی اور ان کے سامنے اپنی طاقت کا اظہار کیا تھا لہٰذا ان کی دھمکی کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنا مؤقف اس طرح سے بیان کیا: اے میری قوم! جو کچھ تمہارے بس میں ہے کرگزرو اور اس میں کوتاہی نہ کرو اور جو کچھ تم سے ہوسکتا ہے اس میں رورعایت نہ کرو۔ میں بھی اپنا کام کروں گا۔ لیکن تم جلد سمجھ جاؤ گے کہ کون رسوا کن عذاب میں گرفتار ہوتا ہے اور کون جھوٹا ہے میں یا تم۔ اور اب جبکہ معاملہ اس طرح ہے تو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

تم اپنی طاقت، تعداد، سرمائے اور اثر ورسوخ سے مجھ پر کامیابی کے انتظار میں رہو اور میں بھی اس انتظار میں ہوں کہ عنقریب دردناک عذاب الٰہی تم جیسی گمراہ قوم کے دامن گیر ہو اور تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔

(۹۴) وَ لَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّیۡنَا شُعَیۡبًا وَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الصَّیۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ۙ	اور جب ہمارا فرمان آپہنچا تو ہم نے شعیب کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کے ذریعے نجات دی اور جنہوں نے ظلم کیا تھا انہیں (آسمانی) چنگھاڑ نے آلیا اور اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے (اور مرگئے)۔
(۹۵) کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡهَا ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّمَدۡیَنَ کَمَا بَعِدَتۡ ثَمُوۡدُ ۠	اس طرح کہ گویا وہ ان گھروں میں رہتے ہی نہ تھے۔ دور ہو مدین (رحمت خدا) سے جیسے کہ قوم ثمود دور ہوئی۔

تفسیر

مدین کے تباہ کاروں کا انجام

گزشتہ اقوام کی سرگزشت کے بارے میں قرآن مجید میں ہم نے بارہا پڑھا ہے کہ پہلے مرحلے میں انبیاء انہیں خدا کی طرف دعوت دینے کے لئے قیام کرتے تھے اور ہر طرح سے تعلیم وتربیت اور پند ونصیحت میں کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے تھے۔ دوسرے مرحلے میں جب ایک گروہ پر پند ونصائح کا کوئی اثر نہ ہوتا تو انہیں عذاب الٰہی سے ڈراتے تا کہ وہ آخری افراد تسلیم حق ہو جائیں جو

قبولیت کی اہلیت رکھتے ہیں اور وہ راہ خدا کی طرف پلٹ آئیں نیز اتمام حجت ہو جائے۔

تیسرے مرحلے میں جب ان میں سے کوئی چیز مؤثر نہ ہوتی تو روئے زمین کی ستھرائی اور پاکبازی کے لئے سنت الٰہی کے مطابق عذاب آ جاتا اور راستے کے ان کانٹوں کو دور کر دیتا۔

قوم شعیب یعنی اہل مدین کا بھی آخر کار مرحلہ انجام آ پہنچا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے: جب (اس گمراہ، ظالم اور ہٹ دھرم قوم کو عذاب دیئے جانے کے بارے میں) ہمارا فرمان آ پہنچا تو ہم نے شعیب اور اس پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کی برکت سے نجات دی۔ پھر آسمانی پکار اور مرگ آفریں عظیم صیحہ نے ظالموں اور ستمگروں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے: اس آسمانی صیحہ کے اثر سے قوم شعیب کے لوگ اپنے گھروں میں منہ کے بل جا گرے اور مر گئے اور ان کے بے جان جسم درس عبرت بنے ہوئے ایک مدت تک وہیں پڑے رہے۔ ان کی زندگی کی کتاب اس طرح بند کر دی گئی کہ ”گویا کبھی وہ اس سرزمین کے ساکن ہی نہ تھے“۔

وہ تمام دولت وثروت کہ جس کی خاطر انہوں نے گناہ اور ظلم وستم کئے نابود ہوگئی۔ ان کی زمینیں اور زرق وبرق زندگی ختم ہو گئی اور ان کا شور وغوغا خاموش ہو گیا اور آخر کار جیسا کہ قوم عاد وثمود کی داستان کے آخر میں بیان ہوا ہے فرمایا گیا ہے: دور ہو سرزمین مدین لطف ورحمت پروردگار سے جیسے کہ قوم ثمود دور ہوئی۔

(۹۶) وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ	ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔
(۹۷) اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ	فرعون اور اسکے حواریوں کی طرف، لیکن انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی جبکہ فرعون کا حکم رشد ونجات کا باعث نہیں تھا۔
(۹۸) يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۚ وَ بِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ	وہ روز قیامت اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور وہ انہیں آتش جہنم میں پہنچا دے گا اور کتنا برا ہے کہ آگ انسان کے لئے پانی کا گھاٹ قرار پائے۔
(۹۹) وَ اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ	وہ اس جہان میں اور روز قیامت رحمت خدا سے دور ہوں گے اور انہیں کیا برا تحفہ دیا جائے گا۔

تفسیر

فرعون کے ساتھ زبردست مقابلہ

حضرت شعیب علیہ السلام اور اہل مدین کی داستان ختم ہونے کے بعد اب ایک اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران کی سرگزشت

کے ایک پہلو کی طرف کیا گیا ہے۔ یہاں فرعون کے ساتھ ان کے مقابلوں کا ذکر ہے اور اس سورت میں یہ انبیاء الٰہی سے متعلق ساتویں داستان ہے۔

تمام پیغمبروں کی نسبت قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ زیادہ آیا ہے۔تیس سے زیادہ سورتوں میں موسیٰ علیہ السلام وفرعون اور بنی اسرائیل کے واقعہ کی طرف سو سے زیادہ مرتبہ اشارہ ہوا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، ہود علیہ السلام اور لوط علیہ السلام جیسے انبیاء کہ جن کے واقعات ہم پڑھ چکے ہیں کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان انبیاء نے گمراہ قوموں کے خلاف قیام کیا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علاوہ ازیں ایک خود سر حکومت اور فرعون جیسے جابر حکمران کے خلاف قیام کیا تھا۔

اصولی طور پر صاف پانی کے لئے سرچشمے کو صاف کرنا چاہئے۔جب تک فاسد حکومتیں برسر اقتدار ہیں کوئی معاشرہ سعادت اور نیک بختی کا منہ نہیں دیکھے گا۔خدائی رہبروں کو ایسے معاشروں میں سب سے پہلے فساد کے ان مراکز کو درہم برہم کرنا چاہئے۔

توجہ رہے کہ یہاں ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت کے ایک مختصر سے گوشے کا مطالعہ کریں گے کہ جو مختصر ہونے کے باوجود تمام انسانوں کو ایک عظیم پیغام دے رہا ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہو رہا ہے: ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے عطا کردہ معجزات اور قوی دلیل و منطق کے ساتھ بھیجا۔

(۹۷) بہر حال موسیٰ علیہ السلام کو سرکوبی کرنے والے ان معجزات اور قوم منطق کے ساتھ ''ہم نے فرعون اور اس کے اطرافیوں کی طرف بھیجا۔

فرعون کے اطرافی جو دیکھ رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قیام سے ان کے ناجائز مفادات خطرے میں ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور منطق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر تیار نہ ہوئے، لہٰذا انہوں نے حکم فرعون کی پیروی کی۔مگر فرعون کا حکم ہرگز ان کی سعادت کا ضامن اور سرمایۂ رشد و نجات نہیں ہو سکتا تھا۔

(۹۸) کبھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگاتا کبھی انہیں دھمکی دیتا، کبھی اہل مصر کے سامنے اپنی قدرت وشوکت کا مظاہرہ کرتا اور کبھی بڑی مکاری سے اپنے آپ کو ایک ایسے رہبر کی حیثیت سے پیش کرتا کہ جو ان کی خیر اور اصلاح کا ضامن ہے اور چونکہ روز قیامت ہر قوم وملت اور ہر گروہ اپنے رہبر کے ساتھ محشور ہوگا اور اس جہان کے رہبر وہاں بھی رہبر شمار ہوں گے لہٰذا فرعون بھی کہ جو اپنے زمانے کے گمراہوں کا رہبر تھا۔میدان حشر میں ان کے آگے آگے ہوگا۔لیکن یہ پیشوا اپنے پیروکاروں کو اس جلا دینے والی گرمی میں کسی ٹھنڈے میٹھے پانی کے خوشگوار چشمے کے کنارے لے جانے کی بجائے انہیں آتش جہنم میں لے کر داخل ہوگا۔اور کیسی بری چیز ہے کہ آگ انسان کے لئے پانی کا گھاٹ قرار پائے کہ جس میں وہ داخل ہو۔وہ چیز کہ جو تشنگی دور کرنے کی بجائے انسان کے سارے وجود کو جلا دے اور سیراب کرنے کی بجائے اس کی پیاس اور بھڑکا دے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اس جہان میں وہ لعنت خدا سے ملحق ہو گئے، سخت عذاب اور سزا میں گرفتار ہو گئے اور ٹھاٹھیں

مارتی ہوئی موجوں میں غرق ہوگئے اور روز قیامت بھی رحمت الٰہی سے دور ہوں گے۔

ان کا ننگین نام صفحات تاریخ میں ہمیشہ کے لئے ایک گمراہ اور جابر قوم کے عنوان سے ثبت ہوگا۔لہٰذا انہیں اس دنیا میں بھی نقصان اٹھانا پڑا اور دوسرے جہان میں بھی اور جہنم کی آگ انہیں دیا جانے والا کیسا برا عطیہ ہے۔

(۱۰۰)ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیۡکَ مِنۡهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِیۡدٌ	یہ شہروں اور آبادیوں کی خبریں ہیں کہ جو ہم تجھ سے بیان کرتے ہیں کہ جن میں سے بعض ابھی تک قائم ہیں اور بعص کٹ چکی ہیں (اور ختم ہوچکی ہیں)۔
(۱۰۱)وَ مَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَمَاۤ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیۡ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّکَ ؕ وَ مَا زَادُوۡهُمۡ غَیۡرَ تَتۡبِیۡبٍ	ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور جب عذاب الٰہی کا حکم آ پہنچا تو وہ جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے انہوں نے ان کی مدد نہ کی اور ان کے لئے ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کیا۔
(۱۰۲)وَكَذٰلِکَ اَخۡذُ رَبِّکَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰی وَهِیَ ظٰلِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخۡذَهٗۤ اَلِیۡمٌ شَدِیۡدٌ	اور تیرے پروردگار کا عذاب ایسا ہی ہوتا ہے جب وہ ظالم شہروں اور آبادیوں کو سزا دیتا ہے۔(جی ہاں) اس کی سزا اور عذاب دردناک اور شدید ہوتا ہے۔
(۱۰۳)اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّمَنۡ خَافَ عَذَابَ الۡاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ	اس میں اس شخص کے لئے نشانی ہے جو عذاب آخرت سے ڈرتا ہے وہی دن کہ جب لوگ جمع ہوں گے۔اور وہ (سب کے) پیش ہونے کا دن ہے
(۱۰۴)وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ	اور ہم اس میں محدود مدت کے سوا تاخیر نہیں کریں گے۔

تفسیر

اس سورہ کی آیات میں گزشتہ اقوام میں سے سات کی سرگزشت بیان کی گئی ہے اور کچھ حصہ ان کے انبیاء کی تاریخ کا بھی بیان ہوا ہے۔ان میں سے ہر سرگزشت بھرپور انسان زندگی کے مختلف زاویوں کا اہم حصہ واضح کرتی ہے اور ہر ایک میں عبرت کے بہت سے درس ہیں۔ یہاں ان تمام واقعات کی طرف مجموعی طور پر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: یہ شہروں اور آبادیوں کے

واقعات کا ایک حصہ ہے کہ جو ہم تجھ سے بیان کر رہے ہیں۔ وہی شہر اور آبادیاں جن کے کچھ حصے ابھی قائم ہیں اور کچھ حصے کشت زار کی طرح کٹ چکے ہیں اور تباہ ہو چکے ہیں۔

(۱۰۱) لیکن یہ گمان نہ کرنا کہ ہم نے ان پر ظلم کیا ہے بلکہ انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔

انہوں نے بتوں اور جھوٹے خداؤں کی پناہ لی لیکن وہ جن خداؤں کو پروردگار کے مقابلے میں پکارتے تھے انہوں نے ان کی کوئی مشکل حل نہ کی۔

جی ہاں! ان مکار اور دھوکا باز خداؤں نے ان کے لئے ضرر، نقصان، ہلاکت اور بدبختی کے سوا کسی چیز کا کوئی اضافہ نہ کیا۔

(۱۰۲) جی ہاں! تیرے پروردگار کی سزا ان شہروں اور آبادیوں کے لئے اسی طرح تھی جنہوں نے ظلم کیا کہ جب اللہ نے انہیں سپرد ہلاکت کیا۔ یقیناً اللہ کی سزا اور عذاب دردناک اور شدید ہے۔

یہ خدا کا عمومی قانون ہے۔ یہ ایک ہمیشگی مناسبت اور دائمی طریقہ ہے کہ جو قوم وملت اپنے ہاتھ آلودۂ ظلم کرے، خدا کے فرامین کی سرحد سے تجاوز کرے اور انبیاء الٰہی کی رہبری، رہنمائی اور پند ونصائح کی پرواہ نہ کرے تو خدا آخر کار انہیں سختی سے جکڑ لیتا ہے اور پنجۂ عذاب میں پکڑ لیتا ہے۔

(۱۰۳) یہ عبرت انگیز سرگزشتیں اور دردناک شوم اور منحوس حوادث کہ جو گزشتہ لوگوں پر گزرے ہیں ان میں ان راہ حق پانے والوں کے لئے نشانی ہے کہ جو عذاب آخرت سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی ہر چیز حقیر اور معمولی ہے یہاں تک کہ اس کی سزائیں اور عذاب بھی۔ دوسرا جہان ہر لحاظ سے وسیع تر ہے اور وہ لوگ جو قیامت پر ایمان رکھتے ہیں دنیا کے یہ نمونے دیکھ کر ہل جاتے ہیں، عبرت حاصل کرتے ہیں اور ان کے سامنے راستہ کھل جاتا ہے۔

آیت کے آخر میں روز قیامت کے دو اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: وہ ایسا دن ہے کہ جس میں سب لوگ جمع ہوں گے۔ وہ ایسا دن ہے کہ جو تمام لوگوں کا مشہود ہے۔

(۱۰۴) چونکہ ممکن ہے بعض لوگ کہیں کہ اس دن کے بارے میں گفتگو کرنا ادھار والی بات ہے، معلوم نہیں وہ کب آئے گا؟ لہٰذا قرآن بلا فاصلہ کہتا ہے: اس دن کو ہم صرف ایک محدود زمانے کے لئے تاخیر میں ڈالیں گے۔

وہ بھی ایک مصلحت کے لئے جو واضح ہے تا کہ عالم دنیا کے لوگ آزمائش اور پرورش کے میدان دیکھ لیں اور انبیاء کا آخری پروگرام عملی شکل اختیار کر لے اور یہ جہان تکامل وارتقاء کے جس آخری سلسلے کی استعداد رکھتا ہے وہ ظاہر ہو جائے اور پھر اس جہان کے اختتام کا اعلان کیا جائے۔

(۱۰۵)يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ	اور جس روز (قیامت) آ جائے گی، کوئی شخص اس (اللہ) کی اجازت کے بغیر بات نہیں کرے گا۔ ان میں سے ایک گروہ شقی ہے اور ایک گروہ سعادت مند۔
(۱۰۶)فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ۙ	جو شقی ہیں وہ آگ میں ہیں اور ان کے لئے زفیر وشہیق (طویل اور دم گھٹنے والے نالے) ہیں۔
(۱۰۷)خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ	جب تک زمین وآسمان قائم ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، مگر جو کچھ تیرا پروردگار چاہے کیونکہ تیرا پروردگار جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے انجام دیتا ہے۔
(۱۰۸)وَ اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ	لیکن جو سعادت مند ہیں وہ جب تک آسمان وزمین قائم ہیں ہمیشہ جنت میں رہیں گے مگر جو کچھ تیرا پروردگار چاہے، بخشش ہے یہ منقطع نہ ہونے والی۔

تفسیر

سعادت وشقاوت یا مشکلات؟

گزشتہ آیات میں مسئلہ قیامت اور اس عظیم عدالت میں تمام لوگوں کے اجتماع کی طرف اشارہ ہوا تھا۔ زیر بحث آیات میں اس دن لوگوں کے انجام کے ایک پہلو کو بیان کیا گیا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: جب وہ دن آ پہنچے گا تو پروردگار کے ارادے کے بغیر کوئی شخص بات نہیں کر سکے گا۔

اس بنا پر بہتر یہ ہے کہ ہم بات کرنے سے متعلق ظاہر آیات کے تناقض سے مربوط سوال کا وہی جواب دیں جو بہت سے مفسرین نے دیا ہے اور یہ کہ اس دن لوگ کئی مرحلوں سے گزریں گے کہ جن میں سے ہر ایک کی کچھ اپنی خصوصیات ہیں۔ کچھ مراحل میں ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی یہاں تک کہ ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی صرف ان کے اعضاء جسم کہ جن میں آثار اعمال محفوظ ہیں زبان بے زبانی سے کلام کریں گے لیکن دوسرے مراحل میں ان کی زبان کا قفل کھول دیا جائے گا اور وہ اذن الٰہی سے بات کریں گے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔ خطا کار ایک دوسرے کو ملامت کریں گے بلکہ ان کی کوشش یہ ہوگی کہ اپنے گناہ دوسرے کی گردن پر ڈال دیں۔

بہرحال آیت کے آخر میں تمام لوگوں کی دو گروہوں میں تقسیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: وہاں ایک گروہ شقی ہوگا اور دوسرا سعید، ایک گروہ بدبخت ہوگا اور دوسرا خوش بخت۔

بہرحال یہ شقاوت اور وہ سعادت دنیا میں انسانی اعمال، کردار، گفتار اور نیتوں کے نتیجے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

(۱۰۶) اس کے بعد شقاوت مندوں اور سعادت مندوں کے حالات کی تشریح بڑے جچے تلے انداز میں اور واضح عبارات کے ذریعے کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: رہے وہ جو شقاوت مند ہوئے، جہنم کی آگ میں زفیر و شہیق میں مبتلا ہیں، نالہ و فریاد اور شور وشین کرتے ہیں۔

(۱۰۷) مزید فرمایا وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین موجود ہیں۔ مگر جو کچھ تیرا پروردگار چاہے۔ کیونکہ خدا جس کام کا ارادہ کرتا ہے اسے انجام دیتا ہے۔

(۱۰۸) لیکن جو لوگ سعادت مند ہوئے جب تک آسمان و زمین موجود ہیں وہ ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔ مگر جو کچھ تیرے پروردگار کا ارادہ ہو۔ یہ بخشش و عطیہ ہے جو ان سے ہرگز منقطع نہ ہوگا۔

سعادت و شقاوت کے اسباب

سعادت جو تمام انسانوں کی گمشدہ چیز ہے اور اسے ہر کوئی ہر کسی چیز میں اور ہر جگہ تلاش کرتا پھرتا ہے۔ یہ ایک فرد یا معاشرے کے تکامل و ارتقاء کے اسباب فراہم کرنے کا نام ہے۔ اس کے مقابل شقاوت و بدبختی ہے جس سے سب نفرت کرتے ہیں اور وہ کامیابی، تکامل اور ارتقاء کے لئے درکار اسباب، حالات اور شرائط کے نامساعد ہونے کو کہتے ہیں۔

اس بناء پر جس کو روحانی، جسمانی، خاندانی، معاشرتی اور تمدنی لحاظ سے بلند تر اہداف تک پہنچنے کے لئے زیادہ اسباب حاصل ہوں وہ سعادت کے زیادہ نزدیک ہے یا دوسرے لفظوں میں زیادہ سعادتمند ہے۔ دوسری طرف جو شخص ان پہلوؤں کی کمی اور نارسائی میں گرفتار ہو وہ شقاوت مند اور بدبخت ہے اور سعادت سے بے بہرہ ہے۔

لیکن توجہ رہے کہ سعادت وشقاوت کی حقیقی بنیاد انسان کا اپنا ارادہ اور خواہش ہے۔ انسانی ارادہ ہی اپنی اصلاح بلکہ معاشرے کی اصلاح و درستی کے لئے ضروری وسائل فراہم کرسکتا ہے اور یہ انسان خود ہی بدبختی اور شقاوت کے عوامل کے خلاف جنگ کے لئے کھڑا ہو یا اس کے سامنے سرتسلیم خم کردے۔

انبیاء کی منطق میں سعادت وشقاوت کوئی ایسی چیز نہیں جو انسان کے لئے ذاتی ہو۔ یہاں تک کہ ماحول، خاندان اور وراثت بھی خود انسانی ارادے کے سامنے قابل تغیر ہیں مگر یہ کہ ہم خود انسانی ارادے اور آزادی کا انکار کردیں، اسے جبری شرائط وحالات کا محکوم قرار دے دیں اور اس کی سعادت یا شقاوت کو ذاتی یا ماحول وغیرہ کی جبری پیداوار سمجھیں حالانکہ یہ نظریہ قطعی طور پر مکتب انبیاء اور اسی طرح مکتب عقل کے نزدیک محکوم و مذموم ہے۔

یہ بات جاذب نظر ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے مروی روایات میں مختلف امور کی اسباب سعادت یا

اسباب شقاوت کے طور پر نشاندہی کروائی گئی ہے کہ جن کا مطالعہ انسان کو اس اہم مسئلے کے بارے میں اسلامی طرف فکر سے آشنا کرتا ہے اور انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ سعادت تک پہنچنے اور شقاوت سے بچنے کے لئے بیہودہ وخرافاتی مسائل اور غلط قسم کے خیالات اور طور طریقے کہ جو بہت سے معاشروں میں موجود ہوتے ہیں کا سہارا لینے کی بجائے اور بے بنیاد امور کو سعادت وشقاوت کے اسباب خیال کرنے کی بجائے حقائق غیبی اور سعادت کے اسباب حقیقی کی جستجو کرے۔

ابھی بہت سے افراد ہیں جو گھوڑے کی نعل کو خوش بختی کی علامت سمجھتے ہیں، تیرھویں کے دن کی بدبختی کا سبب جانتے ہیں، سال کی بعض راتوں میں آگ کے اوپر پرندہ اڑنے کو خوش بختی کی دلیل قرار دیتے ہیں، بعض راتوں میں پرندے کی آواز کو بدبختی مانتے ہیں، مسافر کی پشت کے پیچھے پانی چھڑکنے کو خوش بختی کا سبب سمجھتے ہیں، پرنالے کے نیچے سے گزرنے کو بدبختی کی علامت جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے ساتھ یا اپنے کسی ذریعہ آمدورفت کے ساتھ گھونگا آویزاں کرنے کو بھی خوش بختی کا سبب سمجھتے ہیں۔ چھینک آجائے تو اسے پیش نظر کام انجام دینے میں بدبختی کی علامت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح کی بہت سی خرافات ہیں جو مشرق ومغرب کی اقوام میں رائج ہیں۔

ایسے کتنے زیادہ انسان ہیں جو ان خرافات میں گرفتار ہونے کی وجہ سے زندگی میں فعالیت اور کارکردگی سے رہ گئے ہیں اور بے شمار مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔

اسلام نے ان تمام بیہودہ خیالات پر سرخ لکیر کھینچ دی ہے اور انسان کی سعادت وشقاوت کی بنیاد اس کے مثبت ومنفی کام اور اخلاقی قوت وکمزوری، طرز عمل، انداز فکر اور عقیدت کو قرار دیا ہے کہ جس کے نمونے مندرجہ بالا چار احادیث میں واضح طور پر بیان ہوئے ہیں۔

(۱۰۹) فَلَا تَکُ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّمَّا یَعۡبُدُ ہٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا یَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُہُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوۡہُمۡ نَصِیۡبَہُمۡ غَیۡرَ مَنۡقُوۡصٍ ع	جن معبودوں کی وہ پرستش کرتے ہیں، تم ان کے بارے میں شک میں نہ پڑنا۔ یہ ان معبودوں کی ایسے ہی پرستش کرتے ہیں جیسے پہلے ان کے آباءاجداد کرتے تھے اور ہم انہیں (عذاب میں سے) ان کا حصہ بے کم وکاست دیں۔
(۱۱۰) وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ فَاخۡتُلِفَ فِیۡہِ ؕ وَ لَوۡ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ مُرِیۡبٍ	ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب دی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اور اگر پہلے سے (ان کی آزمائش اور اتمام حجت کے بارے میں) اللہ کا فرمان نہ ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ ہوجاتا۔ اور یہ لوگ (مشرکین مکہ) اس (قرآن) کے بارے میں شک وشبہ میں ہیں۔

(۱۱۱)وَ اِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ	اور تیرا پروردگار ہر شخص کے عمل کا بدلہ بے کم و کاست اسے دے گا، وہ ان کی کارگزاری سے آگاہ ہے۔
(۱۱۲)فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ	لہٰذا تمہیں جس طرح حکم ہوا ہے، استقامت اختیار کرو اور اسی طرح وہ لوگ بھی تیرے ساتھ خدا کی جانب آئے ہیں اور سرکشی نہ کرو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔

تفسیر

استقامت کا دامن تھامے رہو

دراصل گذشتہ قوموں کے حالات سے جو اہم نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ اور ان کے بعد سچے مومنین دشمنوں کی کثرت سے خوفزدہ نہ ہوں اور جس بت پرست اور ظالم قوم کا انہیں سامنا ہے اس کی شکست کے بارے میں شک وشبہ میں نہ پڑیں اور خدائی امداد پر مطمئن رہیں

اسی لئے پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: اس چیز کے بارے میں شک وشبہ میں نہ پڑو جس کی یہ پرستش کرتے ہیں کیونکہ یہ بھی اسی راستے پر گامزن ہیں جس پر گزشتہ لوگوں کا ایک گروہ گیا ہے اور یہ بھی اسی طرح پرستش کرتے ہیں جیسے پہلے ان کے بڑے کیا کرتے تھے لہٰذا ان کا انجام ان سے بہتر نہیں ہوگا۔

لہٰذا بلا فاصلہ فرمایا ہے؟ ہم یقیناً سزا اور عذاب میں سے ان کا حصہ انہیں بے کم وکاست دیں گے اور اگر وہ راہِ حق کی طرف پلٹ آئیں تو ہماری جزا میں ان کا حصہ محفوظ ہے۔

دراصل یہ آیت اس حقیقت کو مجسم کرتی ہے کہ گزشتہ لوگوں کی جو سرگزشت ہم نے پڑھی ہے وہ ناول یا افسانہ نہیں تھا نیز وہ انجام گزشتہ لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ یہ ایک ابدی اور جاویدانی سنت ہے اور تمام انسانوں کے بارے میں ہے، کل آج اور آئندہ کل کے لئے البتہ یہ عذاب اور سزائیں بہت سی گزشتہ قوموں میں ہولناک اور عظیم بلاؤں کی صورت میں عمل پذیر ہوئیں۔

(۱۱۰) دوبارہ پیغمبر اکرم ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا گیا ہے: اگر تیری قوم تیری آسمانی کتاب کے بارے میں یعنی قرآن کے متعلق بہانہ جوئی کرتی ہے تو پریشان نہ ہو کیونکہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آسمانی کتاب (تورات) دی تھی، ان کی قوم نے اس میں اختلاف کیا بعض نے قبول کرلیا اور بعض نے انکار کر دیا۔

اگر تم دیکھتے ہو کہ تمہارے دشمنوں کو سزا دینے کے بارے میں ہم جلدی نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قوم کی تعلیم و

تربیت اور ہدایت کے حوالے سے جو مصلحتیں ہیں وہ ایسا تقاضا نہیں کرتیں اور اگر مصلحت نہ ہوتی اور وہ پروگرام جو تیرے پروردگار نے اس سلسلے میں پہلے سے شروع کررکھا ہے تاخیر کا تقاضا نہ کرتا تو لازماً ان کے درمیان فیصلہ ہوجاتا اور سزا انہیں دامن گیر ہوجاتی۔ اگرچہ انہیں اس حقیقت کا ابھی تک یقین نہیں آیا اور اس کے بارے میں اسی طرح شک وشبہ میں ہیں ایسا شک وشبہ جس میں سوءظن اور بدبینی کی آمیزش ہے۔

(۱۱۱) مزید تاکید کا اضافہ کیا گیا: تیرا پروردگار ان دو گروہوں (مومنین اور کافرین) میں سے ہر ایک کو ان کے اعمال کی پوری جزا دے گا اور ان کے اعمال بے کم وکاست خود انہی کی تحویل میں دے دے گا۔ خدا کے لئے یہ کام مشکل نہیں کیونکہ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے اور وہ جو کچھ بھی انجام دیتے ہیں اس سے باخبر ہے۔

یہ بات جاذبِ نظر ہے کہ فرمایا گیا ہے کہ ہم انہیں ان کے اعمال دے دیں گے اور یہ مسئلہ تجسیم اعمال کی طرف ایک اور اشارہ ہے اور اس بات کی نشاندہی ہے کہ جزا اور سزا در اصل انسان کے اعمال ہی کی مختلف شکل ہے اور جو اس تک پہنچ جاتے ہیں۔

(۱۱۲) گزشتہ انبیاء اور قوموں کی سرگزشت اور کامیابی کی رمز بیان کرنے کے بعد اور اسی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلجوئی اور ان کے ارادے کی تقویت کے بعد اس آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہم ترین حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے: استقامت اور پامردی اختیار کرو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

تبلیغ وارشاد کی راہ میں استقامت اختیار کرو، جہاد و پیکار کے راستے میں استقامت اختیار کرو، خدائی ذمہ داریوں کی انجام دہی اور تعلیمات قرآن کو عملی شکل دینے میں استقامت اختیار کرو۔ لیکن یہ استقامت اِسے اور اُسے خوش کرنے کے لئے نہ ہو، نہ ظاہر داری اور ریاکاری کے لئے ہو، بلکہ صرف اور صرف فرمان خدا کی خاطر ہو اور جس طرح تجھے حکم دیا گیا ہے اسی طرح ہونا چاہئے۔

لیکن یہ حکم صرف تجھ سے مربوط نہیں ہے تمہیں بھی استقامت کرنا چاہئے" اور تمام لوگ بھی جو شرک سے ایمان کی طرف لوٹے ہیں اور انہوں نے اللہ کی دعوت کو قبول کیا ہے۔

ایسی استقامت جو افراط وتفریط سے پاک ہو، جو کمی بیشی سے خالی اور جس میں سرکشی نہ ہو۔

کیونکہ خدا تمہارے اعمال سے آگاہ اور باخبر ہے اور کوئی حرکت وسکون، گفتگو اور پروگرام اس سے مخفی نہیں ہے۔

پرمعنی اور روح فرسا آیت

ابن عباس سے مروی ایک مشہور حدیث میں ہے:

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ شدید اور گراں آیت نازل نہیں ہوئی اسی لئے جب اصحاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے بال اتنی جلدی کیوں سفید ہوگئے اور پیری کے آثار اتنی جلدی کیوں نمایاں ہوگئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے سورہ ہود اور سورہ واقعہ نے بوڑھا کردیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس وقت یہ زیر بحث آیت نازل ہوئی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"شمروا، شمروا"

فمارئی ضاحکاً

دامن سمیٹ لو دامن سمیٹ لو (کہ کام اور کوشش کا وقت ہے)

اور اس کے بعد کبھی آپ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

اس کی دلیل بھی واضح ہے کیونکہ اس آیت میں چار اہم احکام موجود ہیں کہ جن میں سے ہر ایک انسان کے کندھے پر بارگراں کی مانند ہے۔

آج بھی ہم مسلمانوں کی ذمہ داری، خصوصاً رہبرانِ اسلام کی ذمہ داری کا خلاصہ یہی چار جملے ہیں۔ استقامت، خلوص، مومنین کی رہبری اور سرکشی وتجاوز سے اجتناب۔ اور ان اصولوں کو پلے باندھے بغیر ان دشمنوں پر کامیابی ممکن نہیں جنھوں نے داخلی اور خارجی طور پر ہمارا احاطہ کر رکھا ہے اور جو تمام ثقافتی، فرہنگی، سیاسی، اقتصادی، اجتماعی اور فوجی وسائل ہمارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔

(۱۱۳) وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ	ظالموں پر بھروسہ نہ کرو جو اس بات کا باعث ہوگا کہ آگ تمھیں چھو لے۔ تو اس حالت میں اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی و سرپرست نہیں ہوگا، نہ ہی تمہاری مدد کی جائے گی۔

تفسیر

ظالموں پر بھروسہ نہ کرو

یہ آیت ایک نہایت بنیادی، اجتماعی، سیاسی، فوجی اور نظریاتی لائحہ عمل بیان کر رہی ہے، تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کی ایک قطعی اور حتمی ذمہ داری کے طور پر ان سے کہا گیا ہے: ان لوگوں پر بھروسہ نہ کرو کہ جنھوں نے ظلم کیا ہے، نہ ان پر اعتماد کرو، نہ ان کا سہارا لو اور نہ ان پر تمہارا تکیہ ہو۔ کیونکہ اس کام کے سبب آتش جہنم کا عذاب تمھیں دامن گیر ہو جائے گا۔ اور خدا کے علاوہ کوئی تمہارا ولی، سرپرست اور یاور نہ ہوگا۔ اور واضح ہے کہ اس حالت میں کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا۔

کن امور میں ظالموں سے وابستگی نہیں کرنا چاہئے

واضح ہے کہ سب سے پہلے تو ان کے ظلم وستم میں شرکت نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی ایسے کام میں ان سے مدد لینا چاہئے۔ اس کے بعد ان چیزوں میں ان سے تعلق نہیں رکھنا چاہے جو اسلامی معاشرے میں ضعف وناتوانی کا باعث ہو، استقلال اور خود کفالت کھو دینے کا سبب ہو اور ایک عضو ناتواں اور وابستہ میں تبدیل کر دینے کا ذریعہ ہو۔ ایسے امور میں ان پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ایسے سہاروں کا نتیجہ اسلامی معاشروں کے لئے شکست، ناکامی اور کمزوری کے سوا اور کچھ نہیں۔

باقی رہا مثال کے طور پر مسلمانوں کا غیر مسلم معاشروں سے تجارتی یا علمی روابط اس بنیاد پر رکھنا کہ اسلامی معاشروں کے مفادات، استقلال اور ثبات محفوظ رہیں تو ایسے روابط ظالمین سے ''رکون'' اور وابستگی کے مفہوم میں داخل نہیں اور نہ ہی اسلام کی نظر میں ایسی کوئی چیز ممنوع ہے۔ خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور بعد کے ادوار میں ہمیشہ ایسے روابط موجود رہے ہیں۔

(۱۱۴)وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ ۚ	اور نماز کو دن کے دو اطراف اور ابتدائے رات میں بپا کرو۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں (اور ان کے آثار) کو برطرف کر دیتی ہیں۔ یہ تذکر (اور یاد دہانی) ہے ان لوگوں کے لئے جو اہل ذکر ہیں۔
(۱۱۵)وَ اصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ	اور صبر کرو اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

تفسیر

نماز اور صبر

ان آیات میں اسلامی احکام کے دو اہم ترین احکام کی نشاندہی کی گئی ہے جو درحقیقت روح ایمان اور رکن اسلام ہیں۔

پہلے نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے: نماز کو دن کے دو اطراف میں اور اوائل شب میں قائم کرو۔

''طرفی النھار'' (یعنی دن کے دو طرف) ظہراً یہ تعبیر صبح اور مغرب کی نماز کے بارے میں ہے جو دن کے دو اطراف میں قرار پائی ہیں۔ اور لفظ ''زلف'' کہ جو ''زلفہ'' کی جمع ہے نزدیکی کے معنی میں رات کے ابتدائی حصوں پر کہ جو دن کے قریب ہیں بولا جاتا ہے اس بناء پر یہ لفظ نماز عشاء پر منطبق ہوگا۔ روایات اہل بیت علیہم السلام میں بھی یہی تفسیر وارد ہوئی ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں تین نمازوں (فجر مغرب اور عشاء) کی طرف اشارہ ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پنجگانہ نمازوں میں سے صرف تین نمازوں (فجر، ظہر اور عشاء) کا ذکر کیوں ہوا ہے؟ اور ظہر و عصر کی نمازوں کے بارے میں گفتگو کیوں نہیں کی گئی؟

اس سوال کا جواب پیچیدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے ''طرفی النھار'' کا مفہوم اس قدر وسیع لیا ہے کہ اس میں فجر، ظہر، عصر اور مغرب سب کو شامل کر لیا ہے اور ''زلفا من اللیل'' کی تعبیر کہ جو نماز عشاء کے لئے ہے اس کے ساتھ پانچ نمازوں کی گنتی پوری کر لی ہے۔

اس کے بعد روزانہ نمازوں کے لئے خصوصاً اور تمام عبادات، اطاعات اور حسنات کے لئے عموماً فرمایا گیا ہے: نیکیاں

برائیوں کو برطرف کر دیتی ہیں۔اور یہ ان کے لئے تذکر اور یاد دہانی ہے جو توجہ رکھتے ہیں۔

نفسیاتی طور پر اس میں شک نہیں کہ ہر گناہ اور برا عمل انسانی روح میں ایک طرح کی تاریکی پیدا کر دیتا ہے اور اگر اسے جاری رکھا جائے تو اس کے پیہم اور تہ در تہ اثرات انسان کو ایک وحشت ناک صورت میں مسخ کر دیتے ہیں۔

لیکن نیک اعمال کہ جن کا سرچشمہ رضائے الٰہی ہوتا ہے روح انسانی کو ایک لطافت بخشتے ہیں کہ جو اس سے آثار گناہ دھو دیتے ہیں اور ان تاریکیوں کو روشنی میں بدل دیتے ہیں۔

نماز کی اہمیت

متعدد روایات جو مندرجہ بالا آیات کے ذیل میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے نقل ہوئی ہیں ان میں کچھ ایسی تعبیرات نظر آتی ہیں جو مکتب اسلام میں نماز کی اہمیت سے پردہ اٹھاتی ہیں ابی امامہ کہتے ہیں

ایک دن میں مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک گناہ کیا ہے کہ جس کی وجہ سے مجھ پر حد لازم ہو جاتی ہے۔وہ مجھ پر جاری کیجئے۔

حضرت نے پوچھا: کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟

اس نے عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

فرمایا: خدا نے تیرا گناہ یا تیری حد بخش دی۔

نیز حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے۔

''میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز کے انتظار میں تھا کہ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے ایک گناہ کیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا۔جب نماز ختم ہوئی تو وہی شخص پھر کھڑا ہوا اور پہلی بات دہرائی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے ہمارے ساتھ یہ نماز ادا نہیں کی ہے؟ اور اچھی طرح سے وضو نہیں کیا تھا؟

اس نے عرض کیا: کیوں نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؟ یہ تیرے گناہوں کا کفارہ ہے۔

بہرحال اس میں شک وشبہ نہیں کہ جب نماز اپنی تمام شرائط کے ساتھ انجام پائے تو انسان کو معنویت اور روحانیت کے ایک ایسے عالم میں لے جاتی ہے کہ اس کے ایمانی رشتے خدا کے ساتھ ایسے مستحکم کر دیتی ہے کہ آلودگیوں اور گناہوں کے آثار اس کے قلب و جان سے دھل جاتے ہیں۔

(۱۱۵) نماز کہ جو انسان ساز پروگرام ہے اور حسنات کی یہ تاثیر کہ وہ برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں، کے ذکر کے بعد اس آیت میں ''صبر'' کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے: صبر کرو کہ خدا نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

صبر کو جو اسلام کا ایک اساسی حکم ہے قرآن میں کئی مواقع پر اس کا ذکر نماز کے ساتھ آیا ہے۔ شاید ایسا اس بناء پر ہے کہ نماز انسان میں حرکت پیدا کرتی ہے اور صبر کا حکم مقاومت اور استقامت کو ضروری قرار دیتا ہے اور یہ دونوں (حرکت اور مقاومت) جب دوش بدوش ہوں تو ہر قسم کی کامیابی کا اصلی عامل بن جاتے ہیں۔

(۱۱۶) فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ	تم سے پہلے زمانوں (اور قوموں) میں طاقتور علماء کیوں نہیں تھے کہ جو زمین میں فساد کو روکتے، مگر یہ کہ ان میں بہت کم تھے جنہیں ہم نے نجات دی اور جو ظلم وستم کرتے تھے انہوں نے عیش وعشرت اور لذتوں کی پیروی کی اور وہ گنہگار تھے (پس وہ نابود ہو گئے)۔
(۱۱۷) وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ	اور ایسا نہ تھا کہ تیرا پروردگار آبادیوں کو ظلم وستم کے باعث نابود کرتا جبکہ ان کے باسی اصلاح کے درپے ہوتے۔

تفسیر

معاشروں کی تباہی

گزشتہ مباحث کی تکمیل کے لئے ان دو آیات میں ایک اہم نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ جو معاشروں کی تباہی سے نجات کا ضامن ہے اور وہ یہ کہ ہر معاشرے میں جب تک صاحبان عقل وفکر کا ایک متعہد اور ذمہ دار گروہ موجود ہے کہ جو مفاسد کو دیکھ کر ساکت اور خاموش ہو کر نہیں بیٹھ جاتا بلکہ ان کے خلاف مقابلے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور فکری ومکتبی حوالے سے لوگوں کی رہبری اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں یہ معاشرہ تباہی اور نابودی کی طرف نہیں جا سکتا۔

لیکن جب بے اعتنائی اور سکوت ہر سطح اور ہر طبقے میں حکم فرما ہو اور فساد اور برائی کے عوامل کے مقابلے میں معاشرے کا کوئی دفاع نہ ہو اور اس کا کوئی حامی ومددگار نہ ہو تو پھر فساد اور اس کے پیچھے پیچھے نابودی وتباہی یقینی ہے۔

پہلی آیت میں ان گزشتہ اقوام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار تھیں، ارشاد ہوتا ہے: تم سے پہلے کے قرنوں، امتوں اور قوموں میں ایسے نیک پاک طاقتور اور صاحب شعور لوگ کیوں نہ تھے کہ جو زمین میں فساد کو پھیلنے سے روکتے۔

اس کے بعد استثناء کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: مگر تھوڑے سے افراد کو جنہیں ہم نے نجات دی۔

یہ چھوٹا سا گروہ اگرچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہا۔ لیکن یہ لوگ لوط علیہ السلام اور ان کے چھوٹے سے خاندان کی مثل،

نوح علیہ السلام اوران کے چند ایمان لانے والوں کی طرح اور صالح علیہ السلام اوران کے چند پیروکاروں کی مانند۔ اتنے کم تھے اور اس قدر تھوڑے تھے کہ جو پورے معاشرے کی اصلاح نہ کر سکے۔

بہرحال ظالم کہ جن کی اس معاشرے میں کثرت تھی ناز و نعمت اور عیش و آرام کے پیچھے لگے رہے اور بادۂ غرور اور نعمتوں اور لذتوں میں اس طرح مست ہوئے کہ طرح طرح کے گناہوں میں جا پڑے۔

(۱۱۷) اس کے بعد اس حقیقت پر زور دینے کے لئے اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے: یہ جو تم دیکھ رہے ہو کہ خدا نے اس قوم کو دیار عدم کی طرف بھیج دیا تو اس بناء پر تھا کہ ان کے درمیان اصلاح کرنے والے نہ تھے، کیونکہ خدا کسی قوم و ملت اور شہر و دیار کو اس کے ظلم کی وجہ سے نابود نہیں کرتا اگر وہ اصلاح کی طرف قدم اٹھالے۔

دوسرے لفظوں میں جب معاشرہ ظالم ہو لیکن وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے تو ایسا معاشرہ باقی رہ جاتا ہے لیکن اگر ظالم ہو اور اصلاح کے لئے قدم نہ اٹھائے تو وہ باقی نہیں رہ سکتا۔

ایک اور نکتہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات میں ظلم و جرم کا ایک سرچشمہ ہوس رانی، لذت پرستی اور عیش و نوش کی پیروی کو قرار دیا ہے جسے قرآن میں "اتراف" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ بے قید و بے حد عیش کوشی اور لذت پرستی طرح طرح کے انحرافات کا سرچشمہ ہے جو معاشرے کے خوشحال طبقوں میں پیدا ہوتے ہیں کیونکہ شہوت کی مستی انہیں حقیقی انسانی اقدار اور اجتماعی حقائق کے ادراک سے روک دیتی ہے اور عصیان و گناہ میں غرق کر دیتی ہے۔

(۱۱۸) وَ لَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ	اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو (بغیر کسی اختلاف کے) ایک ہی جماعت قرار دے دیتا لیکن وہ ہمیشہ سے مختلف ہیں۔
(۱۱۹) اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ ؕ وَ لِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ ؕ وَ تَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّکَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ	مگر یہ کہ جس پر تیرا پروردگار رحم کرے اور اسی کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ اور تیرے پروردگار کا فرمان قطعی ہے کہ وہ جہنم کو جنوں اور انسانوں (میں سے سرکشوں اور نافرمانوں) سے بھر دے گا۔

تفسیر

پہلی زیر بحث آیت میں ایک سنت فطرت کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ جو دراصل انسان سے مربوط تمام مسائل کی حقیقی بنیاد ہے اور وہ ہے انسانوں کی روح، جسم، فکر، ذوق اور عشق کی عمارت میں اختلاف و فرق اور ارادہ و اختیار کی آزادی...... ارشاد ہوتا

ہے: اگر پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو امت واحد بنا دیتا لیکن خدا نے ایسا نہیں کیا اور ہمیشہ انسان ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

اس لئے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ انہیں اپنی اطاعت پر پروردگار کی تاکید اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے کہ ان سب کو ایک ہی راستے اور ایک ہی معین پروگرام پر چلاتا...... اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس میں کوئی رکاوٹ نہ تھی کہ وہ تمام انسانوں کو جبری طور پر ایک ہی طرز پر خلق کرتا اور وہ سب صاحبان ایمان ہوتے اور ایمان کو قبول کرنے پر مجبور ہوتے لیکن ایسے ایمان کا کوئی فائدہ نہ تھا اور نہ ہی جبری ایمان کی بنیاد پر ایسا اتحاد اور ہم آہنگی کہ جو غیر ارادی اسباب پر قائم ہو کسی کے مقام و مرتبہ کی دلیل ہے، نہ یہ حصول کمال اور تکامل کا ذریعہ ہے اور نہ ہی جزا و سزا کا موجب۔ بالکل ایسے جیسے خدا نے شہد کی مکھی کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے جبری حکم پر پھولوں کا شیرہ جمع کرتی ہے اور ملیریے کے مچھر کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ اکیلا سوراخوں میں آشیانہ بناتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی اس راستے میں خود سے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

اصولی طور پر انسان کی قدر و قیمت اور دوسرے موجودات سے اس کا اہم ترین امتیاز یہی ارادہ واختیار کی آزادی کی نعمت ہے، اسی طرح انسان میں مختلف ذوق، سلیقے، نظریات اور تصورات موجود ہیں کہ جن میں سے ہر ایک معاشرے کے ایک حصے کی تعمیر و اصلاح کرتا ہے اور اس کے کسی ایک تقاضے کو پورا کرتا ہے۔

جب انسان کو ارادے کی آزادی میسر آئی ہے تو پھر عقیدے اور مذہب و مکتب کے انتخاب میں اختلاف فطری بات ہے۔ اس اختلاف سے ایک گروہ راہِ حق کو قبول کر لیتا ہے اور دوسرا باطل کو اپنا لیتا ہے لیکن اگر انسانوں کی تربیت ہو اور وہ پروردگار کے دامن رحمت اور اس کی نعمتوں سے استفادہ کرتے ہوئے صحیح تعلیمات پالیں تو پھر تفاوت کے باوجود اور آزادی اختیار کے ہوتے ہوئے راہِ حق پر گامزن ہوں گے اگرچہ اس میں بھی وہ مختلف ہوں گے۔

(۱۱۹) اسی بناء پر اس آیت میں فرمایا گیا ہے: لوگ حق کو قبول کرنے کے بارے میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر وہ کہ رحمت پروردگار جن کے شامل حال ہے۔ لیکن یہ رحمت الٰہی کسی خاص گروہ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ سب لوگ (بشرطیکہ وہ چاہیں) اس سے استفادہ کر سکتے ہیں درحقیقت خدا نے لوگوں کو اس نعمت و رحمت کو قبول کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ جو لوگ رحمت الٰہی کے سائے میں آنا چاہتے ہیں ان کے لئے راستہ کھلا ہے، وہ رحمت کہ جس کا فیضان عقلی ادراک ہدایت انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعے سب کے لئے عام ہے اور اس نعمت و رحمت سے استفادہ اٹھائیں گے تو جنت اور ابدی سعادت کے دروازے ان کے سامنے کھل جائیں گے۔

اور اگر یہ صورت نہ ہوئی تو خدا کا فرمان صادر ہو چکا ہے کہ وہ سرکش و نافرمان جنوں اور انسانوں سے جہنم کو بھر دے گا۔

(۱۲۰)وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ	ہم نے پیغمبروں میں سے ہر ایک کی سرگزشت تم سے بیان کی تا کہ تمہارا دل آرام وسکون پائے (اور تمہارا ارادہ قوی ہو) ان واقعات میں مومنین کے لئے حق، نصیحت اور یاددہانی ہے۔
(۱۲۱)وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۙ	اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے کہہ دو: جو کچھ تمہارے بس میں ہے اسے انجام دو ہم بھی (اپنی جگہ) انجام دیتے ہیں۔
(۱۲۲)وَ انْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ	اور انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں۔
(۱۲۳)وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۧ	اور آسمانوں اور زمینوں کے غیب (اور مخفی اسرار) اللہ کے لئے ہیں، تمام امور کی بازگشت اسی کی طرف ہے، اس کی پرستش کرو اور اس پر توکل کرو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو تمہارا پروردگار اس سے غافل نہیں ہے۔

تفسیر

گزشتگان کے واقعات کے مطالعہ کے چار اثرات

ان آیات کے ساتھ ہی سورہ ہود اختتام پذیر ہوتی ہے۔ ان آیات میں اس سورہ کی تمام مباحث کا کلی نتیجہ بیان ہوا ہے۔ اس سورہ کا چونکہ زیادہ حصہ انبیاء کے بارے میں اور گزشتہ اقوام کے عبرت ناک واقعات کے بارے میں ہے لہٰذا یہاں ان داستانوں کے گراں بہا نتائج کو چار عنوانات کے تحت بطور خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے ہم نے انبیاء کے مختلف واقعات تجھ سے بیان کئے ہیں تا کہ تیرے دل کو مضبوط کریں اور تیرے ارادے

کوتقویت دیں۔

لفظ'' کلا'' ان سرگزشتوں کے تنوع اوران کی مختلف اقسام کی طرف اشارہ ہے۔ان میں سے ہرایک میں انبیاء سے ایک قسم کی روگردانی، ایک قسم کے انحرافات اورایک قسم کے عذاب کی طرف اشارہ ہے۔ یہ تنوع انسانی زندگی کے مختلف زاویوں اور گوشوں پر کئی طرح سے واضح روشنی ڈالتا ہے۔

اس کے بعدان واقعات کا بیان کرنے کے دوسرے عظیم نتیجے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: ان واقعات انبیاء میں زندگی سے مربوط حقائق ہیں ان میں کامیابی اورناکامی کے عوامل تمام تر تجھ سے بیان کردیئے گئے ہیں۔

ان واقعات کے بیان کرنے کا تیسرااور چوتھا نتیجہ جوواضح ہوکر سامنے آتا ہے یہ ہے کہ ''مومنین کے لئے وعظ ونصیحت اور تذکرہ ویاددہانی ہے''

بہرحال یہ آیت دوبارہ تاکید کرتی ہے کہ قرآن کے تاریخی واقعات کومعمولی نہ سمجھا جائے اوران سے سننے والوں کی ضیافت طبع کے لئے استفادہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ زندگی کے بہترین دروس کا مجموعہ ہیں۔ان میں انسانوں کے آج اورکل کے لئے تمام زاویوں اور پہلوؤں سے راہ کشائی کی گئی ہے۔

(۱۲۱) اس کے بعد حضرت پیغمبرﷺ کوحکم دیا گیا ہے کہ تم بھی دشمن کی طرف سختیوں اورہٹ دھرمیوں کے مقابلے میں وہی کہو کہ جوبعض پیغمبران کے جواب میں کہتے تھے۔فرمایا: وہ کہ جوایمان نہیں لائیں گے ان سے کہہ دو کہ جوکچھ تمہارے بس میں ہے وہ انجام دواورکوئی گنجائش نہ چھوڑواور جوکچھ ہماری طاقت ہوگی ہم بھی انجام دیں گے۔

(۱۲۲) تم انتظار میں رہواور ہم بھی انتظار کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ کون کامیاب ہوتا ہےاورکون ہزیمت اٹھاتا ہے۔

(۱۲۳) اس سورہ کی آخری آیت توحید (توحید علم، توحید افعال اورتوحید عبادت) بیان کررہی ہے جیسا کہ اس سورہ کی ابتدائی آیات علم توحید کے بارے میں تھیں۔

درحقیقت اس آیت توحید کے تین پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

پہلا.................. پروردگار کی توحید علمی۔آسمانوں اورزمینوں کے غیبی اسرار خدا کے ساتھ مخصوص ہیں اوروہی ہے جوتمام آشکارونہاں بھیدوں سے باخبر ہے۔اورآسمانوں کے غیر کا علم محدود ہےاورمحدود ہونے کے علاوہ مرہون منت ہےاورخدا کی طرف سے ہے۔اس بناء پر یہ لامحدود علم اورزمین وآسمان کے طول وعرض میں موجودتمام چیزوں کے بارے میں وہ علم ذاتی پروردگار کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے۔

دوسرا یہ کہ............تمام امور کی باگ ڈوراس کے قبضۂ قدرت میں ہےاورتمام چیزوں کی بازگشت بھی اسی کی طرف ہے۔

اور یہ توحید افعال کا مرحلہ ہے۔

تیسرا یہ کہ............اب جبکہ لامحدود علم اور بے پایاں قدرت اس کی ذات پاک سے مخصوص ہے اور ہر چیز کی بازگشت اس کی طرف ہے لہٰذا صرف اس کی پرستش کرو۔ اور اس پر توکل کرو۔ اور یہ توحید عبادت کا پہلو ہے۔

اور چونکہ نافرمانی و سرکشی گناہ ہے لہٰذا اس سے بچو کیونکہ "جو کچھ تم انجام دیتے ہو خدا اس سے غافل نہیں ہے۔

سورہ یوسف

یہ سورہ مکی ہے

اوراس کی......111 آیات ہیں

چند ضروری امور

اس سورہ کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے چند امور کا ذکر ضروری ہے۔

ا۔سورہ یوسف کہاں نازل ہوئی؟

اس بارے میں کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی مفسرین میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ صرف ابن عباس سے منقول ہے کہ اس کی چار آیات (پہلی تین آیات اور ایک ساتویں آیات) مدینہ میں نازل ہوئیں۔

اس سورہ کی چند آخری آیات کے سوا تمام آیات خدا کے پیغمبر حضرت یوسف کے نام سے موسوم ہے نیز اسی بناء پر قرآن مجید میں جو مجموعاً حضرت یوسف کا نام ۲۷ مرتبہ آیا ہے اس میں سے ۲۵ مرتبہ اسی سورۃ میں ذکر ہوا ہے۔صرف دو مواقع پر دیگر سورتوں (سورہ غافر آیہ۳۴ اور سورۂ انعام آیہ۸۴) میں آپ کا نام آیا ہے۔

قرآن کی دیگر سورتوں کے برعکس اس سورہ کا پورا مضمون ایک دوسرے سے مربوط اور ایک واقعہ کے نشیب وفراز سے متعلق ہے۔دس سے زیادہ حصوں میں بیان ہونے والی یہ داستان نہایت واضح، جاذب، جچی تلی، عمیق اور ہیجان خیز ہے۔

بے ہدف داستان پردازوں نے یا پست اور غلیظ مقاصد رکھنے والوں نے اس اصلاح کنندہ واقعہ کو ہوس بازوں کے لئے ایک عشقیہ داستان بنانے اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے واقعات کے حقیقی چہرے کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔یہاں تک کہ انہوں نے اسے ایک رومانی فلم بنا کر پردہ سیمیں پر پیش کرنا چاہا ہے۔لیکن قرآن کہ جس کی ہر چیز نمونہ اور اسوہ ہے اس واقعے کے مختلف مناظر پیش کرتے ہوئے اعلیٰ ترین عفت و پاکدامنی، خودداری، تقویٰ، ایمان اور ضبط نفس کے درس دیئے ہیں۔اس طرح سے کہ ایک شخص اسے جتنی مرتبہ بھی پڑھے ان قوی جذبوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اسی بناء پر قرآن نے اسے ''احسن القصص''(بہترین داستان) جیسا خوبصورت نام دیا ہے اور اس میں ''اولو الالباب''(صاحبان فکر ونظر) کیلئے کئی عبرتیں بیان کی ہیں۔

۲۔سورہ یوسف قرآن کا ایک اور اعجاز

اس سورہ آیات میں غور وفکر سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن تمام پہلوؤں سے معجزہ ہے اور اپنے واقعات میں وہ جو ہیرو پیش کرتا ہے وہ حقیقی ہیرو ہوتے ہیں نہ کہ خیالی......کہ جن میں سے ہر ایک اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے نظیر ہوتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام :وہ بت شکن ہیرو، جن کی روح بلند تھی اور جو طاغوتیوں کی کسی سازش

نوح علیہ السلام :طویل اور پر برکت عمر میں۔صبر واستقامت، پامردی اور دلسوزی کے ہیرو۔

موسیٰ علیہ السلام :وہ ہیرو کہ جنہوں نے ایک سرکش اور عصیان گر طاغوت کے مقابلے کے لئے تیار کرلیا۔

یوسف علیہ السلام :ایک خوبصورت، ہوس باز اور حیلہ گر عورت کے مقابلے میں پاکیزگی ہیرو۔

اس واقعے میں قرآنی وحی کی قدرت بیان اس طرح جھلکتی ہے کہ انسان حیرت زدہ ہو جاتا کہتے ہیں کئی مواقع پر یہ واقعہ عشق کے بہت ہی باریک مسائل تک جا پہنچتا ہے۔ اور ایک طرف گزرے بغیر ان تمام مناظر کو ان کی باریکیوں کے ساتھ اس طرح سے بیان کرتا ہے کہ پھر منفی اور غیر مطلوب احساس پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن تمام واقعات کے متن سے گزرتا ہے تقویٰ و پاکیزگی کی قوی شعاعوں نے مباحث کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد

اس میں شک نہیں کہ قبل از لوگوں میں مشہور تھی کیونکہ تورات میں سفر پیدائش چودہ فصلوں (فصل ۳۷ تا ۵۰) میں ہے البتہ ان چودہ فصلوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تورات سے بہت ہی مختلف ہے ان اختلافات کے موازنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ حد تک پیراستہ اور ہر قسم کے خرافات سے پاک ہے۔ یہ جو قرآن پیغمبر سے کہتا ہے اس عبرت انگیز داستان کی خالص واقعیت سے ان کی عدم آگہی کی طرف اشارہ ہے (مراد واقعہ یوسف ہو)۔

بہر حال اسلام کے بعد بھی یہ واقعہ مشرق و مغرب کے مورخین کی تحریروں میں بعض اوقات حاشیہ آرائی کے ساتھ آیا ہے۔ فارسی اشعار میں سب سے پہلے یوسف زلیخا کے قصے کی نسبت فردوسی کی طرف دی جاتی ہے اس کے بعد شہاب الدین عمق اور مسعودی قمی کی یوسف زلیخا ہے اور ان کے بعد نویں صدی کے مشہور شاعر عبدالرحمٰن جامی کی یوسف زلیخا ہے۔

۴۔ داستان یوسف ایک ہی جگہ کیوں بیان ہوئی؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ دیگر انبیاء کے واقعات کے برعکس حضرت یوسف کا واقعہ ایک ہی جگہ کیوں بیان ہوا ہے حضرت یوسف کے واقعہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ یہ تمام ایک ہی جگہ بیان ہوا ہے جبکہ اس کے برعکس باقی انبیاء کے حالات زندگی علیحدہ علیحدہ حصوں کی شکل میں قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۵۔ سورہ یوسف کی فضیلت

اسلامی روایات میں اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں مختلف فضائل مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

> ''جو شخص ہر روز یا ہر شب سورہ یوسف کی تلاوت کرے گا، خدا اسے روز قیامت اس حالت میں اٹھائے گا۔ کہ اس کا حسن و جمال حضرت یوسف علیہ السلام کا سا ہوگا اور اسے روز قیامت کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور وہ خدا کے بہترین صالح اور نیک بندوں میں سے ہوگا''

ہم نے بارہا کہا ہے کہ قرآن کی سورتوں کی فضیلت میں جو روایات آئی ہیں ان کا مطلب سطحی مطالعہ نہیں ہے اور ان کا مقصد یہ نہیں کہ بغیر غور و فکر کہ جو عمل کا سر آغاز ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے
(۱)الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۟	الر۔وہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔
(۲)اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ	ہم نے اس پر عربی (زبان میں) قرآن نازل کیا ہے تا کہ تم سمجھو(اور غور وفکر کرو)
(۳)نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ	ہم نے تیرے سامنے بہترین واقعہ بیان کیا ہے تجھ پر اس قرآن کی وحی کر کے اگر چہ اس سے پہلے تو ناواقفوں میں سے تھا۔

تفسیر

داستان یوسف علیہ السلام۔احسن القصص ہے

اس سورہ کا آغاز بھی حروف مقطعات (الف۔لام۔را) سے ہوا ہے کہ جو عظمت قرآن کی نشانی ہے اور اس بات کی مظہر ہے کہ یہ عمیق اور معنی خیز آیات حروف الف با کے سادہ ترین اجزاء سے ترکیب دی گئی ہیں۔

شاید یہی وجہ ہے کہ حروف مقطعات کے فوراً بعد عظمت قرآن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ واضح وروشن کتاب کی آیات ہیں۔وہ کتاب جو ضوفشاں ہے،حق کو باطل سے جدا کر کے دکھانے والی ہے،صراط مستقیم کی رہنما ہے اور نجات و کامیابی کا راستہ بتانے والی ہے۔

(۲) باقی رہا قرآن کا عربی میں ہونا تو اس کی شہادت دنیا کی مختلف زبانوں کا مطالعہ کرنے والوں نے دی ہے کہ یہ ایسی وسیع زبان ہے کہ جو لسان وحی کی ترجمان ہو سکتی ہے اور خدا کی باتوں کے مفہوم اور باریکیوں کو واضح کرتی ہے اس کے علاوہ مسلّم ہے کہ اسلام نے جزیرہ عربستان سے طلوع کیا ہے کہ جو تاریکی،ظلمت،وحشت اور بربریت کا مرکز ہے۔ظاہر ہے سب سے پہلے اسے وہاں کے لوگوں ہی کو اپنے گرد جمع کرنا تھا اور اسے اس طرح سے گویا واضح ہونا چاہئے تھا کہ ان پڑھ اور علم ودانش سے بے بہرہ افراد کو تعلیم دیتا اور تعلیم ہی کے ذریعے انہیں تبدیل کرتا اور اس دین کے نفوذ کے لئے ایسا حقیقی بیج بوتا کہ دنیا کے تمام علاقے اس کے زیر سایہ آجاتے۔

البتہ قرآن ایسی زبان کا حامل ہونے کے باوجود ساری دنیا کے لوگوں کے لئے قابل فہم نہیں ہے (اور اگر کسی اور زبان میں ہوتا تو پھر بھی یہی کچھ ہوتا) کیونکہ ہمارے پاس کوئی عالمی زبان نہیں ہے کہ جسے ساری دنیا کے لوگ سمجھتے ہوں لیکن یہ بات ساری دنیا کے باقی لوگوں کیلئے اس کے تراجم کے ذریعے اس سے فائدہ اٹھانے میں رکاوٹ نہیں ہے یا اس سے بالاتر یہ بات اس میں بھی رکاوٹ نہیں کہ لوگ اس زبان سے تدریجی طور پر آشنا ہو کر خود آیات کو سمجھ سکیں اور مفاہم وحی کا اسی کے الفاظ میں ادراک کر سکیں۔

ضمنی طور پر پے در پے یہ تعبیرات تمام مسلمانوں کے لئے اس ذمہ داری کا تعین کرتی ہیں کہ وہ سب کوشش کریں اور عربی زبان کو اپنی دوسری زبان کے طور پر سیکھیں اس لئے کہ یہ وحی کی زبان ہے اور حقائق اسلام سمجھنے کی کلید ہے۔

(۳) اس کے بعد فرمایا گیا ہے: ہم وحی کے ذریعے اور یہ قرآن بھیج کر تم سے ایک بہترین قصہ بیان کر رہے ہیں اگرچہ اس سے پہلے تو غافلین میں سے تھا۔

بعض مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ احسن القصص پورے قرآن کی طرف اشارہ ہے اور وہ "بما او حسینا الیک ھذا القر آن" کو اس کے لئے قرینہ قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لفظ قصہ یہاں صرف داستان اور واقعہ کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اصل لغت کے لحاظ سے کسی چیز کے آثار کی جستجو کرنے کے معنی میں ہے اور جو چیز ایک دوسرے کے پیچھے ہو عرب اسے قصہ کہتے ہیں اور چونکہ ایک موضوع کو بیان کرتے وقت کلمات اور جملے پے در پے بیان ہوتے ہیں اس لئے اس کام کو قصہ کہا جاتا ہے۔ بہر حال خدا نے اس قرآن کو احسن القصص قرار دیا ہے کہ جس کا بیان نہایت زیبا ہے اور جس کے الفاظ انتہائی فصیح و بلیغ ہیں اور جس کے الفاظ کے معانی نہایت اعلی اور عمیق ترین ہیں جو ظاہری نظر سے بہت زیبا، انتہائی شیریں اور خوشگوار اور جو باطنی لحاظ سے بہت ہی معنی خیز ہے

لیکن اس کے بعد کی آیات جن میں حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت بیان کی گئی ہے کا تعلق زیر بحث آیت سے ایسا ہے کہ ذہن انسانی زیادہ تر اسی معنی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور خدا نے حضرت یوسف کے واقعے کو احسن القصص کا نام دیا ہے یہاں تک کہ شاید اس سورہ کی ابتدائی آیات کا مطالعہ کرتے وقت بہت سے لوگوں کے ذہن میں اس معنی کے علاوہ کوئی دوسرا مفہوم نہیں آئے گا۔ مگر ہم نے بارہا کہا ہے کہ کوئی مانع نہیں کہ ایسی آیات دونوں معانی بیان کرنے کے لئے ہوں قرآن بھی بطور عموم احسن القصص ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان بھی بطور خصوص احسن القصص ہے۔

انسانی زندگی پر داستان یوسفؑ کا اثر

قرآن کا بہت سا حصہ گزشتہ قوموں کی سرگزشت اور گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات زندگی کی صورت میں ہے۔ اس پہلو پر نظر کرنے سے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ایک تربیت کنندہ اور انسان ساز کتاب میں یہ سب تاریخ اور داستان کیوں ہیں؟ لیکن ذیل کے چند نکات کی طرف توجہ کرنے سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے:

تاریخ انسانی زندگی کے مختلف مسائل کی تجربہ گاہ ہے اور جو چیزیں انسان عقلی دلائل سے اپنے ذہن میں منعکس کرتا ہے انہیں تاریخ کے صفحات میں عینی صورت کھلا ہوا پاتا ہے اور اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ معلومات میں سے زیادہ قابل اعتماد وہ ہیں جو حسی پہلو رکھتی ہیں۔ واقعات زندگی میں تاریخ کا اثر واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے انسان اپنی آنکھوں سے صفحات تاریخ میں اختلاف و انتشار کی وجہ سے کسی قوم کی مرگ بار شکست دیکھتا ہے اور اسی طرح اتحاد و ہم بستگی کے باعث کسی دوسری قوم کی درخشاں کامیابی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ تاریخ اپنی زبان بے زبانی سے ہر قوم کے مکتب، روش اور طرز عمل کے قطعی اور نا قابل انکار نتائج بیان کرتی ہے۔

داستان اور تاریخ ہر شخص کے لئے قابل فہم ہے جبکہ؛ اس کے برعکس عقلی استدلات کی رسائی میں سے لوگ برابر کے شریک

نہیں ہیں۔

اسی لئے وہ کتاب کہ جو عمومیت رکھتی ہے اور سب کے لئے ہے، نیم وحشی، ان پڑھ عرب کے بیابانی بدو سے لے کر عظیم مفکر اور فلسفی تک کے استفادہ کے لئے ہے اسے حتمی طور پر تاریخ، داستانوں اور مثالوں کا سہارا لینا چاہئے۔

ان تمام پہلوں کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ تمام تاریخیں اور داستانیں بیان کر کے قرآن نے تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بہترین راستہ اپنایا ہے۔

خصوصاً اس نکتے کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ قرآن نے کسی موقع پر بھی خالی تاریخی واقعات ہی بیان نہیں کر دیئے بلکہ ہر قدم پر اس سے نتائج اخذ کئے ہیں اور اس سے تربیتی حوالے سے استفادہ کیا ہے چنانچہ آپ اسی سورت میں اس کے کئی نمونے دیکھیں گے۔

(۴)اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُهُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ	وہ وقت (یاد کرو) جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: ابا جان میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند میرے سامنے سجدہ کر رہے ہیں۔
(۵)قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡیَاکَ عَلٰۤی اِخۡوَتِکَ فَیَکِیۡدُوۡا لَکَ کَیۡدًا ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ	(یعقوب نے) کہا: اے میرے بیٹے اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ تیرے لئے خطرناک سازش کریں گے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔
(۶)وَ کَذٰلِکَ یَجۡتَبِیۡکَ رَبُّکَ وَ یُعَلِّمُکَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَ یُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ کَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤی اَبَوَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ۬	اور اس طرح تیرا پروردگار تجھے منتخب کرے گا، تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا او اپنی نعمت تجھ پر اور آل یعقوب پر تمام کرے گا جیسے اس سے پہلے تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق پر تمام کی ہے، تیرا پروردگار عالم اور حکیم ہے

تفسیر

امید کی کرن اور مشکلات کی ابتداء

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کا آغاز قرآن ان کے عجیب اور معنی خیز خواب سے کرتا ہے کیونکہ یہ خواب دراصل حضرت یوسف کی تلاطم خیز زندگی کا پہلا موڑ شمار ہوتا ہے۔

ایک دن صبح سویرے آپ بڑے شوق اور وارفتگی سے باپ کے پاس آئے اور انہیں ایک نیا واقعہ سنایا جو ظاہر کوئی زیادہ اہم نہ تھا لیکن درحقیقت ان کی زندگی میں ایک تازہ باب کھلنے کا پتہ دے رہا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: ابا جان میں نے کل رات گیارہ ستاروں کو دیکھا کہ وہ آسمان سے نیچے اترے، سورج اور چاند ان کے ہمراہ تھے، سب کے سب میرے پاس آئے اور میرے سامنے سجدہ کیا۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب شب جمعہ دیکھا تھا کہ جو شب قدر بھی تھی (وہ رات جو مقدرات کے تعین کی رات ہے)

یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ خواب دیکھا اس وقت آپ کی عمر کتنے سال تھی، اس سلسلے میں بعض نے نو سال، بعض نے بارہ سال اور بعض نے سات سال عمر لکھی ہے جو بات مسلّم ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت آپ بہت کم سن تھے۔

البتہ واضح ہے کہ سجدہ سے یہاں مراد خضوع اور احترام ہے ورنہ سورج، چاند اور ستاروں کے لئے سجدے کا مفہوم عام انسانوں کے سجدے کا سا نہیں ہے۔

(۵) اس ہیجان انگیز اور معنی خیز خواب پر خدا کے پیغمبر یعقوب علیہ السلام فکر میں ڈوب گئے کہ سورج اور چاند اور آسمان کے ستارے، وہ بھی گیارہ ستارے نیچے اترے اور میرے بیٹے یوسف کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے، یہ کس قدر معنی آفریں ہے۔ یقیناً سورج اور چاند میں اور اس کی ماں (یا میں اور اس کی خالہ) ہیں اور گیارہ ستارے اس کے بھائی ہیں میرے بیٹے کی قدر و منزلت اور مقام اس قدر بلند ہوگا کہ آسمان کے ستارے، سورج اور چانداس کے آستانہ پر جبہہ سائی کریں گے۔ یہ بارگاہ الٰہی میں اس قدر عزیز اور باوقار ہوگا کہ آسمان والے بھی اس کے سامنے خضوع کریں گے کتنا پرشکوہ اور پرکشش خواب ہے۔

لہٰذا پریشانی اور اضطراب میں کہ جس میں ایک مسرت بھی تھی، اپنے بیٹے سے کہنے لگے میرے بیٹے اپنا یہ خواب بھائیوں کو نہ بتانا کیونکہ وہ تیرے خلاف خطرناک سازش کریں گے۔

میں جانتا ہوں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے وہ موقع کی تاڑ میں ہے تا کہ اپنے وسوسوں کا آغاز کرے، کینہ وحسد کی آگ بھڑکائے یہاں تک کہ بھائیوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنادے۔

(۶) لیکن یہ خواب صرف مستقبل میں یوسف علیہ السلام کے مقام کی ظاہری و مادی عظمت بیان نہیں کرتا تھا بلکہ نشاندہی کرتا تھا کہ وہ مقام نبوت تک بھی پہنچیں گے کیونکہ آسمان والوں کا سجدہ کرنا آسمانی مقام کے بلندی پر پہنچنے کی دلیل ہے اسی لئے تو ان کے پدر بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام نے مزید کہا اور اس طرح تیرا پروردگار تجھے منتخب کرے گا۔ اور تجھے تعبیر خواب کا علم دے گا۔

اور اپنی نعمت تجھ پر اور آل یعقوب پر تمام کرے گا جیسے اس نے قبل ازیں تیرے باپ ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پر تمام کی ہے۔ ہاں! تیرا پروردگار عالم ہے اور حکمت کے مطابق کام کرتا ہے۔

خواب دیکھنا

رؤیا اور خواب دیکھنے کا مسئلہ ایسے مسائل میں سے رہا ہے جنہوں نے عام افراد اور اہل علم کی فکر و نظر کو کئی پہلوؤں سے اپنی طرف مبذول رکھا ہے۔

یہ اچھے اور برے، وحشت ناک اور دلپذیر، سرور آفریں اور غم انگیز مناظر جو انسان خواب میں دیکھتا ہے کیا ہیں؟

کیا یہ گزشتہ زمانے سے مربوط ہیں اور ان مناظر نے بیتے ہوئے زمانے میں انسانی روح کی گہرائیوں میں آشیانہ بنایا تھا یہ تغیرات کا مظہر ہیں یا آئندہ زمانے سے مربوط ہیں کہ جن کی فلم انسانی روح مخفی طریقے سے اپنے حساس کیمروں کے ذریعے بنالیتی ہے یا پھر یہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں کہ جن میں سے بعض کا تعلق گزشتہ سے ہے اور بعض کا آئندہ سے اور بعض ان آرزوؤں اور تمناؤں کا عکس ہیں کہ جو پوری نہیں ہو سکیں۔

متعدد آیات میں قرآن تصریح کرتا ہے کہ کم از کم کچھ خواب ایسے ہیں کہ جو مستقبل قریب کی عکاسی کرتے ہیں۔

واضح ہے کہ شیطانی خواب کچھ بھی نہیں ہیں کہ ان کی کوئی تعبیر ہو۔ البتہ رحمانی خواب کہ جو بشارت کا پہلو رکھتے ہیں یقیناً ایسے ہوتے ہیں کہ جو آئندہ کے کسی مسرت بخش واقعے سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

(۷)لَقَدۡ کَانَ فِیۡ یُوۡسُفَ وَ اِخۡوَتِہٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیۡنَ	یوسف اور ان کے بھائیوں (کے واقعہ) میں سوال کرنے والوں کیلئے (ہدایت کی) نشانیاں تھیں۔
(۸)اِذۡ قَالُوۡا لَیُوۡسُفُ وَ اَخُوۡہُ اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیۡنَا مِنَّا وَ نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِۣ ۚۖ	جس وقت کہ (بھائیوں نے) کہا: یوسف اور اس کا بھائی (بنیامین) باپ کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم زیادہ طاقتور ہیں، یقیناً ہمارا باپ کھلی گمراہی میں ہے۔
(۹)اقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡہُ اَرۡضًا یَّخۡلُ لَکُمۡ وَجۡہُ اَبِیۡکُمۡ وَ تَکُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ قَوۡمًا صٰلِحِیۡنَ	یوسف کو قتل کر دو یا اسے دور دراز کی زمین میں پھینک آؤ تا کہ باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو اور اس کے بعد (اپنے گناہ سے توبہ کر لینا اور) نیک بن جانا۔

(۱۰)قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَ اَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيَابَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ	ان میں سے ایک نے کہا: یوسف کو قتل نہ کرو اور اگر کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو اسے اپنے ساتھ کسی دور کے مقام پر لے جاؤ۔

تفسیر

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی سازش

یہاں سے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش شروع ہوتی ہے۔پہلی آیت میں ان بہت سے اصلاحی دروس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اس داستان میں موجود ہیں۔ارشاد ہوتا ہے یقیناً یوسف اور اس کے بھائیوں کی داستان میں سوال کرنے والوں کے لئے نشانیاں تھیں۔

اس بارے میں کہ ان سوال کرنے والوں سے کون سے اشخاص مراد ہیں،بعض مفسرین (مثلاً قرطبی نے تفسیر جامع میں اور دوسرے حضرات نے) کہا ہے کہ یہ سوال کرنے والے مدینہ کے یہودیوں کی ایک جماعت تھی جو اس سلسلے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف سوالات کیا کرتے تھے لیکن ظاہری طور پر آیت مطلق ہے اور کہتی ہے کہ اس واقعے میں تمام جستجو کرنے والوں کے لئے آیات،نشانیاں اور دورس چھپے ہوئے ہیں۔

اس سے بڑھ کر کیا درس ہوگا کہ چند طاقتور افراد ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کہ جس کا سرچشمہ حسد تھا،ظاہراً ایک کمزور اور تنہا شخص کو نابود کرنے کے لئے اپنی تمام تر کوشش صرف کرتے ہیں مگر اسی کام سے انہیں خبر نہیں ہوتی کہ وہ اسے ایک حکومت کے تخت پر بٹھا رہے ہیں اور ایک وسیع مملکت کا فرماں روا بنا رہے ہیں اور آخر کار وہ سب اس کے سامنے سر تعظیم و تسلیم خم کرتے ہیں۔یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ جب خدا کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اس کام کو اس کے مخالفین کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچا دے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ایک پاک اور صاحب ایمان انسان اکیلا نہیں ہے اور اگر سارا جہاں اس کی نابودی پر کمر باندھ لے لیکن خدا نہ چاہے تو کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

(۸) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ان میں یوسف علیہ السلام اور بنیامین ایک ماں سے تھے۔ان کی والدہ کا نام راحیل تھا۔یعقوب علیہ السلام ان دونوں بیٹوں سے خصوصاً یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ ایک تو یہ ان کے چھوٹے بیٹے تھے لہٰذا فطرتاً زیادہ توجہ اور محبت کے محتاج تھے اور دوسرا ان کی والدہ راحیل۔فوت ہو چکی تھیں اس بناء پر بھی انہیں زیادہ محبت کی ضرورت تھی علاوہ ازیں خصوصیت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام میں نابغہ اور غیر معمولی شخصیت ہونے کے آثار نمایاں تھے۔مجموعی طور پر ان سب باتوں کی بناء پر حضرت یعقوب علیہ السلام واضح طور پر ان سے زیادہ پیار محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔

حاسد بھائیوں کی توجہ ان پہلوؤں کی طرف نہیں تھی اور وہ اس پر بہت ناراحت اور ناراض تھے خصوصاً شاید ماؤں کے الگ

الگ ہونے کی وجہ سے بھی فطرتاً ان میں رقابت موجود تھی لہٰذا وہ اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ یوسف اور اس کے بھائی کو باپ ہم سے زیادہ پیار کرتا ہے حالانکہ ہم طاقتور اور مفید لوگ ہیں اور باپ کے امور کو بہتر طور پر چلا سکتے ہیں اس لئے اسے ان چھوٹے بچوں کی نسبت ہم سے زیادہ محبت کرنا چاہئے جبکہ ان سے تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا اس طرح یکطرفہ فیصلہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے باپ کے خلاف کہا کہ ہمارا باپ واضح گمراہی میں ہے۔

البتہ ان کی مراد دین و مذہب کے اعتبار سے گمراہی نہ تھی کیونکہ بعد میں آنے والی آیات نشاندہی کرتی ہیں کہ اپنے باپ کی عظمت اور نبوت پر ان کا عقیدہ تھا اور انہیں صرف ان کے طرز معاشرت پر اعتراض تھا۔

(۹) بغض، حسد اور کینے کے جذبات ان کے سامنے تھے کہنے لگے: یا یوسف کو قتل کر دو یا اسے دور دراز کے کسی علاقے میں پھینک آؤ تا کہ باپ کی محبت کا پورا رخ تمہاری طرف ہو جائے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اس کام پر تمہیں احساس گناہ ہوگا۔ اور وجدان کی ندامت ہوگی کیونکہ اپنے چھوٹے بھائی پر یہ ظلم کرو گے لیکن اس گناہ کی تلافی ممکن ہے، توبہ کر لینا اور اس اس کے بعد صالح جمعیت بن جانا۔

اس جملے کی تفسیر میں یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کو باپ کی انکھوں سے دور کرنے کے بعد ان کے ساتھ تمہارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اور اس طرف سے تمہیں جو پریشانی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔

(۱۰) لیکن بھائیوں میں سے ایک بہت سمجھدار تھا یا اس کا ضمیر نسبتاً زیادہ بیدار تھا اسی لئے اس نے یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کے منصوبے کی مخالفت کی اور اسی طرح کسی دور دراز علاقے میں پھنک آنے کی تجویز کی بھی کیونکہ اس منصوبے میں یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کا خطرہ تھا۔ اس نے ایک تیسرا منصوبہ پیش کیا وہ کہنے لگا اگر تمہیں ایسا کام کرنے پر اصرار ہی ہے تو یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو بلکہ اسے کسی کنویں میں پھینک دو اس طرح سے کہ وہ زندہ رہے تا کہ راہ گزاروں کے کسی قافلے کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں اور اس طرح یہ ہماری اور باپ کی آنکھوں سے دور ہو جائے

انسانی زندگی میں حسد کے تباہ کن اثرات

ایک اور اہم درس جو ہم اس واقعے سے سیکھتے ہیں یہ ہے کہ کس طرح حسد انسان کو بھائی کے قتل یا اس سے بھی زیادہ سخت تکلیف دہ مقام تک لے جاتا ہے اور اگر اس اندرونی آگ پر قابو نہ پایا جائے تو یہ کس طرح دوسروں کو بھی آگ میں دھکیل دیتی ہے اور خود حسد کرنے والے کو بھی۔

بہر حال حسد نے صرف برادران یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائی کے قتل کی سرحد تک نہیں پہنچایا بلکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حسد انسان کو خود اس کی اپنی نابودی پر بھی ابھارتا ہے اسی بناء پر اسلامی احادیث میں اس گھٹیا صفت کے خلاف جہاد کے لئے ہلا دینے والی تعبیرات دکھائی دیتی ہیں۔ نمونے کے طور پر ہم یہاں چند ایک احادیث نقل کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''خدا نے موسیٰ علیہ السلام بن عمران کو حسد سے منع کیا اور ان سے فرمایا: حسد کرنے والا میرے بندوں کو ملنے والی نعمتوں پر ناخوش رہتا ہے اور اپنے بندوں میں جو کچھ میں نے تقسیم کیا ہے اس میں رکاوٹ ڈالتا ہے جو شخص ایسا ہو نہ وہ مجھ سے ہے اور نہ مَیں اس سے ہوں''۔

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے۔

''دین کے لئے تین چیزیں آفت اور مصیبت ہیں حسد، خود پسندی اور غرور''

ایک اور حدیث میں اسی امام سے منقول ہے۔

''اہل ایمان رشک کرتے ہیں حسد نہیں کرتے لیکن منافق حسد کرتے ہیں رشک نہیں کرتے''

اسی لئے اسلامی احادیث میں ہے کہ ایک روز امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''بعض اوقات میں اپنے کسی بچے سے اظہار محبت کرتا ہوں، اسے اپنے زانو پر بٹھاتا ہوں، اسے بکری کی دستی دیتا ہوں اور اسکے منہ میں چینی ڈالتا ہوں، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ حق دوسرے کا ہے لیکن پھر بھی یہ کام اس لئے کرتا ہوں تاکہ وہ میرے دوسرے بچوں کے خلاف نہ ہو جائے اور جیسے برادران یوسف علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا وہ اس طرح نہ کرے''۔

(۱۱)قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا مَا لَکَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰی یُوۡسُفَ وَ اِنَّا لَہٗ لَنٰصِحُوۡنَ	یوسف کے بھائی باپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابا جان! آپ ہمارے بھائی یوسف کے بارے میں ہم پر اطمینان کیوں نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔
(۱۲)اَرۡسِلۡہُ مَعَنَا غَدًا یَّرۡتَعۡ وَ یَلۡعَبۡ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ	اسے کل ہمارے ساتھ (شہر سے باہر) بھیج دو تاکہ خوب کھائے پیئے، کھیلے کودے اور سیر و تفریح کرے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔
(۱۳)قَالَ اِنِّیۡ لَیَحۡزُنُنِیۡۤ اَنۡ تَذۡہَبُوۡا بِہٖ وَ اَخَافُ اَنۡ یَّاۡکُلَہُ الذِّئۡبُ وَ اَنۡتُمۡ عَنۡہُ غٰفِلُوۡنَ	باپ نے کہا: اس کے دور ہونے سے میں غمگین ہوں گا اور مجھے ڈر ہے کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے اور تم اس سے غافل رہو۔

(۱۴)قَالُوۡا لَئِنۡ اَكَلَهُ الذِّئۡبُ وَ نَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ	انہوں نے کہا اگر اسے بھیڑیا کھا جائے، جبکہ ہم طاقتور گروہ ہیں، تو ہم زیاکاروں میں سے ہوں (اور ہرگز ایسا ممکن نہیں ہے)۔

تفسیر

منحوس سازش

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کی آخری سازش پر اتفاق کر لیا تو یہ سوچنے لگے کہ یوسف علیہ السلام کو کس طرح لے جائیں۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک اور منصوبہ تیار کیا۔ اس کیلئے وہ باپ کے پاس آئے اور اپنے حق جتانے کے انداز میں، نرم و نازک لہجے میں محبت بھرے شکوے کی صورت میں کہنے لگے: ابا جان! آپ یوسف کو کیوں کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتے اور ہمارے سپرد نہیں کرتے آپ ہمیں بھائی کے بارے میں امین کیوں نہیں سمجھتے حالانکہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں۔

(۱۲) آیئے! جس کا آپ ہمیں متہم سمجھتے ہیں اسے جانے دیجئے، علاوہ ازیں ہمارا بھائی نوعمر ہے، اس کا بھی حق ہے، اسے بھی شہر سے باہر کی آزاد فضا میں گھومنے پھرنے کی ضرورت ہے، اسے گھر کے اندر قید کر دینا درست نہیں کل اسے ہمارے ساتھ بھیجئے تاکہ یہ شہر سے باہر نکلے، چلے پھرے، درختوں کے پھل کھائے، کھیلے کودے اور سیر و تفریح کرے۔

اور اگر آپ کو اس کی سلامتی کا خیال ہے اور پریشانی ہے تو ہم سب اپنے بھائی کے محافظ و نگہبان ہوں گے، کیونکہ آخر یہ ہمارا بھائی ہے اور ہماری جان کے برابر ہے۔

اس منصوبے کے لئے انہوں نے یہ مشکل پیدا کر دی تھی کہ اگر وہ یوسف کو ہمارے سپرد نہیں کرتا تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ہمیں متہم سمجھتا ہے اور دوسری طرف کھیل کود اور سیر و تفریح کے لئے شہر سے باہر جانے کی یوسف کے لئے تحریک تھی۔

(۱۳) حضرت یعقوب علیہ السلام نے برادران یوسف علیہ السلام کی باتوں کے جواب میں بجائے اس کے کہ انہوں برے ارادے کا الزام دیتے کہنے لگے کہ میں جو تمہارے ساتھ یوسف کو بھیجنے پر تیار نہیں ہوں تو اس کی دو وجوہ ہیں۔

پہلی یہ یوسف کی جدائی میرے لئے غم انگیز ہے۔

اور دوسری یہ کہ ہوسکتا کہ ان کے اردگرد کے بیابانوں میں خونخوار بھیڑیے ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ مبادا کوئی بھیڑیا میرے فرزند دلبند کو کھا جائے اور تم اپنے کھیل کود، سیر و تفریح اور دوسرے کاموں میں مشغول ہو۔

(۱۴) یہ بالکل فطری امر تھا کہ اس سفر میں بھائی اپنے آپ میں مشغول ہوں اور اپنے چھوٹے بھائی سے غافل ہوں اور بھیڑیوں سے بھرے اس بیابان میں کوئی بھیڑیا یوسف علیہ السلام کو کھا لے۔ البتہ بھائیوں کے پاس باپ کی پہلی دلیل کا کوئی جواب نہ تھا کیونکہ یوسف کی جدائی کا غم ایسی چیز نہ تھی کہ جس کی وہ تلافی کر سکتے بلکہ شاید اس بات نے بھائیوں کے دل میں حسد کی آگ کو اور بھڑکا

دیا ہو۔

دوسری طرف بیٹے کو باہر لے جانے کے بارے میں باپ کی دلیل کا جواب تھا کہ جس کے ذکر کی چنداں ضرورت نہ تھی اور وہ یہ کہ آخرکار بیٹے کو نشوونما اور تربیت کیلئے چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے باپ سے جدا ہونا ہے۔

لہٰذا اصلاً انہوں نے اس کا جواب نہیں دیا بلکہ دوسری دلیل کا جواب شروع کیا کہ جوان کی نگاہ میں اہم اور بنیادی تھی اور کہنے لگے کیسے ممکن ہے کہ ہمارے بھائی کو بھڑیا کھا جائے حالانکہ ہم طاقتور گروہ ہیں اگر ایسا ہو جائے تو ہم زیاں کار و بدبخت ہوں گے۔

یعنی کیا ہم مردہ ہیں کہ بیٹھ جائیں اور دیکھتے رہیں گے اور بھیڑیا ہمارے بھائی کو کھا جائے بھائی کو بھائی سے جو تعلق ہوتا ہے اس کے علاوہ جو بات اس کی حفاظت پر ہمیں ابھارتی ہے یہ ہے کہ ہماری لوگوں میں عزت و آبرو ہے، لوگ ہمارے متعلق کیا کہیں گے، یہی نا کہ طاقتور موٹی گردنوں والے بیٹھے رہے اور اپنے بھائی پر بھیڑئے کو حملہ کرتے دیکھتے رہے۔ کیا پھر ہم لوگوں میں جینے کے قابل رہیں گے۔

انہوں نے ضمناً باپ کی اس بات کا بھی جواب دیا کہ ہوسکتا ہے تم کھیل کود میں لگ جاؤ اور یوسف علیہ السلام سے غافل ہو جاؤ اور وہ یہ کہ یہ مسئلہ کیا ساری دولت اور عزت و آبرو کے ضائع ہونے کا ہے ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ کھیل کود ہمیں غافل کردے کیونکہ اس صورت میں ہم لوگ بے وقعت ہو جائیں گے اور ہماری کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔

(۱۵) فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ	جس وقت وہ اپنے ساتھ لے گئے اور مصمم ارادہ کر چکے کہ اسے کنوئیں کے خفیہ گوشے میں ڈال دیں تو ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو انہیں آئندہ ان کے اس کام سے باخبر کرے گا جبکہ وہ نہیں جانیں گے۔
(۱۶) وَ جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ؕ	رات کے وقت وہ گریہ کناں باپ کے پاس آ گئے
(۱۷) قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ	کہنے لگے: ابا جان! ہم گئے اور باہمی مقابلے میں مشغول ہو گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے اور اسے بھیڑیا کھا گیا اور اگرچہ ہم سچے ہوں لیکن تو ہرگز ہماری بات کی تصدیق نہیں کرے گا۔

(۱۸)وَجَآءُوۡ عَلٰی قَمِیۡصِہٖ بِدَمٍ کَذِبٍ ؕ قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ وَ اللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ	اور اس کا پیراہن جھوٹ موٹ خون سے آلودہ کر کے (باپ کے پاس) لے آئے اس نے کہا تمہاری نفسانی ہوا و ہوس نے یہ کام تمہارے لئے پسندیدہ بنا دیا میں صبر جمیل کروں گا۔ اور ناشکری نہیں کروں گا۔ اور جو کچھ تم کہتے ہو اس کے مقابلے میں خدا سے مدد طلب کرتا ہوں۔

تفسیر

رسوا کن جھوٹ

آخر کار بھائی کامیاب ہو گئے انہوں نے باپ کو راضی کر لیا کہ وہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دے وہ رات انہوں نے اس خوش خیالی میں گزاری کہ کل یوسف کے بارے میں ان کا منصوبہ عملی شکل اختیار کرے گا اور راستے کی رکاوٹ اس بھائی کو ہم ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹا دیں گے۔ پریشانی انہیں صرف یہ تھی کہ باپ پشیمان نہ ہو اور اپنی بات واپس نہ لے لے۔

صبح سویرے وہ باپ کے پاس گئے اور یوسف علیہ السلام کی حفاظت کے بارے میں باپ نے ہدایات دہرائیں انہوں نے بھی اظہار اطاعت کیا۔ باپ کے سامنے اسے بڑی محبت و احترام سے اٹھایا اور چل پڑے۔

کہتے ہیں شہر کے دروازے تک باپ ان کے ساتھ آئے اور آخری دفعہ یوسف علیہ السلام کو ان سے لے کر اپنے سینے سے لگایا۔ آنسو ان کی آنکھوں سے برس رہے تھے۔ پھر یوسف علیہ السلام کو ان کے سپرد کر کے ان سے جدا ہو گئے لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں اسی طرح بیٹوں کے پیچھے تھیں جہاں تک باپ کی آنکھیں کام کرتی تھیں وہ بھی یوسف علیہ السلام پر نوازش اور محبت کرتے رہے لیکن جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ اب باپ انہیں نہیں دیکھ سکتا تو اچانک انہوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ سالہا سال سے حسد کی وجہ سے جو ان کے اندر تہ بہ تہ بغض و کینہ موجود تھا وہ حضرت یوسف علیہ السلام پر نکلنے لگا۔ ہر طرف سے اسے مارنے لگے۔ وہ ایک سے بچ کر دوسرے کی پناہ لیتے لیکن کوئی انہیں پناہ نہ دیتا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس طوفان بلا میں حضرت یوسف آنسو بہا رہے تھے اور جب وہ انہیں کنویں میں پھینکنے لگے تو اچانک یوسف علیہ السلام ہنسنے لگے بھائیوں کو بہت تعجب ہوا کہ یہ ہنسنے کا کونسا مقام ہے کیا یوسف علیہ السلام نے اس مسئلے کو مذاق سمجھا ہے اور بات سے بے خبر ہے کہ سیاہ وقت اور بدبختی اس کے انتظار میں ہے لیکن یوسف علیہ السلام نے اس ہنسنے کے مقصد سے پردہ اٹھایا اور سب کو عظیم درس دیا۔ وہ کہنے لگے۔

مجھے نہیں بھولتا کہ ایک دن تم طاقتور بھائیوں، تمہارے قوی بازوؤں اور بہت زیادہ جسمانی طاقت پر میں نے نظر ڈالی تو میں بہت خوش ہوا اور میں نے اپنے باپ سے کہا کہ جس کے اتنے دوست اور مددگار ہوں۔ اسے سخت حوادث کا کیا غم ہے۔ اس دن میں

نے تم پر بھروسہ کیا اور تمہارے بازوؤں پر دل باندھا (یعنی خود کو مضبوط تصور کیا)۔اب تمہارے چنگل میں گرفتار ہوں اور تم سے بچ کر تمہاری طرف پناہ لیتا ہوں اور تم مجھے پناہ نہیں دیتے۔خدا نے تمہیں مجھ پر مسلط کیا ہے تاکہ میں یہ درس سیکھ لوں کہ اس کے غیر پر یہاں تک کہ بھائیوں پر بھی بھروسہ نہ کروں۔

بہرحال قرآن کہتا ہے: جب وہ یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے گئے اور انہوں نے متفقہ فیصلہ کرلیا کہ اسے کنویں کی مخفی جگہ پر پھینک دیں گے اس کام کے لئے جو ظلم وستم ممکن تھا انہوں نے روا رکھا۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے اس وقت ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی اسے تسلی دی اور اس کی دلجوئی کی اور اس سے کہا کہ غم نہ کھاؤ۔ایک دن ایسا آئے گا کہ تم انہیں ان تمام منحوس سازشوں اور منصوبوں سے آگاہ کروگے اور وہ تمہیں پہچان نہیں سکیں گے۔

اسی سورہ کی آیت ۲۲ کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وحی الٰہی وحی نبوت نہ تھی بلکہ یوسف علیہ السلام کے دل پر الہام تھا تاکہ وہ جان لے کہ وہ تنہا نہیں ہے اور اس کا ایک حافظ ونگہبان ہے اس وحی نے قلب یوسف علیہ السلام پر امید کی، ضیا پاشی کی اور یاس وناامیدی کی تاریکیوں کو اس کی روح سے نکال دیا۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو منصوبہ بنا رکھا تھا اس پر انہوں نے اپنی خواہش کے مطابق عمل کرلیا لیکن آخرکار انہیں واپس لوٹنے کے بارے میں سوچنا تھا کہ جا کر کوئی ایسی بات کریں کہ باپ کو یقین آجائے کہ یوسف کسی سازش کے تحت نہیں بلکہ طبیعی طور پر وادی عدم میں چلا گیا ہے اور اس طرح وہ باپ کی نوازشات کو اپنی جانب موڑ سکیں۔

(۱۶) اس مقصد کے لے انہوں نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ بالکل وہی تھا جس کا باپ کو خوف تھا اور وہ جس کی پیش بنی کر چکے تھے۔یعنی انہوں نے فیصلہ کیا کہ جا کر کہیں کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور اس کے لئے فرضی کہانیاں پیش کریں۔

قران کہتا ہے: رات کے وقت بھائی روتے ہوئے آئے ان کے جھوٹے آنسوؤں اور ٹسوے بہانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹا رونا بھی ممکن ہے اور صرف روتی ہوئی آنکھ سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔

(۱۷) باپ جو بڑی بے تابی اور بے قراری سے اپنے فرزند دلبند یوسف علیہ السلام کی واپسی کے انتظار میں تھا اس نے جب انہیں واپس آتے دیکھا اور یوسف علیہ السلام ان میں دکھائی نہ دیا تو وہ لرز گیا اور کانپ اٹھا۔حالات پوچھے تو انہوں نے کہا ابا جان! ہم گئے اور باہم (سواری اور تیراندازی کے) مقابلوں میں ہم اتنے محو ہوگئے کہ ہر چیز یہاں تک کہ بھائی کو بھی بھول گئے۔اس اثناء میں ایک بے رحم بھیڑیا اس طرف آپہنچا اور اس نے اسے چیر پھاڑ کھایا۔

لیکن ہم جانتے ہیں کہ تم ہرگز ہماری باتوں کا یقین نہیں کروگے اگرچہ ہم سچے ہوں کیونکہ تم نے پہلے ہی اس قسم کی پیش بنی کی تھی لہٰذا اسے بہانہ سمجھوگے۔

(۱۸) نیز اس بنا پر کہ باپ کو ایک زندہ نشانی بھی پیش کریں وہ یوسف کی قمیض کو جھوٹے خون میں تر کئے ہوئے تھے (وہ خون انہوں نے بکری یا بھیڑ کے بچے یا ہرن کا لگا رکھا تھا۔

لیکن دروغ گو حافظہ ندارد ایک حقیقی واقعہ کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور اس کے مختلف کوائف اور مسائل ہوتے ہیں۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ان سب کو ایک فرضی کہانی میں سمویا جا سکے لہٰذا برادران یوسف بھی اس نکتے سے غافل رہے کہ کم از کم یوسف علیہ السلام کے کرتے کو چند جگہ سے پھاڑ لیتے تا کہ وہ بھیڑئے کے حملے کی دلیل بن سکتا۔ وہ بھائی کی قمیض کو اس کے بدن سے صحیح سالم اتار کر خون آلود کر کے باپ کے پاس لے آئے۔ سمجھدار اور تجربہ کار باپ کی جب اس کرتے پر نگاہ پڑی تو وہ سب کچھ سمجھ گئے اور کہنے لگے کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ بلکہ نفسانی ہوا و ہوس نے تمہارے لئے یہ کام پسندیدہ بنا دیا ہے اور یہ شیطانی سازشیں ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ

انہوں نے کرتہ اٹھالیا اور اس کا پچھلا حصہ آگے کر کے پکار کر کہا: تو پھر اس میں بھیڑئے کے پنجوں اور دانتوں کے نشان کیوں نہیں ہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کرتہ اپنے منہ پر ڈال لیا۔ فریاد کرنے لگے اور آنسو بہانے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے: یہ کیسا مہربان بھیڑیا تھا جس نے میرے بیٹے کو تو کھا لیا لیکن اس کے کرتے کو تو ذرہ بھر نقصان نہ پہنچایا۔ اس کے بعد وہ بے ہوش ہو کر خشک لکڑی کی طرح زمین پر گر پڑے۔ بعض بھائیوں نے فریاد کی اے وائے ہو ہم پر روز قیامت عدل الٰہی کی عدالت میں ہم بھائی بھی ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔ اور باپ کو بھی ہم نے قتل کر دیا ہے باپ اسی طرح سحری تک بے ہوش رہے لیکن سحر گاہی کی نسیم سرد کے جھونکے ان کے چہرے پر پڑے تو وہ ہوش میں آ گئے۔

باوجودیکہ یعقوب علیہ السلام کے دل میں آگ لگی ہوئی تھی ان کی روح جل رہی تھی لیکن زبان سے ہرگز ایسی بات نہ کہتے تھے جو ناشکری، یاس و ناامیدی اور جزع و فزع کی نشانی ہو بلکہ کہا میں صبر کروں گا۔ صبر جمیل، ایسی شکیبائی جو شکر گزاری اور حمد خدا کے ساتھ ہو۔

اس کے بعد یعقوب علیہ السلام کہنے لگے جو کچھ تم کہتے ہو اس کے مقابلے میں خدا سے مدد طلب کرتا ہوں میں اس سے چاہتا ہوں کہ جام صبر کی تلخی میرے حلق میں شیریں کر دے اور مجھے زیادہ تاب و توانائی دے تا کہ اس عظیم طوفان کے مقابلے میں اپنے اوپر کنٹرول رکھ سکوں اور میری زبان نادرست اور غلط بات سے آلودہ نہ ہو۔

چند اہم نکات

ایک ترک اولیٰ کے بدلے

ابوحمزہ ثمالی نے ایک روایت امام سجاد علیہ السلام سے نقل کی ہے ابوحمزہ کہتے ہیں۔

جمعہ کے دن میں مدینہ منورہ میں تھا۔ نماز صبح میں نے امام سجاد علیہ السلام کے ساتھ پڑھی جس وقت امام نماز اور تسبیح سے فارغ ہوئے تو گھر کی طرف چل پڑے میں آپ کے ساتھ تھا۔

آپ علیہ السلام نے خادمہ کو آواز دی اور کہا:

خیال رکھنا جو سائل ضرورت مند گھر کے دروازے سے گزرے اسے کھانا دینا کیونکہ آج جمعہ کا دن ہے۔

ابوحمزہ کہتے ہیں:

میں نے کہا: ہر وہ شخص جو مدد کا تقاضا کرتا ہے مستحق نہیں ہوتا، تو امام نے فرمایا:

ٹھیک ہے، لیکن میں اس سے ڈرتا ہوں کہ ان میں مستحق افراد ہوں اور ہم انہیں غذا نہ دیں اور اپنے گھر کے دروازے سے دھتکار دیں تو کہیں ہمارے گھر والوں پر وہی مصیبت نہ آن پڑے جو یعقوب علیہ السلام پر آن پڑی تھی۔

اس کے بعد فرمایا:

ان سب کو کھانا دو کہ کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے لئے ہر روز ایک گوسفند ذبح کی جاتی تھی۔ اس کا ایک حصہ مستحقین کو دیا جاتا تھا۔ ایک حصہ وہ جناب خود اور ان کی اولاد کھاتے تھے ایک دن ایک سائل آیا۔ وہ مومن اور روزہ دار تھا۔ خدا کے ہاں اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ وہ شہر (کنعان) سے گزرا شب جمعہ تھی افطار کے وقت وہ دروازہ یعقوب علیہ السلام پر آیا اور کہنے لگا بچی کھچی غذا سے مدد کے طالب، غریب و مسافر بھوکے مہمان کی مدد کرو۔ اس نے یہ بات کئی مرتبہ دہرائی انہوں نے سنا تو سہی لیکن اس کی بات کو باور نہ کیا جب وہ مایوس ہو گیا اور رات کی تاریکی ہر طرف چھا گئی تو وہ لوٹ گیا۔ جاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اس نے بارگاہ الٰہی میں بھوک کی شکایت کی۔ رات اس نے بھوک ہی میں گزاری اور صبح اسی طرح روزہ رکھا جبکہ وہ صبر کئے ہوئے تھا۔ اور خدا کی حمد و ثنا کرتا تھا لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے گھر والے مکمل طور پر سیر تھے اور صبح کے وقت ان کا کچھ کھانا بچا بھی رہ گیا تھا۔

امام علیہ السلام نے اس کے بعد مزید فرمایا:

خدا نے اس صبح یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی: اے یعقوب! تو نے میرے بندے کو خوار کیا ہے اور میرے غضب کو بھڑکایا ہے اور تو اور تیری اولاد نزول سزا کی مستحق ہو گئی ہے۔ اے یعقوب میں اپنے دوستوں کو زیادہ جلدی سرزنش کرتا اور سزا دیتا ہوں اور یہ اس لئے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس حدیث کے بعد ہے ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں:

میں نے امام سجاد علیہ السلام سے پوچھا: یوسف علیہ السلام نے وہ خواب کس موقع پر دیکھا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اسی رات

اس حدیث سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و اولیائے حق سے ایک چھوٹی سی لغزش یا زیادہ صریح الفاظ میں ایک ''ترک اولیٰ''، کہ جو گناہ اور معصیت بھی شمار نہیں ہوتا تھا (کیونکہ اس سائل کی حالت حضرت یعقوب علیہ السلام پر واضح نہیں تھی) بعض اوقات خدا کی طرف سے ان کی تنبیہ کا سبب بنتا ہے اور یہ صرف اس لئے ہے کہ ان کا بلند و بالا مقام تقاضا کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات اور عمل کی طرف متوجہ رہیں کیونکہ

''حسنات الابرار سیئات المقربین''

(وہ کام جو نیک لوگوں کے لئے نیکی شمار ہوتے ہیں مقربین بارگاہ الٰہی کے لئے برائی ہیں)

جہاں حضرت یعقوبؑ ایک سائل کے دردِ دل سے بے خبر رہنے کی وجہ سے یہ رنج و غم اٹھائیں تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ وہ معاشرہ جس میں چند لوگ سیر ہوں اور زیادہ تر لوگ بھوکے ہوں کیسے ممکن ہے کہ اس پر غضب الٰہی نہ ہو اور کس طرح خدا اسے سزا نہ دے۔

حضرت یوسفؑ کی دلکش دعا

روایات اہل بیتؑ اور طرق اہل سنت میں ہے کہ جس وقت حضرت یوسفؑ کنویں کی تہ میں پہنچ گئے تو ان کی امید ہر طرف سے منقطع ہوگئی اور ان کی تمام تر توجہ ذات پاک خدا کی طرف ہوگئی۔ انہوں نے اپنے خدا سے مناجات کی اور جبریلؑ کی تعلیم سے راز و نیاز کرنے لگے کہ جو روایات میں مختلف عبارتوں میں منقول ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے خدا سے یوں مناجات کی:

"اللّھم یا مونس کل غریب و یاصاحب کل وحید و یا ملجأ کل خالف و یا کاشف کل کربتہ و یا عالم کل نجوی و یا منتھی کل شکوی و یا حاضر کل ملاء یا حی یا قیوم اسئلک ان تقذف رجائک فی قلبی حتی لا یکون لی ھم و لا شغل خیرک و ان تجعل لی من امری فرجاً و مخرجاً انک علٰی کل شی قدیر"

(بارالٰہا! اے وہ جو غریب مسافر کا مونس ہے اور تنہا کا ساتھی ہے۔ اے وہ جو ہر خائف کی پناہ گاہ ہے، ہر غم کو برطرف کرنے والا ہے، ہر فریاد سے آگاہ ہے، ہر شکایت کرنے والے کی آخری امید ہے، اور ہر مجمع میں موجود ہے، اے ساری کائنات کے نگران! میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ اپنی امید میرے دل میں ڈال دے تاکہ تیرے علاوہ کوئی فکر نہ رکھوں اور تجھ سے چاہتا ہوں کہ میرے لئے اس عظیم مشکل سے راہ نجات پیدا کردے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

(۱۹) وَ جَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَ اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ	اور قافلہ آپہنچا (انہوں نے) پانی پر مامور (شخص کو پانی کی تلاش) کو بھیجا۔ اس نے اپنا ڈول کنویں میں ڈالا اور وہ پکارا: خوشخبری ہو، یہ لڑکا ہے (خوبصورت اور قابل محبت) انہوں نے اسے ایک سرمایہ سمجھتے ہوئے دوسروں سے مخفی رکھا اور جو کچھ وہ انجام دیتے تھے خدا اس سے آگاہ ہے۔

(۲۰)وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَ كَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ۧ	اور انہوں نے اسے چند درہموں کی معمولی قیمت پر بیچ دیا اور (اسے بیچتے ہوئے) وہ اس کے بارے میں بے اعتناء تھے۔

تفسیر

سرزمین مصر کی جانب

یوسف علیہ السلام نے کنویں کی وحشت ناک تاریکی اور ہولناک تنہائی میں بہت تلخ گھڑیاں گزاریں لیکن خدا پر ایمان اور ایمان کے زیر سایہ ایک اطمیناں نے ان کے دل میں نور امید کی کرنیں روشن کر دی تھیں اور انہیں ایک توانائی بخشی تھی تا کہ وہ اس ہولناک تنہائی کو برداشت کریں اور آزمائش کی اس بھٹی سے کامیابی کے ساتھ نکل آئیں۔ اس حالت میں وہ کتنے دن رہے، یہ خدا جانتا ہے۔ بعض مفسرین نے تین دن لکھے ہیں اور بعض نے دو دن، بہر حال ایک قافلہ آ پہنچا۔

اور اس قافلے نے وہیں نزدیک ہی پڑاؤ ڈالا۔ واضح ہے کہ قافلے کی پہلی ضرورت یہی ہوتی ہے کہ وہ پانی حاصل کرے اس لئے انہوں نے پانی پر مامور شخص کو پانی کی تلاش میں بھیجا۔ اس نے اپنا ڈول کنویں کی تہ میں ڈالا۔

یوسف علیہ السلام کنویں کی تہ میں متوجہ ہوئے کہ کنویں کے اوپر سے کوئی آواز آ رہی ہے۔ ساتھ ہی دیکھا کہ ڈول اور رسی تیزی سے نیچے آ رہی ہے۔ انہوں نے موقع غنیمت جانا اور اس عطیہ الٰہی سے فائدہ اٹھایا اور فوراً اس سے لپٹ گئے بہشتی نے محسوس کیا کہ اس کا ڈول اندازے سے زیادہ بھاری ہے جب اس نے زور لگا کر اسے اوپر کھینچا تو اچانک اس کی نظر ایک چاند سے بچے پر پڑی۔ وہ چلایا: خوشخبری ہو! یہ تو پانی کی بجائے بچہ ہے۔

آہستہ آہستہ قافلے میں سے چند لوگوں کو اس بات کا پتہ چل گیا لیکن اس بنا پر کہ دوسروں کو پتہ نہ چلے اور یہ خود ہی مصر میں اس خوبصورت بچے کو ایک غلام کے طور پر بیچ دیں اسے انہوں نے ایک اچھا سرمایہ سمجھتے ہوئے دوسروں سے مخفی رکھا۔

آیت کے آخر میں ہے: جو کچھ وہ انجام دیتے ہیں خدا اس سے آگاہ ہے۔

(۲۰) آخر کار انہوں نے یوسف علیہ السلام کو بیچنے کے بارے میں اختلاف ہے بعض انہیں یوسف علیہ السلام کے بھائی سمجھتے ہیں۔ لیکن آیات کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ یہ کام قافلے والوں نے کیا کیونکہ زیر نظر آیات میں بھائیوں کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی اور ان سے قبل کی آیت کے اختتام پر بھائیوں سے متعلق بحث ختم ہو گئی ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: یوسف علیہ السلام کو بیچنے کے بارے میں وہ بے اعتنا تھے۔

(۲۱)وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۫ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ	اور وہ شخص جس نے اسے سرزمین مصر سے خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کے مقام و منزلت کی تکریم کرنا شاید ہمارے لئے مفید ہو اور یا ہم اسے بیٹے کے طور پر اپنا لیں اس طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں متمکن کر دیا (ہم نے یہ کام کیا) تا کہ وہ خواب کی تعبیر سیکھ لے خدا اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
(۲۲)وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ	اور جب وہ (یوسف) بلوغ وقوت کے مرحلے میں داخل ہوا تو ہم نے اسے ''حکم'' اور ''علم'' عطا کئے اور ہم اس طرح نیک لوگوں کو جزاء دیتے ہیں۔

تفسیر

عزیز مصر کے محل میں

حضرت یوسف علیہ السلام کی پوری داستان جب یہاں پہنچی کہ بھائی انہیں کنویں میں پھینک چکے تو بہرصورت بھائیوں کیساتھ والا مسلہ ختم ہو گیا اب اس ننھے بچے کی زندگی کا ایک نیا مرحلہ مصر میں شروع ہوا۔ اس طرح سے کہ آخر کار یوسف علیہ السلام مصر لائے گئے۔ وہاں انہیں فروخت کے لئے پیش کیا گیا چونکہ یہ ایک نفیس تحفہ تھا لہٰذا معمول کے مطابق ''مصر'' کو نصیب ہوا کہ جو درحقیقت فرعونوں کی طرف سے وزیر یا وزیر اعظم تھا اور ایسے ہی لوگ ''تمام پہلوؤں سے ممتاز اس غلام'' کی زیادہ سے زیادہ قیمت دے سکتے تھے۔ اب دیکھتے ہیں کہ عزیز مصر کے گھر یوسف علیہ السلام پر کیا گزرتی ہے۔

قرآن کہتا ہے: جس نے مصر میں یوسف علیہ السلام کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے اس کی سفارش کی اور کہا کہ اس غلام کی منزلت کا احترام کرنا اور اسے غلاموں والی نگاہ سے نہ دیکھنا کیونکہ ہمیں امید ہے کہ مستقبل میں ہم اس غلام سے بہت فائدہ اٹھائیں گے یا اسے فرزند کے طور پر اپنا لیں گے۔

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر کی کوئی اولاد نہ تھی اور وہ بیٹے کے شوق میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ جب اس کی آنکھ اس خوبصورت اور آبرومند بچے پر پڑی تو اس کا دل آیا کہ یہ اس کے بیٹے کے طور پر ہو اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے: اس طرح اس سر زمین میں ہم نے یوسف علیہ السلام کو متمکن اور صاحب نعمت و اختیار کیا۔

یہ ''تمکین فی الارض'' اس پر تھا کہ یوسف علیہ السلام کا مصر میں آنا اور خصوصاً عزیز مصر کی زندگی میں قدم رکھنا ان کی آئندہ

کی انتہائی قدرت کے لئے تمہید تھا اور یا اس بناء پر تھا کہ عزیز مصر کے محل کی زندگی کا کنویں کی تہ کی زندگی سے کوئی موازنہ نہ تھا۔ وہ تنہائی، بھوک اور وحشت کی شدت کہاں اور یہ سب نعمت وآسائش اور آرام وسکون کہاں اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: ہم نے ایسا اس لئے کیا تا کہ اسے احادیث کی تاویل کی تعلیم دیں۔

''تأويل الاحاديث'' سے مراد جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے تعبیر خواب کا علم ہے کہ جس کے ذریعے یوسف علیہ السلام نے خدائی آزمائشوں کی سنگلاخ گھاٹیوں سے گزر کر دربار مصر میں پہنچنے تک ایسی قابلیت پیدا کر لی تھی حامل رسالت ووحی ہوں۔

لیکن پہلا احتمال زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے: خدا اپنے کام پر مسلط اور غالب ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

(۲۲) اس نئے ماحول میں جو درحقیقت مصر کا ایک اہم سیاسی مرکز تھا یوسف علیہ السلام کو نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ایک طرف خیرہ کن طاقت اور طاغوتیان مصر کے محلات (جنہیں خواب سمجھا جاتا) اور ان کی بے کراں ثروت کو دیکھتے ہوئے دوسری طرف بردہ فروشوں کے بازار کا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا۔ وہ ان دونوں کا موازنہ کرتے اور دیکھتے کہ عام لوگوں کی اکثریت فراواں رنج وغم اور دکھ درد کا شکار ہے تو ان کی روح اور فکر پر بہت بوجھ پڑتا اور وہ سوچتے کہ اگر مجھے طاقت حاصل ہو جائے تو یہ کیفیت ختم کر دوں۔

جی ہاں! انہوں نے بہت سی چیزیں اس شور وغل کے ماحول میں سیکھیں ان کے دل میں ہمیشہ غم واندوہ کا ایک طوفان موجزن ہوتا تھا کیونکہ ان حالات میں وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے اس دور میں وہ مسلسل خودسازی اور تہذیب نفس میں مشغول تھے۔

قرآن کہتا ہے: جب وہ بلوغ اور جسم وروح کے تکامل کے مرحلے میں پہنچا اور انوار وحی قبول کرنے کے قابل ہوگیا۔ تو ہم نے اسے حکم اور علم دیا۔ اور اس طرح ہم نے اسے نیکوکار لوگوں کو جزا دیتے ہیں۔

''اشد'' ''شد'' کے مادہ سے مضبوط گرہ کے معنی میں ہے یہاں جسمانی اور روحانی استحکام کی طرف اشارہ ہے بعض نے کہا ہے کہ ''اشد'' جمع ہے جس کا مفرد نہیں ہے لیکن بعض نے اس ''شد'' (بروزن ''سد'') کی جمع کہا ہے بہرحال اس کے معنی کا جمع ہونا قابل انکار نہیں ہے۔

یہ جو مذکورہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کی جسمانی وروحانی بلوغت پر اسے ''حکم'' اور ''علم'' عطا کیا یا تو مقام وحی ونبوت ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے اور یا ''حکم'' سے مراد عقل وفہم اور صحیح فیصلے کی قدرت ہے کہ جو ہوس پرستی اور اشتباہ سے خالی ہو اور علم سے مراد آگاہی اور دانش ہے کہ جس کے ساتھ جہالت نہ ہو بہرحال ''حکم'' اور ''علم'' جو کچھ بھی تھے ء دو ممتاز اور قیمتی خدائی انعام تھے کہ جو خدا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کی پاکیزگی تقویٰ، صبر وشکیبائی اور توکل کی وجہ سے دیئے تھے اور یوسف علیہ السلام کی یہ تمام خوبیاں لفظ ''محسنین'' میں جمع ہیں۔

حکم سرکش وہ اور ہوس کے مقابلے میں اپنے اوپر ضبط رکھنے کے معنی میں ہے کہ جو یہاں حکم عملی کی طرف اشارہ ہے اور علم

اشارہ ہے نظری حکمت وعلم ودانش کی طرف اور حکم کو علم پر اس لئے مقدم رکھا گیا ہے کہ انسان جب تک تہذیب نفس اور خود سازی نہ کر لے صحیح علم تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۲۳)وَرَاوَدَتۡهُ الَّتِیۡ هُوَ فِیۡ بَیۡتِهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَ قَالَتۡ هَیۡتَ لَکَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ	اور جس عورت کے گھر میں یوسف رہتے تھے اس نے اس سے اپنے مطلب کے حصول کی خواہش کی اور دروازے بند کر دیئے اور کہا کہ اس چیز کی طرف جلدی آ ؤ جو تمہارے لئے مہیا ہے (یوسف نے) کہا: میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں وہ (عزیز مصر) میرا صاحب نعمت ہے اور اس نے مجھے محترم جانا (اور میں اس سے خیانت کروں؟) یقیناً ظالم کامیاب نہیں ہوں گے اور فلاح نہیں پائیں گے۔
(۲۴)وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوۡ لَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ ؕ کَذٰلِکَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَ الۡفَحۡشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِیۡنَ	اس عورت نے تو یہ ارادہ کیا اور وہ بھی اگر پروردگار کی برہان نہ دیکھتا تو ارادہ کرتا ہم نے ایسا اس لئے کیا تاکہ بدی اور فحشاء کو اس سے دور رکھیں کیونکہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

تفسیر

عزیز مصر کی بیوی کا عشق سوزاں

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خوبصورت، پرکشش اور ملکوتی چہرے سے نہ صرف عزیز مصر کو اپنی طرف جذب کر لیا بلکہ عزیز کی بیوی بھی بہت جلد آپ علیہ السلام کی گرویدہ ہوگئی۔ آپ علیہ السلام کا عشق اس کی روح کی گہرائیوں میں اتر گیا جوں جوں وقت گزرتا گیا اس عشق کی حدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا لیکن یوسف علیہ السلام کی جو پاکیزہ اور پرہیزگار انسان تھے انہیں خدا کے علاہ کسی کی کوئی فکر اور سوچ نہ تھی۔ ان کا دل فقط عشق الٰہی کا گرویدہ تھا۔

ایک تو اسے اولاد نہ ہونے کا ارمان تھا، دوسرا اسکی رنگینیوں سے بھرپور اشراف کی زندگی تھی، تیسرا داخلی زندگی میں اسے کوئی پریشانی اور مسئلہ نہ تھا جیسا کہ اشراف اور ناز و نعمت میں پلنے والوں کی زندگی ہے اور چوتھا دربار مصر میں کسی قسم کی کوئی پابندی اور قدغن نہ تھی۔ ان حالات میں وہ عورت کہ جو ایمان وہ تقویٰ سے بھی بے بہرہ تھی شیطانی وسوسوں کی موجوں میں غوطہ زن ہوگئی۔ یہاں تک کہ

اس نے ارادہ کرلیا کہ اپنے دل کا راز یوسف علیہ السلام سے بیان کرے اور اپنے دل کی تمنا ان سے پورا کرنے کا تقاضا کرے۔

اپنے مقصد کے حصول کی خاطر اس نے ہر ذریعہ اور ہر طور طریقہ اختیار کیا اور بڑی خواہش کے ساتھ کوشش کی کہ ان کے دل کو متاثر کرے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: جس عورت کے گھر یوسف تھے اس نے اپنی آرزو پوری کرنے کے لئے پیہم ان سے تقاضا کیا۔

آخر کا جو راستہ اسے نظر آیا یہ تھا کہ ایک دن انہیں تنہا اپنی خلوت گاہ میں پھنسا لے اوان کے جذبات ابھارنے کے لئے تمام وسائل سے کام لے۔ جاذب ترین لباس پہنے، بہترین بناؤ سنگھار کرے۔ بہت مہک دار عطر لگائے اور اس طرح سے آرائش و زیبائش کرے کہ یوسف علیہ السلام جیسے قوی انسان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے۔

قرآن کہتا ہے: اس نے سارے دروازوں کو اچھی طرح بند کرلیا اور کہا آؤ میں تمہارے لئے حاضر ہوں۔

علاوہ ازیں شاید وہ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ راز فاش ہونے سے پریشان نہ ہوں کیونکہ ان بند دروازوں کے ہوتے ہوئے کسی شخص کے بس میں نہیں کہ وہ اندر آسکے جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ تمام حالات لغزش و گناہ کی حمایت میں ہیں اور ان کے لئے کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا تو انہوں نے زلیخا کو بس یہ جواب دیا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس مختصر جملے سے انہوں نے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے خدا کی وحدانیت کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد مزید کہا کہ تمام چیزوں سے قطع نظر میں ایسی خواہش کے سامنے کس طرح سے سر تسلیم خم کرلوں جبکہ میں عزیز مصر کے گھر میں رہتا ہوں اس کے دستر خواں پر ہوں اور اس نے مجھے بہت احترام سے رکھا ہوا ہے کیا یہ واضح ظلم اور خیانت نہ ہوگی، یقیناً ستم گار فلاح نہیں پائیں گے۔

یہاں یوسف علیہ السلام اور زوجہ عزیز کا معاملہ نہایت نازک مرحلے اور انتہائی حساس کیفیت تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق قرآن بہت معنی خیز انداز میں گفتگو کرتا ہے: عزیز مصر کی بیوی نے اس کا قصد کیا اور یوسف بھی برہان پروردگار نہ دیکھتے تو ایسا ارادہ کرتے۔

عزیز مصر کی بیوی نے یوسف علیہ السلام سے اپنی آرزو کو پورا کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور اس کے لئے اپنی انتہائی کوشش کی۔ یوسف علیہ السلام بھی نوخیز جوان تھے، ابھی تک ان کی شادی بھی نہ ہوئی تھی اور نہایت ہیجان انگیز جنسی کیفیت ان کے سامنے تھی وہ بھی طبع بشری کے تقاضے سے ایسا ارادہ کرلیتے اگر برہان پروردگار یعنی روح ایمان و تقویٰ تربیت نفس اور آخر کار مقام عصمت اس میں حائل نہ ہوتا۔

یہ بات جاذب نظر ہے کہ حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے ایک حدیث میں یہی پہلی تفسیر بہت ہی جچی تلی اور مختصر عبارت میں بیان ہوئی ہے حدیث کچھ یوں ہے۔

عباسی خلیفہ مامون امام علیہ السلام سے پوچھتا ہے: کیا آپ حضرات نہیں کہتے کہ انبیاء معصوم ہیں۔

فرمایا: جی ہاں۔

اس نے کہا پھر قرآن کی اس آیت کی تفسیر کیا ہے۔ "ولقد همت به و هم بها لو لا ان راٰ برهان ربه".

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"زوجہ عزیز نے یوسف علیہ السلام سے اپنی خواہش کی تکمیل کا ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام بھی اگر اپنے پروردگار کی بر ہان نہ دیکھتے تو عزیز مصر کی بیوی کی طرح ارادہ کرتے لیکن وہ تو معصوم تھے اور معصوم کبھی بھی گناہ کا ارادہ نہیں کرتا اور گناہ کے پیچھے نہیں جاتا"۔

مامون کو اس جواب پر بہت لطف آیا اس نے کہا:

آفرین آپ پر اے ابوالحسن (علیہ السلام)

تیسرا یہ کہ آیت میں ہے ہم نے بدی اور فحشاء دونوں کو یوسف علیہ السلام سے دور کر دیا "فحشاء" کا معنی وہی بے حیائی سے آلودہ ہونا ہے اور "سوء" عزیز مصر کے تشدد سے نجات ہے۔

اب ہم باقی آیت کی تفسیر کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے: ہم نے یوسف علیہ السلام کو اپنی ایسی برہان پیش کی تا کہ بدی اور فحشاء کو اس سے دور کریں کیونکہ وہ ہمارے برگزیدہ اور مخلص بندوں میں سے تھا۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ہم نے جو اس کے لئے غیبی اور روحانی امداد بھیجی تا کہ وہ بدی اور گناہ سے رہائی پائے تو یہ بے دلیل نہیں تھا۔ وہ ایک ایسا بندہ تھا جس نے اپنے آپ کو آگاہی، ایمان، پرہیزگاری اور پاکیزہ عمل سے آراستہ کیا ہوا تھا اور اس کا قلب وروح شرک کی تاریکیوں سے پاک اور خالص تھا۔ اسی لئے وہ ایسا خدائی امداد کی اہلیت ولیاقت رکھتا تھا۔ اس دلیل کا ذکر نشاندہی کرتا ہے کہ ایسی خدائی امداد جو طغیانی و بحرانی لمحات میں یوسف علیہ السلام جیسے انبیاء کو میسر آتی تھی ان سے مخصوص نہ تھی بلکہ جو شخص بھی خدا کے خالص بندوں اور عباد الله المخلصين کے زمرے میں آتا ہوا ایسی نعمات کے لائق ہے۔

(۲۵) وَ اسۡتَبَقَا الۡبَابَ وَ قَدَّتۡ قَمِيۡصَهٗ مِنۡ دُبُرٍ وَّ اَلۡفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الۡبَابِ ؕ قَالَتۡ مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا اِلَّاۤ اَنۡ يُّسۡجَنَ اَوۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ	اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے (جبکہ زوجۂ عزیز یوسف کا تعاقب کر رہی تھی) اور پیچھے سے اس کی قمیض پھاڑ دی اور اس دوران اس عورت سردار کو ان دونوں نے دروازے پر پایا۔ اس عورت نے کہا: جو تیرے اہل سے خیانت کا ارادہ کرے اس کی سزا سوائے زندان یا دردناک عذاب کے کیا ہوگی؟

(۲۶)قَالَ هِیَ رَاوَدَتۡنِیۡ عَنۡ نَّفۡسِیۡ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ كَانَ قَمِیۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ فَصَدَقَتۡ وَ هُوَ مِنَ الۡكٰذِبِیۡنَ	(یوسف نے) کہا: اس نے مجھے اصرار سے اپنی طرف دعوت دی اور اس موقع پر اس عورت کے خاندان میں سے ایک شاہد نے گواہی دی کہ اگر اس کی قمیض آگے سے پھٹی ہے تو عورت سچ کہتی ہے اور یہ جھوٹوں میں سے ہے۔
(۲۷)وَ اِنۡ كَانَ قَمِیۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ فَكَذَبَتۡ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ	اور اگر اس کی قمیض پیچھے سے پھٹی ہے تو پھر وہ عورت جھوٹ بولتی ہے اور یہ سچوں میں سے ہے۔
(۲۸)فَلَمَّا رَاٰ قَمِیۡصَهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنۡ كَیۡدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیۡدَكُنَّ عَظِیۡمٌ	جب (عزیز مصر نے) دیکھا تو اس (یوسف) کی قمیض پیچھے سے پھٹی تھی تو اس نے کہا کہ یہ تمہارے مکروفریب میں سے ہے اور میں جانتا ہوں کہ عورتوں کا مکروفریب عظیم ہوتا ہے۔
(۲۹)یُوۡسُفُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ٚ وَاسۡتَغۡفِرِیۡ لِذَنۡۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنۡتِ مِنَ الۡخٰطِـِٕیۡنَ ۠	یوسف! اس امر سے صرف نظر کرو اور (اے عورت!) تو بھی اپنے گناہ پر استغفار کر کہ تو خطار کاروں میں سے تھی۔

تفسیر

زوجۂ عزیز مصر کی رسوائی

یوسف علیہ السلام کی انتہائی استقامت نے زوجہ عزیز کو تقریباً مایوس کر دیا یوسف علیہ السلام اس معرکے میں اس نازواداوالی اور سرکش ہوا وہوس والی عورت کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے تھے انہوں نے محسوس کیا کہ اس لغزش گاہ میں مزید ٹھہرنا خطرناک ہے انہوں نے اس محل سے نکل جانے کا ارادہ کیا۔لہٰذا وہ تیزی سے قصر کے دروازے کی طرف بھاگے تاکہ دروازہ کھول کر نکل جائیں۔زوجہ عزیز بھی بے اعتنا نہ رہی وہ بھی یوسف علیہ السلام کے پیچھے دروازے کی طرف بھاگی تاکہ یوسف علیہ السلام کو باہر نکلنے سے روکے اس نے اس مقصد کے لئے یوسف کی قمیض پیچھے سے پکڑ لی اور اسے اپنی طرف کھینچا اس طرح سے کہ قمیض پیچھے سے لمبائی کے رخ پھٹ گئی لیکن جس طرح بھی ہوا یوسف علیہ السلام دروازے تک پہنچ گئے اور دروازہ کھول لیا اچانک عزیز مصر کو دروازے کے پیچھے دیکھا۔جس طرح قرآن کہتا ہے ان دونوں نے اس عورت کے آقا کو دروازے پر پایا۔

اب جبکہ زوجہ عزیز نے ایک طرف اپنے تئیں رسوائی کے آستانے پر دیکھا اور دوسری طرف انتقام کی آگ اس کی روح میں

بھڑک اٹھی تو پہلی بات جو اسے سوجھی یہ تھی کہ اس نے اپنے آپ کو حق بجانب ظاہر کرتے ہوئے اپنے شوہر کی طرف رخ کیا اور یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی: اس نے پکار کر کہا: جو شخص تیری اہلیہ سے خیانت کا ارادہ کرے اس کی سزا قید کے سوا کیا ہو سکتی ہے۔

اس مقام پر حضرت یوسف علیہ السلام نے خاموشی کو کسی طور پر جائز نہ سمجھا اور صراحت سے زوجہ عزیز مصر کے عشق سے پردہ اٹھایا۔ انہوں نے کہا: اس نے مجھے اصرار اور التماس سے اپنی طرف دعوت دی تھی واضح ہے اس قسم کے موقع پر ہر شخص ابتداء میں بڑی مشکل سے یہ باور کر سکتا ہے کہ ایک نوخیز غلام کی جو شادی شدہ نہیں بے گناہ ہو اور ایک شوہر دار عورت کہ جو ظاہراً باوقار ہے گنہگار ہو۔ اس بنا پر الزام زوجہ عزیز کی نسبت زیادہ یوسف کے دامن پر لگتا تھا لیکن چونکہ خدا نیک اور پاک افراد کا حامی و مددگار ہے وہ اجازت نہیں دیتا کہ یہ نیک اور پارسا مجاہد نوجوان تہمت کے شعلوں کی لپیٹ میں آئے۔ لہٰذا قرآن کہتا ہے اس موقع اس عورت کے اہل خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اصلی مجرم کی پہچان کے لئے اس واضح دلیل سے استفادہ کیا جائے کہ اگر یوسف کا کرتہ آگے کی طرف سے پھٹا ہے تو وہ عورت سچ کہتی ہے اور یوسف علیہ السلام جھوٹا ہے۔ اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو وہ عورت جھوٹی اور یوسف علیہ السلام سچا ہے۔

(۲۶) اس سے زیادہ مضبوط دلیل اور کیا ہوگی۔ کیونکہ زوجہ عزیز کی طرف سے تقاضا تھا تو وہ یوسف علیہ السلام کے پیچھے دوڑی ہے اور یوسف علیہ السلام اس سے بھاگ رہے تھے کہ وہ ان کے کرتے سے لپٹی ہے، تو یقیناً وہ پیچھے سے پھٹا ہے اور اگر یوسف نے عزیز کی بیوی پر حملہ کیا ہے اور وہ بھاگی ہے یا سامنے سے اپنا دفاع کیا ہے تو یقیناً یوسف کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے۔

عزیز مصر نے یہ فیصلہ کہ جو بہت ہی جچا تلا تھا بہت پسند کیا۔ یوسف کی قمیص کو غور سے دیکھا اور جب اس نے دیکھا کہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے خصوصاً اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ اس دن تک اس نے کبھی یوسف علیہ السلام سے کوئی جھوٹ نہیں سنا تھا اس نے اپنی بیوی کی طرف رخ کیا اور کہا: یہ کام تم عورتوں کے مکروفریب میں سے ہے، بے شک تم عورتوں کا مکروفریب عظیم ہے۔

اس وقت عزیز مصر کو خوف ہوا کہ یہ رسوا کن واقعہ ظاہر نہ ہو جائے اور مصر میں اس کی آبرو نہ جاتی رہے۔ اس نے بہتر سمجھا کہ معاملے کو سمیٹ کر دبا دیا جائے اس نے یوسف کی طرف رخ کیا اور کہا: اے یوسف تم صرف نظر کرو اور اس واقعے کے بارے میں کوئی بات نہ کہو پھر اس نے بیوی کی جانب رخ کیا اور کہا تم بھی اپنے گناہ سے استغفار کرو کہ تم خطا کاروں میں سے تھی۔

بحرانی لمحات میں نصرت الٰہی

داستان یوسف علیہ السلام کا یہ حصہ ہمیں ایک اور بہت بڑا درس دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے انتہائی بحرانی لمحات میں پروردگار کی وسیع حمایت انسانی مدد کو آ پہنچی ہے۔

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے

''.........خدا اس کے لئے نجات کی راہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا کہ جہاں سے وہم بھی نہ ہو''۔ (طلاق......۲۔۳)

اسی مصداق ایسے ذرائع سے کہ انسان جن کے متعلق سوچتا بھی نہیں کہ کوئی امید کی کرن پیدا ہوگی خدا تعالی کی مدد ہوتی

ہے۔

کیا خبر تھی کہ کرتے کا پھٹنا حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی اور برات کی سند بن جائے گا وہی واقعات کو جنم دینے والا کرتہ کہ جو ایک دن یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو پھٹا نہ ہونے کی وجہ سے باپ کے حضور ذلیل ورسوا کرتا ہے لیکن دوسری طرف یہ کرتہ عزیز کی ہوس آلود بیوی کو پھٹا ہونے کی وجہ سے خوار کرتا ہے اور تیسری طرف حضرت یعقوب علیہ السلام کی بے نور آنکھوں کے لئے نور آفرین بن جاتا ہے اور اس کی بوئے آشنائی نسیم صبح گاہی کے ہمراہ مصر سے کنعان تک سفر کرتی ہے اور پیر کنعان کو خوش خبری لیکر آنے والے سوار کی خبر دیتی ہے۔

بہرحال خدا تعالےٰ کے ایسے پوشیدہ الطاف ہیں کہ جن کی گہرائی سے کوئی شخص آگاہ نہیں ہے اور جس وقت اس کے لطف کی بادصبا چلتی ہے تو منظر اس طرح سے بدل جاتے ہیں کہ سمجھدار ترین افراد بھی جس کی پیش گوئی کے قابل نہیں ہوتے۔

(۳۰)وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ	شہر کی بعض عورتوں نے کہا: زوجۂ عزیز اپنے جوان (غلام) کو اپنی طرف دعوت دیتی ہے اور اس جوان کا عشق اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا ہے ہم دیکھتی ہیں کہ وہ کھلی گمراہی میں ہے۔
(۳۱)فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ	جس وقت (عزیز کی بیوی) کو ان کے خیال کی خبر ہوئی تو اس نے انہیں بلوایا (اور انہیں دعوت دی) اور ان کے لئے قیمتی تکیوں سے مجلس آراستہ کی اور ہر ایک کے ہاتھ میں (پھل کاٹنے کے لئے) چھری تھمادی اور اس موقع پر (یوسف سے) کہا: ان کی محفل میں داخل ہو۔ جب ان کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور (بے اختیار) انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہا حاشا للہ یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگوار فرشتہ ہے۔

(۳۲)قَالَتۡ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىۡ لُمۡتُنَّنِىۡ فِيۡهِ‌ ؕ وَ لَقَدۡ رَاوَدْتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ فَاسۡتَعۡصَمَ‌ ؕ وَ لَئِنۡ لَّمۡ يَفۡعَلۡ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسۡجَنَنَّ وَ لَيَكُوۡنًا مِّنَ الصّٰغِرِيۡنَ	(عزیز کی بیوی نے) کہا: یہ وہی ہے جس (کے عشق) کی بناء پر تم نے مجھے سرزنش کی ہے جی ہاں! میں نے اسے اپنی طرف دعوت دی ہے مگر یہ بچ نکلا اور جو کچھ میں کہتی ہوں اس نے انجام نہ دیا تو یہ زندان میں جائیگا تو یقیناً ذلیل وخوار ہوگا۔
(۳۳)قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدۡعُوۡنَنِىۡۤ اِلَيۡهِ‌ ۚ وَ اِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّىۡ كَيۡدَهُنَّ اَصۡبُ اِلَيۡهِنَّ وَ اَكُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِيۡنَ	(یوسف) نے کہا: پروردگارا! جس طرف یہ لوگ مجھے بلاتے ہیں اس سے قید خانہ مجھے زیادہ محبوب ہے اور اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔
(۳۴)فَاسۡتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنۡهُ كَيۡدَهُنَّ‌ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ	اس کے پروردگار نے اس کی دعا قبول کرلی اور ان عورتوں کی چالیں اس سے دور کردیں۔ کیونکہ وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

تفسیر

زوجہ عزیز مصر کی ایک اور سازش

زوجہ عزیز کے اظہار عشق کا معاملہ مذکورہ داستان میں اگرچہ خاص لوگوں تک تھا اور خود عزیز نے بھی اسے چھپانے کی تاکید کی تھی تاہم ایسی باتیں چھپائے نہیں چھپتیں۔ خصوصاً بادشاہوں اور اہل دولت واقتدار کے تو محلوں کی دیواریں بھی سنتی ہیں بہرحال آخر کار یہ راز قصر سے باہر نکل گیا اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

شہر کی کچھ عورتیں اس بارے میں ایک دوسرے سے باتیں کرتی تھیں اور اس بات کا چرچا کرتی تھیں کہ عزیز کی بیوی نے اپنے غلام سے راہ ورسم پیدا کرلی ہے اور اسے اپنی طرف دعوت دیتی ہے اور غلام کا عشق تو اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا ہے۔

پھر وہ یہ کہہ کر اس پر تنقید کرتیں کہ ہماری نظر میں تو وہ واضح گمراہی میں ہے۔

واضح ہے کہ ایسی باتیں کرنے والی مصر کے طبقہ امرا کی عورتیں تھیں جن کے لئے فرعونیوں اور مستکبرین کے محلات کی گھٹیا کہانیاں بہت دلچسپ ہوتی تھیں اور وہ ہمیشہ ان کی ٹوہ میں لگی رہتی تھیں۔

(۳۱) زوجہ عزیز کو مصر کی حیلہ گر عورتوں کے بارے پتہ چلا تو پہلے وہ پریشان ہوئی۔ پھر اسے ایک تدبیر سوجھی اس نے انہیں ایک دعوت پر مدعو کیا۔ فرش سجایا اور قیمتی گاؤ تکئے لگا دیئے۔ وہ آ بیٹھیں تو ہر ایک کے ہاتھ میں پھل کاٹنے کے لئے چھری تھما دی (یہ چھریاں پھل کاٹنے کی ضرورت سے زیادہ تیز تھیں)۔

یہ کام خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اپنے شوہر کی پرواہ نہ کرتی تھی اور گزشتہ رسوائی سے اس نے کوئی سبق نہ سیکھا تھا۔

اس کے بعد اس نے یوسف علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس مجلس میں داخل ہو تا کہ تنقید کرنے والی عورتیں اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر اسے اس کے اس عشق پر ملامت نہ کریں۔

زنان مصر جو بعض روایات کے مطابق دس یا اس سے زیادہ تھیں جب انہوں نے زیبا قامت اور نورانی چہرہ دیکھا اور ان کی نظر یوسف علیہ السلام کے دلربا چہرے پر پڑی تو انہیں یوں لگا جیسے اس محل میں آفتاب اچانک بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا ہے اور آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے۔ وہ اس قدر حیران اور دم بخود ہوئیں کہ انہیں ہاتھ اور پاؤں میں اور ہاتھ اور ترنج بین میں فرق بھول گیا۔ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی کہا یہ تو غیر معمولی ہے وہ خود سے اس قدر بے خود ہوئیں کہ (ترنج بین کی بجائے) اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور جب انہیں نے دیکھا کہ ان کی دلکش آنکھوں میں تو عفت وحیا کا نور ضوفشاں ہے اور ان کے معصوم رخسار شرم وحیا سے گلگوں ہیں تو سب پکار اٹھیں کہ نہیں یہ جوان ہرگز گناہ سے آلودہ نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگوار آسمانی فرشتہ ہے۔

(۳۲) اس وقت مصر کی عورتیں پوری طرح بازی ہار چکی تھیں۔ ان کے زخمی ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ پریشانی کے عالم میں وہ بے روح مجسمے کی طرح اپنی جگہ چپکی سی بیٹھی تھیں۔ ان کی حالت کہہ رہی تھی کہ انہوں نے زوجہ عزیز سے کچھ کم نہیں کیا۔ اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کہا: یہ ہے وہ شخص جس کے عشق پر تم مجھے طعنے دیتی تھی۔

گویا زوجہ عزیز چاہتی تھی کہ انہیں کہے کہ تم نے تو یوسف علیہ السلام کو ایک مرتبہ دیکھا ہے اور یوں اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھی ہو کہ تم نے اپنے ہاتھ تک کاٹ لئے ہیں اس کے جمال میں مستغرق ہوگئی وہ اور اس کی ثناخوانی کرنے لگی ہو تو پھر مجھے کیونکر ملامت کرتی ہو جبکہ میں صبح و شام اس کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہوں۔

زوجہ عزیز نے جو منصوبہ بنایا تھا اس میں اپنی کامیابی پر وہ بہت مغرور اور خوش تھی۔ وہ اپنے کام کو معقول ثابت کر رہی تھی اس نے ایک ہی دفعہ تمام پردے ہٹا دیئے اور پوری صراحت کے ساتھ اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور کہا: جی ہاں! میں نے اسے اپنی آرزو پورا کرنے کے لئے دعوت دی تھی لیکن یہ بچا رہا۔

اس کے بعد بجائے اس کے کہ اپنے گناہ پر اظہار ندامت کرتی یا کم از کم مہمانوں کے سامنے کچھ پردہ پڑا رہنے دیتی اس نے بڑی بے اعتنائی اور سخت انداز میں کہ جس سے اس کا قطعی ارادہ ظاہر ہوتا تھا، صراحت کے ساتھ اعلان کیا: اگر اس (یوسف علیہ السلام) نے میرا حکم نہ مانا اور میرے عشق سوزاں کے سامنے سر نہ جھکایا تو یقیناً اسے قید میں جانا پڑے گا نہ صرف یہ کہ میں اسے زندان میں ڈال دوں گی بلکہ قید خانے کے اندر بھی ذلیل وخوار ہوگا۔

(۳۳) بعض نے تو اس موقع پر ایک تعجب انگیز روایت نقل کی ہے۔ وہ یہ کہ چند زنان مصر جو اس دعوت میں موجود تھیں وہ زوجہ عزیز کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسے حق بجانب قرار دیا۔ وہ یوسف علیہ السلام کے گرد جمع ہو گئیں اور ہر ایک نے یوسف علیہ السلام کو رغبت دلانے کے لئے مختلف بات کی۔

ایک نے کہا: اے جوان! یہ اپنے آپ کو بچانا، یہ ناز ونخرے آخر کس لئے؟ کیوں اس عاشق دلدادہ پر رحم نہیں کرتے؟ کیا اس خیرہ کن جمال دل آرا کو نہیں دیکھتے؟ کیا تمہارے سینے میں دل نہیں ہے؟ کیا تم جوان نہیں ہو؟ کیا تمہیں عشق وزیبائی سے کوئی رغبت نہیں اور کیا تم پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے ہو۔

دوسری نے کہا: میں حیران ہوں چونکہ حسن وعشق کی وجہ سے مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا لیکن کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ وہ عزیز مصر اور اس ملک کے صاحب اقتدار کی بیوی ہے؟ کیا تم یہ نہیں سوچتے کہ اس کا دل تمہارے ہاتھ میں ہو تو یہ ساری حکومت تمہارے قبضے میں ہوگی اور تم جو مقام چاہو تمہیں مل جائے گا؟

تیسری نے کہا: میں حیران ہوں کہ نہ تو تم اس کے جمال زیبا کی طرف مائل ہو اور نہ اس کے مقام ومال کی طرف لیکن کیا تم یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ ایک خطرناک انتقام جو عورت ہے اور انتقام لینے کی طاقت بھی پوری طرح اس کے ہاتھ میں ہے؟ کیا تمہیں اس کے وحشت ناک اور تاریک زندان کا کوئی خوف نہیں؟ کیا تم اس قید تنہائی کے عالم غربت وبیچارگی کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتے؟

ایک طرف عزیز کی بیوی کی دھمکی اور ان آلودہ گناہ عورتوں کا وسوسہ تھا کہ جو اس وقت دلالی کا کھیل کھیل رہی تھیں اور دوسری طرف یوسف علیہ السلام کے لئے ایک شدید بحرانی لمحہ تھا۔ ہر طرف سے مشکلات کے طوفان نے انہیں گھیر رکھا تھا لیکن وہ تو پہلے سے اپنے آپ کو اصلاح سے آراستہ کئے ہوئے تھے نور ایمان پاکیزگی اور تقویٰ نے ان کی روح میں ایک خاص اطمینان پیدا کر رکھا تھا۔ وہ بڑی شجاعت اور عزم سے اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ بغیر اس کے کہ وہ ان ہوس باز اور ہوس ران عورتوں سے باتوں میں الجھتے انہوں نے پروردگار کی بارگاہ کا رخ کیا اور اس طرح سے دعا کرنے لگے: بارالہا! پروردگارا! جس کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دیتی ہیں اس کی نسبت قید خانہ اپنی تمام تر سختیوں کے باوجود مجھے زیادہ محبوب ہے۔

اس کے بعد چونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ تمام حالات میں خصوصاً مشکلات میں لطف الٰہی کے سوا کوئی راہ نجات نہیں کہ جس پر بھروسہ کیا جائے انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کیا اور اس سے مدد مانگی اور پکارے:

''پروردگارا! اگر تو مجھے ان عورتوں کے مکر اور خطرناک منصوبوں سے نہ بچائے تو میرا دل ان کی طرف مائل ہو جائے گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاوں گا۔

خداوندا!

میں تیرے فرمان کا احترام کرتے ہوئے اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرتے ہوئے اس وحشت ناک قید خانے کا استقبال کرتا ہوں وہ قید خانہ کہ جس میں میری روح آزاد ہے اور میرا دامن پاک ہے اسکے بدلے میں اس ظاہری آزادی کو ٹھو

کر مارتا ہوں کہ جس میں میری روح کو زندان ہوس نے قید کر رکھا ہو اور جو میرے دامن کو آلودہ کر سکتی ہے۔

خدایا! میری مدد فرما، مجھے قوت بخش اور میری عقل، ایمان اور تقویٰ کی طاقت میں اضافہ فرما تا کہ میں ان شیطانی وسوسوں پر کامیابی حاصل کروں"۔

(۳۴) اور چونکہ خدا تعالیٰ کا ہمیشہ سے وعدہ ہے کہ وہ مخلص مجاہدین کی (چاہے وہ نفس کے خلاف برسر پیکار ہوں یا ظاہری دشمن کے خلاف) مدد کرے گا، اس نے یوسف علیہ السلام کو اس عالم میں تنہا نہ چھوڑا۔ حق تعالے کا لطف و کرم اس کی مدد کو آگے بڑھا جیسا کہ قرآن کہتا ہے: اس کے پروردگار نے اس کی اس مخلصانہ دعا کو قبول کیا ان کے مکر اور سازشوں کو پلٹا دیا کیونکہ وہ سننے اور جاننے والا ہے وہ بندوں کی دعا بھی سنتا ہے اور ان کے اندرونی اسرار سے بھی آگاہ ہے اور انہیں مشکلات سے بچانے کی راہ سے بھی واقف ہے۔

(۳۵) ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۧ	جب وہ (یوسف کی پاکیزگی کی) نشانیاں دیکھ چکے تو انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اسے ایک مدت تک قید خانے میں رکھیں۔
(۳۶) وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ	اور دو نوجوان اور اس کے ساتھ قید خانے میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا: میں نے عالم خواب میں دیکھا ہے کہ شراب کے لئے (انگور) نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں روٹیاں اپنے سر پر اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے ان میں سے کھا رہے ہیں۔ ہمیں ان کی تعبیر بتاؤ کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم کوئی نیکوکاروں میں سے ہو۔
(۳۷) قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ	یوسف نے کہا: اس سے پہلے کہ تمہارے کھانے کا کھانا تم تک پہنچے میں تمہیں تمہارے خواب کی تعبیر سے آگاہ کر دوں گا، یہ وہ علم ہے جس کی تعلیم میرے پروردگار نے مجھے دی ہے۔ میں نے ان لوگوں کے دین کو ترک کر رکھا ہے جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں (اسی لئے میں ایسی نعمت کے لائق ہوا ہوں)۔

(۳۸)وَ اتَّبَعۡتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ مَا کَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِکَ بِاللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ عَلَیۡنَا وَ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ	میں نے اپنے آباءابراہیم،اسحاق اور یعقوب کی پیروی کی ہے ہمارے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ کسی کو اللہ کا شریک قرار دیں، یہ (بھی) اللہ کا ہم لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکرگزاری نہیں کرتے۔

تفسیر

بے گناہی کی پاداش میں قید

مصرعزیز میں یوسف علیہ السلام کی موجودگی میں زنان مصر کی حیران کن محفل اس شوروغوغا کے عالم میں تمام ہوئی۔

فطری بات تھی کہ یہ خبرعزیز کے کان تک پہنچ گئی۔ان تمام واقعات سے واضح ہوگیا کہ یوسف علیہ السلام کوئی معمولی انسان نہیں ہےاوراس قدر پاکیزہ ہے کہ کوئی طاقت اسے گناہ پرابھارنہیں سکتی مختلف حوالوں سے اسکی پاکیزگی کی نشانیاں واضح ہوئیں۔

یوسف علیہ السلام کی قمیض کا پیچھے سے پھٹا ہونا، زنان مصر کے وسوسے کے مقابلے میں استقامت کا مظاہرہ کرنا، قیدخانے میں جانے کے لئے آمادہ ہونااور زوجہ عزیز کی طرف سے قیداورالم کی دھمکیوں کے سامنے سرنہ جھکانا یہ سب اس کی پاکیزگی کی دلیل تھیں۔ یہ ایسے دلائل تھے کہ کوئی شخص نہ اسے چھپا سکتا تھا نہ اس کا انکار کرسکتا تھا۔ان کا لازمی نتیجہ زوجہ عزیز مصر کی ناپاکی اور جرم تھا۔یہ جرم ثابت ہونے کے بعدعوام میں خاندان عزیز کی جنسی حوالے سے رسوائی کا خوف بڑھ رہا تھا۔عزیزمصراوراس کے مشیروں کواس کے لئے صرف یہی چارہ دکھائی دیا کہ یوسف علیہ السلام کومنظر سے ہٹا دیا جائے اس طرح سے کہ لوگ اسےاوراس کا نام بھول جائیں۔اس کیلئے ان کی نظرمیں بہترین راستہ اسے تاریک قیدخانے میں بھیجنا تھا کہ جس سے یوسف علیہ السلام کو بھلا بھی دیا جائے گا۔اور وہ یہ بھی سمجھیں گے کہ اصلی مجرم یوسف علیہ السلام تھا۔اسی لئے قرآن کہتا ہے: جب انہوں نے (یوسف کی پاکیزگی کی) نشانیاں دیکھ لیں تو پختہ ارادہ کرلیا کہ اسے ایک مدت تک قید میں ڈالا جائے۔

جی ہاں! ایک آلودہ اورگندے ماحول میں آزادی تو ان آلودہ لوگوں کے لئے ہوتی ہے جو پانی کے بہاؤ کے ساتھ چلتے ہیں۔ایسے ماحول میں نہ صرف آزادی بلکہ سب کچھ انہی کو میسر ہوتا ہے؛اور یوسف علیہ السلام جیسے پاکدامن اورقیمتی افرادکہ جواس ماحول کے رنگ میں رنگے نہیں جاتے اور پانی کے بہاؤ کے مخالف چلتے ہیں۔

(۳۶) یوسف علیہ السلام کے ساتھ زندان میں داخل ہونے والوں میں دو جوان بھی تھے۔

جب انسان کسی معمول کے طریقے سے خبروں تک رسائی حاصل نہ کرسکے تو اس کیلئے دوسرے احساسات کواستعمال کرتا ہے تاکہ حوادث کااندازہ لگا سکے۔خواب بھی اس مقصد کے لئے کارآمد ہوسکتا ہے۔

اسی بناپردونوں جوان کہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ کے گھر مشروبات پر مامور تھااور دوسراباورچی خانے کا

کنٹرولر، دشمنوں کی چغل خوری اور بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں قید تھے ایک روز یوسف علیہ السلام کے پاس آئے دونوں نے اپنا گزشتہ شب کا خواب سنایا جو کہ ان کے لئے عجیب تھا۔ ایک نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ شراب بنانے کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں۔

دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے کچھ روٹیاں سر پر اٹھا رکھی ہیں اور آسمان کے پرندے آتے ہیں اور ان میں سے کھاتے ہیں اس کے بعد انہوں نے مزید کہا: ہمیں ہمارے خواب کی تعبیر بتاؤ، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم نیکوکاروں میں سے ہو۔

(۳۷) بہر حال وہ یوسف علیہ السلام کہ جو قیدیوں کی ہدایت اور رہنمائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے انہوں نے ان دو قیدیوں کی طرف سے تعبیر خواب کے لئے رجوع کرنے کو غنیمت جانا اور اس بہانے سے ایسے اہم حقائق بیان کئے جو ان کے تعبیر خواب سے متعلق اپنی آگاہی کے بارے میں کہ جو ان دو قیدیوں کے لئے بہت اہمیت رکھتے تھے۔ اور تمام انسانوں کے لئے راستہ کھولنے والے تھے آپ علیہ السلام نے پہلے تو ان کا اعتما حاصل کرنے کے لئے ان سے کہا تمہارے کھانے کا راشن آنے سے پہلے میں تمہیں خواب سے آگاہ کردوں گا۔

اس کے بعد باایمان اور خدا پرست یوسف علیہ السلام کہ جن کے وجود کی گہرائیوں میں توحید پوری وسعت سے جڑ پکڑ چکی تھی، نے یہ واضح کرنے کے لئے کہ امر الٰہی کے بغیر کوئی چیز حقیقت کا روپ اختیار نہیں کرتی، اپنی بات کو اسی طرح سے جاری رکھا: تعبیر خواب کے متعلق میرا یہ علم و دانش ان امور میں سے ہے کہ جن کی تعلیم مجھے میرے پروردگار نے دی ہے۔

نیز اس بنا پر کہ وہ خیال نہ کریں کہ خدا کوئی چیز بغیر کسی بنیاد کے بخش دیتا ہے، آپ علیہ السلام نے مزید فرمایا: میں نے ان لوگوں کا دین و مذہب ترک کر رکھا ہے کہ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے منکر ہیں اور اس نور ایمان اور تقویٰ نے مجھے اس نعمت کے لائق بنایا ہے۔

اس قوم و ملت سے مصر کے بت پرست لوگ یا کنعان کے بت پرست مراد ہیں۔ مجھے ایسے عقائد سے الگ ہی ہونا چاہئے کیونکہ یہ انسان کی پاک فطرت کے خلاف ہیں۔ علاوہ ازیں میں نے ایسے خاندان میں پرورش پائی ہے کہ جو وحی و نبوت کا خاندان ہے۔ میں نے اپنے آباؤ اجداد اور بزرگوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔

شاید پہلا موقع تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں سے اپنا تعارف کروایا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ وحی و نبوت کے گھرانے سے ہیں اور دیگر بہت سے قیدیوں کی طرح کہ جو طاغوتی نظاموں میں قید ہوتے ہیں، بیگناہ زندان میں ڈالے گئے ہیں۔

انہوں نے مزید کہا: ہمارے لئے مناسب نہیں کہ کسی چیز کو خدا کا شریک قرار دیں کیونکہ ہمارا خاندان خاندان توحید ہے، بت شکن ابراہیم علیہ السلام کا خاندان ہے اور یہ ہم پر اور تمام لوگوں پر خدا کی نعمات میں سے ہے

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اکثر انسان ان خدائی نعمات کی شکر گزاری نہیں کرتے اور راہ توحید سے منحرف ہو جاتے ہیں۔

(۳۹)یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ؕ	اے میرے قیدی دوستو! کیا متفرق خدا بہتر ہیں یا واحد وقہار اللہ؟
(۴۰)مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّیۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	یہ معبود کہ جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو ان کی حیثیت اسماء (بلا مسمّٰی) کے اور کچھ نہیں کہ جنہیں تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے خدا کا نام دے رکھا ہے۔ اللہ نے اس کے لئے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے۔ حکم کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہ ہے محکم دین لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
(۴۱)یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ اَمَّاۤ اَحَدُکُمَا فَیَسۡقِیۡ رَبَّهٗ خَمۡرًا ۚ وَ اَمَّا الۡاٰخَرُ فَیُصۡلَبُ فَتَاۡکُلُ الطَّیۡرُ مِنۡ رَّاۡسِهٖ ؕ قُضِیَ الۡاَمۡرُ الَّذِیۡ فِیۡهِ تَسۡتَفۡتِیٰنِ ؕ	اے میرے قیدی دوستو! بہر حال تم میں سے ایک (آزاد ہو جائے گا اور) اور اپنے صاحب (بادشاہ) کو شراب پلانے کا کام کرے گا۔ رہا دوسرا تو وہ سولی پر لٹکایا جائے گا اور پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے۔ جس امر کے بارے میں تم نے مجھ سے دریافت کیا ہے وہ قطعی اور حتمی ہے۔
(۴۲)وَ قَالَ لِلَّذِیۡ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنۡهُمَا اذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ ۫ فَاَنۡسٰهُ الشَّیۡطٰنُ ذِکۡرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجۡنِ بِضۡعَ سِنِیۡنَ ؕ٪	ان دونوں میں سے جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ رہائی پائے گا اس سے کہا کہ اپنے صاحب (بادشاہ مصر) کے پاس میرا ذکر کرنا لیکن اس کے صاحب کے پاس شیطان اس کی یاد اس کے دل سے لے گیا لہٰذا اس کے بعد (بھی) وہ (یوسف) چند سال قید ہی میں رہے۔

تفسیر

قیدخانہ یا مرکز تربیت

جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے گزشتہ گفتگو کے بعد ان قیدیوں کے دلوں کو حقیقت توحید قبول کرنے کے لئے آمادہ کرلیا

توان کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہا: اے میرے قیدی ساتھیو! کیا منتشر خدا اور متفرق معبود بہتر ہیں یا یگانہ و یکتا اور قہار اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا خدا۔

(۴۰) اس کے بعد انہوں نے مزید کہا: یہ جو غیر خدا معبود تم نے بنا رکھے ہیں ان کی حیثیت اسماء بلا مسمی کے کچھ نہیں کہ جنہیں تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے خدا کا نام دے رکھا ہے۔

یہ ایسے امور ہیں کہ جن کے لئے خدا نے کوئی دلیل و مدرک نازل نہیں فرمایا بلکہ یہ تمہارے کمزور ذہن کی پیداوار ہیں۔

جان لو کہ حکومت خدا کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہے اور اسی لئے تمہیں ان بتوں طاغوتوں اور فرعونوں کی تعظیم کے لئے سر نہیں جھکانا چاہئے۔

انہوں نے مزید تاکید کے لئے اضافہ کیا: خدا نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاہ کسی کی پرستش نہ کرو یہ ہے مستحکم و مستقیم دین کہ جس میں کسی قسم کا کوئی پیچ و خم نہیں۔

یعنی توحید ہر لحاظ سے عبادت، معاشرے پر حکومت، ثقافت، اور ہر چیز میں مستحکم اور مستقیم دین ہے۔

لیکن کیا کیا جائے کہ لوگ ہی آگاہی نہیں رکھتے اور اسی عدم آگہی کے باعث شرک کی بھول بھلیوں میں سرگرداں ہیں اور اپنے آپ کو غیر اللہ کی حکومت کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس طرح انہیں کیسی کیسی سختیوں قید و بند اور بدبختیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۴۱) اپنے دو قیدی ساتھیوں کو رہبری و ارشاد اور انہیں حقیقت توحید کی طرف مختلف پہلوؤں کے حوالے سے دعوت دینے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے خواب کی تعبیر بیان کی کیونکہ وہ دونوں اسی مقصد کے لئے آپ کے پاس آئے تھے اور آپ نے بھی انہیں قول دیا تھا کہ انہیں ان کے خوابوں کی تعبیر بتائیں گے لیکن آپ علیہ السلام نے موقع غنیمت جانا اور توحید کے بارے میں اور شرک کے خلاف واضح اور زندہ دلائل کے ساتھ گفتگو کی۔

اس کے بعد آپ نے ان دو قیدی ساتھیوں کی طرف رخ کر کے کہا: اے میرے قیدی ساتھیو! تم میں سے ایک آزاد ہو جائے گا اور اپنے ارباب کو شراب پلانے پر مامور ہوگا لیکن دوسرا سولی پر لٹکایا جائے گا اور اتنی دیر تک اس کی لاش لٹکائی جائے گی کہ آسمانی پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔

اس کے بعد اپنی بات کی تائید کے لئے مزید کہا: یہ معاملہ جس کے بارے میں تم نے مجھ سے سوال کیا ہے اور مسئلہ پوچھا ہے حتمی اور قطعی ہے یہ اس طرف اشارہ تھا کہ یہ خواب کی کوئی معمولی سی تعبیر نہیں ہے بلکہ ایک غیبی خبر ہے جسے میں نے الٰہی تعلیم سے حاصل کیا ہے لہٰذا اس مقام پر تردد و شک اور چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔ جو تعبیر میں بیان کی ہے وہ ہو کر رہے گی۔

لیکن جس وقت آپ نے محسوس کیا کہ یہ دونوں عنقریب ان سے جدا ہو جائیں گے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان کے ذریعے آزادی کو کوئی دریچہ کھل جائے اور روشنی کی کوئی کرن پھوٹے اور جس گناہ کی آپ علیہ السلام کی طرف نسبت دی گئی تھی اس سے اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کریں آپ علیہ السلام نے ان دو قیدی ساتھیوں میں سے جس کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ آزاد ہوگا اس سے فرمائش کی

اپنے مالک وصاحب اختیار (بادشاہ) کے پاس میرے متعلق بات کرنا تاکہ وہ تحقیق کرے اور میری بے گناہی ثابت ہوجائے۔

لیکن اس فراموش کار غلام نے یوسف علیہ السلام کا مسئلہ بالکل بھلا دیا جیسا کہ کم ظرف لوگوں کا طریقہ ہے کہ جب نعمت حاصل کر لیتے ہیں تو صاحب نعمت کو فراموش کر دیتے ہیں۔ البتہ قرآن نے یہ بات یوں بیان کی ہے جب وہ اپنے مالک کے پاس پہنچا تو شیطان نے اس کے دل سے یوسف کی یاد بھلا دی اور اس طرح یوسف علیہ السلام فراموش کر دیئے گئے اور چند سال مزید قید خانے میں رہے۔

اس نکتے کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مجموعی مدت سات سال تھی لیکن بعض کا کہنا ہے کہ آپ علیہ السلام قیدی کے خواب کے وعدہ سے پہلے پانچ سال قید میں رہے اور اس کے بعد بھی سات سال قید رہے۔ یہ بہت رنج وزحمت کے سال تھے لیکن ارشاد وہدایت اور اصلاح وتربیت کے لحاظ سے پربرکت ہے۔

(۴۳)وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ	بادشاہ نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں انہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشے ہیں اور سات خشک شدہ خوشے ہیں (اور خشک خوشوں نے سبز خوشوں کو ختم کر دیا ہے) اے سردارو! اگر تم خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہو تو میرے خواب کے بارے میں کوئی نقطہ نظر پیش کرو۔
(۴۴)قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ	انہوں نے کہا یہ تو خواب پریشان ہیں اور ہم اس قسم کی خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔
(۴۵)وَ قَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ	ان دو افراد میں سے ایک کہ جسے نجات مل گئی تھی اسے ایک مدت کے بعد یاد آیا۔ کہنے لگا: میں تمہیں اس کی تعبیر بتاؤں گا۔ مجھے (اس قیدی جوان کے پاس) بھیج دو۔
(۴۶)یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْٓ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ	اے یوسف! اے بہت سچے! اس خواب کے بارے میں رائے دو کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں انہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشے ہیں اور سات خشک شدہ خوشے ہیں، تاکہ میں لوگوں کے پاس لوٹ جاؤں اور وہ (اس خواب کے اسرار سے) آگاہ ہوں۔

(۴۷)قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ	اس نے کہا: سات سال تک خوب محنت سے کاشت کاری کروا اور جو کچھ کاٹو اس میں تھوڑی سی مقدار رکھا لو اور باقی کو خوشوں میں رہنے دو (اور ذخیرہ کرلو)
(۴۸)ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ	اس کے بعد سات سال (خشکی اور قحط کے) آئیں گے کہ جو کچھ تم نے ان کے لے ذخیرہ کیا ہوگا اسے کھالیں گے مگر قدر قلیل کہ جو تم (بیج کے لئے) بچا پاؤ گے۔
(۴۹)ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۧ	اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا کہ لوگوں کو خوب بارش نصیب ہوگی اور اس سال لوگ رس بھرے پھل (اور روغن دار دانے) پائیں گے۔

تفسیر

بادشاہ مصر کا خواب

حضرت یوسف علیہ السلام سات برس تک قید کانے میں تنگی وسختی میں ایک فراموش شدہ انسان کی طرح رہے۔ وہ خود سازی، قیدیوں کو ارشاد و ہدیت بیماروں کی عیادت اور دردمندوں کی دلجوئی میں مصروف رہے یہاں تک کہ ایک ظاہراً چھوٹا سا واقعہ رونما ہوا جس نے نہ صرف ان کی بلکہ مصر اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کی سرنوشت کو بدل کے رکھ دیا۔

بادشاہ مصر کہ جس کا نام کہا جاتا ہے کہ ولید بن ریان تھا (اور عزیز مصر اس کا وزیر تھا) نے ایک خواب دیکھا یہ ظاہراً ایک پریشان کن خواب تھا دن چڑھا تو اس نے خواب کی تعبیر بتانے والوں اور اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہنے لگا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ سات کمزور سی گائیں ہیں اور ساتھ موٹی تازی گائیں ہیں اور دبلی پتلی گائیں ان پر حملہ اور ہوئی ہیں اور انہیں کھا رہی ہیں۔ نیز سات ہرے بھرے اور سات خشک شدہ خوشے ہیں اور خشک شدہ خوشے سبز خوشوں پر لپٹ گئے ہیں اور خشک شدہ کوشے سبز خوشوں پر لپٹ گئے ہیں اور انہیں ختم کر دیا ہے۔

اس کے بعد اس نے ان کی طرف روئے سخن کیا اور کہنے لگا: اے سردارو! میرے خواب کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرو اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو۔

(۴۴) لیکن سلطان کے حواریوں نے فوراً کہا کہ یہ خواب پریشان ہیں اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔

اس موقع پر بادشاہ کا ساقی کہ جو چند سال قبل قید خانے سے آزاد ہوا تھا اسے قید خانے کا خیال آیا اسے یاد آیا کہ یوسف اس خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہیں۔اس نے بادشاہ کے حاشیہ نشینوں کی طرف رخ کر کے کہا: میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں۔ مجھے اس کام کے ماہر استاد کے پاس بھیجو کہ جو زندان میں پڑا ہے تا کہ تمہیں بالکل صحیح خبر لا کر دوں۔ جی ہاں! اس گوشۂ زندان میں ایک روشن ضمیر، صاحب ایمان اور پاک دل انسان زندگی گزار رہا ہے کہ جس کا دل حوادثِ آئندہ کا آئینہ ہے، وہ جو اس راز سے پردہ اٹھا سکتا ہے اور اس خواب کی تعبیر بیان کر سکتا ہے۔

(۴۶) اس کی اس بات نے محفل کی کیفیت ہی بدل دی سب کی آنکھیں ساقی پر لگ گئیں آخر کار اسے اجازت ملی اور حکم ملا کہ جتنی جلدی ہو سکے اس کام کے لئے نکل کھڑا ہو اور جلد نتیجہ پیش کرے۔ساقی زندان میں آیا اور اپنے پرانے دوست یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا، وہی دوست یوسف علیہ السلام کہ جس سے بڑی بے وفائی کی گئی تھی لیکن شاید وہ جانتا تھا کہ اس کی عظمت سے توقع نہیں کہ وہ دفتر شکایت کھول بیٹھے۔

اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا: یوسف علیہ السلام! اے سراپا صداقت! اس خواب کے بارے میں تم کیا کہتے ہو کہ کسی نے دیکھا ہے کہ سات لاغر گائیں موٹی تازی کو کھا رہی ہیں نیز سات ہرے خوشے ہیں اور سات خشک شدہ (کہ جن میں سے دوسرا پہلے سے لپٹ گیا ہے اور اسے نابود کر دیا ہے۔شاید میں اس طرح ان لوگوں کے پاس لوٹ کے جاؤں تو وہ اس خواب کے اسرار سے آگاہ ہو سکیں۔

(۴۷) بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام نے بغیر کسی شرط کے اور بغیر کسی .... تقاضے کے فوراً خواب کی واضح اور نہایت اعلیٰ تعبیر بیان کی اس میں آپ نے کچھ چھپائے بغیر درپیش تاریک مستقبل کے بارے میں بتایا ساتھ ہی اس کے لئے راہنمائی کر دی اور ایک مرتب پروگرام بتا دیا۔آپ نے کہا: سات سال پیہم محنت سے کاشت کاری کرو کیونکہ ان سات برسوں میں بارش خوب ہوگی لیکن جو فصل کاٹو اسے خوشوں سمیت انباروں کی صورت میں جمع کر لو سوائے کھانے کے لئے جو تھوڑی سی مقدار ضروری ہو۔

(۴۸) لیکن جان لو کہ سات برسوں کے بعد سات برس خشک سالی، بارش کی کمی اور سختی کے آئیں گے کہ جن میں صرف اس ذخیرے سے استفادہ کرنا ہوگا جو گزشتہ سالوں میں جمع کیا ہوگا، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

البتہ خیال رہے کہ خشکی اور قحط کے ان سات سالوں میں تمام ذخیرہ گندم نہ کھا جانا بلکہ کچھ مقدار بیج کے طور پر آئندہ کاشت کے لئے رکھ چھوڑنا کیونکہ بعد کا سال اچھا ہوگا۔

(۴۹) اگر خشک سالی اور سختی کے یہ سال تم سوچے سمجھے پروگرام اور پلان کے تحت ایک ایک کر کے گزار لو تو پھر تمہیں کوئی خطرہ نہیں اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا کہ خوب باران رحمت ہوگی اور لوگ اس آسمانی نعمت سے خوب بہرہ مند ہوں گے۔

اس سے نہ صرف زراعت اور اناج کا مسئلہ ہوگا بلکہ رس دار پھل اور روغن دار دانے بھی فراواں ہوں گے کہ لوگ جن سے رس اور روغن حاصل کریں گے۔

جچی تلی تعبیر

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر بیان کی وہ کس قدر جچی تلی تھی۔ قدیمی کہانیوں میں گائے سال کا سنبل سمجھی جاتی تھی اور اس کا توانا ہونا نعمت کی دلیل ہے جبکہ لاغر ہونا مشکلات اور سختی کی دلیل ہے۔ سات لاغر گائیں سات توانا گایوں پر حملہ آور ہوئیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سختی کے سات سالوں میں قبل کے سالوں کے ذخائر سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اور سات خشک شدہ خوشے جو سات سبز خشوں سے لپٹ تھے تو یہ فراوانی نعمت اور خشک سالی کے دو مختلف ادوار کے لئے ایک اور دلیل تھی اس میں اس نکتے کا اضافہ تھا کہ اناج کو خوشوں کی شکل میں ذخیرہ کیا جانا چاہیئے تا کہ جلد خراب نہ ہو اور سات برس تک چل سکے۔

نیز یہ کہ لاغر گائیں اور خشک شدہ خوشے سات سات سالوں کے بعد نہ تھے یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان سخت سات سالوں کے بعد یہ کیفیت ختم ہو جائے گی اور فطری طور پر بیج کی فکر بھی کرنا چاہیئے اور ذخیرے کا کچھ حصہ اس کے لئے محفوظ رکھنا چاہیئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام درحقیقت کہ عام تعبیر خواب بیان کرنے والے شخص نہ تھے بلکہ ایک رہبر تھے کہ جو گوشہ زندان میں بیٹھے ایک ملک کے مستقبل کے لئے منصوبہ بندی کر رہے تھے اور انہیں کم از کم پندرہ برس کے لئے مختلف مراحل پر مشتمل ایک پلان دے رہے تھے اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ یہ تعبیر جو آئندہ کے لئے منصوبہ بندی اور راہنمائی پر مشتمل تھی نے جابر بادشاہ اور اس کے حواریوں کو ہلا کے رکھ دیا اور اہل مصر کے ہلاکت خیز قحط سے نجات کا سبب بنی اور اسی کے سبب حضرت یوسف علیہ السلام کو زندان سے اور حکومت کو بھی خود غرض اور خود سر لوگوں سے نجات مل گئی۔

(۵۰)وَ قَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ	بادشاہ کے کہا: اسے میرے پاس لے آؤ لیکن جب اس کا فرستادہ اس (یوسف) کے پاس آیا تو اس نے کہا: اپنے صاحب کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا ماجرا کیا تھا جنہوں نے (آپ کے وزیر عزیز مصر کے محل میں) اپنے ہاتھ کاٹے تھے؟ بے شک میرے خدا نے مجھے ان کے مکر و فریب سے آگاہ کیا ہے۔
(۵۱)قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ	(بادشاہ نے ان عورتوں کو بلوایا اور) کہا: جب تم نے یوسف کو اپنی طرف دعوت دی تھی تو تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا؟ انہوں نے کہا: حاش للہ! ہم نے اس میں کوئی عیب نہیں دیکھا۔ (اس موقع پر) زوجۂ عزیز نے کہا: اس وقت حق آشکارا ہو گیا، وہ میں ہی تھی جس نے اسے اپنی طرف دعوت دی تھی اور وہ سچوں میں سے ہے۔

(۵۲)ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ	یہ بات میں نے اس لئے کہی ہے تا کہ وہ جان لے کہ میں نے اس کی غیبت میں اس سے خیانت نہیں کی اور خدا خیانت کرنے والوں کی مکاری چلنے نہیں دیتا۔
(۵۳)وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	مجھے ہر گز اپنے نفس کی برأت کا اعلان نہیں کرنا کیونکہ (سرکش) نفس تو بدیوں پر بہت اکساتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے میرا پروردگار غفور ورحیم ہے۔

تفسیر

یوسف علیہ السلام ہر الزام سے بری ہو گئے

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر کے خواب کی تعبیر بیان کی وہ اس قدر جچی تلی اور منطقی تھی کہ اس نے بادشاہ اسراس کے حاشیہ نشینوں کو جذب کرلیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ ایک غیر معروف سے قیدی نے کسی مفاد کی توقع کے بغیر اس کے خواب کی مشکل تعبیر کس بہترین طریقے سے بیان کردی ہے اور ساتھ یہ آیندہ کے لئے نہایت جچا تلا پروگرام بھی پیش کردیا ہے۔

اجمالاً اس نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی غلام قیدی نہیں ہے بلکہ غیر معمولی شخصیت ہے کہ جو کسی پر اسرار ماجرے کے باعث قید میں ڈا لا گیا ہے لہٰذا اسے اس کے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا لیکن ایسا نہیں کہ سلطنت کا غرور ایک طرف رکھ کر وہ دیدار یوسف علیہ السلام کے لئے چل پڑے بلکہ اس نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لے آؤ۔

لیکن جب اس کا فرستادہ یوسف علیہ السلام کے پاس آیا تو بجائے اس کے کہ یوسف اس خوشی میں پھولے نہ سماتے کہ سالہا سال قید خانے کے گڑھے میں رہنے کے بعد اب نسیم آزادی چل رہی ہے، آپ علیہ السلام نے بادشاہ کے نمائندے کو منفی جواب دیا اور کہا کہ میں اس وقت تک زندان سے باہر نہیں آؤں گا جب تک کہ تو اپنے مالک کے پاس جا کر اس سے یہ نہ پوچھے کہ وہ عورتیں جنہوں نے تیرے وزیر (عزیز مصر) کے محل میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے ان کا ماجرا کیا تھا۔

وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایسے ہی جیل سے رہا ہو جائیں اور بادشاہ کی طرف سے معافی کی رسوائی قبول کرلیں وہ نہیں چاہتے تھے کہ آزادی کے بعد وہ شاہ کی طرف سے معاف کئے گئے ایک مجرم یا کم از کم ایک ملزم کی صورت میں زندگی بسر کریں، وہ چاہتے تھے کہ سب سے پہلے ان کی قید کے سبب کے بارے میں تحقیق ہو اور ان کی بے گناہی اور پاکدامنی پوری طرح درجۂ ثبوت کو پہنچ جائے اور برأت کے بعد وہ سربلندی سے آزاد ہوں اور ضمناً حکومت مصر کی مشینری کی آلودگی بھی ثابت ہو جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اسکے وزیر کے دربار میں کیا گزرتی ہے۔

جی ہاں! وہ اپنے عزوشرف کو آزادی سے زیادہ اہمیت دیتے تھے اور یہی ہے حریت پسندوں کا راستہ۔

یہ امر جاذب توجہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنی گفتگو میں اس قدر عظمت کا مظاہرہ کیا کہ یہاں تک تیار نہ ہوئے کہ عزیز مصر کی بیوی کا نام لیں کہ جوان پر الزام لگانے اور جیل بھیجنے کا اصلی عامل تھی بلکہ مجموعی طور پر زنان مصر کے ایک گروہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو اس ماجرا میں دخیل تھیں۔

اس کے بعد آپ نے مزید کہا: اگر چہ اہل مصر نہ جانیں اور یہاں تک دربار سلطنت بھی بے خبر ہو کہ مجھے قید کئے جانے کا منصوبہ کیا تھا اور کن افراد کی وجہ سے پیش آیا لیکن میرا پروردگار ان کے مکروفریب اور منصوبہ سے آگاہ ہے۔

(۵۱) شاہ کا خاص نمائندہ اس کے پاس لوٹ آیا اور یوسفؑ کی تجویز بیان کی۔ یہ تجویز کہ جس سے عالی ظرفی اور بلند نظری جھلکی تھی بادشاہ نے سنی تو وہ یوسفؑ کی بزرگواری سے بہت زیادہ متاثر ہوا لہٰذا اس نے فوراً اس ماجرے میں شریک عورتوں کو بلا بھیجا وہ حاضر ہوئیں تو ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: بتاؤ دیکھوں کہ جب تم نے یوسفؑ سے اپنی خواہش کی تکمیل کا تقاضا کیا اصل معاملہ کیا تھا۔

سچ کہنا، حقیت بیان کرنا کہ کیا تم نے اس میں کوئی عیب تقصیر اور گناہ دیکھا ہے؟

ان کے خوابیدہ ضمیر اس سوال پر اچانک بیدار ہو گئے اور سب نے متفقہ طور پر یوسفؑ کی پاکدامنی کی گواہی دی اور کہا: منزہ ہے خدا ہم نے یوسف میں کوئی گناہ نہیں دیکھا۔

عزیز مصر کی بیوی وہاں موجود تھی۔ بادشاہ اور زنان مصر کی باتیں سن رہی تھی بغیر اس کے کہ کوئی اس سے سوال کرے ضبط نہ کر سکی اس نے محسوس کیا کہ اب وہ موقع آ گیا ہئے کہ ضمیر کی سالہا سال کی شرمندگی کی یوسفؑ کی پاکیزگی اور اپنی گنہگاری کے اظہار سے تلافی کرے۔خصوصاً جب کہ اس نے یوسف کی بے نظیر عظمت کو اس پیغام میں جو انہوں نے بادشاہ کو بھیجا تھا دیکھ لیا کہ اپنے پیغام میں انہوں نے اس کے بارے میں تھوڑی سی بات بھی نہیں کی اور اشارتاً صرف زنان مصر کے بارے میں بات کی ہے۔ اس کے اندر گویا ایک ہلچل مچ گئی وہ چیخ اٹھی: اب حق آشکار ہو گیا ہے۔ میں نے اس سے خواہش پوری کرنے کا تقاضا کیا تھا وہ سچا ہے اور میں نے اس کے بارے میں اگر کوئی بات کی ہے تو وہ جھوٹ تھی بالکل جھوٹ تھی۔

(۵۲) زوجہ عزیز نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: میں نے یہ صریح اعتراف اس بنا پر کیا ہے تاکہ یوسفؑ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی غیبت میں اس کے بارے میں خیانت نہیں کی۔

کیونکہ اتنی مدت میں اور اس سے حاصل ہونے والے تجربات کے بعد میں نے سمجھ لیا ہے کہ خدا خیانت کرنے والوں کے مکروفریب کو چلنے نہیں دیتا۔

(۵۳) اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا: میں ہرگز اپنے نفس کی بات کا اعلان نہیں کرتی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ یہ نفس امارہ مجھے برائیوں کا حکم دیتا ہے۔

مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے اور اس کی حفاظت اور نصرت و مدد کے باعث بچ جاؤں۔

بہرحال اس گناہ پر میں اس سے عفو و بخشش کی امید رکھتی ہوں کیونکہ میرا پروردگار غفور و رحیم ہے۔

عزیز مصر کی بیوی (کہ جس کا نام "زلیخا" یا "راعیل" تھا) اگرچہ اپنے معاملے میں بدترین ناکامیوں میں مبتلا ہوئی لیکن گناہ کے اس راستے پر اس کی ناکامیاں اس کے متنبہ اور بیدار ہونے کا باعث بن گئیں اس کا خوابیدہ ضمیر بیدار ہو گیا اور وہ اپنے برے کردار پر پشیمان ہوئی اور اس نے درگاہ الٰہی کی طرف رخ کر لیا۔

(۵۴)وَ قَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ	مصر کے بادشاہ نے کہا اس (یوسف) کو میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اسے اپنے ساتھ مخصوص کر لوں جب یوسف اس کے پاس آئے اور اس سے گفتگو کی اس (بادشاہ) نے کہا آج سے تو ہمارے ہاں اعلیٰ قدر و منزلت رکھتا ہے تو قابل اعتماد ہے۔
(۵۵)قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ	یوسف نے کہا مجھے مصر کی زمین کے خزانوں کا سرپرست بنا دے کیونکہ میں حفاظت کرنے والا قادر آگاہ ہوں۔
(۵۶)وَ کَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنۡہَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ	اس طرح ہم نے یوسف کو مصر کی زمین میں قدرت دی کہ اب جہاں چاہتا اس میں رہتا (اور اس میں تصرف کرتا) ہم جسے چاہتے ہیں (اور لائق سمجھتے ہیں) اپنی رحمت سے نوازتے ہیں اور ہم نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔
(۵۷)وَ لَاَجۡرُ الۡاٰخِرَۃِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ؑ	اور جو ایمان لائے ہیں اور پرہیزگار ہیں آخرت کا اجر ان کے لئے بہتر ہے۔

تفسیر

یوسف علیہ السلام مصر کے خزانہ دار کی حیثیت سے

حضرت یوسف علیہ السلام جیسے عظیم نبی کی عجیب زندگی کی تفصیل میں ہم یہاں تک پہنچے تھے کہ آخرکار ان کی پاکدامنی سب پر ثابت ہو گئی یہاں تک کہ ان کے دشمنوں نے ان کی پاکیزگی کی گواہی دی اور یہ ثابت ہو گیا کہ جس گناہ کی وجہ سے وہ زندان میں ڈالے گئے تھے وہ پاکدامنی تقویٰ اور پرہیزگاری کے سوا کچھ نہ تھا۔

ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ بیگناہ قیدی علم، آگہی، دانشمندی، انتظامی صلاحیت اور فہم وفراست کی بہت اعلیٰ سطح کا مرکز ہے کیونکہ اس نے ''ملک'' (بادشاہ مصر) کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے آئندہ کی پیچیدہ اقتصادی مشکلات بیان کرتے ہوئے ساتھ ہی ان سے نجات کے راستے کی نشاندہی بھی کردی تھی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد قرآن کہتا ہے۔ ''بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اسے اپنا مشیر اور نمائندہ خاص بناوں'' اور اپنی مشکلات حل کرنے کے لئے اس کے علم و دانش اور انتظامی صلاحیت سے مدد لوں۔

بادشاہ کا پرجوش پیام لے کر اس کا خاص نمائندہ قیدخانے میں یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا۔اس نے بادشاہ کی طرف سے سلام ودعا پہنچایا اور بتایا کہ اسے آپ سے شدید لگاؤ ہوگیا ہے۔اس نے مصر کی عورتوں کے بارے میں تحقیق سے متعلق آپ کی درخواست کو عملی جامہ پہنایا ہے اور سب نے کھل کر آپ کی پاکدامنی اور بے گناہی کی گواہی دی ہے۔لہٰذا اب تاخیر کرنے کی گنجائش نہیں رہی، اٹھیں تاکہ ہم اس کے پاس چلیں۔حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس تشریف لائے۔ان کی آپس میں بات چیت ہوئی بادشاہ نے ان کی گفتگو سنی اور آپ کی پرمغز اور نہایت اعلیٰ باتیں سنیں اس نے دیکھا کہ آپ کی باتیں انتہائی علم و دانش اور دانائی سے معمور ہیں تو پہلے سے بھی زیادہ آپ کا شیفتہ ہوگیا۔کہنے لگا۔آپ آج سے ہمارے ہاں اعلیٰ قدر و منزلت اور وسیع اختیارات کے حامل ہیں اگر ہمارے نزدیک قابل اعتماد رہیں گے۔

(۵۵) آج سے اس ملک کے اہم کام آپ کے سپرد ہیں اور آپ کو امور کی اصلاح کے لئے کمر ہمت باندھ لینا چاہئے کیونکہ میرے خواب کی جو تعبیر آپ نے بیان کی ہے اس کے مطابق اس ملک کو شدید اقتصادی بحران درپیش ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس بحران پر صرف آپ ہی قابو پاسکتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے تجویز پیش کی کہ مجھے اس علاقے کے خزانوں کی ذمہ داری سونپ دی جائے کیونکہ میں اچھا محافظ ہوں اور اس کام کے اسرار سے بھی واقف ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اچھی طرح جانتے تھے کہ ظلم وستم سے بھرے اس معاشرے کی پریشانیوں کی ایک اہم بنیاد اس کے اقتصادی مسائل ہیں لہٰذا انہوں نے سوچا کہ اب جب کہ انہیں مجبوراً آپ کی طرف آنا پڑا ہے تو کیا ہی اچھا ہے کہ مصر کی اقتصادیات کو اپنی ہاتھ میں لے لیں اور محروم و مستضعف عوام کی مدد کے لئے آگے بڑھیں اور جتنا ہوسکے طبقاتی تفاوت اور اونچ نیچ کو کم کریں۔ مظلوموں کا حق ظالموں سے لیں اور اس وسیع ملک کی بدحالی کو دور کریں آپ کی نظر میں تھا کہ خاص طور پر زرعی مسائل اس ملک میں زیادہ اہم ہیں اس بات پر بھی توجہ رکھنا ہوگی کہ چند سال فراوانی کے ہوں گے اور پھر خشک سالی درپیش ہوگی لہٰذا لوگوں کو زیادہ سے زیادہ غلے پیدا کرنے اور پھر انہیں احتیاط سے محفوظ رکھنے اور نہایت کم خرچ کرنے پر آمادہ کرنا ہوگا تاکہ قحط کے سالوں کے لئے غلہ ذخیرہ کیا جاسکے لہٰذا اس مقصد کے لئے آپ کو یہی بہتر معلوم ہوا کہ آپ مصر کے خزانوں کو اپنی سرپرستی میں لینے کی تجویز پیش کریں۔

(۵٦) بہر حال اس مقام پر خدا کہتا ہے: اور اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین مصر پر قدرت عطا کی کہ وہ جیسے چاہتا تھا اس

میں تصرف کرتا تھا۔

جی ہاں! ہم اپنی رحمت اور مادی وروحانی نعمتیں جسے چاہتے ہیں اور اہل پاتے ہیں عطا کرتے ہیں۔

اور ہم نیکوں کاروں کا اجر ہرگز ضائع نہیں کریں گے اگرچہ اس میں تاخیر ہو جائے تاہم آخرکار جو کچھ ان کے لائق ہوا انہیں دیں گے کیونکہ ہم کسی نیک کام کو فراموش نہیں کرتے۔

لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہم صرف دنیاوی اجر ہی نہیں دیں گے بلکہ جو اجر انہیں آخرت میں ملے گا وہ اہل ایمان اور صاحبان تقویٰ کے لئے زیادہ اچھا ہے۔

ضمناً حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ جو کہا ہے کہ: "**انی حفیظ علیم**" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاشرے کے کسی حساس منصب کو قبول کرنے کے لئے صرف امانت داری ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انتظامی صلاحیت بھی ضروری ہے اور اس کے علاوہ علم وآگاہی اور مہارت بھی ضروری ہے کیونکہ آپ نے "حفیظ" کے ساتھ ساتھ "علیم" بھی کہا ہے۔

(۵۸)وَ جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ	اور یوسف کے بھائی (جب غلہ لینے) آئے اور اس کے پاس پہنچے۔ اس نے انہیں پہچان لیا لیکن وہ اسے نہ پہچان پائے۔
(۵۹)وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ	جب (یوسف) ان کے بار تیار کروا چکا تو کہا (آئندہ جب آؤ تو) تمہارا جو باپ کی طرف سے بھائی ہے اسے میرے پاس لانا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پیمانے کا حق ادا کرتا ہوں اور میں بہترین میزبان ہوں؟
(۶۰)فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ	اور اگر اس میرے ہاں نہ لائے تو پھر میرے پاس تمہارے لئے نہ کوئی کیل (غلے کا پیمانہ) ہوگا اور نہ ہی (تم ہرگز) میرے پاس آنا۔
(۶۱)قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ	انہوں نے کہا ہم اس کے باپ سے بات کریں گے (اور کوشش کریں گے کہ وہ مان جائے) اور ہم یہ کام ضرور کریں گے۔

(۶۲)وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِىْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ	(پھر) اس نے اپنے کارندوں سے کہا: جو کچھ انہوں نے قیمت کے طور پر دیا ہے وہ ان کے سامان میں رکھ دو شاید اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ کر وہ اسے پہچانیں اور شاید پلٹ آئیں۔

تفسیر

یوسف علیہ السلام کی بھائیوں کو نئی تجویز

آخر کار جیسا کہ پیش گوئی ہوئی تھی سات سال پے در پے بارش ہونے کے سبب اور دریائے نیل کے پانی میں اضافے کے باعث مصر کی زرعی پیداوار خواب تسلی بخش ہوگئی مصر کا خزانہ اور اقتصادی امور حضرات یوسف علیہ السلام کے زیر نظر تھے آپ نے حکم دیا کہ غذائی اجناس کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے چھوٹے بڑے گودام بنائے جائیں۔آپ نے عوام کو حکم دیا کہ پیداوار سے اپنی ضرورت کے مطابق رکھ لیں اور باقی حکومت کے پاس بیچ دیں۔اس طرح گودام غلے سے بھر گئے۔

نعمت و برکت کی فراوانی کے یہ سات سال گزر گئے اور قحط سالی اور خشک سالی کا منحوس دور شروع ہوا۔یوں لگتا تھا جیسے آسمان زمین کے لئے بخیل ہو گیا ہے کھیتیاں اور نخلستان خشک ہو گئے۔عوام کو غلے کی کمی کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ جانتے تھے کہ حکومت نے غلے کے ذخائر جمع کر رکھے ہیں لہٰذا وہ اپنی مشکلات حکومت ہی کے ذریعے دور کرتے تھے۔

یہ خشک سالی صرف مصر ہی میں نہ تھی اطراف کے ملکوں کا بھی یہی حال تھا۔فلسطین اور کنعان مصر کے شمال مشرق میں تھے وہاں کے لوگ بھی انہی مشکلات سے دوچار تھے حضرت یعقوب علیہ السلام کا خاندان بھی اسی علاقے میں سکونت پذیر تھا۔وہ بھی غلے کی کمی سے دوچار ہو گیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان حالات میں مصمم ارادہ کیا کہ بنیامین کے علاوہ باقی بیٹوں کو مصر کی طرف بھیجیں۔ یوسف علیہ السلام کی جگہ اب بنیامین ہی ان کے پاس تھا۔بہر حال وہ لوگ مصر کی طرف جانے والے قافلے کے ہمراہ ہو لئے اور بعض مفسرین کے بقول اٹھارہ دن کی مسافت کے بعد مصر پہنچے جیسا کہ تواریخ میں ہے،ضروری تھا کہ ملک سے باہر سے آنے والے افراد مصر میں داخل ہوتے وقت اپنی شناخت کروائیں تاکہ مامورین حضرت یوسف علیہ السلام کو مطلع کریں۔جب مامورین نے فلسطین کے قافلے کی خبر دی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ غلے کی درخواست کرنے والوں میں ان کے بھائیوں کے نام بھی ہیں۔آپ انہیں پہچان گئے اور یہ ظاہر کئے بغیر کہ وہ آپ کے بھائی ہیں،آپ نے حکم دیا کہ انہیں حاضر کیا جائے اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے: یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے اور اس کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں پہچان لیا لیکن انہوں نے اسے نہیں پہچانا۔

وہ یوسف علیہ السلام کو نہ پہچاننے میں حق بجانب تھے کیونکہ ایک طرف تو تیس سے چالیس سال تک کا عرصہ بیت چکا تھا (اس دن سے لے کر جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا تھا ان کے مصر میں آنے تک) اور دوسری طرف وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کو بھائی سے مشابہ بھی پاتے تو اسے ایک اتفاق ہی سمجھتے۔ ان تمام امور سے قطع نظر حضرت یوسف علیہ السلام کے لباس کا انداز بھی بالکل بدل چکا تھا۔ انہیں مصریوں کے نئے لباس میں پہچاننا کوئی آسان کام نہ تھا بلکہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ ہو گزرا تھا اس کے بعد ان کی زندگی کا احتمال بھی ان کے لئے بہت بعید تھا۔

بہر حال انہوں نے اپنی ضرورت کا غلہ خریدا اور اس کی قیمت نقدی کی صورت میں یا موزے، جوتے یا کچھ اور اجناس کی صورت میں ادا کی کہ جو وہ کنعان سے مصر لائے تھے۔

(۵۹) حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے بہت محبت کا برتاؤ کیا اور ان سے بات چیت کرنے لگے بھائیوں نے کہا: ہم دس بھائی ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ ہمارے والد خدا کے عظیم پیغمبر ابراہیم خلیل علیہ السلام کے پوتے ہیں۔ اگر آپ ہمارے باپ کو پہچانتے ہوتے تو ہمارا بہت احترام کرتے۔ ہمارا بوڑھا باپ انبیاء الٰہی میں سے ہے لیکن ایک نہایت گہرے غم نے اس کے پورے وجود کو گھیر رکھا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا: یہ غم کس بنا پر ہے؟

انہوں نے کہا: اس کا ایک بیٹا تھا جس سے وہ بہت محبت کرتا تھا۔ عمر میں وہ ہم سے بہت چھوٹا تھا۔ ایک دن وہ ہمارے ساتھ شکار اور تفریح کے لئے صحرا میں گیا ہم اس سے غافل ہو گئے تو ایک بھیڑیے نے اسے چیر پھاڑ دیا اس دن سے لیکر آج تک باپ اس کیلئے گریاں اور غمگین ہے۔

بعض مفسرین نے اس طرح سے نقل کیا ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام کی عادت تھی کہ ایک شخص کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ غلہ نہیں بیچتے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کے یہ بھائی چونکہ دس تھے لہٰذا انہیں غلے کے دس بار دیئے گئے۔

انہوں نے کہا ہمارا باپ بوڑھا ہے اور ایک چھوٹا بھائی ہے جو وطن میں رہ گیا ہے باپ غم و اندازکی شدد کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتا اور چھوٹا بھائی خدمت کیلئے اور مانوسیت کی وجہ سے اس کے پاس رہ گیا ہے لہٰذا ان دونوں کا حصہ بھی دے دیجئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے حکم دیا دو اونٹوں کے بار کا اضافہ کیا جائے پھر حضرت یوسف علیہ السلام ان کے طرف متوجہ ہوئے اور کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہوش مند اور مودب افراد ہو اور یہ جو تم کہتے ہو کہ تمہارے باپ کو تمہارے سب سے چھوٹے بھائی سے لگاؤ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر معمولی اور عام بچوں سے ہٹ کر ہے میری خواہش ہے کہ تمہارے آئندہ سفر میں اس سے ضرور دیکھوں۔ علاوہ ازیں یہاں کے لوگوں کو تمہارے بارے میں کہیں بدگمانیاں ہیں چونکہ تم ایک دوسرے ملک سے تعلق رکھتے ہو بدظنی کی اس فزاء کو دور کرنے کیلئے آئندہ سفر میں چھوٹے بھائی کو نشانی کے طور پر ساتھ لے آنا۔

یہاں قرآن کہتا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے ان کے بار تیار کئے تو ان سے کہا تمہارا بھائی جو باپ کے طرف سے ہے اسے میرے پاس لے آؤ۔

اس کے بعد مزید کہا کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ پیمانہ کا حق ادا کرتا ہوں اور میں بہترین میزبان ہوں۔

(۶۰) اس تشویق اور اظہار محبت کے بعد انہیں یوں تہدید بھی کی: اگر اس بھائی کو میرے پاس نہ لائے تو نہ تمہیں میرے پاس سے غلہ ملے گا اور نہ تم خود میرے پاس پھٹکنا۔

حضرت یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ جیسے بھی ہو بنیامین کو اپنے پاس بلائے اس کے لئے وہ کبھی لطف محبت کا طریقہ اختیار کرتے اور کبھی تہدید کا۔

ان تعبیرات سے ضمنی طور پر واضح ہوتا ہے کہ مصر میں غلات کے خرید وفروخت تول کر نہیں ہوتی تھی بلکہ پیمانے سے ہوتی تھی۔

نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں اور دوسرے مہمانوں کی بہت اچھے طریقے سے پذیرائی کرتے تھے اور ہر حوالے سے مہمانوں نواز تھے۔

(۶۱) بھائیوں نے ان کے جواب میں کہا: ہم اس کے باپ سے بات کریں گے اور کوشش کریں گے کہ وہ رضا مند ہو جائیں اور ہم یہ کام ضرور کریں گے۔

"انا لفاعلون" کی تعبیر نشاندہی کرتی ہے کہ انہیں یقین تھا کہ اس سلسلے میں وہ اپنے باپ کو راضی کرلیں گے اور ان کی موافقت حاصل کرلیں گے۔ اسی لئے وہ عزیز مصر سے ایسا پکا وعدہ کر رہے تھے اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ جب وہ اپنے اصرار اور آہ وزاری سے یوسف علیہ السلام کو اپنے باپ سے لے جاسکتے تھے تو بنیامین کو کیونکر ان سے جدا نہیں کر سکتے تھے۔

(۶۲) اس موقع پر ان کی ہمدردی اور توجہ کو زیادہ سے زیادہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے کہا کہ ان کی نظر بچا کر وہ اموال ان کے غلے میں رکھ دیں جو انہوں نے اس کے بدلے میں دیئے تھے تاکہ جب وہ واپس اپنے خاندان میں جاکر اپنا سامان کھولیں تو انہیں پہچان لیں اور دوبارہ مصر کی طرف لوٹ آئیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اپنا تعارف کیوں نہ کروایا؟

مندرجہ بالا آیات کے مطالعہ سے جو پہلا سوال سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اپنا تعارف کیوں نہ کروایا وہ جلد آپ کو پہچان لیتے اور باپ کے پاس واپس جاکر انہیں آپ کی جدائی کے جانکاہ غم سے نکالتے؟

یہ سوال زیادہ وسیع حوالے سے بھی سامنے آسکتا ہے اور وہ یہ کہ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کے پاس آئے اس وقت آپ کی زندان سے رہائی کو کوئی آٹھ سال گزر چکے تھے کیونکہ گزشتہ سات سال فراواں نعمتوں پر مشتمل گزر چکے تھے جن کے دوران آپ قحط سالی کے عرصے کے لئے اناج ذخیرہ کرنے میں مشغول رہے۔ آٹھویں سال قحط کا دور شروع ہوا۔ اس سال یا اس کے

بعد آپ کے بھائی غلہ لینے کے لئے مصر آئے۔ کیا چاہئے نہ تھا کہ ان آٹھ سالوں میں آپ کوئی قاصد کنعان کی طرف بھیجتے اور اپنے والد کو اپنے حالات سے آگاہ کرتے اور انہیں شدید غم سے نجات دلاتے؟

بہت سے مفسرین نے مثلاً طبرسی نے مجمع البیان میں، علامہ طباطبائی نے المیز ان میں اور قرطبی نے الجامع الاحکام القرآن میں اس سوال کا جواب دیا ہے اور اس سلسلے میں کئی جوابات پیش کئے ہیں۔ ان میں سے زیادہ بہتر یہ نظر آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت نہ تھی کیونکہ فراق یوسف علیہ السلام دیگر پہلوؤں کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے ایک امتحان بھی تھا اور ضروری تھا کہ آزمائش کا یہ دور فرمان الٰہی سے ختم ہوا اور اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام خبر دینے کے مجاز نہ تھے۔

علاوہ ازیں اگر یوسف علیہ السلام فوراً ہی اپنے بھائیوں کو اپنا تعارف کروا دیتے تو ممکن تھا کہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوتا اور ہوسکتا تھا کہ وہ اس سے ایسے وحشت زدہ ہوتے کہ پھر لوٹ کر آپ کے پاس نہ آتے کیونکہ انہیں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ممکن ہے یوسف علیہ السلام ان کے گزشتہ رویے کا انتقام لیں۔

(۶۳) فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ	جب وہ اپنے والد کے پاس واپس پہنچے تو انہوں نے کہا: ابا جان ہم سے (غلے کا) پیمانہ روک دیا گیا ہے لہٰذا ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم (غلّہ کا) حصہ لے سکیں اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔
(۶۴) قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ	اس نے کہا: کیا میں اس کے بارے میں تم پر بھروسہ کرلوں جیسا کہ اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تم پر بھروسہ کیا تھا؟ اور (میں نے دیکھا کہ کیا ہوا اور بہرحال) خدا بہترین محافظ اور ارحم الراحمین ہے۔
(۶۵) وَ لَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ	اور جس وقت انہوں نے اپنا مال ومتاع کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا سرمایہ انہیں واپس کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا: ابا جان ہمیں اور کیا چاہئے یہ دیکھئے ہمارا سرمایہ جو ہمیں واپس کر دیا گیا ہے لہٰذا کیا ہی اچھا ہے کہ بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے اور ہم اپنے گھر والوں کے لئے اناج لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور زیادہ بڑا پیمانہ حاصل کریں گے یہ تو چھوٹا پیمانہ ہے۔

(٦٦)قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ	اس نے کہا: میں ہرگز اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک کہ مجھ سے پکا وعدہ نہ کرو کہ اسے حتماً میرے پاس لے آؤ گے مگر یہ کہ (موت) یا کسی اور سبب تم سے قدرت سلب ہو جائے اور جس وقت انہوں نے اس سے قابل وثوق وعدہ کر لیا تو اس نے کہا: جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں خدا اس پر ناظر و حافظ ہے۔

تفسیر

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بنیامین کو بھیجنے پر رضامندی

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مالا مال ہو کر خوشی خوشی کنعان واپس آئے لیکن آئندہ کی فکر تھی کہ اگر باپ چھوٹے بھائی بنیامین کو بھیجنے پر راضی نہ ہوئے تو عزیٔ مصران کی پذیرائی نہیں کرے گا اور انہیں غلے کا حصہ نہیں دے گا۔

اسی لئے قرآن کہتا ہے: جب وہ باپ کے پاس لوٹ کر آئے تو انہوں نے کہا: ابا جان حکم دیا گیا ہے آئندہ ہمیں غلے کا حصہ نہ دیا جائے اور پیمانہ ہم سے روک دیا جائے۔ اب جب یہ صورت درپیش ہے تو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ ہم پیمانہ حاصل کر سکیں اور آپ مطمئن رہیں ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

(٦٤) باپ کہ جسے یوسف علیہ السلام ہرگز نہیں بھولتا تھا یہ بات سن کر پریشان ہو گیا، ان کی طرف رخ کر کے اس نے کہا کیا میں تم پر اس بھائی کے بارے میں بھروسہ کر لوں؟ جب کہ اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کے بارے میں گزشتہ زمانے میں تم پر بھروسہ کیا تھا۔

یعنی جب تمہارا ایسا برا ماضی ہے کہ جو بھولنے کے قابل نہیں تو تم کس طرح توقع رکھتے ہو کہ دوبارہ تمہاری فرمائش مان لوں اور اپنے فرزند دلبند کو تمہارے سپرد کر دوں اور وہ بھی ایک دور دراز سفر اور پرائے دیس کے لئے۔ اس کے بعد انہوں نے مزید کہا: ہر حالت میں خدا بہترین محافظ اور ارحم الراحمین ہے۔

(٦٥) پھر ان بھائیوں نے جب اپنا سامان کھولا تو انہوں نے بڑے تعجب سے دیکھا کہ وہ تمام چیزیں جو انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر عزیز مصر کو دی تھیں سب انہوں لوٹا دی گئی ہیں اور وہ ان کے سامان میں موجود ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو ان کی گفتگو پر سند قاطع ہے تو باپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابا جان ہمیں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے۔ دیکھئے انہوں نے ہمارا تمام مال و متاع ہمیں واپس کر دیا ہے۔

کیا اس سے بڑھ کر کوئی عزت و احترام اور مہربانی ہو سکتی ہے کہ ایک غیر ملک کا سربراہ ایسے قحط اور خشک سالی میں ہمیں اناج بھی دے اور اس کی قیمت بھی واپس کر دے وہ بھی ایسے کہ ہم سمجھ ہی نہ پائیں اور شرمندہ نہ ہوں؟ اس سے بڑھ کر ہم کیا تصور کر سکتے ہیں۔

ابا جان! اب کسی پریشانی کی ضرورت نہیں ہمارا بھائی ہمارے ساتھ بھیج دیں ہم اپنے گھر والوں کے لئے اناج لے کر آئیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کی کوشش کریں گے نیز اس کی وجہ سے ایک اونٹ کا بار بھی زیادہ لائیں گے اور عزیز مصر جیسے محترم، مہربان اور سخی شخص کے لئے کہ جسے ہم نے دیکھا ہے ایک آسان اور معمولی کام ہے۔

(۶۶) ان تمام امور کے باوجود حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے کے لئے راضی نہ تھے لیکن دوسری طرف ان کا اصرار تھا جو واضح منطق کی بنیاد پر تھا۔ یہ صورت حال انہیں آمادہ کرتی تھی کہ وہ ان کی تجویز قبول کرلیں۔ آخر کار انہوں نے دیکھا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں کہ مشروط طور پر بیٹے کو بھیج دیا جائے۔ لہٰذا آپ نے انہیں اس طرح سے کہا میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا، جب تک کہ تم ایک خدائی پیمان نہ دو اور کوئی ایسا کام نہ کرو کہ جس سے مجھے اعتماد پیدا ہو جائے کہ تم اسے واپس لے کر آؤ گے مگر یہ کہ موت یا اور عوامل کی وجہ سے یہ امر تمہارے بس میں نہ رہے۔

''موثقاً من اللّٰہ'' سے مراد وہی قسم ہے جو خدا کے ساتھ ہے

بہر حال یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے باپ کی شرط قبول کر لی اور جب انہوں نے اپنے والد سے عہد و پیمان باندھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا خدا شاہد، ناظر اور محافظ ہے، اس بات پر کہ جو ہم کہتے ہیں۔

(۶۷) وَ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ‌ؕ وَ مَاۤ اُغۡنِىۡ عَنۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ‌ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ‌ۚ وَ عَلَيۡهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ	جب وہ جانے لگے تو یعقوب نے کہا میرے بیٹو! ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا اور میں (یہ حکم دے کر) خدا کی طرف سے کسی حتمی حادثے کو نہیں ٹال سکتا۔ حکم اور فرمان صرف اللہ ہی کی طرف سے جاری ہوتا ہے اس پر میں نے توکل کیا ہے اور تمام توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہیئے۔
(۶۸) وَ لَمَّا دَخَلُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَمَرَهُمۡ اَبُوۡهُمۡ‌ؕ مَا كَانَ يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ اِلَّا حَاجَةً فِىۡ نَفۡسِ يَعۡقُوۡبَ قَضٰٮهَا‌ؕ وَ اِنَّهٗ لَذُوۡ عِلۡمٍ لِّمَا عَلَّمۡنٰهُ وَ لٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۚ	اور جب اسی طریقے سے جیسا کہ انہیں باپ نے حکم دیا تھا وہ داخل ہوئے تو یہ کام ان سے کسی حتمی خدائی حادثے کو دور نہیں کر سکتا تھا سوائے اس حاجت کے جو یعقوب کے دل میں تھی۔ (جو اس طرح سے) انجام پائی اور اس کے دل کو تسکین ہوئی اور وہ اس تعلیم کی برکت سے جو ہم نے اسے دی تھی بہت سا علم رکھتا تھا جبکہ اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر

آخر کار حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی باپ کی رضامندی کے بعد اپنے چھوٹے بھائی کو ہمراہ لئے دوسری مرتبہ مصر جانے کو تیار

ہوئے تو اس موقع پر باپ نے انہیں نصیحت کی۔اس نے کہا میرے بیٹو! تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا۔

بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا اور مزید کہا یہ حکم دے کر میں خدا کی طرف سے کسی حتمی حکم صادر نہیں ہوا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ایسے حوادث تم سے دور ہیں اور ایسا ہونا ممکن ہے۔

آخر کہا: حکم اور فرمان خدا کے ساتھ مخصوص ہے میں نے خدا پر توکل کیا ہے اور تمام توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہئے اور اسی سے مدد طلب کرو اور اپنا معاملہ اسی کے سپرد کرو۔

(۶۸) برادران یوسف علیہ السلام روانہ ہوئے اور کنعان و مصر کے درمیان طویل مسافت طے کرنے کے بعد سرزمین مصر میں داخل ہوئے اور جب باپ کے دیئے ہوئے حکم کے مطابق مختلف راستوں سے مصر میں داخل ہوئے تو یہ کام انہیں کسی خدائی حادثے سے دور نہیں کرسکتا تھا۔ یعقوب کے دل میں ایک حاجت تھی جو اس طرح سے پوری ہوتی تھی۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کا اثر صرف باپ کے دل کی تسکین اور آرام تھا کیونکہ وہ اپنے سارے بیٹوں سے دور تھا اور رات دن ان کی اور یوسف علیہ السلام کی فکر میں رہتا تھا اور ان کے بارے میں حوادث کے گزند اور حاسدوں اور بدخواہوں کے بغض وحسد سے ڈرتا تھا اور اسے صرف اس بات سے اطمینان تھا کہ وہ اس کے احکام کے پابند رہیں گے۔ اس پر اس کا دل خوش تھا۔

اس کے بعد قرآن حضرت یعقوب علیہ السلام کی یوں مدح وثنا اور تعریف وتوصیف کرتا ہے وہ ہماری دی ہوئی تعلیم کے سبب علم و آگہی رکھتا تھا جب کہ اکثر لوگ نہیں جانتے

(۶۹)وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	جب یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا میں تمہارا بھائی ہوں۔ جو کچھ یہ کرتے ہیں اس سے غمگین اور پریشان نہ ہو۔
(۷۰)فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ	اور جس وقت ان کا سامان باندھا گیا تو ان کے بادشاہ نے پانی پینے کا برتن اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا۔ اس کے بعد کسی نے آواز بلند کی کہ اے قافلے والو! تم چور ہو۔
(۷۱)قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّا ذَا تَفْقِدُوْنَ	انہوں نے ان کی طرف رخ کر کے کہا تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے۔

(۷۲)قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِکِ وَ لِمَنْ جَآءَ بِہٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّ اَنَا بِہٖ زَعِیْمٌ	انہوں نے کہا: بادشاہ کا پیمانہ، اور جو شخص اسے لے آئے (غلے کا) اونٹ کا ایک بار اسے دیا جائے گا اور میں (اس انعام کا) ضامن ہوں۔
(۷۳)قَالُوْا تَاللّٰہِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَ مَا کُنَّا سٰرِقِیْنَ	انہوں نے کہا قسم باخدا تم جانتے ہو اس علاقے میں فساد کرنے نہیں آئے اور ہم (کبھی بھی) چور نہیں تھے۔
(۷۴)قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُہٗۤ اِنْ کُنْتُمْ کٰذِبِیْنَ	انہوں نے کہا: اگر تم جھوٹے ہوئے تو تمہاری سزا کیا ہے؟
(۷۵)قَالُوْا جَزَآؤُہٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِہٖ فَھُوَ جَزَآؤُہٗ ؕ کَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ	انہوں نے کہا: جس کے سامان میں (وہ پیمان) مل گیا تو وہ خود اس کی سزا ہوگا (اس کام کی بناء پر وہ غلام ہو جائے گا) ہم ظالموں کو اس طرح سے سزا دیتے ہیں۔
(۷٦)فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِھِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْہِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَھَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْہِ ؕ کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا کَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاہُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَ فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ	تو اس وقت (یوسف نے) اپنے بھائی کے سامان سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی لی اور پھر اپنے بھائی کے سامان سے اسے برآمد کر لیا۔ اس طرح ہم نے یوسف کو چارہ کار یاد دلایا۔ وہ مصر (کے بادشاہ) کے آئین کے مطابق اپنے بھائی کو ہرگز نہیں لے سکتا تھا مگر یہ کہ خدا چاہے۔ ہم جس شخص کے چاہیں درجات بلند کرتے ہیں اور ہر صاحب علم کے اوپر ایک عالم ہے۔

تفسیر

یوسف علیہ السلام کی بھائی کو روکنے کی کوشش

آخرکار بھائی یوسف کے پاس پہنچے اور انہیں بتایا کہ ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے اور باوجود اس کے کہ ہمارے والد پہلے چھوٹے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجنے پر راضی نہ تھے لیکن ہم نے اصرار کر کے اسے راضی کیا تاکہ آپ جان لیں کہ ہم نے قول وقرار پورا کیا ہے۔

حضرت یوسف نے بڑی عزت احترام سے ان کی پذیرائی کی، انہیں مہمان بلایا اور حکم دیا کہ دسترخوان یا طبق کے پاس دو دو

افراد آئیں۔انہوں نے ایسا ہی کیا۔اس موقع پر بنیامین جو تنہا رہ گیا تھا رونے لگا اور کہنے لگا اگر میرا بھائی یوسف زندہ ہوتا تو مجھے اپنے ساتھ ایک دسترخوان پر بٹھاتا کیونکہ ہم پدری مادری بھائی تھے۔

پھر حکم دیا کہ دو دو افراد کے لیے ایک ایک کمرہ سونے کے لیے تیار کیا جائے۔ بنیامین پھر اکیلا رہ گیا تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا: اسے میرے پاس بھیج دو۔اس طرح حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو اپنے ہاں جگہ دی لیکن دیکھا کہ وہ بہت پریشان اور دکھی ہے اور ہمیشہ اپنے کھوئے ہوئے بھائی یوسف کی یاد میں رہتا ہے۔ایسے میں یوسفؑ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور آپؑ نے حقیقت کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: جب یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے ہاں جگہ دی اور کہا کہ میں وہی تمہارا بھائی یوسف ہوں، غمگین نہ ہو اور اپنے دل کو دکھی نہ کرو اور ان کے کسی کام سے پریشان نہ ہو۔

(۷۰) بعض روایات کے مطابق اس موقع پر حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی بنیامین سے کہا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ میرے پاس رہ جاؤ۔اس نے کہا: ہاں میں تو راضی ہوں لیکن بھائی ہرگز راضی نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے باپ سے قول و قرار کیا ہے اور قسم کھائی ہے کہ مجھے ہر قیمت پر اپنے ساتھ واپس لے جائیں گے۔

حضرت یوسفؑ نے کہا تم فکر نہ کرو میں ایک منصوبہ بناتا ہوں جس سے وہ مجبور ہو جائیں گے کہ تمہیں میرے پاس چھوڑ جائیں۔

غلات کے بار تیار ہو گئے تو حکم دیا کہ مخصوص قیمتی پیمانہ بھائی کے بار میں رکھ دیں (کیونکہ ہر شخص کے لیے غلے کا ایک بار دیا جاتا تھا)۔

البتہ یہ کام مخفی طور پر انجام پایا اور شاید اس کا علم مامورین میں سے فقط ایک شخص کو تھا۔

جب اناج کو پیمانے سے دینے والوں نے دیکھا کہ مخصوص قیمتی پیمانے کا کہیں نام و نشان نہیں ہے حالانکہ پہلے وہ ان کے پاس موجود تھا۔لہٰذا جب قافلہ چلنے لگا تو کسی نے پکار کر کہا: اے قافلے والو! تم چور ہو۔

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے جب یہ جملہ سنا سخت پریشان ہوئے اور وحشت زدہ ہو گئے کیونکہ ان کے ذہن میں تو اس کا خیال بھی نہ آ سکتا تھا کہ اس احترام و اکرام کے بعد ان پر چوری کا الزام لگایا جائے گا۔

(۷۱) لہٰذا انہوں نے ان کی طرف رخ کر کے کہا: تمہاری کونسی چیز چوری ہوگئی ہے۔

(۷۲) انہوں نے کہا: بادشاہ کا پیمانہ گم ہوگیا ہے اور ہمیں تمہارے بارے میں بدگمانی ہے

پیمانہ چونکہ گراں قیمت ہے اور بادشاہ کو پسند ہے لہٰذا وہ جس شخص کو ملے اور وہ اسے لے آئے تو اسے ایک اونٹ کا بار بطور انعام دیا جائے گا۔

پھر یہ بات کہنے والے نے مزید تاکید سے کہا: اور میں ذاتی طور پر اس انعام کا ضامن ہوں۔

(۷۳) بھائی یہ بات سن کر سخت پریشان ہوئے اور حواس باختہ ہو گئے اور وہ نہیں سمجھتے تھے کہ معاملہ کیا ہوا، ان کی طرف رخ کر کے انہوں نے کہا: خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ ہم یہاں اس لئے نہیں آئے کہ فتنہ فساد کریں اور ہم کبھی بھی چور نہیں تھے۔

(۷۴) یہ سن کر مامورین ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: لیکن اگر تم جھوٹے ہوئے تو اس کی سزا کیا ہے

(۷۵) انہوں نے جواب میں کہا: اس کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کے بار میں سے بادشاہ کا پیمانہ مل جائے اسے روک لو اور اسے اس کے بدلے میں لے لو۔ جی ہاں! ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔

(۷۶) اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان کے غلات کے بار کھولے جائیں اور ایک ایک کی جانچ پڑتال کی جائے۔ البتہ اس بناء پر کہ ان کے اصلی منصوبے کا کسی کو پتہ نہ چلے، اپنے بھائی بنیامین کے بار سے پہلے دوسروں کے سامان کی پڑتال کی اور پھر وہ مخصوص پیمانہ اپنے بھائی کے بار سے برآمد کر لیا۔

بنیامین کے بار سے پیمانہ برآمد ہوا تو تعجب سے بھائیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ گویا غم و اندوہ کا پہاڑ ان کے سروں پر آ گرا اور انہیں یوں لگا جیسے وہ ایک عجیب مقام پر پھنس گئے ہیں کہ جس کے چاروں طرف کے راستے بند ہو گئے ہیں۔ ایک طرف ان کا بھائی ظاہراً ایسی چوری کا مرتکب ہوا جس سے ان کے سر ندامت سے جھک گئے اور دوسری طرف عزیز مصر کی نظروں میں ان کی عزت و حیثیت خطرے میں جا پڑی کہ اب آئندہ کے لئے اس کی حمایت حاصل کرنا ان کے لئے ممکن نہ رہا اور ان تمام باتوں سے قطع نظر انہوں نے سوچا کہ باپ کو کیا جواب دیں گے اور وہ کیسے یقین کرے گا کہ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر بھائیوں نے بنیامین کی طرف رخ کر کے کہا: اے بے خبر! تو نے ہمیں رسوا کر دیا ہے اور ہمارا منہ کالا کر دیا ہے۔ تو نے یہ کیسا غلط کام انجام دیا ہے (نہ تو نے اپنے آپ پر رحم کیا، نہ ہم پر اور نہ خاندانِ یعقوب علیہ السلام پر کہ جو خاندان نبوت ہے) آخر ہمیں بتا تو سہی کہ تو نے کس وقت پیمانہ اٹھایا اور اپنے بار میں رکھ لیا۔

بنیامین نے جو معاملے کی اصل اور قضیے کے باطن کو جانتا تھا ٹھنڈے دل سے جواب دیا کہ یہ کام اسی شخص نے کیا ہے جس نے تمہاری دی ہوئی قیمت تمہارے بار میں رکھ دی تھی لیکن بھائیوں کو اس اس حادثے نے اس قدر پریشان کر رکھا تھا کہ وہ سمجھ نہ سکے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

پھر قرآن مزید کہتا ہے: ہم نے اس طرح یوسف کے لئے ایک تدبیر کی (تاکہ وہ پنے بھائی کو دوسرے بھائیوں کی مخالفت کے بغیر روک سکیں)۔

اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر یوسف قوانین مصر کے مطابق سلوک کرتے تو انہیں چاہئے تھا کہ اسے زدوکوب کرتے اور اسے قید خانے میں ڈال دیتے لیکن اس طرح نہ صرف بھائی کو آزار و تکلیف پہنچتی بلکہ خود ان کا مقصد کہ بھائی کو اپنے پاس رکھیں، پورا نہ ہوتا۔ اسی لئے انہوں نے پہلے بھائیوں سے اعتراف لیا کہ اگر تم نے چوری کی ہو تو تمہارے نزدیک اس کی سزا کیا ہے تو انہوں نے اپنے ہاں رائج طریقے کے مطابق جواب دیا کہ ہمارے ہاں یہ طریقہ ہے کہ چور کو اس کی چوری کے بدلے اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں اور اس سے کام لیتے ہیں اور حضرت یوسف نے بھی اسی طریقے کے مطابق ان سے سلوک کیا کیونکہ مجرم کو سزا دینے کا ایک طریقہ یہ ہے اسے اس کے اپنے قانون کے مطابق سزا دی جائے۔

اسی بناء پر قرآن کہتا ہے: یوسف علیہ السلام ملک مصر کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے اور اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔

اس کے بعد استثناء کے طور پر فرماتا ہے: مگر یہ کہ خدا چاہے۔

ہ اس طرف اشارہ ہے یہ کام جو یوسف نے انجام دیا اور بھائیوں کے ساتھ ان کے طریقے کے مطابق سلوک کیا فرمان الٰہی کے مطابق تھا اور یہ بھائی کی حفاظت اور ان کے باپ کی اور دوسرے بھائیوں کی آزمائش کی تکمیل کے لئے ایک منصوبہ تھا۔

آخر میں قرآن مزید کہتا ہے: ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں۔ ان افراد کے درجات...... جو اہل ہوں اور یوسف علیہ السلام کی طرح امتحانات کی کٹھالی سے صحیح سالم نکل آئیں۔

بہر حال ہر عالم سے برتر ایک اور عالم ودانا ہے (یعنی خدا) اور وہی ہے جس نے اس منصوبے کا یوسف کو الہام کیا تھا۔

(۷۷)قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَ لَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ	(بھائیوں نے) کہا: اگر اس (بنیامین) نے چوری کی ہے (تو تعجب کی بات نہیں) اس کے بھائی (یوسف) نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی۔ یوسف (کو بہت دکھ ہوا لیکن اس) نے اس (دکھ) کو اپنے اندر چھپائے رکھا اور ان پر ظاہر نہیں کیا۔ (بس اتنا) کہا: تم بدتر ہو اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو خدا اس سے زیادہ آگاہ ہے۔
(۷۸)قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ	انہوں نے کہا: اے عزیز! اس کا بوڑھا باپ ہے (اور وہ بہت پریشان ہوگا) لہٰذا ہم میں سے کسی ایک کو اس کے بدلے رکھ لے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تو نیکوکاروں میں سے ہے۔
(۷۹)قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۧ	اس نے کہا: اس سے خدا کی پناہ کہ جس شخص کے پاس سے ہمارا مال ومتاع ملا ہم سوائے اس کے کسی اور کو لیں کیونکہ اس صورت میں ہم ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

تفسیر

برادران یوسف علیہ السلام کی فداکاری کیوں قبول نہ ہوئی؟

آخر کار بھائیوں نے یقین کر لیا کہ ان کے بھائی بنیامین نے ایسی قبیح اور منحوس چوری کی ہے اور اس طرح اس نے عزیز مصر

کی نظروں میں ان کا سابقہ ریکارڈ سارا خراب کر دیا ہے۔ لہٰذا اپنے آپ کو بری الذمہ کرنے کے لئے انہوں نے کہا: اس لڑکے نے چوری کی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس کا بھائی بھی پہلے ایسے کام کا مرتکب ہو چکا ہے۔ اور یہ دونوں ایک ہی ماں اور باپ سے ہیں اور ہم کو جو دوسری ماں سے ہیں ہمارا حساب کتاب ان سے الگ ہے۔ اس طرح سے انہوں نے اپنے اور بنیامین کے درمیان ایک حد فاصل قائم کرنا چاہی اور اس کا تعلق یوسف علیہ السلام سے جوڑ دیا۔

یہ بات سن کر یوسف علیہ السلام بہت دکھی اور پریشان ہوئے اور ''اسے اپنے دل میں چھپائے رکھا اور ان کے سامنے اظہار نہ کیا''۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات کہہ کر انہوں نے بہت بڑا بہتان باندھا ہے لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ بس اجمالی طور ان سے اتنا'' کہا: جس کی طرف تم یہ نسبت دیتے ہو تم اس سے بدتر ہو'' یا ''میرے نزدیک مقام ومنزلت کے لحاظ سے تم بدترین لوگ ہو''۔

اس کے بعد مزید کہا: جو کچھ تم کہتے ہو خدا اس کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔ جس کام کی نسبت تم اس کی طرف دے رہے ہو یقیناً خدا اس کے جھوٹ ہونے کو بھی جانتا ہے۔

(۷۸) بھائیوں نے دیکھا ان کے چھوٹے بھائی بنیامین کو اس قانون کے مطابق عزیز مصر کے پاس رہنا پڑے گا جسے وہ خود قبول کر چکے ہیں اور دوسری طرف انہوں نے باپ سے پیمان باندھا تھا کہ بنیامین کی حفاظت اور اسے واپس لانے کے لئے اپنی پوری کوشش کریں گے۔ ایسے میں انہوں نے یوسف علیہ السلام کی طرف رخ کیا جسے ابھی تک نہیں پہچانا تھا اور'' کہا: اے عزیز مصر: اے بزرگوار صاحبِ اقتدار! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے اور وہ اس کی جدائی کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ہم نے آپ کے اصرار پر اسے باپ سے جدا کیا اور باپ نے ہم نے تاکیدی وعدہ لیا کہ ہم ہر قیمت پر اسے واپس لائیں گے۔ اب جب کہ احسان کیجئے اور اس کے بدلے میں ہم سے کسی ایک کو رکھ لیجئے۔'' کیونکہ ہم دیکھ رہے کہ آپ نیکوکاروں میں سے ہیں'' اور یہ پہلا موقع نہیں کہ آپ نے ہم پر لطف وکرم اور مہر ومحبت کی ہے، مہربانی کر کے اپنی کرم نوازیوں کی تکمیل کیجئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس تجویز کی شدت سے نفی کی اور'' کہا: پناہ بخدا! کیسے ہوسکتا ہے کہ جس کے پاس سے ہمارا مال و متاع برآمد دی ہو۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم ظالم ہوں گے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی اس گفتگو میں بھائی کی طرف چوری کی نسبت نہیں دی بلکہ کہتے ہیں کہ ''جس شخص کے پاس سے ہمیں ہمارا مال ومتاع ملا ہے'' اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس امر کی طرف سنجیدگی سے متوجہ تھے کہ اپنی پوری زندگی میں کبھی کوئی غلط بات کریں۔

(۸۰)فَلَمَّا اسۡتَيۡـَٔسُوۡا مِنۡهُ خَلَصُوۡا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيۡرُهُمۡ اَلَمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اَبَاكُمۡ قَدۡ اَخَذَ عَلَيۡكُمۡ مَّوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنۡ قَبۡلُ مَا فَرَّطْتُّمۡ فِىۡ يُوۡسُفَ‌ ۚ فَلَنۡ اَبۡرَحَ الۡاَرۡضَ حَتّٰى يَاۡذَنَ لِىۡۤ اَبِىۡۤ اَوۡ يَحۡكُمَ اللّٰهُ لِىۡ‌ ۚ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ	جب (بھائی) اس سے مایوس ہو گئے تو ایک طرف گئے اور آپس میں سرگوشی کی۔ ان میں سے سب سے بڑے نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے الٰہی پیمان لیا تھا اور اس سے پہلے تم نے یوسف کے بارے میں کوتاہی کی تھی؟ لہٰذا میں اس سرزمین سے نہیں جاؤں گا جب تک مجھے میرا باپ اجازت نہ دے یا خدا اپنا حکم میرے بارے میں صادر فرمائے اور وہ بہترین حکم کرنے والا ہے۔
(۸۱)اِرۡجِعُوۡۤا اِلٰٓى اَبِيۡكُمۡ فَقُوۡلُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابۡنَكَ سَرَقَ‌ ۚ وَمَا شَهِدۡنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمۡنَا وَمَا كُنَّا لِلۡغَيۡبِ حٰفِظِيۡنَ	(پھر بڑے بھائی نے کہا) تم اپنے باپ کی طرف پلٹ جاؤ اور اس سے کہو، ابا (جان) تمہارے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم جو کچھ جانتے ہیں اس کے سوا ہم نے گواہی نہیں دی اور نہ ہی ہم غیب سے آگاہ تھے۔
(۸۲)وَسۡـَٔلِ الۡقَرۡيَةَ الَّتِىۡ كُنَّا فِيۡهَا وَالۡعِيۡرَ الَّتِىۡۤ اَقۡبَلۡنَا فِيۡهَا‌ ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ	(مزید اطمینان کے لئے) اس شہر (والوں) سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے نیز اس قافلے سے پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور ہم (اپنی بات میں) سچے ہیں۔

تفسیر

برادرانِ یوسف علیہ السلام سر جھکائے باپ کے پاس پہنچے

بھائیوں نے بنیامین کی رہائی کے لئے اپنی آخری کوشش کر دیکھی لیکن انہوں نے اپنے سامنے تمام راستے بند پائے۔ ایک طرف تو اس کام کو کچھ اس طرح سے انجام دیا گیا تھا کہ ظاہراً بھائی کی برأت ممکن نہ تھی اور دوسری طرف عزیز مصر نے اس کی جگہ کسی اور فرد کو رکھنے کی تجویز قبول نہ کی۔ لہٰذا وہ مایوس ہو گئے۔ یوں انہوں نے کنعان کی طرف لوٹ جانے اور باپ سے سارا ماجرا بیان کرنے کا ارادہ کر لیا۔ قرآن کہتا ہے: جس وقت وہ عزیز مصر سے یا بھائی کی نجات سے مایوس ہو گئے تو ایک طرف کو آئے دوسروں سے الگ ہو

گئے اور سرگوشی کرنے لگے۔

بہرحال سب سے بڑے بھائی نے اس خصوصی میٹنگ میں ان سے کہا: کیا تم جانتے نہیں ہو کہ تمہارے باپ نے تم سے الٰہی پیمان لیا ہے کہ بنیامین کو ہرممکنہ سورت میں ہم واپس لائیں گے۔ اور تمہی نے اس سے پہلے بھی یوسف کے بارے میں کوتاہی کی اور باپ کے نزدیک تمہارا گزشتہ کردار برا ہے۔ اب جب کہ معاملہ یوں ہے تو میں اپنی جگہ سے (یا سرزمین مصر سے) نہیں جاؤں گا اور یہیں پڑاؤ ڈالوں گا۔ مگر یہ کہ میرا باپ مجھے اجازت دے دے یا خدا میرے متعلق کوئی فرمان صادر کرے کہ جو بہترین حاکم و فرماں روا ہے۔

اس حکم سے یا تو موت کا حکم مراد ہے یعنی مرتے دم یہاں سے نہیں جاؤں گا یا خدا کی طرف پیدا ہونے والا کوئی چارہ کار مراد ہے یا پھر کوئی قابل قبول اور قابل توجیہ عذر مراد ہے جو کہ باپ کے نزدیک قطعی طور پر قابل قبول ہو۔

(۸۱) پھر بڑے بھائی نے دوسرے بھائیوں کو حکم دیا کہ ''تم باپ کے پاس لوٹ جاؤ اور کہو: ابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور یہ جو ہم گواہی دے رہے ہیں اتنی ہی ہے جتنا ہمیں علم ہوا ہے'' بس ہم نے اتنا دیکھا کہ بادشاہ کا پیمانہ ہمارے بھائی کے بارسے برآمد ہوا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے چوری کی ہے، باقی رہا امرِ باطن تو وہ خدا جانتا ہے۔ اور ہمیں غیب کی خبر نہیں۔

(۸۲) پھر اس بناء پر کہ باپ سے ہر طرح کی بدگمانی دور کریں اور اسے مطمئن کریں کہ ماجرا اسی طرح ہے نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔

انہوں نے مزید کہا: مزید تحقیق کے لئے اس شہر سے سوال کرلیں جس میں ہم تھے۔ اسی طرح اس قافلے سے پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آپ کے پاس آئے ہیں اور فطری طور پر آپ اہلِ کنعان کو جانتے ہیں جو کہ اس قافلے میں موجود ہیں۔ اس سے حقیقت حال پوچھ لیں۔

بہرحال مطمئن رہیں کہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں اور حقیقت کے سوا کچھ نہیں کہتے۔

اس ساری گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیامین کی چوری کا واقعہ مصر میں مشہور ہو چکا تھا۔ یہ بات شہرت پا چکی تھی کہ کنعان سے ایک قافلہ یہاں آیا ہے۔ اس میں سے ایک شخص بادشاہ کا پیمانہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ بادشاہ کے مامورین بروقت پہنچ گئے اور انہوں نے اس شخص کو روک لیا۔

شاید بھائیوں نے جو یہ کہا کہ مصر کے علاقے سے پوچھ لیں یہ اس طرف کنایہ ہو کہ یہ واقعہ اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ در و دیوار کو اس کا علم ہے۔

(۸۳)قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّاۡتِيَنِىۡ بِهِمۡ جَمِيۡعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ	(یعقوب نے) کہا: نفس (اور ہوا و ہوس) نے معاملہ تمہاری نگاہ میں اس طرح سے مزین کر دیا ہے۔ میں صبر کروں گا، صبر جمیل (کہ جس میں کفران نہ ہو) مجھے امید ہے کہ خدا ان سب کو میری طرف پلٹا دے گا کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے۔
(۸۴)وَ تَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَ قَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوۡسُفَ وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِيۡمٌ	اور ان سے منہ پھیر لیا اور کہا: ہائے یوسف، اور اس کی آنکھیں غم و اندوہ سے سفید ہو گئیں لیکن وہ اپنا غصہ پی جاتا۔
(۸۵)قَالُوۡا تَاللّٰهِ تَفۡتَؤُا تَذۡكُرُ يُوۡسُفَ حَتّٰى تَكُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡهٰلِكِيۡنَ	انہوں نے کہا: بخدا! تو یوسف کو اس قدر یاد کرتا ہے کہ موت کے قریب جا پہنچے گا یا ہلاک ہو جائے گا۔
(۸۶)قَالَ اِنَّمَاۤ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَ حُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ	اس نے کہا: میں اپنا درد و غم صرف خدا سے کہتا ہوں (اور اس کے ہاں شکایت کرتا ہوں) اور میں خدا کی طرف سے ایسی چیزیں جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔

تفسیر

میں وہ الطاف الٰہی جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

بھائی مصر سے چل پڑے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے بھائی کو وہاں چھوڑ آئے اور پریشان و غمزدہ کنعان پہنچے۔ باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سفر سے واپسی پر باپ نے جب گزشتہ سفر کے برعکس غم و اندوہ کے آثار ان کے چہروں پر دیکھتے تو سمجھ گئے کہ کوئی ناگوار خبر لائے ہیں۔ خصوصاً جب کہ بنیامین اور سب سے بڑا بھائی جو ان کے ہمراہ نہ تھا۔ جب بھائیوں نے بغیر کمی بیشی کے ساری آپ بیتی کہہ دی تو یعقوب علیہ السلام بہت حیران ہوئے اور ان کی طرف رخ کر کے کہنے لگے: تمہاری نفسانی خواہشات نے یہ معاملہ تمہارے سامنے اس طرح سے پیش کیا ہے اور اسے اس طرح سے مزین کیا ہے۔

اس کے بعد یعقوب اپنی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ میں صبر کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا۔ اور میں اچھا صبر کروں گا کہ جو کفران سے خالی ہو۔

مجھے امید ہے کہ خدا ان سب کو (یوسف، بنیامین اور میرے بڑے بیٹے کو) میری طرف پلٹا دے گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ ان سب کے دل کی داخلی کیفیات سے باخبر ہے۔ علاوہ ازیں وہ حکیم بھی ہے اور وہ کوئی کام بغیر کسی حساب کتاب کے نہیں کرتا۔

(۸۴) اس وقت یعقوب رنج وغم میں ڈوب گئے۔ بنیامین کہ جوان کے دل کی ڈھارس تھا واپس نہ آیا تو انہیں اپنے پیارے یوسف علیہ السلام کی یاد آ گئی۔ انہیں خیال آیا کہ اے کاش آج وہ آبرومند، باایمان، باہوش اور حسین وجمیل بیٹا ان کی آغوش میں ہوتا اور اس کی پیاری خوشبو ہر لحہ باپ کو حیات نوبخشتی لیکن نہ صرف یہ کہ ان کا نام ونشان نہیں بلکہ اس کا جانشین بنیامین بھی اس کی طرح ایک دردناک معاملے میں گرفتار ہو گیا ہے۔ اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے رخ پھیر لیا اور کہا: ہائے یوسف۔

حزن وملال اتنا بڑھا کہ یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں سے بے اختیار اشکوں کا سیلاب بہہ نکلا یہاں تک کہ ''اس کی آنکھیں دردوغم سفید اور نابینا ہو گئیں۔

لیکن اس کے باوجود وہ کوشش کرتے تھے کہ ضبط کریں اور اپنا غم وغصہ پی جائیں اور رضائے حق کے خلاف کوئی بات نہ کہیں وہ باحوصلہ اور جواں مرد تھے۔ اور انہیں اپنے غصے پر پورا کنٹرول تھا۔

(۸۵) بھائی کہ جوان تمام واقعات سے بہت پریشان تھے ایک طرف تو ان کا ضمیر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کی بناء پر انہیں عذاب دیتا اور دوسری طرف وہ بنیامین کی وجہ سے اپنے آپ کو ایک نئے امتحان کی چوکھٹ پر پاتے اور تیسری طرف باپ کا غم اور دکھ ان پر بہت گراں تھا لہٰذا انہوں نے پریشانی اور بے حوصلگی کے ساتھ باپ سے کہا: بخدا تو اتنا یوسف یوسف کرتا ہے کہ بیمار ہو جائے گا اور موت کے کنارے پہنچ جائے گا یا ہلاک ہو جائے گا۔

(۸۶) میں نے تمہارے سامنے اپنی شکایت پیش نہیں کی جو اس طرح کی باتیں کرتے ہو میں اپنا دردوغم بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتا ہوں اور اس کے ہاں اپنی شکایت پیش کرتا ہوں۔

اور اپنے خدا کی طرف سے مجھے ایسے الطاف وعنایات حاصل ہیں اور ایسی چیزیں مجھے معلوم ہیں کہ جن سے تم بے خبر ہو۔

(۸۷) يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ	اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ خدا کی رحمت سے کافر قوم کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔
(۸۸) فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ	جب وہ اس (یوسف) کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: اے عزیز! ہم اور ہمارا خاندان پریشانی میں گھر گیا ہے اور ہم (اناج خریدنے کیلئے) تھوڑی سی پونجی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ ہمارا پیمانہ (غلے سے) پوری طرح بھر دے اور ہم پر صدقہ کر دے کیونکہ اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

(۸۹)قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ بِیُوۡسُفَ وَ اَخِیۡهِ اِذۡ اَنۡتُمۡ جٰهِلُوۡنَ	اس نے کہا: کیا تم جانتے ہو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب کہ تم جاہل تھے؟
(۹۰)قَالُوۡۤا ءَاِنَّکَ لَاَنۡتَ یُوۡسُفُ ؕ قَالَ اَنَا یُوۡسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِیۡ ۫ قَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡنَا ؕ اِنَّهٗ مَنۡ یَّتَّقِ وَ یَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ	انہوں نے کہا: کیا تو وہی یوسف ہے؟ اس نے کہا: (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور صبر و استقامت دکھائے (آخر وہ کامیاب ہوتا ہے) کیونکہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔
(۹۱)قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ اٰثَرَکَ اللّٰهُ عَلَیۡنَا وَ اِنۡ کُنَّا لَخٰطِئِیۡنَ	انہوں نے کہا: خدا کی قسم! خدا نے تجھے ہم پر مقدم رکھا اور ہم خطا کار تھے۔
(۹۲)قَالَ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ ؕ یَغۡفِرُ اللّٰهُ لَکُمۡ ۫ وَ هُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ	اس نے کہا: آج تم پر کوئی ملامت اور سرزنش نہیں ہے، اللہ تمہیں بخشے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔
(۹۳)اِذۡهَبُوۡا بِقَمِیۡصِیۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰی وَجۡهِ اَبِیۡ یَاۡتِ بَصِیۡرًا ۚ وَ اۡتُوۡنِیۡ بِاَهۡلِکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۪	یہ میری قمیض لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو وہ بینا ہو جائے گا اور تمام گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

تفسیر

مایوس ہونے کی بجائے کوشش کرنا چاہئے

مصر اور اطراف مصر میں کنعان بھی شامل تھا جہاں قحط ظلم ڈھا رہا تھا۔ اناج بالکل ختم ہو گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام دوبارہ اپنے بیٹوں کو مصر کی طرف جانے اور غلہ حاصل کرنے کا حکم دیا لیکن اس مرتبہ اپنی آرزوؤں کی بنیاد یوسف اور بنیامین کی تلاش کو قرار دیا اور کہا: میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی بنیا کو لاش کرو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے چونکہ اس بارے میں تقریباً مطمئن تھے کہ یوسف علیہ السلام موجود ہی نہیں اس لئے وہ باپ کی اس نصیحت اور تاکید پر تعجب کرتے تھے۔

یعقوبؑ ان کے گوش گزار کرر ہے تھے؟ رحمت الٰہی سے کبھی مایوس نہ ہونا کیونکہ اس کی قدرت تمام مشکلوں اور سختیوں سے مافوق ہے کیونکہ صرف بے ایمان کافر کہ جو قدرت خدا سے بے خبر ہیں اس کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔

(۸۸) بہر حال فرزندان یعقوبؑ نے اپنا مال و اسباب باندھا اور مصر کی طرف چل پڑے اور اب کے تیسری مرتبہ داستانوں سے معمور اس سرزمین پر پہنچے۔ گزشتہ سفروں کے برخلاف اس سفر میں ان کی روح کو ایک احساس ندامت کچوکے لگا رہا تھا کیونکہ مصر میں اور عزیز مصر کے نزدیک ان کا سابقہ کردار بہت برا تھا اور وہ بدنام ہو چکے تھے اور اندیشہ تھا کہ شاید بعض لوگ انہیں ''کنعان کے چور'' کے عنوان سے پہچانیں۔ دوسری طرف ان کے پاس گندم اور دوسرے اناج کی قیمت دینے کے لئے درکار مال متاع موجود نہیں تھا اور ساتھ ہی بھائی بنیامین کے کھو جانے اور باپ کی انتہائی پریشانی نے ان کی مشکلات میں اضافہ کر دیا تھا۔ گویا تلوار ان کے حلقوم تک پہنچ گئی تھی بہت ساری مشکلات اور روح فرسا پریشانیوں نے انہیں گھیر لیا تھا۔ ایسے میں جو چیز ان کے تسکین قلب کا باعث تھی وہ صرف باپ کا آخری جملہ تھا۔ کہ جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا کیونکہ اس کے لئے ہر مشکل آساں ہے۔ اس عالم میں ''وہ یوسف کے پاس پہنچے اور اس وقت انتہائی پریشانی کے عالم میں انہوں نے اس کی طرف رخ کیا اور کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے خاندان کو قحط، پریشانی اور مصیبت نے گھیر لیا ہے۔ ہمارے پاس صرف بہت تھوڑی سی کم قیمت پونجی ہے۔ لیکن پھر بھی ہمیں تیرے کرم اور شفقت پر بھروسہ ہے اور ہمیں توقع ہے کہ تو ہمارا پیمانہ پورا کرے گا۔ اور اس معاملہ میں ہم پر احسان کرتے ہوئے صدقہ کر۔ اور اپنا اجر و ثواب ہم سے نہ لے بلکہ اپنے خدا سے لے کیونکہ خدا کریموں اور صدقہ کرنے والوں کو اجر خیر دیتا ہے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ برادران یوسف کو باپ نے تاکید کی تھی کہ پہلے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے لئے جستجو کریں اور بعد میں اپنا اناج حاصل کریں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس بات کی طرف چنداں توجہ نہیں کی اور سب سے پہلے انہوں نے عزیز مصر سے اناج کا تقاضا کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انہیں یوسف کے ملنے کی چنداں امید نہ تھی یا ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ بہتر ہے کہ اپنے آپ کو اناج کے خریداروں کے طور پر پیش کریں جو کہ زیادہ طبعی اور فطری ہے اور بھائی کی آزادی کا تقاضا ضمناً رہنے دیں تا کہ یہ چیز عزیز مصر پر زیادہ اثر انداز ہو۔

روایات میں بھی ہے کہ بھائی باپ کی طرف سے عزیز مصر کے نام ایک خط لے کر آئے تھے اس خط میں حضرت یعقوبؑ نے عزیز مصر کے عدل و انصاف کا تذکرہ کیا۔ اپنے خاندان سے اس کی محبتوں اور شفقتوں کی تعریف کی۔ پھر اپنا اور اپنے خاندان نبوت کا تعارف کروایا۔ اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اس کے ضمن میں اپنے بیٹے یوسفؑ اور دوسرے بیٹے بنیامین کے کھو جانے اور خشک سالی سے پیدا ہونے والی مصیبتوں کا ذکر کیا۔ خط کے آخر میں اس سے خواہش کی گئی تھی کہ بنیامین کو آزاد کر دے اور تاکید کی تھی کہ ہمارے خاندان میں چوری ہرگز نہ تھی اور نہ ہوگی۔

جب بھائیوں نے باپ کا خط عزیز مصر کو دیا تو انہوں نے اسے لے کر چوما اور اپنی آنکھوں پر رکھا اور رونے لگے گریہ کا یہ عالم

تھا کہ قطرات اشک ان کے پیراہن پر گرنے لگے۔

(۸۹) یہ دیکھ کر حیرت وفکر میں ڈوب جاتے ہیں کہ عزیز مصر کو ان کے باپ سے کیا لگاؤ ہے وہ سوچتے ہیں کہ ان کے باپ کے خط نے اس میں ہیجان واضطراب کیوں پیدا کر دیا ہے اور شاید اسی موقع پر ان کے دل میں یہ خیال بجلی کی طرح اترا ہو کہ ہو نہ ہو یہی خود یوسف ہو اور شاید باپ کے اسی خط کی وجہ سے یوسف علیہ السلام اس قدر بے قرار ہو گئے کہ اب مزید اپنے آپ کو عزیز مصر کے نقاب میں نہ چھپا سکے اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ بہت جلد بھائیوں سے بھائی کی حیثیت سے اپنا تعارف کروا دیا۔

اس موقع پر جب کہ دور آزمائش ختم ہو رہا تھا اور یوسف علیہ السلام بھی بہت بے تاب اور سخت پریشان نظر آ رہے تھے۔ تعارف کے لئے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے بھائیوں کی طرف رخ کر کے آپ نے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب تم جاہل نادان تھے تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

(۹۰) ضمناً اس گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ گذشتہ زمانے میں انہوں نے صرف یوسف علیہ السلام پر ظلم ڈھائے تھا بلکہ بنیامین بھی اس دور میں ان کے شر سے محفوظ نہیں تھے اور انہوں نے اس کے لئے اس زمانے میں مشکلات پیدا کی تھیں۔ جب بنیامین مصر میں یوسف کے پاس تھے شائد ان دنوں میں انہوں نے ان کی کچھ بے انصافیاں اپنے بھائی کو بتائی ہوں۔

بعض روایات میں ہے کہ وہ زیادہ پریشان ہوں اور یہ خیال نہ کریں کہ عزیز مصر ہم سے انتقام لینے والا ہے یوسف علیہ السلام نے اپنی گفتگو کو ایک تبسم کے ساتھ ختم کیا۔ اس تبسم کی وجہ سے بھائیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خوبصورت دانت پوری طرح نظر آ گئے۔ جب انہوں نے خوب غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ دانت ان کے بھائی یوسف علیہ السلام سے عجیب مشابہت رکھتے ہیں۔

اس طرح بہت سے پہلو جمع ہو گئے ایک طرف تو انہوں نے دیکھا کہ عزیز مصر یوسف علیہ السلام کے بارے میں اور اس پر بھائیوں کی طرف سے کئے گئے مظالم کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے جنہیں سوائے ان کے اور یوسف علیہ السلام کے کوئی نہیں جانتا۔

دوسری طرف انہوں نے دیکھا کہ یعقوب علیہ السلام کے خط نے اسے اس قدر مضطرب کر دیا ہے جیسے اس کا یعقوب علیہ السلام سے کوئی بہت ہی قریبی تعلق ہو۔

لہٰذا انہوں نے شک وتردد کے لہجے میں کہا ''تم خود یوسف علیہ السلام تو نہیں۔

یہ موقع بھائیوں پہ بہت زیادہ حساس لمحات گذرا۔ کیونکہ صحیح طور پر معلوم بھی نہ تھا کہ عزیز مصر ان کے سوال کے جواب میں کیا کہے گا۔ کیا سچ مچ وہ پردہ ہٹا دے گا اور اپنا تعارف کروائے گا یا انہیں دیوانہ اور بے وقوف سمجھ کر خطاب کرے گا انہوں نے ایک مضحکہ خیز بات کی ہے۔

گھڑیاں بہت تیزی سے گزر رہی تھیں۔ انتظار کے روح فرسا لمحے ان کے دل کو بوجھل کر رہے تھے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ چاہا کہ یہ زمانہ طویل ہو جائے۔ اچانک انہوں نے حقیقت کے چہرے سے پردہ ہٹایا اور '' کہا، ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔ لیکن اس کی بناء پر کہ وہ خدا کی نعمت کا شکر ادا کریں کہ جس نے یہ سب نعمات عطا فرمائی تھیں اور ساتھ ہی بھائیوں کو

بھی ایک عظیم درس دیں انہوں نے مزید کہا، خدا نے ہم پر احسان کیا ہے جو شخص بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرے گا خدا اسے اس کا اجر و ثواب دے گا کیونکہ خدا نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

(۹۱) ان تمام چیزوں کے باوجود بھائی اپنے آپ میں شرمندہ تھے۔ وہ یوسف علیہ السلام کے چہرے کی طرف نظر بھر کے نہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں ان کا عظیم گناہ بخشش وعفو کے قابل بھی ہے یا نہیں۔ لہٰذا انہوں نے بھائی کی طرف رخ کیا اور کہا خدا کی قسم، اللہ نے تجھے ہم پر مقدم کیا ہے اور تجھے ترجیح دی ہے اور علم وحلم اور عقل وحکومت کے لحاظ سے تجھے فضیلت بخشی ہے۔ یقیناً ہم خطا کار اور گناہ گار تھے۔

(۹۲) لیکن یوسف علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ بھائی اس طرح شرمسار ہیں خصوصاً جب کہ یہ ان کی کامیابی وکامرانی کا موقع تھا یہ کہ احتمالاً بھائیوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یوسف علیہ السلام اس موقع پر انتقام لے گا لہٰذا فوراً یہ کہہ کر انہیں مطمئن اور پر سکون کر دیا کہ ''آج تمہیں کوئی سرزنش اور توبیخ نہیں ہوگی۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی انتہائی عظمت کی دلیل ہے کہ نہ صرف اپنا حق معاف کر دیا بلکہ اس بات پر تیار نہ ہوئے کہ انہیں تھوڑی سی بھی سرزنش کی جائے چہ جائیکہ بھائیوں کو کوئی سزا دیتے بلکہ حق الٰہی کے لحاظ سے بھی انہیں اطمینان دلایا کہ خدا غفور اور بخشنے والا ہے بلکہ یہ بات ثابت کرنے کے لئے یہ استدلال پیش کیا کہ وہ ارحم الراحمین ہے۔

(۹۳) اس موقع پر بھائیوں کو ایک اور غم بھی ستا رہا تھا اور وہ یہ کہ باپ اپنے بیٹوں کے فراق میں نابینا ہو چکا تھا اور اس کا اس طرح رہنا پورے خاندان کے لئے ایک جانکاہ رنج ہے علاوہ ازیں ان کے جرم پر ایک مسلسل دلیل ہے۔ لہٰذا یوسف علیہ السلام نے اس عظیم مشکل کے حل کے لئے بھی فرمایا: ''میرا یہ پیراہن لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تا کہ وہ نابینا ہو جائے۔ اس کے بعد سارے خاندان کے ہمراہ میرے پاس آ جاؤ۔

چند ایک روایت میں ہے کہ آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: میرا شفا بخش کرتہ باپ کے پاس وہی لے کر جائے جو خون آلودہ کرتہ لے کر گیا تھا تا کہ جیسے اس نے باپ کو تکلیف پہنچائی اور پریشان کیا تھا اب کے اسے خوش وخرم کرے۔ لہٰذا یہ کام ''یہودا'' کے سپرد ہوا کیونکہ اس نے بتایا تھا کہ وہ میں ہوں جو خون آلودہ کرتہ لے کر باپ کے پاس گیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ آپ کے بیٹے کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔

یہ امر جاذب امر ہے کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے ہی حالات پیش آئے اور فتح مکہ کے موقع پر آپ کو خونخوار دشمنوں یعنی شرک و بت پرستی کے سرغنوں پر کامیابی حاصل ہوئی تو ابن عباس کے بقول آپ خانہ کعبہ کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت مخالفین کعبہ میں پناہ لے چکے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں کیا حکم صادر فرماتے ہیں۔

اس پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بارے میں وہی کچھ کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کامیابی کے وقت کہا تھا۔

(۹۴)وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ	جس وقت قافلہ (سرزمین مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ (یعقوب) نے کہا: اگر مجھے نادانی اورکم عقلی کی نسبت نہ دوتو مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔
(۹۵)قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ	انہوں نے کہا: بخدا تو اسی گزشتہ گمراہی میں ہے۔
(۹۶)فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚۙ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَاتَعْلَمُوْنَ	لیکن جب بشارت دینے والا آ گیا (اوراس نے) وہ (کرتہ) اس کے چہرے پر ڈالا تو اچانک وہ بینا ہوگیا۔تو اس نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے ایسی چیزیں جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے؟
(۹۷)قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِیْنَ	انہوں نے کہا (ابا جان)! خدا سے ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کریں، بے شک ہم خطا کار تھے۔
(۹۸)قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ	اس نے کہا عنقریب میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے طلب بخشش کروں گا۔بے شک وہ غفورورحیم ہے۔

تفسیر

آخر لطف الٰہی اپنا کام کرے گا

فرزندان یعقوب علیہ السلام خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔وہ خوشی خوشی یوسف علیہ السلام کا پیراہن اپنے ساتھ لے کر قافلے کے ساتھ مصر سے چل پڑے ادھران بھائیوں کے لئے زندگی کے شیریں ترین لمحات تھے ادھر شام کے علاقے کنعان میں بوڑھے باپ کا گھر غم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا۔سارا گھرانہ افسردہ اورغمزدہ تھا۔

لیکن..........ادھر یہ قافلہ مصر سے چلا اور ادھر اچانک یعقوب علیہ السلام کے گھر میں ایک واقعہ رونما ہوا جس نے سب کو تعجب میں ڈال دیا۔یعقوب علیہ السلام کا جسم کانپ رہا تھا۔انہوں نے بڑے اطمینان اور اعتماد سے پکار کر کہا: اگر تم بد گوئی نہ کرو اور میری طرف نادانی اور جھوٹ کی نسبت نہ دو تو میں تم سے کہتا ہوں کہ مجھے اپنے پیارے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے، میں محسوس کررہا ہوں کہ رنج وغم اور زحمت ومشکل کی گھڑیاں ختم ہونے کو ہیں اور وصال وکامیابی کا زمانہ آنے والا ہے،خاندان یعقوب علیہ السلام اب لباسِ ماتم اتار دے گا

اور لباسِ مسرت زیب تن کرے گا لیکن میرا یہ خیال نہیں کہ تم ان باتوں پر یقین کرو گے۔

قاعدتاً حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس اس وقت ان کے پوتے پوتیاں اور بہوئیں وغیرہ تھیں۔ انہوں نے بڑے تعجب اور گستاخی سے اور پورے یقین سے یعقوب علیہ السلام سے کہا: بخدا آپ اسی پرانی گمراہی میں ہیں۔ یعنی اس سے بڑھ کر گمراہی کیا ہوگی کہ یوسف علیہ السلام کی موت کو سالہا سال گزر گئے ہیں اور اب بھی آپ کے خیال ہے کہ وہ زندہ ہے اور اب آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ مصر کی طرف سے مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔ مصر کہاں اور شام و کنعان کہاں، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ ہمیشہ خواب و خیال کی دنیا میں رہتے ہیں اور اپنے خیالات و تصورات کو حقیقت سمجھتے ہیں، آپ یہ کیسی عجیب و غریب بات کہہ رہے ہیں، بہر حال آپ تو پہلے بھی اپنے بیٹوں سے کہہ چکے ہیں کہ مصر کی طرف جاؤ اور میرے یوسف علیہ السلام کو تلاش کرو۔

(۹۶) معلوم نہیں یعقوب علیہ السلام پر چند دن اور راتیں کس طرح گزریں۔ آخر ایک دن جب آواز آئی وہ دیکھو مصر سے کنعان کا قافلہ آیا ہے۔

گذشتہ سفروں کے برخلاف فرزندان یعقوب علیہ السلام شاداں و فرحاں شہر میں داخل ہوئے اور بڑی تیزی سے باپ کے گھر پہنچ گئے۔ سب سے پہلے ''بشیر'' بوڑھے یعقوب علیہ السلام کے پاس آیا (وہی ''بشیر'' جو وصال کی بشارت لایا تھا اور جس کے پاس یوسف علیہ السلام کا پیراہن تھا) اس نے آتے ہی پیراہن یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دیا۔

یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں تو بے نور تھیں۔ وہ پیراہن کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ایک آشنا خوشبو ان کی مشام جان میں اتر گئی ہے۔ یہ ایک پر کیف زریں لمحہ تھا۔ گویا ان کے وجود کا ہر ذرہ روشن ہو گیا۔ آسمان و زمین مسکرا اٹھے ہوں۔ ہر طرف قہقہے بکھر گئے ہوں۔ نسیم رحمت چل اٹھی ہو اور غم و اندوہ کا گرد و غبار لپیٹ کر جا رہی ہو۔ در و دیوار سے خوشی کے نعرے سنائی دے رہے تھے اور یعقوب علیہ السلام اس ساری فضا کے ساتھ تبسم کناں تھے۔ ایک عجیب ہیجانی کیفیت تھی جو اس بوڑھے انسان پر طاری تھی۔ اچانک انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی آنکھیں روشن ہو گئی ہیں اور وہ ہر جگہ دیکھ رہے ہیں۔ دنیا اپنی تمام تر زیبائیوں کے ساتھ ایک مرتبہ پھر ان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے، جب بشارت دینے والا آیا تو اس نے وہ (پیراہن) ان کے چہرے پر ڈال دیا تو اچانک وہ بینا ہو گئے۔

بھائیوں اور گرد و پیش والوں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو امنڈ آئے اور یعقوب علیہ السلام نے پورے اعتماد سے کہا: میں نہ کہتا تھا کہ میں خدا کی طرف سے ایسی چیزیں جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔

(۹۷) اس حیران کن معجزے پر بھائی گہری فکر میں ڈوب گئے۔ ایک لمحے کے لئے اپنا تاریک ماضی ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا، خطا، گناہ اور اشتباہ اور تنگ نظری سے پر ماضی۔

لیکن............ کتنی اچھی بات ہے کہ جب انسان اپنی غلطی کو سمجھ لے تو فوراً اس کی اصلاح اور تلافی کی فکر کرے فرزندان یعقوب علیہ السلام بھی اسی فکر میں گم ہو گئے۔ انہوں نے باپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا: بابا جان! خدا سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے گناہوں

اور خطاؤں کو بخش دے'' کیونکہ ہم گنہگار و خطا کار تھے۔

بزرگوار اور باعظمت بوڑھا جس کا ظرف سمندر کی طرح وسیع تھا، اس نے کوئی ملامت و سرزنش کئے بغیر ان سے وعدہ کیا کہ میں بہت جلد تمہارے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہارے گناہوں سے صرف نظر کرے گا کیونکہ ''وہ غفور و رحیم ہے''۔

(۹۸) یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ اولیاء اللہ سے توسل اجمالاً ایک جائز امر ہے اور جو اسے ممنوع اور اصل توحید کے خلاف سمجھتے ہیں۔ متون قرآن سے آگاہی نہیں رکھتے یا پھر غلط تعصّبات نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

سیاہ رات چھٹ گئی

مندرجہ بالا آیات ہمیں یہ عظیم درس دیتی ہیں کہ مشکلات و حوادث جتنے بھی سخت اور دردناک ہوں اور ظاہری اسباب وعلل جتنے بھی محدود اور نارسا ہوں اور کامیابی و کشائش میں کتنی ہی تاخیر ہو جائے ان میں سے کوئی چیز بھی لطف پروردگار پر امید رکھنے سے مانع نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ وہی خدا ہے جو بینا آنکھ کو پیراہن کے ذریعے روشن کر دیتا ہے اور پیراہن کو خوشبو دور کے فاصلے سے دیگر علاقوں کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور گمشدہ عزیز اور محبوب کو سالہا سال بعد لوٹا دیتا ہے او جدائی سے مجروح دلوں پر مرہم رکھتا ہے اور جانکاہ اور جانکاہ تکالیف کو شفا بخشتا ہے۔

جی ہاں اس سرگزشت میں توحید اور خداشناسی کا یہ عظیم درس پوشیدہ ہے کہ کوئی چیز بھی خدا کے ارادے کے سامنے پیچیدہ نہیں ہے۔

(۹۹) فَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰی یُوۡسُفَ اٰوٰۤی اِلَیۡهِ اَبَوَیۡهِ وَ قَالَ ادۡخُلُوۡا مِصۡرَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیۡنَ ؕ	جس وقت یوسف کے پاس پہنچے تو (وہ سب) اپنے ماں باپ سے بغل گیر ہوئے اور کہا: سب کے سب مصر میں داخل ہو جاؤ، انشاء اللہ امن وامان میں رہو گے۔
(۱۰۰) وَ رَفَعَ اَبَوَیۡهِ عَلَی الۡعَرۡشِ وَ خَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِیۡلُ رُءۡیَایَ مِنۡ قَبۡلُ ۫ قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّیۡ حَقًّا ؕ وَ قَدۡ اَحۡسَنَ بِیۡۤ اِذۡ اَخۡرَجَنِیۡ مِنَ السِّجۡنِ وَ جَآءَ بِکُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّیۡطٰنُ	اور ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب کے سب اس کے لئے سجدے میں گر گئے اور اس نے کہا ابا جان یہ اس خواب کی تعبیر ہے کہ جو پہلے میں نے دیکھا تھا۔ خدا نے اسے حقیقت میں بدل دیا اور اس نے مجھ سے نیکی کی جب کہ مجھے زندان سے نکالا اور آپ کو اس بیابان سے (یہاں) لے آیا اور جب کہ شیطان

بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَ اِخۡوَتِیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ	میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان خرابی پیدا کر چکا تھا۔ اور میرا پرودگار جسے چاہتا ہے (اور مناسب دیکھتا ہے) اس کے لئے صاحب لطف ہے کیونکہ وہ دانا اور حکیم ہے
(۱۰۱) رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡکِ وَ عَلَّمۡتَنِیۡ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۟ اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۚ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ	پرودگارا! تو نے مجھے حکومت کا (عظیم) حصہ بخشا ہے اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دیا ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور دنیا و آخرت میں میرا سرپرست ہے مجھے مسلمان مارنا اور صالحین کے ساتھ ملحق فرمانا۔

تفسیر

یوسف علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام اور بھائیوں کی سرگزشت کا اختتام

عظیم ترین بشارت لئے ہوئے مصر سے قافلہ کنعان پہنچا۔ بوڑھے یعقوب علیہ السلام بینا ہو گئے عجیب جوش وخروش تھا۔ سالہا سال سے جو گھر ناغم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ خوشی اور سرور میں ڈوب گیا۔ ان سے نعمات الٰہی پر وہ پھولے نہیں سماتے تھے یوسف علیہ السلام کی فرمائش کے مطابق اس خاندان کو اب مصر کی طرف روانہ ہونا تھا۔ سفر کی تیاری ہر لحاظ سے مکمل ہوگئی۔ یعقوب علیہ السلام ایک مرکب پر سوار ہوئے جب کہ ان کے مبارک بسوں پر زکر وشکر خدا جاری تھا۔ اور عشق وصال نے انہیں اس طرح سے قوت وتوانائی بخشی تھی کہ گویا وہ نئے سرے سے جوان ہو گئے تھے۔

بھائیوں کے گزشتہ سفر تو خوف و پریشانی سے گزرے لیکن ان کے برخلاف یہ سفر ہر قسم کے فرک واندیشہ سے خالی تھا یہاں تک کہ اگر سفر کی کوئی تکلیف تھی بھی تو اس انتظار میں پنہان مقصد کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہ تھی

رات اور دن گویا بڑی آہستگی سے گزر رہے تھے کیونکہ اشتیاق وصال میں ہر گھڑی ایک دن بلکہ ایک سال معلوم ہو رہی تھی مگر جو کچھ بھی تا آخر گزر گیا مصر کی آبادیاں دور سے نمایاں ہوئیں مصر کے سرسبز کھیت آسمان سے باتیں کرنے والے درخت اور خوبصورت عمارتیں دکھائی دینے لگیں۔

لیکن............ قرآن اپنی دائمی سیرت کے مطابق ان سب مقدمات کو جو تھوڑے سے غور وفکر سے واضح ہو جاتے ہیں حذف کرتے ہوئے کہتا ہے۔ جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یوسف اپنے ماں باپ سے بغل گیر ہوئے۔

آخر کار یعقوب علیہ السلام کی زندگی کا شیرین ترین لمحہ آ گیا۔ دیار وصال کا یہ لمحہ فراق کے کئی سالوں بعد آیا تھا۔ خدا کے سوا کوئی

نہیں جانتا کہ وصال کے یہ لمحات یعقوبؑ اور یوسفؑ پر کیسے گزرے ان شیریں لمحات میں ان دونوں کے احساسات وجذبات کیا تھے عالم شوق میں انہوں نے کتنے آنسو بہائے اور عالم عشق میں کیا نالہ وفریاد ہوا۔

پھر یوسفؑ نے سب سے کہا: سرزمین مصر میں قدم رکھیں کہ انشاءاللہ یہاں آپ بالکل امن وامان میں ہونگے کیونکہ مصر یوسفؑ کی حکومت میں امن وامان کا گہوارہ بن چکا تھا۔

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسفؑ اپنے ماں باپ کے استقبال کے لئے شہر کے دروازے کے باہر تک آئے تھے اور شاید جملہ کہ ''جو دروازے سے باہر'' سے مربوط ہے اس طرف اشارہ ہے کہ یوسفؑ نے حکم دیا تھا کہ وہاں خیمے نصب کئے جائیں اور ماں باپ اور بھائیوں کی پہلے پہل وہاں پذیرائی کی جائے۔

(۱۰۰) جب وہ بارگاہ یوسفؑ میں پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا نعمت الٰہی کی اس عظمت اور پروردگار کے لطف کی اس گہرائی اور وسعت نے بھائیوں اور ماں باپ کو اتنا متاثر کیا کہ وہ سب کے سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔

اس موقع پر یوسفؑ نے باپ کی طرف رخ کیا اور عرض کیا: ابا جان یہ اسی خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ کیا ایسا ہی نہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے میرے سامنے سجدے کررہے ہیں دیکھئے! جیسا کہ آپ نے پیش گوئی کی تھی خدا نے اس خواب کو واقعیت میں بدل دیا ہے اور پروردگار نے مجھ پر لطف واحسان کیا ہے کہ اس نے مجھے زندان سے نکالا ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنی زندگی کی مشکلات میں صرف زندان مصر کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ لیکن بھائیوں کی وجہ سے کنعان کے کنوئیں کی بات نہیں کی۔

اس کے بعد مزید کہا: خدا نے مجھ پر کس قدر لطف کیا کہ آپ کو کنعان کے اس بیابان سے یہاں لے آیا جب کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد انگیزی کر چکا تھا۔

یہاں یوسفؑ ایک مرتبہ پھر اپنی وسعت قلبی اور عظمت کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ کوتاہی کس شخص نے کی صرف سربستہ اور اجمالی طور پر کہتے ہیں کہ شیطان نے اس کام میں دخل اندازی کی اور وہ فساد کا باعث بنا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ بھائیوں کی گزشتہ خطاؤں کا گلہ کریں۔

آخر میں یوسفؑ کہتے ہیں۔ یہ سب نعمات وعنایات خدا کی طرف سے ہیں کیونکہ میرا پروردگار مرکز لطف وکرم ہے اور جس امر میں چاہتا ہے لطف کرتا ہے وہ بندوں کے کاموں کی تدبیر کرتا ہے اور ان کی مشکلات کو آسان کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ کون حاجت مند ہیں اور کون اہل ہیں کیونکہ وہ علیم وحکیم ہے۔

(۱۰۱) اس کے بعد یوسفؑ حقیقی مالک الملک اور دائمی نعمت کے ولی کی طرف رخ کرتے ہیں اور شکر اور تقاضے کے طور پر کہتے ہیں پروردگارا! تو نے ایک وسیع حکومت کا ایک حصہ مجھے مرحمت فرمایا ہے تعبیر خواب کے علم کی تعلیم دی ہے۔ اور تیرے بندوں کی

ایک بڑی جماعت کی زندگی میں کس قسم کا انقلاب پیدا کر دیا ہے اور یہ علم کس قدر پر برکت ہے۔

تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ایجاد کیا ہے اور اسی بنا پر تمام چیزیں تیری قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ پروردگارا! دنیا و آخرت میں تو میرا ولی، ناصر، مدبر اور محافظ ہے۔ مجھے اس جہاں سے مسلمان اور اپنے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے لے جا مجھے صالحین سے ملحق کر دے۔

یعنی میں تجھ سے ملک کے دوام اور اپنی مادی حکومت اور زندگی کی بقاء کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ یہ تو سب فانی ہیں اور صرف دیکھنے میں دل انگیز ہیں بلکہ میں تجھ سے یہ چاہتا ہوں کہ میری عاقبت اور انجام کار بخیر ہو اور میں تیری راہ میں ایمان و تسلیم کے ساتھ رہوں اور تیرے لئے جان دوں اور صالحین اور تیرے باخلوص دوستوں کی صفت میں قرار پاؤں، میرے لئے یہ چیزیں اہم ہیں۔

(۱۰۲)ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ ۚ وَ مَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا اَمۡرَہُمۡ وَ ہُمۡ یَمۡکُرُوۡنَ	یہ (قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے کہ جس کی ہم تجھے وحی کرتے ہیں تو (ہرگز) ان کے پاس نہیں تھا۔ جب انہوں نے مصمم ارادہ کیا اور جب وہ منصوبہ بنا رہے تھے۔
(۱۰۳)وَ مَاۤ اَکۡثَرُ النَّاسِ وَ لَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ	اور اگر چہ تو اصرار کرے زیادہ تر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔
(۱۰۴)وَ مَا تَسۡـَٔلُہُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۠	اور تو اس پر ہرگز ان سے اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا، یہ نہیں ہے مگر یہ کہ عالمین کے لئے یاد دہانی۔
(۱۰۵)وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ یَمُرُّوۡنَ عَلَیۡہَا وَ ہُمۡ عَنۡہَا مُعۡرِضُوۡنَ	اور (خدا کی) بہت سی نشانیاں آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں کہ وہ جن کے پاس سے گزرتے ہیں اور ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔
(۱۰۶)وَ مَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ	اور ان میں کہ جو اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اکثر مشرک ہیں۔

(۱۰۷)اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ	کیا وہ اس سے مامون ہیں کہ اللہ کی طرف سے گھیرنے والا عذاب ان پر آجائے یا قیامت کی گھڑی اچانک ان پر آجائے جب کہ وہ متوجہ نہ ہوں؟

تفسیر

یہ دعویدار عام طور پر مشرک ہیں

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ تمام ہوا۔اس میں عبرت اور اصلاح کے بہت سے درس موجود ہیں۔اس میں گراں بہا قیمتی اور ثمر بخش نکات موجود ہیں اور تاریخی واقعہ ہر قسم کی فضولیات اور خرافات سے پاک کر کے بیان کر دیا گیا ہے۔اب قرآن روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے کہتا ہے: یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں تو ہرگز ان کے پاس نہیں تھا جب کہ وہ مصمم ارادہ کر رہے تھے اور منصوبہ بنا رہے تھے۔ان باریکیوں اور تفصیلات کو صرف خدا جانتا ہے یا وہ شخص جو اس موقع پر موجود تھا اور چونکہ تو وہاں موجود نہیں تھا لہٰذا صرف وحی الٰہی ہے جو ایسی خبریں تجھ تک پہنچاتی ہے۔

(۱۰۳)ان حالات میں لوگوں کو چاہئے کہ ان سب نشانیوں کو دیکھنے کے بعد اور ان خدائی نصیحتوں کو سننے کے بعد ایمان لے آئیں اور غلط راستے سے پلٹ آئیں مگر اے پیغمبر! اگر چہ تو اس پر اصرار کرے کہ یہ ایمان لے آئیں ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے۔

(۱۰۴) قرآن مزید کہتا ہے کہ دراصل تیری دعوت کو قبول نہ کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی عذر و بہانہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حق کی نشانیاں واضح ہیں ”تو نے اس کے بدلے ان سے ہرگز کوئی اجر اور مزدوری نہیں چاہی“ کہ جسے وہ مخالفت کا بہانہ بنا سکیں

”یہ ایک عمومی دعوت ہے اس سب جہانوں کے لئے اور عالمین کے لئے ایک یاد دہانی ہے“ اور یہ عام وخاص تمام انسانوں کے لئے بچھایا گیا ایک دستر خوان ہے۔

(۱۰۵) وہ دراصل اس لئے گمراہ ہوئے کہ ان کے پاس کھلی اور بینا آنکھ اور سننے والے کان نہیں ہیں لہٰذا ”آسمان و زمین میں بہت سی خدائی آیات ہیں کہ وہ جن کے قریب سے گزر جاتے ہیں اور ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

یہی حوادث کہ جنہیں ہر روز وہ اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔صبح کے وقت آفتاب افق مشرق سے نکلتا ہے۔اس کی سنہری کرنیں پہاڑوں، درّوں، صحراؤں اور دریاؤں پر پڑتی ہیں اور شام کے وقت افق مغرب میں ڈوب جاتا ہے اور رات کی گہری سیاہ چادر ہر جگہ کو ڈھانپ دیتی ہے۔

عجیب وغریب نظام کے یہ اسرار، یہ طلوع وغروب، سبزوں، پرندوں، حشرات اور انسانوں میں زندگی کا یہ شور وغوغا، یہ ندیوں کا زمزمہ، نسیم سحری کا یہ ہمہمہ اور یہ سب عجیب و دلنشین نقش کہ جو وجود کے در و دیوار پر ہیں۔اس قدر آشکار ہیں کہ جو کوئی ان میں

اوران کے خالق میں غور وفکر نہ کرے وہ ایسے ہی ہے جیسے دیوار پر کوئی نشان تھا۔

(۱۰۶) اس آیت میں مزید کہتا ہے: وہ جو ایمان لے آتے ہیں ان میں سے بھی اکثر کا ایمان خالص نہیں ہے بلکہ اس میں شرک کی آمیزش ہے۔ ہوسکتا ہے وہ خود سمجھتے ہوں کہ وہ خالص مومن ہیں لیکن شرک کی رگیں عموماً ان کے افکار، گفتار اور کردار میں موجود ہوتی ہیں۔

ایمان صرف یہ نہیں ہے انسان وجود خدا کا اعتقاد رکھتا ہو بلکہ اس کا خالص مؤحد ہو ہے جس کے قلب و جان میں خدا کے علاوہ کسی شکل میں کوئی معبود نہ ہو۔ اس کی گفتار خدا کے لئے اس کے اعمال خدا کے لئے اور اس کا ہر کام اسی کے لئے انجام پائے۔ خدا کے قانون کے علاوہ کسی قانون کو قبول نہ کرے اور اس کے غیر کی بندگی کا طوق اپنی گردن میں نہ ڈالے اور خدائی فرامین کو دل و جان سے قبول کرے چاہے وہ اس کے میلان کے مطابق ہوں یا نہ ہوں۔ خدا اور ہوائے نفس کے انتخاب کے دوراہے پر ہمیشہ خدا کو مقدم شمار کرے۔ یہ ہے ہر قسم کے شرک سے پاک ایمان۔ عقیدے کا شرک، گفتار کا شرک اور عمل کا شرک، اگر ہم واقعاً ہر پہلو کے بارے میں باریک بینی سے کام لیں تو دیکھیں گے کہ سچے، خالص اور حقیقی مؤحد بہت کم ہیں۔

(۱۰۷) زیر بحث آخری آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو ایمان نہیں لائے۔ جو خدا کی واضح آیات کے قریب سے بے خبر گزر جاتے ہیں اور جو اپنے اعمال میں مشرک ہیں خدا تعالیٰ انہیں خبردار کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کیا یہ لوگ اپنے آپ کو اس امر سے مامون سمجھتے ہیں کہ اچانک اور بغیر کسی تمہید کے انہیں عذاب الٰہی آگھیرے، احاطہ کرنے والا ایسا عذاب کہ جو ان سب کو آگھیرے۔ اور یا یہ کہ ناگہاں قیامت آپہنچے اور عظیم خدائی عدالت لگ جائے اور ان کا حساب کتاب شروع ہوجائے کہ وہ بے خبر اور غافل ہوں۔

(۱۰۸) قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۟ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	کہہ دو: یہ میرا راستہ ہے کہ میں اور میرے پیروکار پوری بصیرت سے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ خدا منزہ ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔
(۱۰۹) وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	اور ہم نے تجھ سے پہلے نہیں بھیجا مگر شہروالوں میں سے ان مردوں کو کہ جن کی طرف ہم نے وحی کی ہے۔ کیا (تیری دعوت کے مخالفین نے) زمین میں سیر نہیں کی کہ وہ دیکھیں کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا کیا انجام ہوا اور آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے کیا تم عقل وفکر سے کام نہیں لیتے؟

(۱۱۰)حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ قَدۡ کُذِبُوۡا جَآءَہُمۡ نَصۡرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنۡ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا یُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ	(انبیاء نے اپنی دعوت اور دشمنوں نے اپنی مخالفت اسی طرح جاری رکھی) یہاں تک کہ پیغمبر مایوس ہو گئے اور انہوں نے گمان کیا کہ (حتّٰی مومنین کے چھوٹے سے گروہ نے بھی) ان سے جھوٹ بولا تو اس موقع پر ہماری مدد ان کے پاس آئی۔ہم جس شخص کو چاہتے ہیں نجات دیتے ہیں اور زیاں کار قوم کے لئے ہماری سزا اور عذاب کو پلٹایا نہیں جا سکتا۔
(۱۱۱)لَقَدۡ کَانَ فِیۡ قَصَصِہِمۡ عِبۡرَۃٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَ لٰکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ تَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾	ان کی سرگزشتوں میں صاحبان فکر کے لئے درس عبرت ہے۔یہ واقعات جھوٹی بات نہیں تھے بلکہ (یہ آسمانی وحی ہے اور) اس (گزشتہ آسمانی کتب) سے ہم آہنگ ہیں جو اس کے سامنے ہیں اور ہر چیز (کہ جو سعادت انسانی کی بنیاد ہے) کی تشریح اور ہدایت و رحمت ہے ایسے گروہ کے لئے کہ جو ایمان لایا ہے۔

تفسیر

عبرت کے زندہ درس

زیر نظر پہلی آیت میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے آئین، دین، روش اور خط کو مشخص کرنے کے لئے کہا گیا ہے، فرمایا گیا ہے: کہ وہ میری راہ اور طریقہ یہ ہے کہ سب کو اللہ کی طرف (جو کہ ایک اکیلا خدا ہے) دعوت دوں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: یہ سفر میں نے بے خبری میں یا تقلیداً اختیار نہیں کیا بلکہ میں خود اور میرے پیروکار دنیا کے سب لوگوں کو اس راستے کی طرف آگاہی اور بصیرت سے بلاتے ہیں۔

یہ جملہ نشاندہی کرتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیروکار ہر مسلمان اپنے مقام پر حق کی طرف بلانے والا ہے اور اسے چاہیئے کہ اپنی گفتار اور کردار سے دوسروں کو راہ خدا کی طرف دعوت دے۔ نیز یہ جملہ یہ بھی نشاندہی کرتا ہے کہ ”رہبر کو کافی بصیرت، بینائی اور

آ گاہی کا حامل ہونا چاہئے ورنہ اس کی دعوت حق کی طرف نہیں ہوگی۔

اس کے بعد بطور تاکید کہا گیا ہے: خدا۔۔۔یعنی وہ ذات جس کی طرف میں دعوت دیتا ہوں۔ ہر قسم کے عیب، نقص، شبیہ اور شریک سے پاک اور منزہ ہے۔

مزید تاکید کے لئے ارشاد ہوتا ہے: ''میں مشرکین میں سے نہیں ہوں'' اور میں اس کے لئے کسی قسم کے شبیہ وشریک کا قائل نہیں ہوں۔

واقعاً ایک سچے رہبر کی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ صراحت سے اپنے پروگراموں اور ہداف کا اعلان کرے اور وہ خود اور اس کے پیروکار بھی ایک مشخص اور واضح پروگرام کی پیروی کریں۔ نہ یہ کہ اس کا ہدف، روش اور طریقہ ابہام میں ہو یا یہ کہ ہر ایک الگ الگ راہ پر چل رہا ہو۔ اصولی طور پر سچے رہبروں کو جھوٹے رہبروں سے جدا پہچاننے کا یہی ایک راستہ ہے کہ یہ صراحت سے گفتگو کرتے ہیں اور ان کا راستہ واضح ہوتا ہے جب کہ جھوٹے رہبر اپنے کاموں کو چھپائے رکھتے ہیں اور ہمیشہ مبہم اور پہلو دار باتیں کرتے ہیں۔

حضرت یوسف ﷺ سے متعلق آیات کے بعد اس آیت کا آنا اس طرف اشارہ ہے کہ میری راہ ورسم خدا کے عظیم پیغمبر حضرت یوسف ﷺ کی راہ ورسم سے جدا نہیں ہے۔ وہ بھی ہمیشہ یہاں تک کہ گوشہ زندان میں بیٹھ کر بھی خدائے واحد وقہار کی طرف دعوت دیتے تھے اور اس کے اغیار کو اسماء بے مسمیٰ شمار کرتے تھے کہ جو تقلیداً جاہلوں کے ایک گروہ سے دوسرے تک پہنچے تھے۔ جی ہاں! میری روش اور تمام انبیاء کی روش یہی ہے۔

(۱۰۹) گمراہ اور نادان قوموں کی طرف سے انبیاء پر ہمیشہ یہ اعتراض ہوتا تھا کہ وہ انسان کیوں ہیں، یہ ذمہ داری فرشتے کے کندھے پر کیوں نہیں رکھی گئی؟ طبعاً زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی پیغمبر اسلام ﷺ پر ان کی عظیم دعوت کے جواب میں یہی اعتراض کرتے تھے لہٰذا قرآن مجید ایک مرتبہ پھر اس اعتراض کا جواب دیتا ہے: ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجے مگر یہ کہ وہ مرد تھے کہ جن کی طرف وحی نازل ہوتی تھی، ایسے مرد کہ جو آباد شہروں اور عوامی مراکز سے اٹھتے تھے۔

وہ بھی انہی شہروں اور آبادیوں میں دوسرے انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور لوگوں سے میل جول رکھتے تھے۔ ان کی مصیبتوں، تکلیفوں، ضرورتوں اور مشکلوں سے اچھی طرح آگاہ تھے۔

پھر مزید فرمایا گیا ہے: یہ جو تیری دعوت کے خلاف ہیں، جب کہ تیری دعوت توحید کی طرف ہے ان کے لئے بہتر ہے کہ جائیں اور گزشتہ لوگوں کے آثار اور نشانات دیکھیں تاکہ یہ سمجھ سکیں کہ ان کی مخالفتوں کا انجام کیا ہوگا۔ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ وہ دیکھ سکتے کہ گزشتہ قوموں کا انجام کیا ہوا۔

کیونکہ یہ ''زمین میں سیر'' روئے زمین پر گردش، گزشتہ لوگوں کے آثار کا مشاہدہ اور عذاب الٰہی کی تباہ کن ضربوں کے نتیجے میں ان کے محلوں اور آبادیوں کی ویرانی بہترین درس ہے۔ یہ زندہ اور محسوس درس ہے اور ایسا درس ہے جو سب کے لئے قابل لمس ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: اور آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لئے مسلماً بہتر ہے۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے اور اپنی فکر و نظر کو کام میں نہیں لاتے۔ کیونکہ یہاں کا گھر تو ناپائیدار ہے۔ یہاں تو طرح طرح کے مصائب و آلام اور تکلیفیں ہیں لیکن وہاں کا گھر جاودانی ہے اور ہر قسم کے رنج و تکلیف اور پریشانی سے خالی ہے۔

(۱۱۰) اس آیت میں انبیاء کی زندگی کے حساس ترین اور زیادہ بحرانی لمحات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: خدائی پیغمبر حق کی طرف دعوت دینے کی راہ میں استقامت دکھاتے تھے اور ڈٹے رہتے تھے اور دوسری طرف گمراہ اور سرکش قومیں اپنی مخالفت کو اس طرح جاری رکھتی تھیں کہ آخر کار انبیاء مایوس ہو جاتے اور گمان کرنے لگتے کہ شاید مومنین کے چھوٹے سے گروہ نے بھی ان سے جھوٹ بولا ہے اور اپنی دعوت کے راستے میں وہ تن تنہا ہیں۔ اس وقت کہ جب ہر طرف سے ان کی امید ختم ہو گئی تو ہماری طرف سے نصرت و کامیابی آ پہنچی جسے ہم چاہتے ہیں اور اہل پاتے ہیں، نجات دیتے ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: ہمارا عذاب و عقاب گنہگار اور مجرم قوم سے پلٹایا نہیں جائے گا۔

یہ ایک سنت الٰہی ہے کہ جب مجرمین اپنے کام پر اصرار کرتے ہیں اور اپنے اوپر ہدایت کے دروازے بند کر لیتے ہیں اور ان پر اتمام حجت ہو جاتی ہے تو پھر خدائی عذاب اور سزائیں ان کا تعاقب کرتی ہیں اور پھر کسی کی قدرت میں نہیں کہ انہیں پلٹا سکے۔

(۱۱۱) اس سورہ کی آخری آیت ایک بہت جامع مضمون کی حامل ہے۔ اس میں وہ تمام مباحث مختصر سے الفاظ میں جمع کر دیئے گئے ہیں جو اس سورہ میں گزرے ہیں۔ اور وہ یہ کہ حضرت یوسف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان کے بھائیوں، گزشتہ انبیاء و مرسلین اور مومن وغیرہ مومن قوموں کی سرگزشت اور حالات زندگی میں غور و فکر کرنے والے تمام صاحبان عقل کے لئے عبرت کا عظیم درس موجود ہیں۔

گزرے ہوؤں کی سرگزشت ایک آیئنہ ہے جس میں فتح و شکست، کامیابی و ناکامی، خوش بختی و بدبختی اور سربلندی و ذلت سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان اس آئینے میں وہ کچھ بھی دیکھ سکتا ہے جو اس کی زندگی میں اہمیت اور منزلت رکھتا ہے اور وہ کچھ بھی دیکھ سکتا ہے جو اس کی زندگی میں اہمیت و منزلت نہیں رکھتا۔ یہ وہ آیئنہ ہے جس میں گزشتہ قوموں اور عظیم رہبروں کے تمام تجربات کا ماحصل نظر آتا ہے۔ یہ ایک ایسا آیئنہ کہ جس کا مشاہدہ کم عمر والے انسان کو تمام عالم بشریت کی عمر کے برابر طولانی زندگی والا کر دیتا ہے۔

لیکن صرف اولوالباب اور صاحبان فکر ہی ہیں جو اس عجیب و غریب آئنہ سے ان نقوش عبرت کو دیکھ سکتے ہیں۔

مزید فرمایا گیا ہے جو کچھ کہا گیا ہے کوئی گھڑا ہوا افسانہ اور خیالی داستان نہیں ہے۔

یہ آیات جو تجھ پر نازل ہوئی ہیں اور گزشتہ لوگوں کی صحیح تاریخ کے چہرے سے پردہ ہٹاتی ہیں تیرے دماغ اور فکر کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ یہ ایک عظیم آسمانی وحی ہے، گزشتہ انبیاء کی بنیادی کتب کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی شہادت دیتی ہے۔

علاوہ ازیں جس چیز کی انسان کو ضرورت ہے اور جو کچھ اس کی سعادت اور تکامل کے لئے درکار ہے وہ ان آیات میں آیا ہے۔

اسی بناء پر یہ جستجو کرنے والوں کے لئے سرمایہ ہدایت ہے اور تمام ایمان لانے والوں کے لئے باعث رحمت ہے۔

سورہ رعد

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۴۳ آیتیں ہیں

سورہ رعد کے مضامین و مشتملات

جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ مکی سورتیں چونکہ دعوت پیغمبر کے آغاز میں اور مشرکین کے ساتھ سخت اور شدید مقابلے کے موقع پر نازل ہوئی ہیں لہٰذا زیادہ تر عقائد کے مسائل ان میں موجود ہیں خصوصاً توحید کی دعوت، شرک سے مقابلہ اور معاد و قیامت کے اثبات ان میں موجود ہیں جب کہ مدنی سورتیں کہ جو اسلام کی وسعت اور اسلامی حکومت کی تشکیل کے بعد نازل ہوئی ہیں وہ معاشرے کی ضروریات کے مطابق اجتماعی نظام سے مربوط احکام و مسائل کے متعلق بحث کرتی ہیں۔

زیر بحث سورہ رعد کہ جو مکی سورتوں میں سے ہے اسی پروگرام کے ذیل میں ہے اس میں قرآن کی حقانیت عظمت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد توحید سے متعلق آیات ہیں، اسرار خلقت و آفرینش کا ذکر جو خدا کی ذات پاک کی نشانیاں ہیں۔

قرآن کبھی لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر انگور کے باغوں، نخلستانوں اور لہلہاتی کھیتیوں میں لے جاتا ہے اور ان کے عجائب و غرائب شمار کرتا ہے اور پھر معاد و قیامت، انسان کی نئی زندگی اور پروردگار کی دادگاہ عدل کے بارے میں بحث کرتا ہے اور یہ بحث مبداء معاد کے تعارف، لوگوں کی ذمہ داریوں کے بیان اور یہ کہ ان کی سرنوشت میں ہر طرح کا تغیر ان کے اپنے ہاتھ میں ہے، کے اصول کے تذکرے پر مکمل ہوتی ہے۔

پھر آنکھوں اور کانوں کو کھولنے اور بینائی و دانائی کی بیداری کے لئے انسان کے اپنے ہاتھوں بنائے گئے بتوں کی بے وقعتی کا تذکرہ کرتا ہے، انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور حق و باطل میں تمیز کے لئے مثالیں پیش کرتا ہے زندہ اور محسوس مثالیں سب کے لئے قابل ادراک مثالیں۔

اور چونکہ توحید و معاد کا آخری اور اصلی ثمرہ وہی اصلاحی و عملی پروگرام ہیں۔ لہٰذا ان تمام مباحث کے بعد قرآن اس سورہ میں ایفائے عہد، صلہ رحمی، صبر و استقامت، آشکار و پنہاں انفاق اور ترک انتقام جوئی کی دعوت دیتا ہے۔

پھر دوبارہ نشاندہی کرتا ہے کہ دنیا کی زندگی ناپائیدار ہے اور سکون و اطمینان خدا پر ایمان کے سائے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا ہے آخر میں لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر تاریخ کی پہنائیوں کی طرف کھینچ لے جاتا ہے اور گزر جانے والی باغی اور سرکش قوموں، کہ جنہوں نے حق پوشی کی یا لوگوں کو حق سے روکا، کے انجام کی نشاندہی کرتا ہے اور ہلا دینے والے الفاظ میں کافروں کو تہدید کرتے ہوئے سورہ اختتام کو پہنچتا ہے۔

لہٰذا سورہ رعد عقائد و ایمان سے شروع ہوئی ہے اور اعمال، کردار اور انسان ساز پروگراموں کے ذکر پر تمام ہو جاتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن و رحیم ہے
(۱) الٓـمّٓرٰ ۚ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ	المر۔ یہ (آسمانی) کتاب کی آیات ہیں اور جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا ہے حق ہے۔ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

(۲) اَللّٰهُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ	اللہ وہی تو ہے جس نے آسمان کو قابل مشاہدہ ستون کے بغیر پیدا کیا پھر عرش پھر عرش پر قرار پایا اور تدبیر عالم کی مہار اپنے ہاتھ میں لی اور آفتاب وماہتاب کو مسخر کیا کہ ان میں سے ہر ایک معین زمانے تک حرکت رکھتے ہیں۔ وہی کاموں کی تدبیر کرتا ہے تمہارے لئے آیات کی تشریح کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین حاصل کرلو۔
(۳) وَ هُوَ الَّذِیۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡهٰرًا ؕ وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیۡهَا زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ	وہ وہی ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں اور اس میں تمام پھلوں کے دو جفت پیدا کئے وہی دن کو رات (کا سیاہ پردہ) اوڑھاتا ہے ان میں ان کیلئے آیات (نشانیاں) ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔
(۴) وَ فِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ زَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُکُلِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ	اور روئے زمین میں ایسے قطعات ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ نیز انگور کے باغات، کھیتیاں اور نخلستان ہیں کہ جو کبھی ایک ہی پائے پر اُگتے ہیں اور کبھی دو پایوں پر، وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود ان میں سے بعض کو پھل کے لحاظ سے ہم دوسرے پر برتری دیتے ہیں۔ ان میں ان کے لئے نشانیاں ہیں جو اپنی عقل استعمال کرتے ہیں۔

تفسیر

آسمان وزمین اور سبزہ زار خدا کی نشانیاں ہیں

اس سورہ کے آغاز میں ہم پھر قرآن کے حروف مقطعات کا سامنا کررہے ہیں۔ ایسے الفاظ قرآن کی 29 سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں۔ البتہ یہاں آنے والے حروف دراصل "الم" اور "الر" کا مرکب ہیں جو چند دیگر سورتوں کی ابتداء میں الگ الگ آئے ہیں۔ درحقیقت یہ وہ واحد سورہ ہے جس کی ابتدا میں "المر" نظر آتا ہے اور چونکہ ہر سورہ کی ابتداء میں جو حروف مقطعات آتے

ہیں وہ اس سورہ کے مضامین کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتے ہیں لہٰذا احتمال ہے کہ یہ ترکیب جو سورہ رعد کی ابتداء میں آئی ہے اس طرف اشارہ ہے کہ سورہ رعد کے مضامین ان دونوں قسم کی سورتوں کے مضامین کے جامع ہیں جن کی ابتداء میں الم اور الر آیا ہے اور اتفاق کی بات ہے کہ ان سورتوں کے مضامین میں غور وخوص کرنے سے امر کی تائید ہوتی ہے۔

بہرحال اس سورہ کی سب سے پہلی آیت عظمت قرآن کے بارے میں گفتگو کرتی ہے۔

یہ عظیم آسمانی کتاب کی آیات ہیں۔اور جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا ہے وہ حق ہے۔اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ حقائق بنی بیان کرنے والا جہان آفرینش اور اس کے انسان سے روابط کا عینی شاہد ہے۔

یہ ایسا حق ہے جو باطل میں ملا ہوا نہیں ہے۔اسی لئے اس کی حقانیت کی نشانیاں اس کے چہرے سے ہویدار ہیں اور یہ مزید استدلال کی ضرورت نہیں رکھتا۔

لیکن اس کے باوجود بوالہوس اور نادان لوگ، کہ جن کی اکثریت ہے، ان آیات پر ایمان نہیں لاتے۔

(۲) اس کے بعد توحید اور عالم آفرینش میں خدا کی نشانیوں کے اہم دلائل کی تشریح کی گئی ہے اور خا کی انسان کو آسمانوں کی وسعت میں گردش کرنے پر ابھارا گیا ہے اور اس کے لئے ان عظیم کرّوں، ان کے نظام حرکت اور ان کے اسرار کی نشاندہی کی گئی ہے تا کہ وہ اس کی لامتناہی اور بے پایاں قدرت وحکمت کو جان سکے۔کس قدر خوبصورتی سے فرمایا گیا ہے۔خدا وہی ہے کہ جو آسمانوں کو جیسا کہ تم دیکھتے ہو بغیر ستون کے قائم کئے ہوئے ہے یا وہ انہیں غیر مرئی ستونوں کے ساتھ بلند کئے ہوئے ہے۔

اس آیت نے ایک سائنسی حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھایا ہے کہ جو نزول آیات کے وقت کسی پر آشکار نہیں تھی کیونکہ اس زمانے میں بطلیموس کی ہیئت اپنی پوری طاقت کے ساتھ دنیا کے سائنسی مسائل اور لوگوں کے افکار ونظریات پر حکمران تھی اور اس کے مطابق آسمان ایک دوسرے پر پیاز کے چھلکوں کی طرح کرات کی شکل میں تھے۔ظاہر ہے اس طرح تو ان میں سے کوئی بھی معلق اور ستون کے بغیر نہ تھا بلکہ ہر ایک دوسرے کا سہارا لئے ہوئے تھا لیکن ان آیات کے نزول کے تقریباً ایک ہزار سال بعد انسانی علم اس مقام پر پہنچا ہے کہ پیاز کے چھلکوں والے افلاک کی بات موہومی ہے۔واقعیت یہ ہے کہ آسمانی کرات میں سے ہر ایک اپنے مدار و چکر پر بغیر کسی سہارے کے ثابت اور معلق ہے اور وہ واحد چیز جو انہیں اپنی جگہ پر قائم رکھے ہوئے ہے وہ قوت جاذبہ اور دافعہ کا اعتدال ہے کہ جن میں سے ایک ان کرات کے جرم سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری ان کی حرکت کے ساتھ مربوط ہے۔

جاذبہ و دافعہ کا یہ اعتدال ایک غیر مرئی ستون کی شکل میں آسمانی کرات کو اپنی جگہ پر قائم رکھے ہوئے ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے۔خدا نے بغیر ستون کے ان آسمانوں کو پیدا کرنے کے بعد کہ جو اس کی لامتناہی عظمت وقدرت کی واضح نشانی ہیں عرش کا کنٹرول سنبھالا، یعنی عالم ہستی کی حکومت اپنے قبضے میں لی۔

''عرش'' کے معنی اور اس پر خدا کے تسلط کے مفہوم کے سلسلے میں سورہ اعراف کی آیت ۵۴ کے ذیل میں کافی بحث ہو چکی ہے۔

آسمانوں کی خلقت اوران پر پروردگار کی حکومت کا ذکر کرنے کے بعد سورج اور چاند کی تسخیر کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے وہ وہی ہے جس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا اور انہیں فرماں بردار اور خدمت گزار قرار دیا۔

اس سے بڑھ کر تسخیر کیا ہوگی کہ یہ سب اس کے فرمان کے سامنے سرنگوں ہیں نیز انسانوں اور تمام زندہ موجودات کے خدمت گزار ہیں،نور چھڑکتے ہیں،ایک عالم کو روشن کرتے ہیں،موجودات کا بستر گرم رکھتے ہیں،موجودات زندہ کی پرورش کرتے ہیں اور دریاؤں میں مدوجزر پیدا کرتے ہیں۔خلاصہ یہ کہ تمام حرکتوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہیں۔

لیکن جہاں مادہ کا یہ نظام جاودانی اور ابدی نہیں ہے اور شمس وقمر میں سے ہر ایک،ایک مدت معین تک اپنے راستے پر حرکت جاری رکھے ہوئے ہے۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے کہ یہ حرکات،گردشیں،آمدوشد اور تبدیلیاں بغیر کسی حساب وکتاب کے اور بے نتیجہ و بے فائدہ نہیں ہیں۔بلکہ وہی ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔اور ہر حرکت کے لئے حساب اور ہر حساب کے لئے ہدف اور مقصد نظر میں رکھتا ہے۔

وہ اپنی آیات تمہارے لئے شمار کرتا ہے اوران کی باریکیاں تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ تمہیں لقائے پروردگار اور دوسرے جہان کا یقین پیدا ہو۔

(۳) گزشتہ آیت انسان کو آسمانوں پر لے جاتی ہے اور عالم بالا میں اسے آیات الٰہی کی طرف متوجہ کرتی ہے دوسری آیت انسان کو توحیدی آیات کے مطالعے کی دعوت دیتی ہے،انسان کو زمین،پہاڑوں،نہروں،انواع واقسام کے پھلوں اور سورج کے طلوع وغروب پر غور کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہے تاکہ وہ سوچ بچار کرے کہ اس کا یہ مقام آسائش وآرام پہلے کیا تھا اور وہ اس شکل میں کیسے آیا۔

قرآن کہتا ہے وہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا۔اس نے اسے یوں پھیلایا کہ وہ انسانی زندگی اور نباتات وحیوانات کی پرورش کے قابل ہو۔تند اور خطرناک گڑھوں اور ڈھلوانوں میں پہاڑ داخل کردیئے اور انہیں پتھروں کو مٹی میں تبدیل کرکے پر کیا اور اس کی سطح کو قابل حیات بنایا حالانکہ ابتداء میں ان کے پیچ وخم ایسے تھے جن میں انسان کے لئے زندگی بسر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اس کے بعد پہاڑوں کی پیدائش کے مسئلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے خدا نے زمین میں پہاڑ بنائے ہیں۔

وہی پہاڑ......کہ جن کا قرآن کی دوسری آیات میں (یعنی زمین کی میخیں) کے طور پر تعارف کرایا گیا ہے۔شاید اس کی وجہ یہ ہے نیچے سے پہاڑوں نے ایک دوسرے میں پنجے ڈالے ہوئے ہیں اور زرہ کی طرح ساری سطح زمین کو ڈھانپا ہوا ہے تاکہ اندرونی دباؤ بھی ختم کرسکیں اور باہر سے چاند کی بہت زیادہ قوت جاذبہ اور مدوجزر کو بھی روکے رکھیں۔اس طرح سے تزلزل اور دائمی زلزلوں کو ختم کرسکیں اور کرۂ زمین کو انسانی زندگی کے آرام وسکون کے لئے برقرار رکھیں۔

زمین کے پھیلانے اور بچھانے کے بعد پہاڑوں کا ذکر گویا اس طرف اشارہ ہے کہ زمین نہ اس طرح سے پھیلائی گئی ہے

کہ اس میں کوئی پستی و بلندی نہ ہو کیونکہ اس صورت میں بارشیں اور پانی اس پر نہ ہوتے یا ہر جگہ ایک جوہڑ کی صورت میں تبدیل ہو جاتی اور اس کی سطح پر دائمی طوفان جاری رہتے لیکن پہاڑوں کی پیدائش سے ان دونوں صورتوں سے امان مل گئی ہے اور نہ ساری زمین پہاڑوں اور دروں پر مشتمل ہے کہ زندگی کے قابل ہی نہ ہو، یہ زمین مجموعی طور پر ہموار بھی ہے اور اس میں پہاڑ اور درے بھی ہیں جو نوع بشر اور دیگر زندہ موجودات کی زندگی کے لئے بہتر ترکیب ہے۔

اس کے بعد ان پانیوں اور دریاؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو روئے زمین پر چلتے ہیں۔ فرمایا گیا ہے اور اس میں دریا جاری ہیں۔

زمین کی آبیاری کے نظام کا پہاڑوں سے ارتباہ اور پہاڑوں کا دریاؤں سے تعلق بہت جاذب نظر ہے کیونکہ زمین کے بہت سے پہاڑوں کی چوٹیوں اور دروں کے شگافوں میں برف کی صورت میں یہ دریا سٹور ہوتے ہیں جو تدریجاً پانی کی شکل اختیار کرتے ہیں اور قانون جاذبہ کے مطابق بلند تر مقامات سے زیریں اور کشادہ علاقوں کی طرف سفر کرتے ہیں اور بغیر کسی قوت کی احتیاج کے سال بھر طبیعی طور پر بہت وسیع زمینوں کی آبیاری کرتے ہیں اور انہیں سیراب کرتے ہیں اگر زمینوں میں مناسب ڈھلوان نہ ہوتی اور پانی اس شکل میں پہاڑوں پر ذخیرہ نہ ہوتا تو زیادہ تر خشک علاقوں کی آبیاری کا امکان نہ ہوتا اور اگر آبیاری ممکن بھی ہوتی تو بہت زیادہ مخارج کی ضرورت پڑتی۔

اس کے بعد غذائی مواد اور ان پھلوں کا ذکر ہے کہ جو زمین، پانی اور سورج کی روشنی سے وجود میں آتے ہیں اور انسانی غذا کا بہتر وسیلہ ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اگر تمام پھلوں میں سے جوڑا جوڑا زمین پر قرار دیئے گئے ہیں۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ پھل بھی زندہ موجودات ہیں اور ان میں بھی نر اور مادہ نطفے موجود ہیں کہ جو تلقیح سے بار آور ہوتے ہیں، دانش منداور مشہور ماہر "لینہ" نباتات سوئڈی اٹھارھویں صدی عیسوی کے اوسط میں یہ بات معلوم کرنے میں کامیاب ہوئے کہ عالم نباتات میں زوجیت اور جفت کا معاملہ تقریباً عمومی اور کلی قانون ہے اور نباتات بھی حیوانات کی طرح نر اور مادہ کے نطفہ کی آمیزش سے بار آور ہوتے ہیں اور پھل دیتے ہیں جب کہ قرآن مجید نے اس سے گیارہ سو سال پہلے اس حقیقت کو فاش کر دیا تھا۔ یہ خود قرآن مجید کا ایک علمی معجزہ ہے کہ جس سے اس عظیم آسمانی کتاب کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ "لینہ" سے پہلے بہت سے ماہرین اجمالی طور پر بعض نباتات میں نر اور مادہ کا وجود معلوم کر چکے تھے یہاں تک کہ عام لوگ بھی جانتے تھے کہ اگر کھجور کے درخت بور نہ دیں یعنی نر کا نطفہ مادہ حصوں پر نہ چھڑ کا جائے تو وہ پھل نہیں دے گا لیکن کوئی شخص ٹھیک طرح سے یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ قانون تقریباً سب کے لئے ہے یہاں تک کہ "لینہ" اسے معلوم کرنے میں کامیاب ہوا مگر جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ قرآن صدیوں پہلے اس حقیقت کے چہرے سے پردہ ہٹا چکا تھا۔

انسان اور دیگر تمام زندہ موجودات کی زندگی، بالخصوص نباتات، گیہوں اور پھلوں کی زندگی رات اور دن کے دقیق نظام کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا آیت کے دوسرے حصے میں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے خدا رات کے ذریعے دن کو ڈھانپ دیتا

ہے اور اس پر پردہ ڈال دیتا ہے۔

کیونکہ اگر رات کا سکون بخش پردہ نہ ہوتو سورج کا دائمی نور تمام سبزوں اور نباتات کو جلا دئے اور صفحہ زمین پر پھلوں کا بلکہ تمام زندہ موجودات کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہے۔

کرۂ ماہتاب میں اگر چہ دن ہمیشہ نہیں رہتا لیکن وہاں دنوں کی لمبائی کرۂ زمین کے پندرہ رات دن کے برابر اور دن کے وسط میں کرۂ ماہتاب کا درجہ حرارت اتنا زیادہ ہوجاتا ہے کہ اگر پانی یا کوئی دوسرے بہنے والی چیز ہوتو ابلنے لگے بلکہ اس کا درجہ حرارت اس سے بھی بڑھ جائے ،کوئی زندہ موجود کہ جسے ہم زمین پر پہچانتے ہیں عام حالات میں یہ گرمی برداشت نہیں کرسکتا۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے جو امور بیان کئے گئے ہیں ان میں آیات اور نشانیاں ہیں، ان کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

(۴) زیر بحث آخری آیت میں زمین شناسی اور نباتات شناسی کے جاذب نظر نکات کے ایک سلسلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک، ایک حساب شدہ نظام خلقت کی نشانی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے زمین میں مختلف قطعات اور ٹکڑے موجود ہیں کہ جو ایک دوسرے کے پاس اور ہمسائیگی میں ہیں۔

باوجودیکہ یہ سب قطعات ایک دوسرے سے متصل اور مربوط ہیں، ہر ایک کی ساخت اور استعداد خود اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ بعض محکم ہیں اور بعض نرم، بعض نمکین ہیں اور بعض شیریں اور ان میں سے ہر ایک خاص نباتات، درختوں، پھلوں اور زراعتوں کی پرورش کی استعداد رکھتا ہے۔

نیز یہ کہ اسی زمین میں انواع واقسام کے انگوروں، زراعتوں اور کھجوروں کے باغات اور پودے موجود ہیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ درخت اور ان کی مختلف انواع واقسام کبھی تو ایک ہی پایہ وبنیاد پر اگتی ہیں اور کبھی مختلف پایوں اور بنیادوں پر۔

یہ بات جاذب نظر ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان شاخوں میں سے ہر ایک پھل کی ایک خاص قسم دیتی ہے۔ یہ جملہ درختوں کی پیوند کی استعداد کے مسئلے کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔ کبھی ایک ہی پایہ اور شاخ پر چند مختلف پیوند لگائے جاتے ہیں اور ان پیوندوں میں سے ایک نشو ونما حاصل کرتا ہے اور اس سے پھل کی ایک خاص قسم حاصل ہوتی ہے۔ مٹی ایک، جڑ ایک اور شاخ ایک لیکن اس کا پھل اور محصول مختلف ہوتا ہے۔

زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔

ان تمام چیزوں کے باوجود ہم ان میں سے بعض درختوں کو بعض دوسرے درختوں پر پھل کے لحاظ سے برتری اور فضیلت دیتے ہیں۔

یہ وہ مقام ہے کہ جہاں آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے ان امور میں عظمت خدا کی نشانیاں ہیں ان کے لئے جو تعقل اور سوچ بچار رکھتے ہیں۔

(۵)وَ اِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ	اور اگر تو (کسی چیز پر) تعجب کرنا چاہتا ہے تو ان کی گفتگو عجیب ہے کہ جو کہتے ہیں کہ کیا جس وقت ہم مٹی ہو گئے تو (ہم دوبارہ زندہ ہوں گے اور کیا) ہم نئی خلقت کے ساتھ پلٹ آئیں گے؟ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو اپنے پروردگار سے کافر ہو گئے ہیں اور یہ وہ ہیں جن کی گردن میں زنجیریں ہیں اور یہ اہل جہنم ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔
(۶)وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالسَّیِّئَةِ قَبۡلَ الۡحَسَنَةِ وَ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمُ الۡمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلۡمِهِمۡ ۚ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیۡدُ الۡعِقَابِ	وہ تجھ سے حسنہ (اور رحمت) سے پہلے جلدی سے سیئہ (اور عذاب) کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے عبرت انگیز بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوئی ہیں اور اگر چہ لوگ ظلم کرتے ہیں (لیکن) تیرا پروردگار ان کے لئے صاحب مغفرت ہے اور تیرا پروردگار عذاب شدید بھی رکھتا ہے۔

تفسیر

قیامت کے بارے میں کافروں کا تعجب

عظمت الٰہی کی نشانیوں کے بارے میں جو آیات گزری ہیں انکے بعد زیر بحث پہلی آیت میں مسئلہ معاد پیش کیا گیا ہے اور مسئلہ مبداؤ معاد میں جو خاص ربط اور تعلق ہے اس کی بنیاد پر اس بحث کو پختگی دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اگر تم کسی چیز پر تعجب کرنا چاہتے ہو تو ان کی اس بات پر تعجب کرو کہ وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں نئی خلقت دی جائے گی۔

یہ وہی تعجب ہے جو تمام جاہل قوموں کو مسئلہ معاد کے بارے میں تھا۔ وہ موت کے بعد حیاتِ نو اور خلقتِ جدید کو محال سمجھتے تھے حالانکہ گزشتہ آیات میں اور دیگر قرآنی آیات میں اس مسئلے کا اچھی طرح جواب دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آغاز خلقت اور تجدید خلقت میں کیا فرق ہے۔ وہ ذات جو آغاز خلقت میں انہیں پیدا کرنے پر قادر تھی وہ ان کے بدن کو حیات نو عطا کرے۔ گویا یہ اپنی خلقت کی ابتدا کو بھول چکے ہیں تبھی تو اس کی تجدید کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔

اس کے بعد قرآن ان لوگوں کی موجودہ کیفیت اور انجام کو تین جملوں میں بیان کرتا ہے۔

پہلے کہتا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے کافر ہو گئے ہیں کیونکہ اگر یہ لوگ خدا کو اور اس کی ربوبیت کو قبول کرتے تو

پھر معاد اور تجدید حیات انسانی کے بارے میں شک نہ کرتے۔ لہٰذا مسئلہ توحید و ربوبیت الٰہی کے بارے میں ان کی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

دوسرا یہ کہ کفر اور بے ایمانی اختیار کرنے کی وجہ سے اور توحید کے پرچم آزادی کے سائے سے نکل جانے کی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو طوق و زنجیر میں گرفتار کرلیا ہے۔ انہوں نے بت پرستی، ہوس پرستی، مادہ پرستی اور جہالت و خرافات کے طوق اپنے ہاتھو اپنی گردن میں ڈالے ہیں اور ان کی گردن میں یہ طوق ہیں۔

اس کیفیت اور اس کردار کی وجہ سے ایسے لوگ یقیناً اہل دوزخ ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور ان کے لئے اس کے سوا کوئی نتیجہ اور توقع نہیں ہے۔

(۶) زیر نظر دوسری آیت میں مشرکین کی ایک اور غیر منطقی بات پیش کی گئی ہے۔ فرمایا: بجائے اس کے کہ وہ تیرے ذریعے خدا سے رحمت کا تقاضا کرتے عذاب، کیفر کردار اور سزا میں تعجیل کا تقاضا کرتے ہیں۔

یہ قوم اس قدر ہٹ دھرم اور جاہل کیوں ہے یہ لوگ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اگر تو سچ کہتا ہے تو ہم پر اس طرح یا اس طرح رحمت خدا نازل کر، الٹا کہتے ہیں کہ اگر تیری بات سچی ہے تو ہم پر عذاب خدا نازل کر۔

کیا ان کا خیال ہے کہ خدا کی سزا اور عذاب کی بات غلط ہے۔ حالانکہ گزشتہ زمانوں میں سرکش امتوں پر عذاب نازل ہوئے جن کی خبریں صفحات تاریخ پر اور زمین کے دل پر ثبت ہیں۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے لوگوں کی برائیوں، قباحتوں اور ظلم وستم کے مقابلے میں خدا صاحب مغفرت ہے اور شدید العقاب بھی ہے۔

(۷) وَ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ؑ	اور وہ جو کافر ہو گئے کہتے ہیں کہ اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر آیت (اور معجزہ) کیوں نازل نہیں ہوا؟ (اے پیغمبر) تو تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر گروہ کے لئے ہدایت کرنے والا ہوتا ہے۔

تفسیر

مشرکین کی بہانہ سازی

گزشتہ آیات میں کچھ اشارے مسئلہ توحید کے متعلق کئے گئے ہیں اور ایک اشارہ مسئلہ معاد کی طرف کیا گیا ہے، اس کے بعد زیر بحث آیت میں ہٹ دھرم مشرکین کی طرف سے نبوت کے بارے میں ایک اعتراض بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کفار کہتے ہیں اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر کیوں کوئی معجزہ اور نشانی نازل نہیں ہوئی۔

واضح ہے کہ پیغمبر کی ذمہ داریوں میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی حقانیت کی سند کے طور پر اور وحی الٰہی سے اپنے تعلق کے ثبوت میں معجزات پیش کرے اور متلاشیان حق نبوت کی دعوت میں شک و تردد کے موقع پر حق رکھتے ہیں کہ معجزے کا مطالبہ کریں لیکن اگر نبوت کے دلائل دوسرے طریقے سے آشکار اور واضح ہوں تو پھر وہ حق نہیں رکھتے لیکن ایک نکتے کی طرف بھرپور توجہ کرنا چاہئے کہ مخالفین انبیاء ہمیشہ حسن نیت کے حامل نہیں ہوتے تھے یعنی معجزات حق معلوم کرنے کے لئے طلب نہیں کرتے تھے بلکہ ہٹ دھرمی اور حق کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے کے لئے بھی ہر وقت معجزے اور عجیب و غریب خارق عادت کا تقاضا کرتے تھے۔ ایسے معجزات کہ جنہیں معجزات اقتراحی کہا جاتا ہے ہرگز کشف حقیقت کے لئے نہیں تھے۔ اسی لئے انبیاء ان کا تقاضا تسلیم نہیں کرتے تھے۔

درحقیقت ان ہٹ دھرم کفار کا یہ خیال تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ ہے کہ میں ہر چیز انجام دینے پر قادر ہوں اور معجزہ گر ہوں اور یہاں بیٹھا ہوں جو شخص بھی کسی معجزے کا تقاضا کرے گا وہ پیش کر دوں گا۔

لیکن انبیاء یہ حقیقت بیان کر کے ایسے لوگوں کی خواہشات ٹھکرا دیتے تھے کہ معجزات خدا کے ہاتھ میں ہیں اور اس کے حکم سے انجام پاتے ہیں اور ہماری ذمہ داری لوگوں کی تعلیم و تربیت ہے۔

اسی لئے زیر بحث آیت میں ہے کہ خدا تعالیٰ اس گفتگو کے بعد فرماتا ہے اے پیغمبر تو تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم و ملت کے لئے ہادی و راہنما ہوتا ہے۔

دراصل قرآن کہتا ہے کہ یہ کفار پیغمبر کی اصلی ذمہ داری بھول چکے ہیں اور وہ ہے انذار، ڈرانا اور خدا کی طرف دعوت دینا اور انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ اس کی بنیادی ذمہ داری معجزہ دکھانا ہے۔

متعدد روایات کہ جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں اور شیعہ سنی کتب میں موجود ہیں ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

''میں منذر ہوں اور علی علیہ السلام ہادی ہیں''

متعدد طریق سے نقل ہوا ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

''میں منذر ہوں اور تو ہادی ہے اور میرے بعد ہدایت پانے والوں کی تیرے ذریعے ہدایت ہوگی''۔

(۸) اَللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی وَ مَا تَغِیۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَ مَا تَزۡدَادُ ؕ وَ کُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَہٗ بِمِقۡدَارٍ	اور اللہ ان تمام جنینوں سے آگاہ ہے جن کا ہر مادہ (انسان یا مادہ جانور) حامل ہے اور جسے رحم کم کرتے ہیں (اور مقررہ مدت سے پہلے جنتے ہیں) اور جسے زیادہ روک رکھتے ہیں اور اس کے ہاں ہر چیز کی مقدار معین ہے۔
(۹) عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ الۡكَبِيۡرُ الۡمُتَعَالِ	وہ غیب و شہود سے آگاہ ہے اور بزرگ و متعال ہے۔

(۱۰)سَوَآءٌ مِّنۡکُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَ مَنۡ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۭ بِالَّيۡلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ	اسے فرق نہیں پڑتا کہ تم میں سے کچھ پنہاں گفتگو کرتے ہیں یا آشکار اور وہ جو رات کو خفیہ حرکت کرتے ہیں یا دن کی روشنی میں۔

تفسیر

خدا کا بے پایاں علم

ان آیات میں پروردگار کی کچھ صفات بھی ہیں اور یہ آیات توحید اور معاد کی بحث کی تکمیل بھی کرتی ہیں۔ یہاں پروردگار کے وسیع علم اور ہر چیز کے بارے میں اس کی آگاہی کے متعلق گفتگو ہے۔ وہی علم جو نظام آفرینش، عجائبات خلقت اور دلائل توحید کا سرچشمہ ہے۔ وہی علم جو قیامت اور اس عظیم عدالت کی بنیاد ہے ان آیات میں علم کے دونوں پہلوؤں نظام آفرینش کا علم اور بندوں کے اعمال کا علم کے بارے میں بات کی گئی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے خدا ان جنینوں جو بچے شکم مادر ہوتے ہیں سے آگاہ ہے کہ جنہیں ہر عورت اور ہر مادہ جانور اپنے شکم میں اٹھائے ہوتا ہے۔

اور اسی طرح انہیں بھی جانتا ہے جنہیں رحم وقت مقررہ سے پہلے جن دیتے ہیں۔

اور یونہی ان سے بھی باخبر ہے جنہیں رحم وقت مقررہ سے زیادہ روک رکھتے ہیں۔

اس کے بعد قرآن مذید کہتا ہے ہر چیز خدا کے ہاں معین مقدار کی حامل ہے کہیں یہ خیال نہ ہو کہ مدت حمل کی یہ کمی بیشی بغیر کسی حساب کتاب کے اور بغیر کسی سبب کے ہے بلکہ اس مدت کی ہر گھڑی اور ہر لحظہ نپا تلا ہے۔

(۹) یہ آیت درحقیقت گزشتہ آیت میں بیان کی گئی بات کی دلیل ہے ارشاد ہوتا ہے خدا غیب وشہود اور پنہاں وآشکار سب کو جانتا ہے۔

غیب وشہود کے بارے میں اس کی آگاہی اس بناء پر ہے کہ وہ بزرگ وبرتر ہے ہر چیز کے لئے متعال ہے اور ہر چیز پر مسلط ہے اسی بناء پر وہ ہر جگہ حاضر ہے اور کوئی چیز اس کی نگاہ علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

(۱۰) اس بحث کی تکمیل کے لئے اور اس کے علم بے پایاں کے بارے میں تاکید کے لئے مزید فرمایا گیا ہے خدا کے لئے ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں کہ جو اپنی بات چھپاتے ہیں اور وہ جو آشکار کرتے ہیں وہ سب کچھ جانتا اور سنتا ہے نیز اس کے لئے ان لوگوں میں کچھ فرق نہیں کہ جو خفیہ طور پر رات کی تاریکی میں اور ظلمت کے پردوں میں قدم اٹھاتے ہیں اور وہ کہ جو آشکار روز روشن میں اپنے کاروبار کے لئے نکلتے ہیں

(۱۱) لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ	انسان کے لئے کچھ مامورین ہیں کہ جو پے در پے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے اسے (غیر حتمی) حوادث سے محفوظ رکھتے ہیں لیکن خدا کسی قوم کی سرنوشت کو نہیں بدلتا مگر یہ وہ خود اسے تبدیل کریں اور جب خدا کسی قوم کے بارے میں (ان کے اعمال کی وجہ سے) برائی کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی چیز اس کے لئے رکاوٹ نہیں ہوتی اور خدا کے علاوہ ان کا کوئی سرپرست نہیں ہوگا۔

تفسیر

غیبی محافظ

گزشتہ آیات میں ہم نے پڑھا ہے کہ خدا عالم الغیب والشھادۃ ہونے کی بناء پر لوگوں کے پنہاں اور آشکار سے باخبر ہے اور وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

زیر بحث آیت میں مزید ارشاد فرمایا گیا ہے اس کے علاوہ کہ خدا اپنے بندوں کا محافظ اور نگہباں ہے کچھ مامورین ہیں کہ جو پے در پے آگے اور پیچھے سے حوادث سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔

لیکن اس بناء پر کہ کوئی یہ اشتباہ نہ کرے کہ یہ حفاظت و نگہبانی غیر مشروط ہے اور انسان کہیں اپنے آپ کو ہر گڑھے میں نہ گرادے یا کہیں انسان ہر طرح کے گناہ کا مرتکب نہ ہونے لگے اور اس طرح اپنے آپ کو عذاب کا سزاوار بنا کر بھی توقع رکھے کہ خدا اور اس کے مامور محافظین اس کی حفاظت کریں گے۔ مزید فرمایا گیا ہے خدا کسی قوم و ملت کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہ کرے۔ دوبارہ اس لئے کہ کوئی غلط فہمی نہ ہو کہ انسانی حفاظت کے مامورین ہونے کے باوجود مجازات و سزا اور خدائی امتحانات کا کیا معنی ہے، آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے جس وقت خدا کسی قوم کے لئے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو پھر دفاع اور باز گشت کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اور خدا کے علاوہ ان کا کوئی والی و ناصر اور یار و مددگار نہیں ہوسکتا۔

اسی بناء پر جب کسی قوم کے لئے خدا کی طرف سے عذاب، سزا اور نابودی کا فرمان صادر ہو جاتا ہے۔ تو محافظین اور نگہبان الگ ہو جاتے ہیں اور انسان کو حوادث کے سپرد کر دیتے ہیں۔

کوئی بھی ایسا بندہ نہیں کہ جس کے ساتھ دو فرشتے نہ ہوں کہ جو اس کی حفاظت کرتے رہے ہوں لیکن جب خدا کا قطعی فرمان آپہنچتا ہے تو وہ اسے حوادث کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس بناء پر وہ انسان کی حفاظت صرف ان حوادث سے کرتے ہیں جن کے بارے میں خدا کا قطعی حکم نہیں ہوتا۔

تبدیلی ہمیشہ خود ہمارے ہاتھوں سے آتی ہے

''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ''

یہ جملہ قرآن میں دو مواقع پر مختصر سے فرق کے ساتھ آیا ہے اس میں ایک عمومی اور کلی قانون بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک حیات ساز، انقلاب آفرین اور خبردار اور ہوشیار کرنے والا قانون ہے۔

دوسرے لفظوں میں اسلام کے اجتماعی پروگرام کے ایک اہم ترین گوشے سے آگاہ کرنے والا یہ قانون ہم سے کہتا ہے کہ ہر قسم کے بیرونی تغیرات اور تبدیلیاں ملتوں اور قوموں کے اندرونی تغیرات پر منحصر ہوتی ہیں اور کسی قوم کو پیش آنے والی ہر قسم کی فتح وشکست کا سرچشمہ اس کے اندر ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ لوگ کہ جو اپنا دامن بچانے کے لئے ہر وقت بیرونی عوامل کے پیچھے پھرتے ہیں اور ہمیشہ اقتدار پرست اور استعماری طاقتوں کو اپنی بدبختی کا عامل شمار کرتے ہیں بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کیونکہ اگر کسی معاشرے کے اندر جہنمی طاقتوں کو کوئی مرکز حاصل نہ ہو تو یہ کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔

قرآن کی اس بنیادی تعلیم کا تقاضا ہے کہ بدبختوں اور ناکامیوں کو ختم کرنے کے لئے اندرونی انقلاب کی طرف بڑھیں۔ ایک فکری اور ثقافتی انقلاب کی طرف، ایک ایمانی اور اخلاقی انقلاب کی طرف۔ بدبختوں کے چنگل میں گرفتاری کے وقت اپنے کمزور پہلوؤں کو فوراً تلاش کرنا چاہئے۔ ہمیں اپنی روح سے اپنی کمزوری کے داغ توبہ اور حق کی طرف بازگشت کے پانی سے دھونے چاہئیں، اس طرح ہم ایک نیا جنم لیں گے، نیا نور بصیرت ملے گا اور نئی قوت حرکت پیدا ہوگی اور اس کے ذریعے ہم اپنی ناکامیوں اور شکستوں کو کامیابی میں بدل سکتے ہیں۔

(۱۲) هُوَ الَّذِیۡ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ	وہ (خدا) وہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے کہ جو خوف کا بھی باعث ہے اور امید کا بھی نیز وہ (پانی سے بھرے) بوجھل بادل پیدا کرتا ہے۔
(۱۳) وَ یُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِہٖ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ مِنۡ خِیۡفَتِہٖ ۚ وَ یُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیۡبُ بِہَا مَنۡ یَّشَآءُ وَ ہُمۡ یُجَادِلُوۡنَ فِی اللّٰہِ ۚ وَ ہُوَ شَدِیۡدُ الۡمِحَالِ ؕ	اور گرج اس کی تسبیح اور حمد کرتی ہے اور فرشتے (بھی) اس کے خوف سے (مشغول تسبیح ہیں)۔ اور وہ آسمان سے بجلیوں کو بھیجتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس میں گرفتار کرتا ہے۔ (حالانکہ) وہ اللہ کے بارے میں مجادلہ میں مشغول ہیں اور اس کی قدرت لامتناہی (اور عذاب دردناک) ہے۔

(۱۴)لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ	حق کی دعوت اس کی طرف سے ہے اور جو (مشرک) لوگ غیر خدا کو پکارتے ہیں ان کی پکار کا وہ کوئی جواب نہیں دیتے یہ لوگ اس شخص کی طرح ہیں جو پانی کی طرف اپنی ہتھیلیاں کھولتا ہے تا کہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے لیکن وہ کبھی نہیں پہنچے گا اور کافروں کی پکار ضلالت (اور گمراہی) کے سوا کچھ نہیں۔
(۱۵)وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ السجدة	جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے طوعاً یا کرھاً خدا کے لئے سجدہ ریز ہے۔اسی طرح ان کے سائے بھی صبح وشام سجدہ گزار ہیں۔

تفسیر

عظمت الٰہی کی نشانیاں

قرآن یہاں ایک مرتبہ پھر آیات توحید،عظمت پروردگار کی نشانیاں اور اسرار آفرینش بیان کر رہا ہے۔عالم طبیعت میں نمودار ہونے والی مختلف قدرتوں کی نشاندہی کی گئی ہے نیز ان کے اسرار کی طرف مختصر اور پر معنی اشارے کرتے ہیں خدا سے بندوں کو زیادہ قریب کر کے انکے دلوں پر ایمان ومعرفت کی نور پاشی کی گئی ہے۔

پہلے بادلوں میں پیدا ہونے والی بجلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ وہی ہے جو تمہیں وہ بجلی دکھاتا ہے جو خوف اور امید کا باعث ہے۔

ایک طرف تو اس کی شعاع درخشاں آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اور رعد کی رعب دار آواز جو اس سے اٹھتی ہے بعض اوقات تمہیں وحشت زدہ کر دیتی ہے۔اس سے جو آتش سوزی کے خطرات پیدا ہوتے ہیں وہ خوف واضطراب پیدا کر دیتے ہیں خصوصا جو لوگ بیابانوں میں زندگی بسر کرتے ہیں بیابانوں سے گزر رہے ہوتے ہیں انہیں اس سے بہت وحشت آتی ہے۔

دوسری طرف عموماً چونکہ اس کے ساتھ ساتھ موٹے قطروں والی بارش بھی ہوتی ہے جو بیابانوں کے تشنہ کاموں اور پیاسوں کو خوشگوار پانی بخشتی ہے اور اس سے درخت اور زراعت سیراب ہوتے ہیں لہٰذا اس سے ان کے دل میں ایک امید بھی پیدا ہوتی ہے اور یوں وہ خوف وامید کے حساس لمحے گزارتے ہیں۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے وہ وہی ہے جو بوجھل اور پربار بادل پیدا کرتا ہے کہ جو پیاسی زمینوں کی آبیاری کر سکتے

ہیں۔

(۱۳) زیرنظر دوسری آیت میں رعد کی آواز کا ذکر ہے کہ جو برق سے جدا نہیں ہے۔ فرمایا گیا ہے رعد خدا کی تسبیح اور حمد کرتی ہے۔

جی ہاں! عالم طبیعت کی یہ سخت آواز کہ جو بہت بڑی آواز کے لئے ضرب المثل ہے چونکہ بجلی سے منسلک ہے اور دونوں ایک ہی مقصد کو پورا کرتی ہیں اور بہت اہم اور سوچی سمجھی خدمات انجام دیتی ہیں کہ جن کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے عملی طور پر خدا کی تسبیح کرتی ہیں۔ دوسری طرف رعد برق کی زبان گویا ہے جو نظام آفرینش اور عظمت خالق کی ترجمانی کرتی ہے۔

یہ وہی چیز ہے جسے ہم زبان حال کہتے ہیں ایک جامع کتاب، ایک قصیدہ عزا، ایک خوبصورت اور دل انگیز مصوری کا نمونہ اور ایک مستحکم ومنظم عمارت سب اپنی زبان حال سے اپنے لکھنے والے، کہنے والے، نقاش اور معمار کے علم و دانش اور ذوق ومہارت کی بات کرتے ہیں اور انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

اس عالم ہستی کا ہر ذرہ اسرار آمیز ہے اور بہت ہی دقیق اور حساب شدہ نظام رکھتا ہے۔ سب ذرات کائنات خدا کی پاکیزگی اور ہر قسم کے نقص وعیب سے اس کے منزہ ہونے کی حکایت کرتے ہیں کیا تسبیح۔ تنزیہ اور ایک جاننے کے علاوہ کچھ اور ہے اور سب کے سب اس کی قدرت اور علم وحکمت کی خبر دیتے ہیں کیا حمد صفات کمال بیان کرنے کے علاوہ کچھ اور ہے۔

فلاسفہ کی ایک جماعت نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ اس جہان کے تمام ذرات میں سے ہر ایک ایک قسم کا عقل وشعور رکھتا ہے اور اسی عقل وشعور کی بناء پر خدا کی تسبیح وتقدیس کرتا ہے نہ صرف زبان حال سے اور اپنے وجود سے کہ جو وجود خدا کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ زبان قال سے بھی اس کی تعریف کرتا ہے۔

نہ صرف یہ کہ صدائے رعد اور عالم مادہ کے دیگر اجزاء اس کی تسبیح کرتے ہیں بلکہ تمام فرشتے بھی خدا کے خوف وخشیت سے اس کی تسبیح میں مشغول ہیں۔

وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں فرمان خدا پر عمل کرنے میں اور نظام ہستی کے بارے میں عائدشدہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو جائے اور اس طرح کہیں وہ عذاب الٰہی میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ ہم جانتے ہیں کہ جو احساس مسئولیت رکھتے ہیں ان کے لئے ذمہ داریاں خوف کا باعث ہوتی ہیں ایک اصلاحی خوف کو جو انسان کو وسعی وکاوش اور تحریک پر آمادہ کرتا اور ابھارتا ہے۔

رعد وبرق کے بارے میں مزید وضاحت کے لئے صواعق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے خدا صواعق کو بھیجتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان کے ذریعے تکلیف پہنچاتا ہے۔

لیکن...... ان سب چیزوں کے باوجود...... عالم آفرینش، وسیع آسمان وزمین، نباتات، رعدو برق اور اس طرح کی دیگر چیزوں میں عظمت الٰہی کی آیات دیکھنے کے باوجود...... حوادث یہاں تک کہ ایک آسمانی شعلے کے سامنے انسانی طاقت کی بے بسی کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بے خبروں کا ایک گروہ خدا کے بارے میں مجادلے اور جنگ کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔

حالانکہ خدا کی قدرت لامتناہی ہے اس کا عذاب دردناک ہے اور اس کی سزا بڑی سخت ہے۔

(۱۴) یہ آیت دو مطالب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

پہلا یہ کہ دعوت حق اور حقیقی دعا خدا کے لئے ہے یعنی جس وقت ہم اسے پکاریں تو وہ سنتا ہے اور ہماری پکار کا جواب دیتا ہے اور وہ بندوں کی دعا سے آگاہی بھی رکھتا ہے اور ان کی آرزوؤں کو پورا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے اس لئے اسے پکارنا اور اس کی مقدس ذات سے تقاضا کرنا حق ہے نہ کہ باطل اور بے اساس و بے بنیاد۔

دوسرا یہ ہے کہ بتوں کو پکارنا اور ان سے درخواست اور دعا کرنا دعائے باطل ہے کیونکہ جن لوگوں کو مشرکین خدا کے علاوہ پکارتے ہیں اور اپنی تمناؤں کو پورا کرنے کے لئے جن کا سہارا لیتے ہیں وہ ہرگز انہیں جواب نہیں دیں گے اور ان کی دعا قبول نہیں کریں گے۔

اس کے بعد جیسا کہ قرآن کی روش ہے اس عقلی بات کو ثابت کرنے کے لئے وہ ایک خوبصورت حسی اور رسا مثال پیش کرتے ہوئے کہتا ہے وہ کہ جو غیر خدا کو پکارتے ہیں اس شخص کی طرح ہیں جو ایسے پانی کے کنارے بیٹھا ہو جس کی سطح اس کی دسترس میں نہ ہوا اور وہ اس امید سے پانی کی طرف اشارہ کرتا ہو کہ وہ اس کے دہن میں پہنچ جائے حالانکہ وہ ہرگز نہیں پہنچے گا۔ یہ کیسا بے ہودہ اور فضول خواب و خیال ہے۔

کیا کنویں کے کنارے بیٹھ کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر، اشارے سے پانی منہ تک پہنچایا جا سکتا ہے؟ ایسا کام کسی دیوانے اور سادہ لوح شخص کے سوا کوئی نہیں کر سکتا ہے۔

آیت کے آخر میں اس بات کی تاکید کے لئے قرآن کہتا ہے کافروں کا بتوں سے دعا اور درخواست کرنا گمراہی میں قدم اٹھانے کے علاوہ کچھ نہیں۔

اس سے بڑھ کر کیا گمراہی ہو سکتی ہے کہ انسان اس راستے میں اپنی کاوشیں صرف کرے کہ جو کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا اور اس راستے میں وہ اپنے آپ کو خستہ و بے حال کر دے لیکن اسے کوئی نتیجہ اور فائدہ حاصل نہ ہو۔

زیر بحث آخری آیت میں یہ نشاندہی کرنے کے لئے کہ بت پرست عالم ہستی کے کارواں سے کس طرح الگ ہو گئے ہیں اور تنہا بے راہ روی میں سرگرداں ہیں فرمایا گیا ہے آسمانوں اور زمین کے تمام رہنے والے اطاعت و تسلیم سے یا کراہت و ناپسندیدگی سے سربسجود ہیں اور اسی طرح ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ ریز ہیں۔

موجودات کے سجدہ کرنے سے کیا مراد ہے؟

ایسے مواقع پر سجدہ خضوع وخشوع، انتہائی قسم کی تواضع وانکساری اور سر تسلیم خم کرنے کے معنی میں ہے یعنی تمام فرشتے، انسان اور سب صاحبان عقل وفکر خدا کے سامنے متواضع ہیں اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں البتہ کچھ مخلوقات کا سجدہ صرف تکوینی پہلو رکھتا ہے یعنی وہ عالم آفرینش کے قوانین کے سامنے خاضع ہیں لیکن کچھ مخلوقات سجود تکوینی کے علاوہ سجود تشریعی کی بھی حامل ہیں۔

سجود تشریعی ...... یعنی اپنے ارادے اور رضا اور رغبت سے کئے جانے والے سجدے۔

جب کہ سجود تکوینی کی مثال یہ ہے کہ جب کوئی مخلوق موت وحیات، نشو ونما، رشد وتکامل اور سلامتی و بیماری وغیرہ کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے تو تسلیم وخضوع کی یہ حالت درحقیقت قوانین آفرینش کے لئے ان کی طرف سے ایک قسم کا سجدۂ تکوینی ہے۔

طوعاً وکرھاً سے کیا مراد ہوسکتا ہے؟

ممکن ہے یہ اس طرف اشارہ ہو کہ مومنین بارگاہ پروردگار میں رضا ورغبت سے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور اس کے سامنے خضوع کرتے ہیں لیکن غیر مومنین اگر چہ ایسے سجدے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہم ان کے باوجود کے تمام ذرات قوانین آفرینش کے پیش نظر فرمان خدا کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں وہ چاہیں یا نہ چاہیں۔

(١٦) قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ	کہو آسمانوں اور زمین کا پرودگار کون ہے؟ کہہ دو اللہ۔ پھر کہو تم نے اپنے لئے اس کے علاوہ اولیاء (اور خدا) بنا لئے ہیں کہ جو اپنے سود وزیاں کے (بھی) مالک نہیں ہیں (چہ جائیکہ تمہارے)۔ کہو! کیا بینا اور نابینا برابر ہیں یا ظلمتیں اور نور برابر ہیں؟ کیا انہوں نے انہیں اللہ کا اس لئے شریک قرار دیا ہے کہ وہ اللہ کی طرح خلقت رکھتے ہیں اور یہ خلقتیں ان کے لئے مشتبہ ہوگئی ہیں؟ کہہ دو اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہے یکتا وکامیاب۔

تفسیر

بت پرستی آخر کیوں؟

گزشتہ آیات میں وجود خدا کی معرفت کے بارے میں بہت سی بحثیں تھیں۔ اس آیت میں مشرکین اور بت پرستوں کے اشتباہ کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ اور اس کے بارے میں مختلف پہلوؤں سے گفتگو کی گئی ہے۔

پہلے پیغمبر کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا پرودگار اور مدبر کون ہے؟

اس کے بعد بغیر اس کے کہ پیغمبر ان کے جواب کے انتظار میں رہے حکم دیا گیا ہے کہ اس سوال کا جواب خود دو، کہو! اللہ۔ پھر انہیں یوں علامت کی گئی ہے ان سے کہو کیا تم نے غیر خدا کو اپنے لئے اولیاء سہارا اور معبود قرار دے لیا ہے حالانکہ یہ بت تو اپنے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

اس کے بعد دو واضح اور صریح مثالوں کے ذریعے موحد اور مشرک کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے کہو کیا نابینا اور بینا برابر ہیں۔

جس طرح نابینا اور بینا برابر نہیں ہیں اسی طرح کافر اور مومن بھی برابر نہیں ہیں۔اور بتوں کو اللہ کا شریک قرار نہیں دیا جا سکتا

دوسرا یہ کہ کیا ظلمت اور نور برابر ہیں۔

وہ ظلمت کہ جو انحراف گمراہی، اشتباہ اور خوف وخطر کا مرکز ہے اسے اس نور کے برابر کیسے سمجھا جا سکتا ہے جو رہنما اور حیات بخش ہے۔کس طرح سے بتوں کو کہ جو محض ظلمات ہیں خدا کے ساتھ کیا جا سکتا ہے کہ جو عالم ہستی کا نور مطلق ہے۔ایمان اور توحید کہ جو روح نور ہے اسے شرک وبت پرستی سے کیا نسبت کہ جو ظلمت کی روح رواں ہے۔

اس کے بعد ایک طریقے سے مشرکین کے عقیدے کا بطلان ثابت کیا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے وہ کہ جنہوں نے خدا کے لئے شریک قرار دیئے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بھی خدا کی طرح خلق کیا ہے اور یہ خلقت ان کے لئے مشتبہ ہوگئی ہے۔اور انہیں یہ گمان ہو گیا ہے کہ بت بھی خدا کی طرح عبادت کے مستحق ہیں کیونکہ ان کی نظر میں بت بھی وہی کام کرتے ہیں کہ جو خدا کرتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔یہاں تک کہ بت پرست بھی بتوں کے بارے میں ایسا عقیدہ نہیں رکھتے۔وہ بھی خدا کو تمام چیزوں کا خالق سمجھتے ہیں اور عالم خلقت کو فقط اس سے مربوط شمار کرتے ہیں۔

اسی لئے فوراً فرمایا گیا ہے کہ وہ خدا ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہے یکتا و کامیاب۔

(۱۷)اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِى النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ	خدا نے آسمان سے پانی بھیجا اور ہر درہ اور دریا سے ان کی مقدار کے مطابق سیلاب امنڈ پڑا۔ پھر پانی کے ریلوں پر جھاگ پیدا ہوگئی اور جن (بھٹیوں) میں زیورات یا اسباب زندگی تیار کرنے کے لئے آگ روشن کرتے ہیں ان سے بھی جھاگ نکلے گی اس طرح اللہ حق اور باطل کے لئے مثال بیان کرتا ہے لیکن جھاگ ایک طرف ہو جاتی ہے اور لوگوں کے لئے فائدہ رساں چیز (پانی یا خالص دھات) زمین میں باقی رہ جاتی ہے اللہ اسی طرح مثال بیان کرتا ہے

تفسیر

حق و باطل کی منظر کشی

قرآن کہ جو تعلیم و تربیت کی کتاب ہے اس کی روش ہے کہ وہ مسائل عینی کی بنیاد پر گفتگو کرتا ہے لہٰذا اس میں پیچیدہ مسائل کو

ذہن نشین کروانے کے لئے لوگوں کی روزمرہ زندگی سے عمدہ، خوبصورت اور حسی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ زیرنظر آیت میں بھی توحید و شرک، ایمان وکفر اور حق و باطل کے بارے میں گزشتہ آیت میں ذکر کئے گئے حقائق کو مجسم کرنے کے لے ایک بہت ہی رسا اور عمدہ مثال بیان کی گئی ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: خدا نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے زندگی بخش اور حیات آفرین پانی نشو ونما اور حرکت کا سرچشمہ پانی۔

اس وقت یہ پانی زمین کے دروں، گڑھوں، دریاؤں اور رخنوں میں ان کی وسعت کے مطابق سما جاتا ہے۔

چھوٹی چھوٹی ندیاں ایک دوسرے سے گلے ملتی ہیں..........تو دریا وجود میں آتے ہیں.......... دریا باہم مل جائیں تو دامن کہسار سے سیلاب عظیم امنڈ پڑتا ہے.......... پانی کندھوں اور سروں سے بلند ہوجاتا ہے اور جو کچھ اس کی راہ میں آتا اس بہا لے جاتا ہے۔ ایسے میں پانی کی موجیں اور لہریں جب آپس میں ٹکراتی ہیں تو جھاگ پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: سیلاب کے اوپر جھاگ اٹھتی ہے۔

جھاگ صرف بارش برسنے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ جو دھاتیں آگ کے ذریعے پگھلتی ہیں تا کہ ان سے زیورات یا دیگر اسباب زندگی تیار کئے جائیں ان سے بھی پانی کی جھاگ کی طرح جھاگ نکلتی ہے۔

یہ ایک ایسی وسیع مثال بیان کی گئی ہے جو صرف پانی سے متعلق نہیں ہے بلکہ دھاتوں کے بارے میں بھی ہے چاہے وہ دھاتیں زیوارت بنانے کے لئے استعمال ہوتی ہوں یا دیگر اسباب حیات تیار کرنے کے کام آتی ہوں۔ اس کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس طرح خدا حق اور باطل کے لئے مثال بیان کرتا ہے۔

پھر اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے لیکن جھاگ ایک طرف ہو جاتی ہے اور وہ پانی کہ جو لوگوں کے لئے مفید اور سودمند ہوتا ہے زمین میں باقی رہ جاتا ہے۔

فضول شور یلی اور اندر سے خالی جھاگ کہ جو ہمیشہ اوپر اوپر ہوتی ہے لیکن کوئی فائدہ بخش نہیں ہوتی اسے ایک طرف پھینک دینا چاہئے لیکن خاموش، بےصدا متوضع، مفید اور سودمند پانی باقی رہ جاتا ہے اور اگر زمین کے اوپر نہ ہو تو زمین کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے اور زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ رواں چشموں اور کنوؤں کی صورت میں زمین سے نکل آتا ہے اور تشنہ کاموں کو سیراب کرتا ہے۔ درختوں کو بارآور گلوں کو شگفتہ اور پھلوں کو تیار کرتا ہے اور ہر چیز کو سروسامان حیات عطا کرتا ہے۔

آیت کے آخر میں مزید تاکید کے طور پر اور اس آیت میں زیادہ غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس طرح خدا مثالیں بیان کرتا ہے۔

مثالیں مسائل کو سب کے لئے یکساں بنا دیتی ہے

بہت سے علمی مسائل کہ جو اپنی اصل سورت میں صرف خواص کے لئے قابل فہم ہیں اور عامتہ الناس اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا پاتے لیکن جب ساتھ مثال موجود ہو اور اس کے ذریعے وہ قابل فہم ہو جائیں تو ان سے سب لوگ مستفید ہوں گے چاہے وہ علم و دانش کے اعتبار سے جس درجے پر بھی ہوں۔ لہٰذا مثالیں علم و دانش کو عمومیت دینے کے اعتبار سے نا قابل انکار کارآمد چیز ہیں۔

(۱۸) لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَا فْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ۧ	ان لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے اپنے پروردگار کی دعوت کو قبول کیا ہے نیک انجام (جزا اور نتیجہ) ہے اور وہ کہ جنہوں نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا اگر وہ سب کچھ جو زمین پر ہے اور اس کی مثل ان کی ملکیت ہو اور وہ یہ سب کچھ عذاب سے نجات کے لئے دے دیں (لیکن وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا)۔ ان کے لئے برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کس قدر برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر

جنہوں نے دعوت حق کو قبول کیا

گزشتہ آیت میں حق و باطل کا چہرہ نمایاں کرنے کے لئے ایک رسا اور فصیح و بلیغ مثال پیش کی گئی تھی اس کے بعد اب اس مقام پر ان لوگوں کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جنہوں نے دعوت حق کو قبول کر لیا اور اس کے گرویدہ ہو گئے نیز ان افراد کا انجام بیان کیا گیا ہے جنہوں نے حق سے روگردانی کرتے ہوئے باطل کی طرف رخ کیا۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے پروردگار کی یہ دعوت حق کو قبول کر لیا ہے نیک جزاء، سودمند نتیجہ اور عاقبت محمودہ ہے۔

''حسنیٰ'' (نیکی) کا ایک وسیع مفہوم ہے جس میں ہر خیر و سعادت شامل ہے۔ نیک خصائل اور اخلاقی فضائل سے لے کر پاک و پاکیزہ اجتماعی زندگی، دشمن پر کامیابی اور بہشت جاوداں تک سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے: اور وہ کہ جنہوں نے پروردگار کی دعوت قبول نہیں کی ان کا انجام اس قدر برا اور رقت بار ہے کہ اگر

تمام روئے زمین اور اس کی مثل بھی ان کی ملکیت میں ہو اور وہ یہ سب کچھ اسے برے انجام سے نجات کے لئے دینے پر آمادہ ہوں تو بھی ان سے یہ سب کچھ قبول نہیں کیا جائے گا۔

ان کے لئے عذاب اور سزا کے عظیم ہونے کی تصویر کشی کے لئے اس سے بڑھ کر رسا اور عشدہ تعبیر نہیں ہوسکتی کہ ایک انسان تمام روئے زمین بلکہ ان کے دوگنا کا مالک ہو اور وہ یہ سب کچھ اپنے آپ کو بچانے کے لئے دے دے مگر وہ اس کے لئے فائدہ مند نہ ہو۔

یہ جملہ درحقیقت اس طرف اشارہ ہے کہ ایک انسان کی آخری آرزو کہ جس سے برتر کا تصور نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ تمام روئے زمین کا مالک ہو لیکن ستمگروں اور دعوت حق کے مخالفوں کو دیئے جانے والے عذاب کی شدت اس حد تک ہے کہ وہ اس بات پر تیار ہوں کہ یہ آخر دنیاوی ہدف بلکہ اس سے بھی برتر و بالاتر کو فدیہ کے طور پر دے کر آزاد ہو جائیں اور بالفرض اگر ان سے یہ قبول کر بھی لیا جاتا تو یہ صرف عذاب سے نجات ہوتی۔ لیکن دعوت حق قبول کرنے والوں کے لئے جو انتہائی عظیم اجر ہیں ان کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ "مثله معه" صرف اسی معنی میں نہیں کہ پورے کرۂ زمین کی مانند ان کے پاس مزید ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اس سے بڑھ کر جتنی زیادہ دولت وسلطنت کے مالک ہو جائیں وہ اپنی نجات کے لئے سب کچھ دینے پر تیار ہوں گے۔ اس کی وجہ بھی واضح ہے۔ انسان چونکہ ہر چیز اپنے لئے چاہتا ہے اور جب وہ خود عذاب میں غرق ہو تو پھر تمام دنیا کی مالکیت کا اسے کیا فائدہ۔

اس بدبختی "ساری دنیا دے کر بھی نجات حاصل نہ ہونا" کے بعد ایک اور بدبختی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان کا حساب کتاب سخت اور برا ہوگا۔

یہ تینوں تفاسیر ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ سب کی سب آیت کی مراد ہوں یعنی ایسے افراد کو سخت حساب سے گزرنا ہوگا اور محاسبے کے ساتھ ساتھ انہیں سرزنش بھی ہوگی اور حساب کے بعد انہیں بے کم وکاست سزا بھی دی جائے گی۔

آیت کے آخر میں ان کے لئے تیسرے عذاب یا سزا کے آخری نتیجے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔

(۱۹) اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ کَمَنْ هُوَ اَعْمٰی ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ	کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ تیرے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے حق ہے، اس شخص کی طرح ہے جو نابینا ہے (اور نہیں جانتا)۔ بس سمجھ دار لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

(۲۰)الَّذِیۡنَ یُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَ لَا یَنۡقُضُوۡنَ الۡمِیۡثَاقَ ۙ	وہی کہ جو عہد الٰہی کو وفا کرتے ہیں اور پیمان شکنی نہیں کرتے۔
(۲۱)وَ الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ وَ یَخَافُوۡنَ سُوۡٓءَ الۡحِسَابِ ؕ	وہی کہ جو وہ پیوند برقرار رکھتے ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ (اور روز قیامت کے) حساب کی برائی سے ڈرتے ہیں۔
(۲۲) وَ الَّذِیۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً وَّ یَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ عُقۡبَی الدَّارِ ۙ	اور وہ کہ جو اپنے پرودگار کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے صبرو استقامت کرتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے اس میں سے پنہاں اور آشکار خرچ کرتے ہیں اور حسنات (نیکیوں) کے ذریعے سیئات (برائیوں) کو ختم کرتے ہیں ان کیلئے آخرت میں اچھا گھر ہے۔
(۲۳)جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَ اَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّیّٰتِهِمۡ وَ الۡمَلٰٓئِکَةُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ کُلِّ بَابٍ ۚ	وہ جنت کے سدا بہار باغوں میں داخل ہوں گے اسی طرح ان کے آباء، ازواج اور اولاد میں سے صالح افراد بھی (داخل بہشت ہونگے) اور ہر دروازے سے ان کے لئے فرشتے داخل ہوں گے۔
(۲۴)سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ ؕ	(اور ان سے کہیں گے) سلام ہو تم پر صبر واستقامت کی بناء پر۔ تمہیں یہ آخری گھر کیسا اچھا نصیب ہوا ہے۔

تفسیر

اہل شعور کا طرز عمل............جنت کے آٹھ دروازے

زیر نظر آیات میں حق کے طرفداروں کے اصلاحی طرز عمل کے جزئیات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ یہ آیات گزشتہ آیات کی بحث کو مکمل کرتی ہیں۔ زیر نظر پہلی آیت میں استفہام انکاری کی صورت میں فرمایا گیا ہے کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ تیرے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے حق ہے، اس شخص جیسا ہے جو نابینا ہے۔

یہ کیسی عمدہ تعبیر ہے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص جانتا ہے کہ یہ قرآن برحق ہے کیا وہ اسکی مانند ہے کہ جو نہیں جانتا بلکہ فرمایا گیا جو جانتا ہے وہ اندھے کی طرح ہے؟ یہ تعبیر اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ اس حقیقت کو نہ جاننا کسی طرح بھی ممکن نہیں سوائے اس کے کہ انسان کے دل کی آنکھ بالکل بے کار ہو چکی ہو ورنہ کیسے ممکن ہے کہ چشم بنا رکھنے والا رخ آفتاب نہ دیکھ سکے اور اس قرآن کی عظمت بالکل نور آفتاب کی مانند ہے۔

اسی لئے آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے۔صرف وہ لوگ نصیحت پاتے ہیں جو "اولوا الالباب" ہیں اور صاحبان فکر و نظر ہیں۔

(۲۰) اس کے بعد "اولوا الالباب" کی تفسیر کے طور پر صاحبان حق کے طرز عمل کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔سب سے پہلے ایفائے عہد کرتے ہیں اور پیمان شکنی نہیں کرتے۔

اس میں شک نہیں کہ عہد الٰہی کا ایک وسیع مفہوم ہے۔اس میں فطری عہد و پیمان کہ جو خدا نے تقاضائے فطرت کے مطابق انسان سے لئے ہیں وہ بھی شامل ہیں مثلاً توحید اور حق وعدالت سے انسان کی فطری محبت کا عہد۔اسی طرح عقلی عہد و پیمان یعنی وہ عہد کہ جو غور و فکر، سوچ، بچار اور قوت عقل کے نتیجے میں ناگزیر ہو جاتے ہیں جیسے عالم ہستی اور مبداء و معاد کے حقائق کا ادراک ان پر غور و فکر کے نتیجے میں کر لیتا ہے۔اسی طرح اس میں شرعی پیمان میں شامل ہیں یعنی وہ پیمان جو پیغمبر نے مومنین سے لیا ہے کہ وہ احکام خداوندی کی اطاعت کریں گے اور اس کی نافرمانی اور گناہ ترک کر دیں گے۔

(۲۱) اہل شعور کے لائحہ عمل کا دوسرا حصہ رشتے ناتوں کی حفاظت اور پاسداری ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔یہ وہی لوگ ہیں جو ان رشتوں اور رابطوں کو قائم رکھتے ہیں جن کی حفاظت کا خدا نے حکم دیا ہے۔

اس سلسلے میں اس سے زیادہ وسیع تعبیر نہیں مل سکتی کیونکہ انسان کا تعلق خدا سے بھی ہے، انبیاء سے بھی ہے اور رہبروں سے بھی ہے انسان کا رابطہ باقی تمام انسانوں کے ساتھ بھی ہے چاہے وہ دوست ہوں، ہمسائے ہوں رشتہ دار ہوں، دینی بھائی ہوں یا ہم نوع ہوں۔اس کا تعلق خود اپنے ساتھ ہے۔مندرجہ بالا حکم میں تمام رشتے ناتوں کو محترم شمار کیا گیا ہے۔سب کا حق ادا کرنا چاہئے اور ایسا کام انجام نہیں دینا چاہئے جس سے ان میں سے کسی ایک سے تعلق منقطع ہونے تک جا پہنچے۔

درحقیقت انسان ایک ایسا موجود نہیں جو دوسرے سے کٹ کر اور جدا ہو کر رہ سکے بلکہ اس کا وجود سرتا پا رشتے ناتوں، تعلق اور رابطوں سے تشکیل پاتا ہے۔

ایک طرف سے اس کا تعلق پیدا کرنے والے کی بارگاہ سے ایسا ہے کہ اگر یہ اسے منقطع کر لے تو نابود ہو جائے۔جیسے ایک بلب کا رابطہ اگر بجلی پیدا کرنے والے مبداء سے کٹ جائے۔لہٰذا جیسے تکوینی لحاظ سے انسان اس عظیم مبداء سے تعلق رکھتا ہے چاہئے کہ تشریعی اعتبار سے بھی اس کے ساتھ اطاعت کا رشتہ برقرار رکھے۔

دوسری طرف اس کا رشتہ پیغمبر اور امام سے رہبر، راہنما اور پیشوا کے حوالے سے ہے اور اگر یہ رشتہ ٹوٹ گیا تو انسان بے راہ

رواور سرگرداں ہوجائے گا۔

تیسری طرف انسان کا ایک رشتہ پورے انسانی معاشرے سے بھی ہے خصوصاً ان افراد سے جواس پر زیادہ حق رکھتے ہیں جیسے ماں باپ، رشتہ دار، دوست اور مربی۔

حامیانِ حق کا تیسرا اور چوتھا طرز عمل یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کی عدالت کے حساب کی برائی سے خوف کھاتے ہیں۔

(۲۲) ان کا پانچواں طرز عمل تمام مشکلات کے مقابلے میں صبر واستقامت ہے، وہ مشکلات کہ جو اطاعت، ترک گناہ، دشمن کے خلاف جہاد اور ظلم وسرکشی کے مقابلے کے راستے میں پیش آتی ہیں۔ وہ صبر واستقامت بھی پروردگار کی رضا اور خوشنودی کی خاطر ہو۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے پرودگار کی رجا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صبر واستقامت سے کام لیتے ہیں۔

بہرصورت یہ جملہ اس امر کے لئے ایک واضح دلیل ہے کہ صبر شکیبائی بلکہ کلیۃً ہر عمل خیر اسی صورت میں قدر و قیمت رکھتا ہے جب ''ابتغاء وجه اللّٰه'' اور خدا کے لئے ہو اور اگر اس کے کوئی اور اسباب ہوں مثلاً ریا کاری اور لوگوں کی توجہ حاصل کرنا کہ وہ سمجھیں کہ یہ بڑا صابر اور نیکو کار شخص ہے یا حتیٰ اپنے غرور کے پیش نظر کوئی کام انجام دے تو پھر اس کی کوئی وقعت اور قدر و قیمت نہیں ہے۔

ان کا چھٹا طرز عمل یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔

نماز قائم کرنا اگرچہ عہد الٰہی کو وفا کرنے کے مصادیق میں سے ہے بلکہ خدائی رشتوں کی حفاظت کا ایک زندہ مصداق ہے اور ایک لحاظ سے صبر واستقامت کے مصادیق میں سے ہے لیکن ان کلی مفاہیم کے بعض مصادیق بہت اہم ہیں جو انسانی سرنوشت میں بہت زیادہ موثر ہیں لہٰذا ان کی خصوصی طور پر نشاندہی کی گئی ہے۔

اس سے بڑھ کر اہم کیا بات ہوگی کہ انسان ہر صبح وشام خدا سے اپنے رابطے اور تعلق کی تجدید کرے، اس کے ساتھ راز و نیاز کے لئے کھڑا ہو۔ اس کی عظمت اور اپنی ذمہ داریوں کو یاد رکھے اور اس عمل کیذ ریعے اپنے قلب وروح سے گناہ کر گرد وغبار اور زنگ دھو ڈالے اور اپنے قطرہ وجود کے ہستی حق کے بیکراں سمندر سے ملحق ہونے کا شرف حاصل کرے۔ جی ہاں! نماز میں یہ تمام برکات و اثرات موجود ہیں۔

اس کے بعد حق جو افراد کا ساتواں طرز عمل اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ہمارے عطا کردہ رزق سے پنہاں وآشکار خرچ کرتے ہیں۔

انفاق اور زکوٰۃ کا مسئلہ فقط اسی آیت میں نماز کے بعد ذکر نہیں ہوا بلکہ بہت سی آیات قرآن میں زکوٰۃ کو نماز کے پہلو میں رکھا گیا ہے کیونکہ ان میں سے ایک چیز انسان کے رشتے کو خدا سے مستحکم کرتی ہے اور دوسری مخلوق سے تعلق کو۔

آخری اس کا آٹھواں اور آخری طرز عمل بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ وہ حسنات نیکیوں کے ذریعے اپنی سیئات (برائیوں) کو ختم کردیتے ہیں۔

اس معنی میں کہ وہ ایک گناہ اور لغزش کے ارتکاب پر صرف پشیمان ہونے اور ندامت واستغفار پر قناعت نہیں کرتے بلکہ عملی طور پر تلافی کے لئے قدم اٹھاتے ہیں اور جس قدر ان کا گناہ اور لغزش زیادہ ہو اسی قدر حسنات اور نیکیاں بھی زیادہ سے زیادہ انجام دیتے ہیں تاکہ اپنے اور معاشرے کے وجود سے گناہ کی آلودگی کو حسنات کے پانی سے دھو ڈالیں۔

مختلف طرز عمل کے ذکر کے بعد اولوالالباب صاحبان فکر ونظر طرفداران حق اور ایسے طریقوں پر عمل کرنے والوں کے انجام کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ دوسرا گھر جو نیک اور اچھی عاقبت کا حامل ہے ان کے لئے ہے۔

(۲۳) اس آیت میں اس نیک انجام اور عاقبت خیر کی توضیح کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے ان کا انجام کار جنت کے دائمی باغات ہیں کہ جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے صالح اور نیک آباؤ اجداد، ازواج اور اولاد بھی اور بے پایاں نعمتوں کی تکمیل کرتی ہے یہ ہے کہ ہر دروازے سے ان کے لئے فرشتے داخل ہونگے۔

(۲۴) اور انہیں کہیں گے تم پر سلام ہو تمہارے صبر واستقامت کی بناء پر ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اور شدائد ومصائب برداشت کرنے میں تمہارا صبر ونزاع ہے، نہ سختی ہے، نہ مخالفت ہے اور نہ جھگڑا، ہر جگہ امن ہی امن ہے اور تمام چیزیں تمہارے سامنے تبسم کناں ہیں اور ایسا آرام وسکون جس میں اضطراب قلب کا شائبہ تک نہیں وہ یہیں پر ہے۔

آخر میں ارشاد ہوتا ہے۔ یہ کیسا اچھا انجام اور کیسی اچھی عاقبت ہے۔

صرف صبر کا ذکر کیوں ہوا ہے؟

"سلام علیکم بما صبرتم" کے جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتے اہل جنت سے یوں کہیں گے۔ تم پر تمہارے صبر واستقامت کی وجہ سے سلام ہو، حالانکہ مندرجہ بالا آیت میں ان کے آٹھ قسم کے اچھے کاموں اور اہم طرز ہائے عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن اس جملے میں آٹھ امور میں سے صرف صبر کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(۲۵) وَ الَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَیُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۙ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ اللَّعۡنَۃُ وَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ	اور وہ کہ جو عہد الٰہی کو مستحکم ہونے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان رشتوں کو قطع کردیتے ہیں جنہیں قائم رکھنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور روئے زمین میں فساد کرتے ہیں ان کے لئے لعنت اور آخرت (کے گھر) کا عذاب ہے۔

(۲۶)اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ وَ فَرِحُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾	اللہ جسے چاہتا ہے(اور اہل سمجھتا ہے)وسیع رزق دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے(اور مستحق سمجھتا ہے) تنگ کر دیتا ہے لیکن وہ دنیا کی زندگی پر خوش ہوگئے ہیں جب کہ آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی متاع ناچیز ہے۔

تفسیر

دنیا پرست تباہ کار

چونکہ نیک و بد ہمیشہ ایک دوسرے سے موازنہ کرنے سے اچھی طرح واضح ہو جاتے ہیں لہٰذا اولوالالباب اور حق پرست افراد کہ جن کا تفصیلی ذکر گزشتہ آیات میں آیا ہے کہ صفات بیان کرنے کے بعد محل بحث آیات کے کچھ حصے میں مفسدین اور وہ کہ جو واقعی اپنی عقل و فکر گنوا بیٹھے ہیں کی چند بنیادی صفات بیان کی گئی ہیں۔ارشاد ہوتا ہے۔اور وہ کہ جو عہد خداوندی کو محکم کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان رشتوں کو منقطع کر دیتے ہیں جنہیں قائم رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور روئے زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان پر لعنت ہے اور دار آخرت کا عذاب ان کے لئے مخصوص ہے۔

درحقیقت ان کے تمام اعتقادی و عملی مفاسد کا خلاصہ مذکورہ تین جملوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔

1۔خدائی عہد و پیمان کو توڑنا جس میں فطری، عقلی اور شرعی عہد و پیمان شامل ہیں۔

2۔روابط اور رشتوں کو مقطع کرنا۔خدا سے رابطہ،خدائی رہبروں سے رابطہ،مخلوق سے رابطہ اور اپنے آپ سے رابطہ

3۔آخری حصہ کہ جو پہلے دو حصوں کا نتیجہ ہے روئے زمین میں فساد کرنا۔

(۲۶) زیر نظر دوسری آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ روزی اور اس کی کمی بیشی خدا کے ہاتھ میں ہے خدا جسے چاہتا ہے وسیع رزق دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ زیادہ سے زیادہ دنیا سمیٹنے کے لئے روئے زمین پر فساد کرتے ہیں وہ خدائی رشتوں کو توڑتے ہیں اور خدا کے ساتھ عہد شکنی کرتے ہیں تا کہ مادی زندگی کے لئے زیادہ سے زیادہ مفادات حاصل کر سکیں لیکن وہ اس حقیقت کی طرف توجہ نہیں دیتے کہ رزق اور اس میں کمی بیشی خدا کے ہاتھ میں ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے عہد شکن اور فساد فی الارض کرنے والے دنیاوی زندگی پر ہی خوش ہیں حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی متاع ناچیز سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

(۲۷)وَ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَ يَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ اَنَابَ ۖۚ	جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے آیت (اور معجزہ) کیوں نازل نہیں ہوتا ؟ کہہ دو: خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو شخص اس کی طرف پلٹ آتا ہے اسے ہدایت کرتا ہے۔
(۲۸)اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ؕ	یہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور ان کے دل یاد خدا سے مطمئن (اور پر سکون) ہیں یاد رکھو کہ یاد خدا سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔
(۲۹)اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوۡبٰى لَهُمۡ وَ حُسۡنُ مَاٰبٍ	جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیئے پاکیزہ ترین (زندگی ہے) اور بہترین انجام ان کا نصیب ہے۔

تفسیر

یاد الٰہی

اس سورت میں چونکہ توحید، معاد اور رسالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بہت سی مباحث ہیں لہٰذا زیر بحث پہلی آیت دوبارہ پیغمبر اسلام کی دعوت کے مسئلے کی طرف لے جاتی ہے اس میں ہٹ دھرم منکرین کا ایک اعتراض بیان کیا گیا ہے ارشا ہوتا ہے کافرین کہتے ہیں کہ اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا۔

قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے اے پیغمبر ان سے کہہ دو خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو شخص اس کی طرف لوٹے اسے ہدایت کرتا ہے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے لئے معجزے کے لحاظ سے کوئی کمی نہیں کیونکہ پیغمبر نے کافی مقدار میں معجزات دکھائے ہیں۔ ہٹ دھرمیاں، تعصّبات، جہالتیں اور وہ گناہ کہ جو توفیق کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں تمہارے ایمان لانے میں حائل ہیں لہٰذا خدا کی طرف لوٹ آؤ، توبہ کرو، جہالت وغرور اور خودخواہی کے پردے اپنی نگاہ فکر سے ہٹاؤ تاکہ واضح طور پر جمال حق کا مشاہدہ کرسکو، کیونکہ۔

جمال یار ندارو نقاب و پردہ دلی
غبار رہ بنشان تانظر توانی کرد

(جمال دوست پر تو کوئی نقاب نہیں ہے لیکن راستے
کا گرد و غبار ہٹا دو تا کہ میں اسے دیکھ سکوں)

(۲۸) اس آیت میں جو خدا کی طرف پلٹ آئے ہیں کی بہت عمدہ تفسیر بیان ہوئی ہے ارشاد ہوتا ہے یہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اوران کے دل ذکرالٰہی سے مطمئن اور پرسکون ہیں اس کے بعد ایک دائمی اور وسیع اصول کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے: آگاہ رہو کہ یادالٰہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں اور قرار پاتے ہیں۔

(۲۹) زیربحث آخری آیت میں اہل ایمان کا انجام کار بیان کر کے گزشتہ آیت کا مضمون یوں مکمل کیا گیا ہے وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اورانہوں نے صالح اعمال انجام دیئے ان کے لئے بہترین زندگی ہے اوران کا انجام کار بہترین ہوگا۔

ذکرخدا کیا ہے اور کس طرح ہے؟

جیسا کہ راغب نے مفرادات میں کہا ہے ذکر کبھی مطالب ومعارف کے حفظ کے معنی میں آتا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ لفظ، حفظ اس کی ابتداء میں بولا جاتا ہے اور لفظ ذکر اسے جاری رکھتے ہوئے اور کبھی کسی چیز کو زبان سے یا دل میں یاد کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ ذکر دو قسم کا ہے ذکر قلبی، ذکر زبانی ان میں سے ہرایک پھر دو طرح کا ہے یا تو فراموشی کے بعد ذکر یا بغیر فراموش کئے ذکر۔

بہرحال زیربحث آیت میں ذکرخدا کو جو دلوں کیلئے باعث سکون ہے اس سے مراد یہ نہیں کہ اس کا نام زبان پر لایا جائے اور بار بار تسبیح وتحلیل اور تکبیر کہی جائے بلکہ مراد یہ ہے پورے دل کے ساتھ خدا کی طرف اور اس کی عظمت، اس کے علم اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کی طرف متوجہ رہا جائے اور یہ توجہ انسان میں جہاد و کوشش اور نیکیوں کی طرف حرکت کی بنیاد بنے اور اس کے اور گناہ کے درمیان ایک مضبوط بند کا کردار ادا کرے۔یہ ہے وہ ذکر جس کے لئے روایات اسلامی میں اس قدر آثار وبرکات بیان ہوئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے جو وصیتیں کیں ان میں سے ایک یہ تھی۔

''یاعلیؑ! تین کام ایسے ہیں جن کی اس امت میں طاقت نہیں ہے اور ہر شخص یہ کام نہیں کرسکتا: مال میں دینی بھائیوں کے مواسات کرنا، اپنی طرف سے لوگوں کا حق ادا کرنا اور ہر حالت میں خدا کو یاد رکھنا۔لیکن خدا کی یاد (صرف) سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ و لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر نہیں ہے بلکہ یادخدا یہ ہے کہ جس وقت انسان کسی فعل حرام کا سامنا کرے تو خدا سے ڈرے اوراسے ترک کردے''

(۳۰) کَذٰلِکَ اَرْسَلْنٰکَ فِیْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ عَلَیْهِمُ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ	جیسا کہ (ہم نے گزشتہ انبیاء کو بھیجا) تجھے بھی ایک امت کے درمیان بھیجا کہ جس سے پہلے دوسری امتیں آئیں اور چلی گئیں، تاکہ ہم نے جو کچھ تجھ پر وحی کی ہے ان کے سامنے پڑھو
وَ هُمْ یَکْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَ اِلَیْهِ مَتَابِ	حالانکہ وہ رحمان (وہ خدا کو جس کی رحمت سب پر محیط ہے) سے کفر کرتے ہیں۔ کہہ دو وہ میرا پروردگار ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں میں نے اس پر توکل کیا ہے اور میری بازگشت اس کی طرف ہے۔
(۳۱) وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ کُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰی ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ اَفَلَمْ یَایْـَٔسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۧ	اگر قرآن کی وجہ سے پہاڑ چلنے لگ جائیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور اس کے ذریعے مردوں کے ساتھ گفتگو کی جائے (وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے)۔ لیکن یہ سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے کیا وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں نہیں جانتے کہ اگر خدا چاہے تو تمام لوگوں کو (جبراً) ہدایت کر دے لیکن (جبری ہدایت کو کوئی فائدہ نہیں) اور کافروں پر ان کے اعمال کی وجہ سے مسلسل سرکوبی کرنے والی مصیبتیں ٹوٹتی رہیں گی یا ان کے گھروں کے اردگرد نازل ہوں گی یہاں تک کہ اللہ کا آخری وعدہ پورا ہو، بیشک اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔
(۳۲) وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَکَیْفَ کَانَ عِقَابِ	(اے رسول) تجھ سے پہلے انبیاء کا بھی تمسخر اڑایا گیا۔ میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر ان کی گرفت کی، تو نے دیکھا (میری) سزا کیسی تھی؟

شان نزول

مفسرین کا کہنا ہے کہ پہلی آیت صلح حدیبیہ کے بارے میں ہجرت کے چھٹے سال نازل ہوئی۔ جب صلح نامہ لکھا جانے لگا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا۔

یہ شان نزول اس صورت میں صحیح ہے جب ہم اس سورہ کو مدنی سمجھیں تاکہ یہ صلح حدیبیہ کے واقعے سے مطابقت اختیار کر سکے لیکن اگر جیسا کہ مشہور ہے اسے مکی سمجھیں تو پھر اس بحث کی نوبت نہیں آئے گی مگر یہ کہ اس آیہ کی شان نزول کو مشرکین کی اس گفتگو کا جواب سمجھا جائے جو سورہ فرقان میں آئی ہے۔ انہوں نے رحمٰن کو سجدہ کرنے کی دعوت پیغمبر کے جواب میں کہا ہے کہ ہم رحمٰن کو نہیں پہچانتے۔

جب ان سے کہا گیا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہنے لگے رحمٰن کون؟

بہرحال مندرجہ بالا آیت شان نزول سے قطع نظر بھی ایک واضح مفہوم رکھتی ہے کہ جو اس کی تفسیر میں بیان کیا جائے گا۔

دوسری آیت کی شان نزول کے بارے میں بھی بعض عظیم مفسرین نے کہا ہے کہ یہ مشرکین مکہ کی ایک جماعت کے جواب میں نازل ہوئی ہے یہ لوگ خانہ کعبہ کی پشت کی طرف بیٹھے تھے۔ انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کسی کو یہ پیغام دے کر بھیجا۔

''اگر تو چاہتا ہے کہ ہم تیری پیروی کریں تو مکہ کے ان پہاڑوں کو اپنے قرآن کے ذریعے پیچھے ہٹا دے تاکہ ہماری یہ تنگ زمین کسی حد تک وسیع ہو جائے۔ نیز زمین میں شگاف کر کے اس میں چشمے اور نہریں جاری کر دے تاکہ ہم درخت لگائیں اور زراعت کریں تو اپنے گمان میں داؤد سے کم نہیں ہے کہ جس کے لئے خدا نے پہاڑوں کو مسخر کر رکھا تھا۔ کہ جو اس سے ہم آواز ہو کر خدا کی تسبیح کرتے تھے یا یہ کہ ہمارے لئے ہوا کو مسخر کر دے تاکہ ہم اس کے دوش پر سوار ہو کر شام کی طرف جائیں اور اپنی مشکلات حل کریں۔ اپنی ضروریات پوری کریں اور اسی دن واپس لوٹ آئیں جیسا کہ سلیمان کے لئے مسخر تھی اور اپنے گمان میں سے حضرت سلیمان سے کم نہیں ہے نیز اپنے دادا قصی قبیلہ قریش کے جد اعلیٰ یا ہمارے مردوں میں سے کسی اور شخص کو جسے چاہے زندہ کر دے تاکہ ہم اس سے سوال کریں کہ کیا جو کچھ تو کہتا ہے حق ہے یا باطل کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور تو عیسیٰ علیہ السلام سے کم تر نہیں ہے''۔

تفسیر

ہٹ دھرم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے

ان آیات میں ہم پھر نبوت کی بحث کی طرف لوٹتے ہیں۔ ان میں مشرکین کی گفتگو کا ایک اور حصہ پیش کیا گیا ہے نیز نبوت کے بارے میں ان کی گفتگو کا واضح جواب دیا گیا۔

پہلے فرمایا گیا ہے: جیسے ہم نے گزشتہ انبیاء کو گزشتہ قوموں کی ہدایت کے لئے بھیجا تجھے بھی ایک امت کے درمیان بھیجا ہے کہ جس سے پہلے امتیں آئیں اور چلی گئیں۔ مقصد یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے تجھ پر وحی کیا ہے وہ تو ان کے سامنے پڑھے حالانکہ وہ رحمٰن وہ خدا کہ

جس کی رحمت اور وسیع و عام فیض مومن و کافر اور یہود و نصاریٰ سب پر محیط ہے کا انکار کرتے ہیں کہہ دو اگر تم انکار کرتے ہو تو رحمٰن کہ جس کا فیض و رحمت عام ہے میرا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں اس پر توکل کرتا ہوں اور میری بازگشت اسی کی طرف ہے۔

اس کے بعد ان بہانہ تراش افراد کے جواب میں کہ جو ہر چیز پر اعتراض کرتے ہیں، فرماتا ہے یہاں تک کہ اگر قرآن کے ذریعے پہاڑ چلنے لگ جائیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور اس کے ذریعے مردوں سے گفتگو بھی ہو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

لیکن یہ تمام کام خدا کے اختیار میں ہے اور وہ جتنا ضروری سمجھتا ہے انجام دیتا ہے۔

مگر تم لوگ حق کے طالب نہیں ہو اگر ہوتے تو جس قدر اعجاز کی نشانیاں اس پیغمبر سے صادر ہوئی ہیں ایمان لانے کے لئے کاملاً کافی ہیں یہ تو سب بہانے ہیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں نہیں جانتے کہ اگر خدا چاہے تو تمام لوگوں کو جبراً ہدایت کردے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ داخلی یا خارجی طور پر جبری طریقے سے منکرین اور ہٹ دھرم افراد تک کو بھی ایمان لانے پر آمادہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی قدرت کے سامنے کوئی کام مشکل نہیں ہے لیکن وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا کیونکہ ایسا جبری ایمان بے وقعت ہے۔ ایسا ایمان اس معنویت اور کمال سے محروم ہے جس کی انسان کو ضرورت ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے اس کے باوجود کفار ہمیشہ اپنے اعمال کے سبب تباہ کن مصائب کے حملے سے دوچار ہے یہ مصائب مختلف بلاؤں کی صورت میں نازل ہوتے ہیں اور کبھی ان پر مجاہدین اسلام کے تباہ کن حملوں کی صورت میں آتے ہیں۔

یہ مصائب اگر ان کے گھروں پر نازل نہ ہوں تو ان کے گھروں کے آس پاس نازل ہوں گے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں، حرکت میں آئیں اور خدا کی طرف لوٹ آئیں۔

یہ تنبیہیں اسی طرح جاری رہیں گی یہاں تک کہ خدا کا آخری حکم آپہنچے۔

یہ آخری حکم ہو سکتا ہے موت کی طرف یا روز قیامت کی طرف اشارہ ہو یا بقول بعض کے فتح مکہ کی طرف اشارہ ہو کہ جس نے دشمن کی ساری طاقت کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔

(۳۲) زیر نظر آخری آیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روئے سخن کئے ہوئے کہتی ہے صرف تمہی نہیں ہو کہ جسے اس کافر گروہ کے طرح طرح کے تقاضوں اور من پسند معجزوں کی فرمائش کے ذریعے تمسخر اور استہزاء کا سامنا کرنا پڑا ہے بلکہ یہ تو پوری تاریخ انبیاء میں ہوتا رہا ہے۔ اور تجھ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا تمسخر اڑایا گیا ہے۔

لیکن ہم نے ان کافروں کو فوراً عذاب نہیں کیا بلکہ ہم نے انہیں مہلت دی اس لئے کہ شاید بیدار ہو جائیں اور شاید راہ حق کی طرف پلٹ آئیں یا کم از کم ان پر کافی اتمام حجت ہو جائے کیونکہ اگر وہ بدکار اور گنہگار ہیں تو خدا کی مہربانی اور اس کا لطف و کرم اور

حکمت بھی تو موجود ہے۔

بہر حال یہ مہلت وتاخیر اس معنی میں نہیں کہ ان کی سزا اور کیفر کردار کو فراموش کر دیا جائے لہٰذا اس مہلت کے بعد ہم نے انہیں گرفت کی اور تو نے دیکھا کہ ہم نے انہیں کس طرح سزا دی۔ یہ انجام تیری ہٹ دھرم قوم کے بھی انتظار میں ہے۔

(۳۳) اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ	کیا وہ کہ جو سب کے سروں پر موجود ہے (اور سب کا نگران اور نگہبان ہے) اور سب کے اعمال دیکھتا ہے اس کی مانند ہے کہ جو ان میں سے کوئی صفت نہیں رکھتا؟ انہوں نے خدا کے لئے شریک قرار دیئے ہیں کہہ دو ان کے نام لو کیا اسے ایسی چیز کی خبر دیتے ہو کہ روئے زمین میں جس کے وجود سے وہ بے خبر ہے یا ظاہری اور کھوکھلی باتیں کرتے ہو (نہیں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے)۔ بلکہ کافروں کے سامنے ان کے جھوٹ مزین کئے گئے ہیں اور اندرونی ناپاکی کی بناء پر ان کا خیال ہے کہ یہ حقیقت پر مبنی ہیں اور وہ (خدا کی) راہ سے روک دیئے گئے ہیں اور جسے خدا گمراہ کردے اس کے لئے کوئی راہنما نہیں ہوگا۔
(۳۴) لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ	ان کے لئے دنیا میں دردناک عذاب ہے اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے اور اللہ کے مقابلے میں کوئی ان کا دفاع نہیں کرسکتا۔

تفسیر

کس طرح خدا کو بتوں کا شریک بناتے ہو

ان آیات میں قرآن پھر توحید اور شرک کی بحث کی جانب لوٹتا ہے اور لوگوں کو اس واضح دلیل سے خطاب کرتا ہے کیا وہ کہ جو تمام عالم ہستی میں ہر چیز کا محافظ ہے اور جس نے سب کو اپنی تدبیر کے زیر پردہ قرار دیا ہے اور تمام لوگوں کے اعمال سے باخبر ہے اس کی طرح ہے کہ جس میں ان صفات میں سے کوئی بھی نہیں۔

اس کے بعد گزشتہ بحث کی تکمیل اور آئندہ بحث کی تمہید کے طور پر فرمایا گیا ہے انہوں نے خدا کے شریک قرار دیئے ہیں۔

فوراً ہی انہیں چند طریقوں سے جواب دیا گیا ہے:

پہلا یہ کہ......فرمایا: ان شریکوں کے نام لو۔

نام لینے سے مراد ہے کہ ان کی وقعت اور قدر و قیمت اتنی بھی نہیں کہ ان کا نام ونشان بھی ہو یعنی تم چند بے نام ونشان اور بے وقعت موجودات کو قادر و متعال پروردگار کے کس طرح ہم پلہ قرار دیتے ہو؟

دوسرا یہ کہ اس قسم کا کوئی شریک کیسے ہوسکتا ہے جب کہ وہ خدا جو تمہارے خیال میں ان کا شریک ہے ان کے وجود کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں رکھتا جب کہ اس کا علم تمام جہان پر محیط ہے کیا اسے اس چیز کی خبر دیتے ہو جس کے وجود کو وہ زمین میں نہیں جانتا۔

تیسرا یہ کہ دراصل خود تم بھی دل میں ایسی چیز کا ایمان نہیں رکھتے۔ صرف ایک کھوکھلی ظاہری بات کا سہارا لئے ہوئے ہو کہ جس میں کوئی حقیقی مفہوم موجود نہیں ہے۔

اسی بناء پر یہ مشرکین جب زندگی کی کسی سخت گھاٹی میں جب ہر طرف سے بند ہو کر پھنس جاتے ہیں تو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ وہ دلی طور پر جانتے ہیں کہ بتوں سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ خدا ان کی حالت سورعنکبوت کی آیہ ۶۸ میں بیان فرماتا ہے جب کہ وہ کسی کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور سخت طوفان میں گھر جاتے ہیں تو صرف خدا کا رخ کرتے ہیں۔

چوتھا یہ کہ یہ مشرکین صحیح شعور نہیں رکھتے اور چونکہ ہوا و ہوس اور اندھی تقلید میں گرفتار ہیں لہٰذا عقل مندانہ اور صحیح فیصلہ نہیں کر پاتے۔ اسی بناء پر اس گمراہی میں آن پڑے ہیں پیغمبر اور مومنین کے خلاف ان کی سازشوں کو اور ان کے جھوٹ، تہمتوں اور بہتانوں کو ان کی اندرونی ناپاکی کی بناء پر مزین کر دیا گیا ہے یہاں تک کہ انہوں نے ان بے وقعت اور بے نام نشان موجودات کو خدا کا شریک جان لیا ہے اور جس شخص کو خدا گمراہ قرار دے اس کی ہدایت کسی کے بس میں نہیں ہے۔

ہم نے بارہا کہا ہے کہ یہ گمراہی جبری معنی میں نہیں ہے اور نہ بغیر کسی شرط اور بنیاد کے من پسند کا مسئلہ ہے بلکہ خدا کی طرف سے گمراہی خود انسان کے غلط کاموں کے عکس العمل کے معنی میں ہے یہ اس کے اپنے اعمال کا ردعمل ہے کہ جو اسے گمراہیوں کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ چونکہ ایسے اعمال میں خدا نے یہ خاصیت پیدا کی ہے لہٰذا اس کی نسبت خدا کی طرف دی جاتی ہے۔

(۳۴) زیر بحث آخری آیت میں دینا و آخرت میں ان کی دردناک سزاؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان میں شکست و ناکامی، سیاہ روزی اور ذلت و رسوائی شامل ہیں۔ فرمایا گیا ہے ان کے لئے دنیاوی زندگی میں بھی سزا ہے اور آخرت کی سزا زیادہ سخت اور شدید تر ہے۔ کیونکہ وہ سزا دائمی بھی ہے، جسمانی و روحانی بھی اور اس میں طرح طرح کا عذاب شامل ہے اور اگر وہ گمان کریں کہ اس سے بچ نکلنے کے لئے ان کے پاس کوئی راستہ یا وسیلہ ہے تو وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں کیونکہ خدا کے مقابلے میں انہیں کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔

(۳۵)مَثَلُ الۡجَنَّةِ الَّتِیۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلۡكَ عُقۡبَی الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا ٭ۖ وَّ عُقۡبَی الۡكٰفِرِیۡنَ النَّارُ	وہ جنت کہ جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔اس کے پھل دائمی ہیں اور اس کے سائے ہمیشہ کے لئے ہیں۔ یہ انجام ان لوگوں کے لئے ہے جنھوں نے پرہیز گاری اختیار کی ہے اور کافروں کا انجام جہنم کی آگ ہے۔

تفسیر

اس سورہ کی آیات میں توحید، قیامت اور دیگر اسلامی معارف کا باری باری ذکر آیا ہے۔اس آیت میں معاد کے بارے میں خصوصاً جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے جنت کے وہ باغ کہ جن کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے ایسے ہیں کہ جن کے درختوں کے نیچے جاری پانی کی نہریں رواں ہیں۔

باغات بہشت کی دوسری صفت یہ ہے کہ اس کے پھل دائمی ہیں نہ کہ اس جہان کے پھلوں کی طرح کہ جو موسمی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کسی خاص موسم میں پیدا ہوتا ہے بلکہ کسی آفت کی وجہ سے ممکن ہے کسی سال بالکل نہ ہو لیکن جنت کے پھلوں کو نہ کوئی آفت درپیش ہے اور نہ وہ کسی موسم کے محتاج ہیں بلکہ سچے مومنین کے ایمان کی طرح قائم ودائم ہیں۔اسی طرح ان درختوں کا سایہ بھی دائمی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جنت کے سائے اس کی تمام نعمتوں کی طرح جاودانی ہیں۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ باغات بہشت کے لئے خزاں نہیں ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں نور آفتاب یا اس جیسی کوئی چیز ہے۔

جنت کی یہ تین صفات بیان کرنے کے بعد، آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے یہ ہے پرہیز گاروں کا انجام، لیکن کافروں کا انجام آگ ہے۔

جنت کی نعمتوں کی ذکر اس خوبصورت اور زیبا تعبیر کے ذریعے لطافت اور تفصیل کے ساتھ ہوا ہے لیکن دوزخیوں کے بارے میں ایک مختصر سا خشک اور سخت جملہ ہے ان کا انجام کار جہنم ہے۔

(۳۶)وَ الَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰھُمُ الۡکِتٰبَ یَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمِنَ الۡاَحۡزَابِ مَنۡ یُّنۡکِرُ بَعۡضَہٗ ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰہَ وَ لَاۤ اُشۡرِکَ بِہٖ ؕ اِلَیۡہِ اَدۡعُوۡا وَ اِلَیۡہِ مَاٰبِ	اور وہ کہ جنہیں ہم نے آسمانی کتاب دی ہے وہ اس پر خوش ہیں کہ جو تجھ پر نازل ہوا ہے اور بعض احزاب (اور گروہ) اس کے ایک حصہ کا انکار کرتے ہیں۔ کہہ دو میں مامور ہوں کہ اللہ کی عبادت کروں اور اس کے لئے شریک قرار نہ دوں۔ میں اس کی طرف دعوت دیتا ہوں اور (سب کی) بازگشت اسی کی طرف ہے۔

تفسیر

خدا پرست اور دیگر گروہ

اس آیت میں آیات قرآن کے نزول پر لوگوں کے مختلف ردعمل کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حقیقت کے متلاشی اور حق جو افراد کس طرح جو کچھ پیغمبر ﷺ پر نازل ہوتا تھا اس پر سر تسلیم خم کرتے تھے اور خوش ہوتے تھے جب کہ مخالف اور ہٹ دھرم افراد اس کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے جنہیں ہم نے آسمانی کتاب دے رکھی ہے وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو کچھ تجھ پر نازل ہوتا ہے۔

اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ”اتیناھم الکتاب“ اور اس قسم کی تعبیر پورے قرآن مجید میں عام طور پر یہود و نصاریٰ اور ان جیسے آسمانی مذاہب کے پیروکاروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، تو اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ یہاں بھی انہی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہود و نصاریٰ اور ان جیسے دوسرے جویان حق تجھ پر ان آیات کے نزول پر مسرور ہوتے ہیں کیونکہ ایک طرف تو انہیں ان نشانیوں سے ہم آہنگ پاتے ہیں جو ان کے پاس ہیں اور دوسری طرف یہ ان کے لئے ان خرافات سے۔ نیز یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب کے ان عالم نما جاہلوں کے شر سے آزادی اور نجات کا سبب ہیں جنہوں نے انہیں قید و بند میں جکڑ رکھا ہے اور فکری آزادی اور تکامل و ارتقائے انسانی سے محروم کر رکھا ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے لیکن احزاب میں سے ایک جماعت تجھ پر نازل ہونے والی بعض آیات کا انکار کرتی ہے۔

اس گروہ سے مراد یہود و نصاریٰ کی وہی جماعت ہے کہ جس پر قومی و مذہبی تعصب اور ایسے دوسرے تعصّبات کا غلبہ تھا اسی بناء پر قرآن انہیں اہل کتاب نہیں کہتا کیونکہ وہ اپنی آسمانی کتب کے سامنے بھی سر تسلیم خم نہیں کئے ہوئے۔ بلکہ حقیقت میں وہ احزاب اور مختلف گروہ تھے کہ جو صرف اپنے اپنے گروہ کے راستے پر چلتے تھے۔ یہ گروہ ہر اس چیز کا انکار کر دیتے تھے کہ جو ان کے اپنے میلان، طریقے اور پہلے سے کئے گئے فیصلوں سے ہم آہنگ نہ ہوتی۔

یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ احزاب مشرکین کی طرف اشارہ ہو کیونکہ سورہ احزاب میں بھی ان کا اس لفظ کے ذریعے ذکر کیا گیا ہے۔ اصل میں ان کا کوئی دین و مذہب نہ تھا بلکہ وہ بکھرے ہوئے گروہ اور احزاب تھے کہ جو قرآن اور اسلام کی مخالفت میں متحد تھے۔

آیت کے آخر میں پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کی اور اس کی مخالفت اور ہٹ دھرمی کی پرواہ نہ کرو بلکہ اپنے حقیقی خط اور صراط مستقیم پر قائم رہو اور کہو میں مامور ہوں کہ صرف اللہ کی پرستش کروں کہ جو یکتا و یگانہ خدا ہے اور اس کے لئے کسی شریک کا قائل نہ ہوں میں صرف اس کی طرف دعوت دیتا ہوں اور میری اس سب کی بازگشت اسی طرف ہے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کے سچے موحد اور حقیقی خدا پرست کا خدا کے فرامین کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ کوئی راستہ اور پروگرام نہیں ہے۔

(۳۷)وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ ۠	جس طرح (ہم نے گزشتہ انبیاء کو آسمانی کتاب دی ہے) تجھ پر بھی واضح اور صریح فرمان نازل کیا ہے اور آگاہی آجانے کے بعد اگر تو ان کی خواہشات کی پیروی کرے تو خدا کے سامنے کوئی حمایت کرنے والا اور بچانے والا نہیں ہوگا۔
(۳۸)وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ	اور ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے ہیں اور ان کی بیویاں اور اولاد بھی تھی اور کوئی رسول حکم خدا کے بغیر (اپنی طرف سے) کوئی معجزہ نہیں لاسکتا تھا، ہر زمانہ ایک کتاب رکھتا ہے (اور ہر کام کے لئے وقت مقرر ہے)۔
(۳۹)يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ	اللہ جسے چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثبات عطا فرماتا ہے اور ام الکتاب اس کے پاس ہے۔
(۴۰)وَ اِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ	اور وہ بعض سزائیں کہ جن کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تجھے دکھائیں یا (ان سزاؤں کے آنے سے پہلے) ہم تجھے ماردیں تو ہر حالت میں تو فقط ابلاغ پر مامور ہے اور (ان کا) حساب ہمارے ذمہ ہے۔

تفسیر

قطعی اور قابل تغیر حوادث

ان آیات میں بھی نبوت سے مربوط مسائل کا سلسلہ جاری ہے۔

پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے جیسے ہم نے اہل کتاب اور گزشتہ انبیاء پر آسمانی کتاب نازل کی ویسے ہی یہ قرآن بھی تم پر نازل

کیا ہےاس حالت میں کہ یہ واضح وآشکار احکام پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد تہدید آمیز اور قطع لہجے میں پیغمبر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جب کہ حقیقت تجھ پر آشکار ہو جائے تو اس کے بعد اگر تو ان کی خواہشات کی پیروی کرے تو تجھے خدائی نتائج کا سامنا کرنا ہوگا اور خدا کے سامنے کوئی تیری حمایت کرنے والے اور بچانے والا نہیں ہوگا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام عصمت ،معرفت اور علم وآگہی کی وجہ سے اگر چہ ان کے لئے انحراف کا احتمال یقیناً نہیں ہے لیکن یہ الفاظ اوّلاً تو واضح کرتے ہیں کہ خدا کسی شخص کے ساتھ خصوصی ارتباط نہیں رکھتا بالفظ دیگر اس کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے یہاں تک کہ اگر پیغمبر کا مقام بلند و بالا ہے تو ان کی تسلیم وعبوریت اور ایمان واستقامت کی بناء پر ہے۔

(۳۸) یہ آیت درحقیقت ان مختلف اعتراضات کا جواب ہے کہ جو دشمن آپ پر کرتے تھے۔ان میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ پیغمبر نوع بشر میں سے ہو اور اس کی بیوی اور بچے ہوں تو مندرجہ بالا آیت انہیں جواب دیتے ہوئے کہتی ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے،ہم نے تجھ سے بہت سے رسول بھیجے ہیں۔ان کی بیویاں بھی تھیں اور اولاد بھی۔

دوسرا یہ کہ انہیں تو قع تھی کہ وہ جو معجزہ بھی تجویز کریں اور جو بھی ان کی خواہشات کا تقاضا ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے انجام دیں چاہیں وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں لیکن انہیں جاننا چاہئے کہ کوئی رسول حکم خدا کے بغیر کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا۔

تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں آئے ہیں اور انہوں نے تورات یا انجیل کے احکام کو کیوں تبدیل کر دیا ہے کیا یہ آسمانی کتب نہیں ہیں اور خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوئیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا اپنا حکم تبدیل کر دے؟ یہ اعتراض خصوصاً اس امر سے پوری طرح ہم آہنگ ہے کہ یہودی نسخ احکام کے ناممکن ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

زیر نظر آیت اپنے آخری جملے میں انہیں جواب دیتی ہے ہر زمانے کے لئے ایک حکم اور قانون مقرر ہوا تا کہ بشیریت اپنے آخری بلوغ تک پہنچ جائے اور آخری حکم صادر ہو۔

لہٰذا مقام تعجب نہیں کہ ایک دن وہ تورات نازل کرے دوسرے دن انجیل نازل کرے اور پھر قرآن کیونکہ تکامل حیات کے لئے مختلف اور گوناگوں پروگراموں کی ضرورت ہے۔

(۳۹) اور اگر دیکھتے ہو کہ بعض آسمانی کتب دیگر کتب کی جگہ لیتی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا جو چیز چاہتا ہے محو کر دیتا ہے جیسے وہ اپنے ارادے اور حکمت کے تقاضے سے کچھ امور کا اثبات کرتا ہے نیز کتاب اصلی اور ’’ام الکتاب‘‘ اس کے پاس ہے۔

(۴۰) آخر میں مزید تاکید کے طور پر ان عذابوں کا ذکر ہے کہ پیغمبر جن کا وعدہ کرتے تھے اور وہ ان کا انتظار کرتے تھے یہاں تک کہ اعتراض کرتے تھے کہ تمہارے وعدے نے عملی شکل کیوں اختیار نہیں کی۔ارشاد ہوتا ہے اور بعض امور کہ جن کا ہم نے وعدہ کر رکھا ہے یعنی تیری کامیابی ان کی شکست تیرے پیروکاروں کی رہائی اور ان کے پیروکاروں کی اسارت ہم تجھے تیری زندگی میں دکھائیں یا ان وعدوں پر عمل درآمد سے پہلے تجھے اس دنیا سے لے جائیں تیری ذمہ داری بہرصورت ابلاغ رسالت ہے اور ہماری ذمہ داری ان سے حساب لینا ہے۔

''لوح محو و اثبات'' اور ''اُم الکتاب''

مندرجہ بالا آیات میں اگر چہ انبیاء پر نزول معجزات یا آسمانی کتب کے نازل ہونے کے بارے میں آیا ہے لیکن اس میں ایک عموی قانون بیان کیا گیا ہے کہ جس کی طرف مختلف منابع اسلامی میں بھی اشارہ ہوا ہے اور وہ یہ کہ تحقق موجودات اور عالم کے مختلف حوادث کے دو مرحلے ہیں۔ ایک مرحلہ قطعیت ہے کہ جس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا مذکورہ بالا آیت میں ''اُم الکتاب'' اسی کی طرف اشارہ ہے دوسرا مرحلہ غیر قطعی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ مشروط ہے کہ اس مرحلے میں تبدیلی ممکن ہے لہٰذا اسے مرحلہ ''محو و اثبات'' کہتے ہیں۔

کبھی انہیں ''لوح محفوظ'' اور ''لوح محو و اثبات'' بھی کہا جاتا ہے گویا ان میں سے ایک لوح میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور وہ بالکل محفوظ ہے لیکن دوسری میں ممکن ہے کوئی چیز لکھی جائے اور پھر وہ محو ہو جائے اور اس کی جگہ دوسری چیز لکھی جائے۔

(۴۱)اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ وَ اللّٰهُ یَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ ؕ وَ هُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ	کیا تم نے دیکھا نہیں کہ ہم ہمیشہ زمین کے اطراف (و جوانب) کو کم کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ حکومت کرتا ہے اور کسی شخص کو اسے روکنے یا اس کے احکام رد کرنے کا یارا نہیں اور وہ سریع الحساب ہے۔
(۴۲)وَ قَدۡ مَكَرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ جَمِیۡعًا ؕ یَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ ؕ وَ سَیَعۡلَمُ الۡكُفّٰرُ لِمَنۡ عُقۡبَی الدَّارِ	وہ لوگ جنہوں نے ان سے پہلے سازشیں کیں اور منصوبے بنائیں لیکن منصوبہ بنانا تو خدا کا کام ہے کہ جو ہر شخص کے کام سے آگاہ ہے اور عنقریب کفار جان لیں گے کہ دوسرے گھر میں (نیک و بد) انجام کس کا ہے۔
(۴۳)وَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَسۡتَ مُرۡسَلًا ؕ قُلۡ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَكُمۡ ۙ وَ مَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ	جو کافر ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تو رسول نہیں ہے کہہ دے کہ اللہ اور وہ لوگ کہ جن کے پاس علم کتاب (اور قرآن کی آگاہی) ہے (میری) گواہی کے لئے کافی ہیں۔

تفسیر

انسان اور معاشرے ختم ہو جاتے ہیں خدا باقی رہتا ہے

گزشتہ آیات میں روئے سخن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے منکرین کی طرف تھا۔ ان آیات میں اس بحث کو جاری رکھا

گیا ہے مقصد یہ ہے کہ انہیں تنبیہ کی جائے، انہیں بیدار کیا جائے، ان کے سامنے استدلال کیا جائے الغرض مختلف طریقوں سے انہیں عقلی راہ پر لگا کر غور وفکر کرنے اور پھر اپنی حالت کی اصلاح کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے ان مغرور اور ہٹ دھرم افراد نے دیکھا نہیں کہ ہم مسلسل زمین کے اطراف و جوانب کو کم کرتے رہتے ہیں۔

واضح ہے کہ زمین سے یہاں مراد اہل زمین ہیں یعنی کیا وہ اس واقعیت کی طرف نگاہ نہیں کرتے کہ ہمیشہ اقوام، تمدن اور حکومتیں زوال پذیر ہوتی ہیں۔ وہ قومیں کہ جو ان سے زیادہ قوی تھیں، زیادہ طاقتور تھیں اور زیادہ سرکش تھیں، ان سب نے اپنے منہ مٹی میں چھپالئے یہاں تک کہ علماء بزرگ اور دانشور کہ جو زمین کا سہارا تھے انہوں نے بھی اس جہاں سے آنکھیں بند کرلیں اور ابدیت کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ کیا یہ ہمہ گیر قانون حیات کہ جو تمام افراد، تمام انسانی معاشروں اور ہر چھوٹے بڑے پر جاری وساری ہے ان کے بیدار ہونے کے لئے کافی نہیں ہے کہ وہ اس چندروزہ زندگی کو ابدی نہ سمجھیں اور اسے غفلت میں نہ گزاردیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے حکومت اور فرمان جاری کرنا خدا کے لئے ہے اور کسی شخص میں اس کے فرمان کو رد کرنے اور اسے روکنے کا یارا نہیں ہے۔ اور وہ سریع الحساب ہے۔

(۴۲) زیرنظر دوسری آیت میں اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا گیا ہے صرف یہی گروہ نہیں کہ جو سازشوں اور مکرو فریب کے ساتھ تمہارے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے بلکہ ان سے پہلے والے بھی سازشیں اور مکاریاں کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے منصوبے نقش برآب ہوگئے اور ان کی سازشیں اور مکاریاں کیا کرتے تھے۔

لیکن ان کے منصوبے نقش برآب ہوگئے اور ان کی سازشیں حکم خدا سے بے اثر ہوکر رہ گئیں کیونکہ وہ ہر شخص کے معاملات خود اس سے بہتر جانتا ہے بلکہ تمام منصوبے خدا کے لئے ہیں وہ ہے کہ جو ہر شخص کے کسب و کار سے آگاہ ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہر شخص کیا انجام دیتا ہے۔

اور پھر تہدید کے لہجے میں انہیں ان کے انجام کار سے ڈراتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ کفار بہت ہی جلد جان لیں گے کہ انجام کار اور نیک و بد عاقبت دوسرے جہاں میں کس کس کے لئے ہے۔

جس طرح سے یہ سورہ قرآن اور کتاب اللہ کے ذکر سے شروع ہوئی تھی اسی طرح زیر بحث آخری آیت میں قرآن کے معجزے ہونے پر بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور اسی پر سورہ رعد ختم ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یہ کافر کہتے ہیں کہ تو رسول نہیں ہے یہ لوگ ہر روز ایک نیا بہانہ تراشتے ہیں۔ ہر وقت معجزے کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور پھر بھی آخر کار کہتے ہیں کہ تو پیغمبر نہیں ہے۔ ان کے جواب میں کہو: یہی کافی ہے کہ دو ہستیاں میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہیں ایک اللہ اور دوسرا وہ کہ جس کے پاس کتاب کا علم اور قرآن کی

آ گہی موجود ہے۔

ایک تو خود خدا جانتا ہے کہ میں اس کا بھیجا ہوا ہوں اور دوسرے وہ لوگ کہ جو میرے اس آسمانی کتاب یعنی قرآن کے بارے میں کافی آ گاہی رکھتے ہیں وہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کتاب: انسانی دماغ کی ساختہ نہیں ہے اور ممکن نہیں ہے کہ خدائے بزرگ کے سوا یہ کسی اور کی ہو۔ یہ بھی مختلف پہلوؤں سے قرآن کے اعجاز ہونے کے بارے میں ایک تاکید ہے۔

سورہ ابراھیم

اس کی ۵۲ آیات ہیں
یہ مکہ میں نازل ہوئی

البتہ بہت سے مفسرین کے بقول آیات ۲۸ اور ۲۹ مدنی ہیں جو جنگ بدر میں مارے جانے والے مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

سورہ ابراہیم کے مضامین

جیسا کہ اس سورہ کے نام سے ظاہر ہے اس کا ایک حصہ توحید کے بت شکن ہیرو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوا ہے اس میں ان کی دعائیں شامل ہیں۔

اس کے دوسرے حصے میں گزشتہ انبیاء مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے قوم عاد و ثمود کی تاریخ کی طرف اشارہ ہے اس میں پوشیدہ عبرت آموز درسوں کی نشاندہی کی گئی ہے مجموعی طور پر یہ دروس اس سورہ میں وعظ و نصیحت اور بشارت و انذار کے مباحث کی تکمیل کرتے ہیں۔

زیادہ تر مکی سورتوں کی طرح اس کا ایک اہم حصہ مبداء و معاد کے بارے میں بحث کرتا ہے کیونکہ مبداء و معاد پر ایمان راسخ ہو جائے تو انسان کی روح میں ایک روشنی پیدا ہوتی ہے جس کا اثر اس کی گفتار اور کردار پر ہوتا ہے اور انسان راہ حق اور صراط الٰہی پر گامزن ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ............ یہ سورت اعتقادات پند و نصائح اور گزشتہ اقوام کی عبرت انگیز سرگزشتوں کا مجموعہ ہے اور اس میں انبیاء کی رسالت اور آسمانی کتب کے نزول کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔

سورہ ابراہیم کی فضیلت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

من قرء سورة ابراهيم و الحجر اعطى من الاجر عشر حسنات بعد د من عبد الاصنام و بعدد من لم يبدها

(جو شخص سورہ ابراہیم اور سورہ حجر پڑھے گا خدا تعالیٰ اسے ان کی تعداد کے برابر کہ جو بتوں کی پوجا کرتے تھے اور جو پوجا نہیں کرتے تھے دس حسنات دے گا)۔

جیسا کہ ہم نے بارہا کہا ہے کہ قرآن کی سورتیں پڑھنے کے سلسلے میں جس اجر و ثواب کا ذکر ہے وہ اس تلاوت کیلئے ہے جو غور و فکر سوچ بچار اور پھر عمل کے ساتھ ہو اور چونکہ اس سورہ میں اور سورہ حجر میں توحید و شرک اور اس کی فروعات کے بارے میں بحث کی گئی ہے تو مسلماً ان کے مضامین کی طرف توجہ اور عمل سے ایسی فضیلت بھی حاصل ہوگی یعنی یہ توجہ اور عمل انسان کو اپنے رنگ میں رنگ لے گا اور اسے ایسے مقام کا اہل بنا دے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع ہے رحمٰن ورحیم خدا کے نام سے
(۱)الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ۙ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ	الر۔ یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے تجھ پر نازل کی تا کہ تو پروردگار کے فرمان سے لوگوں کو (شرک، ظلم اور طغیان کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان، عدل اور صلح) کی روشنی عزیز وحمید خدا کی راہ کی طرف لے جاؤ۔
(۲)اللّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ وَیۡلٌ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِیۡدِ ۙ	وہی خدا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے وائے ہو کافروں کیلئے قیامت کے شدید عذاب سے۔
(۳)الَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ یَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ	وہی کہ جو دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ راہ حق کو ٹیڑھا کر دیں۔ ایسے لوگ دور کی گمراہی میں ہیں۔

تفسیر

ظلمتوں سے نور کی طرف

یہ سورہ بھی قرآن کی بعض دیگر سورتوں کی طرح حروف مقطعہ سے (الر) شروع ہوئی ہے ان حروف کی تفسیر ہم سورۃ بقرہ، آل عمران اور اعراف کی ابتداء میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں جس نکتے کا ذکر ہم ضروری سمجھتے ہیں یہ ہے کہ ۲۹ مقامات پر قرآن کی سورتوں کا آغاز حروف مقطعہ سے ہوا ہے۔ ان میں سے ۲۴ مقامات ایسے ہیں جن میں بلا فاصلہ قرآن مجید کے بارے میں گفتگو آئی ہے یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ قرآن اور حروف مقطعہ کے درمیان کوئی تعلق موجود ہے اور ہوسکتا ہے یہ وہی تعلق ہو جس کا ذکر ہم سورۃ بقرہ کی ابتداء میں کر چکے ہیں۔ وہ یہ کہ خدا چاہتا ہے کہ اس سے واضح کرے کہ یہ عظیم آسمانی کتاب اپنے باعظمت معانی ومفاہیم کہ جن کی بناء پر وہ تمام انسانوں کی ہدایت اپنے ذمہ لئے ہوئے ہے کے باوجود اسی سادہ سے خام مال (الف، باء) سے تشکیل پائی ہے اور یہ اس اعجاز کی اہمیت کی نشانی ہے کہ وہ سادہ ترین چیز سے افضل ترین چیز کو وجود بخشتا ہے۔

بہر حال الف، لام، را.......... کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے یہ وہ کتاب ہے کہ جو ہم نے تجھ پر اس لئے نازل کی کہ تو لوگوں کو گمراہیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے۔

درحقیقت نزول قرآن کے تمام تربیتی انسانی روحانی اور مادی مقاصد اسی ایک جملے میں جمع ہیں ظلمتوں سے نکال کرنور کی طرف لے جانا ظلم و جہالت سے نورعلم کی طرف ظلمت کفر سے نور ایمان کی طرف ظلمت ظلم سے نور عدالت کی طرف ظلمت فساد سے نورِ صلاح کی طرف ظلمت گناہ سے نور تقویٰ کی طرف افتراق سے نور وحدت کی طرف۔

یہ امر جاذب نظر ہے کہ یہاں ظلمات بعض دیگر قرآنی سورتوں کی طرح جمع کی شکل میں آیا ہے اور نور واحد کی صورت میں یہ اس طرف اشارہ ہے کہ تمام نیکیاں پاکیزگیاں ایمان وتقویٰ اور فضیلت نور توحید کے سائے میں اپنے آپ میں وحدت و یگانگی کی حالت میں ہیں اور سب ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور متحدہ ہیں اور ان سے ایک متحد و واحد معاشرہ جو ہر لحاظ سے پاک و پاکیزہ کپڑے کی مانند ہو تیار کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ظلمت ہر مقام پر پراگندگی اور صفوں میں تفرقہ کا سبب ہے۔ستم گر بدکار آلودہ گناہ اور منحرف لوگ عموماً اپنی انحرافی راہوں میں بھی وحدت نہیں رکھتے اور آپس میں حالت جنگ میں ہوتے ہیں۔

تمام نیکیوں کا سرچشمہ چونکہ خدا کی ذات پاک ہے اور ادارک توحید کی بنیادی شرط اسی حقیقت کی طرف توجہ ہے لہٰذا بلا فاصلہ مزید فرمایا گیا ہے کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کے پروردگار کے اذن وحکم سے ہے۔اس نور کے بارے میں مزید توضیح کیلئے فرمایا گیا ہے عزیز وحمید خدا کی راہ کی طرف۔ وہ خدا کہ جس کی عزت اس کی قدرت کی دلیل ہے کیونکہ کسی کے بس میں نہیں کہ اس پر غلبہ حاصل کر سکے اور اس کا حمید ہونا اس کی بے پایاں نعمات کی نشانی ہے کیونکہ حمد وستائش ہمیشہ نعمتوں عنائتوں اور زیبائیوں پر ہوتی ہے۔

زیرنظر دوسری آیت میں معرفت خدا کیلئے ایک درس توحید دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے وہی خدا کہ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے اسی کا ہے۔

تمام چیزیں اس کی ہیں کیونکہ وہی موجودات کا خالق ہے اسی بناء پر وہ قادر وعزیز بھی ہے تمام نعمتیں بخشنے والا اور حمید بھی ذکر مبداء کے بعد آیت کے آخر میں مسئلہ معاد کی جانب توجہ دی گئی ہے ارشاہوتا ہے وائے ہو کفار پر قیامت کے شدید عذاب سے۔

زیرنظر تیسری آیت میں بلا فاصلہ کفار کا تعارف کروایا گیا ہے ان کی صفات کے تین حصوں کا ذکر کر کے ان کی کیفیت کو پوری طرح مشخص کر دیا گیا ہے اس طرح سے کہ ہر شخص ان کا سامنا کرتے ہی انہیں پہچان لے فرمایا گیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو اس جہاں کی پست زندگی کو آخرت کی زندگی پر مقدم شمار کرتے ہیں۔اسی وجہ سے وہ ایمان، حق، عدالت، شرف آزادی اور سربلندی کہ جو آخرت سے لگاؤ رکھنے والوں کی خصوصیات میں سے ہیں اپنے گھٹیاں مفادات شہوات اور ہوا وہوس پر قربان کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے ایسے لوگ اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ خود گمراہی میں پڑنے کے بعد دوسروں کو بھی بھٹکانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ لوگوں کو راہ خدا سے روکتے ہیں۔

درحقیقت وہ اللہ کی راہ کہ جو راہ فطرت ہے اور انسان خود سے چل کر اسے عبور کر سکتا ہے اس میں طرح طرح کی دیواریں اٹھاتے ہیں اور رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اپنی ہوا وہوس اور خواہشات کو بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں لوگوں کو گناہ کا شوق دلاتے ہیں اور

راستی و پاکیزگی کے راستے سے خوفزدہ کرتے ہیں۔

ان کا کام فقط اللہ کے راستے میں رکاوٹیں اور دیواریں کھڑی کرنا نہیں بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسے بگاڑ کر پیش کریں۔

دراصل وہ پوری توانائیوں سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسروں کو اپنے رنگ میں رنگ لیں اور اپنا ہم مسلک بنالیں۔ لہٰذا ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اللہ کے سیدھے راستے کو ٹیڑھا کر کے دکھائیں اس لئے وہ اس میں طرح طرح کی خرافات اور بے ہودگیاں پیدا کرتے ہیں مختلف تحریفات سے کام لیتے ہیں قبیح بدعتوں کو رواج دیتے ہیں اور کثیف طور طریقے اختیار کرتے ہیں۔ واضح ہے کہ ان صفات واعمال کے حامل ہونے کی وجہ سے ایسے افراد بہت دور کی گمراہی میں ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ راہ حق سے زیادہ دور ہونے کی بناء پر جن کا راہ حق کی طرف لوٹ آنا آسانی سے ممکن نہیں لیکن یہ سب کچھ خود انہی کے اعمال کا نتیجہ ہے۔

(۴)وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ‌ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ يَّشَآءُ وَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ‌ؕ وَ هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ	ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں تا کہ ان کے سامنے (حقائق) آشکار کرے پھر خدا جسے چاہے اور مستحق سمجھے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے (اور مستحق سمجھے) ہدایت فرماتا ہے اور وہ تو دانا وحکیم ہے۔
(۵) وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ وَ ذَكِّرۡهُمۡ بِاَيّٰٮمِ اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّـكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ	اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات کیساتھ بھیجا (اور حکم دیا) کہ اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف نکال اور انہیں ایام اللہ یاد دلائے اس میں ہر صبر کرنے والے اور شکر گزار کیلئے نشانیاں ہیں۔
(٦)وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ اَنۡجٰٮكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ وَيُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَ يَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ‌ؕ وَ فِىۡ ذٰلِكُمۡ بَلَاۤءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ؑ	وہ وقت یاد کرو کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اپنے اوپر خدا کی نعمت کو یاد رکھو جب کہ اس نے تمہیں آل فرعون (کے چنگل) سے نجات بخشی وہ کہ جو تمہیں بدترین طریقے سے عذاب دیتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو (خدمت گاری کیلئے) زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔

(۷) وَ اِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّکُمۡ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَ لَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ	(اسی طرح) اس وقت کو یاد کرو کہ جب تمہارے پروردگار نے اعلان کیا کہ اگر شکر گزاری کرو گے تو تم پر (اپنی نعمت کا) اضافہ کروں گا اور اگر کفران کرو گے تو میرا عذاب بھی سخت ہے۔

تفسیر

زندگی کے حساس دن

گزشتہ آیات میں قرآن مجید اور اس کے حیات بخش اثرات کے متعلق گفتگو تھی۔ زیر بحث پہلی آیت میں بھی ایک خاص پہلو سے اس موضوع کے بارے میں بات کی گئی ہے اور وہ ہے انبیاء اور آسمانی کتب کی زبان کا اس پہلی قوم کی زبان سے ہم آہنگ ہونا جس کی طرف وہ مبعوث ہوئے۔

فرمایا گیا ہے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان میں۔

کیونکہ............ پہلے پہل تو کسی پیغمبر کا تعلق اسی قوم سے پیدا ہوتا ہے جس میں سے وہ قیام کرتے ہیں انبیاء کے ذریعے پہلی وحی کی شعاع اسی پر پڑتی ہے اور ان کے اولین اصحاب وانصار اسی میں سے ہوتے ہیں لہٰذا پیغمبر کو انہی کی زبان میں گفتگو کرنا چاہئے تا کہ وہ ان کیلئے حقائق کو واضح طور پر پیش کر سکے۔

اس جملے میں درحقیقت اس نکتے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عام طور پر انبیاء کی دعوت ان کے پیروکاروں پر کسی انجانے اور غیر مانوس طریقے سے منعکس نہیں ہوتی تھی بلکہ واضح وروشن طور پر اور عام مروجہ زبان میں وہ تعلیم وتربیت کرتے تھے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے ان کے سامنے دعوت الٰہی کی وضاحت کے بعد خدا جس شخص کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آخر کار کسی کا ہدایت یافتہ ہونا یا گمراہ ہونا انبیاء کا کام نہیں ان کا کام تو تبلیغ اور تبیین ہے بندوں کی حقیقی ہدایت ورہنمائی تو خدا ہی کے ہاتھ ہے۔

اس بناء پر کہ کہیں یہ تصور نہ ہو کہ اس کا مطلب جبر لازمی طور پر ہونا اور انسان کی آزادی کا سلب ہونا ہے بلا فاصلہ مزید ارشاد فرمایا گیا ہے اور وہ عزیز حکیم ہے۔

اپنی عزت وقدرت کی وجہ سے وہ ہر چیز پر قادر وتوانا ہے اور کوئی شخص اس کے ارادے کے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا۔ لیکن اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق وہ کسی شخص کو بلا سبب ہدایت نہیں کرتا اور نہ کسی کو بلا وجہ گمراہ کرتا ہے بلکہ بندے اپنے ارادے کی انتہائی آزادی کے ساتھ سیر الی اللہ کیلئے قدم اٹھاتے ہیں اور اس کے بعد ان کے دل پر نور ہدایت اور فیض حق کی کرنیں پڑتی ہیں۔

اسی طرح جن لوگوں نے تعصب ہٹ دھرمی حق دشمنی شہوات میں غوطہ زنی اور ظلم میں آلودگی کے باعث ہدایت کیلئے اپنی

قابلیت گنوادی ہے وہ فیض ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں اور ضلالت وگمراہی کی وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

(۵)اس آیت میں اپنے ہم عصر طاغوتوں کے مقابلے میں انبیاء کے قیام کا ایک نمونہ ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ ظلمتوں سے نکال کر وادی نور میں لے جانے کیلئے بھیجے گئے تھے ارشاد ہوتا ہے ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور مختلف معجزات کیساتھ بھیجا اور ہم نے اسے حکم دیا کہ اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف ہدایت کرو۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک عظیم ذمہ داری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے تیری ذمہ داری ہے کہ تو اپنی قوم کو ایام اللہ یاددلائے۔

جس روز انسانوں کی زندگی کا کوئی نیا باب کھلا انہیں درس عبرت دیا گیا ان میں کسی پیغمبر نے ظہور یا قیام فرمایا یا جس دن کوئی منکر طاغوت اور فرعون ظلمت کے گڑھے میں پھینکا گیا۔ خلاصہ یہ کہ وہ دن کہ جس میں حق وعدالت برپا ہوئی اور ظلم و بدعت خاموش ہوئی وہ ایام اللہ میں سے ہے جیسا کہ ہم دیکھیں گے ائمہ معصومین علیہم السلام کی اس تفسیر کے ذیل میں منقول راویات میں بھی حساس دنوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے اس گفتگو میں اور تمام ایام اللہ میں ہر صابر و با استقامت اور شکر گزار انسان کیلئے نشانیاں ہیں۔

صبار اور شکور دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں ان میں سے ایک صبر واستقامت زیادہ ہونے اور دوسرا نعمت واحسان پر شکر گزاری زیادہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ صاحب ایمان افراد نہ تو سختیوں اور مشکلوں کے دنوں میں حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں اور اپنے آپ کو حوالہ حوادث کر دیتے ہیں اور نہ ہی کامیابی اور نعمت کے دنوں میں غرور وغفلت میں گرفتار ہوتے ہیں۔

ایام اللہ کی یادآوری جیسا کہ ہم نے مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ کی طرف ایام کی اضافت انسانوں کی زندگی کے اہم اور تقدیر ساز دنوں کی طرف اشارہ ہے اور ان دنوں کی عظمت کی بناء پر انہیں خدا کی طرف نسبت دی گئی ہے نیز اس بناء پر کہ اگر ایک عظیم نعمت الٰہی کسی لائق قوم کے شامل حال ہو۔ عظیم عذاب الٰہی کسی سرکش وطغیان گر قوم کو دامن گیر ہو تو دونوں صورتوں میں تذکرہ یادآوری کے لائق ہے۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا

ایام اللّٰہ یوم یقوم القائم و یوم الکرۃ و یوم القیامۃ

ایام اللہ مہدی موعود علیہ السلام کے قیام کا دن روزِ رجعت اور قیامت ہیں۔

(۶)اس آیت میں تاریخ بنی اسرائیل میں ایام اللہ اور درخشاں پر بار دنوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس

کا ذکر مسلمانوں کیلئے بھی تذکر تھا ارشاد ہوتا ہے اس وقت کو یاد کرو کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اس نعمت خدا کا تذکرہ کرو جب اس نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات بخشی۔ وہی فرعونی کہ جنہوں نے تم پر بدترین عذاب مسلط کر رکھا تھا تمہارے بیٹوں کو ذبحہ کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو خدمت اور کنیزی کے لئے زندہ رکھتے تھے۔ اور تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بہت بڑی آزمائش تھی۔

(۷) زیرِ نظر آخری آیت میں مزید فرمایا گیا ہے کہ یہ بات بھی یاد رکھو کہ تمہارے پروردگار نے اعلان کیا کہ اگر میری نعمتوں کا شکر بجالاؤ تو یقیناً میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کروں گا اور اگر کفران کرو تو میرا عذاب اور سزا شدید ہے۔

شکرِ نعمت اور کفرانِ نعمت کا نتیجہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ نعمتوں کا ہمارے شکر کا محتاج نہیں۔ اور اگر وہ شکر گزاری کا حکم دیتا ہے تو وہ بھی ہم پر ایک اور نعمت کا موجب ہے اور ایک اعلیٰ درجے کا تربیتی انداز ہے۔

اہم یہ بات ہے کہ ہم دیکھیں کہ شکر کی حقیقت کیا ہے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ اس کا نعمت کی زیادتی سے کیا تعلق ہے اور کس طرح وہ خود ایک عاملِ تربیت ہو سکتا ہے۔

واقعاً خدا نے ہمیں آنکھیں کیوں دی ہیں اس نے ہمیں دیکھنے اور سننے کی نعمت کیوں بخشی ہے کیا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد تھا کہ ہم جہان میں اس کی عظمت کو دیکھیں راہِ حیات کو پہچانیں اور ان وسائل کے ذریعے تکامل وارتقاء کی طرف قدم بڑھائیں ادراکِ حق کریں، حمایتِ حق کریں اس کا دفاع کریں اور باطل کے خلاف جنگ کریں۔ اگر خدا کی ان عظیم نعمتوں کو ہم نے ان کے راستے میں صرف کیا تو اس کا عملی شکر ہے۔

یہیں سے شکر اور نعمت میں اضافے کے درمیان تعلق واضح ہو جاتا ہے کیوں کہ جب بھی انسانوں نے نعمت الٰہی کو بالکل مقاصدِ نعمت کے تحت صرف کیا تو انہوں نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ وہ اہل ہیں اور یہ اہلیت زیادہ سے زیادہ فیض اور فزوں تر نعمت کا سبب بنی اصولی طور پر شکر دو طرح کا ہے۔

(۸) وَ قَالَ مُوْسٰی اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ	اور موسیٰ نے (بنی اسرائیل سے) کہا اگر تم اور روئے زمین کے تمام لوگ کافر ہو جائیں تو (خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ) خدا بے نیاز اور لائق ستائش ہے۔

(۹)اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ۬ۛ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۛؕ لَا یَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَیۡدِیَهُمۡ فِیۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ وَ قَالُوۡۤا اِنَّا کَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیۡ شَکٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَیۡهِ مُرِیۡبٍ	کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی کہ جو تم سے پہلے تھے؟ قوم نوح عاد ثمود اور وہ جو ان کے بعد تھے وہی کہ جن سے خدا کے علاوہ کوئی آگاہ نہیں ہے ان کے پیغمبران کے پاس واضح دلائل لے کر آئے لیکن انہوں نے (تعجب اور استہزاء سے) اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ہم اس چیز کے کافر (منکر) ہیں جس کے لئے تم مامور ہو اور جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کے بارے میں ہمیں شک ہے۔
(۱۰) قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ یَدۡعُوۡکُمۡ لِیَغۡفِرَ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرَکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا کَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ	ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے بارے میں شک ہے؟ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ کہ جو تمہیں دعوت دیتا ہے تا کہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں وعدہ گاہ تک باقی رکھے؟ انہوں نے کہا (ہم یہ باتیں نہیں سمجھتے ہم تو اتنی بات جانتے ہیں کہ) تم تو ہمارے جیسے انسان ہو اور تم چاہتے ہو کہ ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے تھے تم ہمارے لئے کوئی واضح دلیل لاؤ۔

تفسیر

کیا خدا کے بارے میں شک ہے؟

زیر نظر پہلی آیت شکر گزاری اور کفران نعمت کی بحث کی تائید و تکمیل ہے اور یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران کی زبانی گفتگو کے ضمن میں نقل ہوئی۔ فرمایا گیا ہے موسیٰ نے بنی اسرائیل کو یاددہانی کروائی کہ اگر تم اور روئے زمین کے تمام لوگ کافر ہو جائیں اور خدا کی نعمت کا کفران کریں تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ وہ بے نیاز اور لائق ستائش ہے۔

درحقیقت شکر نعمت اور خدا پر ایمان تمہارے لئے نعمت میں اضافے تمہارے تکامل وارتقاء اور تمہاری عزت و افتخار کا سبب ہے ورنہ خدا تو ایسا بے نیاز ہے کہ اگر پوری کائنات کافر ہو جائے تو اس کے دامن کبریائی پر کوئی گرد نہیں پڑ سکتی کیونکہ وہ سب سے بے نیاز ہے۔

(۹) اس کے بعد چند آیات میں بعض گزشتہ اقوام کا انجام بیان کیا گیا ہے وہی اقوام کہ جنہوں نے نعمات الٰہی پر کفران نعمت کا راستہ اختیار کیا اور ہادیان الٰہی کی دعوت پر ان کی مخالفت کی اور کفر کی راہ اپنائی۔ان آیات میں ان کی منطق اور ان کے انجام کی تشریح کی گئی ہے تاکہ گزشتہ آیت کے مضمون پر تاکید ہو جائے ارشاد ہوتا ہے کیا تم تک ان لوگوں کی خبر پہنچی ہے کہ جو تم سے پہلے تھے۔

ہوسکتا ہے یہ جملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو کا آخری حصہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ قرآن کی طرف سے مسلمانوں کو خطاب کی صورت میں ایک مستقل بیان ہو۔بہر حال نتیجے کے لحاظ سے دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے قوم نوح عاد اور ثمود جیسی قومیں اور وہ کہ جو ان کے بعد تھیں۔

وہی کہ جنہیں خدا کے علاوہ کوئی نہیں پہچانتا اور اس کے علاوہ کوئی ان کے حالات سے آگاہ نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قوم نوح عاد ثمود اور ان کے بعد آنے والی قوموں کے کچھ حالات ہم تک پہنچے ہیں لیکن مسلم ہے کہ بیشتر حصہ ہم تک نہیں پہنچا کہ جس سے صرف خدا ہی آگاہ ہے گزشتہ اقوام کی تاریخ میں اس قدر اسرار خصوصیات اور جزئیات تھیں کہ شاید وہ کچھ کہ جو ہم تک پہنچا ہے اس کے مقابلے میں کہ جو نہیں پہنچا بہت ہی کم اور ناچیز ہے۔

اس کے بعد ان کی سرگزشت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان کے پیغمبر واضح دلائل کیساتھ ان کی طرف آئے لیکن انہوں نے تعجب وانکار کی بناء پر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ جن چیزوں کیلئے تم بھیجے گئے ہو ہم ان سے کفر کرتے ہیں۔کیونکہ ہم ہر اس چیز کے بارے میں شک رکھتے ہیں کہ جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو اور اس شک کے ہوتے ہوئے کس طرح ممکن ہے کہ جو تمہاری دعوت قبول کر لیں۔

(۱۰) گزشتہ آیت میں چونکہ مشرکین اور کفار نے شک کو بنیاد قرار دیتے ہوئے عدم ایمان کا اظہار کیا لہٰذا اس آیت میں بلا فاصلہ مختصر سی عبارت میں واضح دلیل پیش کر کے ان کے شک کی نفی کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ کیا اس خدا کے وجود میں شک کرتے ہو کہ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

فاطر دراصل شگاف کرنے والے کے معنی میں ہے لیکن یہاں پیدا کرنے والے کیلئے کنایہ کے طور پر استعمال ہوا ہے کہ جو ایک حساب شدہ پروگرام کے تحت کسی چیز کو پیدا کرتا ہے اور پھر اس کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ اس کے وجود کی برکت اور نور ہستی سے ظلمت عدم چھٹ جاتی ہے اور شگافتہ ہو جاتی ہے جیسے سپیدہ سحر ظلمت شب کا پردہ چاک کر دیتا ہے اور جیسے کھجور کا خوشہ اپنی غلاف کو شگافتہ کر دیتا ہے اسی لئے عرب اسے فطر بروزن شتر کہتے ہیں۔

بہر حال قرآن دیگر اکثر مواقع کی طرح خدا کے وجود اور صفات کو ثابت کرنے کیلئے یہاں نظام عالم ہستی اور آسمانوں اور زمین کی خلقت کا ذکر کرتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ خداشناسی کے مسئلے میں اس سے زیادہ اور زیادہ روشن کوئی دلیل نہیں۔کیونکہ اس عجیب وغریب نظام کا ہر گوشہ اسرار سے معمور ہے کہ جو زبان حال سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ سوائے ایک قادر حکیم اور عالم مطلق کے کوئی بھی ایسی قدرت پیش نہیں کر سکتا۔اسی بناء پر جس قدر انسانی علم ترقی کر رہا ہے اتنے ہی اس نظام کے دلائل آشکار ہو رہے ہیں اور یہ امر ہمیں

ہر لمحہ خدا سے نزدیک کرتا ہے۔

یہ مسلم ہے کہ دانا وحکیم پروردگار اپنے بندوں کو ہرگز راہبر کے بغیر نہیں رہنے دیتا بلکہ وہ انبیاء بھیج کر تمہیں دعوت دیتا ہے تاکہ تمہیں گناہوں اور آلودگیوں سے پاک کرے اور تمہارے گناہ بخش دے اور اس کے علاوہ تمہیں معین زمانے تک باقی رکھے تاکہ تم اپنے کمال وارتقاء کی راہ طے کرسکو اور اس زندگی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکو۔

درحقیقت دعوت انبیاء کے دو اہداف تھے ایک گناہوں کی بخشش یعنی انسان کے جسم وروح اور زندگی کی پاکیزگی اور دوسرا مقررہ مدت تک زندگی کی بقاء اور یہ دونوں دراصل ایک دوسرے کی علت ومعلول ہیں کیونکہ وہی معاشرہ باقی رہ سکتا ہے جو گناہ وظلم سے پاک ہو۔

لیکن اس کے باوجود ہٹ دھرم کفار نے اس حیات بخش دعوت کو قبول نہ کیا کہ جس میں واضح طور پر منطق توحید موجود تھی اور اپنے انبیاء کو ایسا جواب دیا کہ جس سے ان کی ہٹ دھرمی اور حق کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرنے کے آثار جھلکتے تھے کہنے لگے تم تو ہم جیسے بشر ہو۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں علاوہ ازیں تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے روکو کہ جس کی ہمارے آباؤ اجداد پوجا کرتے تھے بہرحال ان سب امور سے قطع نظر تم ہمارے لئے کوئی واضح دلیل لاؤ۔

(۱۱)قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ؕ وَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نَّاۡتِيَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ	ان کے رسولوں نے ان سے کہا یہ ٹھیک ہے کہ ہم تم جیسے بشر ہیں لیکن خدا اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے (اور اسے اہل پاتا ہے) نعمت (اور مقام رسالت) عطا فرماتا ہے اور ہم حکم خدا کے بغیر ہرگز معجزہ نہیں لا سکتے اور تمام باایمان افراد صرف اللہ ہی پر توکل کرنا چاہتے ہیں۔
(۱۲)وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدۡ هَدٰٮنَا سُبُلَنَا‌ؕ وَ لَنَصۡبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيۡتُمُوۡنَا‌ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ	ہم اللہ پر کیوں توکل نہ کریں جب کہ اس نے ہمیں ہماری (سعادت کی) راہوں کی طرف رہبری کی ہے اور ہم تمہاری ایذارسانیوں پر یقیناً صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو صرف اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔

تفسیر

صرف اللہ پر توکل کرو

ان دو آیات میں انبیاء کے ہٹ دھرم دشمنوں کی بہانہ سازیوں کا جواب دیا گیا ہے کہ جن کا ذکر گزشتہ آیات میں کیا گیا تھا وہ جو کہ کہتے تھے کہ تم نوع بشر میں سے کیوں ہو ان کے جواب میں پیغمبران گرامی نے کہا یقیناً ہم تمہی جیسے بشر ہیں لیکن خدا اپنے بندوں

میں سے جسے چاہتا ہے اس پر احسان کرتا ہے اور اسے نعمت عطا کرتا ہے۔

یعنی یہ امر فراموش نہ کرو کہ اگر بشر کی بجائے فرشتے کا انتخاب ہوتا تو اس کے پاس بھی اپنی طرف سے کچھ نہ ہوتا۔ تمام نعمات کہ جن میں سے ایک رسالت ورہبری ہے خدا کی طرف سے ہیں تو جو ایسا مقام فرشتے کو دے سکتا ہے وہ انسان کو بھی دے سکتا ہے۔

واضح ہے کہ اللہ کی طرف سے ایسی نعمت کی عطا بلا وجہ نہیں ہے اور ہم نے بار ہا کہا ہے کہ خدا کی مشیت اس کی حکمت سے ہم آہنگ ہے یعنی ہم جہاں بھی پڑھیں کہ خدا جسے چاہتا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے اور اہل پاتا ہے...................... یہ ٹھیک ہے کہ مقام رسالت بالآ خر خدائی نعمت ہے لیکن اہلیت بھی ذات پیغمبر میں حتماً موجود ہوتی ہے۔

اس کے بعد دوسرے سوال کا جواب دیئے بغیر تیسرے سوال کا جواب دیا گیا ہے گویا آباؤاجداد کی سنت کو بطور دلیل پیش کرنا اس قدر کمزور اور بے بنیاد تھا کہ ہر عاقل انسان تھوڑے سے غور وفکر سے اس کی کمزوری کو جان لیتا ہے علاوہ ازیں قرآن کی دیگر آیات میں اس کا جواب دیا جا چکا ہے۔

بہر حال تیسرے سوال کے جواب میں فرمایا گیا ہے معجزات لانا ہمارا کام نہیں ہم کوئی جادوگر نہیں کہ ایک طرف بیٹھ جائیں اور جو شخص بھی من پسند کے معجزے کی فرمائش کرے اسے پیش کرتے رہیں اور معجزہ بے ارزش کھیل کود ہو کر رہ جائے بلکہ ہم کوئی معجزہ حکم الٰہی کے بغیر نہیں لا سکتے۔

علاوہ ازیں ہر پیغمبر لوگوں کے تقاضا کے بغیر بھی اس قدر معجزہ پیش کر دیتا ہے جو کافی ہوتا کہ وہ اس کی حقانیت کے اثبات کی سند ہو۔ اگر چہ ان کی دعوت کے مضامین اور ان کا مکتب خود تنہا عظیم ترین معجزہ ہے لیکن بہانہ تراش عام طور پر ان باتوں پر کان نہیں دھرتے اور ہر روا یک نئی فرمائش کرتے ہیں اور پیغمبرا سے قبول نہ کریں تو پھر شور وغوغا برپا کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد اس بناء پر کہ ان کی دھمکیوں کا بھی قاطع جواب دیا جائے انبیاء اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں تمام با ایمان افراد کو صرف خدا پر بھروسہ کرنا چاہئے وہی خدا کہ جس کی قدرت کے مقابلے میں تمام قدرتیں ناچیز اور حقیر ہیں۔

پھر اسی مسئلہ توکل کو ایک واضح استدلال کے ساتھ بیان کرتے ہم اللہ پر توکل کیوں نہ کریں اور تمام مشکلات میں اس کی پناہ کیوں نہ لیں ہم ناچیز طاقتوں اور دھمکیوں سے کیوں ڈریں جب کہ اس نے ہماری ہدایت سعادت کی راہوں کی طرف کی ہے۔

اس نے جب کہ ہمیں سعادت کی راہوں کی طرف ہدایت کی افضل ترین نعمت عطا کی ہے تو یقیناً وہ ہر قسم کی جارحیت کار شکنی اور مشکل میں ہمیں اپنی حمایت کے زیر سایہ رکھے گا۔

پھر وہ اپنی گفتگو جاری رکھے ہوئے کہتے ہیں اب جب کہ ہمارا سہارا خدا ہے ایسا سہارا کہ جو نا قابل شکست ہے اور سب سے بلند ہے تو ہم یقینی طور پر تمہاری سب اذیتوں کے مقابلے میں پامردی اور صبر وشکیبائی دکھائیں گے۔

اور وہ اپنی بات یوں ختم کرتے ہیں تمام توکل کرنے والوں کو صرف اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔

(۱۲) لہٰذا خدا پر توکل کرنے کا اس کے علاوہ کوئی مفہوم نہیں کہ انسان زندگی کی مشکلات وحوادث مخالفین کی دشمنیوں اور

سختیوں پیچیدگیوں اور کبھی اہداف کے راستے میں حائل رکاوٹوں میں جب خود انہیں کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے اپنا وکیل قرار دیا اور اس پر بھروسہ کرے اور خود بھی ہمت اور کوشش سے باز نہ رہے بلکہ جہاں کسی کام کو خود دینے کی طاقت رکھتا ہو وہاں بھی موثر حقیقی خدا ہی کو جانے کیونکہ ایک موحد کی چشم بصیرت کے دریچے سے دیکھا جائے تو تمام قدرتوں اور قوتوں کا سرچشمہ وہی ہے۔

(۱۳)وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِرُسُلِهِمۡ لَنُخۡرِجَنَّکُمۡ مِّنۡ اَرۡضِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِیۡ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوۡحٰۤی اِلَیۡهِمۡ رَبُّهُمۡ لَنُهۡلِکَنَّ الظّٰلِمِیۡنَ ۙ	جنہوں نے اپنے رسولوں سے کفر کیا انہوں کہا یقیناً ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال باہر کریں گے مگر یہ کہ ہمارے دین کی طرف لوٹ آؤ تو ایسے موقع پر ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی کی کہ میں ظالموں کو ہلاک کردوں گا۔
(۱۴) وَ لَنُسۡکِنَنَّکُمُ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ؕ ذٰلِکَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامِیۡ وَ خَافَ وَعِیۡدِ	اور تمہیں ان کے بعد زمین میں سکونت بخشوں گا یہ (کامیابی) اس کیلئے ہے جو میرے مقامِ عدالت سے ڈرتا ہو اور میرے عذاب کا خوف رکھتا ہو۔
(۱۵)وَاسۡتَفۡتَحُوۡا وَ خَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ ۙ	انہوں نے (خدا سے) فتح وکامرانی کا تقاضا کیا اور ہر جبار منحرف ناامید اور نابود ہوا۔
(۱۶)مِّنۡ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَ یُسۡقٰی مِنۡ مَّآءٍ صَدِیۡدٍ ۙ	اس کے پیچھے جہنم ہوگا اور اسے متعفّن پانی پلایا جائے گا۔
(۱۷)یَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا یَکَادُ یُسِیۡغُهٗ وَ یَاۡتِیۡهِ الۡمَوۡتُ مِنۡ کُلِّ مَکَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَ مِنۡ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِیۡظٌ	وہ اُسے بڑی مشکل سے گھونٹ گھونٹ کرکے پیئے گا اور وہ اسے خوشی سے پینے کو تیار نہیں اور ہر جگہ سے موت اس کی طرف آئے گی لیکن اس کے باوجود وہ مرے گا نہیں اور اس کے پیچھے عذاب شدید ہے۔

تفسیر

منحرف جابروں کا طرزِ عمل اور ان کا انجام

بے منطق افراد کا طریقہ ہے کہ جب وہ اپنی بات اور عقیدے میں کمزوری پر آگاہ ہوتے ہیں تو پھر دلیل کا راستہ چھوڑ کر

طاقت اور ظلم کا سہارا لیتے ہیں اس جگہ پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہٹ دھرم اور بہانہ ساز کافر قوموں نے جب انبیاء کی متین و رسا منطق کہ جو گذشتہ آیات میں گزر چکی ہے سنی تو انہوں نے اپنے انبیاء سے کہا ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے مگر یہ کہ ہمارے دین بت پرستی کی طرف پلٹ آؤ۔

یہ جاہل مغرور گویا ساری زمین کو اپنی ملکیت سمجھتے تھے اور اپنے انبیاء کو ایک شہر کے حقوق ملنے کے بھی قائل نہیں تھے اسی لئے کہتے تھے: ہماری زمین حالانکہ خدا نے زمین اور اس کی تمام نعمتیں صالح اور نیک لوگوں کیلئے پیدا کی ہیں اور یہ خودسر جابر اور متکبر در حقیقت اس میں کوئی حق نہیں رکھتے چہ جائیکہ سب کچھ اپنا سمجھیں۔

قرآن مزید کہتا ہے کہ خداوند عالم ایسے مواقع پر پیغمبروں کی دلجوئی کرتا اور انہیں اطمینان دلاتا اور ان کی طرف وحی کرتا کہ میں یقیناً ظالموں کو ہلاک کروں گا۔ لہٰذا ان دھمکیوں سے ہرگز نہ ڈرو اور تمہارے آہنی ارادے کی راہ میں ذرہ بھر سستی بھی حائل نہیں ہونا چاہئے۔

ظالم منکرین چونکہ انبیاء کو اپنے علاقے سے جلاوطن کر دینے کی دھمکی دیتے تھے تو خدا تعالیٰ اس کے مقابلے میں ان سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم تمہیں اس علاقے میں ان کی نابودی اور تباہی کے بعد سکونت بخشیں گے لیکن یہ توفیق و کامیابی سب کو نصیب نہیں ہوتی یہ ان کیلئے جو میرے مقام سے ڈریں اور احساس ذمہ داری کریں اور اسی طرح انحراف ظلم اور گناہ پر ہونے والی تہدید عذاب سے ڈریں اور اسے سنجیدگی سے لیں۔

(۱۵) اور ایسے موقع پر کہ جب انتہا ہو گئی تھی اور وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی ذمہ داری انجام دے چکے تھے جنہیں ایمان لانا تھا لا چکے تھے اور باقی اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے تھے اور مسلسل انبیاء و رسل کو دھمکیاں دے رہے تھے تو انہوں نے خدا سے فتح و کامرانی کا تقاضا کیا تو خدا نے بھی اس سچے مجاہدین کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اس طرح سے کہ منحرف جابر ناامید زیاں کار اور نابود ہو گئے۔

(۱۶) زیرنظر دوسری دو آیات میں دوسرے جہان میں ان جباران عنید کے نتیجہ عمل پر انہیں ملنے والی سزاؤں کے بارے میں دو آیات میں پانچ چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ پانچ چیزیں یہ ہیں۔

1۔ اس ناامیدی اور خسران کے پیچھے یا ایسے شخص کے پیچھے جہنم اور جلانے والی آگ ہوگی۔

2۔ اس جلانے والی آگ میں جب وہ پیاسا ہوگا تو ہم اسے آبِ صدید پیلائیں گے۔

جیسا کہ علماء لغت نے کہا ہے صدید ایک طرح کی میل کچیل کو کہتے ہیں کہ جو چمڑے اور گوشت کے درمیان جمع ہوتی ہے۔ یہ گنہگار مجرم اور جبارِ عنید جب دیکھے گا کہ اسے پینے کے لئے اا ایسا پانی ملا ہے تو بڑی تکلیف کر کے مشکل سے گھونٹ گھونٹ پیئے گا اگر چہ اسے ہرگز پینا نہیں چاہے گا بلکہ ہم اس کے حلق میں یہ پانی ڈالیں گے۔

(۱۷) 3۔ یہ گنہگار، مجرم اور جبار عنید جب دیکھے گا کہ اسے پینے کے لئے ایسا پانی ملا ہے تو بڑی تکلیف اور مشکل سے اسے گھونٹ گھونٹ پیئے گا اگر چہ اسے ہرگز پینا نہیں چاہے گا'' بلکہ ہم اس کے حلق میں یہ پانی ڈالیں گے''

4۔اسے اس قدر عذاب تکلیف اور ناراحتی کا سامنا ہوگا کہ ہر طرف سے موت اس کی طرف آئے گی لیکن اسکے باوجود وہ مرے گانہیں تا کہ اپنے اعمال کا انجام بھگتے۔اگر چہ ظاہراًیوں لگتا ہے کہ جو کچھ عذاب بیان کیا گیا ہے اس سے بڑھ کر نہیں ہوگا لیکن قرآن مزید کہتا ہے اس کے پیچھے عذاب شدید ہے۔

اس طرح جس قدر شدید عذاب اور برا انجام فکر انسانی میں آ سکتا ہے حتیٰ کہ جو کچھ نہیں آ سکتا وہ ان خودغرض ظالموں اور بے ایمان وگنہگار جابروں کے انتظار میں ہے ان کا بستر آگ ہے ان کے پینے کیلئے متعفن اور نفرت آور پانی ہے اور ان کیلئے طرح طرح کا عذاب ہے اس کے باوجود وہ مریں گےنہیں بلکہ زندہ رہیں گے اور اس کا مزہ چکھیں گے۔

یہ ہرگز تصور نہیں کرنا چاہئے کہ اس قسم کی سزائیں غیر عادلانہ ہیں کیونکہ جیسا کہ ہم نے بار ہا کہا ہے کہ یہ سب کچھ انسانوں کے اعمال کا نتیجہ اور طبعی اثر ہے بلکہ ان کے کام اس طرح دوسرے گھر میں مجسم ہوتے ہیں کہ یہاں عمل اپنی مناسب شکل میں مجسم ہوگا۔

(۱۸) مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ	جنہوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا ان لوگوں کے اعمال خاکستر کی مانند ہیں کہ جنہیں ایک طوفانی دن میں تیز آندھی کا سامنا کرنا پڑے تو ان میں یہ طاقت نہیں کہ جو کچھ انہوں نے انجام دیا ہے اسے اپنے ہاتھ میں لیں اور یہ بہت دور کی گمراہی ہے۔

تفسیر

تیز آندھی اور خاکستر

اس آیت میں بے ایمان افراد کے اعمال کیلئے بہت رسا اور نہایت عمدہ مثال بیان کی گئی ہے یہ آیت کفار کے انجام کے بارے میں گزشتہ آیات کی بحث کو مکمل کرتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے جنہوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا ان کے اعمال اس خاکستر کی مانند ہیں جسے ایک طوفانی رو تیز آندھی کا سامنا کرنا پڑے۔

جیسے ایک طوفانی رو تیز آندھی کے سامنے راکھ اس طرح بکھر جاتی ہے کہ کوئی شخص اسے جمع نہیں کر سکتا اسی طرح منکرین حق کے بس میں نہیں کہ جو اعمال وہ انجام دے چکے ہیں انہیں اپنے ہاتھ میں لے سکیں۔وہ سب تباہ و برباد ہو جائیں گے اور ان کے ہاتھ خالی رہ جائیں گے۔اور یہ بہت دور کی گمراہی ہے۔

(۱۹)اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۙ	کیا تو نے دیکھا نہیں کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق کو لے آئے۔
(۲۰) وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ	اور یہ کام خدا کے لئے مشکل نہیں ہے۔

تفسیر

گزشتہ آیت میں باطل کا ذکر ہے وہ باطل کہ جو خاکستر کی طرح ہے۔ وہ خاکستر کو جو پراگندہ ہے اور آندھی چلنے سے ادھر ادھر بکھر جاتی ہے زیرنظر پہلی آیت میں حق کے بارے میں گفتگو ہے۔ یہ حق کے استقرار سے متعلق ہے۔

روئے سخن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے دنیا کے تمام طالبان حق کیلئے نمونے کے طور پر فرمایا گیا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

بہرحال حق کے مقابل باطل ضلال لعب بیہودہ اور اس قسم کے دیگر کام ہیں لیکن زیر بحث آیت میں بلاشبہ اس پہلے معنیٰ کی طرف اشارہ ہے یعنی عالم آفرینش کی عمارت اور آسمان وزمین سب نشاندہی کرتے ہیں کہ ان کی خلقت میں نظم ونسق حساب وکتاب اور حکمت وہدف ہے خدا کو انہیں خلق کرنے کی احتیاج تھی نہ اسے تنہائی سے وحشت ہوتی تھی اور نہ ان سے وہ اپنی ذات کی کسی کمی کو دور کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے بلکہ یہ وسیع وعریض جہان مخلوقات کی پرورش اور انہیں زیادہ سے زیادہ تکامل وارتقاء بخشنے کی منزل ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے اس بات کی دلیل کہ اسے تمہاری اور تمہارے ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے یہ ہے کہ اگر وہ ارادہ کرے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ کوئی نئی مخلوق لے آئے اور ایسی مخلوق کہ جو ساری کی ساری ایمان رکھتی ہو اور تمہارے غلط کاموں میں سے کسی کو انجام نہ دے۔

(۲۰) زیرنظر دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کام خدا کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ یقیناً خداوند قدوس کے لئے کوئی کام بھی مشکل نہیں ہے وہ تو صرف ارادہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔

(۲۱) وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ	اور (قیامت کے روز) وہ سب خدا کے سامنے ظاہر ہونگے تو اس وقت ضعفاء (نادان پیروکار) مستکبرین سے کہیں گے ہم تمہارے پیروکار تھے۔ تو کیا تم تیار ہو کہ عذاب الٰہی کا کچھ حصہ قبول کرو اور ہم سے اس کا بوجھ اٹھا لو؟

قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۠	تو وہ کہیں گے کہ اگر خدا نے (عذاب سے رہائی کی طرف) ہماری ہدایت کی ہوتی تو ہم بھی تمہیں ہدایت کرتے (معاملہ اس سے آگے نکل گیا ہے) چاہے ہم بے قرار ہوں یا صبر کریں ہمارے لئے کوئی نجات کی راہ موجود نہیں ہے۔
(۲۲) وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَ مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	اور جس وقت (حساب و کتاب کا) کام تمام ہو گیا تو شیطان (اپنے پیروکاروں سے) کہے گا کہ خدا نے تم سے حق وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے (باطل) وعدہ کیا تھا اور میں نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی۔ میں تم پر کوئی تسلط نہیں رکھتا تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے (اپنی مرضی سے) قبول کر لی۔ لہٰذا مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ کو سرزنش کرو نہ میں تمہارا فریادرس ہوں نہ تم میرے فریادرس ہو۔ تم نے جو مجھے (خدا کا) شریک بنایا (اور تم پہلے ہی سے کرتے تھے) میں اس سے بیزار ہوں اور میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ یقیناً ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے۔
(۲۳) وَ اُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ	اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ باغات بہشت میں داخل ہوں گے ایسے باغات کہ جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ اپنے پروردگار کے اذن سے ہمیشہ ان میں رہیں گے اور وہاں ان کا تحیہ سلام ہوگا۔

تفسیر

شیطان اور اس کے پیروکاروں کی صریح گفتگو

گزشتہ چند آیات میں ہٹ دھرم اور بے ایمان منحرفین کیلئے دردناک عذاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے زیر بحث آیات

اسی مفہوم کا تسلسل ہیں۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے روز قیامت تمام جابر ظالم اور کافر بارگاہ خداوندی میں پیش ہوں گے چاہے وہ تابع ہوں یا متبوع اور پیرو ہوں یا پیشوا۔

اس وقت ضعفاء یعنی نادان پیروکار کہ جو اندھی تقلید کی وجہ سے اپنے آپ کو وادی ضلالت میں سرگرداں کر چکے تھے مستکبرین سے کہ جو ان کی گمراہی کے عامل تھے کہیں گے ہم تمہارے پیروکار تھے۔ اب جب کہ ہم تمہاری رہبری کے باعث ان سب عذابوں اور بلاؤں میں گرفتار ہوئے ہیں کیا ممکن ہے کہ تم بھی ان عذابوں کا کچھ حصہ قبول کرلو تا کہ ہمیں تخفیف مل جائے۔

لیکن وہ کہیں گے اس کیفر کردار اور عذاب سے اگر خدا ہماری ہدایت نجات کی طرف کرتا تو ہم بھی تمہاری رہنمائی کرتے۔

لیکن افسوس کہ معاملہ اس سے آگے نکل چکا ہے چاہے ہم بے قرار ہوں اور جزع فزع کریں چاہے صبر کریں ہمارے لئے کوئی راہ نجات نہیں ہے۔

(۲۲) اس آیت میں جابروں گنہگاروں اور شیطان کے پیروکاروں کی روز قیامت روحانی اور نفسیاتی عذاب اور سزا کا منظر پیش کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے اور جب صالح اور غیر صالح بندوں کا حساب کتاب ختم ہو جائے گا اور ہر ایک اپنے قطعی انجام کو پہنچ جائے گا تو شیطان اپنے پیروکاروں سے کہے گا کہ خدا نے تم سے حق وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا جیسا کہ تم خود جانتے ہو وہ فضول اور بے قیمت وعدہ تھا پھر میں نے اپنے وعدے کے خلاف کیا گویا اس طرح شیطان بھی دیگر راہ ضلالت کے رہبر مستکرین کا ہم آواز ہوتا ہے اور اپنے ان بدبخت پیروکاروں پر اپنی ملامت و سرزنش کے تیر چلاتا ہے پھر مزید کہتا ہے میں تم پر کوئی جبری طور پر مسلط نہ تھا بات صرف یہ تھی کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے اپنی مرضی سے اسے قبول کیا۔ لہٰذا مجھے سرزنش نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو کہ تم نے میری شیطنت آمیز اور ظاہر الفسا دعوت کو کیوں قبول کیا تم نے خود یہ کام کیا ہے لہٰذا لعنت تم پر ہو۔

بہر حال پروردگار کے قطعی حکم اور عذاب کے سامنے نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں نہ تم میرے فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ تمہاری طرف سے مجھے شریک قرار دینے اور میری اطاعت کو اطاعت الٰہی کے ہم پلہ قرار دینے سے میں بیزار ہوں اور میں اس کا انکار کرتا ہوں۔

اب میں سمجھا ہوں کہ اسی اطاعت میں شرک کرنے نے مجھے بھی بدبخت کیا ہے اور تمہیں بھی وہی بدبختی اور بے چارگی کہ جس کی تلافی کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے جان لو کہ ظالموں کیلئے یقیناً دردناک عذاب ہے۔

(۲۳) زیر بحث آخری آیت میں سرکش و بے ایمان جابر افراد کی حالت اور ان کا دردناک انجام بیان کرنے کے بعد مومنین کی حالت اور ان کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور جو ایمان لائے اور اعمالِ صالح انجام دیئے وہ باغاتِ بہشت میں داخل ہوں گے وہ باغات کہ جن کے درختوں کے نیچے پانی کی نہریں جاری ہیں۔ وہ اپنے پروردگار کے اذن سے ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے۔ اور وہاں ان کا تحیہ سلام ہے۔

(۲۴) اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ	کیا تو نے دیکھا نہیں کہ کس طرح اللہ نے کلمہ طیبہ (اور گفتار پاکیزہ) کو پاکیزہ درخت سے تشبیہ دی ہے کہ جس کی جڑ (زمین میں) ثابت ہے اور جس کی شاخ آسمان ہے۔
(۲۵) تُؤۡتِىۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍۢ بِاِذۡنِ رَبِّهَا ؕ وَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ	وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل دیتا ہے اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے کہ شاید وہ نصیحت حاصل کریں۔
(۲۶) وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيۡثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيۡثَةِ اۨجۡتُثَّتۡ مِنۡ فَوۡقِ الۡاَرۡضِ مَا لَهَا مِنۡ قَرَارٍ	اور (رہی) کلمہ خبیثہ کی مثال تو وہ خبیث اور ناپاک درخت کی مانند ہے جو زمین سے اکھڑ چکا ہے اور اس کیلئے قرار ثبات نہیں ہے۔
(۲۷) يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيۡنَ ۙ وَ يَفۡعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ	جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ انہیں ان کی گفتار اور اعتقاد کے ثبات کی وجہ سے ثابت قدم رکھے گا اس جہاں میں بھی اور آخرت میں بھی نیز اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے (اور ان سے اپنا لطف و کرم چھین لیتا ہے) اور خدا جو کام چاہے اور (قرین مصلحت سمجھے) انجام دیتا ہے۔

تفسیر

شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ

یہاں حق و باطل ایمان و کفر اور طیب و خبیث کو ایک نہایت عمیق اور پر معنی مثال کے ذریعے مجسم کر کے بیان کیا گیا ہے یہ آیات اس سلسلے کی گزشتہ آیات کی بحث کو مکمل کرتی ہیں۔

پہلے فرمایا گیا ہے کیا تو نے دیکھا نہیں کہ خدا نے کس طرح پاکیزہ کلام کیلئے مثال دی ہے اور اسے طیب و پاکیزہ درخت سے تشبیہ دی ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم قرآن میں موجود اس شجرۂ طیبہ کی خصوصیات کا مطالعہ کریں ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کلمہ طیبہ سے کیا مراد ہے۔

بعض مفسرین نے اس کو کلمہ توحید اور جملہ ''لا الہ الا اللہ'' سے تفسیر کی ہے جب کہ بعض دوسرے اسے اوامر اور فرامین الہی کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔ بعض اسے ایمان سمجھتے ہیں جو ''لا الہ الا اللہ'' کا معنیٰ و مفہوم ہے بعض دوسروں نے اس کی مومن سے تفسیر کی ہے

اور بعض نے اس کا مفہوم اصلاحی وتربیتی روش اور لائحہ عمل بیان کیا ہے۔

لیکن کلمہ طیبہ کے مفہوم ومعنی کی وسعت کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اس میں یہ تمام تفاسیر شامل ہیں کیونکہ لفظ کلمہ کے وسیع معنی میں تمام موجودات شامل ہیں اسی بناء پر مخلوقات کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔

نیز طیب ہر قسم کی پاک و پاکیزہ چیز کو کہتے ہیں۔

نتیجہ کلام یہ ہے کہ اس مثال کے مفہوم میں ہر پاک سنت حکم پروگرام روش، عمل، انسان شامل ہیں ہے مختصر یہ کہ ہر پاک و بابرکت موجود کلمہ طیبہ ہے اور یہ سب ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہیں کہ جس کی یہ خصوصیات ہیں۔

1۔ وہ موجود کہ جو نشوونما کا حامل ہے نہ کہ بے روح جامد اور بے حرکت ہے بڑھنے اور پھلنے پھولنے والا ہے دوسروں کی اور اپنی پرورش واصلاح کرنے والا ہے لفظ شجرہ اس حقیقت کو بیان کرتا ہے۔

2۔ یہ درخت پاک اور طیب ہے لیکن کس لحاظ سے اس سلسلے میں کسی خاص پہلو کی نشاندہی نہیں کی گئی لہٰذا اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ہر پہلو سے پاکیزہ ہے اس کا پھل پاکیزہ ہے اس کے شگوفے اور پھول پاکیزہ ہیں اسکا سایہ پاکیزہ ہے اور اس سے خارج ہونے والی گیس پاکیزہ ہے۔

3۔ یہ درخت ایک منظّم نظام کا حامل ہے اس کی جڑ اور اس کی شاخوں میں سے ہر ایک کی اپنی ذمہ داری ہے اصولی طور پر اس میں جڑ اور شاخ کا وجود اس میں موجود منظّم نظام کی دلیل ہے۔

4۔ اس کی جڑ اور ریشہ ثابت ومستحکم ہے اس طرح سے کہ طوفان اور تندوتیز آندھیاں اسے اس کی جگہ سے اکھاڑ نہیں سکتیں اس میں ایسی توانائی ہے کہ اس کی آسمان سے باتیں کرتی ہوئی شاخیں سورج کی کرنوں کے نیچے اور آزاد ہوا میں محفوظ ہیں کیونکہ جو شاخ جتنی اونچی ہو اسے اتنی ہی قوی تر جڑ کی ضرورت ہے۔

5۔ اس شجرہ طیبہ کی شاخیں کسی پست اور محدود ماحول میں نہیں ہیں بلکہ وہ آسمان کی بلندیوں میں ہیں۔ یہ شاخیں ہوا کا سینہ چیر کر بلندی پر جا پہنچی ہیں۔ جی ہاں اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔

واضح ہے کہ شاخیں جس قدر بلند ہوں گی زمین کے گردوغبار سے اتنی ہی دور ہوں گی اور ان کے پھل اتنے ہی زیادہ پاکیزہ ہوں گے اور ایسی شاخیں سورج کی کرنوں اور پاکیزہ ہوا سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گی اور ان کا اثر طیب پھلوں پر بہتر ہوگا۔

(۲۵) 6۔ یہ شجرہ طیبہ.......... پھلوں سے لدا ہوا ہے یہ ان درختوں کی مانند نہیں کہ جو بے ثمر ہوتے ہیں یہ درخت اپنا پھل دیتا ہے۔

7۔ اور یہ ایسا درخت ہے جو ایک یا دو فصلوں میں پھل نہیں دیتا بلکہ ہر ہر موسم میں اس پر پھل لدے ہوتے ہیں تو جو بھی اس کی طرف ہاتھ بڑھائے محروم نہیں لوٹے گا۔

8۔ اس کا یہ پھل کسی پروگرام کے بغیر نہیں بلکہ قوانینِ فطرت کے مطابق سنتِ الٰہی کے تحت اور اپنے پروردگار کے اذن سے

ہے اور سب کے لئے عام ہے۔

پروردگار کے ان کلمات طیبہ............عظیم و باایمان جوانمردوں کی............زندگی برکت کا باعث ہے اور ان کی موت حرکت کا سبب ہے ان کے آثار ان کے کلمات ان کی باتیں ان کے شاگرد ان کی کتابیں ان کی پرافتخار تاریخ حتیٰ کہ ان کی خاموش قبریں سب کی سب الہام بخش سرچشمہ ہدایت انسان ساز اور تربیت کنندہ ہیں۔

جی ہاں! خدا اس طرح سے لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے کہ شاید وہ سمجھ جائیں۔

(۲۶) مسائل سمجھنے اور افہام و تفہیم کا بہترین طریقہ کیونکہ موازنہ ہے لہٰذا شجرۂ طیبہ کے ذکر کے بعد بلا فاصلہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے رہی مثال کلمہ خبیثہ کی تو وہ خبیث ناپاک اور بے ریشہ درخت کی مانند ہے کہ جو زمین سے اکھڑ چکا ہے اور طوفان آتے ہی تو روزانہ کسی اور کونے میں جا گرتا ہے اور اسے قرار و ثابت میسر نہیں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ شجرہ طیبہ کی تعریف میں قرآن تفصیل سے بات کرتا ہے لیکن جب شجرہ خبیثہ کے ذکر کا موقع آتا ہے تو ایک مختصر سا جملہ کہہ کر گزر جاتا ہے صرف اتنا کہتا ہے

"اجتثت من فو ق الارض ما لھا من قرار"

یہ زمین سے اکھڑا ہوا ہے اور اسے ثبات وقرار نہیں ہے

کیونکہ جس وقت یہ ثابت ہو گیا کہ یہ درخت جڑ کے بغیر ہے تو پھر شاخ و برگ اور پھل پھول کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں یہ ایک طرح کی لطافت بیاں ہے کہ انسان محبوب کا ذکر کرتا ہے تو اس کی تمام خصوصیات بیان کرتا ہے لیکن جب مبغوض کے ذکر کا موقع آتا ہے تو بس ایک نفرت انگیز جملہ کہہ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

(۲۷) زیرنظر آخری آیت میں پہلے ارشاد ہوتا ہے ایمان لانے والوں کو خدا ان کی ثابت و پائیدار گفتار و اعتقاد کے سبب ثابت قدم رکھتا ہے اس جہان میں بھی اور اس جہان میں بھی۔ کیونکہ ان کا ایمان سطحی اور متزلزل نہیں ہوتا اور نہ ان کی شخصیت کھوکھلی اور متلون ہوتی ہے بلکہ وہ ایک شجرۂ طیبہ ہیں کہ جس کی جڑیں ثابت و پائیدار ہیں اور جس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہیں اور کیونکہ کوئی شخص لطف خدا سے بے نیاز نہیں دوسرے لفظوں میں ہر نعمت بالآخر اس کی ذات پاک کی طرف لوٹتی ہے لہٰذا یہ سچے ثابت قدم مومنین لطف خدا کے بھروسے پر ہر حادثے کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح استقامت دکھاتے ہیں لغزش کہ جس سے زندگی میں بچا نہیں جا سکتا ان کے راستے میں آتی ہے تو خدا ان کی حفاظت کرتا ہے۔ شیاطین ہر طرف سے انہیں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس دنیا کی زرق برق چیزوں کے ذریعے انہیں پھسلانے کی سعی کرتے ہیں مگر ان کا خدا انہیں محفوظ رکھتا ہے جہنمی طاقتیں اور سنگدل ظالم انہیں طرح طرح کی دھمکیوں کے ذریعے جھکانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں ثباتِ قدم عطا کرتا ہے کیونکہ ان کی جڑ اور بنیاد ثبات و مستحکم ہوتی ہے۔

پھر ان کے مقابل افراد کے بارے میں فرمایا گیا ہے اور خدا ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو کچھ چاہتا ہے انجام دیتا ہے۔

ہم نے بارہا کہا ہے کہ جہاں جہاں بھی ہدایت وضلالت کی نسبت خدا کی طرف دی جاتی ہے اس کیلئے پہلے انسان خود قدم اٹھاتا ہے خدا کا کام تو تاثیر پیدا کرنا ہے جو اس نے ہر عمل میں کی ہے نیز خدا کا کام نعمتیں عطا کرنا اور انہیں سلب کرنا ہے اور ایسا وہ اہلیت اور عدم اہلیت کی بناء پر کرتا ہے (غور کیجئے گا)

(۲۸) اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَہُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ۙ	کیا تو نے (انہیں) نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کی نعمت کو ناشکری میں بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے کی طرف کھینچ لے گئے؟
(۲۹) جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلَوۡنَہَا ؕ وَ بِئۡسَ الۡقَرَارُ	(دارالبوار وہی) جہنم ہے کہ جس کی آگ میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔
(۳۰) وَ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا لِّیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِیۡرَکُمۡ اِلَی النَّارِ	انہوں نے خدا کے ہمسر قرار دیئے تا کہ (لوگوں کو) اس کی راہ سے (منحرف اور) گمراہ کریں ان سے کہہ دو (کہ چند دن) دنیا کی زندگی (اور اس کی لذتوں) سے فائدہ اٹھا لو مگر بالآخر تمہیں (جہنم کی) آگ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تفسیر

کفران نعمت کا انجام

ان آیات میں روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے تو دراصل ان میں شجرہ خبیثہ کے ایک موقع کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے نعمت خدا کو کفران میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور بالآخر انہوں نے اپنی قوم کو دارالبوار اور ہلاکت کے گڑھے کی طرف دھکیل دیا۔ یہ وہی شجرہ خبیثہ کی جڑیں اور کفر وانحراف کے رہبر ہیں جن کے دامن میں نعمتیں تھیں مثلاً وجود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سی نعمت کہ جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہ تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ ان سے استفادہ کرتے اور شب بھر میں سو سال کی مسافت طے کر لیتے لیکن اندھے تعصب ہٹ دھرمی اور خود غرضی اور خود پسندی کے سبب وہ اس عظیم ترین نعمت سے استفادہ نہ کر سکے۔ وہ نہ فقط خود کفران نعمت کے مرتکب ہوئے بلکہ اپنی قوم کو بھی وسوسہ میں مبتلا کیا اور ہلاکت و بدبختی کی انہیں سوغات دی۔

بزرگ مفسرین نے منابع اسلامی میں آنے والی روایات کے پیش نظر کبھی اس نعمت کو وجود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا ہے کبھی آئمہ

اہل بیت علیہم السلام اور کفران نعمت کرنے والے کبھی بنوامیہ قرار دیئے ہیں کبھی بنی مغیرہ اور کبھی زمانہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب کفار لیکن آیت کا مفہوم یقیناً وسیع ہے اور یہ کسی معین گروہ کیلئے مختص نہیں ہے اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو خدا کی کسی نعمت کا کفران کریں۔

(۲۹) اس کے بعد قرآن دارالبوار کی تفسیر کرتا ہے یہ جہنم ہے کہ وہ جس کے جلا ڈالنے والے شعلوں میں جا گریں گے اور یہ بدترین ٹھکانا ہے۔

آخری آیت میں کفران نعمت کی ایک بدترین قسم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس کے وہ مرتکب ہوتے تھے ارشاد ہوتا ہے انہوں نے خدا کیلئے شریک قرار دیئے تا کہ اس طریقے سے لوگوں کو اس کی راہ سے گمراہ کریں۔

شرک وکفر اختیار کر کے اور لوگوں کو دین وطریق حق سے منحرف کر کے وہ لوگوں پر چندروزہ مادی اقتدار حاصل کرتے ہیں۔

اے رسول! ان سے کہو اس ناپائیدار اور بے وقعت مادی زندگی سے فائدہ اٹھا لو لیکن یہ جان لو کہ تمہارا انجام کار آگ ہے۔

نہ تمہاری یہ زندگی کوئی زندگی ہے بلکہ بدبختی ہے اور نہ تمہارا یہ اقتدار کوئی حیثیت رکھتا ہے بلکہ تباہ کاری اور مصیبت ہے۔

(۳۱) قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَ لَا خِلٰلٌ	میرے ان بندوں سے کہہ دو کہ جو ایمان لائے ہیں کہ نماز قائم کریں اور ہم نے جو انہیں روزی دی ہے اس میں سے پنہاں و آشکار انفاق کریں اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے کہ جس میں خرید وفروخت ہے نہ دوستی۔
(۳۲) اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْھٰرَ ۚ	اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمان سے پانی نازل فرمایا اس کے ذریعے تمہارے رزق کے طور پر پھل اگائے ہیں اور کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے تا کہ وہ اس کے حکم سے صفحہ دریا پر چلے اور نہریں بھی تمہارے لئے مسخر کی ہیں۔
(۳۳) وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّھَارَ	اور (خدانے) منظّم لائحہ عمل کے ماتحت کام کرنے والے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے۔ اور رات اور دن کو (بھی) تمہارے لئے مسخر کیا ہے۔

(۳۴)وَاٰتٰکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡہُ ؕ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ کَفَّارٌ	اورتم نے جس چیز کا اس سے تقاضا کیا تھا وہ اس نے تمہیں دے دی اور نعمات الٰہی کا شمار کرنے لگو تو ہرگز شمار نہیں کرسکو گے انسان ظالم اور کفران کرنے والا ہے۔

تفسیر

قرآن کی نگاہ میں انسان کی عظمت

گزشتہ آیات میں مشرکین اوران لوگوں کے طرز عمل کے بارے میں گفتگو تھی کہ جنہوں نے نعمات الٰہی کا کفران کیا اور آخرکار دارالبوار کی طرف کھینچے گئے زیرنظر آیات میں خدا کے سچے بندوں کا ذکر ہے اوراللہ کی بندوں پر نازل ہونے والی غیرمتناہی نعمات کے بارے میں بات کی گئی ہے۔

پہلے فرمایا گیاہے میرے ان بندوں کو جوایمان لائے ہیں کہہ دو کہ نماز قائم کریں اور ہم نے انہیں جورزق دیا ہے اس میں سے پنہاں وآشکار خرچ کریں۔اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے کہ جس میں نہ خریدوفروخت ہے کہ اس طرح عذاب سے نجات کیلئے راہ سعادت خرید سکیں اورنہ وہاں کسی کی دوستی کام آئے گی۔

زیرنظر دوسری آیت میں معرفت خدا کیلئے اس کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے ایسی معرفت کہ جس سے دلوں میں اس کا عشق زندہ ہوجائے نیز انسان کواس کی عظمت اوراس کے لطف کے حوالے سے اس کی تعظیم پر ابھارا گیا ہے کیونکہ یہ ایک فطری امر ہے کہ مدد اورلطف ورحمت کرنے والے سے انسان کے دل میں لگاؤ اور محبت پیدا ہوتی ہے یہی بات چندایک آیات میں یہاں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

خداوہی ہے جس نے آسمانوں اورزمین کو پیدا کیا ہےاوراس نے آسمان سے پانی نازل کیا جس کے ذریعے تمہاری روزی کیلئے مختلف ثمرات پیدا ہوتے ہیں اوراس نے تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا اس کی ساخت کے مواد کے لحاظ سے بھی کہ جسے طبعیت مادہ سے پیدا کیا اور سمندروں پر منظّم ہواؤں کی صورت میں اس کی قوت محرکہ کے لحاظ سے بھی تاکہ یہ کشتیاں اس کے حکم سے سطح سمندر پر چلیں اور پانی کا سینہ چیر کر ساحل مقصود کی طرف بڑھیں اورانسانوں اوران کے وسائل ایک سے دوسری جگہ کی طرف آسانی سے اٹھا لے جائیں۔

اسی طرح نہریں بھی تمہارے لئے مسخر کردی گئیں تاکہ ان کے حیات بخش پانی سے تم اپنی فصلوں کی آبیاری کرواورتم خوداور تمہارے مویشی اس سے سیراب ہوں نیز اکثر اوقات کیلئے سطح آب کو ہموار رکھا گیا ہے تاکہ چھوٹی بڑی کشتیاں اس میں آمدورفت کر سکیں نیز یہ نہریں مسخر کی گئی ہیں تاکہ تم ان کی مچھلیوں بلکہ یہاں تک کہ ان کی گہرائیوں میں موجود اصداف سے استفادہ کرسکو۔

نہ صرف زمینی موجودات کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے بلکہ سورج اور چاند کو جو ہمیشہ مصروف کار ہیں انہیں تمہارے فرمان کے

زیر گردش قرار دے دیا ہے۔

(۳۳) نہ صرف اس جہان کے موجودات کو تمہارے زیر فرمان کر دیا گیا ہے بلکہ ان کے عارضی حالات کو بھی تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے جیسا کہ رات اور دن کو تمہارے لئے مسخر کیا گیا ہے۔

(۳۴) اور تم نے جس چیز کا اس سے تقاضا کیا اور فرد اور معاشرے کی روح اور بدن کیلئے تمہیں جس چیز کی احتیاج ہوئی یا اپنی سعادت کیلئے تمہیں جس چیز کی ضرورت پڑی وہ سب کچھ اس نے تمہارے اختیار میں دے دیا۔

اور اس طرح سے اگر تم خدائی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہ کر سکو گے کیونکہ پروردگار کی مادی اور روحانی نعمتوں نے تمہارے وجود اور محیط زندگی کو اس طرح سے گھیر رکھا ہے کہ ان کا شمار ممکن نہیں اور جن خدائی نعمتوں کو تم جانتے ہو وہ ان کے مقابلے میں جنہیں تم نہیں جانتے دریا کے مقابلے میں قطرے کی مانند ہیں لیکن خدا کے اس تمام لطف و رحمت کے باوجود یہ انسان ظالم ہے اور کفران نعمت کرنے والا ہے۔

انسان کو ایسی نعمتیں عطا کی گئی ہیں کہ اگر وہ ان سے صحیح طریقے سے استفادہ کرتا تو سارے جہان کو گلستان بنا دیتا اور مدینہ فاضلہ کی تشکیل کا خواب پورا ہو جاتا لیکن سوئے استفادہ ظلم و ستم اور کفران نعمت کے سبب وہ اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اس کی زندگی کا افق تاریک ہو گیا شہد حیات اس کے دھن میں جان گداز زہر بن چکا ہے اور طاقت فرسا مشکلات نے طوق و زنجیر بن کے اسے جکڑ رکھا ہے۔

۳۵) وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؕ	وہ وقت (یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا پروردگارا! اس شہر (مکہ) کو شہر امن قرار دے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے دور رکھ۔
۳۶) رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	پروردگارا! انہوں (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے پس جو شخص میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔
(۳۷) رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ	پروردگارا! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے گھر کے پاس کہ جو تیرا حرم ہے، بے آب و گیاہ سرزمین میں ٹھہرایا ہے تاکہ نماز قائم کریں تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف موڑ دے اور انہیں ثمرات میں سے رزق عطا فرما، شاید وہ تیرا شکر بجا لائیں۔

(۳۸) رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ وَ مَا نُعۡلِنُ ؕ وَ مَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ	پروردگارا! جو کچھ ہم چھپاتے ہیں یا ظاہر کرتے ہیں تو اسے جانتا ہے۔ اور زمین و آسمان میں کوئی چیز اللہ پر مخفی نہیں ہے۔
(۳۹) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَ ھَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ	حمد ہے اس اللہ کی جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل واسحاق عطا کئے یقیناً میرا خدا دعا سنتا ہے (اور قبول فرماتا ہے)۔
(۴۰) رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ	خدایا! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی ایسا ہی کر۔ پروردگارا! (ہماری) دعا قبول فرما۔
(۴۱) رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ؑ	پروردگارا! مجھے میرے ماں باپ کو اور تمام مومنین کو اس روز بخش دے جب حساب قائم ہوگا۔

تفسیر

ابراہیم علیہ السلام بت شکن کی اصلاحی دعائیں

گزشتہ آیات میں سچے مومنین اور نعمات الٰہی کا شکر ادا کرنے والوں کے بارے میں گفتگو تھی زیر بحث آیات میں راہ خدا میں استقامت دکھانے والے اور اس کے عبد شاکر ابراہیم علیہ السلام کی کچھ دعائیں بیان کی گئی ہیں تاکہ گزشتہ تمام بحثوں کی تکمیل ہو جائے اور یہ امر خدائی نعمتوں سے بہترین فائدہ اٹھانے کی خواہش رکھنے والوں کے لئے نمونہ بن جائے۔

پہلے فرمایا گیا ہے وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا پروردگارا! اس شہر مکہ کو سرزمین امن و امان قرار دے۔ اور مجھ پر اور میرے بیٹے پر اپنا لطف و عنایت فرما اور بتوں کی پرستش سے دور رکھ۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ بت پرستی کتنی بڑی مصیبت اور گھروں کو ویران کرنے والی ہے اور میں نے اپنی آنکھوں سے اس راستے میں برباد ہونے والوں کو دیکھا ہے۔

(۳۶) پروردگارا! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے گمراہی بھی کیسی خطرناک کہ جس میں وہ اپنی عقل و خرد تک گنوا بیٹھے ہیں۔

میرے اللہ میں تیری توحید کی دعوت دیتا ہوں اور سب کو تیری طرف پکارتا اور بلاتا ہوں۔ جو شخص میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے اگر وہ قابل ہدایت و بخشش ہے تو اسکے بارے میں محبت و احسان فرما کیونکہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

دراصل ان الفاظ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر میری اولاد بھی راہ توحید سے منحرف ہو جائے اور بت پرستی کی طرف متوجہ ہو جائے تو وہ مجھ سے نہیں ہے اور اگر غیر اس راستے پر گامزن ہو جائیں تو وہ میرے بیٹوں

اور بھائیوں کی مانند ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مودبانہ اور انتہائی محبت آمیز تعبیر اس لحاظ سے بھی قابل توجہ ہے کہ یہ نہیں کہتے کہ جو شخص میری نافرمانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے اور اسے اس طرح یا اس طرح سزا دے بلکہ کہتے ہیں جو شخص میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(۳۷) پھر اپنی دعا اور درخواست جاری رکھتے ہیں پروردگارا! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے گھر کے پاس کہ جو تیرا حرم ہے بے آب و گیاہ سرزمین میں ٹھہرایا تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب خدا نے انہیں ان کی کنیز ہاجرہ سے فرزند عطا کیا جس کا نام انہوں نے اسماعیل رکھا۔اس پر انکی پہلی بیوی سارہ کے دل میں حسد پیدا ہو گیا۔وہ ہاجرہ اور ان کے بیٹے کی موجودگی برداشت نہ کر سکی۔اس نے ابراہیم علیہ السلام سے تقاضا کیا کہ اس ماں بیٹے کو کہیں اور لے جائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمان خدا پر یہ بات مان لی اور اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو لے کر سرزمین مکہ میں چلے آئے ان دنوں یہ علاقہ بالکل خشک بنجر اور ویران تھا آپ علیہ السلام نے انہیں وہاں ٹھہرایا اور خدا حافظ کہہ کر چلے آئے۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس گرم اور تپتی ہوئی زمین پر ماں اور بیٹے کو پیاس لگی۔ہاجرہ نے اپنے ننھے سے بچے کی جان بچانے کی بہت کوشش کی۔دوسری طرف خدا کا ارادہ تھا کہ یہ سرزمین ایک عظیم مرکز عبادت ہے اس موقع پر زمزم کا چشمہ جاری ہو گیا تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ صحرا نورد قبیلہ جرہم وہاں سے گزرا اسے سارے ماجرے کا پتہ چلا اس نے وہیں پڑاؤ ڈال لیا اور مکہ آہستہ آہستہ ایک آبادی کی شکل اختیار کرنے لگا۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا کو اس طرح سے جاری رکھا اب جبکہ وہ تیرے عظیم گھر کے احترام میں اس جلا ڈالنے والے بیابان میں سکونت پذیر ہو گئے ہیں تو تو کچھ لوگوں کا دل ان کی طرف موڑ دے اور ان کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دے۔اور انہیں طرح طرح کے مادی و معنوی ثمرات سے بہرہ مند کر دے شاید وہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

ایک موحد اور آگاہ انسان جانتا ہے کہ علم الٰہی کے مقابلے میں اس کا علم محدود ہے اور اس کے مصالح کو صرف خدا جانتا ہے اکثر وہ خدا سے ایسی چیزوں کا تقاضا کرتا ہے جو اس کیلئے قرین مصلحت نہیں ہوتیں اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ جن میں اس کی مصلحت ہے لیکن وہ ان کیلئے درخواست نہیں کرتا اور کبھی اس کے دل کی آرزوئیں ہوتی ہیں کہ جن سب کو وہ زبان پر نہیں لا سکتا لہٰذا مذکورہ دعاؤں اور تقاضوں کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں عرض کرتے ہیں پروردگارا! تو ان سب چیزوں سے اچھی طرح آگاہ ہے جنہیں ہم چھپاتے ہیں یا آشکار کرتے ہیں اور زمین و آسمان میں کوئی چیز خدا سے مخفی نہیں ہے۔

اگر میں اپنے بیٹے اور بیوی کی فراق میں غمگین ہوں تو تو جانتا ہے اور اگر آشکار بھی میری آنکھ سے آنسو چھلکتے ہیں تو تو انہیں دیکھتا ہے اور اگر غم فراق میرے دل پر چھایا ہوا ہے تو بھی تو جانتا ہے اور تیرے حکم کی اطاعت سے میرا دل ساتھ ساتھ مطمئن بھی ہے کہ تجھے خبر ہے۔

اور اگر وقت جدائی میری بیوی مجھ سے کہتی ہے: الی من تکلنی ؟ (مجھے کس کے سہارے چھوڑے جاتے ہو؟)

تو اس سے بھی تو آگاہ ہے۔

تو ان سب چیزوں سے آگاہ ہے اس سرزمین اور ان کا مستقبل ایک دوسرے سے مضبوطی سے بندھا ہوا ہے یہ سب تیری بار گاہ علم میں روشن ہے۔

(۳۹) اس کے بعد نعمات پروردگار کے شکر کی طرف اشارہ ہے ان میں سے اہم ترین یہ تھی کہ پروردگار نے عالم پیری میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو آبرومند بیٹے اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق عطا فرمائے تھے۔ بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے ہیں حمد و سپاس ہے اس اللہ کیلئے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحٰق بخشے۔

جی ہاں! یقیناً میرا خدا دعاؤں کو سنتا ہے۔

(۴۰) پھر بھی درخواست اور دعا جاری رکھتے ہیں اور عرض کرتے ہیں پروردگارا! مجھے نماز قائم کرنے والا قرار دے اور اے میرے خدا! میری اولاد میں سے بھی اسی طرح قرار دے۔ پروردگارا! میری دعا قبول کر لے۔

(۴۱) اور آخری تقاضا ابراہیم علیہ السلام نے یہ کیا، پروردگارا! مجھے میرے ماں باپ اور سب مومنین کو اس روز بخش دینا جس دن حساب قائم ہو۔

(۴۲) وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۚ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ	اور (اے پیغمبر) کہیں یہ گمان نہ کر کہ خدا ظالموں کے اعمال سے غافل ہے (ایسا نہیں ہے بلکہ اس نے) ان کیلئے (سزا کو) اس دن کیلئے موخر کر رکھا ہے جس دن (خوف و دہشت کے مارے) آنکھیں پتھرا جائیں گی۔
(۴۳) مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ	وہ گردنیں اوپر کئے اور سر اٹھائے ہوں گے اور ان کی آنکھیں بے حرکت ہو کر رہ جائیں گی اور ان کے (ڈوبتے ہوئے) دل بالکل ویران ہوں گے۔
(۴۴) وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ	اور لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جس روز عذابِ الٰہی ان کی طرف آئے گا وہ دن کہ جب ظالم کہیں گے پروردگارا! ہمیں تھوڑی سی مدت کیلئے مہلت دے دے تاکہ ہم تیری دعوت قبول کر لیں اور رسولوں کی اتباع کر لیں (لیکن انہیں فوراً جواب دیا جائے گا کہ) کیا پہلے تم قسم کھا کر نہ کہتے تھے کہ تمہارے لئے زوال وفنا نہیں ہے۔

(۴۵) وَ سَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ	(کیا وہ تمہی نہ تھے کہ) جنہوں نے ان لوگوں کے گھروں اور (محلات) میں سکونت اختیار کی کہ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا جب کہ تم پر یہ امر آشکار ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ہم نے تم سے (گزشتہ لوگوں کے انجام کی) مثالیں بیان کر دی تھیں (پھر بھی تم بیدار نہ ہوئے)۔

تفسیر

جس روز آنکھیں پتھرا جائیں گی

گزشتہ آیات میں یوم حساب کے بارے میں گفتگو تھی۔اسی مناسبت سے زیر نظر آیات میں ظالموں اور ستمگروں کی کیفیت مجسم کی گئی ہے اور ان کے انجام کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے کہ جو ہلا دینے والی اور بیدار کرنے والی ہے ضمناً مسائل معاد کے اس حصے کے ذکر سے گزشتہ مباحث توحید کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔

پہلے ظالموں اور ستمگروں کو تہدید کی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر کہیں یہ گمان نہ کرنا کہ خدا ظالموں اور ستمگروں کے کام سے غافل ہے۔

یہ بات درحقیقت ان لوگوں کا جواب ہے کہ جو کہتے ہیں کہ اگر اس عالم کا کوئی عادل خدا ہے تو پھر اس نے ظالموں کو کیوں ان کی حالت پر چھوڑ رکھا ہے کیا وہ ان کی حالت سے غافل ہے یا پھر کیا وہ جانتا تو ہے لیکن انہیں روکنے کی قدرت نہیں رکھتا؟

اس سوال کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ خدا ہرگز غافل نہیں ہے اگر وہ انہیں فوراً سزا نہیں دیتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جہان میدان عمل ہے اور یہ انسان کی آزمائش و پرورش کا مقام ہے اور یہ مقصد آزادی عمل کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا لیکن آخر کار ان کا یوم حساب آ کے رہے گا۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے خدا نے ان کی سزا اور عذاب ایسے دن پر اٹھا رکھا ہے جس میں خوف و وحشت کے مارے آنکھیں پتھرا جائیں گی اور ایک نقطہ پر لگی بے حس و حرکت ہو کر رہ جائیں گی۔

اس روز کی سزا اور عذاب اس قدر وحشت ناک ہوگا کہ شدید خوف کے باعث یہ ستمگر اپنی گردنیں اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ ان کی پلکیں بھی حرکت نہ کریں گی اور شدت اضطراب سے ان کے دل ویران ہو جائیں گے۔

(۴۳) یہ اضطراب و وحشت کے عالم کی انتہائی عمدہ اور بولتی ہوئی تصویر کھینچی گئی ہے اس روز ظالموں کی یہ حالت ہوگی۔وہ ظالم کہ جو غرور و تکبر میں ہر چیز کا مذاق اڑاتے اور تمسخر کرتے تھے۔اس دن ان کی بے چارگی کا یہ عالم ہوگا کہ پلکیں بھی نہ جھپک سکیں گے ان ہولناک مناظر سے آنکھیں چرانے کیلئے آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھیں ہوں گے کیونکہ وہ جدھر بھی دیکھیں گے وحشت ناک مناظر

ان کے سامنے ہوں گے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو عقل کل خیال کرتے تھے اور دوسروں کو بے عقل تصور کرتے تھے اس روز عقل و ہوش گنوا بیٹھیں گے اور دیوانے معلوم ہوں گے بلکہ ان کی آنکھیں مردوں کی آنکھوں کی طرح ویران اور بے حرکت ہوں گی۔

واقعاً جب قرآن کسی منظر کی تصویر کشی کرتا ہے تو نہایت مختصر عبارت میں کامل ترین تصویر پیش کر دیتا ہے زیر نظر آیت بھی اس کا ایک نمونہ ہے۔ اس کے بعد اس لئے کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ خدائی عذاب کسی خاص گروہ سے مربوط ہے خدا تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک عمومی حکم دیتا ہے تمام لوگوں کو اس دن سے ڈرا جس دن پروردگار کا دردناک عذاب بدکاروں کا رخ کرے گا جس وقت ظالم اپنے اعمال کے وحشت ناک نتائج دیکھیں گے تو پریشان ہوں گے اور ان کی تلافی کیلئے سوچیں گے اور عرض کریں گے پروردگارا! ہمیں کچھ دیر کی مہلت دے دے۔ تاکہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم تیری دعوت قبول کریں اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں۔

لیکن فوراً ان کی بات مسترد کر دی جائے گی اور انہیں ہولناک پیغام دیا جائے گا کہ ایسا ہونا اب محال ہے عمل کا دور ختم ہو چکا ہے کیا تمہی نہ تھے جو قسم کھایا کرتے تھے کہ تمہاری طاقت زوال پذیر نہیں ہے۔

(۴۵) تم وہی نہیں جو ان کے گھروں اور محلات میں رہتے تھے جنہوں نے ظلم کیا تھا جب کہ تم پر حقیقت آشکار ہو چکی تھی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ہم نے تم سے گزشتہ امتوں کی ہلا دینے والی مثالیں بیان کیں لیکن ان عبرت انگیز درسوں میں سے کوئی بھی تم پر اثر انداز نہ ہوا اور تم نے اسی طرح اپنے شرمناک اعمال اور ظلم وستم کا سلسلہ جاری رکھا اور اب جبکہ تم الٰہی کیفر کردار کو پہنچے ہو تو مہلت دیئے جانے کا تقاضا کر رہے ہو۔

(۴۶) وَقَدۡ مَكَرُوۡا مَكۡرَهُمۡ وَ عِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡرُهُمۡ ؕ وَ اِنۡ كَانَ مَكۡرُهُمۡ لِتَزُوۡلَ مِنۡهُ الۡجِبَالُ ؕ	انہوں نے اپنا پورا مکر کیا اور ان کے سارے مکر اور (سازشیں) خدا کے سامنے آشکار ہیں اگرچہ ان کے مکر سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔
(۴۷) فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ مُخۡلِفَ وَعۡدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ؕ	اور یہ گمان نہ کرنا کہ خدا ان وعدوں کی خلاف ورزی کرے گا کہ جو اس نے اپنے رسولوں سے کئے ہیں کیونکہ خدا توانا (بھی) ہے اور صاحبِ انتقام بھی۔
(۴۸) يَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوۡا لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ	وہ دن جب یہ زمین دوسری زمین میں بدل جائے گی اور آسمان (دوسرے آسمانوں میں) تبدیل ہو جائیں گے اور خدائے واحد و قہار کی بارگاہ میں ظاہر ہوں گے۔

(۴۹)وَ تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ	اور تو اس دن مجرموں کو اکٹھا طوق وزنجیر میں جکڑا ہوا دیکھے گا۔
(۵۰) سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ	اوران کا لباس قطران (جلانے والا چپکا ہوا بدبودار مادہ) کا ہوگا اوران کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی۔
(۵۱)لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ	تا کہ خدا ہر شخص کو جو کچھ اس نے انجام دیا ہے اس کی جزا دے کیونکہ خدا سریع الحساب ہے۔
(۵۲) هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ	(یہ قرآن سب) لوگوں کیلئے اعلان ہے تا کہ سب کو تہدید ہو جائے اور (سب) جان لیں کہ وُہ اکیلا معبود ہے، نیز اسلئے کہ صاحبانِ عقل (اورغور وفکر کرنیوالے) نصیحت حاصل کریں۔

تفسیر

ظالموں کی کمزور سازشیں

گزشتہ آیات میں ظالموں کی کچھ سزاؤں کی طرف اشارہ ہو چکا ہے ان آیات میں بھی پہلے ان کے بعض کاموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور پھر ان کیلئے بعض سخت اور دردناک سزاؤں کا ذکر ہے۔

پہلی آیت میں ہے انہوں نے مکر کیا اور جس قدر ان سے بن پڑتا تھا سازش اور شیطنت کی۔

خلاصہ یہ کہ تیرے دشمنوں نے اسلام کو مٹانے اور نابود کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا ڈرنے دھمکانے سے لے کر اذیت وآزار اور قتل تک کی سازش کی نیز وہ پراپیگنڈا کرتے رہے اور طرح طرح کی تہمتیں لگاتے رہے۔

لیکن ان سب کے باوجود اللہ ان کی تمام سازشوں سے آگاہ ہے اور ان کے تمام کام اس کے ریکارڈ میں ہیں۔ بہر حال پریشان نہ ہو۔ یہ نیزنگیاں منصوبے اور سازشیں تجھ پر اثر نہیں ڈالیں گی اگر چہ وہ اپنے مکر سے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں۔

دوبارہ روئے سخن پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف ہے اور ظالموں اور بدکاروں کو دھمکی دی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے تم یہ گمان نہ کرنا کہ خدا نے انبیاء سے جو وعدہ کیا ہے اس کی خلاف ورزی کرے گا۔ کیونکہ وعدہ خلافی تو وہ کرتا ہے جو قادر وتوانا نہ ہو یا سزا وانتقام اس کی لغت میں نہ ہو لیکن خدا توانا بھی ہے اور صاحب انتقام بھی۔

یہ آیت درحقیقت ایک گزشتہ آیت ”ولا تحسبن اللّٰہ غافلا عما یعمل الظالمون“ کی تکمیل کرتی ہے یعنی اگر

تم دیکھتے ہو کہ ظالموں کو مہلت ملی ہوئی ہے تو وہ اس لئے نہیں کہ پروردگار ان کے اعمال سے غافل ہے اور نہ اس لئے کہ وہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرے گا بلکہ ان کا تمام حساب ایک ہی دن چکا دے گا اور انہیں عادلانہ طور پر سزا دے گا۔

مزید فرمایا گیا ہے یہ سزا ایسے دن دی جائے گی جب یہ زمین دوسری زمین میں تبدیلی ہو جائے گی اور یہ آسمان دوسرے آسمانوں میں تبدیل ہو جائے گا۔

اس روز ہر چیز تباہی کے بعد پھر سے صورت پذیر ہوگی اور انسان نئے حالات کیساتھ نئے عالم میں قدم رکھے گا ایسا عالم کہ جس کی تمام چیزیں اس عالم سے مختلف ہوں گی اس کی وسعت اس کی نعمتیں اور اس کی سزائیں سب مختلف ہوں گی اور اس روز جو کچھ بھی کسی کے پاس ہے وہ سب پوری طرح واحد وقہار خدا کے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔

(۴۹) اس آیت میں مجرمین کی حالت کی ایک اور پہلو سے تصویر کشی کی گئی ہے اس روز تو مجرموں کو دیکھے گا کہ وہ طوق و زنجیر میں جکڑے ہوں گے ان کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوں گے اور وہ ایک دوسرے سے بھی بندھے ہوں گے۔

اس کے بعد ان کے لباس کے بارے میں بتایا گیا ہے اور یہ بھی ان کے لئے ایک عذاب عظیم ہے ارشاد ہوتا ہے ان کے لباس قطران کے مادہ سے بنے ہوئے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ کے شعلے ڈھانپ لیں گے۔

(۵۰) یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ لباس گناہ پہن کر مجرم اس جہان میں بارگاہ الٰہی میں بھی اپنے تئیں روسیاہ کرتے ہیں اور ان کے گناہ کا تعفن اس معاشرے کو بھی آلودہ کرتا ہے نیز ان کے اعمال میں اس معاشرے میں فساد و گناہ کی آگ بھڑکانے کا باعث بنتے ہیں یہ قطران کہ جس کا لباس انہیں اس جہان میں پہنایا جائے گا گویا ان کے اس جہان کے اعمال کی تجسیم ہے۔

یہ جو آیت میں ہے کہ آگ کے شعلے ان کے چہروں کو ڈھانپ دیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس حصے پر قطران نہیں ہوگا وہ اس کے شعلوں میں جلے گا۔

(۵۱) یہ اس لئے ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے کیے کے مطابق جزا دے۔

دوسرے لفظوں میں ان کی جزا ان کے اعمال مجسم ہونا ہے اس خاص تعبیر کے باعث یہ آیت تجسیم اعمال کی ایک اور دلیل ہے آخر میں فرمایا گیا ہے۔ اللہ سریع الحساب ہے۔

بالکل واضح ہے کہ جب انسان کے اعمال ختم نہ ہوں اور چہرہ بدل کر انسان کے پاس آ جائیں تو اس سے زیادہ جلدی حساب اور کیا ہوگا اور در اصل انسان کا حساب اس کے ساتھ ساتھ ہی ہے۔

یہ سورہ اور تمام قرآن چونکہ لوگوں کو دعوت توحید دیتا ہے احکام الٰہی کی تبلیغ کرتا ہے اور احکام الٰہی کی خلاف ورزیوں سے ڈراتا ہے لہذا اس سورہ کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے قرآن کا ابلاغ سب لوگوں کیلئے عمومی ہے۔ اور انہیں ڈرانے والا ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ جان لیں کہ ان کا معبود بس وہی ایک ہے۔